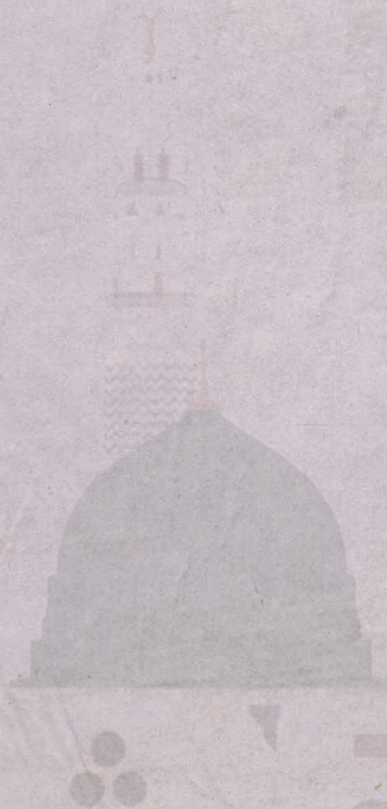
مکتوبات صدی
اردو

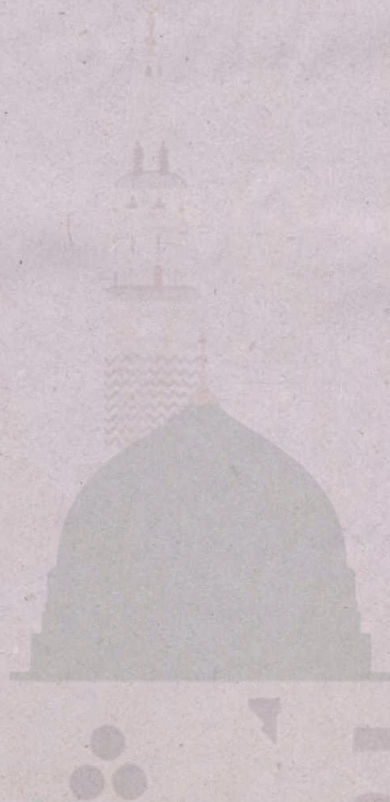
از

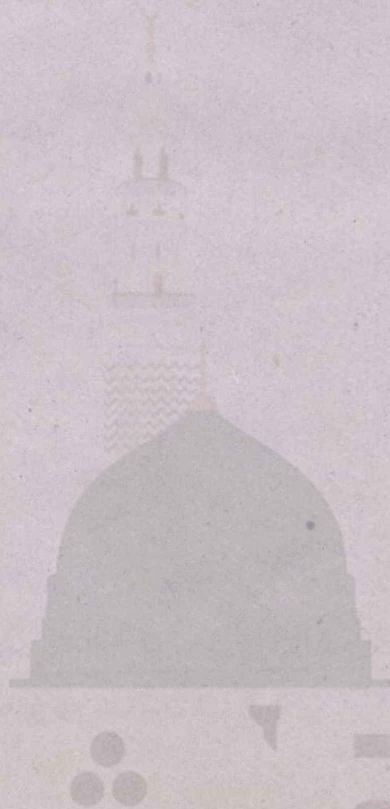
سید السالکین زبدۃ العارفین
مخدوم جہاں شیخ شرف الحق والدین
احمد یحییٰ منیری
رحمۃ اللہ علیہ

مرتبہ: پروفیسر ڈاکٹر سید شاہ محمد نعیم ندوی

ناشر:
ایچ ایم سعید کمپنی
ادب منزل پاکستان چوک کراچی







فذکر ان نفعت الذکریٰ

مکتوباتِ صدی

(جلد اول و جلد دوم کامل)

از

سید السالکین زبدۃ العارفین سلطان المحققین

مخدوم جہاں شیخ شرف الحق والدین احمد یحییٰ منیری قدس اللہ سرہ

مترجمہ

حضرت سید شاہ نجم الدین احمد فردوسی رحمۃ اللہ علیہ

و

حضرت سید شاہ الیاس یاس بہاری فردوسی رحمۃ اللہ علیہ

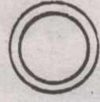
مرتبہ

پروفیسر ڈاکٹر سید شاہ محمد نعیم ندوی فردوسی القادری

صدر شعبۂ اردو۔ جامعہ سندھ جامشورہ

ناشر

ایچ۔ایم سعید کمپنی ادب منزل پاکستان چوک کراچی



مطبوعہ

ایجوکیشنل پریس کراچی



قیمت :   روپے

فہرست

مکتوبات صدی (جلد اول و جلد دوم)

عنوان	صفحہ نمبر

مکتوبات صدی (حصہ دوم)

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر



اظہارِ عقیدت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ناز ہے شاہد فطرت کو بھی جن پر ہمدم	وہ چمن سب ہیں لگائے ہوئے دیوانوں کے
بے جنوں آگہی نہیں ملتی	اور جنوں بھی کسی کسی کے لئے

حضرت شرف الدین یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ کی ذات اقدس سے اگر آج دنیا واقف نہیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ عوام کی طرح "خواص" نے بھی اس عظیم شخصیت کو اپنے ذہن سے محو کر دیا ہے ۔

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم	شکایت ہے جفائے دوستاں سے

آپ کے ہم عصر حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت[۱] رحمۃ اللہ علیہ مکتوبات کے مضمون میں غوطہ زن ہونے کے لئے کبھی کبھی بعض مکتوبات کے لئے چلہ کشی فرمایا کرتے تھے ۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی چند اقتباسات کی تشریحات اپنے بعض مکتوبات میں فرمائی ہیں ۔

عرصہ سے مکتوبات صدی نایاب تھے اور یہاں تو مکتوبات دوصدی چھپے ہی نہیں اور بہار شریف (ہندوستان) میں بھی چھپ کر ختم ہو گئے ۔ محترم ڈاکٹر سید شاہ محمد نعیم ندوی صاحب جنہوں نے مکتوبات شریف کو دوبارہ چھپوانے کی طرف اپنی توجہ مرکوز کی ۔ قابل مبارکباد ہیں اور محترمی و مشفقی محمد زکی صاحب کا بھی شکرگذار ہوں انہوں نے نہ صرف تجارتی مقصد سے بلکہ ازراہ محبت و عقیدت حضرت ڈاکٹر ندوی صاحب سے اس کے چھاپنے کا وعدہ کر لیا اور اس کی اشاعت کی یہ سعادت حاصل کی ۔

برسہا برس سے مجھے مکتوبات صدی ، دوصدی اور آپ کی دیگر تصنیفات اور حالات دیکھنے کا

---

[۱] مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ کے مفصل حالات نہایت تحقیق سے پروفیسر محمد ایوب قادری صاحب نے لکھے ہیں اور انہیں حاجی محمد زکی صاحب نے اپنی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی سے شائع کیا ہے ۔

شرف حاصل رہا ہے بلکہ وظیفہ کے طور پر یہ مکتوبات میرے مطالعہ میں رہتے ہیں اور ان کی افادیت کا ذکر ممکن نہیں بجز اس کے کہ شکرانہ میں یہی دعا کی جائے ۔

مہ و انجم کے خالق پھر وہی تارے فروزاں کر
اُسی آفاق پر پھر بے رونق معلوم ہوتی ہے (آمین)

میں نے آپ کے دو خطوط "توشۂ آخرتؒ" میں شامل کرکے کئی مرتبہ چھپوائے ہیں اور تقاریر میں آپ کا ذکر بغیر کئے رہ ہی نہیں سکتا اسے میں آپ کا روحانی تصرف و فیض خیال کرتا ہوں کہ اولیائے عظام کی نوازش طالب کے لئے ہمیشہ ہی طرۂ امتیاز رہی ہے ۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ جلد اس "سرمایۂ حیات" کو شائقین تک پہنچانے کی توفیق عطا فرمائے ۔ (ثم آمین) اور محبوب کونین کے صدقے میں ہمیں علم و عمل کی بھی توفیق عطا ہو ۔

والسلام طالب دعا

خاکسار ۔ مظہر علی خان

کراچی ۲۳ رجون ۱۹۷۶ء

لہ حضرت مولانا امین القضاۃؒ اور ان کے شیخ محترم کے وظائف کا مجموعہ ہے ۔

پیش لفظ طبع ثانی

دلا ہرگز نہ یابی در جہاں ہمچو شرف پیرے　　کہ مالا مال از رشد سید اشرف جہانگیرے

مکتوبات صدی سلطان المحققین مخدوم جہاں حضرت شیخ شرف الحق والدین احمد یحییٰ منیری قدس اللہ سرہ العزیز کی تصانیف میں سب سے زیادہ معروف و مقبول تصنیف ہے۔ ان سو مکتوبات میں سے چالیس مکتوبات کا ترجمہ عم محترم حضرت سید شاہ نجم الدین احمد علیہ الرحمہ نے کیا تھا جو "اخبار اتحاد" بہار شریف ضلع پٹنہ کی مروری اشاعت میں چھپتا رہا بعد میں اس کو کتابی شکل دے دی گئی جو ۱۹۲۶ء میں پہلی مرتبہ "اتحاد پریس" بہار شریف ضلع پٹنہ (بھارت) سے دو جلدوں میں شائع ہوئی۔

پاکستان کے عالم وجود میں آنے کے کچھ عرصے بعد شیدایانِ شرفؒ کا اصرار ہوا کہ اس ترجمہ کی اشاعت یہاں بھی ہونی چاہیئے تاکہ اہل پاکستان بھی اس چشمۂ فیوض و برکات اور مخزنِ رشد و ہدایات سے روحانی فیض حاصل کر سکیں اور اس بحر علم و عرفاں سے کما حقہ سیراب ہوں چنانچہ حاجی مولوی محمد سلیمان صاحب قادری ابو العلائی مرحوم، سابق سپرنٹنڈنٹ محکمہ رسد و صنعت حکومت پاکستان نے اس کی طباعت و اشاعت کی ذمہ داری اپنے سر لی اور اس ناچیز سے کتاب حاصل کر کے اگست ۱۹۶۲ء میں انجمن پریس لارنس روڈ سے طبع کرا کے پاکستان سے پہلی بار شائع کیا۔ الحمد اللہ قدر دانوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا اور مختصر مدت میں کتاب ختم ہو گئی۔ مگر اہل ذوق حضرات کا تقاضا باقی رہا۔

معتقدین اور متوسلین کے اس تقاضے کو مد نظر رکھتے ہوئے اس ناچیز نے از سر نو تہذیب و ترتیب کی اور فارسی اشعار اور عربی عبارات کے ترجمہ کا اضافہ کر کے ۱۹۶۸ء میں دوسری مرتبہ پیکو آرٹ پریس لاہور سے طبع کرا کر شائع کیا۔

اس کے ساتھ ہی دوسری جلد جو ساٹھ مکتوبات پر مشتمل ہے جس کا ترجمہ حضرت سید شاہ محمد الیاس صاحب پاس بہاری رحمۃ اللہ علیہ نے کیا تھا اور غیر مطبوعہ تھا پہلی مرتبہ اس ہیچمداں نے ایک بسیط مقدمہ کے ساتھ سید الیکٹرک پریس ملتان سے ۱۹۶۴ء میں طبع کرا کر شائع کیا۔

اللہ تبارک تعالیٰ نے ان دونوں کتابوں کو جو مقبولیت عطا فرمائی وہ ہمارے لئے باعث صد تشکر و امتنان اور فخر و نازش کا سرمایہ ہے نہ صرف یہ کہ عام قدر دانوں نے اس کو جان و دل سے خریدا بلکہ خواص، صوفیائے کرام اور علمائے عظام کے طبقے نے بھی اس کی قدر شناسی کی۔ الحمد للہ والمنہ عرصہ ہوا کہ یہ دونوں جلدیں ختم ہو گئیں اور ھل من مزید کی صدا ہنوز گونج رہی ہے۔

ان دونوں ترجموں کو یکجا کر کے حلقۂ تصنیف، بیت الشرف خانقاہ معظم بہار شریف ضلع پٹنہ (بھارت) سے کلکتہ میں طبع کرا کر ۱۹۷۳ء میں شائع کیا۔

ارباب اہل ذوق، معتقدین و متوسلین کا شدید تقاضہ ہے کہ ان سو مکتوبات کے ترجمہ کو یکجا کر کے پاکستان سے بھی شائع کیا جائے عرصہ سے اس فکر میں تھا اتفاقاً ایک دن جناب حاجی محمد زکی صاحب مالک ایجوکیشنل پریس سے ملاقات ہوئی۔ باتوں باتوں میں حضرت مخدوم جہاں کا ذکر آیا تو معلوم ہوا کہ موصوف کی حضرت مخدوم جہاں سے بڑی عقیدت ہے چنانچہ انہوں نے اس کتاب کی طباعت و اشاعت کی ذمہ داری اپنے سر لے لی۔ جزاک اللہ فی الدارین خیرا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں فلاح دینی و دنیوی سے خوب خوب نوازے آمین

طبع اول میں جیسا کہ خاتمہ میں ذکر کیا گیا تھا کہ کتابت کے اغلاط اور سہو کے چند مسامحات رہ گئے تھے۔ اس طبع میں جہاں تک امکان انسانی ہے تصحیح کی انتہائی کوشش کی گئی ہے۔ ؏

شادم از زندگیٔ خویش کہ کارے کردم

سید محمد نعیم ندوی

لطیف آباد - حیدر آباد
یکم رمضان المبارک ۱۳۹۵ھ
۱۹۷۵ء

پیش لفظ طبع اوّل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۹۶۵ء میں اپنے والد ماجد حضرت سید شاہ محمد ابراہیم حسین رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت کے بعد مجھے بہار شریف جانے کا موقع ملا۔ وہاں حضرت مخدوم جہاںؒ کے موجودہ سجادہ نشین، پیرو مرشد آقائی و مولائی حضرت سید شاہ محمد سجاد صاحب مدظلہٗ کی خدمت میں مکتوباتِ حضرت مخدوم جہاںؒ کا ذکر آیا۔ اور ترجمہ کی اشاعت پر گفتگو رہی۔ اس وقت خانقاہِ معظم میں دو ترجمے موجود تھے۔ پہلا ترجمہ صرف چالیس مکتوبات کا تھا جو مطبوعہ تھا۔ اُس کے مترجم حضرت سید شاہ نجم الدین احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ بقیہ ساٹھ مکتوبات کا ترجمہ حضرت سید شاہ الیاس رحمۃ اللہ علیہ نے کیا تھا، جو غیر مطبوعہ تھا۔ اور برادرِ عزیز سید شاہ عزیز احمد صاحب طال اللہ عمرہٗ و درجاتہٗ کی ملکیت تھا۔ میں نے خواہش ظاہر کی کہ یہ حصہ مجھے عنایت کر دیا جائے تاکہ پاکستان میں اس کی اشاعت کا انتظام کیا جا سکے۔ چنانچہ از راہِ شفقت یہ خدمت میرے سپرد کر دی گئی۔ اور مسودہ حوالہ کر دیا گیا۔ واپس آ کر اس کی کتابت و طباعت کی طرف لوگوں کی توجہ مبذول کرائی۔ مگر ہر طرف سے مایوسی ہوئی۔ حالانکہ یہاں وہ لوگ بھی موجود ہیں جنھیں فرزندیت کا شرف حاصل ہے۔ اور معتقدین و متوسلین کی بھی کوئی کمی نہیں۔ ان میں سے اکثر حضرات ایسے بھی ہیں جو اگر چاہیں تو مخدوم جہاںؒ کی تمام کتابوں کے ترجمے کرا کر شایع کرا سکتے ہیں۔ بنہایت ہی حسرت کے ساتھ لکھنا پڑ رہا ہے کہ صوبہ بہار کے اتنے اہلِ علم اور اتنے اہلِ ثروت کے موجود ہوتے ہوئے مجھے تین سال سے زیادہ مدت تک انتظار کرنا پڑا۔ ساتھ ہی سخت ندامت اور شرمندگی بھی ہے کہ جس وعدے کے ساتھ مسودہ کو لے کر آیا تھا اُسے ایفا نہ کر سکا۔

یہ دیکھ کر جہاں ایک طرف دلی مسرت ہوتی ہے کہ دوسرے سلاسل کے اکابرِ دین کے مکتوبات وملفوظات اور دیگر تصانیف کے ترجمے شایع ہو کر منظرِ عام پر آچکے ہیں، وہاں یہ دُکھ بھی ہوتا ہے کہ ہمارے مخدومِ جہاں حضرت شیخ شرف الحق والدین احمد یحییٰ منیری قدس اللہ سرّہٗ العزیز کی کتابوں کے ترجموں کی طباعت واشاعت کا اب تک کوئی معقول انتظام نہ ہوسکا۔ حالانکہ آپ کے فیوض وبرکات سے عوام وخواص ہر دَور میں یکساں طور پر مستفیض ہوتے رہے ہیں۔ ہم پھر یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ باوجود دولت وثروت کے حضرت مخدوم جہاںؒ کے معتقدین اور متوسلین میں غیر معمولی طور پر جمود طاری ہے جسے حرکت میں لانا آسان کام نہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں توفیق عطا فرمائے کہ وہ عزم بالجزم لے کر اٹھیں اور مخدوم جہاں کی جملہ تصانیف کے ترجموں کی اشاعت کا معقول انتظام کریں، تاکہ مسلمانوں میں ایمانی حرارت اور دینی حمیت پیدا کر کے احیاے دین اور تبلیغ واشاعت میں معاون ہونے کا شرف حاصل کرسکیں۔

الحمد للہ! کہ اس طویل مدت کے بعد مکتوباتِ صدی کے ترجمہ مع متن کی طباعت کا انتظام ہو گیا۔ اس کو دو جلدوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ اس لیے کہ ترجمے دو الگ الگ حضرات کے ہیں۔ پہلی جلد میں ایک سے چالیس مکتوبات کا ترجمہ مع متن کے ہے۔ اور دوسری جلد میں اکتالیس سے لے کر سو مکتوبات تک کا ترجمہ متن کے ساتھ شامل ہے۔ برادرِ عزیز سید شاہ عزیز احمد سلمہ اللہ تعالیٰ کے ہم شکر گذار ہیں کہ انھوں نے ہم پر اعتماد کر کے ترجمے کا مسودہ ہمارے حوالہ کیا۔

برادرم سید شاہ غلام جیلانی ایگزیکیوٹیو انجنیر کے بھی ہم بے حد ممنون ہیں کہ انھوں نے مبلغ پانچ سو کی رقم سے اس کی کتابت میں میری مدد کی۔ اللہ تعالےٰ انھیں دین ودنیا میں صلاح وفلاح سے بے حد نوازے آمین! اور برادرم سید احمد نعیم مرحوم نے تو دامے، درمے، قدمے سخنے ہر طرح سے میری مدد کی۔ اللہ تعالےٰ انھیں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ آمین! اور جنت الفردوس میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام عطا کرے۔ ثم آمین!

جناب فضل محمود صاحب ڈائرکٹر السنداد جرائم، لاہور۔ کا شکریہ ہم کس منھ سے

ادا کریں۔ انھوں نے تو وہ کیا جو اپنے بھی نہ کر سکے۔ جناب فضل صاحب ایک خدا ترس بزرگ ہیں۔ جملہ بزرگانِ دین سے بالعموم اور حضرت مخدومِ جہاں سے بالخصوص بے پناہ عقیدت رکھتے ہیں۔ انھوں نے دو ایسے مخیر حضرات فراہم کر دیے جنھوں نے ان دونوں جلدوں کی طباعت، کاغذ، جلد بندی اور اشاعت کی ذمہ داری اپنے سر لے لی۔ ان میں سے ایک جناب حاجی محمد احمد صاحب لاہور اور دوسرے حضرت میاں محمد شفیع صاحب لاہور ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان تینوں حضرات کو دینی و دنیاوی برکتوں کی سعادت سے خوب خوب نوازے آمین! اور عاقبت و خاتمت بخیر فرمائے، ثم آمین!

این کار از تو آید و مردان چنین کنند

پروف کے پڑھنے میں خاصی محنت اور دیدہ ریزی سے کام لیا گیا ہے۔ پھر بھی بشریت کا تقاضہ ہے کہ غلطی ہو۔ اس لیے ناظرین سے التماس ہے کہ اس کو اس ہیچمدان کی کم علمی پر محمول کر کے نظر انداز کر دیں۔ اور عیب پوشی سے کام لے کر اعتذار قبول کریں۔

مجھے یقین ہے کہ مسلمانوں کی زندگی و سعادت کے لیے یہ کتاب سرچشمۂ حیات ثابت ہوگی۔ اور شریعت و طریقت و حقیقت کی فہم و بصیرت کا دروازہ ان پر کھل جائے گا۔

اے اللہ! بطفیلِ شفیع المذنبین ؐ اس فقیر کی کوشش ناتمام کو شرفِ قبولیت عطا فرما۔ آمین۔ اور بحق حضرت مخدوم جہاںؒ اس کتاب کو جملہ مسلمانوں کے لیے نافع بنادے اور اس ذرّۂ خاکپائے سگانِ فردوسیان، گنہگار فقیر حقیر کا خاتمہ بخیر فرما، ثم آمین۔

این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

فقیر حقیر شاہ محمد نعیم فردوسی القادری
استاد شعبۂ اُردو۔ جامعہ سندھ ۔ حیدر آباد

اِنَّ اللّٰہَ یَرْفَعُ بِھٰذَا الْکِتٰبِ اَقْوَامًا وَّ یَضَعُ بِہٖ اٰخَرِیْنَ

مقدمہ

حدیثِ عشق و سرمستی زمن بشنو، نہ از واعظ
کہ با جام و سبُو ہر شب قرینِ ماہ و پروینم

سوانح سُلطان المحققین حضرت شیخ شرف الحق والدین احمد یحییٰ منیری قدس اللہ سرہٗ العزیز کے جد اعلیٰ حضرت امام محمد تاج فقیہ رحمۃ اللہ علیہ قدس خلیل سے جو بیت المقدس کا ایک محلہ ہے ۵۷۶ھ میں قصبہ منیر ضلع پٹنہ میں تشریف لائے۔ یہاں کے راجہ سے جنگ کی اور منیر فتح کرلیا۔

حضرت امام کے تین صاحبزادے تھے۔ شیخ اسرائیل، شیخ اسمٰعیل اور شیخ عبد العزیز۔ حضرت امام نے اپنے صاحبزادوں کو اپنا قائم مقام بنا کر واپسی کا ارادہ کیا۔ اور بیت المقدس چلے گئے۔

حضرت اسرائیل کی سب سے بڑی اولاد حضرت مخدوم یحییٰ رح تھے جن کی شادی حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی پیر جگجوت[1] رح کی بڑی صاحبزادی حضرت بی بی رضیہ سے ہوئی آپ کے چار صاحبزادے ہوئے۔ شیخ جلیل، شیخ شرف الحق والدین، شیخ خلیل الدین، اور شیخ حبیب الدین۔

پیدائش حضرت مخدوم جہاںؒ کی والدہ ماجدہ بی بی رضیہ اپنے وقت کی ولیہ کاملہ تھیں۔ مشہور ہے کہ آپ نے بلا وضو حضرت مخدوم جہاں کو کبھی دودھ نہیں پلایا

[1] حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی پیر جگجوتؒ نے کاشغر کی سلطنت کو چھوڑ کر فقر کی راہ اختیار کی تھی۔

آپ کی پیدائش ۲۶، اور بروایتے ۲۹، شعبان المعظم ۶۶۱ھ کو سلطان ناصر الدین محمود کے زمانہ میں بمقام منیر شریف ضلع پٹنہ میں ہوئی۔ پیدائش کا مادۂ تاریخ "شرف آگین" ہے۔

تعلیم حضرت مخدوم جہاںؒ کی ابتدائی تعلیم اس زمانے کے مروجہ نصاب کے مطابق گھر ہی پر ہوئی۔ آپ کو حضرت علامہ اشرف الدین ابو توامہ جیسا استادِ کامل گیا۔ جن سے تمام دینی علوم، کلامِ پاک، تفسیر، حدیث، فقہ اور علمِ کلام کے علاوہ علوم عقلی مثلاً منطق و فلسفہ اور ریاضی وغیرہ کی بھی تکمیل کی۔

حضرت علامہ اشرف الدین ابو توامہ غیاث الدین بلبن (۱۲۲۸ء تا ۱۲۸۱ء) کے عہدِ حکومت میں بخارا سے دہلی تشریف لائے اور درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ آپ کے علمی تبحر کا شہرہ دُور دُور تک ہوا۔ عقیدت مندوں کا ہجوم ہونے لگا۔ ان کی ہر دل عزیزی سے سلطان کو خطرہ پیدا ہوا۔ چنانچہ اس نے سنارگاؤں (نزد ڈھاکہ) چلے جانے کا حکم صادر کر دیا۔ علامہ اثنائے سفر میں منیر شریف میں مقیم ہوئے۔ حضرت مخدوم یحییٰؒ نے آپ کے تواضع میں کوئی کمی نہیں کی اور جی کھول کر پذیرائی کی۔ اس قیام کے دوران میں استاد اور شاگرد دونوں نے ایک دوسرے کو قریب سے دیکھا اور ایک دوسرے کے گرویدہ ہو گئے۔ والدین کی اجازت کے بعد مخدومنا اُستاد کے ساتھ سنارگاؤں روانہ ہو گئے۔ علامہ نے ۶۶۸ھ میں سنارگاؤں پہنچ کر ایک مدرسہ اور ایک خانقاہ کی بنیاد رکھی۔ اور آخری دم تک درس و تدریس اور رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا۔ حضرت مخدوم جہاںؒ نے علومِ دینی و دنیوی ظاہری اور باطنی کی تحصیل میں اپنے اُستاد کے ساتھ بائیس سال گذارے۔ حضرت علامہ ابو توامہ کا وصال ۷۰۰ھ میں ہوا۔

شادی جب حضرت مخدومنا تمام علوم کے حصول سے فارغ ہوئے تو حضرت ابو توامہ نے آپ کو اپنی دامادی میں لینے کا خیال ظاہر کیا۔ پہلے تو مخدوم نے پس و پیش کیا۔ مگر استاد کی دل جوئی ملحوظِ خاطر تھی، اس لیے اس رشتہ کو قبول کر لیا۔ استاد کی دخترِ نیک اختر سے رشتۂ ازدواج میں منسلک ہونے کے کچھ عرصہ بعد حضرت والد ماجد مخدوم یحییٰؒ کے وصال کی خبر ملی۔ تاب و تواں جاتا رہا۔ بے اختیار ہو کر استاد سے اجازت چاہی اور اپنے خورد سالہ

بچپہ حضرت مخدوم ذکی کو ساتھ لے کر منیر تشریف لائے۔ حضرت مخدوم یحییٰ کا وصال ۱۱ شعبان المعظم سنہ ۶۹۰ھ کو ایک سو بیس برس کی عمر میں ہوا۔

تلاش پیر

مخدوم جہاں منیر پہنچ کر والدہ ماجدہ کی خدمت میں مشغول ہو گئے۔ مگر معرفتِ الٰہی کی وہ آگ جو برسوں سے سینہ میں فروزاں تھی بھڑک اُٹھی۔ آخر ایک روز اپنے صاحبزادہ حضرت مخدوم ذکیؒ کو اپنی والدہ ماجدہ کی گود میں دے کر فرمایا۔ "حضرت آپ اس بچہ کو شرف الدین کی جگہ سمجھیے اور اپنے بچہ کو طلبِ الٰہی کیلیے گھر سے باہر جانے کی اجازت دیجیے۔" آپ کی والدہ ماجدہ خود ولیہ کاملہ تھیں، اس بات سے خوش ہوئیں اور بخوشی ورغبت اجازت دے دی۔

مخدوم جہاں نے رختِ سفر باندھا اور دلّی کی راہ لی۔ آپ کے بڑے بھائی شیخ جلیل، جن کو آپ سے بے پناہ محبت تھی، ساتھ ہو لیے۔ اُس وقت دلّی نہ صرف حکومتِ ہند کا صدر مقام تھی، بلکہ اسے بزرگانِ دین اور اولیاء اللہ کے مرکز ہونے کا بھی شرف حاصل تھا۔ مخدوم جہاں وہاں کے جملہ مشائخِ کرام سے باری باری ملے۔ مگر کہیں تشفی نہ ہوئی۔ سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاءرح کی خدمت میں بھی پہنچے۔ مگر وہاں بھی سیری نہ ہوئی۔ دل کا اضطراب بڑھتا گیا۔ اور پانی پت حضرت بو علی شاہ قلندرؒ کے یہاں گئے، مگر "مردے ہست ولے مغلوب الحال" کہہ کر پھر دلّی لوٹ آئے۔

پانی پت سے واپسی کے بعد لوگوں نے خواجہ خواجگان حضرت نجیب الدین فردوسیؒ کا پتا بتایا۔ تو اُن کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ پہنچتے ہی رعب طاری ہوا اور جسم مبارک پسینہ پسینہ ہو گیا۔ حضرت نے دیکھتے ہی فرمایا۔

"درویش آٹھ برسوں سے تمھارا انتظار کر رہا
ہوں تاکہ تمھاری امانت تمھارے سپرد کر دوں"

اور بیعت لے لی۔ ساتھ ہی خرقہ، شجرہ اور کچھ نصائح لکھ کر ساتھ دیا اور رخصت کر دیا۔ پھر فرمایا کہ راستہ میں اگر کوئی بُری بھلی بات سنو تو دلّی واپس نہ آنا۔ مخدوم جہاں نے اپنی تعلیم و تربیت کے لیے کچھ دن قیام کرنے کی اجازت چاہی تو حضرت نجیب الدین فردوسیؒ نے

فرمایا کہ تمھاری تعلیم و تربیت بارگاہِ رسالت ﷺ سے مقدر ہے۔ تم اپنے وطن واپس جاؤ۔ اور اپنے کام میں مشغول ہو جاؤ۔

بیعت کے وقت کی کیفیت مختصر مگر نہایت ہی بلیغ انداز میں مخدومِ جہاںؒ نے خود تحریر فرمائی ہے :۔

"من چون بخواجہ نجیب الدینؒ پیوستم، حزنے در
دلِ من نہادہ شد کہ ہر روز آں حزن زیادہ می شد"

بیعت کے بعد دہلی سے جب وطن واپس جارہے تھے تو پیر کے وصال کی خبر ملی۔ مگر مرشد کے حکم کا احترام کرتے ہوئے دلّی لوٹ کر نہ آئے بلکہ وطن کی جانب بڑھتے ہی گئے۔ جب بہیا کے جنگل میں پہنچے تو مور کی آواز سُن کر نعرہ لگایا اور جنگل میں غائب ہو گئے۔ برادر محترم نے بہت تلاش کیا مگر کہیں پتا نہ پایا۔ چار و ناچار گھر آکر والدہ سے سارا قصہ سنایا۔ آپ کی والدہ ماجدہ کو اس خبر سے فطری طور پر صدمہ ہوا۔ مگر چونکہ وہ خود ولیہ تھیں اس لیے رضائے الٰہی کے سامنے سر جھکا دیا۔

مشہور ہے کہ آپ بہیا (ضلع شاہ آباد) کے جنگل میں بارہ سال تک یادِ الٰہی میں مشغول رہے۔ نہایت ہی سخت مجاہدے کیے۔ اور بڑی ریاضتیں کیں۔ وہیں آپ کی تعلیم و تربیت بارگاہِ نبوت سے پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ اس کے بعد آپ راجگیر کے جنگل میں دیکھے گئے۔ اس طرح تقریباً چالیس سال جنگلوں اور پہاڑوں پر زندگی بسر کی۔ اس چالیس سالہ زندگی میں آپ اپنے پروردگار کے ساتھ کیسے کیسے راز و نیاز کی منزلوں سے گذرے کسی کو خبر نہیں۔

راجگیر کو بہار شریف سے قربت حاصل ہے۔ اس لیے رفتہ رفتہ مخدومِ جہاں کے راجگیر کے جنگل میں قیام کی خبر تمام پھیل گئی اور لوگوں کا ہجوم بڑھنے لگا۔ تو آپ نے بدرجہ مجبوری بہار شریف میں اقامت اختیار کر لی۔ اس طرح درس و تدریس اور رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری ہو گیا۔

وصال

صاحبِ تاریخ سلسلۂ فردوسیہ لکھتے ہیں :۔

"پانچ شوال المکرم روز چہار شنبہ کو صبح کی نماز کے بعد ہی سے

مخدوم الملک نے سفر آخرت کی تیاری شروع کر دی تھی۔ اور خشیت و محبت کے ملے جلے جذبے کے ساتھ اپنا قدم پیا کے آستانے کی طرف یہ کہتے ہوئے بڑھانے لگے:۔

شرفا گور ڈراون، بنس اندھیاری رات   واں نہ پوچھے کوئی تم سے کا ہے تمری جات

جی مگن میں ہے کہ آئی ہیں سہانی رتیاں
جن کے کارن تھے بہت دن سے بنائی گتیاں

اور ۶ر شوال جمعرات کی رات کو عشا کی نماز کے وقت ۷۸۲ھ میں اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے۔ قطرہ سمندر میں اور جزو کل میں مل گیا۔ مادۂ تاریخ وفات پُر شرف ہے۔

این جان عاریت کہ بحافظ سپرد دوست   روزے رخش بہ بینم و تسلیم وے کنم

۶ر شوال المکرم جمعرات کے دن بوقت چاشت تجہیز و تکفین ہوئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ وصال کے وقت آپ نے وصیت فرمائی کہ میرے جنازے کی نماز ایسا شخص پڑھائے جو صحیح النسب سید ہو، تارکِ سلطنت ہو اور حافظ قراءتِ سبعہ ہو۔ جنازہ رکھا ہوا تھا اور لوگ ایسے شخص کے منتظر تھے کہ یکایک حضرت مولانا اشرف جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے۔ یہ تینوں شرطیں آپ میں موجود تھیں اس لیے آپ ہی نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ اور کچھ دنوں مزارِ مبارک پر چلہ کش رہ کر وہاں سے رخصت ہوئے۔

دلا ہرگز نیابی در جہاں ہمچون شرف پیرے   کہ مالامال از و شد سیدِ اشرف جہانگیرے

ان سولہ گھنٹوں کی پوری پوری اور لفظ بہ لفظ روداد اور کیفیات کو مخدوم جہاں کے مرید خاص حضرت مولانا زین بدر عربی نے بڑی تفصیل سے قلمبند کیا ہے جو وفات نامہ مخدوم الملک کے نام سے مطبوعہ ہے۔ اس کے پڑھنے سے مخدوم جہاں کے وداع کا مکمل منظر آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ پڑھنے والا خود اس وقت وہاں موجود تھا۔ طوالت کی وجہ سے اسے نظر انداز کیا جاتا ہے۔

شجرۂ بیعت

(۱)۔ شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مخدوم شرف الحق والدین احمد یحییٰ منیری فردوسی قدس اللہ سرہ العزیز۔

(۲)۔ شیخ الاسلام والمسلمین حضرت خواجہ نجیب الدین فردوسی قدس اللہ سرہ العزیز۔

(۳)۔ شیخ الاسلام والمسلمین حضرت خواجہ رکن الدین فردوسی قدس اللہ سرہ العزیز۔

(۴)۔ شیخ الاسلام والمسلمین حضرت خواجہ بدرالدین سمرقندی قدس اللہ سرہ العزیز۔

(۵)۔ شیخ الاسلام والمسلمین حضرت خواجہ سیف الدین باخرزی قدس اللہ سرہ العزیز۔

(۶)۔ شیخ الاسلام والمسلمین حضرت خواجہ نجم الدین کبرٰے قدس اللہ سرہ العزیز۔

(۷)۔ شیخ الاسلام والمسلمین حضرت خواجہ ضیاء الدین ابو نجیب سُہروردی قدس اللہ سرہ العزیز۔

(۸)۔ شیخ الاسلام والمسلمین حضرت خواجہ وجیہ الدین ابو حفص قدس اللہ سرہ العزیز۔

(۹)۔ شیخ الاسلام والمسلمین حضرت خواجہ محمد عبد اللہ المعروف بہ عمویہ قدس اللہ سرہ العزیز۔

(۱۰)۔ شیخ الاسلام والمسلمین حضرت خواجہ احمد سیاہ دینوری قدس اللہ سرہ العزیز۔

(۱۱)۔ شیخ الاسلام والمسلمین حضرت خواجہ ممشاد علو دینوری قدس اللہ سرہٗ العزیز۔

(۱۲)۔ شیخ الاسلام والمسلمین حضرت خواجہ ابو القاسم جنید بغدادی قدس اللہ سرہ العزیز۔

(۱۳)۔ شیخ الاسلام والمسلمین حضرت خواجہ سری سقطی قدس اللہ سرہ العزیز۔

(۱۴)۔ شیخ الاسلام والمسلمین حضرت خواجہ معروف کرخی قدس اللہ سرہ العزیز۔

(۱۵)۔ شیخ الاسلام والمسلمین سیدنا حضرت امام علی موسیٰ رضا رضی اللہ عنہ۔

(۱۶) شیخ الاسلام والمسلمین سیدنا حضرت امام موسیٰ کاظم رضا رضی اللہ عنہ۔

(۱۷) ۔ شیخ الاسلام والمسلمین سیدنا حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ ۔

(۱۸) ۔ شیخ الاسلام والمسلمین سیدنا حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ ۔

(۱۹) ۔ شیخ الاسلام والمسلمین سیدنا حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ ۔

(۲۰) شیخ الاسلام والمسلمین امیر المومنین سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ ۔

(۲۱) شیخ الاسلام والمسلمین امیر المومنین سیدنا علی ابنِ ابی طالب کرم اللہ وجہہٗ ۔

(۲۲) سید المرسلین خاتم النبیین، امام المتقین، شفیع المذنبین احمد مجتبٰی محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ و بارک وسلم

مخدومؒ اور علوم

مخدومِ جہاںؒ کے مکتوبات، ملفوظات، رسالہ جات اور تصنیفات کے مطالعہ سے ان کے تبحّرِ علمی اور وسعتِ نظر کا صحیح طور پر اندازہ ہوتا ہے۔ علومِ ظاہری کی شاید ہی کوئی شاخ ایسی ہو جس سے آپ کا کوئی تعلق نہ ہو۔ علمائے سلف کی صفِ اول میں آپ کو جگہ دی گئی ہے۔ آپ امامِ وقت تھے اور اجتہاد کا درجہ آپ کو حاصل تھا۔ تفسیر، حدیث، فقہ، اصول، ادب، منطق، فلسفہ کلام، ریاضی، ہیئت اور ہندسہ کوئی فن ایسا نہیں جس پر آپ حاوی نہ ہوں۔ اور کوئی علم ایسا نہ تھا جس میں پوری دستگاہ آپ کو حاصل نہ ہو۔

فن حدیث

ہندوستان میں مسلم حکومت کو قائم ہوئے عرصہ گذر چکا تھا۔ خود مخدوم جہاں کے عہد میں مسلم حکومت قائم تھی۔ مگر علمِ حدیث کی تعلیم و تعلّم کا کوئی معقول انتظام نہ تھا۔ عوام تو عوام حکومت نے بھی اس کی ترویج کی طرف کوئی توجہ نہیں کی تھی۔ حالانکہ اُس دَور میں عرب و شام، مصر و اندلس وغیرہ میں بڑے بڑے ائمۂ فن موجود تھے اور علم کے دریا بہا رہے تھے۔ مگر ہندوستان میں ایک درسگاہ بھی ایسی نہ تھی جہاں سے کوئی طالب علم اس علم کو کمال کے ساتھ حاصل کر سکتا۔ اور وہاں سے فارغ التحصیل ہو کر نکلتا۔ مخدوم جہاں پہلے شخص ہیں جنھوں نے علم حدیث کو ہندوستان میں عام کیا۔ اور

حدیث کی اہم کتابوں سے لوگوں کو آشنا کیا۔ آپ کے ملفوظات، مکتوبات اور تصنیفات میں جابجا احادیث کی تشریحات ملتی ہیں۔

تفسیر تفسیر میں آپ کا رتبہ نہایت ہی بلند واقع ہے۔ دُور دُور سے لوگ آتے اور قرآن کریم کے مشکل مقامات کو سمجھنے کے لیے سوالات کرتے۔ مخدوم عالم بہت ہی سلجھے ہوئے انداز میں ان مشکل مقامات کی عقدہ کشائی فرماتے کہ ہر کس وناکس کی سمجھ میں آجاتی۔ تفسیر زاہدی کو مخدوم جہاں ایک معتبر تفسیر سمجھتے تھے۔ "خوانِ پُر نعمت" میں ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ دین میں جن باتوں کی ضرورت ہے وہ سب کچھ اس میں موجود ہے۔ اس میں افراط وتفریط سے کام نہیں لیا گیا ہے۔ اسی جگہ تفسیرِ کبیر کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ اور تعریف کی ہے۔

فقہ صاحبِ "سیرۃ الشرف" لکھتے ہیں کہ "فقہ میں مخدوم کو اول درجہ کی دستگاہ حاصل تھی۔ بلکہ ان کو منصبِ اجتہاد حاصل تھا[۱]" یعنی تفقہ فی الدین کا عجب عالم تھا۔ قرآن وحدیث سے مسائل کا استنباط کرنا اور پھر اُس پر عقلی دلیل قائم کرنا آپ کے نزدیک معمولی بات تھی۔ سنتِ الٰہی کے آپ ماہر تھے۔ اور سنتِ نبویؐ کے تو آپ عاشق ہی تھے۔ اس لیے آپ کی نظر میں بڑی وسعت تھی۔ وہ دوسرے فقہا کی طرح سخت گیر نہ تھے۔ آپ آسانی اور وسعت کے حامی تھے۔ آپ خوب سمجھتے تھے کہ قدم قدم پر جکڑنے سے دنیا چل نہیں سکتی۔ اس لیے کہ فطرتِ انسانی سختی کے بوجھ کو برداشت نہیں کر سکتی۔ لہٰذا اس سے مذہب وتمدن دونوں میں خلل پڑنے کا اندیشہ ہے۔ آپ کی نظر افرادِ انسانی کے ہر طبقہ پر تھی۔ اس لیے لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ کو اجتہاد کے وقت ہمیشہ پیشِ نظر رکھتے تھے۔

فلسفہ مخدومِ جہاںؒ کی نظر صرف قرآن وحدیث اور فقہ تک ہی محدود نہ تھی اور نہ صرف تصوف ہی کے اسرار ومعارف اور رموز ونکات آپ بیان فرمایا کرتے تھے۔ بلکہ علم کلام اور فلسفہ پر بھی گہری نظر رکھتے تھے۔ آپ نے علم کلام کی پیچیدہ گتھیوں کو بڑے سلیقہ سے سلجھایا ہے بقول معین دردائی، صاحب تاریخ سلسلۂ فردوسیہ:-

"غور سے دیکھا جائے تو آج کے فلسفہ اور حکمت کو جن مغربی مفکرین پر ناز ہے

---

[۱] سیرۃ الشرف صفحہ ۲۰۳۔

وہ بھی حضرت مخدوم الملکؒ ہی کے خوشہ چیں نظر آتے ہیں۔" [۱]

مولانا عبد الباری ندوی نے مخدومِ جہان کے فلسفہ کو جدید فلسفہ کا لفظی ترجمہ کہا ہے۔ یہ بات امر واقعہ کے خلاف ہے۔ اس لیے کہ مفکرینِ مغرب اور مخدومِ جہاں کے عہد میں صدیوں کا تفاوت ہے۔ مخدومِ جہاں کی تصنیفات، ملفوظات اور مکتوبات کا ذخیرہ یورپ میں موجود ہے۔ یہ ممکن ہے کہ مغربی مفکرین نے اس سے فائدہ اُٹھایا ہو۔ اور اپنے نظریات کی بنیاد مخدومِ جہاں کے نظریات پر رکھی ہو۔ مولانا عبد الباری ندوی اپنی کتاب نظامِ تعلیم و تربیت میں لکھتے ہیں:

> "حیرت ہوتی ہے کہ اس شخص (مخدومِ جہاںؒ) کے کلام میں سطر دو سطر نہیں صفحے کے صفحے ایسے نظر آتے ہیں کہ گویا موجودہ زمانہ کے مغربی مفکرین کی کتابوں کا لفظی ترجمہ ہے۔ کانٹ، ہیگل، برکلے اور ہیوم ازیں قبیل فلاسفہ جدید کے نظریات جن پر موجودہ فلسفہ کو ناز ہے شاہ صاحب (مخدومِ جہاںؒ) کی کتابوں میں بھرے پڑے ہیں۔" [۲]

اس موقع پر یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مخدوم جہاں قدس اللہ سرہ العزیز کی تصنیفات ملفوظات اور مکتوبات کا مختصر طور پر تعارف کرادیا جائے۔ تاکہ اہلِ نظر آپ کی علمی بصیرت کا صحیح طور پر اندازہ کر سکیں۔

تصنیفات [۱] شرح آداب المریدین۔ یہ کتاب حضرت شیخ ضیاء الدین ابو النجیب سہروردی قدس اللہ سرہٗ العزیز کی مایۂ ناز کتاب آداب المریدین جو عربی زبان میں ہے اس کی شرح ہے۔ صاحبِ مناقب الاصفیا نے تحریر فرمایا ہے کہ خود حضرت ضیاء الدین ابو النجیب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ

> میرے ہی فرزند معنوی میں سے ایک شخص اس کتاب کی شرح لکھے گا چنانچہ

مخدومِ جہاں نے اس کتاب کی شرح لکھ کر اس قول کو صحیح ثابت کیا۔ راقم السطور کے برادر حقیقی سید شاہ قسیم الدین احمد طال اللہ عمرہٗ و اکرمہٗ اللہ تعالیٰ درجاتہٗ نے شرح آداب المریدین کے ایک حصہ کا ترجمہ حال ہی میں کیا ہے۔ یہ ترجمہ چھپ گیا ہے۔

ارشاد الطالبین یہ مختصر سا ایک رسالہ ہے جس میں طالبانِ حق کو ہدایتیں دی

---

[۱] تاریخ فردوسیہ صفحہ ۲۳۸۔ [۲] بحوالہ تاریخ سلسلۂ فردوسیہ صفحہ ۱۳۸۔

دی گئی ہیں۔ یہ رسالہ مطبوعہ ہے۔

۳۔ ارشاد السالکین یہ مسئلۂ توحید پر بہت ہی اہم کتاب ہے جو چار سو صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں مخدومِ جہاں نے یہ ثابت کیا ہے کہ کائنات بلکہ جملہ موجودات ایک ہی نور کی مختلف صورتیں ہیں۔ نور عالم لاہوت سے جبروت میں آیا تو روح کہلایا اور جبروت سے ملکوت میں پہنچا تو قالب ہوا۔ اور ملکوت سے ناسوت میں منتقل ہوا تو جسم کے نام سے موسوم ہوا۔ اسی طرح وہی نور عالم کثیف میں آیا تو نار ہوا۔ نار کثیف ہو کر باد ہوئی اور باد کثیف ہو کر آب بنی اور آب کثیف تر ہو کر خاک ہوا۔ پس انسان اور عناصرِ اربعہ ایک ہی چیز کی مختلف صورتیں ہیں۔

۴۔ رسالہ مکیہ و ذکرِ فردوسیہ یہ ایک غیر مطبوعہ رسالہ ہے جس میں اذکار کے اقسام اور طریقے بتائے گئے ہیں۔ اور اُن پر عمل پیرا ہونے کی ہدایتیں کی گئی ہیں۔

۵۔ فوائد المریدین یہ بھی ایک غیر مطبوعہ رسالہ ہے جس میں مریدوں کے لیے کلمۂ طیبہ کی فضیلت، نماز باجماعت کی برکت، بعض آیتوں کے فیوض و برکات گورستان، منکر نکیر، بہشت و دوزخ، قیامت، ایمان، حقوق الوالدین، حقوقِ ہمسایہ اور حقوقِ زوجین جیسے اہم مباحث پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کتاب کا ترجمہ میرے برادرِ حقیقی سید شاہ قسیم الدین احمد نے کیا ہے جو چھپ چکا ہے۔

۶۔ لطائف المعانی یہ کتاب معدن المعانی کا خلاصہ ہے۔

رسالہ اشارات یہ غیر مطبوعہ رسالہ ہے۔ مگر اپنے موضوعات کے لحاظ سے بہت ہی اہم ہے۔ اس میں کل ۳۹ اشارات ہیں۔ ان اشارات میں عارفانہ مسائل کی طرف خالص فلسفیانہ نقطۂ نظر سے اشارات کیے گئے ہیں۔ مثلاً موج عینِ دریا اور دریا عینِ موج ہے۔ دنیا میں ایسے لوگ کم ہی ہیں جو خود شناس واقع ہوئے ہیں۔ اس ضمن میں حضرت مخدومؒ نے خود شناسی ہی کو کائنات شناسی یا خدا شناسی قرار دیا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علامہ ڈاکٹر اقبال مرحوم نے فلسفۂ خودی کی بنیاد اس رسالہ سے

متاثر ہو کر رکھی ہے۔

رسالہ اجوبہ یہ بھی غیر مطبوعہ ہے۔ اور تقریباً ۶۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ حضرت مخدوم جہاں کے ان جوابوں کا مجموعہ ہے جو انھوں نے اپنے بعض دوستوں، عزیزوں اور مریدوں کے سوالات پر تحریر فرمایا ہے۔ سوالات کچھ اس انداز کے ہیں "مردانِ غیب کون لوگ ہیں اور کس قدر ہیں؟" "خدائے بزرگ و برتر تک پہنچنے کی راہ کون سی ہے؟" "اہلِ سلوک کی اصطلاح میں بت و زنار کا کیا مطلب ہے؟" "رویت حق خدا کے فضل کی بنا پر ہوگا یا عمل کی جزا کے طور پر؟" "اللہ تعالیٰ کی معرفت کی انتہا کیا ہے؟" ان ہی سوالات کے جوابات اس رسالہ میں دیے گئے ہیں۔

فوائد رکنی یہ ایک رسالہ ہے جس میں حضرت مخدوم جہاںؒ نے اپنے ایک مرید خاص حضرت رکن الدینؒ کو حج بیت اللہ کے وقت سفر و حضر میں مطالعہ کے لیے ہدایتیں دی تھیں۔ اس کتاب کو حضرت مخدوم جہاں کی تعلیمات کا خلاصہ کہنا چاہیے۔

ان کے علاوہ عقائدِ شرفی، اَورادِ کلاں، اَورادِ اوسط اور اَورادِ خورد میں درود و وظائف بتائے گئے ہیں جو خود ان رسالوں کے ناموں سے ظاہر ہیں۔

ملفوظات

معدن المعانی یہ کتاب دو جلدوں میں ہے جسے حضرت مولینا زین بدر عربیؒ نے جو مخدوم جہاں کے خاص مریدوں میں ہیں، مرتب کیا ہے۔ اس میں ۷۴۹ھ سے ۷۵۱ھ تک کے ملفوظات ہیں۔ اس میں نہ صرف صوفیانہ نکات بیان کیے گئے ہیں، بلکہ تفسیر، حدیث، فقہی مسائل اور علمِ کلام جیسے اہم موضوعات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ صاحب بزمِ صوفیہ، سید صباح الدین نے لکھا ہے کہ:-

> "اس کتاب کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت مخدوم الملک کی خانقاہ کی مجلسوں میں نہ صرف تصوف کے عقدہ ہائے لاینحل حل کیے جاتے تھے۔ بلکہ وعظ و نصیحت، رشد و ہدایت، اوامر و نواہی، اوصاف حمیدہ اور اخلاق حسنہ کی تعلیم بھی جاری تھی۔ اِن ہی تعلیمات کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس وقت

مذہب و تصوف دو الگ الگ چیزیں نہ تھیں۔ بلکہ دونوں ایک ہی شمع کے دو پرتو تھے۔"

۲۔ خوانِ پر نعمت مرتبہ حضرت زین بدر عربیؒ۔ اس میں زیادہ تر تصوف کے جزوی نکات بیان کیے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ فقہی اور شرعی مسائل پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس میں ۱۵ رشعبان ۷۴۶ھ سے ۷۵۱ھ تک کے ملفوظات ہیں۔ اس لیے اس کو 'معدن المعانی' ہی کا ایک ضمیمہ سمجھنا چاہیے۔

۳۔ راحت القلوب (مرتبہ حضرت مولانا زین بدر عربیؒ) اس میں دس مجلسوں کے ملفوظات ہیں۔ یہ ضخامت میں بہت کم ہے۔ مگر مطبوعہ ہے۔ اس میں 'رضائے الٰہی' مبدا ر و معاد، خواجہ اویس قرنی رضؓ، سجدۂ آدم صفی اللہ، تعظیمِ تلاوتِ کلامِ پاک، نماز جمعہ کی فضیلت اور روزِ عاشورہ پر گفتگو کی گئی ہے۔ ان کے علاوہ کلامِ پاک کی بعض آیتوں کی تفسیر بھی بیان فرمائی گئی ہے۔

۴۔ مخ المعانی صاحب سیرۃ الشرف نے اس کے مرتب کا نام سید شہاب الدین عماد حالفی لکھا ہے۔ مگر میرے پاس مطبع مفید عام پریس آگرہ ۱۳۲۱ھ کا جو نسخہ ہے اُس کے ناشر حضرت سید شاہ وصی احمد فردوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مجموعہ کے جامع بھی زین بدر عربی ہی کو لکھا ہے۔

۵۔ مونس المریدین یہ کتاب بھی غیر مطبوعہ ہے جو ۴۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں ۲۱ رشعبان المعظم سے محرم ۷۵۵ھ تک کے ملفوظات ہیں۔ اس کے جامع صلاح مخلص داؤد خانی ہیں۔ اس میں لفظ سجادہ اور صاحب سجادہ کی تعریف حیا، اور اس کی فضیلت، خواب کے اقسام، شب برات اور اس کی فضیلت، حدیث مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ، شریعت و طریقت اور حقیقت کے معانی اور ماہیتِ روح وغیرہ جیسے مباحث پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

گنج لایفنی اس میں یک شنبہ ربیع الاول ۷۶۰ھ سے روز شنبہ ۲۶ ذی الحجہ ۷۶۰ھ تک کے ملفوظات ہیں۔ اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ ہر مجلس کے ملفوظات کے

لکھنے میں دن، مہینہ اور سال کی پابندی کی گئی ہے۔ اس کی ضخامت ۱۰۴ صفحات پر مشتمل ہے اس میں شب قدر کی علامتیں بتائی گئی ہیں اور اس کے مخفی رکھنے کی حکمت کا ذکر کیا گیا ہے، سکراتِ موت اور تلقینِ میت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ مومنوں پر سکراتِ موت بطورِ عذاب نہیں ہوتا۔ احادیث پر بحث کرتے ہوئے لفظ اَخْبَرَنَا اور حَدَّثَنَا کا فرق بیان کیا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

فوائد الغیبی[۷] اس میں ۳۲ مجلسوں کے ملفوظات قلم بند کیے گئے ہیں جو ۱۹۱ صفحات پر مشتمل ہے۔ اوائل شعبان ۷۵۳ھ سے شروع ہو کر ماہ صفر ۷۵۵ھ میں ختم ہوا ہے۔ اس میں بھی تمام مجالس کے ملفوظات روز اور ماہ کی قید کے ساتھ لکھے گئے ہیں۔ اس میں اکثر بہت ہی اہم مسائل پر عقلی اور نقلی دلائل کے ساتھ بحث کی گئی ہے۔ مثلاً اسماے باری تعالیٰ، ذکرِ حکمتِ اشیا، اقسامِ حقوق العباد، تعریفِ شہود و مشہود، فضیلتِ علم اور ارکانِ حج وغیرہ پر بحث ہے۔

مغز المعانی[۸] اس کے جامع اور مرتب شیخ شہاب الدین عمادؒ ہیں۔ اس میں ذکرِ ذات وصفات، ذکر و مراقبہ، فکر و تفکر، اور ظاہر و باطن وغیرہ کا ذکر ہے۔

کنز المعانی، ملفوظ الصفرا اور برات المحققین غیر مطبوعہ ہیں اور بدقسمتی سے یہاں میرے پاس موجود نہیں ہیں۔

تحفۂ غیبی[۹] اس میں ابتدائے ۷۵۹ھ سے ۷۶۰ھ تک کے ملفوظات ہیں۔ اس کے جامع بھی حضرت مولانا زین بدر عربی ہیں۔

یہ جملہ ملفوظات وہ ہیں جو حضرت مخدوم جہاں کی حیات ہی میں جمع کیے گئے۔ اور ترتیب پائے۔ ان کے مرتبین کا یہ دعویٰ ہے کہ تہذیب و ترتیب کے بعد مخدوم جہاں کی خدمت میں پیش کیے جاتے تھے۔ اور حضرت جہاں مناسب سمجھتے حک و اضافہ فرماتے اور جہاں کوئی شعر یا رباعی کے لکھنے میں کوئی غلطی ہوتی تو خود درست فرمادیتے۔ اس لیے ان ملفوظات کے متعلق شک و شبہہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

—— ::: ——

مکتوبات

(۱) مکتوباتِ صدی۔ (۲) مکتوباتِ دوصدی (۳) مکتوبات بست وہشت

۱ مکتوباتِ صدی مخدوم جہاں کے ایک مریدِ خاص قاضی شمس الدین حاکمِ چوسہ کے نام ہیں جو اپنی غیر معمولی مشغولیت اور فرائضِ منصبی کی انجام دہی کی وجہ سے حضرت مخدومِ جہاں کی خدمت میں حاضری سے معذور تھے۔ ان کے اصرار پر ان کی تعلیم کے لیے یہ مکتوبات لکھے گئے [۱]۔ خود مخدوم جہاں قاضی صاحب کو بہت زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ وصال کے وقت جہاں اوروں پر نوازشیں کیں وہاں ان کو بھی یاد کرکے فرمایا "قاضی شمس الدین کو کیا کہوں، قاضی شمس الدین تو میرے فرزند ہیں۔ متعدد بار میں نے کبھی ان کو فرزند اور کبھی برادر لکھا ہے۔ انھیں کی وجہ سے میرا علمِ درویشی ظاہر ہوا۔ انھیں کے لیے مجھ کو کہنا اور لکھنا پڑا۔ ورنہ کون لکھتا [۲]۔

مکتوبات صدی میں تصوف کے تمام اہم مسائل زیرِ بحث لائے گئے ہیں۔ اور مکتوب الیہ کی سمجھ کے مطابق دلائل و امثال سے بڑے محققانہ انداز میں سمجھائے گئے ہیں۔ یہ مکتوبات ۷۴۷ھ میں سپردِ قلم ہوئے۔ مخدوم جہاں کے مرید خاص اور کاتب حضرت مولانا زین بدر عربی نے ان مکتوبات کی نقل اپنے پاس رکھ لی تھی۔

۲ مکتوبات دوصدی اِس کے جامع اور مرتب بھی حضرت زین بدر عربیؒ ہیں۔ یہ مکتوبات مختلف مریدوں کے نام لکھے گئے ہیں۔ کسی ایک شخص کے نام سے نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض مباحث میں توارد و تکرار پیدا ہو گیا ہے۔

۳ برادرم صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب بزمِ صوفیہ نے مکتوبات کے ایک اور مجموعہ کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ "انڈیا آفس میں حضرت مخدوم کے مکتوبات کا ایک اور مجموعہ ہے جس میں ۱۲۵ مکتوبات ہیں۔ اس میں خواجہ محمد سعیدؒ اور خواجہ محمد معصومؒ کے نام خطوط ہیں۔ ان دونوں کو حضرت مخدوم الملک فرزند کہہ کر مخاطب فرماتے ہیں۔

[۱] دیباچہ مکتوباتِ صدی جلد اوّل صفحہ ۳۔ [۲] راحت القلوب وفات نامہ صفحہ ۲۶۔

جس سے انڈیا آفس کیٹلاگ کے مرتب کو دھوکا ہوا ہے کہ وہ دونوں حضرات مخدوم الملک کے صاحبزادے ہیں۔" حالانکہ یہ غلط ہے۔ وہ دونوں مرید ہیں۔

مکتوباتِ بست و ہشت یہ مکتوبات حضرت مخدومِ جہاں قدس اللہ سرہٗ العزیز نے اپنے سب سے زیادہ چہیتے اور عزیز مرید حضرت سیدنا مظفر بلخی قدس اللہ سرہ العزیز کو لکھے ہیں۔ جن کے متعلق فرمایا ہے:۔

"تن مظفر جان شرف الدین، جان مظفر تن شرف الدین
شرف الدین مظفر، مظفر شرف الدین۔"

کہا جاتا ہے کہ مخدومِ جہاںؒ نے حضرت مولانا کے نام دو سو سے زیادہ خطوط لکھے تھے۔ مگر حضرت مولانا اُن کو عوام کی نگاہ سے پوشیدہ رکھنا چاہتے تھے۔ اس لیے انھوں نے وفات کے وقت یہ وصیت فرمائی تھی کہ یہ تمام خطوط اُن کے ساتھ قبر میں رکھ دیے جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اتفاق سے یہ اٹھائیس خطوط الگ رکھے ہوئے تھے جو دفن ہونے سے رہ گئے۔ اور اب کتابی شکل اختیار کرلی ہے۔

نامناسب نہ ہوگا اگر مکتوبات کے متعلق اہلِ قلم حضرات اور مشاہیرِ وقت کے اقوال نقل کر دیے جائیں:۔

معین درد ائی۔ صاحبِ تاریخ سلسلۂ فردوسیہ:۔

"مخدوم الملک کی تمام تصانیف اور ملفوظات یوں تو اہم اور مشعلِ ہدایت ہیں لیکن ان کے مکتوبات کی اہمیت، مقبولیت اور افادیت بالخصوص بہت زیادہ ہے۔" [1]

سید صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب بزمِ صوفیہ:۔

"مکتوبات صدی میں تصوف کے تمام اہم مسائل پر مختصر، مگر محققانہ مباحث ہیں۔" [2]

---

[1] تاریخ سلسلۂ فردوسیہ صفحہ ۱۹۴ - [2] بزم صوفیہ صفحہ ۳۷۷

خلیق احمد نظامی ۔ استاد شعبۂ تاریخ مسلم یونی ورسٹی علیگڑھ :۔

"طریقۂ فردوسیہ کو ہندوستان میں پروان چڑھانے کا کام شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ نے انجام دیا۔ ان کے مکتوبات تصوف کا بڑا بیش قیمت ذخیرہ ہیں۔ [۱]

مولانا مناظر حسن گیلانی :۔

"دینی و علمی برتریاں جو حضرت مخدوم کو بارگاہِ ربّانی سے ارزانی فرمائی گئی ہیں، اُن سے تو دنیا واقف ہے۔ لیکن کم از کم میرا خیال تو یہی ہے کہ نثر نگاری میں سعدی شیرازی کے بعد کسی کا نام ہند ہی نہیں بلکہ ایران میں بھی اگر لیا جا سکتا ہے تو شاید وہ بہار کے مخدوم الملک ہی ہو سکتے ہیں۔ مکتوبات کی شکل میں جو ارقام فرمایا ہے فارسی زبان میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔" [۲]

سید ضمیر الدین احمد ۔ صاحب سیرۃ الشرف :۔

"اگر ان مکتوبات کے مضمون کو خیال کرو اور اُن کی غرض کو سوچو تو تم کو معلوم ہو جائے گا کہ سارے مکتوبات کا مضمون رشتۂ خداوندی اور بندگی ہے۔" [۳]

مولانا عبد الحق قدس اللہ سرّہُ العزیز۔

"حضرت مخدوم کی تصنیفات بہت عالی ہیں۔ آپ کی تمام تصنیفات میں مکتوبات کی شہرت بہت زیادہ ہے۔"

حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی قدس اللہ سرّہُ العزیز :۔

"مکتوبات شیخ شرف الدین کفرِ صد سالۂ ما، بر کفِ دست نمود۔" (حضرت شیخ شرف الدین کے مکتوبات نے میرے سو سال کے کفر کو میری ہتھیلی پر رکھ کر دکھلا دیا۔)

حضرت جلال الدین بخاری قدس اللہ سرّہُ العزیز :۔

"حضرت شیخ شرف الدینؒ کے مکتوبات ایسے ہیں کہ بعض مقامات ابھی تک

---

[۱] بحوالۂ سبیل الرشاد جلد اول ۔ [۲] بحوالۂ سبیل الرشاد جلد اول ۔ [۳] سیرت الشرف صفحہ ۳۴۹

میری سمجھ میں نہیں آتے۔"

حضرت شاہ عبداللہ شطاری قدس اللہ سرہ العزیز:۔

"ہم پر ایک حالت میں انکشاف ہوا۔ یعنی معراجِ روحانی میں عرشِ اعظم تک رسائی ہوئی توساقِ عرشِ بریں پر میں نے اکابرینِ طریقت کے القاب لکھے دیکھے۔ حضرت بایزید بسطامیؒ کا لقب سلطان العارفین مسطور تھا اور حضرت شیخ شرف الدینؒ کا لقب سلطان المحققین درجِ لوح نظر آیا۔"

پھر حضرت عبداللہ شطاری رحؒ نے فرمایا:۔

"کیوں نہ ہو حضرت مخدومؒ کی بزرگی پر اصحابِ شریعت وطریقت کا اتفاق ہے۔"

آگے چل کر لکھتے ہیں :۔

"بندہ معتقدِ کسے نیست۔ ہمہ بزرگان یکے اند۔ اما بندہ معتقد سلطان المحققین حضرت شیخ شرف الحق والدین منیری و بندگی حضرت خواجہ فریدالدین عطار ہستم۔ وجاے کہ این ہر دو بزرگان رسیدہ اند کسے کمتر رسیدہ است۔ وآنچہ کہ این ہر دو بزرگان حقائق ودقائقِ راہِ دین بیان کردہ اند کسے بیان نہ کردہ ہست۔" (معدن الاسرار بحوالہ سیرۃ الشرف)

حضرت احمد لنگر دریا رحؒ :۔

"سبحان اللہ زہے حوصلۂ مخدومِ جہاں قدس اللہ سرہٗ العزیز کہ حالے و مقامے کہ حضرتِ ایشان را بود معلوم است۔ اما ہیچ وقتے ہرسوزنے بیرون نہ دادند زہے قوت وزہے مقامِ تمکین کہ حضرتِ ایشان را حاصل شدہ بود۔ وآنکہ یکبار درگرمیِ وقت سخن فرمودہ اند برائے آن چہ نوع عذر کردہ اند۔" (مونس القلوب)

ابوالفضل آپ کی شان میں لکھتا ہے :۔

"آن تشنہ نشان یافتہ آب کہ جستنش تشنہ گرداند و نوشیدنش تشنہ تر شرف الدین منیری۔"

حضرت شاہ محمد غوث گوالیاریؒ نے اورادِ غوثیہ کے شروع میں سالک کے لیے

چند وصیتیں لکھی ہیں اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ "اگر مرشد حاضر نہ باشد مکتوبات شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری مطالعہ کنند تا فریبِ نفس و وسواس خناس در یابد ۔"

مکتوبات کی علمی وادبی حیثیت

مخدوم جہاں کے تبحر علمی کا اعتراف علمائے کرام وصوفیائے عظام دونوں کو ہے ۔ دونوں کو اس امر کا اعتراف ہے کہ آپ کا قلم سرِمو بھی حدود شریعت سے باہر قدم نہیں رکھتا مسائل کے سمجھانے کا جو طریقہ آپ نے اختیار کیا ہے وہ ایسا ہے کہ نہ صرف سمجھ میں آجاتا ہے بلکہ دل میں اُتر جاتا ہے ۔ "آنچہ از دل خیزد بر دل ریزد " اور یہ اس لیے ہے کہ آپ کے یہاں تصنع نہیں ہے ۔ جو بات کہتے ہیں اُس میں اپنے مخاطب کے فہم وادراک کا پورا خیال رکھتے ہیں اس لیے کہ ع " دیتے ہیں بادہ ظرفِ قدح خوار دیکھ کر " جس کا جو رتبہ ہوتا ہے اُسی کے مرتبے اور مقام کے مطابق گفتگو کرتے ہیں ۔ جہاں کہیں کسی مبتدی سے واسطہ پڑا ہے وہاں نہ تو عبارت آرائی ہے اور نہ بلند پروازی سیدھی سادی بات سیدھے سادے انداز میں بیان کرتے ہیں ۔ اعتدال کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہیں پاتا ۔ اور جہاں کہیں منتہی سے کام پڑا ہے وہاں وہ بلند پروازی ، دقتِ نظری اور محققانہ اندازِ بیان پایا جاتا ہے کہ اچھے اچھوں کے چھکے چھوٹ جاتے ہیں ۔ مولانا شمس الدین کے نام جو خطوط ہیں اُن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مکتوب الیہ کا علم محدود ہے ۔ برخلاف اس کے جو خطوط حضرت مولانا مظفر بلخی رح کے نام ہیں ان میں اکثر مقامات ایسے ہیں ..... جو عام فہم نہیں ہیں ۔

مخدوم جہاں سے پہلے بھی ملفوظات اور مکتوبات کا دستور موجود تھا مگر بہت ہی محدود تھا ۔ ملفوظات اکثر روایتوں اور حکایتوں پر موقوف تھے ۔ یعنی ان میں علمی مضامین کا فقدان تھا ۔ اس لیے اہلِ علم حضرات اس کے قبول کرنے سے ہچکچاتے تھے وہاں جن مسائل پر بھی بحث ہوتی ان میں منقولی دلائل سے کام لیا جاتا ۔ معقولی دلائل کا گذر نہیں ۔ مخدومِ جہاں نے ملفوظات میں مسائل کے بیان کا وہ انداز اختیار کیا جس نے ملفوظات کی کایا پلٹ کر رکھ دی ۔ محققانہ اور فلسفیانہ انداز میں مسائل کو اس طرح

سمجھایا ہے کہ ہر مکتب خیال کے لوگوں کو پوری پوری تشفی ہوگئی۔

مخدوم جہاںؒ کے عہد میں مکتوبات کو اہم موضوعات کے اظہار کا ذریعہ نہیں بنایا گیا تھا۔ وہ صرف خیریت اور حالات و حاجات کے بیان تک محدود تھے۔ مخدوم جہاںؒ نے اسے مستقل ایک فن بنا دیا۔ جو مضامین مستقل طور پر ایک ایک کتاب میں سموئے جا سکتے تھے انھیں ان چھوٹے چھوٹے خطوط میں لکھ کر عام کر دیا۔ ضخیم کتابوں میں خواہ مضمون کتنا ہی دلچسپ کیوں نہ ہو پڑھنے میں طبیعت پر گرانی سرزد ہوتی ہے۔ مگر ان مضامین کو مختصر کر کے اس انداز میں لکھا جائے کہ مقصد فوت نہ ہو تو وہ بہت ہی نافع ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مخدوم جہاںؒ کے ملفوظات اور مکتوبات ان کی مستقل تصنیفات سے زیادہ شایع ہوئے۔ چونکہ ملفوظات میں روزمرّہ کے تذکرے ہیں اور مکتوبات قدرتی طور پر مختصر ہیں اس لیے اول میں سہولت بیان اور دوسرے میں اختصار ہے۔ برخلاف اس کے مستقل تصانیف میں ان باتوں کا خیال رکھنا ناممکن ہے۔ ان ملفوظات و مکتوبات میں مخدوم جہاں کی ذہانت و ذکاوت نمایاں ہے۔ آپ کے خیالات کا اچھوتا پن، آپ کی دقت نظری اور پھر آپ کے انداز بیان نے ان کو گنگا جمنی بنا دیا ہے۔ ان کو شروع سے آخر تک تھوڑی دیر میں پڑھا جا سکتا ہے۔ ان کے پڑھنے کے بعد ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آج کوئی بات معلوم ہوئی جسے پہلے نہیں جانتے تھے بار بار ان مکتوبات کو پڑھا جائے تب بھی ہر بار یہی محسوس ہوگا کہ آج ایک نئی چیز معلوم ہوئی۔

صاحب سیرۃ الشرف لکھتے ہیں :۔

"مکتوبات و ملفوظات کو اٹھا کر دیکھو کہ مخدوم کی یہ خصوصیتیں ان کتابوں میں کیسی درخشاں نظر آتی ہیں۔ اور اس وقت تک نہ صرف بہار میں بلکہ تمام ہندوستان میں اولیت کا تمغہ پائے ہوئے ہیں۔ مخدوم کا ایک ایک مکتوب اور مخدوم کے ملفوظات کی ایک ایک بحث بڑی بڑی ضخیم کتابوں کا کام دیتی ہے۔ اس آزادی، شوخی اور قوت کے ساتھ بیان کا حق ادا کیا گیا ہے کہ یہ خاصہ طور سے کہا جا سکتا ہے کہ اس طرز بیان کا مخدوم بلا اشتراک اجارہ لیے ہوئے تھے۔" (سیرۃ الشرف صفحہ ۳۴ ۔)

مکتوباتِ مخدوم جہاں کو اعلیٰ انشاپردازی کا نمونہ کہا جاسکتا ہے۔ اس لیے کہ اعلیٰ انشاپردازی کی تمام خصوصیات ان میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ زبان کی بے تکلفی، محاورات کا برمحل استعمال، روزمرہ، تمثیلات، اشارات اور استعارات وغیرہ سے بھی نہایت حسن کے ساتھ کام لیا گیا ہے۔ چھوٹے چھوٹے جملے فصاحت و بلاغت کے بہترین نمونہ ہیں۔ گویا یہ ادبی جواہر ریزے ہیں جو صفحۂ قرطاس پر بڑے سلیقہ سے سجائے گئے ہیں۔ مزید براں جابجا فارسی اشعار کے برمحل استعمال سے اس کو لالہ زار بنادیا گیا ہے۔ یہ خطوط قلم سنبھال کر نہیں لکھے گئے۔ بلاتکلف خلوص کے ساتھ لکھے گئے ہیں جس کا صرف ایک مقصد تھا کہ بندے کا رشتہ اللہ سے جوڑ دیا جائے۔

مکتوبات کی زبان نہایت صاف ستھری اور نکھری ہوئی ہے۔ تصنع اور تکلف کا دُور دُور تک پتا نہیں۔ خالق و مخلوق کا باہمی رشتہ اور اخلاقِ انسانی کے متعلق مضامین ان مکتوبات میں افراط سے پائے جاتے ہیں۔ مسئلہ توحید کو جس خوبی کے ساتھ سمجھایا ہے وہ انھیں کا حق ہے۔ مخدومؒ کی تعلیم، ان کا اللہ تعالیٰ سے تعلق، ان کا مخصوص انداز بیان یہ وہ عوامل تھے جو مکتوبات کو تکمیل کے درجہ تک پہنچا سکے۔ یہ مکتوبات مخدوم جہاں کی تعلیمات کا خلاصہ ہیں۔ اس لیے مخدوم کی تعلیمات کا ذکر کرنا تحصیل حاصل ہے۔ غرض مکتوبات کی علمی وادبی حیثیت مکمل ہے

مکتوبات کے مضامین پر اگر غور کیا جائے تو صاف معلوم ہوگا کہ سارے مکتوبات کا ایک ہی موضوع ہے۔ اور وہ "رشتۂ خداوندی اور بندگی" ہے۔ اس سلسلہ میں جتنے بھی مضامین لکھے گئے ہیں وہ سب کے سب اسی ایک نکتہ کی توضیح و تشریح ہیں۔ یعنی اللہ اور بندے کا رشتہ کیا ہے، بندگی کیا ہے؟ اس کے فرائض و ذمہ داریاں کیا ہیں، بندہ کا اپنے پروردگار کے ساتھ کیا اور کیسا برتاؤ ہونا چاہیے؟ یہی باتیں ہیں جو مختلف انداز میں مختلف پہلوؤں سے دکھائی گئی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ضمنی طور پر اور بھی بحثیں آتی گئی ہیں جن سے آپ کے علمی تبحر کا اندازہ ہوتا ہے۔ مگر مکتوبات کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی رُوح ہے جو سارے مکتوبات میں کارفرما ہے۔ قرآن، تفسیر، حدیث، سیر، تاریخ، منطق اور فلسفہ وغیرہ

جس جس سے بحث کی گئی ہے سب کا سب ایک ہی نکتہ کی توضیح و تشریح ہے۔ دنیا کی خرابی کا ذکر ہو یا عمدگی کا، حق العباد کا تذکرہ ہو یا حق النفس کا، معاشرت و تمدّن کا بیان ہو یا علم و جہل کا سب کی غایت و غرض ایک ہی ہے اور سب کی بازگشت اسی اصل کی طرف ہے۔

دنیائے ادب میں شعر و شاعری کو ایک اہم مقام حاصل ہے۔ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ جس قدر سوز و گداز اس سے پیدا ہوتا ہے اور کسی دوسری چیز سے نہیں ہوتا۔ اس کے علاوہ اسرار و رموز کے اظہار کے لیے اس سے بہتر اور کوئی ذریعہ نہیں۔ اس لیے بھی اس فن کی اہمیت زیادہ ہے۔ مخدوم جہاںؒ نے تعلیم شریعت و طریقت کا چونکہ بیڑا اُٹھایا تھا اس لیے انھوں نے اس سے بہت کام لیا ہے۔

عام طور پر یہ سب کو معلوم ہے کہ مخدوم جہاں شاعر نہ تھے۔ مگر ان کے دوہے موجود ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاعری کا ذوق رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ فارسی کے ایسے اشعار بھی ملتے ہیں جو فارسی شعرا کے دواوین میں نہیں ہیں۔ اگر قیاس کیا جائے کہ وہ اشعار خود مخدوم جہاں کے ہیں تو بعید از عقل نہ ہوگا۔ جہاں کہیں آپ نے دوسروں کے اشعار لکھے ہیں وہاں ذکر کر دیا ہے کہ فلاں نے اس طرح کہا ہے۔ مگر جہاں کسی کا نام نہیں ہے وہاں اس طرح لکھا ہے "کسی دیوانے نے کہا ہے" یہ دیوانہ خود مخدوم جہاں ہیں۔ ایک جگہ تو نام کو بطور تخلص بھی استعمال کیا ہے۔ ؎

شرف زنّار و تسبیحت یکے شد
تو خواہی خواجہ شو خواہی غلامے

شاہ محمد نعیم فردوسی القادری
لطیف آباد حیدرآباد — استاد شعبۂ اُردو۔ جامعہ سندھ

۵ر جنوری ۱۹۶۸ء

دیباچہ

(از مترجم)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ عَدَدَ خَلْقِكَ وَرِضَاءَ نَفْسِكَ وَزِنَةَ عَرْشِكَ وَمِدَادَ كَلِمَاتِكَ ط

اما بعد۔ حضرت والد ماجد سید شاہ برہان الدین احمد قدس سرّہٗ العزیز کا وصال ۱۲ صفر ۱۳۱۰ھ ہجری میں ہوا۔ اُس وقت میری عمر تقریباً چھ سال کی تھی۔ اور حضرت جدِ امجد جناب حضور سید شاہ امین احمد فردوسی سجادہ نشین مخدومِ جہاں قدس سرہٗ کی مزید شفقت نے فوراً اپنی آغوشِ تربیت میں مجھے لے لیا۔ جب میں سنِ شعور کو پہنچا تو پڑھنے لکھنے کی ہدایت ہونے لگی۔ اور اپنی خاص توجہ سے بذاتِ خود پڑھانا لکھانا شروع کر دیا۔ آپ کے فیضِ صحبت کا یہ حیرت انگیز اثر ہوا کہ تھوڑے عرصہ میں نثر ملا ظہوری۔ قصائد عرفی، قصائد ظہیر فاریابی۔ گلِ فردوس، گلِ بہشتی، مثنوی مولانا رومؒ، مکتوبات امام مظفر، کیمیائے سعادت، اور مکتوباتِ صدی وغیرہ کے پڑھنے اور سمجھنے کی پوری استعداد پیدا ہو گئی۔ اس درمیان میں بیعتِ طریقت بھی لی گئی۔ اور فیوضِ باطنی سے سرفراز کیا گیا۔ وقتاً فوقتاً مسئلۂ وحدت الوجود اور حضراتِ خمس اور تنزلاتِ ستہ کی حدیث آتی گئی۔ آپ کی قلبی قوت ان مسائل کو بھی دل نشین کرتی رہی۔ یکایک زمانہ بدلا اور ۴ رجمادی الآخر ۱۳۲۱ھ کو آپ کا سایۂ عاطفت میرے سر سے اُٹھ گیا۔ مَنْ مُنِعَ عَنِ النَّظِیْرِ یَتَسَلّٰی بِالْاَثَرِ۔ اسی وقت خیال سرور پیدا ہوا کہ آپ کی سوانح عمری لکھ کر سرمایۂ آخرت جمع کروں، اور دلِ بیتاب کو تسلی دوں۔ مگر

مکروہاتِ دنیاوی نے ایسا سخت تعاقب کیا کہ فرار کی طرف راہ نہ ملی۔ آخر گھر کر ایک محدود دائرہ میں تیرہ سال تک بے مذاقی کی زندگی بسر کرنا پڑی۔ مگر بزرگوں کا فیض رائگاں نہیں جاتا۔ باوجود میری خرابیوں اور تباہ حالیوں کے بھی اُس نے ۱۳۳۴ھ ہجری میں اپنا نمایاں اثر ظاہر کیا۔ اور پوری دستگیری، اعانت و امداد فرمائی۔ چنانچہ میں نے قلیل مدت میں اس سوانحمری کے مواد جمع کر کے "حیات ثبات" ایک پُر مغز کتاب لکھ ڈالی۔ جو بالفعل زیر طبع ہے پھر کیا تھا۔ دیوانہ را ہوئے بس است۔ اب دل پر بے شغلی و بیکاری بار گزرنے لگی۔ اگر کبھی کبھی شعر و سخن کی طرف دل مائل ہوا تو دو چار غزل لکھ ڈالی۔ یا کبھی کبھی نثر میں جی چاہا تو طبع آزمائی کرلی۔ مگر اس سے وہ پیاس کب بجھتی ہے اور سیری کب حاصل ہوتی ہے۔ طبیعت ان باتوں کی متلاشی رہی جن کو سن چکے تھے اور آنکھیں دیکھ چکی تھیں۔ چنانچہ میں نے از سرِ نو تصوف کی اعلیٰ اعلیٰ کتابوں کا مطالعہ شروع کر دیا۔ سبحان اللہ، دیکھا تو ہر ایک کتاب اپنے رنگ میں ایک خزانہ معرفت نظر آئی۔ یہاں تک کہ مکتوبات صدی حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الحق والدین قدس سرہٗ کے دیکھنے کی نوبت آئی۔ اس کے حسنِ بیان، اس کی دل فریبی نے مجھے تو اپنا والہ و شیدا بنالیا۔ اور اس کے رمز و غمز نے بالکل تاب و توان چھین لی۔ پھر اس بات کا خیال کر کے بڑی حسرت اور نہایت درجہ افسوس ہوا کہ جس دیار میں ایسی دولتِ بے زوال اور ایسے ایسے جواہر بے مثال موجود ہوں، اس صوبہ اور اس علاقہ کے لوگ ایسے غیر مانوس ہوں کہ اردو کتابیں دیکھیں اور اس چشمۂ فیض سے محروم رہیں۔ غور کرنے سے اس کا سبب میرے ذہن میں یہی آیا کہ چونکہ فارسی کا مذاق اب کم ہو گیا ہے دلچسپی اس سے باقی نہیں رہی ہے۔ اس لیے ان کتابوں کی طرف لوگوں کی توجہ کم ہے۔ حضرتِ مخدوم کے دَور میں اہلِ علم اور شرفا کی زبان فارسی تھی۔ سارے کاروبار اور تعلیم و تعلّم میں اسی کو دخل تھا۔ بھاشا بہت کم استعمال ہوتی تھی۔ اب یہ زمانہ ہے کہ اردو زبان کو خود دعوائے کمال ہے۔ بیچاری فارسی کو پوچھتا کون ہے؟ بلکہ میں نے اس کو بھی محسوس کیا کہ عام طور پر علم تصوف اور صوفیوں کے پاک احوال سے تیزی کے ساتھ بے خبری بڑھ رہی ہے۔ او ایک ایسی گھٹا چھا رہی ہے جو اس آفتاب کو چھپا لے گی۔ اگر یہی ہوا ذروں پر چلتی رہی تو ایک نہ ایک دن اس کے جھونکے بادِ صرصر کا کام کریں گے اور باغِ طریقت کی بہار کو تاراج کر دیں گے۔ اس کا

علاج میری عقلِ ناقص میں سوا اس کے اور کچھ نہ آیا کہ اس کتاب کا ترجمہ سلیس اُردو زبان میں کیا جائے تاکہ عام فہم ہو اور بے تکلف لوگ دیکھ سکیں۔ کیونکہ یہ کتاب اوامر و نواہی قصص و حکایات رموز و اشارات کا ایک بڑا خزانہ ہے۔ یہ کتاب مبتدی، متوسط اور منتہی ہر طبقہ والے کے لیے نسخۂ اکسیر کا فائدہ رکھتی ہے۔ "ہست قرآن در زبانِ پارسی" ایسی ہی کتابوں کی شان ہوا کرتی ہے۔ اگر قرآن شریف اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسری زبانوں میں ترجمہ نہ ہوتا تو غیر ملکی لوگ احکام دین سے بالکل محروم رہتے۔ اسی طرح اب اگر اس کتاب فیض انتساب کا ترجمہ نہ ہوگا تو برادرانِ اسلام عام طور پر مذاقِ تصوف سے بے بہرہ ہوتے جائیں گے۔ ان خیالات نے مجھ کو ترجمہ پر مجبور کیا۔ اور میں نے ترجمہ لکھنا شروع کیا۔

حضرت مخدوم جہاں کی تصانیف بقولے سترہ سو تک پہنچی۔ مگر اس دیار میں آج بھی ۳۵ نسخے موجود ہیں۔ اور ہر تصنیف اپنی جگہ پر نہایت قابلِ قدر ہے۔ ان میں سے شرح آداب المریدین۔ فوائدِ رکنی معدن المعانی، مکتوباتِ دوصدی، مکتوبات بست و ہشت، اور مکتوبات صدی بہت زیادہ مشہور و معروف تصنیفیں ہیں۔ شرح آداب المریدین ایک ایسی شرح ہے جو پیروں کی رہبری کرتی ہے۔ حضرت ضیاء الدین ابو النجیب سہروردی قدس سرہٗ صاحب متنِ آداب المریدین کو بذریعہ الہام اس شرح کی بشارت خاص طور پر ہوئی تھی۔ فوائد رکنی وہ مجموعہ ہے جس کی تفصیل مکتوبات صدی کا جلوہ دکھاتی ہے۔ معدن المعانی، جس کو بحر ذخار و دریائے ناپیدا کنار کہنا کسی طرح نازیبا نہیں۔ مکتوباتِ دوصدی تصوف میں مفید اور پر حلاوت کتاب ہے۔ میرے پاس اس کا کامل نسخہ قلمی موجود ہے۔ مگر مطبوعہ نسخہ میں خدا جانے کیوں باون ترپن مکاتیب کی کمی رہ گئی ہے۔ اس کتاب کو حاجی الحرمین الشریفین زاد اللہ شرفاً حضرت مولانا رکن الدین قدس سرہٗ نے ۷۶۹ھ ہجری میں جمع کیا ہے۔

مکتوبات بست و ہشت حضرت مولانا امام مظفر قدس سرہٗ کے نام ہے۔ دراصل اس کا مجموعہ دو سو مکتوبات سے زیادہ کا تھا۔ اور حضرت مولانا قدس سرہٗ کو حکم تھا کہ اغیار کی نظر سے اس کو محفوظ رکھنا۔ چنانچہ آپ اس کو چھپائے رکھتے تھے۔ صاحب مناقب الاصفیا بحوالہ برہان الاتقیا تحریر فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ نے بمصداق اَلْفُقَرَاءُ کَنَفْسٍ وَّاحِدَۃٍ حضرت نصیر الدین چراغ دہلی قدس سرہٗ کو اپنے نام کے مکتوبات دیکھنے کے لیے دیے۔ سبحان اللہ آپ نے اُن سے کس طرح کی لذتِ عشق پرستی لی ہے اور کس جوشِ مستی میں فرمایا ہے کہ مکتوبات

شیخ شرف الدین کفر صد سالہ مارا بر کفِ دست نمود "۔ خیر جب حضرت مولانا قدس سرہٗ کا وقت وصال آیا تو آپ نے وصیت فرمائی کہ اس خریطہ کو ہمارے ساتھ دفن کر دینا۔ لوگوں نے اپنے علم میں آپ کے حکم کی تعمیل کی۔ مگر ایک شیخ کامل مرد خدا کی جدائی میں کس کے ہوش بجا تھے، آخر ایک ملاطفہ چھوٹ ہی گیا۔ تجہیز و تکفین سے واپس آ کر جو دیکھتے ہیں تو ایک ملاطفہ رکھا پاتے ہیں۔ کھول کر جو دیکھا تو اٹھائیس[۲۸] مکتوب کے جواہر ریزے ملے۔ اب دوبارہ مزار میں رکھنے کی ہمت کس کی ہوتی ہے۔ نعمتِ خداداد سمجھ کر لوگوں نے ان کی نقلیں کر لیں اور بے حد فوائد حاصل کیے۔ مطبوعہ اور غیر مطبوعہ دونوں نسخے اس کے موجود ہیں۔ صاحب مناقب الاصفیا حضرت مخدوم شیخ شرف الدین قدس سرہٗ کے باب میں فرماتے ہیں کہ "دقائق طریقت اور اسرار حقیقت و معرفت کے بیان میں آپ کا پایہ بہت بلند ہے۔ ہر مراتب ظہور میں آپ کی تشریح و توضیح دارو ئے شفا کا کام کرتی ہے عشق و محبت کے معاملات میں تو ایسی ایسی باتیں لکھ جاتے ہیں کہ دل محو ہو جاتا ہے"۔ علم تصوف میں آپ کی بے انتہا تصنیفیں ہیں۔

جس وقت شیخ اعز کاکوی اور احمد بہاری سرشارانِ توحید کی شہادت دِلّی میں ہوئی تو حضرت مخدوم جہاں نے بکمال افسوس کے بعد فرمایا۔ "عجب[۱] بود کہ آن شہر آباد ان بماند"۔ مخبروں نے سلطان فیروز شاہ تک اس کی خبر پہنچائی۔ سلطان نے بذریعہ پروانہ آپ کو طلب کیا۔ اسی اثنا میں سید السادات حضرت سید جلال الدین بخاری قدس سرہٗ نے اپنے ایک خادم کی معرفت بادشاہ کے یہاں تبرکات بھیجے۔ بادشاہ نے متعجب ہو کر کہا "خیریت تو ہے، ابکی دفعہ یاد فرمائی میں اس قدر دیر کیوں ہوئی۔ خادم نے کہا سبب اس کا یہ ہے کہ شیخ شرف الدین منیری کے مکتوبات آج کل مطالعہ میں ہیں اس لیے حضور خلوت میں رہتے ہیں۔ اور وہاں کسی کو جانے آنے کا حکم نہیں"۔ یہ سننا تھا کہ بادشاہ نے فوراً اپنا حکم منسوخ کر دیا۔

پھر صاحب مناقب الاصفیا فرماتے ہیں کہ سید جلال الدین بخاری قدس سرہٗ سے کسی نے پوچھا کہ اب تو سن شریف زیادہ ہوا کتب بینی کا وہی ذوق و شوق ہے یا کوئی دوسرا شغل خاص ہے۔ آپ نے فرمایا، ہاں اب بھی مکتوبات شیخ شرف الدین کا مطالعہ کرتا ہوں۔ سائل نے عرض کی کہ مکتوبِ شیخ کیسے ہیں؟ جن سے آپ کو اتنی دلچسپی ہے۔ آپ نے فرمایا "ایسے ہی ہیں کہ بعض بعض جگہ اب تک سمجھ میں نہیں آئی ہے"۔

حضرت مولانا عبد الحق محدث دہلوی قدس سرہٗ اخبار الاخیار میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت مخدوم کی تصنیفیں بہت عالی ہیں۔ آپ کی تصنیفوں سے مکتوبات کی شہرت بہت زیادہ ہے۔ اور حق بھی یہی ہے۔

[۱] یعنی عجب ہے کہ وہ شہر آباد رہ گیا

کہ اور تصنیفوں کے اعتبار سے اس میں لطافت و شیرینی بے حد ہے۔ آدابِ شریعت و اسرارِ حقیقت مکتوبات میں بے انتہا لکھے ہیں۔ آپ کے ملفوظات بھی ہیں جن کو معتقدوں نے جمع کیا ہے مگر مکتوبات کی بات ہی کچھ اور ہے۔

اب میں اصل مکتوباتِ صدی کی طرف پھر رجوع کرتا ہوں۔ حضرت زین بدر عربی قدس سرہٗ (خادمِ خاص) اس کتاب کے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ قاضی شمس الدین حاکم قصبہ چوسہ[1] حضرت مخدوم عظمۃ اللہ کے مریدوں میں سے تھے۔ متعدد عریضۂ انکسار ان کے گزرے کہ شرف حضوری مجلس سے موالغ روزگار نے محروم رکھا ہے اگر علمِ سلوک میں بقدر فہم اس ناچیز کے کوئی کتاب لکھ کر بھیج دی جائے تو ذریعہ حصولِ علمِ الٰہی وفوائدِ قلبی ہو۔ چنانچہ یہ التماس بہ وفورِ شفقت قبول کی گئی۔ اور مراتب و مقاماتِ سالکان واحوال ومعاملاتِ مریدان کا لحاظ رکھ کر در بابِ توحید وتفرید و ارادتِ حقیقت و معرفت، عشق و محبت، گردش و روش، کشش و کوشش، شریعت و طریقت، بندہ بودن و بندگی کردن، سلامتی و ملامتی، شیخی و مریدی، ۷۴۷ھ میں وقتاً فوقتاً خطۂ بہار پُر بہار سے قاضی صاحب کے پاس یہ مکاتیب روانہ فرمائے گئے۔ بندۂ درگاہ وخدام واحباب نے نعمتِ غیر مترقبہ سمجھ کر ان کی نقل کرلی تاکہ طالبانِ اسرار وصادقانِ روزگار ان سے سرمایۂ دینی جمع کریں اور سعادتِ ابدی و دولتِ سرمدی حاصل کیا کریں۔ بحمد اللہ یہی غرض اور یہی نیت اس مترجم ہیچ میرز کی بھی ہے کہ برادرانِ عالمِ طریقت و برادرانِ اسلام کو دینی و دنیوی فائدہ اس ترجمہ سے حاصل ہو۔ حیاتِ ثبات جو میں نے لکھی ہے وہ مستقل ایک خاص انداز کی کتاب ہے۔ اپنے خیال کے موافق جس طرح چاہا، اس میں رنگ آمیزی کی ہے۔ مگر ترجمہ میں جو میں نے کیا ہے وہ آخر ترجمہ ہے اور ترجمہ بھی کس کا مکتوباتِ صدی کا اور مکتوبات بھی کس کے مخدوم الملک کے۔ اس لئے متن و ترجمہ میں جو فرق ہوگا وہ ظاہر ہے۔ لیکن یہ کمی قابلِ گرفت نہیں ہو سکتی، کیونکہ ہر بہتر تصنیف کا ترجمہ بڑے سے بڑا شخص کیوں نہ لکھے، متن کے اعتبار سے ضرور پست ہوگا۔

دیکھنے کے لائق یہ بات ضرور ہے کہ جو ترجمہ لکھا گیا ہے اس سے بہتر اسلوب میں لکھنا آسان ہے یا مشکل؛ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ صرف فرزندیت کی نسبت کام کر رہی ہے، ورنہ کہاں مکتوب کہاں میں، اور کہاں یہ ترجمہ؛ جس طرح حضرت مخدوم کی ذات میری فکر سے برتر ہے اسی طرح آپ کی تصانیف بھی میری عقل و فہم سے باہر۔ غایتِ شفقت میں بار بار میرا تو یہ دل چاہتا ہے کہ آپ کے فضائل ومناقب سارے جہان پر تمام کرتا رہوں۔ اور آپ کے اوصاف واحوال سے

[1] چوسہ ضلع بھاگلپور

تمام دنیا کو آگاہ کیا کروں۔ اگرچہ ان گنتی کے ورقوں میں اس کا موقع کم ہے، یہ مختصر دیباچہ اس تفصیل کا متحمل کہاں، مگر ضروری احوال لکھنا فرض راہ بھی ہے اس لیے اجمالاً لکھتا ہوں۔

حضرتِ مخدوم کے تبحرِ علمی کی کچھ انتہا نہ تھی۔ معتبر ذرائع سے مجھے معلوم ہوا کہ آپ کے شرح وحواشی بزبانِ عربی بڑی بڑی کتابوں پر عرب وشام میں موجود ہیں اور ملفوظات بھی اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ آپ کی معلومات کی کوئی حد نہ تھی۔ کیسے کیسے مشکل اور مختلف سوال کرتے تھے، اور آپ برجستہ جواب شافی دیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ تعبیر گوئی جو ایک جزوِ نبوت ہے اس میں آپ کو اس قدر دخل تھا کہ اپنے وقت کے ابن سیرین سمجھے جاتے ہیں۔ معدن المعانی میں تعبیرِ خواب کا خاص ایک باب ہے۔

حضرت عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہٗ اپنے مکتوب صد وہفتدہم میں تحریر فرماتے ہیں کہ میں نے قطبِ روزگار شیخ خواجگی سدھوری کی زبانِ مبارک سے سنا، اور آپ نے شیخ المشائخ علامہ السوری قدوہ التقی شیخ بڈھن کی زبانِ مبارک سے سنا، اور آپ نے اپنے پیر قطب الاقطاب حجۃ الحق علی الخلق شیخ محمد عیسیٰ قدس سرہٗ کی زبانِ مبارک سے سنا کہ تعبیر گوئی مخدوم جہان قطبِ زمان شیخ شرف الدین یحییٰ منیری قدس سرہٗ پر ختم ہوگئی۔

حضرت شاہ عزیز اللہ بنارسی کیروی رحمۃ اللہ علیہ جو عہد شاہجہانی میں تشریف رکھتے تھے اپنی کتاب میں جس کا نام گوہرستانِ شاہ ہے تحریر فرماتے ہیں کہ فضائل حضرت مخدوم جہاں کے متعلق کس قدر جامع اور معنی خیز الفاظ میں حضرت عبداللہ شطار قدس سرہٗ نے بیان فرمایا ہے، کہ آپ فرماتے ہیں کہ ہم پر ایک حالت میں عالمِ انکشاف کھلا، اس معراجِ روحی میں عرش اعظم تک رسائی ہوئی، ساقِ عرش بریں پر میں نے اکابرینِ طریقت کے القاب لکھے دیکھے، حضرت بایزید بسطامیؒ کا لقب سلطان العارفین مسطور تھا، اور مخدوم شیخ شرف الدینؒ کا لقب سلطان المحققین درج لوح نظر آیا۔ اور ان آنکھوں نے دیکھا۔ پھر آپ فرماتے ہیں، کیوں نہ ہو حضرت مخدومؒ کی بزرگی پر اصحابِ شریعت وطریقت کا اتفاق ہے۔ آپ کے نزدیک اپنے نفس سے بڑھ کر کوئی شئے ذلیل تر وخوار تر نہ تھی۔ اس قدر آپ میں فراخ حوصلگی تھی کہ اللہ کے سوا مقصود ذہنی تھا ہی نہیں۔ دنیا اور دولتِ دنیا، عقبیٰ اور نعمتِ عقبیٰ سب کی سب نظر میں ہیچ تھیں۔ نفس کشی کی حد یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ چالیس سال کامل بوئے طعام سے قوتِ شامہ تک مزا نہ لے سکی۔

اور بارہ برس تک آپ کو حوائج ضروری کی مطلق حاجت نہ پڑی، جس زمانہ میں آپ اس ریاضتِ شاقہ میں سرگرم تھے۔

سید العارفین سید علی ہمدانی سیر و سیاحت کرتے ہوئے آپ تک پہنچے شرفِ زیارت سے مشرف ہوئے۔ عند التذکرہ سید العارفین نے سوال کیا کہ سالک کی رسائی مقام صمدیت تک ہو سکتی ہے یا نہیں؟ آپ نے فرمایا کہ کچھ دنوں آپ یہاں تشریف رکھیں تو ممکن ہے کہ یہ راز منکشف ہو جائے۔ چنانچہ سید العارفین چھ ماہ تک آپ کی خدمت میں رہے۔ خیال کرتے ہیں تو یہ دیکھتے ہیں کہ حاجتِ بشری آپ میں بالکلیہ باقی نہیں رہی ہے۔ یہ معاملہ دیکھ کر وہ عقدہ کھل گیا اور وہ مشکل حل ہو گئی۔ دل میں جو خدشہ تھا وہ بھی رفع ہو گیا۔

پھر تو اس قدر گرویدہ ہوئے کہ سند خرقہ خلافت آپ سے حاصل کی اور بے انتہا فیوض و برکات اس مرشدِ کامل کی صحبت سے جمع کیے۔ ان مرحلوں کے بعد اجازت ملی اور سید العارفین آپ سے رخصت ہو کر واپس ہوئے۔ پھر تحریر فرماتے ہیں کہ ہنگام ریاضت ایسا بھی ہوتا تھا کہ بیس بیس روز تک آپ کی روحِ مبارک کو معراج ہوا کرتی، اور جسم شریف محض بے حس و حرکت پڑا رہتا۔ چنانچہ ایک دفعہ لوگوں نے جو اس حال میں آپ کو دیکھا تو یہ سمجھے کہ اس جہان سے تشریف لے گئے۔ خیر آپ کو اس مقام سے جب نزول ہوا تو بہ تقاضائے عجز و انکسار آپ نے ضعفِ پیری وغیرہ کی معذرت پیش کی۔

سید شاہ نجم الدین احمد فردوسی
خانقاہ بہار شریف،
(ضلع پٹنہ)

ترجمہ دیباچہ جامع مکتوبات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بے انتہا حمد اور تمام تعریف اس دربارِ کبریائی کے لیے خاص ہے جس نے عارفوں کے دلوں کو اپنے مشاہدۂ جمالِ باکمال کے انوار اور جلالِ لایزال کے مکاشفہ سے آراستہ فرمایا، اور اپنے عجوبہ نظاروں اور نادر اسرارِ غیبی کے مطالعہ میں محو و مستغرق کر دیا اور ان کے دلوں کو اپنی تجلیات کی پاکیزہ شراب سے سرشار فرما کر ایسا مست کیا کہ وہ خود سے بے خود ہو گئے۔ اور اپنے شہودِ احدیت کے نور کو اُن کی ظاہری اور مادّی آنکھوں سے دکھایا اور اپنی ذات کو ایسی شان میں معین فرمایا کہ وہ ظہورِ نور کے غلبہ میں خود کو، مخلوق کو اور جان و جہان کو معدوم تصور کرنے لگے۔ انھوں نے دیکھا تو اُسے دیکھا۔ چلے تو اس کے ساتھ چلے، لیا تو اس سے لیا اور کہا تو اُس سے کہا ؎

یہاں ہم ہیں نہ میں ہوں اور نہ یہ ہے اور نہ وہ کوئی
وہی پہلے بھی تھا اور بس وہی ہے اور وہی ہوگا

اور ہزار ہا ہزار اعلیٰ درود اور اکمل سلام سردارِ عاشقاں اور تاجِ سرِ عارفاں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحِ پاک پر ہو جن کے طفیل اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کو نبوت کا لباس پہنایا۔ اور جن کے صدقے میں اپنے اولیاء کو خلعتِ ولایت سے آراستہ کیا۔ اگر وہ نہ ہوتے تو کون ہوتا؟ نہ آسمان ہوتا نہ فرشتے۔ اگر وہ نہ آتے تو کون آتا؟ نہ آدمؑ آتے نہ آدمی۔ اور وہ ایسے رسولؐ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے مکانِ لامکاں اور مقامِ قرب و کرامت میں ہزار ہا شانِ بزرگی کے ساتھ اس طرح لباس محرمیت پہنایا کہ کوئی فرشتہ، نبی یا ولی اس سے واقف نہ ہو سکا۔ اور ان کے خیمۂ جلال کو صحرائے وجودِ کائنات میں

نصب کیا! اور عالم وجود کے دربار میں مخلوقات کو اُن کا خادم بنایا۔ اور درُود وسلام کے فیضان کی خوشبوئیں اُن کے آل، اہلبیت اور اصحاب پر، جو اس منور ماہ کامل کے سامنے روشن ستارے اور تابان سیارے تھے نیز علمائے شریعت، پیرانِ طریقت اور کاملانِ حقیقت پر، جو ان کے وارث ہیں۔ خاص کر نعمتوں اور مہربانیوں کے دیکھنے والے، اللہ پاک کے دربار میں مکاشفہ کی عادت رکھنے والے، نثار زمانہ ہمارے مولانا مخدوم واستاد، راہِ خدا کے پیرو مرشد، قطبوں کے قطب، عارفوں کے بادشاہ شرف الحق۔ شرف الحقیقت شرف الھدا۔ یعنی حضرت شرف الدین احمد یحیٰی منیری پر۔ اللہ تعالےٰ آپ کی طویل زندگی سے مسلمانوں کو فیضیاب اور آپ کے دیدار کی نعمت سے مومنوں کو سرفراز رکھے۔ حمد ودرُود کے بعد ناچیز بندہ زین بدر عربی کہتا ہے کہ جب قاضی شمس الدین، حاکم قصبہ چوسہ نے، جو آپ کے مرید ہیں، مسلسل اور بار بار درخواست کی جس کا مقصد یہ تھا کہ "یہ بیچارہ وقت کی مجبوریوں اور زمانہ کی معذوریوں کی وجہ سے اپنے مخدوم کی مجلس سے دُور، اور پیر کے فیضِ خدمت سے، جو دینی اور دنیاوی علوم کے حصول کا ذریعہ ہے، محروم ہو گیا ہے، عاجزی سے التماس کرتا ہے کہ علمِ سلوک کے ہر باب میں اس بندے کی سمجھ کے موافق اگر کچھ تحریر کیا جائے تو اپنا حصہ اور ذوق حاصل کرے۔" اس ضرورت کی بنا پر یہ چند سطریں حاجت برآری کی حد تک سائل کے سوال پورا کرنے کے لیے حضرتِ بندگی مخدوم نے، اللہ تعالیٰ ان کو عظمت عطا فرمائے، سالک کے مراتب ومقامات اور مریدوں کے احوال ومعاملات میں توبہ، ارادت، توحید ومعرفت، عشق ومحبت، سلوک وطریقت، مجاہدہ، وجد، بندہ ہونا اور بندگی کرنا، تجرید وتفرید، سلامتی وملامتی اور پیری مریدی وغیرہ کو مریدوں اور سالکوں کی ضرورت کے مطابق، مناسب دلیلوں میں بزرگوں کی حکایات اور کسی قدر ان کے احوال واعمال کو اپنے قلمِ شفقت سے تحریر فرمایا اور مختلف اوقات میں خطۂ بہار سے، اللہ تعالےٰ اس کو آفتوں اور ہلاکتوں سے محفوظ رکھے ۷۴۷ھ میں سائل مذکور کو ارسال فرمایا۔ اور آپ کے خادموں اور خدمت گاروں نے جو اس وقت وہاں حاضر تھے ان مکتوبات کو نقل کر کے اس مجموعہ کو اسی ترتیب سے مرتّب کر لیا تاکہ جب توفیقِ رفیق ان کے شاملِ حال ہو تو اُن کو عمل پر آمادہ کرے اور بھیدوں کو تلاش کرنے، اور صدق وخلوص رکھنے والے اس سے دولت حاصل کریں اور اس کو سعادتِ ابدی اور نعمت سرمدی تصور کریں اور اُس جہان کے درجات کی ترقی اور اِس جہان

کے لیے اپنا مونس جانیں۔ اور توفیق اللہ کی طرف سے ہے۔ قطعہ

قاصنی سرنشانہ ہوا اور عام لوگ — پاتے ہیں اس خزانۂ غیبی سے مدّعا
اک ذرہ اس خزانے سے مجھ کو بھی بخش دے — عیبوں سے پُر ہوں دل مرا کھوٹا ہی اے خدا

مثنوی

تری رحمت الٰہی بے کراں ہے — مجھے اک قطرہ اس کا دو جہاں ہے
گنہ لے آئیں گر سارے گنہگار — تو اس دریا میں ڈھل جائیں وہ یکبار
نہیں ہوتا مکدّر تیرا دریا — چمک جاتا ہے ہر مقصد جہاں کا

زین بدر عربی



عظیم المرتبت حضرت سید شاہ نجم الدین احمد شرفی الفردوسی قدس سرہٗ
(مترجم مکتوباتِ صدی جلدِ اوّل)

آپ ہمارے حقیقی نانا اور حضرت سید شاہ برہان الدین احمدؒ کے منجھلے صاحبزادہ سر حلقۂ مشائخ اس عصر، سر دفتر علمائے دہر اعلیٰ حضرت سید شاہ امین احمد فردوسی الملقب بہ جناب حضور سابق سجادہ مخدوم جہاں رحمۃ اللہ علیہ کے چہیتے پوتے ۲۵ رجمادی الاول ۱۳۰۲ھ اپنے آبائی مکان محلہ خانقاہ میں پیدا ہوئے آپ جناب حضور کے گود کے پروردہ تعلیم وتربیت یافتہ مرید وخلیفہ ہیں۔ توحید خواص کے اسرار تصوف کے باریک رموز ونکات خود اعلیٰ حضرت جناب حضور نے ظاہری و باطنی طور پر آپ پر نثار کردیئے تھے۔ بقول مخدوم جہاں علم کا سوتا قلب سے قلب میں کھلتا ہے وہ پورے طور پر کھولدیا گیا تھا۔ فارسی زبان وادب پر وہ دسترس تھی کہ بڑے بڑے انشاء پرداز قواعد داں دنگ رہ جاتے۔ قلم برداشتہ فارسی کی عبارت ایسی چست لکھتے کہ لوگوں کو حیرت ہوتی۔ آپ کی مجلس میں ہمیشہ اور زیادہ تر علمی تذکرے ہوا کرتے۔ اہل علم کا آپ کے گرد مجمع رہتا۔ نہایت خوش بیان تھے۔ عرس اعراس کے زمانے میں چہرۂ انور کھلتا ہوا ہوتا جیسے تازہ بہار آگئی ہو۔ جتنے مشائخین اہل خانقاہ علما فضلا عرس مخدوم کی حاضری کے لئے تشریف لاتے وہ سب کے سب نانا جان موصوف کی مہربانی میں ہوتے عجب شان تھی جس مجمع میں جہاں پر بیٹھ جاتے ساری مجلس کا رخ آپ کی جانب ہوجاتا سچ ہے۔ "صدر ہر جا کہ نشیند صدر است" کتب بینی آپ کا عزیز ترین مشغلہ تھا۔ خاندانی واقفیت اور سینکڑوں برس قبل کے علمی ماحول پر اگر مقالہ لکھوانا چاہتے تو فی البدیہہ ڈکٹیٹ کرا دیتے۔ کتب بینی اور نظری ذہانت نے آپ کے علم کو کہاں سے کہاں پہونچا دیا تھا۔ اس کا اندازہ اہل علم ہی کر سکتے ہیں۔ شعر وسخن کا مذاق بھی بہت گہرا تھا اردو فارسی دونوں زبانوں میں آپ کے کلام کا ایک خاص مقام ہے اردو نثر نگاری کا اندازہ تو اہل نظر کو اس ترجمے کی عبارت ہی سے ہو جائے گا۔ آپ کی تصنیف میں حیات ثبات ایک بیش بہا سرمایہ ہے الامین نامی ادبی ماہنامہ کے ادارتی مجلس میں آپ کی خصوصی شمولیت رہی ہے۔ مخدوم جہاں

کی تصنیفات و ملفوظات سے عموماً اور مکتوبات صدی سے خصوصاً کس قدر قلبی لگاؤ تھا خود یہ ترجمہ اس کا شاہد ہے۔ محبت کا حقیقی مطلب تو یہی ہے کہ محبوب کے عادات و اطوار کو اپنا لیا جائے اور حکم بھی یہی ہے قُل اِن کنتم تحبّون اللہ فاتبعون جب یہ ہوگا تب ہی یحببکم اللہ کی سرفرازی نصیب ہوگی۔

حضرت ناناجان علیہ رحمۃ مکتوبات صدی کے والہ و شیفتہ تھے اور یہ محبت سطحی محبت نہ تھی بلکہ اپنے آپ کو مکتوبات کے رنگ میں رنگ لیا تھا۔ مکتوبات صدی کے رموز و نکات آپ میں رس بس گئے تھے۔ اور تخلقوا باخلاق اللہ کے آپ مرقع تھے نقر میں بھی آپ کا بلند مقام تھا۔ اقربا پروری اور غربا نوازی میں تا اپنی مثال آپ تھے۔ تمام عزیزوں پر نگاہ کرم کی فراوانی تھی اور اس عزیز پر جو خصوصی شفقت تھی اس پر تو مجھے فخر ہے۔

اس راہ میں محبت شیخ اور فنائیت تمام تعلیمات کا مغز ہے آپ کی فنائیت کا یہ عالم تھا کہ آخر وقت میں زیادہ تر استغراقی کیفیت اور مراقبہ کی حالت رہتی۔ اعلیٰ حضرت جناب حضورؒ کو دیکھنے والے جب آپ کی عیادت کو آتے تو بے ساختہ کہہ اٹھتے سبحان اللہ یہ تو بالکل جناب حضورؒ سے مشابہ ہوگئے ہیں۔

تاریخ وصال ۲۷ مئی ۱۹۶۲ء ہے۔

حررہ بقلمہ
محمد علی ارشد شرفی الفردوسی۔

سردفتر اہل معانی حضرت سید شاہ محمد الیاس یاس بہاریؒ
مترجم مکتوبات صدی حصہ دوم

طبقہ صوفیا اور خانوادہ فردوسیہ کا کوئی حلقہ بگوش اس سے ہرگز ناواقف نہیں کہ امین الملت والدین اعلیٰ حضرت جناب حضور سید شاہ امین احمد فردوسی قدس اللہ سرہٗ کے جگر گوشے اور آپ کے آغوش ولایت کے پرورش یافتگان کچھ اتنا اعلیٰ اور ارفع مرتبہ رکھتے ہیں کہ شاید و باید ان میں کی ہر ہستی مقدس اور محترم ہے ان میں کا ہر فرد شمع رشد و ہدایت ہے ان کے تقدس ان کے علم و عرفان ان کی تحریر و تقریر ان کی ہر ادا میں اسی آفتاب ولایت کی تابانی جلوہ افروز ہے۔

حضرت اقدس جناب یاس ۲۵ر ذیلقعدہ روز پنجشنبہ ۱۳۰۵ھ بہار شریف میں پیدا ہوئے آپ امین الملت جناب حضور کے صاحبزادہ ہیں آپ کے گھر میں ظاہری اور باطنی کسی دولت کی کمی نہیں تھی اس وقت علم و عرفان کا ایک ناپید کنار سمندر آپ کے یہاں لہریں لے رہا تھا اپنے والد ماجد کے زیر سایہ تعلیم و تربیت پاتے رہے مدرسہ حنفیہ (پٹنہ) بھی گئے علوم فارسی اور عربی سے فراغت کے بعد ۱۹۰۷ء میں طب یونانی کی سند لکھنؤ تکمیل الطب کالج سے حاصل کی استاد الاطباء حکیم عبدالعزیز صاحب جھوائی ٹولہ لکھنؤ آپ کی ذہانت فطانت اور علمی لیاقت کے بڑے مداح تھے خاندان جھوائی ٹولہ میں بڑے عظمت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے طب یونانی کے حصول کے بعد کچھ دن بہار شریف میں رہے پھر نوادہ ضلع گیا جو آپ کی سسرال بھی تھی وہیں مطب کے ذریعہ کسب معاش کرتے رہے اور بڑے بڑے علمی کارنامے انجام دیتے رہے اس کے باوجود شہرت سے تنفر تھا۔

صیاد معانی حضرت جناب یاس کی عجیب شان ہے یہ جہان بحر توحید و معرفت کے غوّاص ہیں، علم و ادب کے سمندر کے بڑے زبردست شناور بھی ہیں۔ اردو فارسی شعر و شاعری میں مسلم الثبوت استاد ہیں، بڑے قادر الکلام، نثر نگاری میں بھی خاص قدرت حاصل ہے۔ مکتوبات صدی کا یہ ترجمہ جس خوش اسلوبی سے آپ نے فرمایا ہے وہ آپ کے تبحر علمی کے اظہار کیلئے کافی ہے۔

اخیر دور میں نواده کی سکونت ترک کردی گئی تھی بہار شریف تشریف لے آئے تھے حلقۂ تصنیف بیت الشرف کو مکتوبات صدی کے بقیہ ساٹھ مکاتیب کے ترجمے کی فکر تھی آپ سے استدعا کی گئی درخواست کو شرف قبولیت بخشا گیا. حضرت نے ترجمہ شروع کردیا کس روانی سے بلا تکلف لکھواتے تھے کہ دیکھنے والوں کو حیرت ہوتی تھی اس ترجمہ کے دوران داڑھ کے درد کی شدید تکلیف تھی جو آخر وقت تک نہ گئی اور موتیابند کی وجہ سے بینائی بھی غائب تھی مگر واہ رے عزم و استقلال کہ ترجمہ کا معمول ترک نہوا عزیزوں میں سے کسی کو طلب کرلیا گیا (عموماً یہ منجھلے ماموں جناب شاہ عزیز احمد مجیدؒ ہوتے جن کی خدمات ترجمہ کی تکمیل میں قابل قدر ہیں) متن پڑھنے کا حکم ہوا درد کی شدت سے چہرہ سرخ ہورہا ہے مگر املا کرایا جارہا ہے. مکتوبات صدی اور اس کا ترجمہ اس تکلیف کی شدت میں کوئی آسان کام نہیں تھا آپریشن کے بعد جب روشنی کھل گئی تو مسودہ کی تصحیح فرمادی گئی.

مکتوبات صدی کا اس سے بہتر ترجمہ ممکن نہیں تھا ترجمہ کی سادگی سلاست روانی پھر خود مخدوم مناؒ صاحب مکتوبات کا منشا کیا ہے یہ سمجھ میں آجاتا ہے اپنی جانب سے مفہوم کو بیان کرنے کی کوشش نہیں کی گئی ہے بلکہ یوں کہیئے کہ ترجمے اصل کی تاثیر کہیں جدا نہیں ہوتی یوں تو ترجمے بہت دیکھنے میں آتے ہیں ادبی حیثیت سے ایک سے ایک بہتر مگر حضرت اقدس جناب یاس ہی کے ترجمے کو یہ خصوصیت حاصل ہے ایسے عظیم ترین دینی سرمایہ کا ترجمہ بھی ایسا ہی چاہیئے تھا فالحمدللہ وہ ناظرین کے سامنے ہے.

ہمارے عظیم بزرگ جناب یاس. نانا جان سید شاہ نجم الدین احمد کے چچا ہیں ہمسری کے باعث دونوں میں بے انتہا الفت تھی بلکہ ایک جان دو قالب تھے یہ بھی اتفاق ہے کہ اس کتاب کے ترجمہ میں دونوں شریک ہیں.

وصال ۴ ر ستمبر ۱۹۶۰ء بہار شریف میں ہوا. تدفین آستانہ مخدوم جہاں میں ہوئی. اختصار پیش نظر ہے لہٰذا اس ضمن پر ختم کرتا ہوں.

دامانِ نگہ تنگ و گلِ حسنِ تو بسیار
گل چینِ بہارِ تو ز داماں گلہ دارد

عورکہ بقلمہ
محمد علی ارشد شرفی الفردوسی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ

پہلا مکتوب

توحید کے بیان میں

میرے عزیز بھائی شمس الدین تم کو اللہ تعالےٰ دونوں جہان میں عزت دے۔ معلوم ہونا چاہیئے! کہ بزرگوں کے نزدیک از روے شریعت و طریقت و حقیقت و معرفت اجمالاً توحید کے چار درجے ہیں اور ہر درجہ میں مختلف حالت اہلِ توحید کی ہوا کرتی ہے

توحید کا پہلا درجہ یہ ہے کہ ایک گروہ فقط زبان سے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہتا ہے مگر دل سے رسالت و توحیدِ حق کا منکر ہے۔ ایسے لوگ زبانِ شرع میں منافق کہے جاتے ہیں۔ یہ توحید مرنے کے وقت یا قیامت کے دن کچھ فائدہ بخش نہ ہوگی۔ سراسر وبال اور نکالِ آخرت کا باعث ہوگی۔ خدا محفوظ رکھے۔

توحید کا دوسرا درجہ۔ اس کی دو شاخیں ہیں۔ ایک گروہ زبان سے بھی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہتا ہے اور دل میں بھی تقلیداً اعتقاد رکھتا ہے کہ اللہ ایک ہی ہے کوئی اس کا شریک نہیں۔ جیسا کہ ماں باپ وغیرہ سے اُس نے سنا ہے اسی پر ثابت قدم ہے۔ اس جماعت کے لوگ عام مسلمانوں میں ہیں ـــ دوسرا گروہ زبان سے بھی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہتا ہے۔ اور دل میں اعتقاد صحیح رکھتا ہے۔ علاوہ اس کے علم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر سیکڑوں دلیلیں بھی رکھتا ہے۔ اس جماعت کے لوگ متکلمین، یعنی علمائے ظواہر کہلاتے ہیں۔

بیت

حامیت جہاں نما کردر دے نگری ـــ رو دیدہ بدست آر کہ ہر ذرہ خاک

(یعنی جاؤ آنکھیں حاصل کرو۔ خاک کا ہر ذرہ ایک پیالہ ہے جس میں سارا جہان دکھائی دیتا ہے۔)

عام مسلمان و متکلمین یعنی علمائے ظاہر کی توحید وہ توحید ہے کہ شرکِ جلی سے نجات پانا اس سے وابستہ ہے۔ سلامتی و ثباتِ آخرت سے ملحق ہے۔ خلود دوزخ سے رہائی، بہشت میں داخل ہونا اس کا ثمرہ ہے۔ البتہ اس توحید میں مشاہدہ نہیں ہے۔ اس لیے اربابِ طریقت کے نزدیک اس توحید سے ترقی نہ کرنا، ادنیٰ درجہ پر قناعت کرنا ہے۔ عَلَیْکُمْ بِدِیْنِ الْعَجَائِزِ (یعنی بوڑھی عورتوں کے دین کو اختیار کرنا لازم سمجھو) ایسے ہی موقع پر کہا کرتے ہیں۔

توحید کا تیسرا درجہ۔ موحّد مومن بہ اتباعِ پیرِ طریقت مجاہدہ و ریاضت میں مشغول ہے۔ رفتہ رفتہ یہ ترقی اس نے کی ہے کہ نورِ بصیرت دل میں پیدا ہو گیا ہے۔ اس نور سے اس کو اس کا مشاہدہ ہے کہ فاعلِ حقیقی وہی ایک ذات ہے۔ سارا عالم گویا کٹھ پتلی کی طرح ہے۔ کسی کو کوئی اختیار نہیں ہے۔ ایسا موحّد کسی فعل کی نسبت کسی دوسری طرف نہیں کر سکتا۔ کیونکہ وہ دیکھ رہا ہے کہ فاعلِ حقیقی کے سوا دوسرے کا فعل نہیں ہے۔ بیت

درین نوع ہم شرک پوشیدہ است   کہ زیدم بیازرد و عمرم بکشت

(یعنی اس میں بھی شرک چھپا ہوا ہے کہ اگر کوئی کہے کہ مجھ کو زید نے ستایا اور عمرو نے مار ڈالا)۔

اب ہم ایک مثال دیتے ہیں اس سے توحید عامیانہ، توحید متکلمانہ اور توحیدِ عارفانہ سبھوں کے مراتب کا فرق صاف صاف ظاہر ہو جائے گا۔

مثال۔ کسی سرائے میں ایک سوداگر اترا۔ اس کی شہرت ہوئی۔ لوگ اس کا مال و اسباب دیکھنے کو چلے اور ملاقات کے خواہاں ہوئے۔

ایک شخص نے زید سے پوچھا۔ بھئی، تم کچھ جانتے ہو۔ فلاں سوداگر آیا ہوا ہے زید نے کہا۔ ہاں صحیح خبر ہے۔ کیونکہ معتبر ذرائع سے مجھے معلوم ہوا ہے۔ یہ توحیدِ

عامیانہ کی مثال ہے۔

دوسرے نے عمرو سے دریافت کیا۔ اجی حضرت آپ کو اس سوداگر کا حال معلوم ہے۔ عمرو نے کہا۔ خوب ابھی ابھی میں اسی طرف سے آرہا ہوں۔ سوداگر سے ملاقات تو نہ ہوئی، مگر اُس کے نوکروں کو دیکھا، اُس کے گھوڑے دیکھے۔ اسباب وغیرہ دیکھنے میں آئے۔ ذرا شبہ اس کے آنے میں نہیں ہے۔ یہ توحید متکلمانہ ہے۔

تیسرے شخص نے خالد سے استفسار کیا۔ جناب اس کی خبر رکھتے ہیں کہ سوداگر صاحب سرائے میں تشریف رکھتے ہیں۔ خالد نے جواب دیا۔ بیشک میں تو ابھی ابھی انھیں کے پاس سے آرہا ہوں۔ مجھ سے اچھی طرح ملاقات ہوگئی ہے۔ یہ توحید عارفانہ ہے۔

دیکھو زید نے سنی سنائی پر اعتقاد کیا۔ عمرو نے اسپ و اسباب وغیرہ دیکھ کر دلیل قائم کی۔ خالد نے خود سوداگر کو دیکھ کر یقین کیا۔ تینوں میں جو فرقِ مراتب ہے اس کے بیان کی اب حاجت نہ رہی۔ اہلِ طریقت کے نزدیک جس توحید میں مشاہدہ نہ ہو وہ توحید کی صورت اور توحید کا قالب ہے۔ مشاہدہ سے اعتقاد کو کوئی نسبت نہیں۔ کیونکہ اعتقاد دل کو خواہ مخواہ ایک چیز کا پابند کر لیتا ہے۔ اور مشاہدہ ہر بند کو کھول دیتا ہے۔ اور مشاہدہ سے استدلال کو بھی کوئی مناسبت نہیں۔ کیونکہ ؎

پائے استدلالیان چوبین بود پاے چوبین سخت بے تمکین بود

(یعنی دلیلیں لانے والوں کا پاؤں لکڑی کا بنا ہوتا ہے۔ اور لکڑی کا پاؤں دیر تک قائم نہیں رہ سکتا)۔

توحید کا چوتھا درجہ۔ کثرت اذکار و اشغال و ریاضت و مجاہدہ کے بعد ترقی کرتے کرتے یہاں تک سالک ترقی کرتا ہے کہ بعض بعض وقت شش جہت میں اللہ تعالےٰ کے سوا اس کو کچھ نظر نہیں آتا۔ تجلیاتِ صفاتی کا ظہور اس شدت سے سالک کے دل پر ہوتا ہے کہ ساری ہستیاں اُس کی نظر میں گم ہو جاتی ہیں۔ جس طرح ذرّے آفتاب کی پھیلی ہوئی روشنی

میں نظر نہیں آتے۔ دھوپ میں جو ذرہ دکھائی نہیں دیتا اس کا سبب یہ نہیں کہ ذرہ نیست
ہو جاتا یا ذرہ آفتاب ہو جاتا ہے، بلکہ جہاں آفتاب کی پوری روشنی ہوگی ذرّوں کو چھپ
جانے کے سوا چارہ ہی کیا ہے۔ جس وقت روشندان تابدان وغیرہ سے دھوپ کوٹھری یا
سائبان میں آتی ہے، اس وقت ذرّوں کا تماشا دیکھو، صاف نظر آتے ہیں۔ پھر آنگن میں نکل
کر دیکھو غائب ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح بندہ خدا نہیں ہوتا تعالیٰ اللّٰہ عَنْ ذٰلِکَ عُلُوًّا کَبِیْرًا
(یعنی اللہ اس سے بہت بلند تر ہے)۔ اور نہ یہ ہوتا ہے کہ بندہ در حقیقت نیست ہو جاتا ہے
نابود ہونا اور چیز ہے اور نہ دیکھا جانا اور شے ہے۔ نظم

همه هیچ اند هیچ اوست که اوست | پیش توحید او نه کهنه نه نوست
من و تو رفته و خدا مانده | که بود ماز ما جدا مانده

(یعنی اُس کی توحید کے سامنے نیا اور پُرانا کیا سب ہیچ ہی ہیچ ہے۔ وہ وہی ہے
جیسا کہ وہ ہے۔ لفظ ما سے ما کب تک الگ رہے گا۔ من و تو بیچ سے اُٹھ گیا اور خدا باقی رہ گیا)
یا یوں سمجھو کہ عالم ایک آئینہ ہے۔ اس آئینے میں سالک کو بعض بعض وقت خدا ہی خدا نظر آتا ہے۔
خدا کے مشاہدے میں سالک ایسا مستغرق ہو جاتا ہے کہ عالم جو آئینہ حیرت ہے اُس کو نظر نہیں آتا۔ اس
سے اور آسان مثال سنو۔ تم خود آئینہ دیکھو، اور اپنے جمال پر محو ہو جاؤ۔ پھر دیکھو تو سہی آئینہ تمھاری
نظر سے ساقط ہو جاتا ہے یا نہیں۔ ضرور ساقط ہوگا۔ ایسے موقع میں کیا تم کو یہ کہنے کا حق حاصل ہوگا کہ
آئینہ نیست ہو گیا۔ یا آئینہ جمال ہو گیا یا جمال آئینہ ہو گیا۔ ہرگز نہیں۔ نیست ہونا اور ہے نہیں دکھائی
دینا اور ہے۔ جس کی نظر میں آفتاب انوارِ حق اس شان سے ظہور کرے گا اُس کی نظر میں ساری ہستیاں
نہ ہوں گی تو کیا ہوں گی۔ قدرت کا مقدورات میں دیکھنا بلا فرق اسی طرح پر ہوتا ہے۔ صوفیوں کے
یہاں اس مقام کا نام اَلْفَنَآءُ فِی التَّوْحِیْدِ یعنی توحید میں فنا ہو جانا ہے۔ ع

گوید آنکس درین مقام فضول | کہ تجلّی نہ داند او ز حلول

(یعنی وہ شخص یہاں فضول بکتا ہے۔ کیونکہ وہ تجلّی اور حلول کا فرق نہیں پہچانتا)

اس مقام میں اگر شطحیات سالک سے سرزد ہوں گے تو اس کی خامی سمجھی جائے گی اس میں شک نہیں کہ خدا کی تجلی ہوتی ہے۔ اور خدا اپنا جلوہ دکھاتا ہے۔ مگر انسان میں حلول نہیں کرتا۔ اس مقام میں پہنچ کر سیکڑوں سالک پھسل کر گر چکے ہیں۔ اس خوفناک جنگل سے جان سلامت لے جانا بغیر تائیدِ غیبی و عنایتِ ازلی ناممکن ہے۔ اور پیر کی مدد بھی ضروری ہے۔ جو پیر حق رسیدہ ہو، صاحب بصیرت ہو، نشیب و فراز سے واقف ہو۔ شربت قہر جلال اور لطفِ جمال کا چکھ چکا ہو۔ تاکہ اس ورطۂ ہلاکت سے مرید کو نکال سکے۔ دیکھو حضرت خواجہ ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ جو مقامِ توکل کے بادشاہ ہیں۔ ایک دفعہ حضرت خواجہ منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ نے اُن کو دیکھا کہ بے زاد و راحلہ بادیۂ خونخوار میں گشت کر رہے ہیں۔ پوچھا، یہاں آپ کیا کر رہے ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ مقامِ توکل میں ثابت قدمی کا امتحان دے رہا ہوں۔ چونکہ اہلِ توحید کے نزدیک مقامِ توکّل توحید کے مقامات میں سے ایک ادنیٰ درجہ کا مقام ہے۔ بتقاضائے خلوص آپ کو ہمدردانہ جلال آگیا۔ اور اس عبارتِ لطیف کے ساتھ اس مقامِ توکّل سے ترقی کرنے کی یوں ہمت دلائی :-

ضَیَّعْتَ عُمُرَكَ فِیْ عِمْرَانِ بَاطِنِكَ فَاَیْنَ الْفَنَاءُ فِی التَّوْحِیْدِ (یعنی اگر عمر اسی مقامِ توکل کی داد دینے میں تمام ہوگئی تو درجۂ کمالِ توحید کب حاصل ہوگا) اب تم سمجھ سکتے ہو کہ راہِ توحید میں یارِ موافق اور پیرِ مشفق کی کس وقت تک کس درجہ ضرورت ہے۔

بہرکیف درجہ چہارم کی توحید میں سالکوں کے احوال مختلف ہیں۔ کسی پر ہفتہ میں ایک ساعت کے لیے فنائیت طاری ہوتی ہے کسی پر ہر روز ایک ساعت یا دو ساعت۔ کسی پر بیشتر اوقات عالمِ استغراق رہتا ہے۔

فنا فی التوحید کے بعد ایک مرتبہ ہے جس کا نام اَلْفَنَاءُ عَنِ الْفَنَاءِ ہے۔ اس مرتبہ کو بھی تعلق درجہ چہارم سے ہے۔ یعنی اس درجہ کا نام مرتبۂ اکمل میں اَلْفَنَاءُ عَنِ الْفَنَاءِ ہے۔ اسی لیے اس کو درجۂ پنجم نہیں کہا گیا۔ اس مرتبہ میں سالک کی حالت یہ ہوتی ہے کہ کمالِ استغراق کی وجہ سے اس کے احساس کو اپنی فنائیت کی خبر نہیں ہوتی۔ اور نہ اُس کی آگاہی باقی رہتی ہے

کہ ہم فنا ہوئے۔ یہاں تک کہ جمالی و جلالی تجلّی کا فرق بھی نظر نہیں آتا۔ ایک جنبش میں سب باتیں غائب ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ کسی قسم کا علم باقی نہیں رہتا۔ اہلِ طریقت کے نزدیک تفرقہ کی دلیل ہے۔ مقامِ عین الجمع و جمع الجمع جب ہی حاصل ہو گا کہ سالک اپنے کو اور کل کائنات کو ظہورِ حق کے دریا سے نور میں گم کردے اور اس کی خبر بھی نہ رکھے کہ گم کون ہوا۔ ؎

تو در وگم شو کہ توحید این بود گم شدن گم کن کہ تفرید این بود

(تو اس میں کھو جا یہی توحید ہے اور اس کھو جانے کو بھی بھول جا .... اس کا نام تفرید ہے۔)

اس مقامِ تفرید میں پہنچ کر حقیقتِ وحدت الوجود اس طرح پر منکشف ہوتی ہے کہ سالک محو ہو جاتا ہے۔ تجلّیِ ذاتی کل قصّوں کو طے کر دیتی ہے۔ اسم و رسم، وجود و عدم، عبارت و اشارت عرش و فرش، اثر و خبر اس عالم اور اس دیار میں کچھ نہ پاؤ گے۔ کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ (یعنی یہاں ہر چیز کو فنا ہے)۔ اس مقام کے سوا اور کہیں جلوہ گر نہیں ہوتا۔ کُلُّ شَیْئٍ ھَالِکٌ اِلَّا وَجْھَہٗ (یعنی ہر چیز مٹ جانے والی ہے مگر اُس کی ذات)۔ اس جگہ کے سوا اور کہیں صورت نہیں دکھاتا۔ اَنَا الْحَقُّ و سُبْحَانِیْ مَآ اَعْظَمَ شَانِیْ (یعنی پاک ہوں اور میری شان بہت بڑی ہے) یہاں کے سوا اور کہیں اس کا نشان ظاہر نہیں ہوتا۔ توحید بے شرکِ مطلق جو تم نے سنا ہے، وہ اس دار الملک کے سوا اور کہیں نہ دیکھنے پاؤ گے ؎

خیالِ کژ مپز اینجا و بشناس ہر آن کو در خدا گم شد خدا نیست

(یعنی یہاں دل میں الٹا خیال نہ لاؤ، اور سمجھو کہ، جو خدا کی ذات میں کھو گیا، وہ خدا نہیں ہے)۔

توحید وجودی علم کے درجہ میں ہو، یا شہود کے ابتدائی درجہ سے انتہائی درجہ تک پہنچے ہر مرتبہ میں بندہ بندہ ہے، خدا خدا ہے۔ اسی لیے اَنَا الْحَقُّ و سُبْحَانِیْ مَآ اَعْظَمَ شَانِیْ وغیرہ کہنا اگر صدقِ حال نہ ہو تو خود اہلِ طریقت کے نزدیک یہ کلمات کفریہ ہیں۔ اور جہاں صدقِ حال ہے بیشک وہاں کمالِ ایمان کی دلیل ہے ؎

روا باشد انا اللہ از درختے چرا نبود روا از نیک بختے

(یعنی ایک درخت سے انا اللہ کی صدا نکلنا جب درست ہے تو اگر کسی نیک بخت کے منہ سے یہی آواز نکلے تو کیوں صحیح نہ ہوگی)۔

خیر اس کو تو ہم پہلے ہی کہہ چکے کہ آئینہ و صورت کے درمیان نہ اتحاد کا دعویٰ صحیح نہ حلول کا زعم باطل درست۔ اب تم چاروں درجوں کی توحید میں جو فرق ہے وہ اس مثال سے سمجھ سکتے ہو۔ اخروٹ میں دو قسم کے پوست اور ایک قسم کا مغز ہوتا ہے۔ پھر مغز میں روغن ہے۔

(۱) منافقوں کی توحید پہلے چھلکے کے درجہ میں ہے۔ کیونکہ وہ چھلکا کسی کام کا نہیں ہوتا۔

(۲) عام مسلمانوں اور متکلموں کی توحید دوسرے چھلکے کے درجہ میں ہے، یہ کچھ کار آمد ہوتا ہے۔

(۳) عارفانہ توحید مغز کے درجہ میں ہے۔ اس کا فائدہ اور اس کی خوبی ظاہر ہے۔

(۴) موحدانہ توحید روغن کے درجہ میں ہے۔ اس کی تعریف کی حاجت نہیں۔ دیکھو اخروٹ تو پورے مجموعہ کو کہتے ہیں۔ مگر پہلے چھلکے سے روغن تک جو فرق ہے وہ صاف روشن ہے۔ اسی طرح توحید تو ہر توحید کو کہتے ہیں۔ مگر درجات، ثمرات، قاعدے ضابطے میں تفاوت ہزار در ہزار ہیں۔

اے بھائی یہ مکتوب معمولی نہیں۔ اسی میں غور و فکر کی ضرورت ہے۔ اچھی طرح اس کو دیکھو اور اس کی تہ کو پہنچو۔ کیونکہ یہ مکتوب جڑ ہے تمام مقامات و احوال و معاملات و مکاشفات کی۔ جب تم کلمات مشائخ کے دیکھو یا اُن کے اشارات پر نظر تمھاری پڑے، یا اُن کی کتابیں دیکھنے میں آئیں۔ اگر اس مکتوب کے اصول کو ملحوظ رکھو گے تو حلِ مطالب آسانی سے ہوں گے کہیں پر مغالطہ نہ ہوگا۔ اور غلط فہمی تمھیں نہ ہوگی۔ ٹھیک ٹھیک سمجھ لوگے۔ اشعارِ توحیدیہ مشائخِ طریقت رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جو اپنے درجہ کے اعتبار سے نظم فرمائے ہیں وہ بھی اسی اصول و قانون کی رُو سے سمجھے جائیں گے۔ اور کہیں سے کسر نہ ہوگی۔

اے برادرِ عزیز بہت ممکن ہے کہ اہلِ توحید کی حالتوں کو دیکھ اور سن کر تمھیں غبطہ ہو اور حسرتِ نایافت بے کل کر دے اور شکستہ خاطر ہو کر تم نومید ہو جاؤ۔ نہیں نہیں بلند ہمتی سے

کام لو ۔ ہم نے مانا کہ تم چیونٹی کی طرح خاکسار سہی، مگر دل حضرت سلیمان کے ایسا پیدا کرو ۔ اور اس راہ میں قدم رکھو ۔ ہم نے فرض کیا کہ مچھر کی طرح منحنی ہو، لیکن جگر شیر کا بنا ڈالو اور منزلِ مقصود کی تلاش میں گام زنی شروع کردو ۔ تم دیکھتے نہیں کہ کیا سے کیا ہوا اور کیا ہو رہا ہے ۔ سات سات لاکھ برس کی طاعت وعبادت کو بادِ بے نیازی نے اس طرح اُڑا پھینکا ہے کہ ہبار منثور اہو کر رہ گئی۔ اپنی خرابیوں کو تم نہ دیکھو اس بات کو دیکھو کہ آب و خاک بے مقدار سے حضرت آدم صفی اللہ کیسے پیدا ہو گئے ۔ ایک یتیم ہستی جس کے کفیل ابو طالب تھے وہ محمدؐ رسول اللہ کیونکر ہو گئی۔ آزر بت تراش کے گھر میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا وجود کس طرح ظہور پذیر ہوا ۔ سبحان اللہ وبحمدہٖ اور اس بات کا تماشا دیکھو کہ مشرکوں سے موحدین، کافروں سے مومنین، عاصیوں سے مطیعین، مفسدوں سے مصلحین ہوا کرتے ہیں ۔ قدرت کسی کی طاعت پر نظر نہیں کرتی ۔ لطف کسی کی معصیت کو نہیں دیکھتا۔

نقل ہے کہ ایک زنار دار اپنے زنار کو آراستہ کر رہا تھا ۔ غیب سے ایک بھید ظاہر ہوا جس سے زنار کی حقیقت اُس پر کھل گئی ۔ گھر سے نکل کھڑا ہوا ۔ حالت یہ تھی کہ دوڑتا جاتا تھا اور نعرہ مارتا تھا اَینَ اللہ ۔ اللہ کہاں ہے ؟ ۔ اس انکشافِ راز کے باعث ایسا سوز و درد پیدا ہوا تھا کہ اس کو ذرا قرار نہ تھا ۔ یہاں سے وہاں اس شہر سے اس شہر مارا مارا پھرتا تھا ۔ اسی طرح گرتا پڑتا ملکِ شام میں جبلِ لبنان پر پہنچا ۔ اس پہاڑ پر غوث، قطب، ابدال، اوتاد وغیرہم رہا کرتے ہیں ۔ جا کر کیا دیکھتا ہے کہ چھ آدمی کھڑے ہیں ۔ اور ایک جنازہ سامنے رکھا ہے۔

یہ غریب بدحال ان لوگوں سے واقعہ دریافت کرنے لگا ۔ ان لوگوں نے کہا واقعہ پیچھے پوچھیے گا، پہلے نمازِ جنازہ کی امامت تو کیجیے ۔ خدا کی شان وہ بے تکلف آگے بڑھ گیا ۔ اور نماز پڑھا دی ۔ جب نماز پڑھا چکا تو وہ لوگ کہنے لگے کہ ہم لوگ ان سات آدمیوں میں سے ہیں جن پر سارے عالم کے کل کاروبار کا دار و مدار ہے ۔ اور جس میت پر آپ نے نماز پڑھی ہے وہ ہمارے روشن ضمیر پیر تھے ۔ قطبِ عالم کے عہدے پر فائز تھے ۔ وقتِ انتقال یہ وصیت فرمائی تھی کہ غسل وغیرہ سے

جب فراغت ہو جائے تو جنازہ رکھ کر تھوڑا انتظار کرنا۔ ایک صاحب اس گوشے سے آئیں گے۔ ان سے کہنا کہ نماز آپ ہی پڑھائیں۔ کیونکہ ہمارے بعد قطبیت کا درجہ انھیں حضرت سلامت کو ملے گا۔ والسلام

دوسرا مکتوب

توبہ کے بیان میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میرے عزیز بھائی شمس الدین اللہ تعالیٰ تم کو توبہ کرنے والوں کی بزرگی عطا فرمائے۔

تمھیں معلوم ہو کہ پہلی منزل اس راہ کی توبۂ نصوح ہے۔ یعنی توبۂ خالص و توبۂ خاص الخاص۔ یہ توبہ علیٰ قدرِ مراتب ہوتی ہے۔ اس میں کسی کی قید نہیں۔ جیسا کہ حق تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا۔ تُوبُوا اِلَى اللّٰہِ جَمِیۡعًا اَیُّھَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ (یعنی اے مومنو تم سب اللہ کی طرف توبہ کرو شاید تمھاری بہتری ہو جائے)۔ یہ آیتِ شریف صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان میں نازل ہوئی۔ وہ حضرات ہمہ تن تائب تھے۔ کفر سے سخت بیزار، ایمان سے نہایت رغبت و دلچسپی رکھنے والے۔ گناہ پر اُن حضرات نے لات ماری تھی۔ اور پسِ پشت ڈال دیا تھا، طاعت و عبادت میں مشغول تھے۔ پھر سبھوں کو توبہ کا جو حکم ہوتا ہے اس کے معنی کیا ہوئے؟ ایک بزرگ سے یہ مسئلہ پوچھا گیا۔ آپ نے جواب دیا کہ توبہ ادنیٰ اعلیٰ سب پر فرض ہے، ہر آن و ہر ساعت۔ مگر ہر محل میں توبہ کی صورت بدل جاتی ہے۔ کافر پر کفر سے توبہ کرنا اور ایمان لانا فرض ہے۔ عاصیوں پر معصیت سے توبہ کرنا اور عبادت میں مشغول ہونا فرض ہے۔ محسنوں پر فرض ہے کہ افعالِ حَسَن سے احسن کا قصد کریں، واقفانِ راہ پر فرض ہے کہ وہ ایک مقام پر ٹھہرے نہ رہ جائیں۔ روشِ سالکانہ اختیار کریں۔ مقیمانِ آب و خاک پر فرض ہے کہ صرف عالمِ اجسام کی سیر کافی نہ سمجھیں، طیر کی قوت حاصل کریں اور حضیضِ سفلی سے اڑ کر اوجِ علوی پر پہنچیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ سالک کا کسی مقام پر ٹھہرنا گناہ ہے۔ اس مقام سے اس کو

توبہ کرنا چاہیے۔ اور آگے قدم بڑھانا چاہیے۔ تُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰہِ کا ترجمہ جَمِیْعًا اَیُّھَا الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْن۔ کی تفسیر یہی ہے۔ بات یہ ہے کہ جس مرتبہ میں سالک پہنچتا ہے اُس سے اعلیٰ مرتبہ موجود ہے۔ مرتبۂ اسفل سے ترقی کرنا، اور مرتبۂ اعلیٰ پر پہنچنا فرضِ راہ ہے ورنہ سلوک ناتمام رہے گا۔ اسی لیے شرع شریف میں حکم ہے کہ سِیْرُوْا سَبَقَ الْمُفَرِّدُوْن (یعنی مفردوں کے آگے سیر کرو)۔

توبہ اگر صرف گناہ ظاہری سے ہوتی تو پیغمبروں کو توبہ کی حاجت کیا تھی۔ وہ تو گناہِ صغیرہ وکبیرہ سے پاک ہیں۔ مگر ان حضرات سے بھی توبہ ثابت ہے اور وہ معنًا اپنی جگہ پر ٹھیک ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جب تجلّی ربّانی ہوئی۔ عالم بے خودی کے بعد جب ہوش آیا تو آپ نے فرمایا تُبْتُ اِلَیْکَ (یعنی میں نے تیری طرف توبہ کی)۔ بہ ظاہر توبہ کا محل نہ تھا۔ مگر آپ کو یہ خیال ہوا کہ اَرِنِی کہنا اپنے اختیار سے ہمیں زیبا نہ تھا۔ کیونکہ عاشق صاحبِ اختیار نہیں ہوتا۔ دوستی میں اختیار سراسر آفت در آفت ہے۔ اس لیے آپ نے توبہ کی اور کارِ حَسَن سے کارِ احسن کی طرف رجوع کیا۔ آپ ہی پر موقوف نہیں خود حضرتِ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اِنِّیْ لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ فِیْ کُلِّ یَوْمٍ سَبْعِیْنَ مَرَّۃً (میں ہر روز ستر بار استغفار کرتا ہوں) اس کا سبب یہ تھا کہ آپ کو ہر ساعت ترقیِ مقام ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ سے دوسرے مرتبہ پر پہنچتے تھے۔ مرتبۂ اوّل کو مرتبۂ دوم سے کمتر سمجھتے تھے اس لیے آپ استغفار فرما کر صواب سے اصوب کی طرف رجوع فرماتے تھے۔ یہیں سے اس جملہ کے معنی حل ہوتے ہیں کہ حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْنَ۔ (ابرار کے حسنات مقربین کے سیئات ہیں) توبہ کے اصلی معنی رجوع کرنے کے ہیں۔ رہا یہ کہ صفتِ رجوع مختلف ہوا کرتی ہے۔ جس حال جس معاملہ جس مقام کا آدمی ہوگا اسی لحاظ سے توبہ ہوگی۔ عوام کی توبہ اس لیے ہوتی ہے کہ ہم نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے، نافرمانی کی ہے اللہ تعالےٰ سب گناہوں کو معاف کرے تاکہ عذاب سے بچیں۔ خاص لوگوں کی توبہ اس لیے ہوتی ہے کہ جس قدر نعمتیں عطا ہوئیں اور جس قدر رحم وکرم ہوا اور ہو رہا ہے اس اعتبار سے مطلق خدمت ادا نہ ہوئی۔ خاص الخاص لوگوں کی توبہ اس لیے ہوتی ہے کہ ہم اپنے کو صاحبِ قوت وطاقت کیوں سمجھے ہم نے اپنے کو موجود کیوں خیال کیا۔ عاجز ونیست کیوں نہ سمجھا۔ قوی ہے تو وہی ہے اور موجود ہے تو وہی ہے۔

جب توبہ کے مراتب معلوم ہو چکے تو ایک مسئلہ بھی سن لو۔ یہ مسئلہ تان کی جان ہے۔ مسئلہ توبہ کے لیے ہمیشگی شرط نہیں ہے۔ یعنی جب کسی گناہ سے آدمی توبہ کرے تو اس کے یہ معنی نہیں ہوئے کہ وہ گناہ اُس سے عمر بھر سرزد نہ ہو۔ نیت البتہ صحیح ہونا چاہیے۔ جب توبہ کرے تو سچے دل سے قصد رکھے کہ اب یہ گناہ ہم نہ کریں گے۔ توبہ ہو جائے گی اور وہ شخص ماجور ہوگا۔ اور اگر تائب سے پھر گناہ سرزد ہو جائے تو نئے گناہ کے قبل تک وہ تائب تھا۔ اور توبہ کا ثواب اُس کو ملے گا۔ ان بزرگانِ دین سے بڑھ کر تو مقامات واحوال و معاملات کا تجربہ کسی کو نہیں ہے۔ دیکھو اس گروہ میں بھی بعض لوگ ایسے گزرے ہیں کہ توبہ کے بعد پھر گناہ میں مبتلا ہوئے اور پھر توبہ کی۔ ایک بزرگ کا قول ہے رحمۃ اللہ علیہ کہ میں نے ستّر مرتبہ توبہ کی اور برابر گناہ ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ اکہتّرویں مرتبہ جب میں نے توبہ کی تو استقامت حاصل ہوئی۔ بعدہٗ پھر مجھ سے گناہِ ظاہری نہیں ہوا۔ ایک بزرگ کی اور نقل ہے کہ توبہ کے بعد وہ معصیت میں گرفتار ہو گئے۔ نہایت ان کو ندامت ہوئی۔ ایک روز دل ہی دل میں کہنے لگے کہ اگر ہم بارگاہِ الٰہی کی طرف رجوع کرتے ہیں تو نہیں معلوم کیا حال ہمارا ہوگا۔ ممکن ہے کہ آسمان ٹوٹ پڑے۔ ہاتف نے آواز دی اَطَعْتَنَا فَشَكَرْنَاكَ ثُمَّ تَرَكْتَنَا فَاَمْهَلْنَاكَ فَاِنْ عُدْتَ اِلَيْنَا قَبِلْنَاكَ میری طاعت تو نے کی میں نے تیرا شکر کیا (یعنی تجھ کو جزا دی)۔ پھر بے وفائی تو نے کی اور مجھ کو چھوڑ دیا۔ میں نے تجھ کو مہلت دی۔ اب اگر تیرے جی میں ہے کہ رجوع کرے تو میں تجھے صلح کے ساتھ قبول کر لوں گا۔ سبحان اللہ۔

اب اقوالِ مشائخ رضوان اللہ علیہم اجمعین توبہ کے متعلق سنو۔ حضرت خواجہ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں تَوْبَةُ الْعَوَامِ مِنَ الذُّنُوْبِ وَتَوْبَةُ الْخَوَاصِ مِنَ الْغَفْلَةِ وَتَوْبَةُ الْاَنْبِيَاءِ مِنْ رُؤْيَةِ عِجْزِهِمْ عَنْ بُلُوْغِ مَا نَالَهٗ غَيْرُهُمْ مِنْ رُؤْيَةِ الْحَسَنَاتِ۔ عوام کی توبہ گناہ سے باز آنا ہے۔ خواص کی توبہ غفلت سے باز آنا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی توبہ اس مقام سے ہے جس مقام میں وہ فی الحال موجود ہیں اور دوسرے نبی کو اس سے برتر مقام مل چکا ہے۔

حقیقتِ توبہ کے متعلق حضرت خواجہ سہیل تستری رحمۃ اللہ علیہ اور بہت سے لوگ یہ خیال

رکھتے ہیں کہ اَلتَّوْبَۃُ اَنْ لَّا تَنْسٰی ذَنْبَکَ۔ توبہ کی تعریف یہ ہے کہ اس گناہ کو تم نہ بھولو۔ اور ہمیشہ اس کی ندامت باقی رہے۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ اگر بہت سے بہت بھی عمل صالح تم سے ہوں گے، تو عجب پیدا نہ ہوگا۔ اور حضرت خواجہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ایک جماعت کے ساتھ یہ خیال رکھتے ہیں کہ اَلتَّوْبَۃُ اَنْ تَنْسٰی ذَنْبَکَ توبہ کی تعریف یہ ہے کہ جو گناہ تم نے کیا ہے اس کو بھول جاؤ۔ کیونکہ تائب کا درجہ محب کا درجہ ہے۔ وہ ایک گونہ دوستوں میں داخل ہے۔ ایک دوست کا دوسرے دوست سے سابق بے عنوانیوں کو دُہرانا ہرگز جفا سے کم نہیں یہ قول اور وہ قول دونوں بظاہر ضدِّ یک دیگر ہیں۔ مگر معنی میں ضدیت نہیں ہے۔ معنی فراموش کرنے کے یہ ہیں کہ حلاوت اس گناہ کی دل سے نکل جائے۔ تائب ایسا ہو جائے کہ گویا اُس نے گناہ کیا ہی نہیں ہے۔ خیر، حضرت خواجہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک خاص حالت میں یہ جواب ملا تھا۔ آپ فرماتے ہیں کہ ہم نے بہت پڑھا مگر کسی چیز سے ہم کو اتنا فائدہ نہ ہوا جتنا اس شعر سے۔ شعر

اِذَا قُلْتُ مَا اَذْنَبْتُ قَالَتْ مُجِیْبَۃً ۔۔۔ وُجُوْدُکَ ذَنْبٌ لَا یُقَاسُ بِھَا ذَنْبٌ

(جب میں نے پوچھا۔ ہم نے کیا گناہ کیا، تو اُس کی محبت نے جواب دیا تیرا وجود ہی اتنا بڑا گناہ ہے جس کے مقابلے میں سارے گناہ ہیچ ہیں)۔

اللہ اللہ معشوق کی بارگاہ میں عاشق کا وجود بھی گناہ ہے، اور باتوں کو کون پوچھتا ہے۔ اے بھائی کیا کہیں اجل تاک میں ہے جو دم آدمی زندہ ہے غنیمت ہے۔ اس وقت کی قدر کرنا چاہیئے۔ کیا معلوم کس وقت ملک الموت پہنچ جائیں۔ توبہ سے غافل نہ رہو۔ ایک بوڑھا آدمی کسی بزرگ کی خدمت میں پہنچا اور کہا کہ گناہ کی ہمارے انتہا نہیں ہے، ہم چاہتے ہیں کہ اب توبہ کرلیں۔ اُن بزرگ نے فرمایا کہ اے بوڑھے تم چوک گئے، آنے میں بہت دیر لگادی۔ تمھیں جوانی میں آنا تھا۔ مگر بوڑھا صحبت یافتہ تھا، اور توبہ کے فوائد سن کر آیا تھا۔ کہنے لگا نہیں حضرت دیر سے کیا واسطہ، میں تو جلد سے جلد آیا ہوں۔ اے جناب توبہ وہ نعمت ہے

کہ اگر مرنے کے قبل نصیب ہو جائے تو کیا کہنا ہے۔ دیر ہونا بھی عین جلدی ہے۔ میں جلد سے جلد آیا ہوں۔ بھائی میرے، ہر چند تم گناہ سے آلودہ اور ملوث ہو رہے ہو، توبہ کرو تو سہی۔ دیکھو توبہ تمھاری کیسی امید افزا ہوتی ہے۔ تم کو جاننا چاہیے کہ ساحرانِ فرعون سے تم زیادہ آلودہ تو نہیں۔ سگِ اصحابِ کہف سے تم زیادہ ناپاک نہیں۔ سنگِ طورِ سینا سے تم زیادہ جامد نہیں۔ چوبِ حنّانہ سے تم زیادہ بے قیمت نہیں۔ قطع نظر اس کے کوئی شخص حبش سے غلام لا کر اُس کا نام کافور رکھ دے تو اس میں کسی کا کیا اجارہ ہے۔ دیکھو، جب ملائکہ نے کہا کہ ہم کو ان کے (انسان کے) فساد کی طاقت نہیں ہے۔ ندا آئی۔ ٹھیک ہے، یہ کہنا تمھارا اس وقت مناسب ہوتا جب ہم حاجت لے کر تمھارے دروازے پر ان کو بھیجتے، یا تمھارے ہاتھ ان کو بیچتے۔ اگر خدانخواستہ ایسا ہو تو ہرگز نہ چڑھنے دینا اور نہ خریدنا۔ شاید تم کو اس کا خوف ہے کہ معصیت ان کی میری رحمت سے بڑھ جائے گی یا آلودگی ان کی ہماری قدوسیت پر دھبہ لگا دے گی۔ کیا ممکن۔ یہ وہ مشتِ خاک ہیں، کہ ہماری درگاہ میں مقبول ہیں۔ جب ہم نے قبول ہی کر لیا ہے تو معصیت و لوث کی کیا مجال ہے جو کچھ کر سکیں ؎

سراسر ما ہمہ عیبیم بدیدی و خریدی تو زہے کالائے پرعیب و زہے لطفِ خریدارے

(میں سر سے پاؤں تک عیب ہی عیب ہوں تو نے ٹھوک بجا کر مجھ کو خریدا ہے۔ واہ کیا اچھی یہ عیب دار جنس ہے، اور کیا خوب مہربان خریدار ہے)۔ والسلام۔

تیسرا مکتوب

دشمن کے خوش کرنے کے بیان میں

بسم اللہ الرحیم

بھائی شمس الدین کو اللہ تعالیٰ ابدی نیک بختی نصیب کرے اپنی منت اور کرم سے میری طرف سے سلام و دعا۔ تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ توبہ کرنے کے بعد مرید کا کام دشمنوں کا

خوش کرنا رہ جاتا ہے، اور یہ بڑا کھڑاگ ہے۔ سنو، گناہ تین طرح کے ہوتے ہیں۔ اول اُن امور کا ترک جن کو خداوند تعالیٰ نے واجب کیا ہے جیسے نماز روزہ وغیرہ۔ ان کی یہی توبہ ہے کہ حتی المقدور قضائیں ادا کی جائیں۔ دوسرے وہ جن کا خدا اور بندے سے تعلق ہے۔ مثلاً شراب پینا، زنا کرنا، سود لینا، آوازِ مزامیر کا سننا۔ ان گناہوں سے تائب ہونے کی یہی صورت ہے کہ تم اعترافِ ندامت کے ساتھ پکا ارادہ کرلو کہ پھر نہ کریں گے۔ تیسرا گناہ حق العباد ہے اور یہ نہایت سخت و دشوار ہے۔ اِس کے چند طریقے ہیں۔ جان و مال، ذاتیات، عورت، لونڈی اور دین کے نقصانات۔ اگر تم نے مال کا گناہ کیا اور تمھیں اس کی واپسی کی قدرت ہے تو تم پر واجب ہے کہ اس کو لوٹا دو۔ اور اگر ادائگی سے مجبور ہو تو معافی چاہو۔ اگر یہ دونوں صورتیں نہ ہو سکیں تو اس رقم کو اس روح پر صدقہ کر ڈالو۔ اگر یہ بھی نہیں ہو تو نیکیاں کرو۔ اور الحاح وزاری کے ساتھ خدا سے معافی مانگو۔ یہاں تک کہ وہ اپنے کرم سے قیامت کے دن تمھارے دشمنوں کو تم سے خوش کردے۔ اگر تم نے کسی کی جان ماری ہے تو اُس کے اقربا سے کہہ دو کہ وہ یا تو تم سے قصاص لیں یا معاف کردیں۔ اگر یہ ناممکن ہو تو تضرع وزاری کے ساتھ خدا کی طرف رجوع کرو کہ قیامت میں تمھارے دشمنوں کو تم سے خوش کرادے۔ اور اگر تم نے ذاتیات کے نقصان پہنچائے ہیں، کسی کی غیبت کی، تہمت جوڑی، گالیاں بکیں تو یہ لازم ہے کہ اس سے جاکر کہو "بھئی ہم نے تمھاری طرف جھوٹی باتیں لگائی ہیں معاف کرو"۔ مگر ذرا سوچ سمجھ کر، ایسا نہ ہو کہ اس کا غصہ بھڑک اُٹھے اور لینے کے دینے پڑ جائیں۔ کیونکہ جہاں اشتعال، غیض و غضب کا یقین ہو وہاں یہی اچھا ہے کہ خدا کی درگاہ میں سر رگڑو۔ اور معافی کے خواستگار ہو۔ اگر تمھارا دشمن زندہ نہ ہو تو اُس کی روح پر ایصالِ ثواب کرو۔ اگر تم نے کسی کی بیوی یا شرعی لونڈی کے ساتھ بدنیتی کی ہے یا اس سے بھی تجاوز کر گئے ہو تو یہ موقع نہ معافی کا ہے اور نہ ظاہر کرنے کا۔ بہتر یہی ہے کہ اس معاملہ کو خدا ہی کے حوالہ کردو کہ وہ روزِ قیامت اُن کو تم سے رضامند اور خوش کردے۔ اور اگر ان کے اشتعالِ غضب کا خوف نہ ہو، اگرچہ یہ اتفاقی ہے تو معافی مانگ لو۔ اور دین کا گناہ وہ ہوا کہ کسی کی بیجا تکفیر کی یا کسی کو

گمراہ کر ڈالا ہو، یہ بھی سخت دشوار ہے۔ تمھیں چاہیے کہ حتی الامکان اس شخص سے اپنی دروغ بیانی کا اظہار کر کے معافی چاہو۔ اگر ناممکن ہو تو نادم ہو کر درگاہِ خداوندی میں سر ٹیک دو۔ یہاں تک کہ اس کو خدا تم سے خوش کر دے۔ الغرض جیسے اور جس طرح ممکن ہو دشمنوں کو خوش اور راضی کرو۔ اور اگر غیر ممکن ہو تو صدق دل سے تضرّع وزاری کے ساتھ بارگاہِ خداوندی کی طرف رجوع کرو۔ تاکہ قیامت کے دن تمھارے دشمن تم سے رضامند اور خوش ہو جائیں۔ خدا کے فضل وکرم سے بڑی امید ہے کہ جب وہ بندے کی صداقت دیکھے گا تو اپنی رحمت سے اس کے دشمنوں کو خوش کر دے گا۔

اگر میرے کہنے پر تم نے عمل کیا اور ترکِ گناہ کا عزم بالجزم کر لیا، لیکن گزشتہ گناہوں کی قضائیں ادا نہ کیں اور دشمنوں کو خوش نہ کیا تو تم پر عتابِ خداوندی اب تک باقی رہا۔ ذرا خبردار رہنا کہ یہ گھاٹی سخت کٹھن اور نہایت خطرناک ہے۔ سنو خواجہ ابو اسحٰق اسفرانی رحمۃ اللہ علیہ بڑے علامہ تھے۔ آپ فرماتے ہیں۔ "میں تیس برس تک خدا سے توبۂ نصوح چاہتا رہا، مگر قبول نہ ہوئی۔ ایک دفعہ میں نے متعجب ہو کر کہا۔ تیس برسوں میں بھی ایک حاجت پوری نہ ہوئی۔ چنانچہ میں نے دیکھا کہ کوئی مجھ سے کہہ رہا ہے۔ تمھیں تعجب ہوتا ہے، لیکن یہ نہیں سمجھتے کہ تم کیا مانگ رہے ہو؟ چاہتے ہو کہ خدا تعالیٰ تم کو اپنا دوست بنا لے۔ کیا یہ کوئی معمولی مراد مانگی ہے؟" بھائی جان، بندے کے لیے گناہ ایک بلا ہے۔ خدا کی پناہ، اس کی ابتدا سختیِ دل اور آخر کفر کی بدبختیاں۔ ابلیس اور بلعم باعور کے قصّوں کو بھولنا نہ چاہیے۔ دیکھو اوّل اوّل دونوں سے گناہ ہی سرزد ہوئے۔ آخر کفر کی نوبت آ پہنچی۔ صلحا کہتے ہیں۔ "گناہ سے دل سیاہ ہوتا ہے۔ اس کی پہچان یہی ہے کہ گناہ کا خوف دل سے جاتا رہے، طاعت وعبادت میں لذت نہ ملے۔ کسی کی اچھی باتیں دل کو بُری لگیں"۔ اس لیے غفلت کا مطلق موقع نہیں۔ جس قدر جلد سے جلد ممکن ہو توبہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ موت کا کوئی وقت مقرر نہیں۔ وہ گھات میں لگی بیٹھی ہے۔ میں نے مانا کہ تم توبہ کے بعد پھر بھی گناہ کر دگے تو اس میں مضائقہ ہی کیا ہے۔ پھر توبہ کر لینا۔ اور دل سے یہ کہو کہ ممکن ہے کہ گناہ سے پیشتر ہی مجھے موت آ دبوچے، اِس طرح ہر بار جب گناہ سرزد ہوں توبہ کرتے چلے جاؤ۔ کیا تم سے یہ نہیں ہو سکتا کہ جتنی طاقت گناہ کرنے میں

خرچ کرتے ہو، اتنی ہمت توبہ کرنے میں صرف کرو۔ آخر اس کے کیا معنی کہ توبہ کرنے میں عاجز اور گناہ کرنے میں مستعد۔ توبہ سے رُکنا شیطانی اغوا ہے۔ اگر تمھارا خیال یہ ہے کہ جب ہم گناہ سے باز ہی نہیں آئیں گے، اور جبکہ توبہ پر ثابت قدمی نہیں، تو توبہ کس کام آئے گی۔ ایسی توبہ کا حاصل ہی کیا۔ یہ سب شیطانی چکمے ہیں۔ کیا تم پر یہ باتیں تمام ہیں کہ گناہ کرنے تک زندہ رہو گے۔ بہت ممکن ہے کہ نئے گناہ سے قبل ہی تم مرجاؤ۔ اس قسم کا ڈر محض فضول اور لغو ہے، تمھارا کام صرف اس قدر ہے کہ توبہ سچّے دل سے کرو۔ اس وقت نیت خالص رہنا چاہیے۔ رہا اس کی تکمیل اور اس پر ثابت قدم رکھنا خدا کے ہاتھ ہے۔ اگر اُس نے ثابت قدم رکھا، سبحان اللہ! اور اگر نہ رکھا تو یہ کچھ کم نہیں کہ پہلے گناہ بخش دیے گئے۔ تم بالکل پاک وصاف ہو گئے۔ اب اگر تمھارے سر پر بوجھ رہا تو صرف اسی نئے گناہ کا۔ کیا یہ فائدہ کوئی معمولی فائدہ ہے کہ گزشتہ گناہوں کی بخشائش ہو گئی۔ تمھارا فرض ہے کہ توبہ کیے جاؤ۔ گناہ ہوں تو ہوں، توبہ کرنے کے دو فائدے تھے، ایک تو گناہِ گزشتہ کی معافی دوسرے آیندہ گناہ سے باز رہنا، توبہ کے بعد بفرضِ محال اگر تم آیندہ گناہ سے باز نہ رہے تو کم از کم اتنا تو ہوا کہ گناہ گزشتہ معاف ہو گئے۔ حضرت رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد تم نے نہیں سنا کہ تم لوگوں میں بہترین شخص وہی ہے کہ اگر گناہ زیادہ کرے تو توبہ بھی بہت کرے۔ توبہ کا لب لباب یہ ہے[1] کہ جب تم نے ارادہ کر لیا اور دل میں ٹھان لیا کہ اب گناہ نہ کریں گے۔ اور تمھاری سچّائی بارگاہِ خداوندی میں بھی مقبول ہو گئی اور حتی الامکان اپنے دشمنوں کو بھی تم نے خوش کر لیا۔ اور جو فرائض قضا ہوئے تھے بقدرِ امکان ادا ہو گئے، اور جو باقی رہے اُن کے لیے درگاہِ خداوندی میں تم نے تضرّع وزاری کی، بہترین طریقہ پاکی وطہارت کا میں تم کو بتاتا ہوں اُس پر عمل کرو اور اپنے کو سچّا تائب بنا ڈالو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ باقاعدہ غسل کرو اور پاک وصاف کپڑے پہن کر چار رکعت نماز نہایت حضورِ دل سے ادا کرو۔ اس کے بعد سجدے میں جاؤ۔ اور ایسی جگہ ہو کہ محض تخلیہ ہو۔ خدا کے سوا تم کو کوئی نہ دیکھتا ہو۔ اور سر وریش کو خاک آلودہ کرو۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہوں۔ دل میں سوز وقلق ہو یہ آواز

[1] اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَہٗ (جس نے گناہ سے توبہ کرلی وہ ایسا ہو گیا کہ اس نے گناہ کیا ہی نہ تھا۔

بلند جتنے گناہ تم کو یاد ہوں اُن کو دُہراؤ۔ اور اپنے نفس کو مخاطب کرکے کہو کہ اے نفس وہ وقت آگیا کہ تو توبۃ النصوح کرے اور تو خدا کی طرف سچائی سے رجوع ہو۔ کیونکہ مجھ میں اتنی طاقت نہیں کہ عذاب خداوندی برداشت کرسکے۔ اور تیرے پاس وہ سرمایہ بھی نہیں جو تجھ کو خدا کے عذاب سے بچا سکے۔ اس قسم کے کلمات کی تکرار کرو۔ اور دونوں ہاتھ اُٹھا کر اس طرح مناجات کرو۔ " اے اللہ بندۂ گنہگار بھاگا ہوا تیرے در پر پھر آیا ہے۔ بندۂ گنہگار رحمت کا طلبگار ہے۔ بندہ گنہگار عذر لایا ہے بیشک اس ناچیز سے خطائیں ہوئیں تو ان کو معاف فرما۔ اور اپنے فضل سے ہم کو قبول کر اور رحمت کی نظر سے ہماری طرف دیکھ۔ اے اللہ ہم کو بخش دے اور تمامی گناہ سے محفوظ رکھ کہ نیکی تیرے ہاتھ ہے۔ تو بخشنے والا اور بخشائش کرنے والا ہے۔

قطرۂ چند از گنہ گر شد پدید … درچناں دریا کجا آید پدید

نگردد تیرہ آں دریا زمانے … ولے روشن شود کارِ جہانے

(اگر گناہ کے چند قطرے ظاہر بھی ہوئے، تو اتنے بڑے سمندر میں کیونکر معلوم ہو سکتے ہیں اس دریا کا پانی ذرا بھی گدلا نہ ہوگا۔ اور جہاں والوں کا کام جس طرح چلتا ہے چلتا رہے گا)۔

اس کے بعد یہ دعا پڑھو یَا مُجَلِّیَ عَظَائِمَ الْاُمُوْرِ یَا مُنْتَهٰی هِمَّةَ الْمُؤْمِنِیْنَ یَا مَنْ اِذَا اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُ اَحَاطَتْ بِنَا ذُنُوْبُنَا وَاَنْتَ الْمَذْخُوْرُ لَهَا یَا مَذْخُوْرُ لِکُلِّ شِدَّةٍ کُنْتُ اَذْخَرُکَ لِهٰذِهِ السَّاعَةِ فَتُبْ عَلَیَّ اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ۔ (ترجمہ:۔ اے بڑے بڑے امور کو روشن کرنے والے۔ اے مومنین کی ہمت کو انتہا تک پہنچانے والے، اے وہ ذات کہ جب ارادہ کیا کسی کام کے ہونے کا تو کہہ دیا اس کو کہ ہو جا، بس ہو گیا۔ میرے گناہوں نے مجھ کو گھیر لیا ہے۔ اور ان گناہوں کو تو جمع کیے ہوئے ہے اے جمع کرنے والے۔ واسطے ہر شدت کے تجھ کو خزانچی بنایا اس گھڑی کے واسطے۔ پس رجوع کیا میں نے اس امید پر کہ تو میری توبہ کو قبول کرلے۔ بیشک تو قبول کرنے والا مہربان ہے)۔ پھر خوب گریہ وزاری کرو۔ اور یوں مناجات کرو یَا مَنْ لَّا یَشْغَلُهٗ سَمْعٌ عَنْ سَمْعٍ یَا مَنْ لَّا یُغَلِّطُهُ الْمَسَائِلُ

یَامَنْ لَّا یُبْرِمُهٗ اِلْحَاحُ الْمُلِحِّیْنَ اَذِقْنَا بَرْدَ عَفْوِكَ وَحَلَاوَةَ رَحْمَتِكَ اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (اے وہ ذات کہ اس کو نہیں روکتا ہے ایک شخص کی بات کا سننا دوسرے شخص کی بات کے سننے سے۔ اے وہ ذات کہ غلطی نہیں کرتی ہے سوال کے سمجھنے میں۔ اے وہ ذات کہ اُس کو مجبور نہیں کرتا ہے الحاح کرنے والوں کا الحاح۔ چکھا دے ہمیں اپنی معافی کا مزہ اور اپنی رحمت کی مٹھاس۔ بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے)۔ پھر درُود پڑھو اور اپنے اور جملہ مسلمانوں کے لیے مغفرت چاہو۔ اور طاعت وعبادت میں مشغول ہو جاؤ۔ کیونکہ تم نے توبہ نصوح کی اور سب گناہوں سے پاک ہو گئے۔ اور ایسے پاک معصوم ہوئے۔ جیسے آج کا پیدا۔ اللہ نے تم کو دوست بنا لیا اور بہت کچھ اجر وثواب تمھارے ہاتھ آئے۔ اور تم پر اس قدر رحمت وبرکت نازل ہوئی کہ اس کو کوئی شخص بیان نہیں کر سکتا ہے۔ تمھیں دنیا اور آخرت کی بلا سے نجات حاصل ہوئی۔ اب ایک نکتہ سنو۔ کہ اگر باعیب قبول کرنا نہ ہوتا تو عیب دار پیدا ہی نہ کرتا۔ میرا اعتقاد یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام گندم کھانے کی وجہ سے دنیا میں نہ بھیجے گئے۔ بلکہ خود خواہشِ خداوندی یہی ہوئی کہ وہ بہشت سے دنیا میں جائیں۔ اس کے کیا معنی کہ قیامت کے دن سیکڑوں ہزاروں کبیرہ گناہ کرنے والے بہشت میں بھیجے جائیں اور آدم علیہ السلام صرف ایک زَلّت کے سبب بہشت سے باہر کر دیے جائیں۔ اگر آدم علیہ السلام کے آنے کا باعث ایک گناہ سمجھا جائے، تو پھر اس کی کیا وجہ کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم شبِ معراج میں مقامِ قَابَ قَوْسَیْنِ تک پہنچ کر پھر واپس تشریف لائے۔ یہ جانا آنا دونوں اسرار سے خالی نہ تھا۔ حضورؐ کے جانے سے یہ ہوا کہ فرشتوں نے درُود پڑھ کر آدابِ احترام سیکھے۔ اور واپس آنے سے اہلِ زمین نے آپ کے بیان سے رموزِ شریعت سیکھے وہاں پہنچ کر لَا اُحْصِیْ ثَنَآءً عَلَیْكَ (تیری حمد کی کوئی انتہا نہیں) اگر ورد زبان ہوا۔ یہاں آکر اَنَا اَفْصَحُ الْعَرَبِ وَالْعَجَمِ (میں عرب وعجم میں سب سے بڑا فصیح ہوں) سے گوہر فشاں ہوئے۔ بہر حال جہاں تک ممکن ہو سجدے کیے جاؤ۔ اور نیاز مندانہ اور سائلانہ اس درگاہ میں حاضری دو۔ بندہ جب اِیَّاكَ نَعْبُدُ کہتا ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوتا ہے کہ جو کچھ لایا ہے اس کو

(ہم تجھی کو پوجتے ہیں)

قبول کرو۔ اور جب اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ (ہم تجھی سے مدد مانگتے ہیں) کہتا ہے تو ارشادِ خداوندی ہوتا ہے کہ جو کچھ مانگتا ہے اس کو دو۔ بادشاہوں کے خزانے کو سائلوں سے رونق ہوتی ہے۔ اگر غور کرکے دیکھو تو کوئی سائل خاک سے زیادہ خاکسار نہ پاؤ گے۔ آسمان و زمین عرش و کرسی سب چیزیں اس کو دی گئیں۔ مگر نیاز کا یہ حال ہے کہ ایک ذرہ بھی اس میں کمی نہ آئے۔ اور کوئی خزانہ خزانۂ خداوندی کے مقابلے میں نہیں کہ تمام خلق کے لیے جس قدر ضروری تھا اس سے ہزار گونہ زیادہ دیا۔ اور دیتا رہے گا۔ مگر ایک ذرہ بھی اس سے کم نہ ہوگا۔ والسّلام۔

چوتھا مکتوب

تجدید توبہ کے بیان میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اے بھائی شمس الدین تم کو اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کی بزرگی نصیب کرے۔ تمھیں معلوم ہو کہ مکرّر سہ کرّر درخواستیں تمھاری متقاضی تھیں کہ کچھ نہ کچھ لکھا جائے۔ اور ہر سوال کے متعلق ارشاد و تنبیہ کی جائے۔ تقاضا اس حد تک تھا کہ تم شکستہ خاطر ہونے لگے تھے۔ اس لیے چند مکتوب مسلسل لکھے جاتے ہیں۔ ان کو کافی غور کے ساتھ پڑھنا۔ اور قاضی صدر الدین سے حلِ مطالب کرلینا۔ مجھے یقین ہے کہ جب قاضی صدر الدین وہاں موجود ہیں تو کوئی مشکل مشکل نہ رہے گی۔ آسان سے آسان ہو جائے گی۔ مگر ساتھ ہی ساتھ یہ شرط بھی ہے کہ بقدرِ وسعت عمل بھی کرتے رہو۔ کیونکہ اصل کام عمل ہے اور ایک ساعت بھی تجدید توبہ سے غافل نہ رہو۔ اور دل میں یہ ہمت رکھو کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ توبہ کی حقیقت تک پہنچادے۔ کیونکہ بغیر توبہ کے عمل درست نہیں ہوتا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ایمان جو عمل کے لیے ایک بڑا سرمایہ ہے۔ اس میں حلاوت پیدا نہیں ہوتی۔ تم جانتے ہو، اس راہِ طلب میں قدم کون رکھتا ہے، ایمان رکھتا ہے۔ اور ان احکام کے بوجھ کو کون اٹھاتا ہے، ایمان اٹھاتا ہے۔ اور اس خونخوار جنگل کو قطع کون کرتا ہے، ایمان کرتا ہے۔

اور اس بحرِ محیط سے پار کون ہوتا ہے، ایمان ہوتا ہے۔ اور شربتِ دیدار کون پیتا ہے، ایمان پیتا ہے۔ اور یہ دردِ عشق کس کو ہوتا ہے' ایمان کو ہوتا ہے۔ اور منزلِ مقصود کی تلاش کس کو ہوتی ہے، ایمان کو ہوتی ہے۔ اب اسی سے سمجھ لو کہ توبہ کو ایمان سے کیا تعلق ہے۔ اور ایمان کہاں تک ترقی کرتا ہے۔ ہر دل میں آفتابِ ایمان اسی قدر دکھائی دے گا جتنی جلا توبہ سے حاصل ہوگی۔ جس درجہ میں درگاہِ توبہ وسیع ہوگی، اسی قدر آفتابِ ایمان کی روشنی ہوگی۔ اب یہ بھی سن لو کہ توبہ کی حقیقت کیا ہے۔ اس کی حقیقت یہی ہے کہ طالب کے صفاتِ ذمیمہ صفاتِ حمیدہ سے بدل جائیں۔ صوفیوں کی اصطلاح میں اس کو گردش کہتے ہیں۔ تم نے سنا ہوگا کہ پیرانِ طریقت مریدوں کو چلّے کا حکم دیتے ہیں۔ اس سے غرض کیا ہے۔ یہی کہ مرید ایک حال سے دوسرے حال میں ہو جائے۔ جب ایسا ہوا کہ مرید کی حالت بدل گئی، تو وہ ایک دوسری چیز ہو گیا۔ تم جس کو دیکھ رہے تھے وہ شخص نہ رہا۔ ایک دوسری ہستی نمودار ہو گئی۔ کیونکہ جب صفت بدل گئی تو وہ شخص بھی بدل گیا۔ اگرچہ صورتاً وہی شخصیت قائم ہے۔ مگر صورت تو کسی طرح قابلِ اعتبار نہیں ہو سکتی۔ ایسی ہی گردش کے بعد جو نورِ ایمان پیدا ہوتا ہے اس کا نام حقیقتِ ایمان ہے۔ اور قبل اس تبدیلِ صفات کے ساری کلمہ گوئی تقلیدی اور حرکتِ لسانی کے سوا کچھ نہ تھی۔ بہت افسوس ہے کہ ایک جہان اسی رنگ میں ڈوبا ہوا ہے۔ اور حقیقتِ ایمان سے بے خبر ہے۔ جس نے یہ کہا خوب ہی کہا۔ مثنوی :۔

تا کے بہ زبان خدا پرستی	این ہست مگر ہوا پرستی
تا نہ گردی تو مسلمان از درون	کے توانی شد مسلمان از برون
تا کے بہ زبان نفس بر آری	ایمان بہ دل ہست و دل نداری

(تو زباں سے کب تک خدا پرستی کا دعویٰ کرے گا۔ یہ تو نفس پرستی ہے۔ جب تک تو دل سے مسلمان نہ ہوگا ظاہری طور پر مسلمان نہیں ہو سکتا۔ جب تک دل میں ایمان کا وجود نہیں تو صرف زباں سے کب تک رٹتا رہے گا۔) ایمانِ تقلیدی اور حرکتِ لسانی کا درجہ ہرگز ہرگز ایک خرِ لنگ سے زیادہ نہیں۔ اب تمھیں بتاؤ ہمارا تمھارا جیسا مرکب کیا بوجھ اٹھائے گا۔ اور کیا راستہ چل سکے گا۔

سوار کی راہ الگ کھوٹی ہو گی، اور منزل سے الگ جدا رہے گا۔ تم نے یہ مثل نہیں سنی کہ ہاتھی کا بوجھ مچھر نہیں اُٹھا سکتا۔ بیت :-

محرم دولت نہ بود ہر سرے　　　بار مسیحا نہ کشد ہر خرے

(ہر شخص دولت کا اہل نہیں۔ حضرت عیسیٰؑ کی سواری کا بوجھ ہر ایک گدھا نہیں اٹھا سکتا) رستم کا بوجھ رستم ہی کا گھوڑا ہو گا تو اُٹھائے گا۔ دوسرے کا کام نہیں۔ ہاں بھائی ذرا دل کو مضبوط کرو۔ اور اس مقام کی دشوار گزار گھاٹیوں سے اور خوفناک منظر سے کہیں ایسا نہ ہو کہ گھبرا اُٹھو، اور تمھارے دل میں ایک قسم کی رکاوٹ پیدا ہو جائے۔ یہاں تک کہ تم حیلہ شرعی ڈھونڈھ کر اور اَلْفِرَارُ مِمَّا لَا يُطَاقُ مِنْ سُنَنِ الْمُرْسَلِيْنَ (یعنی جس چیز کی طاقت نہیں اُس سے الگ رہنا پیغمبروں کی سنّت ہے)۔ پڑھ کر بھاگ کھڑے ہو۔ اس امر کے متعلق مجھے زیادہ لکھنے اور کہنے میں اسی بات کا اندیشہ ہوتا ہے۔ ورنہ کچھ اور کہتا۔ دیکھو دیکھو ہرگز ہرگز اس درگاہ سے ناامید ہونا زیبا نہیں۔ وہاں کام بے علّت ہوا کرتے ہیں جس کسی کو نعمت ملتی ہے اس کی قیمت طلب نہیں کی جاتی بہتیروں کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا کہ ابھی وہ بت کے سامنے سجدے میں تھے اور چشم زدن میں ملک وفلک کے وہم وگمان سے باہر جا پہنچے۔ یہاں دیکھو کہ سجدہ گاہ کی گرمی تک باقی ہے، اُدھر دیکھو تو جن وانس وملک اس کا نشان ڈھونڈھ رہے ہیں، اور مطلق پتہ نہیں مل رہا ہے کہ وہ کہاں سے کہاں پہنچ رہا ہے۔ آخر سرگردان وحیران ہو کر ان کو کہنا پڑتا ہے کہ اللہ اللہ وہ کیا تھا اور کیا ہو گیا جواب ملتا ہے کہ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ۔ میں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں، اور جو چاہوں گا کروں گا۔ میری درگاہ میں چون وچرا کی مطلق گنجائش نہیں، اور علّت کا بالکل دخل نہیں۔ یہاں کام کے لیے اسباب کی ضرورت نہیں۔ کسی کو ابایزیدؒ کا خطاب دیا جاتا ہے، کسی کو ابوجہل کہہ کر پکارا جاتا ہے۔ ایک کو اعلیٰ علّیین پہنچا دیتا ہے اور ایک کو اسفل السافلین میں گرا دیتا ہے۔ اگر سبب پوچھو تو کچھ پتہ نہیں۔ اور اگر تم کو چون وچرا سے کام ہے تو اس کو عالمِ اسباب میں خرچ کرو۔ یہ وہیں کی بات نہ ہے۔ وہیں اس کا گزر ہے۔ خیر، حق تعالیٰ تمھیں اپنی حقیقت کی شناخت عطا فرمائے۔ اور تمھاری خودی کو تمھارے

دل سے دُور کردے بِمِنَّتِہٖ وَکَمَالِ کَرَمِہٖ وَبِالنَّبِیِّ وَاٰلِہٖ (یعنی اپنے احسان اور لاانتہا بخشش اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کی آل کے طفیل)۔ بھائی ہر چند تم حقیر اور خاکسار ہو، اگر ہمت بلند رکھو، مردوں کی ہمت کسی طرف آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھتی۔ آسمان و زمین عرش و کرسی بہشت و دوزخ یہ سب ان کی ہمت کا بار نہیں اُٹھا سکتے۔ مثنوی۔

این طائفہ را چنین سرشتند نے در غم دوزخ و بہشت اند

ہر چہ آن نیست اپشت پائے زدہ چنگ در حضرتِ خدائے زدہ

کے رسی در سرائے اِلَّا اللہ تا بہ جاروبِ لَا نہ روبی راہ

(اس جماعت کو دوزخ اور بہشت کی پروا نہیں۔ یہ لوگ ایسے ہی بنائے گئے ہیں۔ بارگاہِ خداوندی سے لَو لگائے ہوئے ہیں۔ اس کے سوا ہر چیز ٹھکرا دی ہے۔ جب تک لَا کی جھاڑو سے راستہ صاف نہ کرو اِلَّا اللہ کے مقام تک نہیں پہنچ سکتے)۔ مردوں کی ہمت کا باز جس وقت پرواز کرتا ہے تو بے خس و خاشاک اور پاک صاف صحرا تلاش کرتا ہے۔ اور کوئی پاک و صاف اور وسیع فضا صحرائے ربوبیت اور صحرائے وحدانیت کی فضا سے بڑھ کر ان کی نظر میں نہیں آتی۔ ان کی بلند ہمت کعبہ یا بیت المقدس کے اِرد گرد نہیں پھرتی۔ اور زمین و آسمان کا طواف نہیں کرتی۔ سبحان اللہ عزوجل عجیب کاروبار ہے کہ مرد اپنی جگہ پر ہاتھ پاؤں سمیٹے سر جھکائے ایک حالت سے بیٹھا ہے۔ اور اسرار اُس کے ہیں کہ کون و مکان سے پرے چکر لگا رہے ہیں۔ واہ رے ہمتِ مردانہ کہ یہ بات آب و خاک (انسان) ہی کو نصیب ہوئی۔ اور سب اس سے محروم رہے۔ فرد:۔

ترکِ فلک اے پسر کمانم حقا کہ بہ زِہ نیاورد کرد

(خدا کی قسم آسمان جیسا شہ زور میری کمان نہیں جھکا سکتا)۔ سچ ہے تصوف ایک ایسی حرکت ہے جس کو ذرا قرار نہیں۔ کیوں نہ ہو پانی جب ساکن ہوتا ہے، تو گندہ ہو جاتا ہے۔ اَلْمَاءُ اِذَا طَالَ مَکْثُہٗ ظَھَرَ خُبْثُہٗ۔ بخوبی ممکن ہے کہ صورۃً انسان ایک گوشہ میں بیٹھا ہو۔ اور اسرار اُس کے ملکوت و جبروت میں سیر کرتے ہوں۔ کیونکہ متحرک چیز جب تیزی کے ساتھ حرکت کرتی ہے تو

ساکن نظر آتی ہے۔ جیسے کمھار کا چاک جس وقت حرکت میں ہوتا ہے ساکن دکھائی دیتا ہے۔ حضرت خواجہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے سوال کیا کہ حضرت سماع کے وقت کیوں کھڑے نہیں ہوتے۔ آپ نے جواب میں یہ آیت پڑھی۔ وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ہ (تو پہاڑوں کو دیکھتا ہے کہ اپنی جگہ پر جمے ہوئے ہیں۔ حالانکہ وہ بدلی کی طرح چل پھر رہے ہیں) تم غایتِ سُرعت کی وجہ سے ہمارے دَور کو نہیں دیکھتے۔ دیکھو نسیم سحر اس طرح گزر جاتی ہے کہ ذرا بھی کسی کو خبر نہیں ہوتی۔ والسّلام۔

پانچواں مکتوب

طلبِ پیر کے بیان میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اے میرے بھائی شمس الدین اللہ تم کو دونوں جہان میں مشرف بنائے۔ تمھیں معلوم ہو کہ مشائخِ طریقت رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اتفاق ہے کہ تکمیل توبہ کے بعد مبتدی پر فرض ہے کہ ایسا پیر پختہ تلاش کرے جو نشیب و فرازِ راہ سے آگاہ، صاحب حال و مقام ہو۔ صفاتِ جلالی کے قہر و غضب اور صفاتِ جمالی کے لطف و کرم کا مشاہدہ کر چکا ہو۔ اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ[1] جس کی شان میں پورا پورا صادق آتا ہو۔ اور ایسا طبیب حاذق ہو گیا ہو کہ مرید کے جملہ امراض و عوارضِ باطن کا علاج جانتا ہو۔ اور سب کی دوا کر سکتا ہو۔ اب سنو کلام اللہ کا حکم ہے: كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ۔ صادقوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ یہ مرتبہ اوّل درجے میں پیغمبروں کو حاصل ہے صلوٰۃ اللہ علیہم۔ بعد ان کے اُن کے خلفاء کا درجہ ہے۔ یعنی مشائخِ کرام کا۔ کیونکہ اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ[1] اور عُلَمَاءُ اُمَّتِيْ كَاَنْبِيَاءِ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ[2] انھیں کے فرمان کا سرنامہ ہے۔ اور قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ اَلشَّيْخُ فِيْ قَوْمِهٖ كَالنَّبِيِّ فِيْ اُمَّتِهٖ۔ شیخ اپنی قوم میں خدا کی

---

[1] عالم پیغمبروں کے وارث ہیں۔ [2] میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے پیغمبروں کی طرح ہیں۔

راہ اسی طرح دکھلانے والا ہے جس طرح اپنی امت میں پیغمبر۔ اور یہ ظاہر ہے کہ امت کو راہِ طلب میں بغیر پیغمبر کے چارہ نہیں تو قوم کو بھی بغیر شیخ یعنی خلیفہ پیغمبر کے چارہ نہیں، اسی وجہ سے حضرات مشائخ کا قول ہے کہ لَا دِیْنَ لِمَنْ لَا شَیْخَ لَہٗ (جس کا کوئی پیر و مرشد نہیں اُس کا مذہب ہی نہیں)۔ اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ اِقْتَدُوْا بِالَّذِیْنَ مِنْ بَعْدِیْ اَبَابَکْرٍ وَّعُمَرَ (میرے بعد حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی پیروی کرو)۔ اور پھر فرمایا اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّہِمْ اِقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ (میرے اصحاب ستاروں کی طرح ہیں۔ تم نے جس کی بھی پیروی کی رستہ پا لیا)۔ اسی کی تائید میں ہے۔ یہ بات مسلّم ہے ابتداے ہدایت میں نہ پیغمبر کی حاجت ہوتی ہے اور نہ شیخ کی ضرورت ہوتی ہے۔ کیونکہ پہلی ہدایت کا بیج محض اللہ تعالےٰ کے دستِ عنایت وکرم پر موقوف ہے۔ جس دل کی زمین میں چاہے بودے وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ (جس کی چاہتا ہے اللہ ہی ہدایت کرتا ہے)۔ مگر جہاں وہ بیج اُگ چلا اُس کی پرورش کے لیے پیغمبر کی حاجت ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ حضرات اللہ کے نائب اور خلیفہ ہیں۔ اِنَّکَ لَتَھْدِیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۙ (بیشک تم سیدھا راستہ دکھلاتے ہو)۔ یا شیخ کی ضرورت پڑتی ہے، کہ ان کی ذات بابرکات پیغمبروں کی نائب ہے۔ وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّۃٌ یَّھْدُوْنَ بِالْحَقِّ (اور میں نے جن کو پیدا کیا، وہ اپنی اُمّت کو حق اور راستی کی طرف لے جاتے ہیں)۔ علاوہ ازیں مشائخ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی کتابوں میں بکثرت عقلی دلائل موجود ہیں پہلی دلیل یہ سنو۔ کعبہ کی راہ ظاہر ظاہر اور کھلی ہوئی ہے، اور جانے والا ایسا ہے کہ اس کی آنکھوں میں روشنی بھی ہے۔ بلکہ پاؤں میں قوت اور جسم میں توانائی بھی موجود ہے۔ راستے کا یہ حال ہے کہ دکھائی دے رہا ہے۔ مگر آج تک نہ سنا کہ بغیر کسی راہبر یا راہ شناس کے کوئی شخص پہنچا ہو۔ پھر طریقت کی راہ جو غیر محسوس اور غیر معلوم ہے اور یہ شان رکھتی ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبران علیہم السلام اس راہ سے یقینی گزرے، مگر کسی کے نقش قدم کا پتہ نہیں ہے تو بالکل محال ہے کہ بغیر کسی راہبر یا راہ شناس کے اس کو قطع کر سکے۔ دوسری دلیل سنو۔ اکثر راستوں میں چور ڈاکو ملا کرتے ہیں۔ بغیر محافظ کے جانے میں لٹ جانے کا خوف ہے۔ طریقت کی راہ میں بھی خود نفس کافر اور اصلی شیطان اور نقلی

شیاطین یعنی بعض بعض جنات اور بعض انسان راہزن ہیں۔ بغیر کسی صاحبِ دل یا صاحبِ ولایت کے جانا اپنی پونجی کو برباد کر دینا ہے۔ تیسری دلیل سنو، اس راہ میں ایسا سخت راؤ ہے کہ قدم پھسلتے ہیں۔ اور وہ گھاٹیاں ہیں کہ جاں بری محال ہے۔ سیکڑوں فلسفی، دہری، ملاحدہ، معتزلہ، اباحتی اور اکثر بندۂ نفس دہوا بغیر امدادِ شیخِ کامل اور مقتدائے واصل کے محض اپنی عقل کے بھروسے پر اس راہ میں چلے پس فوراً ہی بھٹک کر دشتِ پُرخار میں ایسے اُلجھے کہ نکل نہ سکے۔ دین و ایمان سب برباد ہو کر رہ گئے۔ کیا خوب کسی نے کہا ہے۔ بیت :۔

تو چوں موری و این رہیست ہمچوں موئے بت رویان
مَرو زنہار بر تخمین و بر تقلید و بر عمیان

(تو چیونٹی کی طرح ہے۔ اور یہ راہ بال کی طرح باریک ہے۔ قیاس اور اندھی تقلید کو سامنے رکھ کر ہرگز نہ جانا)۔ دیکھو ان خوش نصیبوں کو جو کسی صاحبِ ولایت کے سایۂ عاطفت میں کس مزے سے تمام گھاٹیوں کو صحیح و سالم عبور کر چکے ہیں۔ اور ہر لغزش اور ہر تہلکہ سے محفوظ رہے ہیں۔ اس سلوک میں یہ بات بھی ان پر کھل جاتی ہے کہ کون کہاں گرا۔ کون مقام کیسا ہے۔ چوتھی دلیل سنو، اس راہ کے چلنے والوں کو مصائب کا سامنا ہوتا ہے۔ طرح طرح کے امتحان کی نوبت آتی ہے۔ یہاں تک کہ دل چھوٹ جاتا ہے اور پست ہو جاتا ہے۔ اگر شیخِ کامل صاحبِ تصرف نہ ہو تو اور بھی دل بیٹھتا چلا جاتا ہے۔ یہ رنگ دیکھ کر شیخ رہبر وہ نادر باتیں کرتا ہے کہ مرید کے جذبات تیز ہو جاتے ہیں۔ اور ہمت بڑھ جاتی ہے۔ مرید راہِ طلب میں جان جی دھو کر مستعد اور آمادہ ہو جاتا ہے۔ ورنہ خوف تھا کہ حق سے اُس کو دُوری ہو جائے۔ اور راہِ طریقت چھوڑ کر رسم و عادت کے جنگل میں قدم رکھے۔ اور ساری کوششیں اس کی ضایع ہو جائیں۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔ قطعہ :۔

در سایۂ پیر شو کہ نابینا — آن اولٰے تر کہ با عصا گردد
کاہے شو و کوہِ عُجب برہم زن — تا پیر ترا چو کہربا گردد

گر این نہ کنی کہ گفت عطار هر رنج کہ می کنی هبا گردد

(کسی شیخ کی پناہ میں رہو۔ اندھے کے لیے لاٹھی رکھنا ضروری ہے۔ گاہ بن جا، اور غرور کی چٹان پاش پاش کردے۔ تاکہ تجھ کو تیرا شیخ کہربا کی طرح کھینچ لے۔ عطار نے جو یہ باتیں کہیں اگر تو نہیں کرتا تو جتنی محنت و مشقت جھیلتا ہے سب برباد ہو جائے گی)۔

پانچویں دلیل سنو کہ سالک کا گزر ایسے مقامات پر بھی ہوتا ہے جہاں رُوح اس جسم خاکی سے مجرد ہو کر انوارِ حق کے پرتو میں ڈوب جاتی ہے۔ چونکہ روح خلیفۂ حق ہے عجب رنگ میں اپنے کو دیکھتی ہے۔ ذوقِ سبحانی وانا الحق سے اس عالمِ خلوت میں لبریز ہو جاتی ہے کہ ہم کو جو پانا تھا پالیا۔ اور جو ملنا تھا مل گیا۔ بیشک ایسی حالت میں عقل و فہم کام نہیں کر سکتی ہے۔ خاص ضرورت صاحب ولایت شیخ کی ہے۔ تاکہ اپنے لطف و کرم سے نہ ایمان جانے دے نہ توحید حلولی ثابت ہونے دے۔ نہ توحیدِ اتحادی کی طرف رُخ کرنے دے۔ بلکہ توحیدِ خالص اور ایمان کے رستے پر قائم رکھے۔

چھٹی دلیل سنو کہ اثنائے سلوک میں مبتدی کو غیب کے عجائبات دیکھ کر طرح طرح کے شبہے پیدا ہوتے ہیں۔ اور عجیب عجیب مہیب خبریں ملتی رہتی ہیں۔ علاوہ ازیں شیطانی، نفسانی اور رحمانی احوال و کیفیات رنگ بدل بدل کر سامنے آتے ہیں۔ بیچارے غریب مبتدی کو اتنی صلاحیت اور واقفیت کہاں کہ غیب کی باتیں سمجھے۔ اور وہاں کے راز سے واقف ہو سکے۔ کیونکہ، جو غیب داں ہے وہی غیب کی زبان، غیب کی بات جان سکتا ہے۔ اور سمجھ سکتا ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے۔ بیت:۔

تو چہ دانی زبانِ مرغاں را چون ندیدی گهے سلیمان را

(تو چڑیوں کی بولی کیونکر سمجھ سکتا ہے جب کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو کبھی دیکھا نہیں)۔ ایسے موقع پر اگر شیخ مؤیّد بتائیدِ الٰہی اور معلّم بعلمِ تاویلات اور اس زبان و معانی کا آگاہ نہ ہو تو مرید ہکّا بکّا ہو کر وہیں رہ جائے گا۔ ترقی نہیں کر سکتا۔ ساتویں دلیل سنو، کہ اگر کوئی شخص دنیادی بادشاہ کے ہاں کچھ رتبہ یا درجہ یا منصب یا تقرب حاصل کرنا چاہے۔

مگر اس کی صلاحیت نہ ہو کہ بادشاہ کے لائق کوئی کام انجام دے سکے۔ اور کوئی استحقاق بھی کسی حیثیت سے نہ رکھتا ہو، تو اس کو کیا کرنا چاہیے۔ یہی کہ اپنے کو کسی مقرب درگاہ کے ساتھ وابستہ کردے تاکہ وہ مقبول و منظورِ نظرِ بادشاہ اُس کی عرض بادشاہ کے حضور میں پہنچادے۔ اس صورت میں یقینِ کامل ہے کہ بادشاہِ دنیا عدم استحقاق یا کم خدمتی کو اس شخص کے نہ دیکھے گا۔ بلکہ وہ اُس مقرب کے حقوقِ سابق اور حاضر باشی کا لحاظ کرے گا۔ اور اسی وسیلے سے اُس کی عرض قبول کی جائے گی۔ اور سائل کو حسبِ خواہش منصب وغیرہ عطا ہوگا۔ اگر یہی شخص ایک مدتِ دراز تک اپنے طور پر اس درجہ تک رسائی چاہتا تو ہرگز مقصود حاصل نہ ہوتا۔ تم اس کو باور کرو کہ مشائخ رضوان اللہ علیہم اجمعین اس درگاہ میں بادشاہِ دوجہاں کے ایسے مقرب اور مقبول ہیں کہ ان کی بات سنی جاتی ہے۔ جس نے اپنے کو ان کے ساتھ وابستہ کردیا وہ مقصود و مطلوب تک پہنچ گیا۔ مشائخ رضوان اللہ علیہم اجمعین نظر کی صفائی اور دل کی پاکی کے باعث رموز و اشاراتِ قرآنِ قدیم و احادیثِ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خوب واقف ہوتے ہیں۔ اور باطن کی راہ طے کرکے بیٹھے ہیں۔ مریدوں کے لیے اصول و ضوابط قاعدہ و قانون ان حضرات نے مقرر کردیے ہیں۔ اور احکام جاری کیے ہیں۔ پہلا حکم۔ ایک شخص ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ایسی بینائی دی کہ اپنے افعال میں سے نیک کو نیک اور بد کو بد سمجھتا ہے۔ اور چاہتا ہے کہ بُری باتیں دُور ہوجائیں۔ لیکن اس غریب کو اس کی خبر کہاں کہ اس کا طریقہ کیا ہے۔ تو ایسی صورت میں اس کو چاہیے کہ مقرب اور مقبول درگاہ بندے کے ساتھ اپنے کو وابستہ کردے۔ اور اپنے صفاتِ ذمیمہ کے بدلنے کا کامل ارادہ کرلے تاکہ وہ بندۂ مقبول اس دُور افتادہ اور گم شدہ کو قبول کرلے اور نفس امارہ کے مکر سے اس کو بچالے۔

دوسرا حکم۔ اگر مرید میں کچھ قصور و فتور پیدا ہوگیا ہو تو از راہِ لطف و شفقت پیر ایسی ترغیب دے کہ ہمّت بلند ہوجائے۔

تیسرا حکم۔ بروں کی صحبت اور ہم نشینی سے اور بُری باتوں کو سننے سے مرید کو منع فرمائے۔

حالت یہ ہے کہ مرید سالہا سال میں جو بات حاصل کرسکتا ہے، یہ حضرات ایک ساعت میں اس کے دل کو ویسا بنا دیتے ہیں۔ اسی طرح اور باتوں کو بھی سمجھو۔ بہرحال پیر و مرید کا معاملہ نہایت نازک ہے۔ اس کے متعلق یہ ممکن ہے کہ مرید ایک پیر سے منزلِ مقصود تک نہ پہنچے، بلکہ دو تین یا چار یا اس سے بھی زیادہ صحبت شیخ کی اس کو ضرورت پڑے۔ بعد اس کے مقصود حاصل ہو۔ اور ہر پیر کی صحبت ایک مقام کے کشف کا باعث ہو۔ لیکن مرید کے لیے بہتر اور مناسب یہی ہے کہ ہرگز ہرگز یہ خیال دل میں پیدا نہ ہونے دے کہ موجودہ پیر سے میری ترقی ناممکن ہے۔ اور اُن کی رسائی اس مرتبہ سے زیادہ نہیں ہے۔ بلکہ ادب کا تقاضا یہ ہے کہ مرید اپنے پیر کو بہت بڑا کامل سمجھے اور اس کا یقین کرے کہ میرا حصہ حضرت کے یہاں اسی قدر تھا۔ کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ ایک سچا پیر کسی مرید کی ترقی کا خواہاں نہ ہو اور اُس کو اپنے مقام میں اُلجھا رکھے۔ بہرکیف مسئلہ یہ ہے کہ مرید نے جب کسی پیر کی صحبت اختیار کرلی تو بغیر اجازت اس کی صحبت سے الگ نہیں ہوسکتا۔ اور دوسرے پیر کے یہاں رجوع نہیں کرسکتا۔ اس امر کی سخت نگہداشت رکھنا چاہیے، اور پیروں کی غیرت سے بچنا چاہیے۔ کیونکہ اگر بغیر اجازت یا بطریقِ بطلان اپنے پیر کو چھوڑ کر مرید دوسرے پیر کی طرف رجوع کرے گا تو وہ مرتدِ طریقت ہوگا۔ خیر، مشائخ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی یہ روش رہی ہے کہ جب کسی مرید نے اُن کے ساتھ تعلق پیدا کرلیا تو تین سال کی مدت میں تین کام اس سے لیتے ہیں۔ اگر اس پر اس نے استقامت کی اور اچھی طرح انجام دیا تو مرید کو تقلیداً نہیں، بلکہ تحقیقاً خرقہ پہناتے ہیں۔ اور اگر مرید حسب فرمان کاربند نہ ہوا تو فرما دیتے ہیں کہ طریقت اس کو قبول نہیں کرتی۔ وہ تین باتیں یہ ہیں۔ ایک سال خلق اللہ کی خدمت کرنا۔ ایک سال اللہ تعالیٰ کی بکثرت بندگی کرنا۔ ایک سال دل کی پاسبانی کرنا۔ اور ضمناً یہ حکم بھی دیتے ہیں کہ ہاتھ دعا کے لیے اُٹھا رہے۔ زبان سوال کے لیے کھلی رہے۔ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ فِی الدُّعَآءِ (اللہ رو رو کر گڑگڑانے والوں کی دعا کو دوست رکھتا ہے)۔ بزرگوں کا قول ہے کہ سوال و دعا میں شرم کا بالکل پردہ اُٹھا دینا اچھا ہے۔ اور

جو دل چاہے وہی مانگنا بہتر ہے۔ بلکہ جو چیز مانگی جائے ذلیل وحقیر نہ طلب کی جائے۔ اور جب تک حاجت پوری نہ ہو طالب درگاہ سے ٹالے نہ ٹلے اور اس کا یقین رکھے کہ وہاں سے جو کچھ ملا بے قیمت ملا مفت ملا۔ جس کسی کو ایمان عطا ہوا مفت عطا ہوا۔ اور جس کی بخشایش ہوئی مفت ہوئی لینے والا ہو تو سارا جہان وہ بخش دے۔ هَلْ مِنْ سَائِلٍ هَلْ مِنْ دَاعٍ هَلْ مِنْ مُسْتَغْفِرٍ (کیا کوئی سائل ہے؟ کیا کوئی مانگنے والا ہے؟ کیا کوئی بخشش چاہنے والا ہے)۔ اے مانگنے والو مانگو، ہمارے کرم کی کوئی حد نہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ تم مانگو۔ اگر نہ مانگو گے تو ہم تقاضا کریں گے۔ اس پر بھی نہ سنو گے تو ہم بے مانگے دیں گے۔ قطعہ

آنکہ ناخواستہ عطا بخشد　　گر تو خواہش کنی چہا بخشد
بادشاہے ست او اگر خواہد　　ہر دو عالم بیک گدا بخشد

(جو بغیر مانگے ہوئے دیتا ہے، اگر اُس سے تو مانگے گا تو کس قدر عطا فرمائے گا. اگر وہ چاہے تو دونوں جہان کی بادشاہی ایک فقیر کو بخش دے۔ وہ شاہنشاہ ہے)۔

اے بھائی یہ بات جیت درِ کرم کی ہے۔ یہاں استحقاق کا ذکر نہیں ہے۔ کریم کی یہی شان ہے کہ بلا استحقاق دے۔ استحقاق کے ساتھ جو دیتا ہے کریم نہیں کہلاتا۔ کیونکہ استحقاق ادائے حق کو واجب کرتا ہے۔ اور جب ادائے حق واجب ہوا، تو ایک قسم کا دَین ٹھہرا۔ اور دَین کا دینا کرم نہیں ہوتا. نہ کریم کی یہ شان ہوتی ہے۔

نقل ہے کہ ایک کافر نے جب حضرت امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کے وقت عرض کی۔ اے علیؓ اپنی تلوار تم مجھے دے دو۔ آپ نے تلوار اُس کو دیدی. پھر اس کافر نے کہا کہ اے علیؓ یا تو آپ بہت ہی بڑے شجاع ہیں۔ یا سخت نادان ہیں کہ اپنی تلوار دشمن کو دیدی۔ آپ نے فرمایا کہ تو بے شک دشمنِ جان ہے، مگر سائلوں کے لہجہ میں تو نے سوال کیا ہے۔ اور حال یہ ہے کہ سائل کو محروم رکھنا کریموں کا دستور نہیں ہے۔ والسلام

چھٹا مکتوب

اہلیتِ شیخی کے بیان میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میرے عزیز بھائی شمس الدین تم کو دونوں جہان میں اللہ عزت دے۔ تمھیں معلوم ہو کہ شیخی کا اہل کون ہے، اور مرتبۂ مقتدائی کا مستحق کون۔ اس امر کی بنا بزرگانِ دین نے اجمالاً پانچ رکنوں پر رکھی ہے۔ اور ان پانچوں رکنوں کو اس آیتِ کریمہ سے نکالا ہے۔ قَوْلُہٗ تَعَالٰے فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا اٰتَیْنٰہُ رَحْمَۃً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰہُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا۔ (تو پایا اُن دونوں [موسیٰؑ اور ان کے ساتھی] نے ایک بندہ [خضرؑ] میرے بندوں میں سے جسے میں نے اپنی طرف سے رحمت عطا کی اور اُسے علمِ لدُنّی سکھایا) اس لئے کہ حق سبحانہٗ تعالےٰ نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بہ شانِ مریدی و متعلّمی حضرت خواجہ خضر علیہ السلام کی خدمت میں بھیجا تو مقامِ شیخی و مقتدائی و معلّمی کے اعتبار سے آپ کے پانچ مراتب ظاہر فرمائے:۔

پہلا مرتبہ اختصاصِ عبدیت کا جو مِنْ عِبَادِنَا سے ظاہر ہے۔

دوسرا مرتبہ اس حقیقت کے قبول کرنے کی صلاحیت و استعداد تھی جس کا نزول بے واسطہ حضرتِ خداوندی سے ہوتا تھا۔ یہ اٰتَیْنٰہُ سے روشن ہے۔

تیسرا مرتبہ اس امر کی خصوصیت کو دکھا رہا ہے کہ مقامِ عندیت سے رحمتِ خاص کی یافت حاصل تھی۔ یہ رَحْمَۃً مِّنْ عِنْدِنَا سے واضح ہے۔

چوتھا مرتبہ۔ حضرتِ خداوندی نے بے واسطہ علوم سکھائے تھے۔ یہ عَلَّمْنٰہُ سے صاف صاف نکلتا ہے۔

پانچواں مرتبہ۔ علم لدنی کی دولت عطا ہوئی تھی۔ جس کا انکشاف مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا

سے ہو رہا ہے۔

اب غور سے دیکھو تو یہ پانچوں مراتب جامع ہیں کمالات کے کل معانی کو اور شامل ہیں سب درجات و مقامات کی ترقی کو۔ اب اگر چاہو کہ اس کی پوری تشریح و تفصیل اس مکتوب میں کی جائے تو یہ ناممکن ہے۔ خلاصہ یہ کہ شیخ و مقتدا کا کمال یہی ہے کہ اس میں یہ خصائص موجود ہوں اور وہ ان صفتوں کے ساتھ موصوف ہو۔ اور اس کو ان مراتب کی سیر میسّر ہو۔ یا یوں سمجھو کہ جتنے بہتر مقام اور جتنی پسندیدہ خصلتیں قرآن مجید یا حدیث شریف میں مذکور ہیں اس شخص میں پائی جائیں، تاکہ شیخی و مقتدائی کے لائق وہ سمجھا جائے۔ اب اس بات کو بھی سنو اور سمجھو کہ وہ پانچوں مقام کس وقت حاصل ہوتے ہیں۔

(۱) مقامِ عبدیت اس وقت حاصل ہوتا ہے جب سالک ماسوی اللہ کی بندگی اور پرستش سے آزاد ہو جاتا ہے۔ کیونکہ مرتبۂ ذات کی عبدیت ہونا آسان نہیں۔ اور مِنْ عِبَادِنَا کی دولت سے مالا مال ہونا کھیل تماشا نہیں۔

(۲) اٰتَیْنٰهُ رَحْمَةً کی سعادت اسی وقت ملے گی، اور بے واسطہ قبولِ حقائق کی استعداد اسی وقت حاصل ہوگی، جب صفاتِ بشریت بہمہ وجوہ نکل جائیں گی۔

(۳) رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا کے صدر پر اُسی وقت جگہ ملے گی جب تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللہ سے آراستہ ہوگا۔ (یعنی رحمت و شفقت وغیرہ خلق اللہ پر ایسی پیدا ہو جائے کہ اپنا عیال سمجھنے لگے۔ اور مقامِ پیری میں اس کے صفاتِ الوہیت کی تجلّیاں پرتوفگن ہونے لگیں۔

(۴) عَلَّمْنٰهُ کی کرامت سے مکرم اسی وقت ہوگا جب دل کی تختی سے عقلی، سمعی حسّی علوم دُھل جائیں گے۔

(۵) علم مِنْ لَّدُنِّیْ اسی وقت عطا ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات و افعال کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ حضرتِ رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ عَرَفْتُ رَبِّیْ بِرَبِّیْ (میں نے اپنے رب کو اپنے رب سے پہچانا) اسی معنی کو ظاہر کرتا ہے۔ (یعنی اپنی ذات

میں تجلیِ ذاتی، اپنی صفات میں تجلیِ صفاتی، اپنے افعال میں تجلیِ افعالی کا ظہور دیکھ کر مجھے عرفانِ خدا حاصل ہوا) اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کے اس قول سے بھی اسی معنی کا ثبوت ہے کہ لَنْ یَّلِجَ مَلَکُوْتُ السَّمٰوٰاتِ وَالْاَرْضِ مَنْ لَّمْ یُوْلَدْ مَرَّتَیْنِ یعنی سالک کو جب تک ولادتِ دوم حاصل نہ ہوگی علم من لدنی سے مشرف نہ ہوگا۔ کیونکہ جو شخص ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے وہ اس جہان کو دیکھتا ہے۔ اور جو شخص اپنے سے پیدا ہوتا ہے (یعنی اوصافِ بشریت سے باہر آکر موحد حقیقی بن جاتا ہے) وہ اُس جہان کو دیکھتا ہے۔ دنیا و عقبیٰ سب کی حقیقت اس کی نظر کے سامنے ہوتی ہے۔ مَنْ لَّمْ یُوْلَدْ مَرَّتَیْنِ اس شان کو بتا رہا ہے۔ (جتنے مراتب و درجات و مقام و صفات بیان ہوئے) باوجود ان کے مقامِ شیخی و مرتبۂ مقتدائی کا کمال در کمال یہ ہے کہ اس کی حد بندی ناممکن اس کا انحصار دشوار اس کا شمار محال ہے۔ کیونکہ شیخی اور مقتدائی اس عمامہ اور بڑی داڑھی کا نام تو ہے نہیں۔ شیخ و مقتدا تو درحقیقت اس معنی کو کہتے ہیں جو مَقْعَدِ صدقٍ میں مقامِ عندیت کے مزے لوٹ رہا ہو۔ اور عنایت و عزتِ حق عز و جل اس پر سایہ فگن ہو۔ اور اس طرح اس کو دامنِ شفقت نے ڈھانپ لیا ہو کہ اَدْلِیَائِیْ تَحْتَ قَبَائِیْ لَا یَعْرِفُھُمْ غَیْرِیْ۔ (اولیا ہماری قبا میں چھپے ہوئے ہیں، سوائے ہمارے ان کو کوئی پہچان نہیں سکتا) کا مصداق بن گیا ہو۔ مولانا حمید الدین ناگوری فرماتے ہیں جو شخص اپنی جان کی وجہ سے زندہ ہے وہ مرجاتا ہے۔ اور جس کی زندگی محبوب کے ساتھ ہے، وہ مرتا نہیں۔ رباعی:-

مردانِ رہش زندہ بجانِ دگراند — مرغانِ ہو اش ز آشیانِ دگراند

منگر تو بدین چشم بر ایشان کیشان — بیرون زدہ کون از جہانِ دگراند

(اُس کی راہ کے چلنے والے ایک دوسری جان کی بدولت زندہ ہیں۔ اُس کے عشق و محبت کے طائروں کا گھونسلا ہی دوسرا ہے۔ تو ان کو اس آنکھ سے نہ دیکھ۔ یہ لوگ دونوں جہان سے باہر ایک اور ہی جہان کے رہنے والے ہیں)۔

ان باتوں کو سن کر تم بہت کشمش و پیچ میں آگئے ہوگے۔ دل گھبرا گیا ہوگا۔ اور خیالات منتشر

ہوں گے۔ دیکھو ابھی ابھی تمھارے کل شبہات اس سوال وجواب سے حل ہو جاتے ہیں۔ سوال۔ مبتدی ایسا کامل واصل شیخ ومقتدا کہاں اور کیونکر پا سکتا ہے اور غریب مبتدی کو ایسے منتہی کی متابعت کا موقع کس طرح مل سکتا ہے اور ایسے رسیدہ شخص کی شناخت بیچارہ کون آنکھ سے کر سکتا ہے۔ مزید برآں مبتدی کو اس کا حق بھی نہیں دیا گیا ہے کہ اپنی رکیک عقل سے مردانِ خدا کو جانچے اور اپنی کم بیں نظر کا نشانہ واصلان ومقربانِ درگاہ کو بنائے۔ اور اس کی اجازت بھی نہیں دی گئی ہے کہ جو شیخ ومقتدا ہونے کا دعویٰ کرے اُس کا مقلد بن جائے۔ ایسی حالت میں کیا صورت ہے کہ مبتدی اس بات کو جان لے کہ فلاں شخص مبتدی ہے یا فلاں شخص محقق کامل ومنتہی ہے اور ایسا پہنچا ہوا ہے کہ اُس کی اقتدا کر سکتا ہے۔

جواب۔ جس طالب کے مقدر میں جس قدر رسائی لکھی ہوئی ہے اُس کو اسباب وآلات بھی ایسے مہیا ہوتے ہیں جو مہیا ہونے کا حق ہے۔ اور اس کی ہمتِ مردانہ بھی ایسی محرک ہوتی ہے کہ اس کی راہ میں ایک تنکا بھی حائل نہیں ہوتا۔ جس طرح ایک طالب علم کے نصیب میں جس قدر علم ہے اُس علم کے حاصل کرنے کے لیے ازل ہی میں طلب بھی دے دی گئی ہے۔ اور اس کے اسباب بھی مقرر کر دیے گئے ہیں۔ یہاں تک کہ جب اس کا وقت آتا ہے تو سامان بھی مہیا ہو جاتے ہیں۔ اور کوئی مانع وحارج سدِ راہ نہیں ہوتا۔ ہوبہو اس طالب کے لیے بھی ایسا ہی سمجھو۔

سوال۔ کیا کوئی خاص بات ایسی ہے جس سے مدعی کو مدعی محقق کو محقق سمجھیں، اور اہل کو اہل نااہل کو نااہل جانیں۔

جواب۔ اس کی علامتیں تو بہت ہیں، مگر عبارت میں لانا دشوار ہے۔ کیونکہ ایسے الفاظ نہیں جو سب علامتوں کو گھیر لیں۔

سوال۔ یا قطعی فیصلہ کن کوئی ایسی بات ہے جس کے موجود رہنے سے محقق مانیں اور نہ موجود رہنے پر مدعی تصور کریں۔

جواب۔ اس قسم کی بھی کوئی بات کسی نے نہیں کہی ہے۔ الحاصل جس پر ازل میں عنایت

کی نظر ہو چکی ہے کہ اَلْعِنَایَۃُ قَبْلَ الْمَآءِ وَالطِّیْنِ (خدا کی عنایت بندہ پر مٹی اور پانی کے خمیر بننے سے پہلے ہو چکی ہے) وہ طالب ابتدا میں بفحوائے وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا (جو لوگ ہمارے لیے محنت و مشقت جھیلتے ہیں) قدم راہ طلب میں رکھتا ہے اور عنایتِ ربّانی کے جذبات کی کچھ ایسی کشش ہوتی ہے کہ حرص وہوا اور لذات و خواہشاتِ نفسانی سے دل اُس کا بھر جاتا ہے۔ ہمہ تن متوجہ حضرت صمدیت کی طرف ہو جاتا ہے۔ عنایتِ سابق و تقدیر ازلی بمصداق لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا (البتہ انھیں ہم اپنا راستہ دکھاتے ہیں)۔ ایک شیخ واصل و مقتدائے کامل کا جمال اس کے آئینۂ دل میں ظاہر کرتی ہے۔ اب یہاں پر صرف ایک بات قابلِ لحاظ ہے۔ وہ یہ ہے کہ جس شیخ کا جمال طالب کو اپنی طرف کھینچے اس شیخ کو سالک ہونا چاہیے۔ مجذوب نہیں۔ کیونکہ مجذوب پیر بنانے کے لایق نہیں ہوتے۔ ان کے مقامات بیہوشی میں طے ہوتے ہیں۔ اور سالک ہر ہر مقام سے آگاہ ہو کر منزلِ مقصود کو پہنچا ہوا ہوتا ہے۔ اگرچہ جذب اس راہ کے لوازمات میں سے ہے۔ مگر سالک کا مجذوب ہونا اور ہے اور مجذوبِ مطلق کا مجذوب ہونا دوسری حیثیت رکھتا ہے۔ خیر، جب خوش نصیبی سے ایسا ہوا کہ شیخ سالک کا جمال دل نے مشاہدہ کر لیا، پھر اب تاب کہاں فوراً طالب جمال شیخ و ولایتِ شیخ پر عاشق ہو جاتا ہے۔ اور سارا قرار و آرام اس کا جاتا رہتا ہے۔ ہر وقت ایک دُھن بندھ جاتی اور تلاش پیدا ہو جاتی ہے، کہ ان بزرگ کو کہاں ڈھونڈیں، کہاں پائیں۔ یہاں تک کہ پالیتا ہے۔ اور پیر کے ساتھ عشق ورزی کر دیتا ہے۔ سمجھ لو کہ یہی بے قراری اور یہی عاشقی مرید کی ساری سعادتوں کی کنجی ہے۔ اور حقیقتِ حال بھی یہی ہے، کہ جب تک مرید شانِ ولایت پر شیخ کے عاشق نہ ہوگا۔ اور اپنے کو اس کا پورا پورا محکوم نہ بنا دے گا۔ اور اُس کے ارادہ کے تحت میں کام نہ کرے گا پیر کامرید اُس کو نہ کہیں گے، بلکہ اپنی خواہش و مراد کا مرید اُس کو کہیں گے۔ اسی وجہ سے بزرگوں کا مقولہ ہے اَلْاِرَادَۃُ تَرْکُ الْاِرَادَۃِ (ارادہ کرنا، کل خواہشات کو چھوڑ دینا ہے) اسی معنی کے راز کو کیا خوب کہا ہے ؎ رباعی

اے دل اگرت رضائے دلبر باشد آن باید کرد و گفت کو فرماید

گر گوید خوں گری مگو از چہ سبب　　در گوید جان بدہ مگو چون شاید

(اے دل اگر تجھ کو محبوب کی رضامندی حاصل کرنا ہے تو وہی کام کر جو وہ کہے۔ اگر وہ کہے تو لہو رو تارہ۔ تو نہ پوچھ کیوں۔ اور اگر کہے جان نچھاور کر دے تو نہ پوچھ کس لیے)

یہاں پر یہ مسئلہ اور بھی سن لو۔ مشائخ طبقات مرید کس کو کہتے ہیں اور مراد کس کو۔ اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ بعضوں کا یہ خیال ہے کہ جب کوئی شخص کسی بزرگ صاحبِ ولایت کی صحبت میں رہا۔ اور اس کے حرکات و سکنات کی اُس نے متابعت کی تابع مرید ہوا۔ متبوع مراد شیخ ہوا۔ اور بعضوں کا خیال یہ ہے کہ مرید اس کو کہتے ہیں جس کے سر پر کوئی شیخ صاحب ولایت یا عارف یا عالم قینچی چلادے اور اُس کو قبول کرلے۔ اب جس کے سر کے کچھ بال تراشے گئے اُس کو مرید کہتے ہیں۔ اور جس نے بال تراشے اس کو مراد و شیخ کہتے ہیں۔

بہر کیف اس مکتوب کو دیکھ سن کر تم کو یہ شبہہ پیدا ہوا ہو گا کہ آدمیان گم شدند۔ نہیں نہیں ہرگز نہیں۔ ایسا خیال کبھی نہ کرنا۔ بزرگانِ دین ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔ ہر وقت اللہ تعالیٰ کے بہت سے ایسے بندے ہیں کہ بہ متابعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل کائنات سے ترقی کر چکے ہیں۔ اور تجلیاتِ صفاتِ جمالی و جلالی میں اُن کی ہستی گم ہو چکی ہے۔ اور اس مرتبہ پر پہنچ چکے ہیں کہ فَاِذَآ اَحْبَبْتُہٗ کُنْتُ لَہٗ سَمْعًا وَّ بَصَرًا وَّ یَدًا وَّ لِسَانًا۔ (جب اس کو دوست بناتے ہیں تو ہم اُس کے کان آنکھ ہاتھ اور زبان بن جاتے ہیں) اُن کی حالت یہ ہوتی ہے کہ ہمت و شفقت کی نظر بیگانہ پر ڈال دیں تو وہ یگانہ ہو جائے۔ اور اگر عاصی کی طرف متوجہ ہو جائیں تو وہ مطیع ہو جائے۔ اور تختِ ولایت پر اُس کو جگہ مل جائے۔ اس قوت کا سبب یہ ہے کہ یہ وہی چاہتے ہیں جو اللہ چاہتا ہے۔ رضائے الٰہی میں اُن کی ذات وقف ہوتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ مَنْ کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ (جو اللہ کا ہو گیا اللہ اُس کا ہو گیا)۔ بزرگوں کا قول ہے کہ کوئی بقعہ و مقام ایسا نہیں ہے جہاں ایک صاحبِ ولایت نہیں ہے۔ جتنے بے دولت ہوتے ہیں سب اُس کی پناہ اور سایۂ دولت میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ ظاہر میں دیکھ لو کہ خلیفہ اور سلطان ہر عصر میں ایک ہی ہوتا ہے مگر کنجڑے کباڑی و عوام الناس ان گنتی

ہر شہر میں موجود رہتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ ہمیشہ ہماری امّت میں تین سو چھپن ولی موجود رہتے ہیں اُنھیں کے دم قدم کی بدولت عالم قائم رہتا ہے۔ راحت و رحمت اہلِ زمین پر انھیں کی برکتوں سے نازل ہوا کرتی ہے۔ حاضرین نے عرض کی یا رسول اللہؐ ان کی صفت کیا ہے۔ ارشاد ہوا اَلزَّاهِدُوْنَ فِی الدُّنْیَا وَالرَّاغِبُوْنَ فِی الْاٰخِرَةِ وَالرَّاضُوْنَ بِقَضَآءِ اللّٰهِ وَقَدَرِهٖ (وہ لوگ دنیا سے کنارہ کش ہیں اور عقبیٰ کی طرف متوجہ ہیں۔ اور خدا کی مشیئت اور قدرت کے ساتھ راضی ہیں۔

اے بھائی اب دوسری کہانی سنو۔ جو چیز جس کو ملنا تھی ازل ہی میں مل چکی۔ اور جس کو جہاں جہاں پہنچنا تھا ازل ہی میں پہنچ چکے۔ تم کیا سمجھتے ہو کہ یہاں آکر کوئی آدمی نیا کام کرتا ہے۔ نہیں نہیں وہی کام کرتا ہے جس پر قلم چل چکا۔ ہر شخص قدم مارتا ہے اور کام نکلنے کا ایک بہانہ ہو جاتا ہے۔ تم جانتے ہو گے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار گوہر نبوت اس جہان میں جو تشریف لائے وہ تم لوگوں کا کام کر آئے ہرگز نہیں، ہرگز نہیں۔ بلکہ وہ اس لیے تشریف لائے تھے کہ تمھارے دل کی آگ بھڑکا دیں۔ اور تمھارے نصیب کا فیصلہ کر دیں۔ تم یقین جانو کہ جو کچھ ہوتا ہے تقدیر ازلی سے ہوتا ہے۔ آسمانی کتابیں پیغمبران مرسل یہ سب کے سب ذریعہ اور وسیلہ ہیں۔ درحقیقت ٹھیک ٹھیک تقدیر کے موافق کام ہوا کرتا ہے۔ انھیں باتوں پر نظر کر کے حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ واہ رے شان کی بے نیازی کہ صدیقوں کے دل کو تیغِ قہر سے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ اور ان کے جگر کو ایک قطرے کے انتظار میں پانی پانی کر دیا۔ مگر کسی کو شربتِ دیدار نصیب نہ ہوا۔ اللہ اللہ نازِ معشوقانہ کی کوئی حد بھی ہے۔ ایک بار حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں آیا کہ اس وقت تو بندۂ درگاہ ہی کی ذات اِس مرتبہ پر فائز ہے کہ خود بدولت سے ہم کلامی کے مزے لوٹتی ہے۔ ندا ہوئی کہ آپ کہاں ہیں۔ اسی پر بھولے ہوئے ہیں۔ ذرا اس عصا کو پتھر پر مار کر تو ہمارے ایک ادنیٰ کرشمے کا تماشا دیکھیے چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے عصا کو پتھر پر مارا! کیا دیکھتے ہیں کہ اسی طرح کے لاکھوں موسیٰ ہیں کہ عصا ہاتھ میں ہے اور سر پر کلاہ ہے اور اَرِنِیْ اَرِنِیْ کی رٹ لگا رہے ہیں۔ والسلام

—— ⁘ ——

ساتواں مکتوب

ارادت کے بیان میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

برادرم شمس الدین۔ تم جانتے ہو کہ ارادت کس کو کہتے ہیں۔ ارادت دل کے اس میلان کا نام ہے جو خیال کو ایک خاص چیز کی طرف جما دے اور ایسی تحریک پیدا کردے جس سے قصد طلب ظاہر ہو۔ یعنی اس چیز کی تلاش میں لگا رہے۔ اب اس بات کو دیکھو کہ جو چیز مراد و مقصود ہے وہ کیسی ہے۔ اگر اعلیٰ ہے تو ارادہ بھی بہتر و برتر ہے۔ اس لیے حقیقت ارادت کی یہ شان کہی گئی ہے کہ ہر قسم کی آمیزش دینی دنیاوی اغراض و تغیر و تبدل زمانی سے پاک ہو۔ اور اسباب و وجوہات کی رکاوٹیں اس میں حائل نہ ہو سکیں۔ اور کسی طرح کی خواہش اس پر غالب ہو کر اس کو منقطع نہ کر سکے۔ بلکہ وہ آدمی جس میں ارادت کی جلوہ گری ہوئی ہے ہر طرف سے منھ موڑ کر صرف حضرتِ الٰہیت کی جانب متوجہ ہو جائے۔ اور جب تک منزل مقصود تک نہ پہنچے ہرگز ہرگز دم نہ لے۔ مثنوی:۔

تا بہشت و دوزخت در رہ بود ‏ جانِ تو زین راز کے آگہ بود

چون برون آئی ازان ہر دو مقام ‏ صبح این دولت برون آید ز شام

(جب تک تیرے راستے میں بہشت و دوزخ کا خیال رہے گا اس بھید کی خبر تجھے نہیں ہو سکتی۔ جب ان دونوں جگھوں سے تو باہر نکل آئے گا تو رات کی تاریکی سے صبح کا جلوہ نمودار ہوگا)۔

بھائی، حق تعالیٰ کی ارادت کی منزل ایسی اچھوتی پاک و صاف منزل ہے کہ اپنی راہ میں ایک تنکا بھی دیکھنا پسند نہیں کرتی۔ اور نہیں چاہتی کہ کسی غیر چیز کا سایہ بھی اس

سرزمین پر پڑے۔ ایسی لطیف ارادت میں کسی قسم کی شرکت ہو، اس کی گنجائش کہاں۔
لیکن انسان پھر انسان ہی ہے۔ اس غریب کو ہزار قسم کے آفات و بلا کا سامنا ہوتا ہے۔
اس کی ارادت ذرا مشکل سے درست ہو سکتی ہے۔ بعض آدمی ایسے ہیں کہ ان کے دل میں صحیح
ارادت پیدا ہی نہیں ہوتی۔ بعض ایسے ہیں کہ ارادت میں تو ضعف نہیں ہوتا۔ مگر کمزوریِ قویٰ
اور دیگر موانع کے باعث ہر ایک شائبہ سے ارادت کو پاک و صاف نہیں کر سکتے۔ بعض آدمی
ایسے ہیں کہ درستیِ ارادت کے بعد مراد کو دُور پا کر تھک کر بیٹھ جاتے ہیں۔ اور دل ہار دیتے
ہیں۔ مگر سب سے زیادہ اہم امر تو یہ ہے کہ ریا و عجب صاحبِ ارادت کا پیچھا نہیں چھوڑتے
ادھر مریدی کی شان اس میں آئی اور اُس نے گردن جھکائی فوراً ہی سر اُٹھا کر کہنے لگا کہ
واہ رے میں۔ پھر کیا تھا، یہ تمنا بھی پیدا ہونے لگی کہ ساری دنیا مجھے غوث قطب ولی کہے
اور سمجھے۔ اللہ اللہ! بھائی مرید صادق وہی ہے جس کی ارادت ہر ایک آمیزش سے
پاک ہو۔ اس میں دنیا طلبی ہو نہ درجاتِ عقبیٰ کی تمنا ہو۔ صرف اللہ کی ارادت ہو۔ اگر
ذرّہ برابر بھی دُور کا لگاؤ باقی ہے تو ارادت ناقص رہے گی۔ یہاں پر نہایت مناسب
ایک مثال ہم پیش کرتے ہیں جس سے پوری تشفی تمہاری ہو جائے گی۔ دیکھو غلام مکاتب
ہوتا ہے۔ یعنی اس کے مالک نے اس کو کاغذ لکھ کر دے دیا ہے کہ جس وقت تو اتنا روپیہ
دیدے گا آزاد ہو جائے گا۔ اگر اس غلام نے مثلاً منجملہ ایک ہزار روپے کے نوسو ننانوے
روپے بھی ادا کر دیے اور ایک روپیہ باقی رہ گیا تو غلام ہی رہے گا آزاد نہیں ہو سکتا۔
اَلْمُكَاتِبُ عَبْدٌ وَّاِنْ بَقِيَ عَلَيْهِ دِرْهَمٌ (اگر ایک روپیہ بھی باقی رہ گیا تو وہ ابھی تک
غلام ہی ہے)۔ مسئلۂ شریعت ہے۔ اور یہی رنگ ارادت کا بھی ہے۔ اب سنو طریقت
میں ارادت کا وہی درجہ ہے، جو درجہ نیت کا شریعت میں ہے۔ جس طرح شریعت کی عبادت
بے نیت کے قدر نہیں رکھتی۔ اسی طرح طریقت میں جو حرکت بغیر ارادت کے ہو گی اُس کا
کچھ وزن نہ ہوگا۔ تم اس کو جانتے ہو کہ ارادت کی کتنی قسمیں ہیں۔ ارادت کی تین قسمیں ہیں:

(۱) ارادتِ دنیا۔ یعنی دن رات دنیا طلبی میں آدمی مستغرق رہے۔ یہ ارادت سراپا آفت اور مرضِ مہلک ہے۔ جہاں مبتدی کے دل پر اس ارادت کا غلبہ ہوا نہ اس سے کوئی نیکی ہوسکتی ہے نہ کوئی دین کا کام ہوسکتا ہے۔ ساری عمر اسی دُنیا طلبی میں ضایع کرے گا۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ قیامت کے دن سعادت وراحتِ جاودانی سے محروم رہے گا۔ وَحِيلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ۔ (اُس کے اور اُس کے مقصد کے درمیان اس کی خواہشیں حائل ہوں گی)۔ میں یہی اشارہ ہے۔ بزرگانِ دین کا مقولہ ہے کہ جس مرید کا دل ابتدا میں دنیا کی طرف رہے گا اس سے صلاح وتقوٰی کا کام نہیں ہوسکتا۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ طمع وحرصِ دنیاوی ایک سخت مضر چیز ہے۔ یہاں تک کہ جو شخص قوتِ وقت سے زیادہ کا طالب ہے ممکن ہے کہ قیامت کے دن یہ طلب اُس کی حسرت وندامت کا باعث ہو۔

(۲) ارادتِ آخرت۔ یعنی آدمی دنیا کو ہیچ سمجھ کر درجاتِ آخرت وسعادتِ ابدی کا خواہاں ہو۔ اور یہ اس کو اس قدر مرغوب ومحبوب ہوجائے کہ اس کے لیے مجاہدہ وریاضت اختیار کرے۔ اور اپنی زندگی کو اسی کی طلب میں وقف کردے تاکہ قیامت کے دن مراد حاصل ہو۔ یہ ارادت زہاد وعبّاد کا حق ہے۔ اس کا نام رغبت ورُہبت ہے۔ قرآن مجید نے خبر دی ہے کہ مِنْكُمْ مَنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ (تم میں سے جو دنیا کی نعمتیں چاہتے ہیں اور تم میں سے جو لوگ عقبٰی کے طالب ہیں)۔ سبحان اللہ ارادتِ آخرت کا کیا کہنا وہ کہیں افضل وبہتر ہے۔ دنیا کی ارادت کو اس سے کیا نسبت، آخرت باقی، دنیائے دنی فانی۔ ان دونوں طلب سے نتیجہ یہ نکلا کہ طامعانِ ناعاقبت اندیش مریدانِ دُنیا ہیں۔ اور متقیانِ خیر طلب مریدانِ عقبٰی ہیں۔

(۳) ارادتِ حق۔ جب دیدۂ بصیرت کھل جاتا ہے اور نظر دُوربین ہوجاتی ہے تو صاف نظر آتا ہے کہ جتنی چیزیں کُنْ کی تحت میں ہیں مخلوق وفانی وذلیل ہیں اور ذلیل ومخلوق کا اتنی سرزنش کے بعد حاصل کرنا سوائے ذلّت کے اور کیا نتیجہ نکل سکتا ہے۔ حکم کُنْ (یعنی ہوجا) (ہوجا) کے

شیونات کو کیا دیکھتے ہو مُکَوِّنِ کَوْن (جہان کے بنانے والے) اللہ تعالیٰ کی عزت کو دیکھو اور عزت کی ارادت کا جو آسمان ہے وہاں پہنچو، تاکہ دونوں جہان میں عزت پیدا ہو۔ قرآن قدیم کیا کہہ رہا ہے بغور سنو۔ مَنْ کَانَ یُرِیْدُ الْعِزَّۃَ فَلِلّٰہِ الْعِزَّۃُ جَمِیْعًا۔ (جو شخص اپنی عزت چاہتا ہے، تو ساری عزتیں خدا ہی کے لیے ہیں)۔ آمدم بر سر مطلب جو شخص مرید حق ہے وہ دنیا کو ترک کر دیتا ہے۔ اور آخرت پر قناعت نہیں کرتا۔ بلکہ سوائے مراد و مقصود کے جو کچھ اس کے آگے آتا ہے سب کو زنار و بُت اپنی راہ کا سمجھتا ہے۔ جیسا کہ ایک بزرگ سے سوال کیا گیا کہ مَا الطَّاغُوْتُ فَقَالَ مَا شَغَلَکَ عَنِ الْحَقِّ فَھُوَ طَاغُوْتُکَ (یعنی جو چیز تم کو حق کی طرف سے روکے، اور اپنی طرف متوجہ کرے وہی اس راہ میں بت ہے)۔ مرید کو چاہیئے کہ کمر ہمت جان جی دھو کر باندھے۔ اور مردانہ وار دین کی راہ میں قدم رکھے۔ اور کسی پیرِ مشفق کی اقتدا کرے تاکہ وہ پیر سلوکِ راہِ طریقت میں اس کی مدد کرتا رہے۔ اور اس کو منزل کی آفت سے خبر دیتا رہے، اس میں خوبی یہ ہے کہ مرید کی منزل کہیں پر کھوٹی نہیں ہوتی ہے۔ اور قصور و فتور میں مرید نہیں پڑتا ہے۔ سچ پوچھو تو مرید کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی مہم نہیں ہے کہ پیرِ مشفق کو یہ ڈھونڈھ کر نکالے۔ بغیر پیر کے کام نہیں چلتا۔ دیکھو کھیت میں جو خبر گیری اور محنت سے دانہ ہوتا ہے اور خدمت و نگرانی سے درخت پھل دیتا ہے وہ بات خود رُو پودے میں نہیں ہوتی اول تو خود رُو درخت اکثر پھل نہیں دیتے۔ اور اگر دیتے بھی ہیں تو ویسے مغز دار و مزیدار نہیں ہوتے۔ اسی طرح جو مرید حق کا طالب ہے اور بے پیرا ہے اُس کے کل احوالِ قلبی اور کل معاملات دینی سب کے سب طبعی اور رسم و عادت کے درجہ میں ہیں بلاغت اور نضج اور ترقی کی امید اُن سے فضول ہے۔ ظاہر ظاہر یہ بات ہے کہ مرید شروع شروع صلاح و فساد کو اپنے کیا سمجھ سکتا ہے۔ اس کی حالت ایک بیمار سے مشابہ ہے۔ اگر بیمار نے اپنے علاج سے استغنا کیا تو سمجھ لو کہ گیا گزرا۔ بیمار کو لازم ہے کہ ایک لائق طبیب کی طرف رجوع کرے، تاکہ طبیب اس کا علاج کرے۔ ہم تو ایسا سمجھتے ہیں کہ جس طرح امت کے لیے پیغمبر کی ضرورت ہے اور طفلِ شیر خوار

کے لیے دایہ و تعلیم کی حاجت ہے اور بیمار کے لیے طبیب، پیاسے کے لیے پانی بھوکے کے لیے روٹی، مرید کے لیے پیرِ مشفق کی ضرورت ہوتی ہے۔ مگر وہ پیر واصل ہو۔ سلوک کی باریکی و تاریکی منزل سے واقف ہو تاکہ مرید کو صلاح و فسادِ راہ سے آگاہ کر سکے۔ اور جیسی بیماری ہو، ویسی دوا دے سکے اور بہتر علاج کر سکے، اس راہ میں مرید کا خود سے چلنا ایسا لغو فعل ہے جس کی کوئی حد نہیں۔ بے دیکھے راہ چلنا اپنے کو ہلاک کرنا ہے۔ بزرگوں نے اس غلط فہمی کو یوں دفع کیا ہے اور کہا ہے کہ صرف تصوّف وغیرہ کی کتاب دیکھ کر منزل طے نہیں ہو سکتی ہے۔ ایسا قاعدہ نہیں رہا ہے۔ یہ خیال ایسا ہے جیسے مردہ شخص سے کوئی آدمی تعلیم و تربیت چاہے۔ اس کا حاصل یہی ہوگا کہ دل اور مردہ ہو جائے گا۔ نظمِ عالم یوں ہے کہ متعلمان علمار کی اقتدا کریں، امتیان پیغمبروں کی متابعت کریں، مریدان پیرانِ صادق کے ساتھ وابستہ ہو جائیں، تاکہ نجات کی صورت نکلے۔ بزرگوں کا مقولہ ہے کہ طریقت میں جو شخص اپنی رائے پر قناعت کرے گا اور تنہائی کو صحبت پر ترجیح دے گا تو وہ ایک بت پرست اور مغرور ہے۔ چاہے کہ وہ دولت مند ہو یا فیروز بخت ہو، ناممکن ہے۔ مسئلہ، اس میں شک نہیں کہ پیر کی اشد ضرورت ہے اور ہزاروں فائدے اس کی بدولت ہوتے ہیں، مگر یہ ممکن نہیں کہ جو شخص ازلی سرکش اور مَردید ہے اُس کو پیر مُرید صادق بنا دے۔ جیسا کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسَّلام مہجورانِ ازلی کو مومن مخلص نہ بنا سکے۔ ہاں حق تعالےٰ نے اسلام کی دولت جس کے نصیب میں رکھی تھی وہ دولت دعوت کی متابعت میں ظاہر ہوئی۔ اسی طرح اگر تصوف اور پیرِ طریقت کی نعمت مرید کی تقدیر میں ہے تو پیر کی صحبت اور خدمت سے مل جائے گی۔ سنتِ الٰہی اسی طور پر جاری ہے۔ اب تو ارادت اور ارادت کی حقیقت تم خوب سمجھ گئے ہو گے۔ اس کے بعد یہ بھی سن لو کہ صادقوں کی ارادت مخلصوں کی نیت ہم تم نہیں لا سکتے۔ اور یہ کام ہمارا تمھارا نہیں ہے ہے۔ سچ پوچھو تو ہم سے تم سے زنار داری اور بت پرستی کا حق بھی ادا نہیں ہو سکتا۔ ہم کو تم کو کلیسا بت خانہ میں جگہ نہیں مل سکتی۔ اور کوئی بُت یا بُت کدہ ہم کو تم کو قبول نہیں کر سکتا جھوٹ جھوٹ اپنے کو یکتائے روزگار سچا مسلمان، مومن، نیکوکار نہ کہیں تو کیا کریں۔ مخلصین اور

صادقین میں شمار نہ ہوں نہ سہی ۔ مدعی اور کاذبوں میں تو گنتی ہوگی ۔ شعر

گردستہ گل نیاید از ما ہم ہیزم دیگ را بشائیم

(اگر ہم پھولوں کا گل دستہ بننے کے لائق نہیں تو چولھے کا ایندھن تو بن سکتے ہیں)۔

بزرگوں کا قول ہے کہ واللہ باللہ اس درگاہ میں جھوٹ جھوٹ بھی پڑا رہنا، اس سے اچھا ہے کہ دوسری درگاہ میں سچائی کے ساتھ سر رگڑا کریں ۔ کم سے کم دوسری بارگاہوں میں یہ بیم لگی ہوئی ہے کہ اگر کامیابی نہ ہوئی تو سراسر ذلت ہے ۔ اور یہ دربار تو ایسا ہے کہ بہرحال حاضری سرفرازی ہے ۔ یہاں کی ذلت عین عزت ہے ۔ دوسرے یہ کہ بات اگرچہ شاذ و نادر ہے ۔ مگر کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ آدمی خاص دھن میں جارہا ہے ۔ ناگاہ ارادت حق محرک ہوگئی ۔ اور کمندِ طلب گردن میں ڈال دی گئی ۔ بے سمجھے بوجھے اور بے بلائے آدمی اُدھر کھنچ جاتا ہے ۔ خلاصہ یہ کہ دو ہی صورتیں ہیں ۔ ہاں، یا نہیں، اگر خدانخواستہ طلبی نہ ہوئی تو امیدوار رہو ۔ اور اگر طلبی ہوگئی تو ڈر کی کوئی بات نہیں ۔ دیکھو تو سہی غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے اور تقدیر کیا دکھاتی ہے ۔ والسّلام

آٹھواں مکتوب

ولی کے بیان میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اے عزیز بھائی قاضی صدر الدین، اللہ تم کو اپنے دوستوں کی محبت روزی کرے ۔ تمھیں معلوم ہو کہ ولی فعیل کے وزن پر مبالغہ کا صیغہ ہے ۔ فاعل اس کا وہ ہستی ہوگی جس سے ہمیشہ طاعتیں وجود میں آئیں، اور گناہ سرزد نہ ہو ۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے فعیل مفعول کے معنی میں ہو ۔ ایسی صورت میں ولی وہ ہوگا جو خداوند عزوجل کے افضال و احسان کا ہر وقت و ہمہ دم مورد بنا رہے ۔ یعنی ولی بہرحال جملہ دینی صعوبتوں اور گناہ سے محفوظ رہتا ہے ۔ کیونکہ گناہ کا ارتکاب سخت ترین معصیت ہے ۔ ولی کو حق تعالیٰ ہر طرح کی ذلت و معصیت سے بچائے رکھتا ہے جس

طرح پیغمبر کی یہ شان ہے کہ معصوم ہو اسی طرح ولی وہ ہو سکتا ہے جو محفوظ ہو۔ یہ بھی سمجھ لو کہ معصوم اور محفوظ میں کیا فرق ہے۔ معصوم اُسے کہتے ہیں جس سے کبھی کسی قسم کا گناہ سرزد نہ ہوا ہو۔ اور محفوظ اُسے کہتے ہیں کہ شاذو نادر کبھی اُس سے گناہ ہو جائے، مگر اس گناہ پر اس کو اصرار نہ ہو۔ اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ (یقیناً درگزر کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے اُن لوگوں کے لیے جو اپنی جہالت اور نادانی کے سبب گناہ کرتے ہیں پھر فوراً ہی مغفرت مانگتے ہیں)۔ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ جتنے صفاتِ حمیدہ اور پسندیدہ خصلتیں بیان کی جا سکتی ہیں وہ اولیاء اللہ میں ہونی چاہئیں يُقَالُ الْوَلِيُّ مَنْ فِيْهِ هٰذِهِ الْخَصْلَةِ (ولی وہ ہے جس میں یہ خصلتیں ہوں)۔ تو معلوم ہوا کہ ولی وہی شخص ہوگا جس میں صفاتِ حمیدہ و خصلتِ پسندیدہ پائی جائیں۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ ولی وہ شخص ہے کہ جس سے اللہ تعالیٰ کی بندگی میں سُستی نہ ہو۔ اور خلق کی خدمت میں دیر نہ لگائے۔ اور نہ اس سے ہچکے۔ اس کی اطاعت دوزخ کے ڈر سے یا آخرت میں بہشت کی امید و طمع سے نہ ہو۔ اُس کی نگاہ اپنی بڑائی پر نہ پڑے اور نہ اپنے اعمال کی کچھ وقعت یا قدر و قیمت اُس کی نظر میں ہو۔ کیا خوب کسی نے کہا ہے۔ رباعی:-

آنانکہ رہِ عالمِ توحید بدیدند بیہوش سوے عالمِ توحید دویدند
در نفی چو دیدند ہمہ معنیِ اثبات اثبات بماندند ہمہ نفی گزیدند

(جن لوگوں نے توحید کے جہان کا راستہ دیکھا، حواس باختہ ہو کر توحید کی طرف دوڑے اثبات کے معنی جب نفی میں اُن کو نظر آئے اثبات چھوڑ کر کلّی نفی قبول کر لی)۔

مشائخ رضوان اللہ علیہم کے اس بارے میں اشارۃً اقوال ہیں۔ خواجہ عثمان مغربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اَلْوَلِيُّ قَدْ يَكُوْنُ مَشْهُوْرًا وَلَا يَكُوْنُ مَفْتُوْنًا۔ ولی مشہور ہوتا ہے مفتون نہیں ہوتا۔ اور ایک دوسرے بزرگ کا قول ہے۔ اَلْوَلِيُّ قَدْ يَكُوْنُ مَسْتُوْرًا وَلَا يَكُوْنُ مَشْهُوْرًا۔ ولی مستور ہوتا ہے مشہور نہیں ہوتا۔ یعنی اپنی شہرت سے گریز کرتا ہے۔ اس کے یہ معنی ہوئے کہ جس شہرت میں فتنہ ہو اُس سے محفوظ ہو۔ اور عثمان مغربی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی معنی کو ملحوظ رکھ کر

فرمایا ہے کہ اس کی شہرت بغیر فتنہ کے ہو ۔ کیونکہ فتنہ کے اندر کذب بھی شامل ہے اور ولی اپنی ولایت میں صادق ہوتا ہے ۔ اس دور میں فتنہ خود دُور رہتا ہے ۔ نقل ہے کہ حضرت ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرید سے پوچھا تم چاہتے ہو کہ اللہ کے ولی ہو جاؤ ۔ مرید نے عرض کی ہاں آپ نے فرمایا لَا تَرْغَبْ فِیْ شَیْءٍ مِّنَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَفَرِّغْ نَفْسَكَ لِلّٰہِ وَاَقْبِلْ بِوَجْهِكَ عَلَیْهِ ۔ دنیا اور عقبیٰ کی طرف رغبت نہ کرو ۔ اور خداوند تعالیٰ کی دوستی کے لیے اپنے نفس کو جملہ علائق سے فارغ کرو ۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جاؤ ۔ جس وقت یہ اوصاف تم میں موجود ہو گئے ۔ تم ولی ہو گئے ۔ قطعہ

بگذار تو خویش را و آن گاہ ۔۔۔ در عالم ما بما سفر کن
بر بند تو چشم را ز دیدن ۔۔۔ در حضرت ما بما نظر کن
پس جان عزیز خویشتن را ۔۔۔ اے خواجہ بدٔ زما خبر کن
وز عالم خویش ہر چہ بودت ۔۔۔ زین پیش برو و آن بدر کن

(اپنی خودی چھوڑ دے اس کے بعد ہمارے ساتھ ہمارے عالم کا سفر کر، کسی چیز کے دیکھنے سے آنکھیں بند کرے، ہماری بارگاہ میں ہمیں کو دیکھتا رہ ۔ پھر اپنی پیاری جاں قربان کر کے ہم کو خبر کر ۔ اور جو کچھ تیرا اپنا جمع کیا کرایا تھا اس سے پہلے ہی سب کچھ پھینک دے) ۔

یہ جو میں نے کہا اس کو تم سمجھے یا نہیں ۔ سنو، خداوند تعالےٰ نے ولیوں کو اپنی دوستی اور ولایت کے لیے منتخب کر لیا ہے ۔ اور وہی ولی اللہ تعالےٰ کے ملک کے والی ہیں ۔ اور مقبول بندے ہیں ۔ اللہ تعالےٰ اپنے افعال کا اظہار اس عالم میں اُنھیں کے ذریعے اور واسطے سے کرتا ہے ۔ اور اُنھیں طرح طرح کی کرامتوں کے ساتھ مخصوص کر لیتا ہے ۔ اور طبعی بلا و آفت سے انھیں پاک کر کے نفس کی اتباع سے آزاد کر دیتا ہے ۔ ان کی ہمت کا تقاضا سوائے ایک مقصود کے دوسرا نہیں ۔ ان کا انس اس کی ذات کے سوائے دوسرے کے ساتھ نہیں ۔

ولی آج سے پہلے بھی تھے اور اب بھی ہیں ۔ اور قیامت تک رہیں گے ۔ اس مسئلہ میں

دو گروہ کو اختلاف ہے۔ ایک معتزلہ کو کہ وہ ایک مومن پر دوسرے مومن کی تفضیلت اور تخصیص سے انکار کرتے ہیں۔ اور دوسرے حشوی کو یہ اگرچہ ایک مومن کی دوسرے مومن پر تخصیص جائز رکھتے ہیں، مگر یہ کہتے ہیں کہ ایسے لوگ پہلے تھے اب نہیں ہیں، اور نہ ہوں گے۔ ماضی سے اقرار مستقبل سے انکار۔ اس کا کوئی حاصل نہ ہوا۔ کیونکہ مستقبل کا انکار عین ماضی کا انکار ہے۔ آیندہ کا انکار اس گزشتہ کے اقرار کو بھی بیکار کر دیتا ہے۔

اب سنو، خداوند تعالےٰ نے بارگاہِ نبوت کے دلائل کو آج بھی باقی رکھا ہے۔ اور ان دلائل کے اظہار کے لیے اولیا ہی کی ذاتِ بابرکات کو سبب ٹھہرایا ہے۔ اور ان کو اس عالم کا حکمران بنایا ہے۔ آسمان سے بارش انھیں کے قدم کی برکت سے ہوتی ہے۔ انھیں کے احوالِ پاکیزہ کا فیض ہے کہ نباتات زمین سے اگتے ہیں۔ کفار پر فتح و نصرت مسلمانوں کو انھیں کی بدولت ہوتی ہے۔ اس معنی کو کسی نے کیا خوب کہا ہے۔ مثنوی

قدم در نہ درین رہ ہیچو مردان — کہ خدمتگار تست این چرخ گردان

ازان کانے کہ جانہا جوہرِ اوست — فلک از دیر گہ خاکِ درِ اوست

خموشانند در رہ سر نہادہ — زبان ببریدہ و در رہ فتادہ

تو نوشش خفتہ والیشان در رہِ اُو — ہمی بوسند خاکِ درگہِ او

رقصان شولے قُراصنہ کہ اصل اصل کانی — جویاے ہر چہ ہستی می دان کہ عین آنی

(اس راستے میں بہادروں کی طرح قدم رکھ۔ کیونکہ آسمان تیری خدمت کیلیے تیار ہے۔ وہ کان کہ جس سے جان کے ایسے جواہرات نکلتے ہیں بہت دنوں سے آسمان اس کے دروازے کی خاک ہے۔ زمین پر سر رکھ کر چپ ہیں۔ زبان کاٹ لی ہے۔ تو میٹھی نیند میں ہے۔ اور وہ لوگ اس راستہ کی خاک چوم رہے ہیں۔ اے جواہرات کے ٹکڑے، مارے خوشی کے ناچو کہ اصل کھان کی تم پیداوار ہو۔ جس چیز کو تم ڈھونڈ رہے ہو یقین جانو کہ وہ بالکل تمھیں ہو)۔

سنو، ان ولیوں میں سے چار ہزار ولی ایسے مستور و پوشیدہ ہیں کہ آپس میں ایکدوسرے کی

قدر و منزلت کو نہیں جانتے پہچانتے۔ بلکہ اپنے احوال و جمال کی بھی خبر نہیں رکھتے۔ ان کے کل احوال اپنے اور خلق کی نگاہ سے پوشیدہ ہیں۔ احادیث میں بھی ہے۔ اور بزرگانِ دین نے بھی ایسے لوگوں کا ذکر کیا ہے۔ ان کے علاوہ تین سو ولی اہلِ خدمت ہیں جو اس عالم میں صاحبِ حل وعقد ہیں۔ ان کا لقب اخیار ہے اور چالیس وہ ہیں جن کو ابدال کہتے ہیں۔ ان کے علاوہ چار وہ ہیں جن کو اوتاد کہتے ہیں۔ اور تین وہ ہیں جن کو نقبا کہتے ہیں۔ اور دو وہ ہیں جن کو نجیب کہتے ہیں۔ ان سب کے علاوہ ایک ذات وہ ہے جن کو قطب یا غوث کا لقب ہے۔ یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کو جانتے پہچانتے ہیں۔ اور دنیا کے کاروبار میں ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔ احادیث میں ان کا ذکر ہے۔ اور اجماع اہلِ سنّت اس پر ہے۔ یہاں پر ایک شبہ ہوتا ہے۔ اور یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب آپس میں ایک دوسرے کو جانتے پہچانتے ہیں۔ اور ایک کی ولایت دوسرے پر تمام ہے تو اپنی عاقبت کی فکر سے مطمئن اور بے غم بھی ہوں گے۔ اور عقبیٰ سے مطمئن ہو جانا تو درست نہیں۔ جواب یہ ہے کہ ولایت کا علم ہونا اطمینان و بے فکری کا مقتضی نہیں۔ کیونکہ مومن کو اپنے ایمان کا علم و یقین ہے۔ پھر بھی عقبیٰ سے بے فکر نہیں۔ اسی طرح پر سمجھو کہ ولی کو اپنی ولایت کی اطلاع ہے۔ مگر عاقبت سے امین نہیں ہے۔ لیکن یہ ہوسکتا ہے کہ حق تعالےٰ نے درستی احوال و حفظِ گناہ کی وجہ سے بطور کرامت اس کو حسنِ خاتمت و عاقبت سے آگاہ کر دیا ہو۔ جیسا کہ عشرۂ مبشرہ رضوان اللہ علیہم کو اطلاع تھی۔ اور یہ علم ان کو کچھ نقصان دِہ نہ تھا۔ یعنی ان دسوں اصحاب کے بارے میں جب پیغمبر صلّی اللہ علیہ وسلم نے شہادت دی کہ یہ بہشتی ہیں، تو اس گواہی نے انھیں خوفِ خاتمہ سے مطمئن کر دیا۔ باوجود اس کے یہ سب ولی تھے۔ خوفِ خاتمت سے امین ہونا ان کا، ان کے دین کو نقصان رساں نہ ہوا۔ اور اگر کوئی یہ شبہ کرے کہ عشرہ مبشرہ رضوان اللہ علیہم کو نجات کا علم تو صاحبِ شرع علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد سے ہوا تھا۔ اور آں حضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی کے پیغام معلوم ہوتا تھا۔ اب وہ سلسلہ منقطع ہو چکا۔ دوسروں کو بلا وحی کس طرح معلوم ہوسکتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ

خداوند تعالیٰ نے ولیوں کے دل میں وہ لطافت دی ہے جس کی قوت سے وہ جانتے ہیں اور یہ بات ولیوں کے سوا دوسروں کو نہیں ہو سکتی۔ اعدا کا کیا ذکر ہے۔ ان کو کہاں میسّر۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ولی کو ان کے اسرار کی وجہ خوفِ عاقبت سے ان کو اللہ تعالیٰ مطمئن کر دے کیونکہ لطافتِ سر کی وجہ سے ان کو اس کی تمیز حاصل ہے کہ فلاں بات بطورِ کرامت یا عطا کے عنایت ہوئی ہے اور بالکل حق ہے۔ از قسم فریب یا مکر یا استدراج نہیں ہے۔ مکر و استدراج کے پھندے میں تو وہ پڑ سکتا ہے جس نے کرامت ہی کو اصل کار سمجھ لیا ہو۔ اور اپنے کو صاحبِ کرامت جانتا ہو۔ مگر صاحب ولایت کی تو یہ شان ہے جو کرامت کی طرف نگاہ بھی نہ کرے۔ اور نہ اپنے کو کبھی اہلِ کرامت سمجھے۔ جس کو اللہ تعالےٰ نے صاحبِ ولایت بنایا وہ کرامت کو کوئی چیز نہیں سمجھتا۔ اور نہ اپنے کو صاحب کرامت جانتا ہے۔ ہزار خرقِ عادت ہوا کرے۔ ولی ہونا اور کرامت پر نظر کرنا ضدین ہیں۔ ولی ہوگا تو کرامت پر نظر نہ ہوگی۔ کرامت پر نظر ہوگی تو ولی باقی نہ رہے گا۔ بزرگوں نے کرامت کو اس حقیر نگاہ سے دیکھا ہے۔ جیسا کہ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ دنیا میں بت بکثرت ہیں۔ ان میں سے ایک کرامت بھی ہے۔ کفار جب تک بت کی پرستش کرتے رہیں گے دشمن خدا بنے رہیں گے۔ اولیاء اللہ بھی جب تک کرامت سے منھ نہ پھیریں گے ولی نہیں ہو سکتے۔ عارفوں کے لیے کرامت ہی بت ہے۔ عارف اگر کرامت کے ساتھ قرار پکڑ لے تو جمالِ خداوندی سے محجوب اور درجہ سے معزول رہے گا۔ ہاں جب کرامت سے اُس نے اعراض کیا تو بیشک مقرب و موصولِ بارگاہِ خداوندی ہوا ؎

زاہدان را جنت و فردوس باید بزم گاہ — عاشقان را لذت اندر قعرِ زندان ہست بس
لطفِ این را عام و خاص و نیک و بد یابندہ اند — قہر او را پیش رفتن کارِ مردان ہست بس

(زاہدوں کی منزل جنت الفردوس ہے۔ اور عاشقوں کو سوائے قید خانہ کے گڈھے کے کہیں لذت نہیں ملتی۔ اس کی مہربانی خاص و عام اور نیک و بد سب پاتے ہیں۔ اس کے قہر کا مقابلہ کرنا جوانمردوں ہی کا کام ہے)۔

اسی مقام کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اگر ولی کو کرامت وغیرہ کی قسم کی چیزیں عنایت کیں تو اس کے دل میں خشوع وخضوع پہلے سے کہیں زیادہ ہوتا ہے اور عجز وانکسار بھی ترقی پذیر ہوتا ہے، اور خوف وہراس بھی بے حد وحساب پایا جاتا ہے۔ سلطان العارفین ابو یزید بسطامی قدس اللہ روحہٗ ایک سفر میں دریا کے کنارے پہنچے۔ گھاٹ پر کشتی نہ تھی۔ یہ دیکھ کر دل میں خیال ہوا کہ بغیر کشتی کے کس طرح اس پار جاؤں۔ فوراً پانی دو حصہ ہو گیا۔ اور راہ نمودار ہوگئی۔ آپ چیخنے لگے اَلْمَکْرُ اَلْمَکْرُ۔ اور واپس چلے آئے۔ سبحان اللہ کرامت سے کیا بیزاری تھی۔ سنو، اس میں ایک رمز ہے۔ وہ یہ کہ ولایت اُسی وقت صحیح ودرست ہو گی جب دوست جانی اور حبیب قلبی کے سوا سب سے اعراض اور سب کا ترک ہو گا۔ کیونکہ ترک اور اخذ ایک دوسرے کا ضد ہے۔ اور اقبال واعراض ایک دوسرے کا مخالف۔ جس نے کرامت کو ایک چیز سمجھ کر قبول کیا اور اس طرف مشغول ہوا مُکرم (اللہ تعالیٰ) سے رُوگردانی کی۔ اور مقصود کے سوا دوسری طرف رُخ کیا۔ لَاوِلَایَۃَ مَعَ الْاِعْرَاضِ۔ رُوگردانی کرنے والے کو ہرگز درجۂ ولایت نہیں مل سکتا۔ اے میرے عزیز بھائی، غالباً ہم نے جو کچھ کہا۔ تم نے گوش دل سے سنا ہو گا۔ ممکن ہے صحت وحقیقتِ معاملات پر نظر کر کے کچھ تشویش پیدا ہو گئی ہو۔ اور تم سوچتے ہو کہ ہائے کیا ہو گا۔ نہیں نہیں، ہرگز نہیں۔ اس بارگاہ میں تو ببتدی کی مطلق گنجایش نہیں۔ ہنوز آں ابرِ رحمت درفشان است۔ کیا تمھاری نظر اس آیۂ کریمہ پر نہیں ہے۔ اِدھر دیکھو، ساری بگڑی تمھاری بن گئی۔ کل برائیاں تمھاری نیکی ہو گئیں۔ سبحانہ اللہ حکم ہوتا ہے۔ قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِہِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَۃِ اللّٰہِ۔ (کہو، اے ہمارے وہ بندے جنھوں نے اپنے نفس پر اسراف کیا اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہوں)۔ ذرا دیکھو ہمارے رسول مقبول حبیب کریم صلّی اللہ علیہ وسلم سے بہ شانِ دل رُبائی کیا کہا جا رہا ہے؟ یہ ارشاد ہوتا ہے کہ آپ ہماری صرف اس عنایت پر محو ہو رہے ہیں کہ ہم نے اس شان کی نبوت اور اس مرتبے کی رسالت آپ کو عطا کی ہے۔ ابھی صرف یہی نہیں ہے۔ آپؐ تو آپؐ ہی ہیں۔ آپ کے

غلاموں کو یعنی ہم نے خاک سے پاک کر دیا ہے۔ اور آپ کے کرم سے دھو دیا ہے۔ بھیجئے اس وحی مبارک کے منہ سے لے کر ذرا ہمارے راز دنیاز سے ان آلودگانِ معاصی کو بھی آگاہ کر دیجئے تاکہ دل میں ان کی قوت ایمان باقی رہے۔ اور شرمساری گناہ ہمارے در سے اُن کو بھگا کر نہ لے جائے۔ بلکہ امیدواری کی ڈوری کو یہ خوب مضبوطی سے پکڑے رہیں۔ بیشک ہم ان کے سب قصور معاف کرنے کو تیار ہیں۔ اگر آپ اپنی زبانِ معجز بیان سے یہ فرما دیں کہ اے اللہ تو ان کو بخش دے یعنی فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ (پس ان کو معاف فرما اور ان کی توبہ قبول کر) کیونکہ ہزار سب کچھ سہی، مگر جب تک آپ چاہیں گے کہ ان کا قصور معاف ہو جائے جب تک آپ کی خواہش نہ ہو گی کہ یہ بخش دیے جائیں اس وقت تک ہم کہاں کچھ کرنے والے ہیں۔ جہاں آپ کی توجہ ان کی جانب ہو گئی پھر دیکھیے ہم کیا سے کیا کرتے ہیں۔ ہمارے دریائے رحمت کی موجیں ان کے گناہ کی آلودگی اور منہیات کی پلیدی کو کس کس طرح دھو دیتی ہیں۔ اور طہارتِ دل وصفائی نظر ان کو حاصل ہوتی ہے کہ ہمارا جمالِ باکمال یہ دیکھیں گے۔ اور ذرا ان کی نظر نہ جھپکے گی۔ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا۔ (بیشک اللہ سب گناہوں کو معاف کر دیتا ہے)۔ کی یہ شان ہے۔ اور مغفرت اس کا نام ہے۔ کسی سوختہ جان نے کیا اب کہا ہے۔ رباعی

گر تو بکمندِ عشق در بند شوی   در در گذری زعشق خورسند شوی

پاکیزہ شود وجودت از لوثِ گناہ   تا قابلِ اسرار خداوند شوی

(اگر تو عشق کے جال میں پھنس جائے اور حرص وطمع سے الگ ہو جائے تو خوش رہے گا۔ تیری ذات گناہ کی آلائشوں سے پاک وصاف ہو جائے گی، یہاں تک کہ تو اسرار خداوندی سمجھنے کے قابل ہو جائے گا)۔

سبحان اللہ! یہ فقرہ بھی داؤد علیہ السلام کی زبور میں آیا ہے۔ يَا دَاوُدُ اَنْذِرِ الصِّدِّيْقِيْنَ فَاِنِّيْ غَيُوْرٌ وَبَشِّرِ الْمُذْنِبِيْنَ فَاِنِّيْ غَفُوْرٌ۔ (اے داؤد صدیقوں کو تنبیہ کر دو کہ ہم بڑی غیرت والے ہیں۔ اور گنہگاروں کو خوش خبری سنا دو کہ ہم گناہ بخشنے والے ہیں)۔ وہ نومیدی کی تمام آبادیوں کو جلا کر خاک سیاہ کرتا ہے۔ اور یاس وقنوط کے درخت کو ساحتِ وجود سے

اُکھاڑ پھینکتا ہے۔ واہ وا! لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللهِ (اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو) کا راز اس سے کیا خوب منکشف ہوتا ہے۔ والسّلام۔

نواں مکتوب

ولایت کے بیان میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اے بھائی صدر الدین اللہ تم کو اپنی دوستی کا شرف بخشے۔ تمھیں معلوم ہو کہ ولایت عام ایمان کو کہتے ہیں۔ جو شخص ایمان لایا وہ اولیاء اللہ سے ہوا۔ لیکن یہ ولایت عام ہے۔ ممکن ہے کہ اوامر کو ترک کرے اور نواہی کا مرتکب ہو۔ دوسرا درجہ وہ ہے کہ اوامر بجالائے اور نواہی سے پرہیز کرے۔ ایسا شخص بھی خدا کے ولیوں میں تو ضرور ہے۔ مگر اس عام ولی مومن کے اعتبار سے اس کو خصوصیت ہے۔ تیسرا درجہ خاص الخاص کا ہے۔ یعنی ولی مومن اوامر کی تعمیل کرے، نواہی سے دُور رہے۔ اس کے علاوہ اپنی جملہ مراد سے منھ پھیر لے۔ اس کی نگاہ اس پر نہ ہو کہ ہم کیا کریں۔ بلکہ وہ اس تاک میں رہے کہ دوست کیا چاہتا ہے۔ دوست کی مراد کو سب بات پر مقدم رکھے۔ اپنی خواہش بھی کوئی خواہش ہے۔ اپنی مراد بھی کوئی مراد ہے۔ یہ تو سراسر شرک ہے۔ کیونکہ ہوا و حرص کی متابعت کفر کی جڑ ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں اسی معنی کی طرف اشارہ ہے اَفَرَأَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوَاهُ۔ (کیا تم نے دیکھا، جنھوں نے اپنی خواہش کو خدا بنا رکھا ہے)۔

اب یہاں پر ذرا تم شرک کو بھی سمجھ لو، تاکہ غلطی میں نہ پڑ جاؤ۔ سُن لو! اس گروہ (مشائخ کرام) کے نزدیک شرک کی دو قسمیں ہیں۔ ایک شرک جلی۔ اس کی تعریف یہ ہے کہ سوا خدا کے کوئی دوسرا معبود سمجھا جائے۔ خدا بچائے، یہ شرک اصلِ ایمان ہی کا دشمن ہے۔ نَعُوْذُ بِاللهِ مِنْهَا (اس سے اللہ کی پناہ)۔ دوسرا شرکِ خفی وہ ہے کہ اپنی حاجت کے وقت اپنے دل میں سوا خداوند تعالےٰ کے کسی دوسرے کو اپنی حاجات کا مکتفی سمجھنا۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ خداوند تعالےٰ کے سوا دوسرے

کے وجود پر نظر کرنا بھی عارفوں کے نزدیک شرک ہے۔ اور بعضے کہتے ہیں کہ اپنے احوال کو اپنی طرف نسبت کرنا اور اپنے کام میں حیلہ اور تدبیر اختیار کرنا بھی شرکِ خفی ہے۔ یہ شرک کمالِ توحید کا منافی تو ضرور ہے۔ مگر اصلِ توحید کا منافی نہیں۔ رباعی۔

در قلزمِ وحدتِ تو چون افتادم — از ہیچ کسے ہمی نیاید یادم

از آدمی و فرشتہ ہا در وحدت — من بندہ نظر چو می کنم آزادم

(تیری توحید کے دریا میں جب میں اُترا تو سب کو بھُول گیا۔ وحدت کے مقام میں فرشتے اور آدمی پر نظر کرنے سے میں آزاد ہوں)۔

سنو، ایک معروف و مشہور بات ہے کہ سرداروں کے یہاں بہت قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ کچھ لوگ خاص ہیں کچھ عام۔ ایک گروہ کے متعلق حکم رقم کا جاری کرنا ہوتا ہے۔ اس سے زیادہ نہیں۔ ایک گروہ ان سے اور خاص مرتبہ پر ہوتے ہیں، جو زیادہ اختیارات رکھتے ہیں۔ مگر دائرہ اس کا محدود ہوتا ہے۔ ایک گروہ خواص کے درجہ میں ہیں۔ ایک گروہ اس سے بھی زیادہ خاص ہیں جو ندیم ہیں۔ اور ایک گروہ ان سے بھی خاص مرتبہ پر فائز ہیں جن سے راز و نیاز کی باتیں ہوتی ہیں۔ ایک گروہ ان سے بھی خاص ہوتے ہیں۔ جو ایسے دوست ہیں کہ ایک مغز دو پوست کا درجہ ہے اپنے سردار دوست کے مِلک و مُلک میں اس طرح تصرف کرتے ہیں جیسا کہ وہ خود اپنی مِلک میں تصرف کرتا ہے۔ دوست کی مِلک کو بالکل اپنی مِلک جان کر اس میں تصرف کرتے ہیں۔ یہ بات اسی وقت صحیح طور پر پیدا ہوتی ہے اور ایک دوست کی املاک میں دوسرے دوست کو تصرّف کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے کہ جا و بے جا کام کرنے پر ایک دوست دوسرے دوست کو کسی قسم کا الزام نہ دے۔ چنانچہ شریعت میں بھی اس کی مثال موجود ہے۔ دیکھو باپ کی شفقت و عنایت اپنی اولاد پر بغایت ہوتی ہے۔ اور سچّی محبت ہوتی ہے۔ اس لیے اگر باپ کم سنی میں اپنے لڑکے کا عقد کر دیتا ہے تو بعد بلوغ وہ لڑکا اس عقد سے انکار نہیں کر سکتا۔ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ امر و اذن میں فرق ہے۔ عام اولیا کو امر ہوتا ہے اور خاص کو اذن دیا جاتا ہے جیسا کہ حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم حلّتِ اشیاء میں ماذون تھے۔ جس وقت ایک اعرابی نے

رمضان شریف کا روزہ افطار کر دیا تھا (تو اس کا فدیہ حسبِ لیاقت اس کے طلب کیا گیا۔ اُس نے معذوری ظاہر کی تو آپ نے خود سامان فرمادیا۔ اور فقراء کو دینا چاہا۔ اُس نے عرض کی یارسول اللہ ہم خود ہی سخت حاجت مند ہیں) آپ نے فرمایا تَأكُلُهُ وَاَطْعِمْ عَيَالَكَ (تو خود کھا اور اپنے بال بچوں کو کھلادے۔ اور پھر آپ نے فرمایا يُجْزِئُ لَكَ وَلَا يُجْزِئُ اَحَدً بَعْدَكَ۔ (تیرے لیے جائز ہے اور تیرے بعد کسی کے لیے جائز نہیں)۔ اس بات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے رفع شریعت فرمایا۔ لیکن تصحیح شریعت کے لیے عوام کو امر و نہی کی حدود میں بھی رکھا۔ تَاكُلُهُ وَاَطْعِمْ عَيَالَكَ۔ یہ حکم آپ نے کیوں دیا؟ اس لیے، تاکہ اپنی اس دوستی اور خصوصیت کو خلق اللہ پر ظاہر کر دیں۔ اور ان لوگوں کو دکھا دیں کہ ہم ان اَخواص میں ہیں کہ دوست کے مِلک و مُلک میں جو چاہتے ہیں تصرّف کرتے ہیں۔ سب کا سب ہمارا فعل جائز و درست ہی ہوتا ہے۔ خواجہ سنائی رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی میں اسی معنی کی طرف اشارہ کیا ہے (مثنوی)

دریغا جوہرت در ننگ مردہ	بزنگارِ طبیعت زنگ خوردہ
ازان بر ملکِ خولشیت نیست فرماں	کہ دیوت ہست بر جائے سلیمان
اگر حاصل کنی آن انگشتری باز	بفرمان آیدت دیو و پری باز
تو شاہی ہم در آخر ہم در اوّل	ولے در پردۂ پنداری احول
دُو می بینی یکے را دُو را صد	چہ یک چہ دو چہ صد جملہ توئی خود

(افسوس تیرا کمال بے قدر رہا۔ طبیعت کی آلائشوں سے زنگ لگ گیا۔ اس لیے اپنی مِلک پر تیرا حکم نہیں چلتا ہے۔ کیونکہ تیرا دیو حضرت سلیمانؑ کی جگہ پر قابض ہو گیا ہے۔ اگر پھر وہی انگوٹھی تجھے حاصل ہو جائے تو جن اور پری تیرے تابع ہو جائیں۔ تو بادشاہ ہے اول بھی آخر بھی۔ لیکن پردے میں تو اپنے کو احول سمجھنے لگا ہے۔" احول جو ہر چیز کو دو دیکھے"۔ تو ایک کو دُو، دو کو سُو دیکھتا ہے ایک، دو، سو کیا سب تو ہی ہے)۔

اس میں شک نہیں کہ کل نبی نبوت میں برابر ہیں۔ مگر بعض کو بعض پر فضیلت بھی ہے۔ اِسی طرح کل مومن ایمان کے حکم میں برابر ہیں۔ مگر بعض کو بعض پر فضل ہے۔ ایک جماعت عام کے درجے میں ہے

ایک گروہ مقامِ خصوصیت پر فائز ہے۔ اگر کوئی اس کا انکار کرتا ہے تو مشاہدہ کا انکار کرتا ہے۔ اس کو یوں سمجھو کہ دنیاوی بادشاہ کے یہاں بہت سے ملازم ہیں۔ اور سب ہی نمک خوار ہیں۔ ایک جاروب کش ہے، ایک فراش ہے۔ ایک دربان ہے۔ ایک حاجب ہے۔ ایک خزانچی ہے۔ ایک آبدار ہے۔ ایک شہر کا محافظ و نگراں ہے۔ ایک وزیر ہے۔ ایک ندیم ہے۔ ایک کو ایسی خصوصیت ہے اور اس مرتبہ پر فائز ہے کہ بادشاہ نے اپنی مہر تک اُس کے حوالے کر دی ہے، تاکہ اس کا حکم عین بادشاہ کا حکم اُس کی منادی عین بادشاہ کی منادی سمجھی جائے اور لوگ جان لیں کہ بیشک یہ بادشاہ کا نائب اور قائم مقام ہے۔ یہ بات جو میں نے کہی ایسی ہے کہ کسی عاقل پر پوشیدہ نہیں ہے۔ اسی طرح جتنے مؤمن ہیں اپنے اصل ایمان کے لحاظ سے برابر ہیں۔ مگر بہ اعتبار درجات و مراتب کے ایک کو ایک پر فضل ہے۔ جیسا اوپر بیان ہوا۔ ہر ایک مؤمن اپنے نیچے درجے والے سے اعلیٰ ہے اور اپنے بلند و عالی مرتبہ والے سے ادنیٰ ہے۔ یہ مقامِ ولایت اور مرتبۂ ولایت ولیوں پر اس وقت منکشف ہوتا ہے، جب مخصوص و مقبولِ بارگاہِ خداوندی ہو جاتے ہیں۔ اور اس مقامِ ولایت پر اُس وقت پہنچتے ہیں، جب ظاہر و باطن اُن کا حق کے لیے یکساں ہو جاتا ہے۔ حق کے خلاف نہ کرتے ہیں اور نہ کچھ سوچتے ہیں۔ اور اپنی خودی سے علیحدہ رہتے ہیں۔ اور مخدوم کے نظارہ میں ایسے محو رہتے ہیں کہ اپنی خدمت کو بھول جاتے ہیں۔ اگر دونوں جہان کی نعمت انھیں دی جائے تو دوست پر نثار کر دیں۔ اور لطفِ دوست کے مشاہدہ میں ایسے مشغول رہتے ہیں کہ کسی سے کچھ امید نہیں رکھتے۔ اور دوست کی ہیبت ان پر ایسی طاری رہتی ہے کہ دوسرے کا خوف و ہراس اُن کو نہیں ہوتا۔ اور دوست کے ساتھ ایسا انس رکھتے ہیں کہ سب سے متوحش رہتے ہیں۔ اور دوست کے ذکر کے ساتھ ان کو ایسی دلچسپی رہتی ہے کہ کوئی دوسرا اُن کو یاد نہیں آتا۔ بہ جمیع وجوہ ظاہر و باطن دوست کے ساتھ اُن کو ایسا استغراق رہتا ہے کہ ان کو کسی کا احساس نہیں ہوتا۔ کسی سوختہ جان نے اسی معنی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ رباعی

در عشق اگر ز وصف مسلوب شوی	اندر گذری ز خویش و محبوب شوی
وصفت عرض ست در زمان منیست شود	زنہار در دمہاں کہ محجوب شوی

(اگر تو عشق میں (اپنی) صفات سے چھوٹ جائے تو تیری خودی باقی نہ رہے اور تو خود ہی محبوب بن جائے۔ تیری صفات عارضی ہیں کسی نہ کسی وقت معدوم ہو جائیں گی۔ ہرگز ہرگز اس میں اُلجھا نہ رہ ورنہ محجوب ہو جائے گا۔

جس میں یہ بات پیدا ہو جائے کہ مراد و اختیار کو اور اپنے کل معانی اور صفات کو فنا کر دے اور دوست کی صفت و مراد کے ساتھ وابستہ ہو جائے تو جو چاہے گا پالے گا۔ یہ بات اس میں اس سبب سے پیدا نہ ہوگی کہ دوست کے سوا اس کی ارادت ہوئی۔ بلکہ یہ بات اس میں اس وجہ سے ہوگی کہ دوست نے اپنی ارادت کو اس میں ظاہر کیا۔ تو جو کچھ اس سے ظاہر ہوا وہ دوست کی ارادت ہے، کچھ اس کی ارادت نہیں۔ اگرچہ لوگ تو یہ جانیں گے کہ جو اس نے چاہا وہی ہوا۔ مگر وہ خوب جانتا ہے کہ جو دوست نے چاہا وہ ہوا۔ باین وجہ اولیاء مخصوص و برگزیدۂ حق ہوتے ہیں۔ منکر اس کو کہاں سننے والے ہیں۔ کہیں گے گمراہی کی باتیں ہیں۔ مثنوی۔

کسے کو علم لوت ولات داند بلا شک این سخن طامات داند

ز چشمِ کور بینائی نیاید کہ از خفاش حربائی نیاید

(جو شخص لوت اور لات کے خیال میں پڑا ہوا ہے "لوت ولات بتوں کے نام ہیں" بیشک ان باتوں کو فریب اور جھوٹ سمجھے گا۔ اندھی آنکھ روشن نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ چمگادڑ جس کو آفتاب پر نظر کرنے کی قدرت نہیں وہ گرگٹ کیونکر بن سکتا ہے۔ کیونکہ گرگٹ ہمیشہ آفتاب ہی کو دیکھتا رہتا ہے)۔ خیر اس مقام پر جب پہنچ جاتے ہیں تو انھیں معلوم ہو جاتا ہے کہ ہم ولیوں میں سے ہیں بقول مشہور۔ یعنی اگر ولایت کے لیے بے مرادی شرط ہے تو اپنے کو یہ بے مراد جانتے ہیں۔ اور اگر بے اختیاری شرط ہے تو اپنی ذات کو بے اختیار دیکھتے ہیں۔ کل مراد دوست سے پاتے ہیں۔ اپنی مراد کچھ نہیں رکھتے چنانچہ سلطان الانبیا و اولیاء صلّی اللہ علیہ وسلم کا فتویٰ بھی یہی ہے وَلَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللّٰہِ لَاَبَرَّہٗ ہو (اور اگر وہ خدا پر قسم کھائیں تو ضرور پوری)۔ وَلَوْ دلیل اس بات کی ہے کہ اولیاء قسم نہیں کھاتے۔ اور لَاَبَرَّہٗ سے صاف ظاہر ہے کہ اگر قسم کھائیں گے تو ضرور پائیں گے۔ حضرت محمد مصطفےٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ظاہر فرما دیا کہ اولیاء جو کچھ

چاہیں گے پائیں گے، مگر خود سے نہیں چاہیں گے۔ کسی عارف نے اسی معنی کی طرف کیا خوب اشارہ کیا ہے۔ رباعی

عاشق چو بدو رسید بیباک شود   کونین بہ نزدِ ہمتش خاک شود

وانگاہ بہر دو عالم از محبوبش   بے واسطہ خطاب لولاک شود

(جب عاشق وہاں تک پہنچ گیا، نڈر بن گیا۔ اُس کی ہمّت کے سامنے دونوں جہان خاک کے برابر ہو گئے۔ اُس وقت دونوں جہان میں اُس کے محبوب کی طرف سے بغیر کسی واسطہ کے لَوْ لَاکَ کا خطاب عطا کیا جاتا ہے)۔

ولیوں نے خود بینی سے اپنے کو بچائے رکھا ہے۔ وَیَکُوْنُ مَحْفُوْظًا عَنِ النَّظَرِ اِلٰی نَفْسِہٖ فَلَا یُدْخِلُہٗ عُجُبٌ۔ ولی ہمیشہ خود بینی سے محفوظ رہتا ہے تاکہ عُجب پیدا نہ ہو باوجودے کہ وہ اس مقام پر پہنچتا ہے خود بین نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ اس مقام پر اپنی ہیچی اور خود فراموشی کی وجہ سے پہنچتا ہے۔ اگر اُس نے اپنے کو دیکھا سبب نہیں رہا۔ پایا ہوا بھی گم ہو گیا۔ کسی سالک نے کیا خوب کہا ہے۔ مثنوی

تا ترا با تو بود در ذات است   کعبہ با طاعت خرابات ہست

چون ز ذاتِ تو بودِ تو دور ہست   بتکدہ از تو بیتِ معمور ہست

(جب تک تیرے وجود میں ہستی کا لگاؤ ہے تو کعبہ تیری بندگی سے شراب خانہ بن جائے گا۔ جب تیری ذات سے تیری ہستی کھو گئی تو بیت خانہ تجھ سے کعبہ بن جائے گا)۔

وَیَکُوْنُ مَسْلُوْبًا مِنَ الْخَلْقِ۔ اور ولیوں کو اللہ تعالیٰ نے خلق سے بے سروکار رکھا ہے۔ یعنی خلق کی طرف نہیں دیکھیں، تاکہ شہرت سے بچے رہیں۔ فَلَا یَفْتَنُوْنَ بِہٖ اور فتنہ میں نہ پڑ جائیں۔ یعنی خلق کے نظارہ میں پڑ کر کہیں گر نہ پڑیں۔ دین کی تباہ و برباد کرنے والی دو چیزیں ہیں۔ نکوہش و ستایش، یعنی ملامت و تعریف۔ ملامت سے آدمی کو رنج ہوتا ہے تعریف سے خوش ہوتا ہے۔ اب اگر کوئی شخص عابد ہے تو لازم ہے کہ معبود کے سوا اُدھر اُدھر

نہ دیکھے۔ اگر اُس نے اپنے کو بڑا سمجھا، عجب سے کام لیا۔ نفس پرست ٹھہرا۔ خدا پرست نہ ہوگا۔ اور اگر خلق کی مدح و ذم کی فکر میں رہا تو ریا پیدا ہوئی۔ خلق پر نظر ہوگی۔ خلق پرست ثابت ہوگا۔ نفس پرست اور خلق پرست۔ حق سے جزا کی طمع رکھے بالکل محال ہے۔ وَیَکُوْنُ مَحْفُوْظًا عَنْ اٰفَاتِ الْبَشَرِیَّۃِ۔ وَاِنْ کَانَ طَبْعُ الْبَشَرِیَّۃِ قَآئِمًا مَعَہٗ بَاقِیًا فِیْہِ ولی آفاتِ بشریت سے محفوظ ہوتا ہے۔ ہر چند کہ بشریت اس کی طبیعت میں موجود ہے۔ یعنی ناپسندیدہ چیزوں سے اُس کا باز رہنا یا محفوظ ہونا، اس وجہ سے نہیں ہے کہ اس میں کچھ خواہش ہی نہیں رہی اگر ایسا ہوتا تو ناپسندیدہ اور ناشائستہ حرکات سے باز رہنا کوئی محمود فعل نہیں ہوتا۔ کیونکہ ناشائستہ حرکات کی خواہش ہی سرے سے غائب ہونا یا عاجز رہنا یا آلۂ گناہ کا نہ ہونا ایسی صورت میں مجبور کہا جائے گا۔ محمود و مشکور نہیں ہوسکتا۔ اور اُس کے نیک عمل کی جزا نہ ہوگی۔ آدمی کو طاعت میں ثواب اور معصیت میں عذاب کا سبب یہی ہے کہ دونوں آلے اور قوت اس کے پاس موجود ہیں۔ برخلاف فرشتوں کے کہ وہ آلہ معصیت نہیں رکھتے۔ اس لیے ترک گناہ اور بجاآوری طاعت سے یہ مثاب و ماجور نہ ہوں گے۔ جو جو چیزیں از قسم حظوظ نفس مطبوع ہیں، وہ اولیا، کو بھی اچھی معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن عام کی پسند اور ان کی پسند سے یہی فرق ہے کہ عوام اپنی پسند کو فرمانِ حق پر مقدم رکھتے ہیں اور یہ لوگ حق کی مراد کو اپنی مراد پر مقدم رکھتے ہیں۔

اے بھائی اس حدیث کے درد و حسرت اور فوت سے خالی نہ ہو اور ناامید نہ ہو کہ عدل و فضل اس کی دو صفتیں۔ چونکہ وہ عادل ہے اپنے احکام پر اُس کی نظر ہے۔ اور چونکہ وہ مفضل ہے ہمارے عجز پر نگاہ کرم ہے۔ جب نظر عدل کی اپنے حکم پر کرتا ہے پہلے پچھلے مخلوقات کے کام تمام ہوجاتے ہیں۔ اور جب اپنے فضل کی نگاہ ہمارے عجز پر ڈالتا ہے۔ ہماری بگڑی بن جاتی ہے کل گناہ حسنات بن جاتے ہیں۔ سارے عیب ہنر ہوجاتے ہیں۔ نومیدی کی کیا جگہ ہے۔ کسی بے چارے نے کیا خوب کہا ہے ؎

نومید مشو دلا تو امروز ازانکہ فردا نظرش بہ حکم خود خواہد بود

(اے دل آج نا اُمید نہ ہو۔ کیونکہ کل اُس کی نظر اپنے حکم پر ہو گی) سالک ہمدم خواجہ ابراہیم ادہمؒ ایک روز کعبۂ معظم کا طواف کر رہے تھے۔ عرض کی اَللّٰھُمَّ اَعْصِمْنِیْ مِنَ الذُّنُوْبِ۔ خداوند معصیت و گناہ سے مجھے بچائے رکھ۔ ندا آئی کہ جو تو چاہتا ہے سب یہی چاہتے ہیں۔ اگر میں دستارِ عصمت سے سب کو سرفراز کر دوں تو یہ مغفرت و رحمت کے زر و جواہر کس پر نچھاور کروں گا۔ اگر گناہ کی آلودگی نہ ہو گی تو صابنِ رحمت سے کسے دھو دھا کر پاک و صاف کروں گا۔ اگر گناہگار نہ ہوں گے تو میرا لطف، قبولِ توبہ کے اسرار کس سے کہے گا۔ کسی اُمیدوار نے خوب کہا ہے۔ رباعی۔

عاصی شکستہ گرچہ بیباک بود — از بہر چہ در رہِ تو غمناک بود

شوئیندہ چو فضلِ تست الواثِ ورا — آلودہ بہ تحقیق بہ از پاک بود

(اگرچہ گنہگار بے شرم ہوتا ہے۔ تیرے رہتے کیوں غمگین رہے گا۔ جب تیری بخشش گناہ کے میل کچیل کو دھو ڈالتی ہے تو ناپاک لوگ پاک لوگوں سے کہیں بہتر ہیں۔)۔

اے بھائی جو اپنے ابرِ فضل و احسان سے ہمارے تمھارے گناہ کی آلودگی اور مناہی کی نجاست کو پاک و صاف کرتا ہے، کل کے دن اولیا و انبیا کے حضور اور خلق اولین اور آخرین کے سامنے کیا ہماری تمھاری فضیحت و رسوائی جائز رکھے گا۔ کسی سوختہ جان نے خوب کہا ہے۔ رباعی۔

عاشق بگنہ گرچہ گرفتار بود — یا شیفتہ پُر بادۂ خمار بود

از غفلتِ بسیار چرا دارد باک — معشوق چو پردہ پوش دستار بود

(عاشق اگرچہ گناہوں میں گرفتار ہے یا شراب کی بھٹی میں مست پڑا ہے۔ اس غفلت کی اس کو پروا نہیں۔ کیونکہ تجھ جیسا معشوق اس کے عیبوں پر پردہ ڈالنے والا موجود ہے)۔

والسّلام۔

دسواں مکتوب

کرامت کے بیان میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اے میرے عزیز بھائی شمس الدین اللہ تعالیٰ تم کو اپنے اولیا کے کرامات کی بزرگی بخشے تمھیں معلوم ہو کہ اہلِ سنت والجماعت کے فقہائے امت اور اہلِ معرفت کا اجماع ہے، کہ کرامت کا صدور اولیاء اللہ سے جائز ہے، اگرچہ وہ حدِ معجزات تک کیوں نہ پہنچ جائے۔ اس مسئلہ میں معتزلہ کو اختلاف ہے۔ وہ کرامت کے قائل نہیں۔ ان کا خیال یہ ہے کہ عام مسلمانوں کے ساتھ جن جن عنایتوں کا ظہور ممکن ہے مسلمانانِ کامل کے ساتھ بھی اس قسم کی باتوں کا ظہور ہوسکتا ہے مثلاً دعا کا قبول ہونا، یا کسی جنگل میں پیاس کے وقت چشمۂ آب کا نمودار ہونا یا گرسنگی کی حالت میں کسی کا رحم کھا کر مہمان بنا لینا۔ اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ آدمی جب ایمان لایا تو محلِ عداوت سے مقامِ ولایت پر پہنچ گیا۔ اگر ولایت کا تقاضا یہ ہے کہ خواہ مخواہ کرامت صادر ہو، جیسا کہ تم کہتے ہو، تو لازم تھا کہ کرامت میں بھی سب کے سب یکساں ہوتے۔ اس لیے کہ معنی ولایت میں سب برابر ہیں۔ اس کا جواب اہلِ حق نے اس طرح دیا ہے کہ ایک درجہ کی ولایت صرف ایمان لانے سے ہوتی ہے یہ عام ہے اس میں عاصی اور مطیع اور نبی وغیرہ سب یکساں اور برابر ہیں۔ لیکن ولایتِ خاص دوسری چیز ہے۔ وہ کمالِ ایمان کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ اس لیے جب ولایت خاص ہو گی تو کرامت بھی خاص ہو گی، جیسا کہ بادشاہ کے ہاں سپاہ ہوتے ہیں اور چند قسم کے ملازم ہوتے ہیں: بحیثیت خدام ہونے کے سب برابر ہوتے ہیں۔ مگر وزیر و حاجب کو ہزاروں کرامتیں ایسی ہوتی ہیں کہ دربان اور فراش کو نصیب نہیں۔ اگر کوئی یہ سوال کرے کہ حق تعالےٰ نے جب چاہا کہ پیغامبروں کی پیغمبری کو ظاہر کریں تو انھیں معجزہ عطا فرمایا۔ ایسی صورت میں معجزے کے

قسم کی بات پیغامبر کے سوا دوسروں کے لیے کیونکر جائز رکھے گا۔ کیونکہ ایک ایسا اشتباہ پیدا ہوگا جس سے نبوت و ولایت کا فرق باقی نہ رہے گا۔ اور یہ شق بھی لازم آئے گی کہ پیغامبر اپنی پیغمبری کی وجہ سے نہ پہچانا جاسکے۔ بزرگوں نے اس کا جواب بھی یہ دیا ہے کہ ولی صادق وہی کہتا اور وہی چاہتا ہے جو نبی چاہتا ہے۔ اور ولی صادق اس کا بھی اقرار کرتا ہے کہ جو کچھ میں نے پایا وہ نبی کی تصدیق سے پایا ہے۔ اور یہ بھی کہتا ہے کہ میں پیغامبر نہیں ہوں۔ پس ولی سے کرامت کا صادر ہونا نبی کے دعوے کی سچائی کے لیے ایک تائید ہے۔ (الحمدللہ) وہ شبہ اس جواب سے دُور ہوگیا۔ اور دوسری طرح پر اس کو یوں سمجھو کہ اگر دو مدعی دعوے میں اختلاف رکھتے ہوں تو ایک کی دلیل دوسرے کے لیے ہرگز کافی نہیں ہوسکتی۔ اور اگر دو مدعی ایسے ہیں کہ ایک ہی معنی کا دعوے کریں اور ایک دوسرے کی تصدیق کرے تو جو دلیل ایک کے لیے قائم ہوگی وہی دوسرے کے حق میں بھی دلیل ہو جائے گی جیسا کہ وراثت کے مسئلہ میں حکم ہے جس دلیل سے ایک وارث کو ترکہ ملے گا سب وارثوں کے لیے وہی دلیل کافی ہوگی۔ دوسری دلیل کی حاجت نہیں۔ کیونکہ عصبیت اور استحقاق میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ بلکہ اتفاق ہے۔ اور اگر کوئی یہ کہے کہ جب ولی کو ازقسم خرقِ عادت ایسی کرامت ملی جو معجزے کی حد تک پہنچ جائے تو ممکن ہے کہ ولی صاحب کرامت نبوت کا بھی دعوے کرے۔ جواباً میں یہ کہتا ہوں کہ یہ محال ہے۔ اس لیے کہ شرطِ ولایت صادق القول ہونا ہے۔ اور دعویٰ نبوت اصلیت کے خلاف سراسر کذب ہے۔ اور یہ مسلم ہے کہ کاذب ولی نہیں ہوسکتا۔ اور اگر کوئی یہ کہے کہ بقول تمہارے معجزہ ناقضِ عادت کا نام ہے اور صداقت پیغامبر کی دلیل ہے تو اس قسم کی بات پیغامبر کے سوا دوسروں کو کس طرح ہوسکتی ہے۔ کیونکہ جب یہ بات عام ہو جائے گی تو کوئی حجت و دلیل صداقت کی نہ رہے گی۔ جواباً میں یہ کہتا ہوں کہ جو شبہ تمھیں ہوا ہے یہ بالکل بے اصل ہے کیونکہ معجزہ ناقضِ عادت کا نام ہے۔ اور کرامت بھی دوسرے پردے میں وہی شے ہے تو درحقیقت ولی کی کرامت بھی عین

معجزۂ نبی ہے۔ کیونکہ کرامت وہی دلیل پیش کرتی ہے، جو نبی کے معجزے نے دکھائی تھی۔ جب نبی کی شریعت باقی ہے تولازم ہے کہ اس کی محبت و دلیل بھی باقی رہے۔ پس رسول کے صدقِ رسالت پر اولیاء اللہ قیامت تک گواہ رہیں گے۔ اور اگر تم یہ سوال کرتے ہو کہ کرامت اور معجزہ میں کیا فرق ہے تو سنو معجزے کے لیے اظہار شرط اور کرامت کے لیے استتار شرط ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ انبیاء کو معلوم ہے کہ یہ معجزہ مجھ کو ملا ہے اور قبل ظاہر کرنے کے فرما دیتے ہیں۔ مگر اولیا نہیں جانتے کہ یہ کرامت مجھ کو ملی ہے اور نہ صدورِ کرامت کی خبر رکھتے ہیں۔ اور نہ کرامت سرزد ہونے کی پہلے سے خبر دیتے ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ولی محلِ ولایت پر اس وقت تک ثابت قدم نہیں ہوتا جب تک کہ اپنے کو کمترینِ خلق نہیں جانتا۔ جب وہ اپنے کو ایسا ہیچ جانتا ہے تو اُسے دعوائے کرامت کب ہوگا۔ اور جب اُس کو دعویٰ نہیں تو کرامت کے آنے جانے کی خبر کیا ہوگی۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ جس شخص نے حق سے حق کے سوا طلب کیا، اس کے لیے مقامِ ولایت نہیں۔ جب اُس نے کرامت کا دعویٰ کیا دوست سے غیر دوست کی خواہش کی۔ پس یہ بات ولایت کے منافی ہوگی۔ ولایت کا ثبوت اس سے نہ ہوگا۔

خیر، جب تم اس قدر جان گئے تو اب یہ بھی سن لو کہ اگر کسی جھوٹے نے دعویٰ پیغامبری کیا، تو ناممکن ہے کہ خداوند تعالیٰ اُسے معجزہ دے جیسا کہ صادقوں کو عطا فرماتا ہے۔ کیونکہ نبی صادق ہیں اور اہلِ حق ہیں۔ اور ان پر ایمان لانا واجب ہے۔ نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والا مبطل ہے۔ اُس پر ایمان لانا درست نہیں۔ پس اس کے سوا چارہ نہیں کہ ایک ایسی حق بات نبی کو عطا ہو جو مبطل سے جدا ہو۔ یہی معجزہ ہے۔ اگر دونوں ہی کو معجزہ ملا ہوتا تو محق اور مبطل کے درمیان فرق باقی نہیں رہتا۔ اور خلق پر ظاہر نہ ہوتا کہ ہمیں کس پر ایمان لانا چاہیے۔ اور صادق و کاذب میں ایسی مشابہت ہوتی کہ ہرگز تمیز نہ ہوتی۔

بہرحال مشائخِ طریقت اور تمامی اہلِ سنّت وجماعت کا اتفاق ہے کہ از قسمِ ناقضِ عادت معجزۂ انبیاء کی طرح یا کرامتِ اولیا کی مانند کسی کافر کے ہاتھ سے بھی

ظاہر ہو جائے۔ مگر ساتھ ساتھ اس کے جھوٹ ہونے میں کسی کو شبہ باقی نہ رہے گا۔ جیسا کہ فرعون نے چارسو برس کی عمر پائی اور اتنی مدت میں کوئی مرض اُسے لاحق نہ ہوا۔ پانی اُس کے پیچھے پیچھے قدِ آدم بلند ہوتا تھا۔ اور جہاں وہ کھڑا ہو جاتا تھا پانی بھی ٹھہر جاتا تھا۔ اور جب وہ چلتا تو پانی بھی چلنے لگتا۔ اب دیکھو، یہاں پر کوئی صاحب عقل شبہ میں نہ پڑے گا۔ کیونکہ اُس نے خدائی کا دعویٰ کیا تھا۔ اور سب عقلا کا اتفاق و اقرار ہے کہ خداوند جسم یا جوہر یا کھانے والا یا سونے والا آمد و رفت کرنے والا یا گوشت پوست رکھنے والا نہیں ہے۔ اگر اس قسم کے خرقِ عادات فرعون سے ہزاروں ظاہر ہوتے تو بھی کسی عاقل کو اُس کے کذب دعویٰ پر شک نہ ہوتا۔ اور نہ شبہ پڑتا۔ کیونکہ صرف خرقِ عادت کی وجہ سے آدمی کیونکر شبہ میں پڑ سکتا ہے۔ خود اُس کے اوصافِ بشری اُس کے کذبِ دعویٰ کے شاہد ہیں۔ اس لیے بمقابلہ کفار بہ وجوہ چند در چند شبہ نہیں پڑ سکتا۔ اور ہمارے حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم جو سچوں کے بادشاہ ہیں، آپ خبر دیتے ہیں کہ آخر زمانہ میں دجّال آئے گا۔ وہ خدائی کا دعوےٰ کرے گا۔ شیشہ کے دو پہاڑ ایک اُس کے داہنی اور ایک اُس کے بائیں چلتے ہوں گے۔ جو پہاڑ کہ داہنی طرف ہوگا نعمت کی جگہ ہوگی اور جو بائیں سمت ہوگا عذاب کی جگہ ہوگی۔ وہ کہے گا کہ یہ بہشت ہے۔ اور یہ دوزخ ہے۔ جو شخص مجھ پر ایمان لائے گا، میں اُسے بہشت میں داخل کروں گا۔ اور جو ایمان نہ لائے گا اُسے میں اس دوزخ میں جھونک دوں گا۔ حق تعالےٰ نے اُسے یہ قوت بھی دی ہوگی کہ جس کسی کو چاہے گا مار دے گا۔ اور جس کسی کو چاہے گا زندہ کر دے گا۔ اب دیکھو، یہ باتیں بھی معجزہ و کرامت کی قسم سے ہیں۔ اور خداوند تعالےٰ نے یہ سب باتیں دشمن کو بھی دی ہیں۔ تاکہ صاحبِ عقل جان جائیں کہ جو گدھے پر سوار ہے خدا نہیں ہو سکتا۔ اور جو ایک چشمی ہے خدا نہیں ہو سکتا اور جو کھاتا اور سوتا ہے خدا نہیں ہو سکتا۔ یہ معجزہ اور کرامت نہیں ہے بلکہ استدراج و مکر ہے۔ استدراج کے یہ معنی ہیں کہ صاحبِ استدراج ہر چند وہ بے حرمتی کرتا رہے اُس کو ڈھیل دی جاتی ہے، اُس کو اس کی مراد پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اس بے حرمتی اور دُوری کے ساتھ ہلاکت

میں پڑ جاتا ہے۔ جیسا کہ خداوند تعالیٰ نے فرعون کے ساتھ کیا۔ اگر اس کی خواہش کے مطابق پانی جاری نہ فرماتا، خدائی کے دعوے سے باز آجاتا۔ اور مکر کے یہ معنی ہیں کہ نجات دکھلائی دے ہلاکت اس کا ثمرہ ہو، عزت نظر آئے ذلت حاصل ہو۔ ہدایت معلوم ہو، گمراہی کا پھل ملے دشمنوں میں یہ صفتیں ہوتی ہیں۔ یعنی دشمن کو اس قسم کی جو چیزیں دی جاتی ہیں، وہ سب کی سب استدراج و مکر ہوتی ہیں۔ پس اس قسم کی تقسیم تین طرح پر ہے۔ انبیاء کو دی جاتی ہے۔ اولیاء کو دی جاتی ہے اعداء کو دی جاتی ہے۔ انبیاء کو جو بات حاصل ہوتی ہے اُسے معجزہ کہتے ہیں، اولیاء کو جو عنایت ہوتی ہے اُسے کرامت کہتے ہیں۔ اور کفار کو جو ملتی ہے اُسے استدراج و مکر کہتے ہیں۔ اور بعض نسخہ میں ہے کہ عالمِ غیب سے ناقضِ عادات، جو انبیاء کے ہاتھ سے ظاہر ہوں اُسے معجزہ کہتے ہیں۔ اور اولیاء کے ہاتھ سے جو صادر ہوں اُسے کرامت کہتے ہیں۔ اور مجانین ...... یا لڑکے یا عامہ خلق کے ہاتھ سے جو سرزد ہوں، اُسے عون کہتے ہیں۔ اور جو کفار سے ہو اُسے استدراج و مکر کہتے ہیں۔ اور صاحبِ استدراج اور صاحبِ مکر اس قسم کی باتیں جو کچھ پاتا ہے اُس پر نازاں ہوتا ہے اور بھروسا کر لیتا ہے۔ اور اپنے کو اس کا مستحق سمجھتا ہے۔ اور دوسروں سے اپنے کو سربلند و ممتاز جانتا ہے۔ اور صاحبِ کرامت کرامات سے بھاگتا ہے۔ اور ڈرتا ہے۔ اور فریاد کرتا ہے۔ اور اپنی ذات کو ذلیل و حقیر تصور کرتا ہے۔ یہاں تک کہ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ اس راہ میں اکثر حجاب اور دُوری اسی کرامت کی بدولت ہوتی ہے۔ اس لیے کہ بندہ نے حق کے سوا دوسرے کے ساتھ جس قدر آرام و سکون اختیار کیا حق سے اُسی قدر قطعیت و دُوری ہو گئی۔ اور مثال اس کی یہ ہے کہ ماں جب چاہتی ہے کہ اپنے بچے کو گود سے علیٰحدہ کرے یا کہیں باہر چلا جائے تو ایک ٹکڑا مٹھائی کا بچہ کے ہاتھ میں دے دیتی ہے۔ اگر چالاک بچہ ہے تو مٹھائی دیکھنے کے ساتھ ہی ماں کے گلے میں لپٹ جاتا ہے۔ اور اگر نادان ہے تو مٹھائی لے کر خوش خوش چلتا ہوگا، نتیجہ یہ نکلے گا کہ یا کسی گڈھے میں گرے یا کسی جانور کی لات کھائے۔ کیونکہ اُس نے حلوا دیکھا ہے، ماں کی دُوری کا خیال نہیں کیا ہے۔ نادان نے

حلوائے کرماں کو چھوڑا۔ اور اگر ماں کا دامن پکڑ لیا ہوتا تو حلوا کہاں جاتا، وہ تو اس کی چیز تھی۔

بزرگوں کی ایک جماعت کہتی ہے کہ کرامت ایک قسم کا رنگ و روغن ہے اور آرائش و پرورش ہے۔ جیسا کہ بعض جگہ اونٹ کو پرورش کر کے آراستہ کرتے ہیں۔ اور شہر میں پھراتے ہیں۔ خلق اُس کی شان و شوکت دیکھتی ہے۔ حالانکہ یہ سجاوٹ نہیں ہے بلکہ اُس کی ذبح کیلیے چھری تیز ہو رہی ہے۔ اگر اس کا گلا کاٹنا نہ ہوتا، تو اُس کے ساتھ یہ عمل نہ کیا جاتا۔ چنانچہ مشائخ رحمۃ اللہ علیہ میں سے ایک بزرگ نے فرمایا ہے کہ عالم میں بُت بہت ہیں۔ اُن بتوں میں سے ایک کرامت بھی ہے۔ کفار کا تعلق جب تک بُت کے ساتھ ہے دشمنِ خدا رہتے ہیں۔ جب بُت سے اعراض و تبرّا کر لیتے ہیں خدا کے دوست ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح عارفوں کے لیے کرامت ہی بُت ہے۔ اگر کرامت کے ساتھ سکون ہو گا محجوب ہو جائیں گے۔ اور اگر کرامت سے اعراض و تبرّا کر لیا مقرّب و بینا رہیں گے۔ رباعی

هرگز نه شود اے بت بگزیدۂ من | مہرت ز دل و خیالت از دیدۂ من
گر از پسِ مرگِ من بجوئی، یابی | آن ذوق در استخوانِ بوسیدۂ من

(اے میرے پیارے محبوب، تمھاری محبت و خیال میرے دل سے کبھی جدا نہیں ہو سکتا۔ میرے مرنے کے بہت دنوں بعد بھی وہی پیار اور محبت میری سڑی گلی ہڈیوں میں پاؤ گے)۔

یہ وہ باتیں ہیں جن کو کسی مکتوب میں ہم لکھ چکے ہیں، کہ ولایت کی صحت کا تعلق دوست کے سوا سب سے انقطاع اور اعراض اور حبیب کے سوا سب کے ترک سے ہوتا ہے۔ کیونکہ ترک و اخذ دونوں ضدین ہیں۔ جس نے کرامت کو قبول کیا، اور کرامت پر اعتماد کیا تو اُس نے دوست سے اعراض کیا۔ اور دوست کے سوا چاہا۔ وَلَا بَقَاءَ لِلْوِلَايَةِ مَعَ الْاِعْرَاضِ عَنِ الْحَبِيْبِ وَالْاِقْبَالِ اِلٰى غَيْرِ الْحَبِيْبِ۔ (ولایت باقی نہیں رہتی محبوب کے رہتے ہوئے کسی دوسری طرف توجہ کرنے سے)۔ نقل ہے کہ ایک مرتبہ سلطان العارفین خواجہ بایزید بسطامی قدس اللہ سرہٗ ایسی راہ سے گزرے جہاں کشتی کی حاجت تھی، اور کشتی موجود نہ تھی۔ آپ کے دل میں

یہ بات آئی کہ اس دریا سے پار اب کس طرح ہوں یکایک پانی دو حصہ ہو گیا۔ اور راہ نمودار ہو گئی۔ آپ چیخ اُٹھے کہ اَلْمَکْرُ اَلْمَکْرُ۔ اور واپس چلے آئے۔ بیت

من بہ گرمائے قیامت خون خورم بریادِ دوست — جوے شیر آن رانما کو تشنۂ کوثر بود

(میں قیامت کی گرمی اور تپش میں خون پیوں گا۔ اور محبوب کو یاد کروں گا۔ دُودھ اور شہد کی نہر اس کو دکھاؤ جو کوثر کا پیاسا ہو)۔

اور کسی دوسرے نے اسی معنی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ رباعی

حاشا کہ دلم از تو جدا خواہد شد — یا باکسے دیگر آشنا خواہد شد

از مہر تو بگسلد کرا دارد دوست — در کوے تو بگذرد کجا خواہد شد

(خدا کی قسم میرا دل تجھ کو چھوڑ کر کیا کسی دوسرے سے مل سکتا ہے۔ اگر تیری محبت توڑ دی تو اور کون ہے جس کو دوست بنا سکے۔ تیری گلی چھوڑ کر اس کا کہاں ٹھکانا ہے)۔

اے بھائی، تم نے آخر یہ نہیں سنا۔ اِنَّ الْحُبَّ اَوَّلُہٗ حَیَاتٌ وَاٰخِرُہٗ مَمَاتٌ، وَ اَوَّلُہٗ خَطَلٌ وَاٰخِرُہٗ قَتْلٌ۔ محبت کی ابتدا حیات ہے اور انتہا اس کی موت۔ اور محبت کی ابتدا مکر ہے اور انتہا اس کی قتل۔ وَاَوَّلُہٗ کَرَامَۃٌ وَاٰخِرُہٗ غَرَامَۃٌ۔ اور ابتدا اس کی کرامت ہے اور انتہا اس کی پشیمانی ہے۔ اسی مقام کی بات ہے جو کسی نے کہا ہے کہ محبت کے لیے "بلا" لازم ہے۔ جیسا کہ دیگ میں نمک۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔ بیت

آسایش ہست رنج کشیدن ببوے دوست — روزے طبیب بردرِ بیمار بگذرد !

(محبوب کے ملنے کی اُمید میں رنج و مصیبت اُٹھانا اچھا ہے۔ کیونکہ بیمار ہی کے گھر طبیب آتا ہے)۔ تم جانتے بھی ہو ایسا کیوں ہے ؟۔ اس لیے ہے کہ جو معشوق اپنے عاشق پر ناز نہ کرے، یوں سمجھو کہ اُس نے جمالِ باکمال کی داد نہ دی۔ (قسم خدا کی) وہ جمالِ حقیقی بھی ایسا ہی ہے کہ اگر فردائے قیامت یہ خطاب ہو کہ اے مشتاق تو ! ذرا میری طرف دیکھو۔ (واللہ یہ سبھوں کو کہنا پڑے کہ ع غیرت از چشم برم روے تو دیدن نہ دہم۔ میں اپنی آنکھ سے

بھی رشک کھاتا ہوں۔ اسے تیرا جلوہ دیکھنے نہ دوں گا)۔ (اللہ اللہ) یہ آنکھ اور وہ جمال بیت

آنجا حدیثِ وصفش زنہار تا نگوئی کاندر زبان نیاید واندر دہان نگنجد

(اُس کی تعریف کیا ہو سکے۔ منہ اور زبان اُس کے بیان سے عاجز ہیں)۔

اے بھائی، جس دن بساطِ محبت بچھائی گئی تھی، کل مراد جلا کر خاک سیاہ کر دی گئی۔ اسی وجہ سے سالکِ اول آدم صفی صلوٰۃ اللہ علیہ تین سو برس تک خونِ جگر روتے رہے۔ کیونکہ جتنی مرادیں تھیں سب محبوب کے حصہ میں آئیں۔ اور ساری نامرادیاں محب کو دی گئیں، اسی مقام کی بات ہے کہ بندوں پر رحیم و رحمان کی شان ہے، اور محبوں پر کامگار و سلطان کا رنگ ہے۔ دیکھو نا، نوح علیہ السلام ایسے برگزیدہ اور مقبول کے جگر پر لَیْسَ مِنْ اَھْلِکَ (تیرے گھر لنے کا نہیں ہے)۔ کا تیر لگایا جاتا ہے اور خلیل اللہؑ کو خلعتِ خُلّت پہنا کر نمرود سرکش کو اُبھارا جاتا ہے تاکہ منجنیقِ بلا میں رکھ کر آگ میں ڈال دے۔ یعقوب پیغمبرؑ اسّی سال تک بیت الاحزان میں جلائے رُلائے جاتے ہیں۔ اور مہتر یوسفؑ کو مصر کے بازار میں چاروں طرف پھرا کر غلاموں کی صف میں کھڑا کیا جاتا ہے۔ ہے ہے اسی راز کو کسی سوختہ جان نے کس طرح کہا ہے۔ نظم۔

این ہمہ می کند ولیک از بیم مرد را زہرہ نے کہ آہ کند

زانکہ رویش لسانِ آئینہ ہست آہ آئینہ را تباہ کند

(وہ ساری مصیبتیں ڈالتا ہے۔ مگر کسی کی مجال نہیں کہ چوں کر سکے۔ اس کا چہرہ آئینہ کی طرح شفاف ہے۔ آہ آئینہ کو دھندلا کر دیتی ہے)۔

گیارھواں مکتوب

صدیقوں کے حالات کے بیان میں مع نماز قضائے حاجات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میرے عزیز بھائی شمس الدین۔ صدیقوں کے احوال کو پاکی اور طہارت کا ایک دریا سمجھو۔

(ہمارا تمہارا منہ نہ تھا کہ اُن حضرات کا ذکر خیر زبان پر لائیں) مگر بزرگوں کا مقولہ ہے۔ حَدِّثُوْا عَنِ الْبَحْرِ وَلَا حَرَجَ۔ یعنی اگرچہ تم دریا نہ ہو، لیکن دریا کا ذکر کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں جن لوگوں کی روحیں الطاف و عنایتِ الٰہی کا مخزن اور دل اُن کے اسرار صمدیت کے معدن ہیں قیامت اُن کے لیے ہو چکی، وعدہ اور وعید کا تماشا وہ دیکھ چکے۔ قیامت میں دوسروں کے حق میں جو کچھ وعید (یعنی ہجر کے مصائب۔ اور طرح طرح کی تکلیفیں ہیں) ان کو اس کا سامنا آج ہے۔ اگر دنیا و آخرت ان کے زیرِ فرمان کر دی جائیں، جب بھی یہ نہ دنیا کی طرف رُخ کریں اور نہ عاقبت کی جانب متوجہ ہوں۔ ایک رات سید الطائفہ خواجہ جنید رحمۃ اللہ علیہ نے چاہا کہ مسجد شونیزیہ جو بغداد میں ولیوں کی عبادت گاہ ہے۔ وہاں جا کر مشغولِ حق ہوں۔ مسجد کے دروازے کے سامنے دیکھا کہ ایک شخص نہایت ہولناک کریہہ منظر کھڑا ہے۔ اُس سے آپ نے پوچھا کہ تو کون ہے کہ تیری طرف سے میرا دل پھرا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ اُس نے کہا کہ میں ابلیس ہوں، آپ کو یاد ہوگا کہ ہمارے دیکھنے کی آرزو آپ نے کی تھی۔ آپ نے فرمایا، ہاں ٹھیک ہے۔ پھر آپ نے کہا کہ اچھا تجھ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔ اُس نے عرض کی، ارشاد ہو۔ آپ نے فرمایا کہ تجھے اللہ تعالےٰ کے ولیوں پر بھی دسترس ہے؟ اُس نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا، کیوں؟ اُس نے کہا کہ جب میں چاہتا ہوں کہ ولیوں کو دنیا میں پھنساؤں تو وہ آخرت کی طرف قدم بڑھاتے ہیں۔ اور جب چاہتا ہوں کہ انھیں آخرت میں اُلجھا رکھوں تو وہ حضرتِ خداوند کی طرف بھاگ جاتے ہیں۔ اور وہاں اپن جانب کا گذر نہیں۔ کسی نے اسی معنی کی طرف کیا خوب اشارہ کیا ہے قطعہ

ہر کرا این عشق بازی در ازل آموختند — تا ابد در جانِ او شمع ز عشق افروختند

واں دلے را کز برائے وصلِ او پرداختند — ہمچو باز ش از دو عالم دیدگان بر دوختند

(روزِ ازل جس کے دل میں عشق و محبت کی چنگاری سُلگائی گئی، اُس کے دل میں قیامت تک محبت کا چراغ جلتا رہا۔ جس دل کو اُس کے وصال کے لیے آراستہ کیا، باز کی طرح دونوں جہان کے نظارہ کرنے سے اُس کی آنکھیں سی دی گئیں)۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اے ملعون تجھے ان بزرگوں

کے احوال و اسرار پر بھی کچھ اطلاع ہوتی ہے؟ اُس نے کہا کہ نہیں، مگر اس وقت میں کچھ جان جاتا ہوں جب کہ سماع میں اُن پر وجدانی کیفیت طاری ہوتی ہے، مجھے کچھ پتہ چل جاتا ہے کہ اس وقت یہ کس رنگ میں ہیں۔ یہ کہہ کر چلتا ہوا۔ آپ سخت متفکر مسجد میں داخل ہوئے۔ یکایک گوشۂ مسجد سے آواز آئی کہ اے فرزند ہوشیار ہرگز ہرگز اس دشمن کی باتوں میں نہ آنا اور فریفتہ نہ ہونا، کیونکہ اولیاء اللہ کی وہ ارفع شان ہے کہ ان کے اسرار و احوال سے جبرائیل و میکائیل کو خبر نہیں دی جاتی۔ اس دشمن پر کیا خدا ظاہر کرے گا۔ خواجہ جنید نے مڑ کر دیکھا تو خواجہ سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ یعنی اپنے پیر کو پاکر بہت خوش ہوئے۔ انشراحِ قلبی آپ کو پیدا ہوا۔ (دیکھو چھپانے کا یہ حال ہے) کہ خواجہ اویسؓ قرنی رضی اللہ عنہ کو اس عالم میں چرواہے کے لباس میں چھپا رکھا تھا۔ یہاں تک کہ سوائے محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے انھیں کسی نے نہ پہچانا۔ اور قیامت کے دن بھی ستّر ہزار فرشتے اُنھیں کی صورت کے بنائے جائیں گے، تاکہ کوئی انھیں جان پہچان نہ سکے۔

سبحان اللہ کیا شان تھی۔ یہ بات دیکھنے اور سمجھنے کی ہے کہ عالم میں چاروں طرف اُس وقت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینۂ پاک کے فیضان سے ہر درد والے دل کی دوا اور مدد ہوا کرتی تھی، مگر کسی کے دردِ دل کی یہ دھاک نہ بندھی جو تماشا حضرت اویس قرنی کے درد دل نے دکھایا۔ اللہ اللہ جس وقت دلِ اویس بمقامِ قرن بند و محتاج ہو جاتا تھا، حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس عبارتِ لطیف اور اشارۂ معنی خیز سے اِنِّیْ لَاَجِدُ نَفَسَ الرَّحْمٰنِ مِنْ جَانِبِ الْیَمَنِ (البتہ میں پاتا ہوں خدا کی خوشبو یمن کی طرف سے) فیضان کی کمک بھیجتے تھے تاکہ ان کی مدد فرمائے، اور اس ہیچی کو مستی سے بدل دے۔ اگر غور سے دیکھو تو اس عبارت میں ایسا بھید پوشیدہ ہے جو توحید کے راز کھول کر دلوں پر بجلی گرا رہا ہے نہ کسی کی زبان کو طاقت ہے کہ بیان کر سکے، نہ کسی کے کان کو قوت ہے کہ اس کو سن سکے۔ اور سمجھ سکے۔

یہاں پر ـــــ عَلِمَ مَنْ عَلِمَ وَجَهِلَ مَنْ جَهِلَ (جس نے جانا جانا اور جو جاہل رہا جاہل رہا) ـ کہہ کر آگے بڑھنا پڑتا ہے۔ چونکہ گمنامی بھی ایک نعمت ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ اپنے صدیقوں پر جو اپنے قبیلہ کے ہادی و رہنما ہیں، قیامت کے دن

منجملہ اور احسانات کے یہ احسان بھی رکھے گا اَلَمْ اَخْمَلْ ذِکْرَکُمْ۔ یعنی کیا میں نے تمھیں گمنام نہیں رکھا تھا۔ اور تمھاری راہ کو خودی کے خوفناک منظر سے صاف نہ کر دیا تھا۔ تاکہ ننگ و نام کی دھر پکڑ سے تمھارا دامن سلامت رہے۔ کیا خوب کسی شوریدہ سر نے اسی معنی کی طرف اشارا کیا ہے۔ رباعی

در بتکدہ بیں کہ بُت پرستان چہ کنند با تنگ دہانت تنگ دستان چہ کنند

من مستِ توام مرا نکو باید داشت ورنہ دانی بتا کہ مستان چہ کنند

(بتخانہ کی طرف دیکھ بُت پرست کیا کرتے ہیں! تیرے چھوٹے منہ کے ساتھ جن کے ہاتھ کی پہنچ نہیں ہے، کیا کرتے ہیں! میں تیرا مستانہ ہوں، مجھ کو ٹھیک سے رکھ۔ نہیں تو تجھ کو معلوم ہے کہ مستوں کے کیا لچھن ہیں)۔ دیکھو ابراہیم شبیہ رحمۃ اللہ علیہ جو اپنے وقت میں صدیقوں کے معتدا اور پیشوا تھے، وہ یہ دعا کرتے تھے کہ اَللّٰھُمَّ کَمَا اَنْسَیْتَنِیْ عَلَی النَّاسِ فَاَنْسِھُمْ عَلَیَّ خداوندا جیسا کہ خلق کے دل سے تونے مجھے بھلا دیا ہے میرے دل سے بھی ان کو بھلا دے۔ تاکہ نہ کوئی مجھے پہچانے، اور نہ کسی کو میں پہچانوں۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔ بیت

خلق آفتِ تست زود بگریز از سود و زیانِ شان بپرہیز

(مخلوق تیرے لیے آفت ہے اس سے دُور رہ۔ اس کے نفع و نقصان سے پرہیز کر)

ارباب بصیرت کا قول ہے کہ خلق اگر انصاف کی نگاہ سے دیکھے تو اُسے معلوم ہو جائے کہ آپس کا میل جول، آپس کی جان پہچان سراسر وبال ہے۔ مگر یہ اُن لوگوں کے لیے وبال نہیں ہے جو آپس میں ربط و دوستی محض خداوند تعالےٰ کے لیے رکھتے ہوں۔ چنانچہ قرآنِ قدیم نے خبر دی ہے۔ اَلْاَخِلَّآءُ یَوْمَئِذٍ بَعْضُھُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ ۝ (آج احباب ایک دوسرے کے دشمن ہیں، مگر وہ لوگ جو متقی اور پرہیزگار ہیں)۔ پھر اس معاملہ پر بھی نظر کرو کہ ابوالحسن نوریؒ جن کا لقب قمر الصوفیہ تھا۔ جب آپ باتیں کرتے تو دہنِ مبارک سے نور جھڑتا۔ اور اس کی چمک آسمان کو روشن کر دیتی۔ اسی وجہ سے آپ کو لوگ نوری کہا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا

کہ سال بھر تک آپ نے ایسا مجاہدہ کیا کہ حجرے سے باہر نہ نکلے، اور نہ کسی سے کچھ باتیں کیں۔ اس کے بعد یہ مناجات کی کہ اَللّٰھُمَّ سَتِّرْنِیْ فِیْ عِبَادِكَ وَبِلَادِكَ۔ خداوندا مجھے عالم اور عالمیان کی نگاہ سے پوشیدہ رکھ، کیونکہ مجھ میں اتنی طاقت نہیں کہ خلق کے درمیان میں مشارٌ الیہ سمجھا جاؤں۔ تاکہ ہماری جانب کوئی پھٹکنے نہ پائے۔ اللہ اکبر کسی اہلِ درد نے کیا خوب کہا ہے۔ رباعی

عشق آمد و جان فدائے جاناں دادہ   معشوق زجانِ خویش ما را جاں داد

زین گونہ پیامہا کہ او پنہاں داد   یک ذرہ بصد ہزار جاں نتواں داد

(عشق پیدا ہوا، اور ہم نے اپنی جان معشوق پر فدا کر دی۔ معشوق نے اپنی جان سے ہم کو جان دی۔ اس لیے چپکے چپکے اس نے جو جو پیغام بھیجے، اگر اس کے ایک ایک حرف پر ہزار جانیں بھی تصدق کی جائیں، تو کافی نہیں)۔ چنانچہ ہاتفِ غیب نے ندا دی کہ اَلْحَقُّ لَا یَسْتُرُہٗ شَیْءٌ یَا نُوْرِیْ۔ اے نوری، تم فلکِ حقیقت کے آفتاب تاباں ہو۔ خلق اللہ پر تمھاری جلوہ گری ہمیں منظور ہے۔ تم ہزار چھپنا بھی چاہو تو ہم کب چھپنے دیتے ہیں۔ صدیقوں کا قول ہے کہ اَلْخُمُوْلَۃُ رَاحَۃٌ وَّوَاحِدٌ لَا یَرْضٰھَا وَالشُّھْرَۃُ اٰفَۃٌ وَّکُلٌّ یَّتَمَنّٰھَا۔ گمنامی اگرچہ دل کی راحت و آرام کا باعث ہے۔ مگر کوئی بھی اسے پسند نہیں کرتا۔ اور نہ اس سے خوش ہوتا ہے۔ اور شہرت میں آفت در آفت ہے۔ مگر ایک عالم ہے کہ اس کا آرزومند ہے۔ اے بھائی ایسا نام جو مرنے کے ساتھ ہی مٹ کر غائب ہو جائے گا، وہ بھی کوئی نام میں نام ہے۔ اہلِ سعادت کی تو یہ وصیت ہے کہ آج دنیا میں خلق کے سامنے جس نے قبولیت و شہرت حاصل کی ساتوں آسمان کے فرشتے اُسے سعادت مند نہیں سمجھتے۔ اور نہ خطبۂ محبت اُس کی شان میں پڑھتے ہیں۔ البتہ جاہ و منزلت اُسے کہتے ہیں جو دین داری سے پیدا ہوتی ہے۔ یہی جاہ قیامت کے دن ظاہر و نمایاں ہوگی۔ جیسا کہ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ صدیقینؓ کے سامنے خواجۂ اویس قرنیؒ کے بارے میں خبر دی ہے کہ قیامت کے دن اہلِ سعادت کو خطاب و فرمان ہوگا کہ تم لوگ دارُ السّلام میں جاؤ، اور اویس قرنی کو میری طرف سے کہہ دو کہ آج قیامت کا دن ہے آفتاب کی

تابش سخت تیز ہے تم عرش کے سایہ میں چلے آؤ۔ (اور وہ زبان جو حوضِ کوثر سے دھوئی ہوئی ہے اس) سچی زبان سے اُمتِ گنہگار کی شفاعت چاہو۔ آج ہمارا یہ حکم ہے کہ قبیلہ ربیع اور مضر میں جتنی بکریاں ہیں اُن کے ایک ایک بال کی تعداد میں عاصیانِ امتِ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمہاری شفاعت کی بدولت فردوسِ بریں میں بھیجوں گا۔ دیکھو اویس جب تک اس عالم میں رہے اپنے کو خلق کی نگاہ سے ایسا چھپائے رہے کہ اس قبیلے میں کوئی آدمی ان سے بڑھ کر خوار و ذلیل نہ تھا۔ آپ کے قبیلے میں جتنے لڑکے تھے سب کے سب آپ پر ڈھیلے پھینکتے اور مضحکہ اڑاتے، تخفیف و اہانت کیا کرتے۔ اور علو مرتبت کا یہ حال تھا کہ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہ رسالت میں تختِ نبوت پر جلوس فرما کر آپ کی شان میں یوں گوہر فشانی فرماتے ہیں کہ اِنِّیْ لَاَجِدُ نَفَسَ الرَّحْمٰنِ مِنْ جَانِبِ الْیَمَنِ۔ (البتہ میں پاتا ہوں خدا کی خوشبو یمن کی طرف سے) ہے ہے! اس راز کو کسی نے کیا خوب کہا ہے۔ رباعی:-

اے عاشق اگر بہ کوے ما گام زنی	در دم باید کہ ننگ با نام زنی
سر رشتہ روشنی بدست تو دہند	بر آتش خود چو شمع ہر گام زنی

(اے عاشق میری گلی میں اگر تو قدم رکھے، تو ضروری ہے کہ عزت و آبرو کو خیرباد کہہ دے۔ ہزاروں چراغ تیرے ہاتھ میں دیدیں گے تاکہ تو شمع کی طرح اپنی آگ میں ایک ایک قدم اُٹھائے)۔ خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ کو ایک آدمی نے دیکھا اور عرض کی کہ یَا اُوَیْسُ حَدِّثْنِیْ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِاَحْفَظَہٗ مِنْکَ۔ مجھے کوئی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت کیجیے تاکہ میں آپ کے واسطے سے یاد رکھوں۔ آپ نے فرمایا کہ ہم کو اس کے برداشت کی صلاحیت نہیں جو ہمارے نزدیک لوگ جمع ہوں اور ہمیں محدث یا قاضی یا مفتی بنائیں۔ اس سے کہیں زیادہ ایک بڑے مہم کا سامنا ہے۔ اور ایک بڑے کام میں ہم مشغول ہیں۔ ہمیں معاف کرو اور معذور رکھو جو آگ ہمارے دل میں بھڑک رہی ہے اور جو حال ہمارا ہو رہا ہے اس میں ہم کو محدثی نہیں

سوجھتی ہے۔ اس وقت لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کی محبت دامنگیر حال ہے۔ یہ ذرا روا دار نہیں کہ ہمیں دوسری چیز کی طرف ملتفت ہونے دے۔ حسرتِ نایافت نے ہماری ساری خواجگی کو آتشِ قہر سے جلا کر خاک سیاہ کر دیا ہے۔ قبولیتِ توحید نے ہمیں دونوں جہان سے ناآشنا اور بیگانہ بنا دیا ہے۔ اسرارِ صمدیت نے ہمارے دل میں ابدی ماتم وقف کر دیا ہے۔ اور ہمارے افلاس نے ہماری راہ کھوٹی کی ہے۔ اور مصیبتِ نایافت نے ہماری تمام امیدوں پر پانی پھیر دیا ہے۔ اور اس حدیث سے مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے رُبَّ اَشْعَثَ ذِیْ طِمْرَیْنِ لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللہِ لَاَبَرَّہٗ جو تعریف نکلتی ہے اُس نے سردی، غم و اندوہ میں ہمیں محبوس کر دیا ہے۔ اور اِنِّیْ لَاَجِدُ نَفَسَ الرَّحْمٰنِ مِنْ جَانِبِ الْیَمَنِ کے اسرار نے ہمیں ابدی بیت الاحزان میں بٹھا رکھا ہے۔ کسی سوختہ نے کیا خوب کہا ہے۔ رباعی

سوزِ دلِ خستہ از وصالت نہ نشست	وین تشنگی از آبِ زلالت نہ نشست
نے رنگِ وجود ماز ہستی برخواست	از جانِ ہوسِ عشقِ جمالت نہ نشست

(تیرے وصال کے بعد بھی دل کی جلن کم نہ ہوئی۔ تیرے آبِ زلال نے بھی یہ پیاس نہیں بجھائی۔ ہمارے وجود سے ہستی کا نشان نہیں مٹا۔ تیرے جمال کا عشق ہوس سے تسکین نہ پا سکا)۔ عرفا کہتے ہیں کہ حاشا و کلا خداوند تعالےٰ کے نزدیک کوئی آواز اپنے اوپر نوحہ کرنے سے زیادہ محبوب نہیں۔ پس آج کے دن چاہیے کہ صدیقانِ راہ صادقانِ دین پناہ خواجہ اویس قرنیؒ سے نوحہ گری سیکھیں۔ اے بھائی جو شخص ایسا ہے کہ ہر لحظہ اپنے اوپر اس کو ماتم و نوحہ نہیں ہے وہ محض لاغی پُر از غفلت ہے۔ قیامت کے دن حسرت سے بھرا ہوا ایک مردار ہوگا۔ یہ ایک لغو طمع ہے جس میں آج کل ہر کوئی مبتلا ہے۔ کس قسم کا یہ خللِ دماغ ہے کہ مجھے دنیا میں جاہ و حشمت چاہیے اور دولت و حکومت چاہیے، اور عزت و ناز چاہیے اور سیر و تماشا علی الدوام چاہیے۔ پھر حضرتِ خداوند کی دوستی و محبت بھی چاہیئے: ھٰذَا مُحَالٌ یہ محال ہے۔ رباعی:۔

بہت سے پراگندہ بال اور گرد آلود پرانے کپڑوں والے اگر قسم کھالیں اللہ کے اوپر تو خدا ان کی قسم پورا کر دیتا ہے۔

= یمن کی طرف سے میں رحمٰن کی خوشبو پاتا ہوں

جانباز کہ وصلِ او بد ستان ندہند شیر از قدحِ شرع بہ مستان ندہند

آنجا کہ بہم مے ہمہ مردان نوشند یک جرعہ ازان بہ خود پرستان ندہند

(جان کی بازی لگادے کیونکہ اس کا وصال مکاروں کو حاصل نہیں ہوتا۔ شریعت کے پیالے سے مست اور لسنہ خوروں کو دودھ نہیں دیتے۔ جس بھٹی میں جوانمرد پیتے ہیں اُس کا ایک گھونٹ بھی خودی رکھنے والوں کو نہیں ملتا)۔

اے بھائی، جب تک ہو سکے عمر عزیز کسی صاحب کشف کی کفش برداری میں صرف کرد۔ اور کسی صاحبِ دین کے سایۂ دولت میں پناہ پکڑو۔ دین کے لیے کسی کو دوست بنالو۔ کیونکہ دین کے لیے یار اور دوست کا ملنا نادر ہے۔ اور یہ یقین جانو کہ دین کی راہ بغیر یارِ موافق کے طے نہیں ہو سکتی۔ اگر تم یہ کہتے ہو کہ مجھے دین کے کام میں کوئی دوست نہیں ملتا تو نفس کافر کے عشق کی جو قبا ہے اُسی کم بخت کی دھجیاں اُڑا ڈالو۔ اور بے دینی میں اُس کے یار نہ بنو۔ دیکھو تمھاری عمر کو اُس نے برباد کیا۔ اور دین تمھارا غارت کر کے بیٹھا۔ قیامت سے تم بیگانہ ہو گئے۔ اور دنیا کے آشنا ٹھہرے۔ تمھاری دولت اور سعادت کا اس نے قلع قمع کر دیا۔ اور دین کا محل خراب اور ویران کر گزرا۔ افسوس صد افسوس۔ تمھارا عشق اس کے ساتھ بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ اور ہر ساعت اس کی دوستی کو بڑھا رہی ہے۔ یقین جانو کہ نفس کافر دین کا دشمن ہے۔ تم نے اگر اسے دشمن سمجھا تو نجات پاؤ گے۔ اور دین کی وفاداری دیکھو گے۔ خلق اللہ کو اپنی شان و شوکت نہ دکھلاؤ۔ فرشتے اس سے شرماتے ہیں۔ اور غیرت کرتے ہیں۔ کسی سوختہ نے کیا خوب کہا ہے۔ رُباعی:۔

از عشق مہے چو بر لب آمد جانم گفتم نہ کنی بہ وصلِ خود مہمانم

گفتا اگرت وصالِ ما می باید در خویش ممان تو تا ہمہ من مانم

(ایک حسین کے عشق میں جب میرے لبوں پر جان آنے لگی، تو میں نے کہا کیا تم مجھ کو اپنا مہمان نہ بناؤ گے؟ اُس نے کہا۔ اگر میرے وصال کے خواہاں ہو تو اپنی خودی کھو ڈالو،

تاکہ میں ہی باقی رہ جاؤں)۔

قضائے حاجات اور کفایتِ مہمات کے لیے یہ چار رکعتیں نماز جس وقت چاہو پڑھو۔ مگر شب آدینہ اس کے لیے بہتر ہے۔ پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ ایک بار اور سو مرتبہ یہ آیت پڑھو۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِیْنَ ۝ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّیْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ وَكَذٰلِكَ نُنْجِی الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ اور دوسری رکعت میں فاتحہ ایک بار اور سو بار یہ آیت پڑھو اِنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ۝ تیسری رکعت میں فاتحہ ایک بار اور سو مرتبہ یہ آیت پڑھو وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْ اِلَی اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۝ اور چوتھی رکعت میں فاتحہ ایک بار اور سو مرتبہ یہ آیت پڑھو۔ حَسْبِیَ اللّٰهُ نِعْمَ الْوَكِیْلُ ۝ نِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ ۝ اور سلام کے بعد اس آیت کو سو مرتبہ پڑھو رَبِّ اِنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ۝ اس نماز کو بہتر سمجھو۔ اور جملہ مہم اور حاجات میں پڑھو۔ کیونکہ اس نماز میں فتوح بہت ہیں۔ والسّلام۔

بارھواں مکتوب

انوار کے بیان میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میرے بھائی شمس الدین تمھارے دل کو اللہ تعالیٰ اپنی معرفت کے انوار سے روشن کرے۔ تمھیں معلوم ہو کہ آئینۂ دل جب صاف ہو جاتا ہے، اور طبعی زنگار جب مٹ جاتا ہے اور صفاتِ بشریت کی سیاہیاں دُور ہو جاتی ہیں تو یہی دل ظہورِ انوارِ غیبی کے لائق ہو جاتا ہے۔ ابتدائے حال میں وہ نور اکثر برق یا تیز روشنی یا صاف روشنی کی طرح ظاہر ہوتا ہے۔ اس آئینۂ دل میں جتنا اچھا صیقل ہوگا، یہ انوار اپنا رنگ و روغن زیادہ دکھائیں گے۔ اس کے بعد وہی نور جو برق کی طرح چمک جاتا تھا اس میں ایک ثبات و قیام چراغ یا شمع یا مشعل یا ایک روشن آگ کی طرح پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر علوی نور پیدا ہوتے ہیں۔ ابتداءً یہ نور علوی چھوٹے بڑے ستاروں جیسے

ہوتے ہیں، پھر چاند کی طرح دکھائی دیتے ہیں۔ پھر آفتاب کی شکل نظر آتے ہیں۔ پس تم ہوشیار ہو جاؤ کہ جو نور برق یا تیز روشنی یا صاف روشنی کی طرح ظاہر ہوتا ہے اکثر و بیشتر وضو اور نماز کی برکت سے ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ شیخ ابو سعید ابوالخیر قدس اللہ روحہٗ کے ایک مرید صاحب وضو کر کے حجرے میں داخل ہوئے۔ ناگاہ ایک نور دیکھا۔ دیکھنا تھا کہ چیخ اٹھے۔ دعویٰ کا یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔ خداوند تعالےٰ کا دیدار نصیب ہوا۔ یہ نعرہ اسی مستی میں تھا۔ حضرت شیخ قدس سرہٗ اس حال سے واقف ہو گئے۔ آپ نے فرمایا کہ اے ناتجربہ کار تو کہاں ہے، اُس نور کو تو نے کیا سمجھا ہے؟ ارے، یہ نور تیرے وضو کا ہے۔ تیری بساط اور وہ درگاہ، چھوٹا منھ اور بڑی بات۔ دیکھو، اس وقت اُس مرید کے سر پہ اگر پیر کا سایہ نہ ہوتا تو بیچارا ہلاک ہو چکا تھا، خیر جو نور چراغ یا شمع یا مشعل کی مانند دکھائی دے، وہ نور شیخ کی ولایت و فیضان کا ہوتا ہے۔ یا فیضانِ بارگاہِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت ہے۔ اس فیضان کی وجہ سے دل گویا چراغ و شمع کے مانند منور و تاباں ہو رہا ہے۔ اور اگر قندیل یا فانوس کی صورت میں دیکھو تو اُسے بھی یہی سمجھو، جیسا کہ کہا گیا۔ اور اگر علویات کی صورت میں دیکھو، یعنی ستارہ، ماہتاب، آفتاب کی مانند، تو وہ انوارِ روحانی ہیں، جو آسمانِ دل پر بقدر صفائے دل ظاہر ہوتے ہیں۔ دل کے آئینے کو اگر ستارہ کی مقدار صفائی حاصل ہوتی ہے تو ستارہ ہی کے اندر سے نور روح ظاہر ہوگا۔ اگر ماہتاب نظر آئے تو اس کی دو صورتیں ہوں گی۔ اگر ماہِ کامل دیکھو تو سمجھو کہ دل پورا پورا صاف ہو گیا۔ اور اگر کچھ نقصان پاؤ تو سمجھو کہ دل میں ہنوز کدورت باقی ہے جب آئینۂ دل میں کمال درجہ کی صفائی حاصل ہو جاتی ہے تو روح کا نور خورشید کی مثال دکھائی دیتا ہے۔ جتنی صفائی زیادہ ہو گی اسی قدر وہ آفتاب زیادہ درخشاں ہوگا۔ اور روشنی اس کی ہزار گونہ زیادہ تاباں معلوم ہو گی۔ اگر چاند سورج دونوں ایک ساتھ نظر آئے تو چاند دل ہے جو نورِ روح کے پرتو سے منور ہو رہا ہے۔ اور خورشید روح ہے جس کو آنکھ دیکھ رہی ہے۔ مگر ابھی تک وہ نور حجاب اور پردے میں طلوع کر رہا ہے۔ کیونکہ خیال اُس کو

خورشید کی صورت میں دیکھ رہا ہے۔ ورنہ نورِ روح کی نہ تو کوئی صورت ہے نہ شکل۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انوارِ صفاتِ خداوندِ عزوجل کا پرتو بھی بمقتضائے مَنْ تَقَرَّبَ اِلَیَّ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ اِلَیْہِ ذِرَاعًا (جو کوئی ہم سے ایک بالشت نزدیک ہوتا ہے ہم اُس سے ایک گز قریب ہوجاتے ہیں)۔ پیش قدمی کرتا ہے۔ (من آیم بجان گر تو آئی بہ تن۔ اگر تو جسم سے آئے گا، تو میں جان سے تیری طرف آؤں گا)۔ اور اسی حجابِ رُوحانی کی شکل میں اپنا عکس آئینۂ دل پر ڈالتا ہے جو دل کی صفائی کے انداز سے ظاہر ہوتا ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ یہ کیونکر معلوم ہوا کہ جو نور نظر آیا یہ نورِ صفاتِ خداوند تعالیٰ کا پرتو ہے۔ تو بزرگوں نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ انوارِ صفاتِ حق کا مشاہدہ جب ہوتا ہے تو وہی نور اپنی تعریف آپ کرتا ہے اور خود اپنے کو پہچنوا دیتا ہے۔ کیونکہ دل کو ایک قسم کی لذّت و ذوق حاصل ہوتا ہے۔ اسی ذوق کی وجہ سے وہ سمجھتا ہے کہ جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں۔ وہ حضرت خداوند تعالیٰ کے انوارِ صفات سے ہے۔ کوئی دوسری چیز نہیں ہے۔ یہ ذوقی معنی ہیں۔ ان کا عبارت میں لانا ذرا دشوار ہے۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ انوارِ صفاتِ جمالی نور بخش ہوتے ہیں جلانے والے نہیں ہوتے۔ اور انوارِ صفاتِ جلالی جلانے والے ہوتے ہیں۔ اس میں نورانی ٹھنڈک نہیں ہوتی۔ اس مقام میں عقل و فہم کا خاتمہ ہے اس کے گرد بھٹکنے نہیں پاتے۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دل کی صفائی جب کمال درجہ پر پہنچتی ہے تو سَنُرِیْھِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْٓ اَنْفُسِھِمْ (ہم اُن کو اپنی نشانیاں جہان اور اُن کی ذات میں دکھادیں گے)۔ کی جلوہ گری ہونے لگتی ہے۔ اور یہ رنگ ہوجاتا ہے کہ اپنی ذات کو اگر دیکھتا ہے تو حق نظر آتا ہے۔ موجودات پر نگاہ کرتا ہے تو حق کو دیکھتا ہے۔ جیسا کہ کسی بزرگ نے کہا ہے مَا نَظَرْتُ فِیْ شَیْءٍ اِلَّا رَاَیْتُ اللہَ فِیْہِ۔ میں نے کسی چیز کی طرف نگاہ نہیں کی، مگر جو کچھ دیکھا خدا ہی کو دیکھا۔ خیر جب نورِ روح پر حق تعالیٰ کے نور کا عکس پڑے گا تو اس کے مشاہدہ میں لذّت و ذوق کی آمیزش ہوگی۔ اور نورِ حق تعالیٰ بے حجابِ روحی و دلی مشاہدہ میں آئے گا بے رنگی بے کیفی بے جسمدی بے مثلی بے ضدّی ظاہر ہوگی۔ اس صورت میں وقار و تمکنت سالک کے

لوازمات میں سے ہے۔ اس مقام میں نہ طلوع ہے نہ غروب ہے، نہ یمین ہے نہ یسار، نہ بلندی ہے نہ پستی، نہ مکان ہے نہ زمان، نہ قرب ہے نہ بعد ہے، نہ دن ہے نہ رات ہے، اس مقام میں نہ عرش ہے نہ فرش ہے، نہ دنیا ہے نہ آخرت۔ اس مقام کا کیا بیان ہو۔ قلم ٹوٹ گیا، زبان میں حرکت باقی نہ رہی۔ عقل چاہِ عدم میں غرق ہو گئی۔ علم و فہم صحرائے حیرت میں گم ہو گئے۔ اب تمہیں لازم ہے کہ اپنی زندگی کو حسرتِ نایافت میں گزارو۔ کیونکہ حجاب و بعد میں پڑے ہو۔ اس قرب سے تو یہ ہی بھلی، جس میں عجب یافت پیدا ہو۔ کچھ جانتے بھی ہو، یہ عجب مقدمۂ زوال ہے۔ اور وہ حسرت، عطا و انعام کا وسیلہ ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ راہ کو خودی سے پاک و صاف کرنا چاہیئے اور جامۂ لبشریت کی دھجیاں اُڑانی چاہئیں۔ اور دیدۂ خود بیں پر خاک ڈالنا چاہیئے۔ کیونکہ اس راہ میں جس نے اپنی خودی دکھائی وہ مخنّث ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے عہدِ دولت میں ایک شخص ناعاقبت اندیش تھا، جس نے اپنے کو دیکھا۔ ہر چند کہ فرشتوں کا استاد اور سردار تھا۔ مگر جب اپنی خودی ظاہر کی اُسے مخنّث و مؤنّث بنا کر دنیا کی خانہ آرائی اس کے سپرد کی گئی، تاکہ ذلیل ہمت والوں کی نظر میں اس کا نکھار دکھاتا رہے۔ ارے معاذ اللہ! ایک نظرِ قہر میں ابلیس کا کام تمام کر چھوڑا۔ اور سبحان اللہ ایک نگاہِ لطف میں مشتِ خاک کو تاجدار بنا دیا۔ ابلیس کو ایسا مردود کیا کہ پھر قبول نہ کرے گا۔ آدم کو ایسا مقبول بنایا کہ پھر رد نہ کریگا۔ یہ جانتے ہو ایسا کیوں ہوا ہے۔ سنو، جہاں کہیں حسین اور صاحبِ جمال ہوتے ہیں، کوئی بدصورت و سیاہ رُو کا ہونا بھی ضرور ہے، تاکہ حسن کا جوہر کھلے، جس جگہ خوش منظر جھروکا ہو اُس کے مقابل میں اگر کوئی مزبلہ نہ ہو تو وہ ناقص ہے۔ جہاں کہیں نورِ طہارت سے دل کی آرائش کی گئی ہے اس کے مقابل میں نفس خبیث کی نجاست بھی رکھی گئی ہے۔ جب دل کو خلعتِ طہارت سے آراستہ کیا گیا تو ساتھ ساتھ ظلوم و جہول کا خطاب بھی دیا گیا۔ تاکہ انسان اپنے کو فراموش نہ کر جائے۔ سمجھتا رہے کہ میں کیا ہوں؟ طاؤس جب اپنے پروں کو دیکھتا ہی تو ایک ایک پَر دیکھ کر اُسے نئی مسرت و مستی ہوتی ہے، مگر پاؤں پر جب نگاہ پڑ جاتی ہے تو ساری خوشی کافور ہو جاتی ہی۔ اور مرجھا جاتا ہے۔ والسلام

تیرھواں مکتوب

کشف کے بیان میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میرے عزیز بھائی شمس الدین اللہ تمھیں کشف کے اسرار سے بزرگ و برتر بنائے۔ تمھیں معلوم ہو کہ حجاب کا اُٹھ جانا کشف کی حقیقت ہے۔ صاحبِ کشف ان چیزوں کا ادراک کرتا ہے جو جو چیزیں پہلے اُسے معلوم نہ تھیں۔ چنانچہ خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے فَکَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ یعنی تمھاری نظر سے میں نے حجاب اُٹھادیا۔ یہاں تک کہ تمھاری آنکھیں روشن ہوگئیں۔ اور اُن چیزوں کو دیکھنے لگے، جو تم نے پہلے نہ دیکھیں تھیں۔ حجاب ان موانعات کو کہتے ہیں جن کے سبب انسان کی آنکھوں پر ایسا پردہ پڑا رہے کہ جمالِ حضرتِ خداوندی کے دیدار سے محروم رہے۔ عالم حجاب بہت ہیں، جیسا کہ دنیا و آخرت۔ اور ایک روایت ہے کہ اٹھارہ ہزار عالم ہیں۔ اور دوسری روایت ہے کہ اسّی ہزار عالم ہیں۔ خیر، اٹھارہ ہزار ہوں یا اسّی ہزار کل عالم آدمی کی ذات میں موجود ہیں۔ ہر ہر عالم کے لحاظ سے آدمی کو آنکھیں ملی ہیں۔ تاکہ اس آنکھ سے حالتِ کشف میں اس عالم کا مشاہدہ کرسکے۔ وہ اسّی ہزار عالم فرداً فرداً دو ہی عالم میں موجود ہیں۔ ان دونوں عالم کو نور و ظلمت کہو، ملک و ملکوت کہو، غیب و شہادت کہو جسمانی و روحانی کہو، دنیا و آخرت کہو، سب ایک ہی چیز ہے۔ صرف نام مختلف ہے۔ خیر، جب سالکِ صادق جذباتِ ارادت کے اثر سے طبعی، عادات و نفسانی خواہشات کے تحت الثریٰ سے نکل کر اعلیٰ علیین شریعت پر پہنچتا ہے اور نہایت سچائی سے قدم راہِ طریقت میں رکھتا ہے۔ اور اُس کے پورے قوانین و ضوابط کی پابندی کے ساتھ کسی پیر کی پناہ میں آجاتا ہے تو اسّی ہزار حجابوں میں سے جیسے جیسے حجاب اُٹھتا جاتا ہے ہر مقام کے اعتبار سے مرید کو ایک نئی آنکھ ملتی جاتی ہے۔ اور ہر ہر مقام کے احوال اُس کی نظر کے

سامنے ہوتے جاتے ہیں۔ سب سے پہلے مقامِ عقل میں اُس کو بینائی حاصل ہوتی ہے۔ جتنا حجاب اُٹھتا ہے معقولات کے معانی منکشف ہوتے ہیں، اور اسرار و رموزِ معقولات کھلتے ہیں اسی کو کشفِ نظری کہتے ہیں۔ اس پر زیادہ اعتماد نہیں کرنا چاہیئے۔ کیونکہ جو چیز نظر آ رہی ہے جب تک وہاں رسائی نہ ہو وہ بھروسے اور اعتماد کے لائق نہیں ہو سکتی۔ ع

نے ہرچہ تو بینی بہ تو بخشند اے دل

(ایسا نہیں ہے اے دل جو چیز تو دیکھے تجھ کو بخش دیں)۔ بہت سے حکما اور فلسفی اس مقام میں رہ گئے، اور اسی مقام کو مقصودِ حقیقی کا وصول سمجھا۔ بہرکیف جب مرید سالک کشفِ معقولات (کشفِ نظری) سے گزرتا ہے، اور ترقی کر جاتا ہے تو اُس کو مکاشفاتِ دلی حاصل ہوتے ہیں۔ اور اسی کو کشفِ شہودی کہتے ہیں۔ اس مقام میں مختلف قسم کے انوار کشف ہوتے ہیں۔ اس کے بعد مکاشفاتِ سرّی پیدا ہوتے ہیں اسی کو کشفِ الہامی کہتے ہیں۔ تخلیقِ عالم کے اسرار اور ہر چیز کے وجود کی حکمت سالک پر تمام ہوتی ہے۔ اسی معانی کی طرف کسی نے کیا خوب اشارہ کیا ہے۔ رباعی

اے کردہ غمت غارتِ ہوشِ دلِ ما   دردِ تو شدہ خانہ بدوشِ دلِ ما

سرے کہ مقدسان ازان بیخبر اند   عشقِ تو فرو گفتہ بگوشِ دلِ ما

(تیرے عشق و محبت نے ہمارے ہوش اُڑا دیے۔ تیرے درد و غم نے ہمارے دل میں گھر بنا لیا۔ وہ بھید جس سے فرشتے بھی بے خبر ہیں تیرے عشق نے ہمارے دل کے کان میں بتا دیا)۔ بعدہٗ مکاشفاتِ روحی پیدا ہوتے ہیں۔ اسی کو کشفِ روحانی کہتے ہیں۔ اس مقام میں بہشت و دوزخ اور ملائکہ کا دیکھنا۔ ان لوگوں کی باتیں سننا، اُن سے باتیں کرنا۔ ان معاملات کا سامنا ہوتا ہے۔ اور جب روح کو بالکل صفائی حاصل ہو گئی جسمانی کدورتیں ساری زائل ہو گئیں، تو عالمِ نامتناہی ظاہر ہوتا ہے۔ ازل اور ابد کا دائرہ سالک کے پیشِ نظر ہوتا ہے۔ اس مرتبہ میں حجابِ زمان و مکان کا اُٹھ جاتا ہے۔

یہاں تک کہ جو واقعات زمانۂ ماضی میں گزرے ہیں، ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ ابھی پیشِ نظر ہیں۔ بلکہ بعض آدمی تو ایسے ہیں کہ آفرینشِ موجودات کی ابتدا اور اس کے مراتب اُس کی نظر کے سامنے ہوتے ہیں، اور اسی طرح آنے والے واقعات بھی ادراک ہوتے ہیں۔ چنانچہ حارثہ رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر جواب دیا۔ اِنِّیْ اَنْظُرُ اِلٰی اَھْلِ الْجَنَّۃِ یَتَزَاوَدُوْنَ وَاِلٰی اَھْلِ النَّارِ یَتَغَاوَدُوْنَ۔ (میں دیکھتا ہوں جنت والوں کی طرف تو وہ بڑھ رہے ہیں۔ اور جب دوزخ والوں کی طرف دیکھتا ہوں تو وہ چیخیں مارتے نظر آتے ہیں)۔ پس جب حجابِ زمان و مکانِ دنیاوی اُٹھ جاتے ہیں اور آخرت کے زمان و مکان کشف ہو جاتے ہیں، تو اس مقام میں جہت کا حجاب باقی نہیں رہتا۔ پس پشت سے بھی وہ شخص ویسا ہی دیکھتا ہے، جیسا کہ سامنے سے۔ کیونکہ پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں جس طرح سامنے کی چیزیں دیکھتا ہوں اسی طرح پشت کی چیزیں بھی دیکھتا ہوں۔ اس مقام میں پہنچ کر کشف و کرامت اختیاری چیز ہو جاتی ہے۔ روشن ضمیری یا دُور کی بات پر مطلع ہونا، پانی یا آگ پر چلنا یا ہوا پر اُڑنا۔ یا آنِ واحد میں زمین کاطے کرنا۔ یا اس قسم کی اور باتوں کا پیدا ہونا سب ہی از قسمِ کرامت ہیں، مگر کوئی اعتبار کی چیز نہیں۔ کیونکہ یہ سب باتیں دین دار اور غیر دین دار دونوں کو حاصل ہو سکتی ہیں۔ روح جب مجاہدہ کی وجہ سے اپنے کو صاف کر لیتی ہے تو یہ باتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ پیغامبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابنِ صیا سے فرمایا۔ وَمَا تَرٰی۔ تو کیا دیکھتا ہے؟ ابنِ صیا نے کہا۔ اَرٰی الْعَرْشَ عَلَی الْمَاءِ۔ پانی پر عرش کو دیکھ رہا ہوں۔ پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ ذَاکَ الْعَرْشُ اِبْلِیْسَ) وہ ابلیس کا عرش ہے۔ دیکھو اس قسم کی چیزیں دجال میں بھی ہوں گی۔ حدیث شریف میں ہے۔ دجال کو آدمی کے مارنے پر قدرت ہوگی اور پھر اسی کو زندہ کرنے پر قابو بھی ہوگا۔ مگر حقیقۃً جسے کرامت کہتے ہیں وہ اہل دین کے سوا دوسرے کو نصیب نہیں ہو سکتی۔ (سنو) کشفِ روحی سے مکاشفاتِ خفی پیدا ہوتے ہیں

یہ روح تو کفار کو بھی ہوتی ہے اور مسلمانوں کو بھی مگر خفی خاصانِ حق کے سوا دوسروں کو نہیں ہوتی ہے۔ کیونکہ خفی روحِ حضرتی ہے۔ جیسا کہ خود ارشاد ہوتا ہے۔ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ وَاَیَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ (ان لوگوں کے دلوں میں [اللہ نے] ایمان لکھ دیا اور اپنی رُوح سے ان کی مدد کی)۔ اور پھر پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں فرماتا ہے۔ كَذٰلِكَ اَوْحَیْنَا اِلَیْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِیْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِیْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا۔ (ایسے ہی ہم نے بھیجی تمھاری طرف ایک روح اپنے امر سے۔ تم نہ جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور نہ ایمان۔ مگر ہم نے اس روح کو ایک نور بنا دیا۔ (کیونکہ) ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں)۔ جل جلالہٗ۔ اشارۃً اس کو یوں سمجھو کہ رستم کا بوجھ رستم ہی کا گھوڑا اُٹھا سکتا ہے۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ روحِ خفی دونوں عالم کے لیے واسطہ اور ذریعہ ہے۔ عالمِ خداوندی سے بھی اس کو تعلق ہے، اور روحانیت سے بھی۔ تاکہ دل مکاشفاتِ حضرتِ خداوندی کے لایق ہو۔ اور عکس اس اخلاق کا عالمِ روحانیت پر ڈالے۔ اس وقت تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللهِ (اخلاق حاصل کرو اللہ کے اخلاق سے)۔ کی خلعت سے مشرف ہوگا۔ اسی کو کشفِ صفائی کہتے ہیں۔ اس مقام میں سالک پر ایک عالم علم کا کھل جاتا ہے۔ اور علوم مِنْ لَّدُنِّیْ پیدا ہو جاتے ہیں۔ اگر سمعی صفت کشف ہوگی سماع اور کلامِ حق اور خطابِ حق ظاہر ہوگا۔ اور اگر بصری صفت کھلے گی رویت و مشاہدۂ حق حاصل ہوگا۔ اور اگر جمال کی صفت کھلے گی جمالِ حضرت کے مشاہدہ میں ذوق نصیب ہوگا۔ اور اگر جلال کی صفت کھلے گی، حقیقی فنا ظاہر ہوگی۔ اور اگر قیومی کی صفت کھلے گی حقیقی بقا نصیب ہوگی۔ اور اگر وحدانیت کی صفت کھلے گی، وحدت ظاہر ہوگی۔ بقیہ اسمائے صفاتی کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہیئے۔ اور سمجھنا چاہیے۔ کسی نے اس مقام کو اشارۃً کیا خوب کہا ہے۔ رُباعی

تا بر سرِ کوئے عشق تو منزل ماست ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ سرِّ دو جہان جملہ کشفِ دلِ ماست

دانجا کہ قدم گہ دلِ مقبول ماست مطلوب ہمہ جہانیان حاصلِ ماست

(جب تیرے عشق کی بارگاہ ہماری منزل ہے تو دونوں جہان کے اسرار ہمارے دل پر کھل گئے ہیں۔ جہاں ہمارے دل نے قدم رکھا ہے، وہاں سارے جہان کا مطلوب ہمیں حاصل ہو گیا ہے)۔

اے بھائی وہاں کام بے علت ہوا کرتے ہیں۔ نومیدی ذرّہ بھر جائز نہیں۔ لطف کی ہوا ہے کہ چل رہی ہے۔ چشم زدن میں گرے پڑوں کا کام ہو رہا ہے۔ ایک مرتبہ شب قدر میں مہتر جبریل علیہ السلام کو حکم ہوا کہ آج کی شب ذرا دنیا میں دیکھو تو کیا رنگ ہے حسب حکم جبریل علیہ السلام نے دنیا کی طرف نگاہ کی۔ کیا دیکھتے ہیں کہ سارا جہان تو پڑا سوتا ہے مگر ایک نہایت سن رسیدہ بت پرست بصد ذوق وشوق بُت کے سامنے سر بسجدہ ہے۔ اور الحاح وزاری کے ساتھ اپنی مرادیں مانگ رہا ہے۔ مہتر جبریل علیہ السلام نے چاہا کہ اگر حکم ہو تو ہم اس کو کچل ڈالیں اور فرشِ زمین کو ایسی نجس ہستی سے پاک وصاف کر دیں۔ ندا آئی کہ اے جبریلؑ ہوشیار۔ اگرچہ یہ خداوند جان کر مجھے نہیں پہچانتا مگر میں تو اس کو اپنا بندہ سمجھ رہا ہوں۔ خیر، دوسرے سال جب شبِ قدر آئی، تو جبریل علیہ السلام کو پھر خطاب ہوا کہ جاؤ آج شب کو پھر تو دیکھو کہ جاگتا کون ہے اور سوتا کون ہے؟ جبریلؑ نے دنیا کی طرف جب نگاہ کی تو کیا دیکھتے ہیں کہ محراب میں ایک نہایت ضعیف شخص ایک پاؤں پر کھڑا ہے اور خداوند تعالیٰ کی درگاہ میں بصد نیاز زاری کر رہا ہے۔ فرمان ہوا کہ تم جانتے ہو یہ کون بندہ ہے۔ سنو، یہ وہی ہے جو کمالِ بے خودی میں پار سال بُت کے سامنے سر بسجدہ تھا۔ اور بیگانہ بنا ہوا تھا۔ آج کی شب وہی ہے کہ میری بارگاہ میں ناآشنا سے آشنا اور بیگانہ سے یگانہ ہو رہا ہے۔ والسّلام

—٭—

چودھواں مکتوب

تجلّی کے بیان میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اے میرے بھائی شمس الدین۔ اللہ تعالےٰ تم کو اپنے صفات کی تجلیات مرحمت فرمائے۔

اس میں شک نہیں کہ دراصل تجلّی اسی کا نام ہے جس کا تعلق ظہورِ ذات وصفاتِ خداوندی سے ہے۔ جلّ جلالہٗ وجلّ شانہٗ۔ مگر یہ بھی سمجھ لو کہ روح کی بھی تجلّی ہوتی ہے۔ اور یہ ایسی نازک بات ہے کہ اکثر سالک کو غرور وپندار پیدا ہوگیا ہے۔ کیونکہ وہ تجلّیِ روح کو یہ سمجھا کہ حق کی تجلّی ہے۔ ایسے موقع میں اگر شیخِ کامل اور صاحبِ تصرّف کا سایہ سر پر نہ ہو تو اس منجدھار سے عبور دشوار ہے۔ پس ہر طالبِ صادق کو لازم ہے کہ کسی شیخ صاحبِ تصرّف کا وسیلہ اور اس کا دامن پکڑے تاکہ اس کی دست گرفتگی کی بدولت منزلِ مقصود تک پہنچے۔ چنانچہ قرآنِ قدیم نے بھی خبر دی ہے کہ وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا۔ (گھروں میں دروازوں سے داخل ہو)۔ اور کسی نے اسی معنی کی طرف یوں اشارہ کیا ہے۔ رباعی

بے واسطۂ واسطہ گر راہ روی ازراہ بیفتی وسوئے چاہ روی
در پیروی اش کنی زمینِ قدمش دریک دو زمان بعالم شاہ روی

(اگر کسی رہبر کے بغیر چلوگے راستے سے بھٹک کر کنویں میں گر پڑوگے۔ اگر کسی کی پیروی کروگے تو اُس کے قدموں کی برکت سے بہت جلد شہنشاہ کی منزل تک پہنچ جاؤگے)۔

اب تمھیں یہ بھی جان لینا چاہیے کہ تجلّیِ ربّانی کیا اور تجلّیِ روحانی کیا ہے۔ دونوں میں کیا فرق ہے۔ (اس کو ہم آگے لکھتے ہیں۔ ایک دوسری بات بھی کام کی ہے، اس کو پہلے سنو۔ یعنی) جب آئینۂ دل وجودِ ماسویٰ کی کدورتوں سے مصفّیٰ ومجلّا ہوجاتا ہے اور کمال درجہ کی صفائی حاصل ہوجاتی ہے

اُس وقت دل جمالِ حضرتِ عزت کے آفتاب کی جلوہ ریزی کے لایق ہو جاتا ہے ۔ اور ذات و صفات خداوند تعالےٰ کا جامِ جہاں نما بن جاتا ہے ۔لیکن اے بھائی یہ کچھ ضرور نہیں کہ جس کا دل صاف ہو جائے گا اُس کو تجلیِ ذاتی وصفاتی کا مشاہدہ بھی ہونے لگے گا ۔ کیونکہ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ (یہ خدا کی بخششیں ہیں جس پر چاہتا ہے کرتا ہے)۔ دیکھو دوڑنے والا ہی گورخر کو پکڑتا ہے ۔مگر یہ لازم نہیں کہ جو دوڑے وہ گورخر کو پکڑ ہی لے ۔ دوسری صورت یہ ہے کہ دل کی صفائی کے بعد اتنی روحانی ترقی سالک کو ہوتی ہے کہ انوارِ روح بہ شانِ تجلی ظاہر ہوتے ہیں ۔ اور اس وقت سالک سے صفاتِ بشریت بالکل غائب ہو جاتے ہیں ۔ اس موقع پر دو کیفیت طاری ہوتی ہے ۔ (۱) روح کو رُتبۂ خلافتِ حق حاصل ہوتا ہے ۔ اس با غرور شان تختِ خلافت پر اپنا جلوہ دیکھ کر کبھی دعویٰ اَنَا الْحَقُّ (میں خدا ہوں) بھی کرنے لگتی ہے ۔ (۲) اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ تمامی موجودات کو روح اپنے پایۂ تخت کے سامنے سربسجود پاتی ہے اور اِترا جاتی ہے سمجھتی ہے کہ ہم ہی ہم ہیں ۔ جیسا کہ منشا اس حدیث کا ہے ۔اِذَا تَجَلَّی اللّٰہُ بِشَیْءٍ خَضَعَ لَہٗ کُلُّ شَیْءٍ (جب اللہ تعالیٰ کسی کو اپنی تجلی دکھاتا ہے تو اُس کے لیے ہر چیز تابع ہو جاتی ہے)۔ اور اس قسم کی بہت سی غلطیوں میں پڑ جاتی ہے ۔بغیر عنایتِ خداوندی وحمایتِ پیر یہ مہم سر نہیں ہو سکتی۔

اب تجلی ربانی اور تجلیِ روحانی کے درمیان جو فرق ہے اُس کو سنو، پہلی بات یہی ہے کہ تجلیِ روحانی پر حدوث کا دھیان لگا ہوا ہے ۔ اس کو فنا کرنے کی صلاحیت وقوت نہیں ہے ۔ اگرچہ جس وقت اس تجلی کا ظہور ہوتا ہے صفاتِ بشری بالکل زائل ہو جاتے ہیں، لیکن ہمہ تن فنا نہیں ہوتے پھر جب اس تجلی کو حجاب ہوتا ہے فی الفور صفاتِ بشری ظاہر ہو جاتے ہیں ۔لیکن حق سبحانہٗ تعالےٰ کی ذاتی صفاتی تجلی اِن آفتوں سے بَری ہے ۔کیونکہ اس کا خاصہ ہے کہ نفس کو مغلوب کر دے اور صفتِ باطل کو جلا دے ۔ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَھَقَ الْبَاطِلُ ط اِنَّ الْبَاطِلَ کَانَ زَھُوْقًا (کہہ دو حق سامنے آگیا اور باطل کا وجود اُٹھ گیا ۔ باطل تہس نہس ہونے والی چیز ہے)۔ دوسری بات یہ ہے کہ روحانی تجلی جس وقت ہو گی دل میں ظلمانیت بھی ظاہر ہو گی اور شائبۂ شک و

شبہ سے دل کو چھٹکارا نہ ہوگا۔ اور معرفت کا پورا پورا ذوق حاصل نہ ہوگا۔ اور حق جل جلالہٗ کی تجلّی بالکل اس کے برعکس ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ تجلّیِ روحانی سے غرور پیدا ہوتا ہے اور عجب و خودی بڑھتی ہے۔ طلب میں نقصان پیدا ہوتا ہے اور خوف و عجز کم ہو جاتا ہے۔ حق سبحانہٗ کی تجلّی کی بات ہی دوسری ہے۔ ہستی نیستی سے بدل جاتی ہے اور دردِ طلب بڑھ جاتا ہے اور پیاس زیادہ ہو جاتی ہے۔ اب تم ان باتوں کا لب لباب اور نچوڑ سن لو کہ انسان ذات و صفاتِ باری تعالیٰ کا آئینہ ہے۔ جب انسان کا دل آئینہ کی طرح صاف ہو جاتا ہے اُس وقت حضرت خداوند تعالیٰ جس صفت کے ساتھ چاہتا ہے تجلّی کرتا ہے۔ اگر حیات کی صفت میں تجلّی ہوگی خضر و الیاس علیہما السلام کی طرح حیاتِ جاودانی ملے گی۔ اور اگر بہ صفتِ کلام تجلّی ہوگی موسیٰؑ کی طرح متکلم ہوگا۔ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا۔ (اور خدا نے حضرت موسیٰؑ سے باتیں کیں) اور اگر رزّاقی کی صفت میں تجلّی ہوگی حضرت مریم کی شان ظاہر ہوگی۔ وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ (اپنی طرف کھجور کی ڈال ہلاؤ)۔ اور بہ صفتِ خلّاقی تجلّی ہوگی تو وہ بات پیدا ہوگی جو عیسیٰ علیہ السلام کو تھی۔ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًاۢ بِاِذْنِيْ۔ اور اگر اماتت (مارنا) کی صفت میں تجلّی ہوگی، ایسا ہوگا کہ خواجہ ابوتراب نخشبی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید کو جیسا پیش آیا۔ یعنی جب اُس مرید کی نظر خواجہ بایزید قدس اللہ روحہٗ پر پڑی، ایک نعرہ کیا، اور جان بحق تسلیم ہوا۔ جس شخص میں اماتت کی شان آتی ہے وہ ہمت جس شخص کے ساتھ صرف کرے گا فوراً ہلاک ہو جائے گا۔ اور صفات کو بھی اسی پر قیاس کرو۔ مشاہدہ اور مکاشفہ اور تجلّی میں نہایت باریک فرق ہے۔ بغیر بصیرت اور کافی تامّل کے نہیں سمجھ سکتے۔ (جب وقت آئے گا خود سمجھ لوگے)۔ لکھنا طوالت سے خالی نہیں۔ اب تمہیں یہ بھی جاننا چاہیئے کہ تجلّی اور استتار دو لفظ ہیں جو اس طائفہ (مشائخ) کے یہاں مشہور ہیں۔ تجلّی کے معنی لغت میں کشادہ ہونا، اور استتار کے معنی پوشیدہ ہونا ہے۔ (مشائخ رحمۃ اللہ علیہ کی) مراد تجلّی سے کشادہ ہونا حق کا

اور استتار سے مراد پوشیدہ ہونا حق کا ہے۔ مقصود اس سے ذاتِ حق نہیں لیتے۔ کیونکہ اُس ذات کے لیے تغیر و تلون جائز نہیں۔ مثلاً یوں سمجھو کہ اگر کسی شخص پر کوئی مسئلہ روشن ہو جائے تو کہیں گے کہ یہ مسئلہ کشادہ ہو گیا۔ حالانکہ مسئلہ کوئی کشادہ ہونے والی چیز نہیں۔ بلکہ عقل و فراست اُس کی کشادہ ہوتی ہے، جس کے ذریعہ سے اس مسئلہ کو وہ جانتا ہے۔ اسی علم کے کشادہ ہونے کو مسئلہ کا کشادہ ہونا کہا جاتا ہے۔ اور اس کا نہیں جاننا مسئلہ کا پوشیدہ رہنا کہا جائے گا۔ (جب سالک کا) دیدۂ سِرّ اپنی طرف مشغول رہے گا غیب کا دیدار پوشیدہ رہے گا۔ اسی کو استتار کہتے ہیں۔ اور جب حق کی طرف سے دیکھے گا اور اس کی ملک جانے گا، گویا اُس نے بشریت سامنے سے ہٹا دی اور غیب کا مشاہدہ کیا، اسی کو تجلی کہتے ہیں۔

اے بھائی جس دن انسان کو خلعتِ وجود عنایت ہوا تھا، حکم ہوا تھا کہ راہِ طلب میں جاؤ، اور یافت کا خیال اُٹھا دو۔ (سبحان اللہ) مرید طلب میں اور مطلوب پردۂ عزت میں نہ طلب ختم ہوگی نہ مطلوب ظاہر ہوگا۔ جانتے ہو، یہ کیا ہے؟ جہاں کہیں جمال ہوگا غمزہ و ناز کا ہونا ضروری ہے۔ جہاں کہیں حسن ہوگا، وہاں کوئی ذلیل و گرفتار بھی ہوگا۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔ رباعی

مائیم طرب شمردہ غمہائے ترا با دیدہ پذیرفتہ ستمہائے ترا

با این ہمہ در راہت اگر خاک شوم شائستہ نباشیم قدمہائے ترا

(ہم ہی ہیں، جس نے تمھارے غم کو خوشی سمجھا ہے، تمھارے ظلم کو سر آنکھوں پر لیا ہے، اس کے باوجود اگر تمھارے راستہ میں ہم مرمٹیں تو بھی ہماری خاک اس قابل نہیں کہ تمھارے پاؤں کو چھو سکے)۔ سنو برادر جس شخص نے روش درست کی بلا طلب اُس کو نعمت ملے گی۔ اور بدراہ چلا، تو ہزار کچھ مانگے گا نہ پائے گا۔ ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا کہ آپ اللہ تعالیٰ کو دیکھنا چاہتے ہیں، ان بزرگ نے کہا نہیں۔ (سائل نے پوچھا۔ کیوں؟ ان بزرگ نے جواب دیا کہ موسیٰ علیہ السلام نے دیدار چاہا، مگر نصیب نہ ہوا۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں چاہا، مگر دیکھا۔ (سنو) اس آب و گل کی بات سرسری نہیں ہے اور آدم و آدمی کے کام

مجازی نہیں مصنوعات وموجودات بہت تھے مگر کسی مصنوع اور موجود کے ساتھ یہ معاملہ نہ ہوا۔ جو نوازش تیرے ساتھ ہوئی۔ اگر عنایت کسی سبب پر موقوف ہوتی تو اس کے مستحق نورانی شخصیت اور ملکوتی جوہر ہوتے۔ کیونکہ ان کا لباس عصمت وطاعت، قدس وطہارت تھا۔ مگر بات کچھ اور ہے۔ ایسا نہ سمجھو کہ جس سے خدمت لی جائے وہ محبت کے لائق بھی ہو۔ اور جو حاشیہ بساط کا سزاوار ہے وہ مقامِ انبساط کے قابل بھی سمجھا جائے۔ والسلام۔

پندرھواں مکتوب

وصول کے بیان میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اے میرے بھائی شمس الدین اللہ تعالیٰ تم کو واصلین کی بزرگی کا درجہ عطا فرمائے۔ تمھیں معلوم ہو کہ حضرتِ حق سے وصول یعنی ملنا اور پیوستہ ہونا کچھ ایسا ملنا نہیں ہے جیسا کہ جسم کا جسم سے یا عرض کا عرض سے یا جوہر کا جوہر سے یا علم کا معلوم سے یا عقل کا معقول سے یا شئی کا شئی سے تَعَالَى اللّٰهُ عَنْ ذَالِكَ عُلُوًّا كَبِيْرًا (اللہ تعالیٰ اس سے کہیں زیادہ بلند و برتر ہے)۔ لفظ وصول شرعاً وعرفاً مستعمل ہے اور اس طائفہ مشائخ کے یہاں بھی مشہور ہے پس خداوند عزوجل سے ملنے کے کیا معنی ہیں۔ تم کچھ سمجھے؟ سنو خداوند تعالیٰ سے ملنے کے یہ معنی ہیں کہ خداوند تعالیٰ کے سوا سب سے انقطاع اور دوری ہو۔ پس اسرار کا حق تعالیٰ سے مشغول ہونا اتصال ہے۔ جس قدر غیر حق سے فراغت ہوگی اتنا ہی تقرب ہوگا۔ اور حق تعالیٰ سے جس قدر فراغت ہوگی اسی قدر انفصال اور بعد ہوگا۔ حق کے ساتھ جس قدر مشغولیت رہے گی اتصال اور نزدیکی ہوگی۔ ہمارے اس بیان کی تصدیق حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ کے اس قول سے ہوتی ہے كَاَنِّىْ اَنْظُرُ اِلٰى عَرْشِ رَبِّىْ بَارِزًا (جیسا کہ میں اپنے رب کا عرش دیکھ رہا ہوں)۔ جتنا حارثہؓ کو دنیا سے انفصال تھا، حق تعالیٰ کے ساتھ اتصال تھا اگر آپ کے خیال میں کوئی چیز باقی ہوتی

تو آپ فرماتے اَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ (میں تجھ سے تیری پناہ مانگتا ہوں)۔ تو بات معلوم ہوگئی کہ آپ کے خیال میں کوئی چیز غیر حق موجود نہ تھی۔ پس دنیا کے انفصال سے عقبیٰ کا اتصال ہوا۔ اور دونوں جہان کے انفصال سے حق تعالیٰ کے اتصال کی دولت ملی۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ طوافِ کعبہ کے دَورِ جذبات میں سلام کا جواب نہ دے سکے۔ جب آپ سے شکایت کی گئی، تو آپ نے جواب دیا كُنَّا نَرَى اللّٰهَ فِي ذٰلِكَ الْمَكَانِ۔ یعنی میں خداوند تعالےٰ کے دیدار میں یہاں مشغول تھا۔ چونکہ شخصیت آپ کی مشغولِ شریعت تھی اور اسرار مشغولِ حقیقت۔ شغلِ حقیقت نے آپ سے شریعت فراموش کرادی۔ نہ گھر (کعبہ) کی خبر رہی نہ اس سلام کرنے والے کی خبر ہوئی۔ شغلِ حق نے انھیں ایسا محو کر دیا تھا کہ اغیار کے سلام کی خبر مطلق نہ ہوئی۔ صاحبِ خانہ کی تعظیم نے ایسا بے خبر بنادیا تھا کہ گھر (کعبہ) نظر سے ساقط تھا۔ آپ نے كُنَّا نَرَى اللّٰهَ فِي ذٰلِكَ الْمَكَانِ (میں اللہ تعالیٰ کو دیکھتا ہوں اس مکان میں) فرمایا۔ اور اس بیچارے سلام کرنے والے کو اس مقام کی خبر کہاں۔ شکوہ و عتاب پر آمادہ ہوگیا۔ چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس معاملہ سے آگاہ تھے، آپ نے کچھ باز پُرس نہ کی، اور یہی سکوت حضرت عبداللہؓ کے صدق دعوے کے لیے کافی دلیل ہوگیا۔ اور ایسا ہی فقہا کا بھی قول ہے کہ تَرْكُ الْبَيَانِ فِي مَوْضَعِ الْحَاجَةِ الْبَيَانِ بَيَانٌ۔ (ضرورتِ بیان کے موقع پر ترکِ بیان بھی خود ایک بیان ہے)۔ حاصل کلام یہ ہے کہ وہ بڑا خوش نصیب و صاحبِ دولت ہے جس کا مرجع و منتہیٰ درگاہِ حضرت خداوند تعالےٰ ہے، جیسا کہ اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى (تیری منزل کی انتہا رب تک ہے)، سے ظاہر ہے۔ اللہ اکبر! عہدِ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ (کیا میں تمھارا پروردگار نہیں ہوں؟) کے قبل ہی روحانی سرشت اور انسانی خمیر مایہ نورِ خاص کی تراوش سے تیار ہوا۔ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ الْخَلْقَ فِي ظُلُمَاتِهٖ ثُمَّ رَشَّ عَلَيْهِمْ مِنْ نُوْرِهٖ (اللہ نے مخلوق کو تاریکیوں میں پیدا کیا، پھر اپنے نور سے اُس پر چھڑکاؤ کیا)۔ انسان کو روزِ ازل وہ شراب پلادی گئی ہے کہ ہرگز سرور اور اثر اُس کا کامِ جان سے جانے والا نہیں۔ بلکہ اس کی زندگی اور اُس کی حیات

اسی ذوق و مستی کے ساتھ ہے، مگر اس نور کا قصد ہمیشہ اپنے مرکز و معدن کی طرف ہے اس لیے اس عالم کی طرف مائل نہیں ہوتا۔ اور اس شراب کو چھوڑ نہیں سکتا۔ کسی بزرگ نے کیا خوب کہا ہے۔ رباعی:-

عشاقِ تو از ازل مست آمدہ اند　　سرمست زبادۂ الست آمدہ اند
مے می نوشند و پند مے می نوشند　　کایشان ز الست مے پرست آمدہ اند

(تیرے عاشق روزِ ازل سے جو مست ہیں اور اسی شراب سے بیہوش ہیں شراب پیا کرتے ہیں، اور کسی کی نصیحت نہیں سنتے۔ کیونکہ یہ لوگ روز ازل ہی سے شرابی واقع ہوئے ہیں)۔ جو لوگ کہ پروانہ کی طرح عاشق جانباز ہیں اور جاذبۂ الوہیت نے عہدِ الست ہی کے دن کمندِ محبت ان کی گردوں میں ڈال دی ہے، آج کے دن سراپردۂ جمال اور شمعِ جلال کے گرداگرد ہزار ہزار قوتِ بازو سے پرواز کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ مَنْ تَقَرَّبَ اِلَیَّ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ اِلَیْهِ ذِرَاعًا۔ (جو کوئی میری طرف ایک بالشت آیا، میں اُس کی طرف ایک گز..... بڑھ گیا) کا شاندار استقبال اپنی شان ظاہر کرتا ہے۔ اور جَذْبَةٌ مِنْ جَذَبَاتِ الْحَقِّ تُوَازِیْ عَمَلَ الثَّقَلَیْنِ (جذباتِ حق میں سے ایک شوریدگی ہے جو دونوں جہان کے کام کے برابر ہے)۔ کے ہاتھوں سے انھیں کنارِ وصال میں کھینچ لیتا ہے۔ اور بکمالِ شفقت فرمان ہوتا ہے کہ اے بندۂ ضعیف اس کمزور پر و بال سے میرے سراپردۂ جمال کے گرداگرد کب تک اڑتا رہے گا۔ ان پر و بال کی اونچی اڑان ہمارے ہوائے ہویت تک نہیں پہنچ سکتی۔ ان پر و بال سے وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا (جن لوگوں نے ہمارے لیے محنت اٹھائی) کے میدان میں کام لے، تاکہ حسبِ دستور لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا (البتہ ہم اُن کو اپنا راستہ دکھاتے ہیں)۔ ایک دوسرا پر و بال شعاع الانوار سے میں تجھے عنایت کروں۔ تو نے یَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ (اللہ اپنے نور سے جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے) نہیں سنا ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔ رباعی:-

اے دل این رہ بہ قیل و قالت ندہند　　جز بر درِ نیستی وصالت ندہند
وانگاہ در ان ہوا کہ مرغان بپرند　　تا بال پر و بالی پر و بالت ندہند

(اے دل یہ راستہ لڑائی جھگڑے سے بزور نہیں مل سکتا۔ جب تک اپنی ہستی کھو نہ بیٹھے گا وصال ناممکن ہے۔ پھر اس کی فضا میں جہاں اُس کے طائر اُڑتے ہیں جب تک تو اپنے پروبال کے ساتھ ہے وہ تجھے اپنے پروبال نہ دیں گے)

اگر ملائکۂ اعلیٰ علیین اور جن وانس سب کے سب جمع ہو کر چاہیں کہ ایک بندہ کو صفاتِ خداوند تعالیٰ کی تجلی سے سرفراز کریں نہیں کر سکتے۔ اور ایک جذبۂ حق بساطِ او ادنیٰ کے قریب لے جا سکتا ہے۔ اسی وجہ سے ایک جذبہ تمامی خلق کی طاقت سے کہیں بہتر ہے۔ اور جو بندے قیدِ خودی سے چھٹکارا پا چکے ہیں اور عالمِ اُلوہیت میں جذبات کے تصرف سے روش میں آچکے ہیں۔ ایک نَفَس اُن کا دونوں جہان کے معاملہ کے برابر ہے۔ اسی تجربہ کی طرف کسی نے کیا خوب اشارہ کیا ہے ؎

صوفیان در دمے دو عید کنند عنکبوتان مگس قدید کنند

(حضراتِ صوفیہ ایک ہی سانس میں دو دو عیدیں مناتے ہیں، مکڑیاں مکھی شکار کیا کرتی ہیں)۔ صوفیِ فانی کو ہر دم ایک نیا وجود ملتا ہے۔ پھر جذبہ کے تصرف سے وہ وجود محو ہو جاتا ہے۔ اور اس محویت سے عالمِ الوہیت کی ایک دوسری سیر ہوتی ہے یَمْحُو اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَیُثْبِتُ (اللہ جس کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے قائم رکھتا ہے)۔

پس ہر دم ایک نیا محو و اثبات حاصل ہوا کرتا ہے۔ اور یہی صوفی کی دوہری عید ہے۔ ایک عید محو سے اور دوسری اثبات سے۔ سالک کو اگر اس مقام میں رُوح اللہ و کلیم اللہ کہا جائے تو بجا ہے۔ اور یہ خلعت اُس کے جسم پر درست و چُست ہو گی۔ اے بھائی یہ مرتبہ دستارِ خواجگی کے ساتھ ملنا ذرا مشکل ہے۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ وہ عزیز (آدم علیہ السلام) جس وقت بہشت میں آیا، چاروں طرف اُس نے غور سے دیکھ کر دل میں سوچا کہ یہ چلتا پھرتا پاؤں جو مجھے ملا ہے، قید میں نہیں رہ سکتا۔ اور یہ عشق سے پُرخمار سر جو مجھے ملا ہے تاجِ شاہی کا بار نہیں اُٹھا سکتا۔ مجھے الف کی طرح قد دیا گیا ہے اس لیے الف کی موافقت میں ایک بار دل

پاؤں پر کھڑا رہنا چاہیے۔ الف کی شان مجرّد ہے۔ علّت و اسباب کو آگ لگا دینا چاہیے۔ چنانچہ مردانہ وار عاشقانہ لبیک کہی اور آٹھوں بہشت کو چھوڑ نکلا۔ جس وقت بہشت میں داخل ہوا تھا تاج و خلعت کے ساتھ مقربوں کی صف میں تھا۔ اور جب راہ طلب میں آیا تو ستر پوش تک میسّر نہ تھا۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

دانی چہ بود شرط خرابات نخست
تاج و کمر و کلاہ در بازی چیست

(تو جانتا ہے کہ شراب خانہ میں داخل ہونے کی پہلی شرط کیا ہے۔ تاج و تخت کو ہارنا اور بادشاہی سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے)۔ آدمؑ کے ہر ذرہ وجود سے یہ عشق کا نعرہ بلند ہوا ؎

دل در غم عشق مبتلا خواہم کرد
امروز بخون دل قضا خواہم کرد

والسّلام

سولھواں مکتوب

سالک و مجذوب کے بیان میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اے میرے بھائی شمس الدین اللہ تم کو سالکوں کی بزرگی عطا فرمائے۔ تمھیں معلوم ہو کہ اس راہِ طریقت میں چلنے والوں کی دو قسمیں ہیں۔ ایک سالک دوسرا مجذوب۔ مجذوب وہ لوگ ہیں کہ کمندِ جذبہ نے انھیں مرتبۂ ولایت تک پہنچا دیا ہے۔ مگر غلبۂ شوق میں اس طرح محو ہوتے ہیں کہ باوجود اس کے کہ وہ ہر مقام سے گزر چکے ہیں اُن کو اس کی خبر نہیں، کہ راہ کا حال کیا ہے مقام کی کیفیت کیسی ہے، خیر کس شے کا نام ہے، شر کس بلا کو کہتے ہیں۔ نفع کی صورت کیا ہے ضرر کس بات میں ہے۔ اس لیے مجذوبان پیر بنانے کے لائق نہیں۔ شیخی کے لائق وہ ہستی ہے کہ اگر جذبہ شوق کے ساتھ راہ طے کرتی ہے، مگر نہایت سکون و آہستگی سے۔ یعنی ہر ہر مقام کی داد و انصاف دیتے جاتے ہیں۔ اور آگے بڑھتے جاتے ہیں۔ احوال خیر و شر اور صلاح و فساد

کل اُن پر کھول دیے جاتے ہیں۔ کبھی کبھی راہ پر چلتے چلتے بے راہ بھی ہو جاتے ہیں، تاکہ راہ اور بے راہی سے پورا وقوف حاصل ہو جائے۔ اتنے مرحلوں کے بعد اس کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے کہ ایک جماعت کی راہبری سالک کر سکے۔ خیر، سالک یہ کیونکر سمجھے کہ ہم راہ پر چل رہے ہیں۔ اور منزل طے ہو رہی ہے۔ سنو، بزرگوں نے اس کی نشانیاں بتائی ہیں وہ یہ ہیں۔ عالم ہزاروں ہیں۔ ہر ہر عالم سے سالک کو گزرنا ہے۔ اور اس کی سیر کرنا ہے۔ منجملہ اس کے ایک عالم خاک ہے۔ اس مقام کی سیر میں کیا واقعہ پیش آتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ بستیوں سے کوچوں سے جابجا سے تاریک تاریک گوشوں سے نکل رہے ہیں۔ اور ویرانوں، کھنڈروں، پانی کے جل تھل سے پہاڑوں کی طرف جا رہے ہیں۔ نتیجہ اس سیر سے یہ حاصل ہوتا ہے کہ سرگرانی اور تیرگی دُور ہوتی ہے۔ سبکی اور لطافت پیدا ہو جاتی ہے۔ دوسرا عالم آب ہے۔ اس مقام کی سیر میں سبزہ زار، درختانِ سرسبز کشت زار آب رواں، چشمے دریا وغیرہ نظر آتے ہیں۔ تیسرا عالم باد ہے۔ اس مقام کی سیر میں ہوا پر چلنا، اُڑنا، بلندیوں پر جانا، وادیوں میں پرواز کرنا نظر آتا ہے۔ چوتھا عالمِ آتش ہے۔ اس مقام کی سیر میں چراغ، شعلے آتش کدے دکھائی دیتے ہیں۔ پانچواں عالم افلاک ہے۔ اس مقام کی سیر میں سالک دیکھتا ہے کہ ہم ایک آسمان سے دوسرے آسمان کی طرف جاتے ہیں۔ اور یہ دیکھتا ہے کہ آسمان کس طرح پر چکر کھا رہا ہے۔ اور فرشتے بھی نظر آتے ہیں۔ چھٹا عالم ملکوتِ کواکب ہے۔ اس مقام کی سیر میں ستارے، ماہ، خورشید انوار اور ان کے مشابہ چیزیں نظر آتی ہیں۔ ساتواں عالم حیوان ہے۔ اس مقا کی سیر میں سالک ان مختلف حیوانات کی شکل کو دیکھتا ہے۔ جن جن چارپائے اور درندے کی صفتوں کو سالک نے دُور کیا ہے۔ اس مقام میں قابلِ خیال یہ بات ہے کہ اگر سالک ان سباع و بہائم پر اپنے آپ کو غالب دیکھے تو یہ سمجھے کہ واقعی خدائے تعالیٰ نے ہمیں ان صفات سے نجات دی۔ اور اگر اپنے کو ان کا مغلوب دیکھے تو یہ سمجھے کہ ابھی وہ صفاتِ ذمیمہ ہم میں باقی ہیں۔ اسی طرح جتنے عالم ہیں تمام کی سالک سیر کرتا ہے اور ان سے گزرتا ہے۔ ہر ہر عالم کی

مناسبت سے مشاہدات ہوتے ہیں۔ اور اس کے اسرار کھلتے ہیں۔

اے بھائی، یہ جانِ ناتواں اور وہ مقصودِ جاں۔ ایسا ہی جوانمرد ہو تو یہ کہے کہ جان جائے تو جائے مگر مقصود تک ہم ضرور پہنچیں گے۔ یہ وہ گوہر شب چراغ ہے جس کی غزت اسی سے ظاہر ہے کہ دربان اس کا موج دریائے خونخوار ہے۔ یہ وہ گوہر ہے جس کے لاکھوں طالب ہیں، اس پر جان فدا کر رہے، اور سر کے بل قعر دریا میں غوطے لگاتے ہیں۔ دیکھو اگر کوئی شخص اپنی غفلت کے ساتھ اس درگاہ میں قدم رکھنا چاہتا ہے تو وہ، یعنی جو اس درگاہ کا دربان ہے، فوراً ٹوکتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے جان رکھو کہ میں کون ہوں۔ وہی ہوں کہ آسمانِ اول کے فرشتوں نے آداب تسبیح مجھ سے سیکھے۔ اور دوسرے آسمان کے فرشتوں نے آدابِ تہلیل مجھ سے جانے۔ اور اسی طرح اور آسمان والوں نے میرے دستارِ فضیلت کے پائے عّزت کو افلاک کے سروں پر رکھا۔ باوجود اس کے چشم زدن میں میں نے ساری دولت کو لات ماردی اور لعنت کا ٹیکا پیشانی پر لگالیا ہے۔ اتنے ایثار کے بعد اس لایق ہوا ہوں کہ شریعتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے کوچہ کی سرہنگی و دربانی مجھے ملی ہے۔ ہاں، اگر تاجِ اخلاص سر پر رکھ کر آئے ہو تو چلے چلو، ورنہ میری کمند سے کہاں بھاگ سکتے ہو۔ دیکھو بھائی یہ حال ہے۔ تاہم یہ نہ سمجھو کہ وہ یعنی جس کی یہ شان ہے ہر پست ہمت کے لیے ہلتا بھی ہو۔ نہیں ہرگز نہیں۔ وہ بڑا ہی متکبر ہے۔ جب تک کوئی صدیق دنیا میں پیدا نہیں ہوتا، اور کوئی چالاک و پاک باز اس راہ میں قدم نہیں رکھتا وہ کب اپنی جگہ سے اُٹھنے والا ہے۔ والسلام

—٭—

سترھواں مکتوب

غلط گاہِ سالک کے بیان میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برادرم شمس الدین۔ تمھیں معلوم ہو کہ صوفیوں میں ایک جماعت ایسی بھی ہے کہ ریاضتِ شاقہ کر چکی ہے اور خواہشاتِ نفسانی سے کوسوں دُور ہے۔ ایک مدت دراز تک خلوت نشینی اس کا کام رہا ہے، دل کا یہ حال ہو گیا ہے کہ اسم ذات اللہ اللہ کے سوا کسی طرف رُخ نہیں کرتا۔ نگہبانیِ دل میں اس قدر بلیغ کوشش کی ہے کہ سوائے ذکرِ خداوندِ عزوجل کے کوئی خطرہ دل پر نہیں گزرنے پاتا۔ اس جماعت کے لوگوں پر کشفِ احوال ہوا کرتے ہیں۔ اور اسرارِ ملکوت کھلتے رہتے ہیں۔ علوِّ مقام کا ان کے یہ حال ہوتا ہے کہ اصحاب کرامت میں داخل ہیں۔ غیب کی خبر دیا کرتے ہیں۔ اور وہ راست ہوا کرتی ہے۔ بیمار سے بیمار کی طرف توجہ کرتے ہیں، تو اس کو شفا ہو جاتی ہے۔ دشمن کی طرف اگر ہمّت باندھتے ہیں تو وہ ہلاک ہو جاتا ہے۔ ان حالتوں کو دیکھ کر ابلیس کو رشک و حسد پیدا ہوتا ہے۔ اور وہ اس فکر میں لگ جاتا ہے کہ جس طرح ممکن ہو حضرت سلامت کو اپنے دامِ تزویر میں لا کر شیطانِ مجسّم بنا چھوڑیں۔ چنانچہ اُن پر اسرارِ شریعت کو ظاہر کرنا شروع کرتا ہے۔ سوائے ایک راز کے کل راز کو کھول دیتا ہے۔ وہ ایک ایسا راز ہے کہ خود اس لعین پر بھی پوشیدہ رہا۔ اور اسی سبب سے کمبخت نے آدم صلوٰۃ اللہ علیہ کو سجدہ نہ کیا۔ وہ ایک پٹّی تو یہ پڑھاتا ہے کہ مقصود ترکِ معصیت سے یہی ہے کہ خواہشاتِ نفسانی دُور ہو جائیں اور صفاتِ بشریت مغلوب ہو کر رہے تاکہ سالک کو خدا سے تقرب حاصل ہو۔ دوسرا فقرہ اس کا یہ چلتا ہوا ہوتا ہے کہ مقصود ریاضت سے یہ ہے کہ ذکرِ حق دل پر غالب ہو جائے اور ذکرِ خداوند تعالیٰ سے دل میں ایسی جلا پیدا ہو کہ ساری ظلماتِ بشریت دُور ہو جائیں تاکہ حقیقتِ معرفت سالک کو حاصل ہو۔ اور غرض شریعت ورزی سے یہی ہے

کہ کعبۂ وصال تک پہنچیں۔ جب وہاں تک رسائی ہوگئی تو زاد و راحلہ کی کیا حاجت باقی رہی۔ اِن توہمات کے بعد اس قوم کو یہ خللِ دماغ پیدا ہو جاتا ہے کہ نماز ادا کرنے کو حجاب سمجھنے لگتی ہے۔ خیال یہ ہوتا ہے کہ ہم تو خود ہر وقت مشاہدے میں ہیں۔ مقصود نماز، رکوع و سجود سے تو دل کی غفلت دُور ہونا، حضورِ دل پیدا ہوتا ہے۔ جب ایک ساعت بھی غفلت نہیں ہوتی اور عالمِ ملکوت پیشِ نظر ہے۔ ارواحِ انبیا بہترین صورت میں دکھائی جا رہی ہیں، اب ہم کو ان بیگاریوں کی کیا حاجت باقی رہی۔ معاذ اللہ معاذ اللہ یہی لعینہٖ ابلیس کا واقعہ ہے۔ کمالِ قرب میں وہ ایسا بھولا کہ سجدۂ آدم کی اُس نے پروا نہ کی۔ اور آدم علیہ السلام کو اپنے سے حقیر سمجھا۔ اس سجدے کو بے سود سمجھ کر باز رہا۔ تم کیا سمجھتے ہو کہ قرآن شریف میں قصۂ ابلیس محض افسانہ کے طور پر بیان ہوا ہے۔ نہیں، ہرگز نہیں، بلکہ ایسی ہی قوم کی تنبیہ کے لیے ذکر کیا گیا ہے تاکہ یہ لوگ جان لیں کہ مقرب سے مقرب بھی ہو تو وہ فرمانبرداری میں تقصیر نہ کرے۔ اور بزرگوں کا جو یہ خیال ہے کہ شریعت کی راہ میں چلنا بھی عین حق طلبی ہے۔ بالکل بجا درست ہے۔ اب سنو اصلی راز جو ابلیس نے اس قوم پر ظاہر نہ کیا اور خود بھی غافل رہا، وہ کیا ہے؟ یہ ہے کہ نماز وغیرہ سے غرض صرف صفاتِ بشریت کا دُور ہونا اور تقربِ خدا حاصل ہونا نہیں ہے بلکہ دوسرا مقصود یہی ہے کہ پانچ وقت کی نمازیں گویا دریچۂ کمال کے لیے پانچ مسمار ہیں۔ اگر اس مسمار کا سہارا نہ ہوگا تو سالک اس مقام سے گر جائے گا۔ ممکن ہے کہ یہاں پر یہ شبہہ واقع ہو کہ آخر نماز کے مسمار ہونے کا سبب کیا ہے اور کس مناسبت سے نماز کو مسمار کہا گیا ہے۔ جواب اس کا بزرگوں نے یہ دیا ہے کہ اس کی وجہ کا انکشاف قوتِ بشری سے باہر ہے۔ یوں سمجھو کہ یہ از قسمِ خاصیت ہے۔ عقل اس کی دریافت سے عاجز و قاصر ہے۔ مثلاً مقناطیس کو دیکھو لوہے کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے کسی کو اس کی خبر نہیں، کہ ایسا کیوں ہے۔ علاوہ ازیں بزرگوں نے اس قوم کے لیے ایک بہت ہی واضح مثال دی ہے۔ وہ یہ ہے کہ ــــ ایک شخص نے پہاڑ پر چھوٹا سا مکان بنا لیا تھا اور طرح طرح کی نعمت اس میں لا کر اُس نے رکھ دی تھی۔ جب اُس کا آخر وقت ہوا صاحبزادے صاحب کو اُس نے وصیت کی کہ اے فرزند میرے بعد جس قسم کا تغیر و تبدل اس مکان میں تم کرنا چاہو تمھیں ہم اجازت

دیتے ہیں۔ مگر وہ کئی مٹھے جو خوشبو گھاس کے ہیں اگر وہ سوکھ بھی جائیں تو انھیں اس مکان سے باہر نہ پھینک دینا۔ خدا کی شان وہ غریب چل بسا۔ برخوردار سلمہٗ اس مکان میں رہنے لگے۔ فصلِ بہار کی آمد آمد ہوئی پہاڑ کا پہاڑ جنگل کا جنگل ...... ہرا بھرا ہو گیا ہے۔ انواع انواع اقسام کے خوش رنگ و خوشبودار پودے نکل آئے۔ صاحبزادے عمر دراز نے سوچا کہ ابا جان نے غالباً ان گھاس کے مٹھوں کو اس لیے یہاں رکھ چھوڑا تھا کہ مکان میں خوشبو رہے۔ اب اس خشک گھاس کی کیا ضرورت باقی رہی۔ جہاں ایسے ایسے گل پھول موجود ہیں۔ حکم دیا کہ ان کو بدر کر دو، اور کافی مقدار تر و تازہ گلدستوں سے مکان سجا ڈالا۔ ادھر اس پرانی گھاس کا دور کرنا تھا کہ ایک سیاہ سانپ سوراخ سے نکلا اور نورِ نظر سلمہٗ کو ڈس کر چلتا ہوا۔ پھر کیا تھا فوراً حضرت ختم ہو گئے۔ دیکھو اس گھاس میں دو فائدے تھے، ایک تو خوشبودار گھاس کی خوشبو بھی تھی۔ دوسرے ایک خاصیت اس میں یہ تھی کہ جہاں کہیں وہ رہے سانپ اس کے گرد پھٹکنے نہ پائے۔ وہ گھاس گویا ایک قسم کا منتر تھی۔ اس خاصیت سے کوئی شخص واقف نہ تھا۔ صاحبزادے بلند اقبال نے اپنے کمالِ عقل پر غرہ کیا، آخر جانِ عزیز کھو بیٹھے۔ یہ خرابی کیوں واقع ہوئی؟ اسی لیے ہوئی کہ ایک مقصد کے سوا دوسرا مقصد اس گھاس کے رکھنے کا وہ نہ سمجھا۔ یہ بہت بڑی غلطی ہے کہ جو بات انسان کے دائرۂ عقل میں نہ آئے وہ یہ سمجھے کہ قدرت بھی اس سے عاری ہے۔ کیا اس آیۂ شریفہ کی خبر نہیں ہے کہ وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا ؕ (ہم نے تم کو بہت تھوڑا علم دیا ہے)۔

وہ صاحبانِ کشف و کرامت اسی غلطی میں مبتلا ہوئے۔ ایک بھید اسرارِ شریعت سے جو ان پر ظاہر ہوا، وہ سمجھے کہ اس کے سوا دوسرا راز نہیں۔ جیسا ابلیس سمجھا تھا۔ یہ بہت ہی بڑا دھوکا ہے جس میں سالکان اور رندگانِ طریقت پڑ جاتے ہیں۔ اور ایک سخت گھاٹی ہے جس میں اکثر لوگ ہلاک ہو کر رہ گئے ہیں۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔ رباعی۔

افگند دلم رخت بمنزل گاہے — کانجا نہ برد بصد دلیلاں راہے
چون من دو ہزار عاشق اندر راہے — می کشتہ شوند و ر نیاید آہے

(ایک ایسی منزل کی طرف میرے دل نے قدم اُٹھایا ہے، جہاں سیکڑوں رہبر بھی اگر ساتھ ہوں تو وہاں کا راستہ نہیں مل سکتا۔ میرے جیسے ہزاروں عاشق روزانہ مار ڈالے جاتے ہیں اور مجال نہیں کہ ایک آہ بھی منھ سے نکال سکیں)۔

دیکھو، بہت ہوشیار رہنے کا مقام ہے۔ جس سالک کا قافلہ لوٹا گیا ہے وہ اسی بادیۂ خونخوار میں لٹا ہے۔ اس ہلاک شدہ قوم نے شریعت ورزی سے صرف ایک ہی مقصود جانا۔ حالانکہ اس میں دوسرے اسرار بھی پوشیدہ ہیں۔ کیسا عقل پر پردہ پڑ جاتا ہے کہ انھیں کھلی کھلی بات سمجھ میں نہیں آتی۔ ذرا غور کرنے کا مقام ہے کہ اگر شریعت ورزی میں دوسرے اسرار نہ ہوتے تو خود حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اتنی نماز کی کیا حاجت تھی کہ پائے مبارک ورم کر جاتے تھے۔ کیا آپ یہ نہیں فرما سکتے تھے کہ نماز اُمت پر واجب ہے، پیغمبر پر واجب نہیں۔ آخر آپ نے یہ کیوں ظاہر فرمادیا کہ نبی کے لیے نو بیویاں بیک وقت جائز ہیں، مگر امت کے لیے بیک وقت چار بیوی سے زیادہ جائز نہیں۔ پھر آپ نے روزۂ وصال خود رکھا، اور امت کو منع فرمایا۔ بہرکیف علما ہوں، مشائخ ہوں، صوفی ہوں، کوئی صاحب ہوں، جن کو واقعی کمال حاصل ہو! وہ جانتے ہیں کہ شریعت کا کوئی رُکن بھید سے خالی نہیں۔ اور ہر رکن سے سعادتِ آخرت وابستہ ہے۔ اگر بزرگوں کے معاملات پر غور کرو تو سمجھو کہ شریعت کے ساتھ ان کے کیا کیا آداب رہے ہیں۔ مرتے دم بھی آدابِ شریعت سے منھ نہیں موڑتے۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا جب وقت آخر ہوا، ضعف کا عالم طاری تھا حسبِ حکم ایک صاحب وضو کرانے میں مشغول ہوئے۔ عجب اتفاق کہ وہ صاحب ریش مبارک میں خلال کرانا بھول گئے۔ آپ نے خود سے ان کا ہاتھ پکڑا اور اس سنت کو پورا کیا۔ حاضرین نے عرض کی کہ اے میرے دین کے سردار ایسے نازک وقت میں تو اس قدر تکلیف کی اجازت نہیں۔ آپ نے کہا سچ ہے، مگر یہ بھی تو دیکھو کہ اللہ کس کی بدولت ملا۔ اسی شریعت ورزی نے وہاں تک پہنچایا بیشک جو اہلِ کمال ہوتے ہیں ان کی یہی روش رہی ہے۔ البتہ اہلِ غرور تھوڑی بات میں بھول جاتے ہیں۔ ان کا عجب حال ہے۔ جس چیز کو نہیں دیکھتے سمجھتے ہیں کہ وہ چیز ہی نہیں ہے۔

کیا نماز کے اسرار کو جاننا کھیل تماشا ہے۔ بڑے بڑے حقیقت آشنا بھی نہیں جانتے کہ پانچ وقت کی نماز کیوں ہوئی؟ تکبیر تحریمہ وقیام وقعود اور دیگر ارکان کیوں مقرر کیے گئے۔ اور یہ ترتیب کیوں رکھی گئی کہ صبح کی نماز فرض دو رکعت، ظہر وعصر کی نماز فرض چار چار رکعت۔ مغرب کی نماز فرض تین رکعت، عشا کی نماز فرض چار رکعت اور رکوع ایک بار سجدہ دو بار ہر بات میں ایک بھید اور خاصیت ہے۔ باوجود حصولِ کمال اگر نماز کی بھی نگاہداشت رہے گی تو البتہ موت کے وقت اثر ظاہر ہوگا۔ اور اس کا راز کھلے گا۔ اگر نماز کی پابندی نہ ہوگی تو کوئی کمال وقت پر کام نہ آئے گا۔ بے نمازی صوفی موت کے وقت جب اپنی حالت خراب دیکھتے ہیں تو کہنے لگتے ہیں کہ ہائے وہ کمال کیا ہوگیا۔ جواب ملتا ہے کہ مسمار نہ تھا جڑ ہل گئی۔ ابلیس کے ساتھ کیا ہوا؟ یہی ہوا کہ سارا کمال ایک نافرمانی کھو بیٹھی۔ یہی وہ گھاٹی ہے جہاں سالک مغرور ہو کر لٹ جاتے ہیں اور اصلی راز ان پر نہیں کھلتا۔ مثنوی:-

مرد بے دانشے در راہ گمراہ | کہ راہِ دُور وتاریک ست پر چاہ
چراغِ علم ودانش پیشِ خود دار | وگرنہ درچہ افتی سرنگوں سار
فغان زین صوفی کو در خار ماندہ | وے در علم خود بے کار ماندہ

(بغیر کسی رہبر وپیشوا کے راستہ نہ چل، کیونکہ راستہ دُور اور اندھیرا ہے اور بیچ میں کنواں ہے۔ علم وعقل کا چراغ ہاتھ میں رکھ، نہیں تو کنویں میں اوندھا گر پڑیگا۔ ہائے وہ صوفی جو جھاڑ جنگل میں پھنس کر رہ گیا، اس کا علم کوئی کام نہ دے سکا)۔

اے بھائی، جو لوگ واقعی خوش نصیب اور حق رسیدہ ہیں۔ ان کو دو آنکھیں ملتی ہیں۔ ایک آنکھ سے صفاتِ آفاتِ نفسانی دیکھتے رہتے ہیں۔ اور دوسری آنکھ سے صفاتِ کرامتِ یزدانی، ملاحظہ کرتے رہتے ہیں۔ جس وقت اُس کی نوازش واکرام کا مشاہدہ کرتے ہیں، ناز کرتے ہیں اور جب عجز وآفاتِ خاک پر نظر پڑتی ہے، پانی پانی ہو جاتے ہیں۔ (اللہ اکبر۔) ؎

گہے بر طارمِ اعلیٰ نشینم | گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

(میں کبھی سب سے اونچے آسمان کی بلندی پر پہنچ جاتا ہوں۔ اور کبھی اپنے پشتِ پا کو بھی نہیں دیکھ سکتا)۔ اسی شوریدہ عراق سوختہ آتشِ فراق پر "بد دنمایند" کی حالت" جس وقت طاری ہوتی تو کس دردناک لب و لہجہ میں کہہ گزرتا کہ یَا لَیْتَنِی کُنْتُ تُرَابًا وَلَمْ اَعْرِفُ هٰذَا الْحَدِیْثَ کاش کہ میں خاک ہوتا اور مجھ کو محبت سے کچھ سروکار نہ ہوتا۔ اور جب "از وبربایند" کی شراب پیتا تو مستی میں یہ نعرہ مارتا کہ ملائکہ ملکوت اور ساکنانِ ملاءِ اعلیٰ کہاں ہیں حاضر آئیں اور میرے تختِ دولت کے سامنے ہاتھ باندھ کر سیدھے کھڑے ہو جائیں اسی راز کو کسی نے کہا ہے۔ فرد

گہیم جائے نشیب ست وگاہ گاہ بلند گہیم داغ فراق ست وگاہ باغِ وصال

(کبھی میری جگہ پستی میں ہے، کبھی بلندی پر۔ مجھ کو کبھی جدائی کے داغ کا مقابلہ کرنا ہے اور کبھی آنکھوں کے سامنے وصال کا پھلا پھولا باغ نظر آتا ہے)۔

اب تصویرِ عالمِ محبت وطلب کا دوسرا رُخ بھی دیکھ لو۔ اس مردِ خدا (آدمؑ) نے جس وقت ساری ملکوتی طاعت کی پونجیوں کو آتشِ عشق سے جلا کر خاکستر کر دیا تھا۔ اور بہشت کا مالک بنایا گیا تھا، اسی محبت کی بدولت اس پر ایک سخت وقت آپڑا۔ اور ایک بڑی ہم کا سامنا ہو گیا۔ ندا ہوئی کہ عاشق یوں چین سے نہیں رہتا۔ اور اس آسانی سے نہیں کھاتا پیتا۔ یہاں سے جاؤ اور جا کر قوتِ بازو اور جاں فشانی سے روزی حاصل کرو۔ کیا تماشہ ہے کہ خوشی میں اس قدر کم وقت گزرا۔ اور تین سو برس غم وحسرت میں گزارنی پڑیں۔ اللہ اللہ۔ فرد

گرچہ کنی قہر بسے را زما روئے شکایت نہ کسے را زما

(اگرچہ ہمارے جیسے بہتوں پر تمہارا قہر وغصہ جاری ہے۔ مگر کسی کے لب پر کوئی شکوہ نہیں ہے)۔ والسلام

اٹھارھواں مکتوب

غلط گاہِ عوام کے بیان میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برادرم شمس الدین تمھیں معلوم ہو کہ بعض بعض عوام الناس محض شبہوں اور خیالاتِ فاسد کی بدولت دینداری اور دین سے ایسے محروم ہیں کہ گمراہ ہو رہے ہیں۔ ایک گروہ کا یہ خیال ہے کہ خدائے عزوجل طاعت سے خلق کے بے نیاز ہے۔ اُس کو ہمارے عمل کی حاجت نہیں۔ طاعت و معصیت اس کی بے نیازی کی بارگاہ میں سب کی سب مساوی و برابر ہے۔ پھر خواہ مخواہ ہی کیوں ہم اپنے کو ایک مصیبت میں ڈالیں۔ اور نماز و روزہ وغیرہ کی تکلیف برداشت کیا کریں۔؟

جواب:۔ اس شبہ سے سراسر جہالت کی بو آتی ہے۔ غالباً اس گروہ نے دل میں یہ جانا ہے کہ شریعت جس کام کا حکم دیتی ہے اس سے اللہ تعالیٰ کا فائدہ ہے۔ نعوذ باللہ یہ بالکل محال و باطل ہے۔ بلکہ دین کا جتنا کام آدمی کرتا ہے سب میں بہ نفسِ نفیس اسی کا فائدہ ہے کہ وَمَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ۔ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ[1] اس بدبخت جاہل کی مثال ہو بہو ویسی ہی ہے کہ ایک بیمار کو طبیب پرہیز کا حکم دے، بیمار پرہیز نہ کرے اور یوں کہے کہ ہماری بد پرہیزی سے طبیب کا بگڑتا کیا ہے۔ پھر خوب اطمینان سے ہر طرح کی چیز کھانا شروع کردے۔ اس میں شک نہیں کہ طبیب کا نقصان کچھ نہ ہوگا۔ مگر بیمار صاحب جلد سے جلد قبر کا کونا لیسائیں گے۔ طبیب کو کوئی ذاتی غرض تو تھی نہیں کہ اپنی رضامندی کسی سبب سے چاہتا۔ وہ تو صرف اس کی شفا و صحت کا خواہاں تھا۔ اگر مریض طبیب کے حکم پر چلتا تو اچھا ہو جاتا۔ چونکہ کہنا نہ مانا۔ موت سر پر کھیل گئی۔ دیکھو طبیب کا کچھ نہ بگڑا، مریض کی جان مفت گئی۔

---

[1] جس نے صفائی اور پاکیزگی حاصل کی اس نے اپنے کو پاکیزہ بنایا۔ اور جس نے نیک کام کیے تو اپنے لیے کیے۔

دوسرے گروہ کا یہ خیال فاسد ہے کہ اللہ تعالیٰ بڑا کریم و رحیم ہے، ہزار ہم گناہ کریں ہم کو ضرور بخش دیگا۔ کون شریعت کی زنجیر میں اپنے کو اس طرح جکڑنے ؟

جواب :- بیشک وہ بڑا کریم و رحیم ہے۔ مگر صرف کریم و رحیم ہی سمجھنا شیطان کا دھوکا ہے، جیسا وہ کریم و رحیم ہے ویسا ہی وہ شدید العقاب بھی ہے، اور حکیم و قدیر بھی ہے۔ تم بین بین دیکھ رہے ہو کہ ہزاروں آدمی تکلیف میں ہیں، ہزاروں آدمی غریب و محتاج ہیں۔ حالانکہ خزانہ الٰہی میں کوئی کمی نہیں ہے۔ ہر طرح کا سامانِ عافیت وہ کر سکتا ہے۔ مگر ایسا نہیں ہوتا۔

دیکھو کسان جب تک دانہ نہیں چھیٹتا، ایک گیہوں اس کو ہاتھ نہیں آتا۔ اور کوئی آدمی زندہ و تندرست نہیں رہ سکتا جب تک غذا نہ کرے پانی نہ پیے۔ اور بیمار اچھا نہیں ہوتا جب تک علاج نہ کرے۔ جس طرح ان چیزوں کے لیے اسباب مقرر ہیں۔ دین کی سعادت کے لیے بھی اسباب ہیں۔ ذرا خیال کرنے کی بات ہے کہ مسلمان ہو کر آدمی نشہ خواری کرے۔ چوری کا مرتکب ہو، زنا میں مبتلا ہو، سود کھایا کرے۔ نماز سے بھاگا بھاگا پھرے، روزے سے جان چرائے، زکوٰۃ سے منھ موڑے۔ اور طرح طرح کے بُرے بُرے کام کیا کرے۔ باوجود اس کے امید رکھے کہ اللہ تعالیٰ کریم و رحیم ہے۔ ہمارے گناہ معاف کر دے گا۔ اور گناہوں کا بدلہ نہ لے گا۔ یہ کہنا اس کا کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے۔ ایسے شخص کو تین قسم کا مرض لاحق ہوتا ہے کفر، جہل، کاہلی۔ کفر و جہل یہ دونوں تو روح کے لیے سراسر زہر ہیں۔ ان کا تریاق اگر ہے تو علم و معرفت ہے۔ اور کاہلی ایک ایسی بیماری ہے کہ اگر اس کا علاج نہ ہوا تو انسان ہلاک ہو کر رہ جائے گا۔ اس کا علاج نماز پڑھنا اور ہر قسم کی طاعت بجالانا ہے۔ اب بتاؤ جو شخص زہر کھائے گا اور تریاق استعمال نہ کرے گا کیسے بچ سکتا ہے۔ یا امراضِ گرم میں لالچ سے شہد وغیرہ کھائے گا تو زندہ نہ رہے گا۔

زیادہ تر دل کی بیماری کا تعلق خواہشاتِ نفسانی سے ہے۔ خواہ اس کو شکم سے تعلق ہو خواہ اُس کو صلب سے لگاؤ۔ شکم کو لقمۂ حرام کی فکر ہوتی ہے۔ صلب کو بوالہوسی تماش بینی سوجھتی ہے،

اس صورت میں دو حالتوں کے لیے دو حکم ہیں۔

۱۔ جو شخص نفسانی خواہشات پر چلا، مگر گناہ کو اُس نے گناہ سمجھا۔ ایسا شخص ہلاکت کے قریب ہے۔ اس لیے خوفِ ہلاکت ہے۔

۲۔ جس نے گناہ کیا اور گناہ کو گناہ نہ سمجھا، اس کے لیے خوفِ ہلاکت نہیں ہے بلکہ وہ ہلاک ہو چکا ہے۔ کیونکہ گناہ کو گناہ نہ سمجھنا کفر ہے۔ اور کفر جان کے لیے سمِ قاتل ہے۔

تیسرے گروہ کی یہ حالت ہے کہ ریاضتِ بدنی میں مشغول ہوتے ہیں۔ اور یہ خیال دل میں بیٹھیدہ رکھتے ہیں کہ غصہ اور بھوک اور مردانگی و دیگر صفاتِ ذمیمہ سب کے سب ریاضت سے نیست و نابود ہو سکتے ہیں۔ اور شریعت کا منشا بھی یہی ہے۔ یہ سوچ کر کچھ دنوں تک تو محنتِ شاقہ اور ریاضت کی چلتی ہے۔ تھوڑے عرصہ کے بعد حضرت سلامت جو غور کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں، نہ غصہ غائب ہوا نہ شہوتیں ناپید ہوئیں۔ بخت گھبرائے، کہنے لگے کہ ایسی ریاضت کا حاصل ہی کیا ہوا! اگر شریعت ورزی سے اتنا بھی فائدہ نہ ہوا تو کیا ہوا؟ بس ہمارا اسلام لیجیے۔ فرد

گلیم بختِ سیہ را کہ بافتند سیاہ دگر بہ سعی کسانش سفید نتواں کرد

کیونکہ سیاہ کمبل نہ اجلا ہوا ہے اور نہ ہو گا۔ آدمی بھی جس صفت پر پیدا ہوا ہے اس کا بدلنا ناممکن ہے۔ پھر ہم کیوں اپنے کو اس پریشانی میں ڈالیں۔

جواب۔ شریعت نے کہاں اور کب یہ حکم دیا ہے کہ شہوت و صفاتِ بشریت کو بالکل نکال ڈالو۔ بلکہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یوں فرمایا ہے کہ میں بشر ہوں مجھ کو بھی غصہ آتا ہے۔ چنانچہ غصہ کا اثر چہرۂ انور پر ظاہر ہوتا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے غصہ پینے والوں کی قرآن شریف میں تعریف کی ہے۔ وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ (جو لوگ غصہ پی جاتے ہیں، اور قصور معاف کر دیتے ہیں) جس کو بالکل غصہ نہ ہو گا اُس کو اِس آیتِ شریف سے کیا برکت ہو گی۔ علیٰ ہٰذا القیاس قوتِ مردانگی اگر بُری چیز ہوتی تو پیغمبروں کو نہ ملتی۔ خود ہمارے حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نو محل تھے۔ قوتِ مردانگی تو ایسی

نعمت ہے کہ اگر زائل ہو جائے تو اس کا علاج کر کے لوٹانا چاہیے، تاکہ بیوی بچوں پر حمیت و ہمدردی پیدا ہو، کثرتِ توالد و تناسل اور نیک نامی کی بقا اسی طاقت کے باعث ہوتی ہے۔ غصہ کی خوبی اس کے موقع پر دیکھو۔ خصوصاً جنگ میں جس وقت کفار کا مقابلہ ہو۔ غصہ و مردانگی یہ دونوں صفتیں ایسی ہیں کہ پیغمبروں نے ان کو عزیز رکھا ہے۔ لیکن جس طرح خود ان پر غالب رہے ہیں امت کو بھی حکم دیا ہے کہ ان صفتوں کو مغلوب رکھیں، غصہ ہو، مگر شریعت کے دائرہ سے باہر نہ ہو۔ قوتِ مردانگی رکھے، لیکن شریعت کی حد سے تجاوز نہ کرے۔ دیکھو ایک خاص طریقہ کے شکار میں گھوڑے اور کتے کی ضرورت پڑتی ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ گھوڑا کتا دونوں تعلیم یافتہ ہوں، ورنہ گھوڑے کی ایک پشتک میں شکاری صاحب پشت بر زمین رسید ہوں گے اور کتا مالک کو کاٹ کھائے گا۔ شکار ہوا ہو جائے گا۔ غصہ اور شہوت کی مثال گھوڑے کتے کی سی ہے۔ آخرت کی سعادت شکار نہ ہو گی۔ یہ دونوں صفتیں انسان میں رہنی چاہئیں۔ البتہ ان کا مغلوب ہونا ضروری ہے۔ نابود ہونا تو بالکل برا ہے۔ ان کے غالب ہونے میں بے شک خوفِ ہلاکت ہے۔ ورنہ سراسر فوائد ہیں۔ ریاضت کا مقصد یہ گروہ جو یہ سمجھا کہ صفاتِ نفسانی ناپید کر دیے جائیں یہ بالکل غلطی ہے۔ بلکہ ریاضت سے غرض اِن صفتوں کا مغلوب ہونا ہے۔ مغلوب ہونا بہت ممکن ہے۔ ایسا برابر ہوا، اور ہو رہا ہے۔

چوتھے گروہ پر یہ حماقت سوار ہوتی ہے کہ سب کام تقدیر پر موقوف ہیں۔ جو سعید ہوتا ہے، وہ ماں کے پیٹ سے، جو شقی ہوتا ہے، وہ ماں کے پیٹ سے۔ ازل ہی میں سب کچھ ہو چکا، اس میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔ عمل کی حاجت نہیں۔ جو ہونا ہے خود سے ہو رہے گا۔

جواب۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت یہ فرمایا کہ سعادت و شقاوت ازلی ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی "کیا ہم لوگ اس پر ایمان لا کر عمل سے منھ موڑ لیں۔ ارشاد ہوا (نہیں)، اِعْمَلُوْا وَکُلٌّ مُیَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَہٗ۔ عمل میں کوتاہ دستی

نہ کرو۔ اگر تمھارے نصیب میں سعادت ہے نیک کام کرنے کی تم کو توفیق پیدا ہوگی۔ بات یہ ہے برادر کہ سعادت کا ظہور طاعت سے ہوتا ہے اور شقاوت کا ظہور معصیت سے۔ مثلاً جس کے نصیب میں بھوکا مرنا ہے، اُس کو روٹی یا دوسری غذا نہ ملے گی، یہ دروازہ اُس پر بند رہے گا۔ اسی طرح جس کی قسمت میں تونگری ہے اُس پر کاشتکاری اور تجارت کا راز کھول دیا جاتا ہے۔ اور وہ اس کام میں لگ جاتا ہے۔ جس کی تقدیر میں یہ لکھا ہے کہ فلاں سرزمینِ مغرب میں اس کی موت آئے گی مشرق کی راہ اُس پر بند ہو جاتی ہے۔ اِدھر کا وہ قصد ہی نہیں کرتا۔

حکایت ۔ ایک دفعہ ملک الموت حضرت سلیمان ابنِ داؤد پیغمبر علیہ السلام کی خدمت میں بیٹھے تھے۔ یکایک حاضرین میں سے ایک کی طرف ذرا تیز نظر سے اُنھوں نے دیکھا دیکھتے ہی وہ آدمی ڈر گیا۔ بعدہٗ ملک الموت رخصت ہو کر چلے گئے۔ آخر اس شخص کے دل میں ایسا ڈر سمایا کہ بصد آرزو منت حضرت سلیمان علیہ السلام سے اُس نے درخواست کی کہ یا حضرت (ہوا کو) حکم دیا جائے کہ فوراً مجھے زمینِ مغرب میں پہنچا دے۔ جب وہ جا چکا، اور اس کی روح وہ قبض کر چکے تو پھر آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے پوچھا کہ اس وقت اس شخص کو تم نے اس تیزی سے کیوں دیکھا تھا۔ ملک الموت نے کہا، مجھے حکم خداوندی تھا کہ دوسرے گھنٹہ میں فلاں سرزمینِ مغرب میں اس کی روح قبض کی جائے. مگر میں حیران تھا کہ اس حکم کی تعمیل ہو تو کیونکر ہو۔ آخر مجبور ہو کر کڑی نظر سے اس کو میں نے دیکھا چونکہ اس کی تقدیر میں وہاں مرنا تھا۔ اس لیے اس کے دل میں خوف پیدا ہوا۔ اور اس درخواست کرنے پر وہ مجبور ہوا کہ مجھے سرزمینِ مغرب میں پہنچوا دیجیے۔ پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کا اس کی بات مان لینا۔ اتنے اسباب جمع ہوئے ہیں تو وہ حکم ازلی پورا ہو کر رہا ہے. علاوہ ازیں جس کے نصیب میں سعادت ہوتی ہے اُس کے دل میں نورِ ایمان ہوتا ہے۔ وہ عبادت اور ریاضت کرتا ہے۔ صفاتِ ذمیمہ کو مغلوب رکھتا ہے۔ قرآن شریف میں آیا ہے۔ فَمَنۡ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنۡ يَّهۡدِيَهٗ يَشۡرَحۡ صَدۡرَهٗ لِلۡاِسۡلَامِ ۚ (اللہ جس شخص کی ہدایت کا

ارادہ کرتا ہے اس کا سینہ اسلام قبول کرنے کے لیے کھول دیتا ہے)۔

مجبوری اب ہم کو یہ کہنا پڑتا ہے کہ جس گروہ کے نصیب میں دوزخ میں جانا ہے اس کے دل میں یہ بات ڈال دی جاتی ہے کہ سعادت و شقاوت ازلی ہے، عمل کی کچھ حاجت نہیں۔ عمل ایک فضول کام ہے۔ یہ سوچ کر وہ گروہ عمل سے باز رہتا ہے۔ سچ ہی جس کی تقدیر میں جہالت ہوتی ہے لکھنے پڑھنے سے کیسا بھاگتا ہے۔ ٹال مٹول کرتا ہے اگر نصیب میں اس کے علم ہوتا ہے تو خود اس کا ہونہار پن، خود اس کی معنوی سرداری اُس کے دل میں ڈال دیتی ہے کہ بغیر طلب و محنت علم حاصل نہیں ہوتا۔ اسی طرح کاشتکاری گندم وغیرہ کا حال ہے۔ جب تک زمین جوتی نہیں جاتی، بیج چھینٹا نہیں جاتا، آب پاشی نہیں کی جاتی، کسان غلّہ نہیں کاٹتا۔ جس کاشتکار کے نصیب میں غلّہ کاٹنا نہیں ہے وہ اپنی بدبختی سے نہ زمین سینچتا ہے نہ تخم ریزی کرتا ہے۔ پس سمجھ لو کہ ایمان وطاعت سعادت کی نشانی ہے اور کفر و معصیت شقاوت کی علامت ہے۔ ممکن ہے کہ اس قسم کے احمق لوگ یہ بھی کہتے ہوں کہ ایمان وطاعت محدث کو سعادتِ ازلی، اور کفر و معصیت محدث کو شقاوتِ ازلی سے کیا مناسبت ہے! اس کے یہ معنی ہوئے کہ گروہ مذکور اپنی رکیک عقل سے اس کی اصلی وجہ دریافت کرنا چاہتا ہے۔ حالانکہ عقل مختصر اس کی، کہاں اس بات کی متحمل ہے کہ اسرار کو جان سکے اور اندازہ کر سکے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شبہ یا حُجت نے خرابی پیدا کی ہے۔ بلکہ حماقت غالب ہو کر اپنا کام کر رہی ہے۔ حضرت عیسیٰ پیغمبر علیہ السلام نے واقعی بہت صحیح فرمایا کہ مادرزاد نابینا کے علاج سے یا مردہ کے زندہ کرنے سے کبھی عاجز نہ آئے۔ مگر کسی احمق نے اگر انکار کیا تو اس کا علاج ہم سے نہ ہو سکا۔

اے بھائی، انسان کا معاملہ نہایت نازک ہے۔ ابھی جبریلؑ و میکائیلؑ کے درجہ میں ہے، ابھی سگ و خوک کے رتبے میں ہے۔ یعنی اگر علم و حکمت کی روش پر اس کا عمل ہے تو وہ فرشتہ ہے۔ دیکھو، حضرت یوسف علیہ السلام کو مَا هٰذَا بَشَرًا ۭ اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ

کریمؐ (یہ آدمی نہیں بلکہ کوئی بڑا فرشتہ ہے)۔ ؎

گر قدمت شد بہ یقین استوار گرد ز دریا، نم از آتش برآر

(اگر یقین پر تیرے قدم جم گئے، تو دریا سے دھول اور آگ سے تری لے آئیگا)۔

اور اگر متابعتِ ہوائے نفسانی ہے اور شیطانی کھوٹوں کی تاک جھانک ہے تو، تو ملعون ہے۔ دیکھو بلعم باعور کی حالت۔ مَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ۔ (وہ کتے کی مانند ہے، اگر اس پر بوجھ ڈالا جائے جب بھی اور اگر چھوڑ دیا جائے جب بھی ہانپتا ہے)۔ ؎

اے شدہ خوشنود بیک بارگی چون خر و گاو بہ علف خوارگی

(تو یک بیک خوش ہو گیا جس طرح گدھے اور گائے کو چارہ ملنے سے خوشی ہوتی ہے)۔

حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی يَا دَاوُدُ كُنْ كَالطَّيْرِ الْحَذِرِ وَلَا تَأْمَنْ وَلَا تَسْتَقِرَّ (اے داؤد اس چڑیا کی طرح ہو جا جو اپنے دھن کو چھوڑ کر الگ ہو جاتی ہے)۔

بڑا ہی نادان وہ مرغ ہے، جو قفس تنگ میں رہنا پسند کرے اور ہرے بھرے باغ کا قصد نہ کرے۔ جس انسان میں بلند پروازی نہیں ہے اور وہ اس تنگنائے دہر میں آسودہ ہو رہا ہے تو وہ گویا ایک معمولی پر دار جانور ہے، جو قفس میں بند کر دیا گیا ہے اور دانہ پانی دیکھ کر خوش ہو رہا ہے۔ اروِاح انسانی کا تو حال یہ ہے کہ رات دن ہر سانس کے دریچہ سے سر نکالتی ہے اور چاہتی ہے کہ اُڑ چلیں۔ ؎

آنکہ درین پردہ نوائیش ہست خوشتر ازین حجرہ سرائیش ہست

اوج بلند ست، در دمی پرم باش کہ از ہمّتِ خود بگذرم

(اس پردے میں جس کو خوش الحانی دی گئی ہے۔ اس حجرے سے کہیں بہتر اس کے لیے ایک گھر بنا ہوا ہے۔ ایک بہت اونچے مقام پر میں اُڑتا ہوں، تو ٹھہر جا، تاکہ میں اپنی ہمت سے آگے بڑھ جاؤں۔ والسلام۔

انیسواں مکتوب

امراضِ ظاہر و باطن کے بیان میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برادرم شمس الدین سلمہُ اللہ۔ حقیقۃً سمجھو اور یقین جانو کہ انسان دو جوہر مختلف سے پیدا ہوا ہے۔ ایک علوی دوسرا سفلی۔ جس طرح جوہر سفلی، یعنی یہ جسم جو آب و آتش خاک و باد سے بنا ہے اس کو مرض قبول کرنے کی صلاحیت ہے۔ اسی طرح جوہر علوی، یعنی ارواح کو بھی بیماریاں لاحق ہوتی ہیں۔ جس طرح امراض سفلی کے لیے اطبّا ہیں کہ ان کے علاج سے مرض دُور ہو جاتا ہے صحت حاصل ہوتی ہے اور ہلاکت سے آدمی بچ جاتا ہے۔ اسی طرح امراضِ علوی کے لیے بھی اطبّا ہیں جن کے علاج سے جملہ امراضِ باطنی اگرچہ وہ محسوس نہیں ہوتے۔ اور عقل میں نہیں آتے۔ مگر سب کے سب دفع ہو جاتے ہیں۔ اور ہلاکت کے محل سے نجات ہوتی ہے۔ جوہرِ سفلی کے امراض و علل کے طبیب تو حکماء ہیں۔ اور جوہر علوی کے امراض و علّت کے طبیب انبیاء ہیں۔ ان کے بعد مشائخ ہیں۔ کیونکہ یہی لوگ انبیاء کے خلیفہ ہیں۔ اسی مقام کی بات ہے کہ اَلشَّیْخُ فِیْ قَوْمِہٖ کَالنَّبِیِّ فِیْ اُمَّتِہٖ (اپنی قوم میں شیخ کی وہی حیثیت ہے جو نبی کی اپنی امت میں)۔ جس طرح کہ جوہر سفلی کا مریض بغیر طبیبِ حاذق کے ہلاکت کے بالکل قریب ہے۔ اسی طرح جوہر علوی کا مریض بھی بغیر پیغمبر یا شیخِ کامل اور راہ رفتہ اور خلیفۂ پیغمبر کے جس کی شان اَلْعُلَمَآءُ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَآءِ (امتِ محمدی کے عالم پیغمبروں کے وارث ہیں)۔ ہے ہلاکت کے قریب ہے۔ ہم جیسے کم نصیبوں کے وقت میں جس طرح اطبّارِ جوہرِ سفلی کم اور ناپید ہو گئے طبیبانِ جوہرِ علوی بھی کم اور گم ہو گئے۔ ناچار ہم جیسے بے دولت و بدنصیب کی ہلاکت کے سوا بات کیا باقی رہی ہاں، اور تو کوئی چیز ایسی نہ رہی جس سے صحت و حیات و فلاح و نجات کی امید کی جائے۔ مگر

یہی آیتِ پاک کہ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَۃِ اللہِ (خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہو)۔ (مگر درصحِ رائے کہ امیدوار رہنا اور اُس کی شرطوں کو پورا کرنا اور اُس کے اسباب مہیا نہ کرنا کیسی بات ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ خداوند تعالیٰ کی قدرت سے باہر ہے، نہیں، باہر نہیں ہے، مگر کارخانہ حکمت کے خلاف ضرور ہے۔ (جب اس طرح قلعی کھل گئی تو بتاؤ اب ہم کو کیا کرنا چاہیے)۔ ہم اپنے سر پر خاک ڈالیں اور اپنی معصیت پر ماتم کریں، اور اس بات کو خوب سمجھیں کہ ہمارے پاس اب سوائے غرور و پندار کے کچھ نہ رہا۔ (یوں ہزار دو ہزار لاکھ دو لاکھ میں کوئی آدمی کام کا نکل آیا تو اِلَّا مَاشَاءَ اللہُ۔ الشاذ کالمعدوم میں داخل ہے۔ اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ اب اس کو سنو، کہ) ہم نے پیغمبر یا شیخ کی طبیب سے مثال کیوں دی۔ اس لیے کہ جس طرح طبیب نبض دیکھ کر بیمار کے علت و مرض سے واقف ہو کر مختلف ادویہ اور شربت بیمار کی قوت کا اندازہ کر کے بتاتا ہے، اور کسی دوا سے دو ماشہ اور کسی سے تین ماشہ اور کسی سے چار ماشہ لے کر معجون تیار کرتا ہے۔ اور بعض چیز کا استعمال جائز اور بعض کا استعمال خطرناک کہتا ہے، تاکہ طبیعت مریض کی اعتدال پر آجائے اور مائل بہ صحت ہو جائے۔ اور ہلاکت سے محفوظ رہے۔ اسی طرح پیغمبر وقت یا نائبِ پیغمبر کو جب وقوف ہو جاتا ہے کہ اس شخص کے اعتقاد میں کیا کیا مرض لاحق ہے تو احکامِ شریعت سے ایک ایسا نسخہ تجویز کر دیتا ہے کہ وہ بیمارِ باطن استعمال کر سکے اور اس سے فائدہ اُٹھا سکے۔ کبھی دو رکعت کبھی تین رکعت کبھی چار رکعت سے ایک معجونِ مرکب تیار ہوتی ہے اور کوئی چیز حلال اور کوئی حرام کر دی جاتی ہے تاکہ عقیدت کی تشویشیں، خواہشات کے اختلافات اور امراض کی زنگا رنگی شریعت کے ساتھ اعتدال پذیر ہو اور صحت حاصل ہو۔ خطرۂ ہلاکت سے نجات ملے۔ تم کو تعجب ہوگا کہ احکام و شرائع کہاں، نسخہ و معجون کہاں۔ ان دونوں میں کیا مناسبت ہے۔ ہاں برادران دونوں میں خاص مناسبت ہے۔ مگر یہ صیغۂ راز کی بات ہے۔ جب تک بصیرت حاصل نہیں ہوتی آدمی سمجھ نہیں سکتا۔ دیکھو اگر جوہرِ سفلی کا بیمار طبیب کی مخالفت اختیار کرے گا اور اس کے کہنے کے خلاف کھانا پینا چاہے گا تو مرض ضرور بڑھتا جائے گا اور ہلاکت کی نوبت

آئے گی۔ اسی طرح جو ہر علوی کا مریض اگر شریعت کی مخالفت شروع کرے گا۔ اس کے حکم کے خلاف کام کرے گا، تو یقینی مرضِ ضلالت روز بروز قوی تر ہوتا جائے گا۔ اور بے شبہ جہالت کی موت مریگا۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ جب قیامت کے دن زندہ کیا جائے گا تو بیماری لیے ہوئے اُٹھے گا۔ مگر اب کیا ہوتا ہے۔ وہ درد تو آج لاعلاج ہو گیا۔ دوا اس کی عذاب دوزخ ہے وہیں ابداً و سرمداً رہنا ہے اور جلنا ہے۔ اور اگر برعکس اس کے اس نے احکامِ صاحب شرع کی نگہداشت کی نواہی سے اجتناب رکھا۔ اوامر کو بجالایا تو ایسی تندرستی باطنی حاصل ہوتی ہے کہ جینا تو جینا ہی ہے مرنا بھی جینا ہو جاتا ہے۔ ایک مستند قول سنو اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا یَمُوْتُوْنَ بَلْ یَنْتَقِلُوْنَ مِنْ دَارٍ اِلٰی دَارٍ۔ اولیاء اللہ مرتے نہیں، بلکہ اس مکان سے اُس مکان میں نقل کرتے ہیں۔ موت ظاہری کے بعد بھی ان کی عقل کامل رہتی ہے، کالبد درست رہتا، جوارح مضبوط رہتے، روحانی غذاؤں سے حقوق اپنے پورے کر لیتے ہیں۔ قیامت کے بعد ہمیشہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے۔ رُوح و ریحان کا مزا رہے گا۔ اب ثابت ہو گیا کہ جس طرح جسم کے طبیب حکماء ہیں۔ دل کے طبیب انبیاء ہیں اور ان کے بعد ان کے خلفاء۔ اب کیا ہو مادر زاد بدنصیبی ہم کو نگل چکی۔ اور ادبار نے ان کو ڈبو دیا۔ صحبتِ رسولِ برحق ناپید ہو گئی۔ کیونکہ وہ دروازہ ہی مسدود ہو چکا ہے۔ اور خلیفۂ پیغمبر کا ملنا بھی دشوار ہو گیا۔ کیونکہ ان کی ذاتِ بابرکات بھی عالم میں کم کم ہے۔ اور اگر کوئی بزرگ شاذ و نادر ہیں بھی تو چھپے ہوئے ہیں۔ ہم مدبر ہو چکے، کسی مقبول کو ہم ڈھونڈ کر نکالیں تو کیونکر نکالیں اور ہم وہاں تک پہنچیں تو کیونکر پہنچیں۔ گویا یہ سمجھنا چاہیئے کہ یہ در بھی بند ہی ہو گیا۔ خسرو کی جان پر رحمت نازل ہو۔ کیا خوب کہا ہے ؎

در مجلسِ وصالت دریا کشند مستاں ۔۔۔ چون دَورِ خسرو آمد مے در سبو نماند

(تیرے وصال کی مجلس میں مست لوگ خم کے خم لنڈھا رہے ہیں۔ جب خسرو کی باری آئی تو مٹکے میں شراب ہی ختم ہو گئی)۔ ایسی صورت میں ہم جیسے بیماروں، مریضوں، خاکساروں، بدنصیبوں کے لیے سوا اس کے کوئی چارہ نہیں ہے کہ ان کی کتابیں جس میں عقائد و معاملات ان کے لکھے ہوئے ہوں

اور روشِ وطریقے ان کے درج ہوں، اُن کو دیکھیں اور اپنا امام و پیشوا اُسی کو بنائیں۔ اگر آفتابِ دولت ہم بدنصیبوں کے وقت میں غروب ہوگیا تو خیر، بارے چراغ تو ہے ھٰذَا اَکْثَرُ مِنَّا (یہ ہم لوگوں کے لیے بہت ہے) کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

از بختِ بدم اگر فرو شد خورشید از نورِ رخت مہا چراغے گیرم

(اگر میری بدبختی کے سبب سورج ڈوب چکا تو اے چاند سے محبوب تمھارے چہرے کی چمک سے میں چراغ کا کام لوں گا)۔ اگر خدانخواستہ کہیں ان کی کتاب دیکھنا بھی نصیب نہ ہوا تو اُس وقت کیا ہم کیا تم، کیا فرعون، کیا نمرود، کیا ابولہب، کیا ابوجہل سب برابر۔ (دوسرا رُخ یہ ہے کہ) ناامیدی کی کوئی وجہ نہیں۔ خونِ جگر پیتے رہو، جان کنی کرتے رہو، خوب اضطراب پیدا کرو۔ اچھی طرح شور و فریاد سے کام لو۔ دیکھو تو سہی، کس طرح لطف کی ہوا افتادگانِ خاک کو اُڑا لیتی ہے۔ اور گلشنِ تقرب میں پہنچا دیتی ہے۔ دیکھو سات لاکھ برس سے طاعت و عبادت کے ملک میں کیسے کیسے سالکان سجادہ نشین تھے۔ اور خانقاہِ عصمت میں کیسے کیسے حضرات عزت و حرمت کے مصلّے پر تکیہ لگائے بیٹھے، اور دل ہی دل میں سمجھ رہے تھے کہ خلافتِ حقّہ اس دائرے سے باہر جاتی کہاں ہے۔ ناگاہ نسیمِ لطف کے ایک جھونکے نے آب و خاکِ پامال کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا ندا ہوئی اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً ط اور ان کی کچھ پروا نہ کی۔ جانتے ہو ایسا کیوں ہوا؟ اس لیے تاکہ کوئی مطیع اپنی طاعت و عبادت پر ناز نہ کرے۔ اور کوئی مفلس و افتادہ نومید نہ ہو۔ اسی پر موقوف نہیں، جماعتِ ساحران فرعون کی طرف نظر کرو۔ دیکھو عنایتِ سابق نے لطف سے کیسا کام کیا، کچھ نہ دیکھا کہ یہ لوگ جادوگر ہیں اور کام ان کا جادوگری و خذلان و بطلان ہے۔ اسی حال میں جس وقت وہ ساحری اور جادوگری میں مشغول اور تمام نجاستوں سے ملوث تھے، موحّدِ حقیقی بنا کر تختِ توحید پر بٹھا دیا اور تاجِ معرفت سر پر رکھ دیا۔ کیسا عجیب و غریب تماشا سارے جہان کو دکھا دیا کہ ہم جب کسی افتادہ و تباہ کار کو قبول کرتے ہیں تو اس بات کو نہیں دیکھتے کہ وہ کون ہے اور جب کسی سربلند کو نظر سے گراتے ہیں اس وقت بھی کچھ خیال نہیں کرتے کہ وہ کیا ہے اور کام اُس کا کس درجے کے لائق تھا۔ والسلام

بیسواں مکتوب

اولیاء پر انبیاء کی فضیلت کے بیان میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میرے عزیز بھائی شمس الدین۔ تمھیں معلوم ہو کہ ہر وقت بجمیع وجوہ باتفاق جملہ مشائخ طریقت رضوان اللہ علیہم اجمعین ولی اللہ جتنے ہیں سب پیغمبروں کے تابع ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کو اولیاء پر فضیلت حاصل ہے۔ کیونکہ ولایت کی جو نہایت (ختم) ہے نبوت کی بدایت (شروع) ہے۔ ہر نبی درجۂ ولایت پر فائز ہے۔ مگر کوئی ولی نبی نہیں ہو سکتا۔ اس امر میں علمائے اہلِ سنت وجماعت ہوں یا محققین اہلِ طریقت کسی کو اختلاف نہیں ہے۔ بلکہ سب کے سب متفق ہیں۔ مگر ملحدوں کا ایک گروہ ہے کہ وہ اولیاء کو انبیاء پر فضیلت دیتا ہے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ اولیاء ہر وقت مشغول بحق ہیں، اور انبیاء بشتر اوقات دعوتِ خلق میں مصروف رہتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوا کہ ہر گھڑی جو شخص اللہ کے دھیان میں رہے گا ضرور اس شخص سے افضل ہو گا جو بعض بعض وقت خدا کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

جواب۔ انبیاء علیہم السلام کا یہ غایتِ کمال ہے کہ دعوتِ خلق سے ان کی مشغولیِ حق میں حجاب واقع نہیں ہوتا مشاہدات روحی وسرّی اپنی جگہ پر قائم ہیں اور یہ کام بھی ہو رہا ہے۔ دوسرا گروہ جاہلوں کا ہے۔ اس کو صوفیوں کی محبّت کا دعویٰ ہے۔ اور ان کی جانب حسنِ ظن بھی ہے، اور ان کا اتباع بھی کرتے ہیں۔ مگر اس خیالِ خام میں پڑ گئے ہیں کہ مقامِ ولایت مقامِ نبوت سے برتر ہے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ نبی کے ہاں پہلے وحی آتی ہے بعد اس کے نبی کو علم ہوتا ہے۔ اور ولی سے سِرّاً بسِرٍّ راز ونیاز کی باتیں ہوتی ہیں۔ بلکہ ولی ان اسرار سے واقف ہوتا ہے جن کی نبی کو خبر تک نہیں ہوتی۔ یعنی علمِ من لدنّی ولی کو مل جاتا ہے۔ جیسا کہ خضر علیہ السلام کو تھا۔ موسیٰ

علیہ السلام کو یہ علم نہ تھا۔ اور کہتے ہیں کہ خضر علیہ السلام ولی تھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نبی تھے۔
حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جب تک ظاہر وحی نہ آئی احکام و اسرار وغیرہ سے آگاہ نہ ہوئے۔
خضر علیہ السلام کو علم لدنی تھا، غیب جانتے تھے۔ اسی وجہ سے اس کی نوبت آئی کہ موسیٰ علیہ السلام
نے ان کی شاگردی قبول کی۔ اُستاد یقینی شاگردوں سے افضل ہوتا ہے۔ یہ باتیں بالکل لغو اور مہمل
ہیں۔ جو لوگ مذہب کے سردار ہیں اور جن کے دین پر اعتماد ہے وہ لوگ ان باتوں سے بیزار ہیں
ان کے نزدیک کوئی شخص دنیا میں ایسا نہیں ہے جو انبیاء علیہم السلام سے بلند مرتبہ ہو، یا اُن
کے رتبہ کے برابر ہو۔ تاہم اس بات کا جواب بزرگوں نے دیا ہے۔

جواب ۔ خضر علیہ السلام کو فضلِ مقید تھا۔ یعنی اُن کو علم من لدنی تھا نبوت نہ تھی
اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فضلِ مطلق تھا، کیونکہ پیغمبر اولوالعزم تھے۔ فضلِ مقید فضلِ مطلق
پر کیونکر غالب ہوگا، اور اُس کو کس طرح باطل کرے گا۔ دیکھو پارسا بی بی مریم رضی اللہ عنہا کو
اس کی فضیلت حاصل ہے کہ بغیر مس بشر کے اللہ تعالےٰ نے اُن کو فرزند (عیسیٰ علیہ السلام) عطا
فرمایا۔ باوجود اس کے حضرت بی بی عائشہ صدیقہ و حضرت بی بی سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہما
پر ان کو فضیلت نہیں ہے۔ فضلِ مقید فضلِ مطلق پر کیونکر غالب ہوگا۔ یہ دونوں بیبیاں
لنساء عالم سے، از آدم علیہ السلام تا یومِ قیامِ قیامت افضل و اعلیٰ ہیں۔ قطع نظر ان باتو
کے ہم تو یہ کہتے ہیں کہ اگر اولیاء اللہ کے باطنی اور ظاہری احوال و قلبی واردات و برکات
ریاضت و مجاہدہ سب کے سب کو ایک پلّے پر رکھو، اور نبی نے ایک قدم جو راہِ صدق میں
رکھا ہے اس کے اخلاص کو ایک پلّے پر رکھو تو نبی کا پلّہ اتنا جھک جائے گا کہ ولی کا پلّہ
بالکل بے وزن نظر آئے گا۔ ولی اللہ راہِ طلب میں آتے ہیں۔ چلتے ہیں تو ہزار مشکل سے
منزلِ مقصود تک پہنچتے ہیں۔ اور انبیاء علیہ السلام بغیر جد و جہد خدا رسیدہ ہو جاتے ہیں۔ اور
مطلوب پا لیتے ہیں۔ دعوتِ خلق میں بھی جو مشغول ہوتے ہیں تو وہ مشغول ہونا ان کا باذن اللہ ہوتا
ہے۔ لاکھوں آدمی ان سے ہدایت پاتے ہیں۔ مشرک موحد کافر مومن بنتا ہے۔ اگر دنیا اولیاء اللہ سے

بھری پڑی ہو، اور نبی عالم میں ایک ہی ہو جب بھی ولیوں کی تمام فضیلتیں ایک جا جمع ہو کر نبی کے فضل کی برابری نہیں کر سکتیں۔ اولیاء اللہ جب منتہائے کمال کو پہنچتے ہیں اور مشاہدات کی خبر دیتے ہیں، اس وقت حجاب بشریت سے نکلتے ہیں۔ رسول کو جس دن خلعتِ نبوت ملتا ہے اسی وقت مشاہدہ کی بات چیت اُس سے سرزد ہوتی ہے۔ نبی کی ابتدا جب ولی کی انتہا ہے پھر اس کو اس پر قیاس کرنا ہی فضول امر ہے۔

خواجہ ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے سوال کیا کہ انبیاء کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہیہات ہیہات! ہماری طاقت ہے کہ اس بارگاہ میں کچھ دخل دے سکیں۔ جہاں تک ہماری فہم و ادراک کام کرے گی وہ ہمارے مرتبے کی بات ہوگی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جس طرح اولیا کا مرتبہ عام خلق پر پوشیدہ ہے اسی طرح انبیاء کا مرتبہ اولیاء کی نظر سے نہاں ہے۔ اولیاء صحرائے ربوبیت میں سیر کرتے ہیں، انبیاء ہوائے ہوئیت میں اُڑتے ہیں۔ کہاں سیر کہاں طیر پھر خواجہ ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ سرًّا مجھ کو عروج حاصل ہوا۔ بہت عجائب قدرت دکھائے گئے کسی طرف میں نے رُخ نہ کیا۔ بہشت و دوزخ بھی دیکھا، کچھ التفات نہ کیا۔ یہاں تک کہ کل پردہ و حجاب اُٹھا دیا گیا۔ اس وقت میں ایک مرغ ہو گیا اور ہوائے ہوئیت میں اُڑنے لگا۔ اُڑتے اُڑتے میدانِ احدیت میں مشرف ہوا۔ وہاں درجہ ازلیت نظر آیا۔ غور سے جو دیکھا، تو وہ مجھ سے باہر نہ تھا۔ مجھے بڑی شکستگی پیدا ہوئی۔ عرض کی بارِ خدایا جب تک وہم منی مجھ میں باقی ہے، تجھ تک رسائی محال ہے۔ اس ترقی پر بھی میں خودی سے چھٹکارا نہیں پاتا ہوں اب مجھ کو کیا کرنا چاہیے۔ حکم ہوا خودی کے پنجہ سے جب ہی تیری رہائی ہو سکتی ہے کہ تو میرے دوست (حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم) کی متابعت میں ثابت قدم رہے۔ اور اپنی آنکھوں میں اُن کی خاکِ قدم کا سرمہ لگاتا رہے۔ دیکھو، یہ معراجِ بایزید تھی۔ کمالِ قرب و کرامت کا درجہ بایزید کو عطا ہوا تھا۔ مگر باوجود اس مرتبہ کے جو حکم اُن کو ہوا اُس سے بمقابلہ درجۂ ولایت بارگاہِ رسالت کی شان کیا ظاہر ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں معراج کی حالت پر غور کرو۔ دیکھو،

نبی کو جو معراج ہوئی وہ کھلم کھلا شخصیت کے ساتھ ہوئی، یعنی جسمانی ہوئی۔ اور ولی کی معراج کو تعلق ہمت و اسرار کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ جو خیر انبیاء کو اظہار کے ساتھ روا ہے اولیا کو اسرار کے ساتھ ہوگی۔ دوسرے انبیاء کا جسم مبارک صفا و پاکیزگی و معنی قربت میں اولیاء کے دل اور سر کے مقابلہ میں ہے۔ اب دیکھو کتنا فرق ہے درمیان اُس شخص کے جس کو تشخص کے ساتھ معراج ہو اور جس کی معراج از روے سِر ہو۔ اب تم فضلِ انبیاء کو اولیاء پر جب اچھی طرح جان چکے تو ایک مسئلہ اور بھی اسی کے مناسب سن لو۔ وہ مسئلہ یہ ہے کہ بالاتفاق اہل سنت وجماعت و جمہور مشائخ طریقت انبیاءِ معصوم و اولیاءِ محفوظ فرشتوں سے بھی افضل ہیں۔ بخلاف معتزلہ کے کہ یہ لوگ ملائکہ کو انبیاء پر فضیلت دیتے ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ فرشتوں کا مرتبہ زیادہ بلند ہے خلقت ان کی نہایت لطیف ہے۔ اللہ کے وہ بہت مطیع فرماں بردار ہیں۔ یہ صفت انبیاء کی نہیں ہے۔ اس لیے فرشتے افضل ہیں۔ جواب ہمارا یہ ہے کہ مطیع ہونا، رتبۂ رفیع ہونا، خلقت لطیف ہونا اس کی دلیل نہیں کہ اللہ تعالےٰ نے اُن کو افضل بنایا ہے۔ ہاں وہ شخص افضل ضرور ہے جس کو خدا فضیلت دے۔ دیکھو اگر فضیلت طاعت وعبادت پر موقوف ہوتی تو اس کے مستحق امتانِ پیشین کے لوگ ہوتے۔ مگر وہ اس امت سے افضل نہیں ہیں۔ باوجودیکہ عبادت کی اُن کی انتہا نہ تھی۔ اور اگر فضل رتبہ وجوہر پر موقوف ہوتا، تو ابلیسِ لعین کو حضرت آدم علیہ السلام پر فضیلت ہوتی، کیونکہ آدم کی تخلیق خاک ظلمانی سے ہوئی اور ابلیس آتشِ نورانی سے بنایا گیا۔ پس معلوم ہوا کہ فضل اسی کو ہے جس کو خدا افضل بنائے اور جس کو قبول کرے۔ دوسرے ملائکہ کی طاعت ومعرفت گویا اضطراری ہے، کیونکہ نہ اس قسم کی بھوک ہے نہ قوتِ مردانگی نہ دل میں حرص وطمع ہے، نہ طبیعت میں مکاری وغداری ہے، نہ حصولِ رزق کے لیے حیلہ وتدبیر کی ضرورت ہے۔ غذا اُن کی طاعت وعبادت ہے، مشرب اُن کا اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری ہے۔ انسان کو دیکھو اس کی سرشت میں کھانے کی رغبت، عورت کی خواہش ہے۔ گناہ اُس سے ہوتے اور ہو سکتے ہیں۔ دنیاوی ساز وسامان ہر وقت دل کو بے کل کرنے والے، حرص ومکاری رگ و پے میں دوڑی ہوئی،

شیطان کو اتنا دسترس حاصل کہ خون کے ساتھ ساتھ چکر لگا رہا ہے۔ نفسِ امارہ ایک خبیث سیکڑوں شر کی جڑ۔ ایسی ذات جس میں اتنی بلائے ناگہانی موجود ہوں وہ حتی الامکان اپنے کو شہوت رانی سے محفوظ رکھے، فسق و فجور سے پرہیز کرے، باوجود حرص دنیا سے منھ پھیر لے، وسواسِ شیطانی ہزار ترغیب دیں وہ گناہ نہ کرے، نفس لاکھ غرور و حبِ جاہ وغیر کی راہ دکھائے وہ اصلی روش پر قائم رہے۔ عبادت پر اس کو قناعت ہو، طاعت پہ مداومت ہو، نفس پہ جہاد کرے، شیطان سے لڑائی رکھے۔ درحقیقت ایسا شخص افضل ہوگا، یا وہ افضل ہوگا جس میں خواہشاتِ نفسانی نہ ہوں، شیطان اُس کو بہکا نہ سکے غذا کی اُس کو حاجت نہ ہو، زن و فرزند کی اس کو فکر نہ ہو، اپنے بیگانے سے اُس کو سروکار نہ رہے۔ اسباب و آلات کا وہ محتاج نہ ہو، امید و بیم کی کشاکش سے اُس کو واسطہ نہ ہو۔

سبحان اللہ! کیا بارگاہِ رسالت ہے اور کیا شانِ محمدی ہے۔ ذرا جبریل علیہ السلام کے مراتب پر نظر رکھ کر اس بات کو دیکھو تو سہی کہ تمام عمر کی جان توڑ عبادت کے صلہ میں ان کو کیا ملتا ہے یہ دولت دی جاتی ہے کہ معراج کی شب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بُراق کی وہ خدمت کرتے ہیں اور اس کو سجا کر سامنے لاتے ہیں، اور اسی خلعتِ شاہی پر ان کو ناز ہوتا ہے۔ پھر ہم یہی کہیں گے کہ فرشتے اس شخص سے افضل کیونکر ہو سکتے ہیں جو نفسِ امّارہ کو مارتا ہے، رات دن ریاضت و مجاہدہ کرتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اس پر عنایت کہ اپنا دیدار اُس کو دکھاتا ہے۔ ہر قسم کے خطرات سے محفوظ رکھتا ہے۔ حاصل کلام یہی ہے کہ خدا جس کو فضل دے وہی افضل ہے اور جس کے سر پر فضل کا تاج رکھے وہی بادشاہ ہے۔

حضرت فریدالدین عطّار رحمۃ اللہ علیہ نے اسی معنی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ مثنوی۔

ببین چندین ہزاران سال ابلیس	نبودش کار جز تسبیح و تقدیس
ہمہ طاعاتِ او برہم نہادند	ز استغنائے حق بر باد دادند
دلش خونابہ جائے محنت آمد	تنش دستار خوانِ لعنت آمد
ہمہ جانہائے صدیقان بخون ہست	کہ می داند کہ آن سرکار چون ہست

جگر خون می شود زین یاد مارا زاستغنائے حق فریاد مارا

تو می خواہی زتسبیح و نمازے کہ تا خوشنود گردد بے نیازے

نمازت توشۂ راہ درازست ولے او از نمازت بے نیازست

خدارا کبریائی بے نیازی ست ترا جز نیستی دیگر چہ بازی ست

(غور کر، لاکھوں برس تک سوائے تسبیح پڑھنے کے شیطان کا کوئی کام نہ تھا۔ اس کی ساری عبادتیں توڑ مروڑ کر رکھ دیں۔ خدا کی استغنائیت نے سب کو برباد کر دیا۔ اُس کا دل خون ہو گیا۔ اُس کے سر پر لعنت کی پگڑی باندھ دی گئی۔ یہاں صدیقوں کی جان دہشت سے خون ہو رہی ہے۔ کیونکہ یہ جانتے ہیں کہ کس سرکار سے پالا پڑا ہے۔ جب اُس کو ہم یاد کرتے ہیں تو ہمارا کلیجہ خون ہو جاتا ہے۔ خدا کے استغنا کی ہم دہائی دیتے ہیں۔ تو چاہتا ہے کہ نماز اور تسبیح کے ذریعہ اس جیسا بے نیاز تجھ سے راضی ہو جائے۔ نماز کا درجہ زاد راہ سمجھ۔ مگر وہ تیری نماز سے بے پروا ہے۔ خداوند تعالیٰ کی ذات میں بے نیازی و کبریائی کی صفت ہے تیرے پاس سوائے نیست و نابود ہو جانے کے کیا دھرا ہے)۔

بہرکیف نبی کے مقابلہ میں ولی کی کوئی ہستی نہیں ہے۔ مگر جو ولی محفوظ ہے وہ فرشتوں سے افضل ہے۔ مرتبۂ ولایت ایک سرّ ہے اسرارِ حق سے، مجاہدہ و ریاضت پر یہ موقوف نہیں۔ اس قدر پردۂ استتار میں شانِ ولایت رہتی ہے کہ ولی کو ولی کے سوا دوسرا پہچان نہیں سکتا۔ کیونکہ اگر اظہارِ ولایت سب عقلا پر جائز ہوتا تو دوست دشمن کا فرق نظر آجاتا اور واصل و غافل کی تمیز ہو جاتی۔ مرضیٔ خداوندی نے اس موتی (ولایت) کو صدفِ خواری میں عام خلق سے چھپا رکھا۔ اور امتحانِ گوناگوں کے دریا میں ڈال دیا۔ طالبِ صادق اس تہ کو پہنچ کر جان پر کھیلتا ہے۔ دریائے خواری میں غوطے لگاتا ہے۔ قعر میں اُترتا ہے تاکہ مراد اس کی پوری ہو۔ دنیا میں جو حال اُس کا ہو، اس کی پروا نہیں کرتا۔ ایک جانباز نے اسی معنی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ مثنوی:۔

بگذر از جان و عقل یک بارے | تا بہ فرمانِ حق رسی بارے
عشق و آہنگِ آن جہان کردن | شرط نبود حدیثِ جان کردن
باحیاتِ تو دین بردن ناید | شبِ مرگِ تو روزِ دین زاید
آن ہواے کہ پیش ازین باشد | رسم و عادت بود نہ دین باشد

(دفعتہً جان اور عقل کھو بیٹھ۔ تاکہ خدا کے فرمان کے لایق تیرا دل ہو جائے۔ عشق کرنا۔ اور اس جہان کا ارادہ کرنا، اس میں جان کی بات چیت کہاں۔ تیرے جیتے جی کبھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ البتہ جان کھونے اور مرنے کے بعد ہی مقصد ہاتھ آسکتا ہے۔ اس سے پہلے دل میں جو جو خواہشیں ہوں گی وہ سب رسمیہ ہیں دین نہیں ہیں)۔

اے بھائی، ہر چہ بادا باد، غمِ عشق اور دردِ طلب سے خالی نہیں رہنا چاہیے۔ کثرتِ معصیت و خلاف ورزی کی وجہ سے نومید ہونا بھی زیبا نہیں۔ دیکھو، اس معاملہ کو دیکھ کر عقولِ مَلکی و بشری کارخانۂ ایزدی میں سرگردان و حیران ہو رہے ہیں۔

واقعہ۔ ایک شخص مدین پہنچتا ہے، اور حضرت شعیب علیہ السلام کے یہاں نوکری کرتا ہے۔ ان کی صاحبزادی حضرت صالحہ سے اس کا عقد اس شرط پر ہوتا ہے کہ دس سال گلّہ بانی اور شبّانی کرنا ہوگا۔ چارو ناچار وہ غریب اس مدّت کو پوری کرتا ہے۔ اس کے بعد مع اہلیہ پیدل روانہ ہوتا ہے۔ ایک وادیِ خونخوار میں پہنچ کر، تھک کر بیٹھ جاتا ہے۔ جاڑے کا موسم ہے گھٹا ٹوپ بادل چھایا ہوا ہے، اندھیرا گھپ ہو رہا ہے، بھوک سے فشار ہے، سردی سے جان کے لالے پڑ رہے ہیں۔ ہزاروں آفات و بلا کا سامنا ہے۔ مجبور ہو کر وہ غریب الدیار اہلیہ کو تنہا خدا پر چھوڑ کر آگ کی تلاش میں باہر نکلتا ہے۔ لطفِ قدیم ناگاہ خلعتِ نبوّت سے آراستہ کرتا ہے ؎

خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھیے احوال | کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری مل جائے

وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ۔ ہم نے تمھیں اپنا دل بہلانے کو خاص کر لیا ہے۔ کیا خوب کہا ہے ؎

حق بہ شبان تاجِ نبوت دہد ورنہ نبوت چہ شناسد شبان

(خدا ایک چرواہے کو پیغمبری کا تاج پہناتا ہے۔ نہیں تو ایک چرواہا پیغمبری کے لائق کب ہو سکتا ہے)۔ یہ لطف و عنایت کا پہلو تھا۔ قہر و جلال کے رنگ کو بھی دیکھ لو بلعم باعور جو بشریت سے گزر چکا تھا، ملکوت کی سیر کیا کرتا تھا، عالمِ ولایت میں بڑا نامدار شخص تھا۔ لشکرِ ہوا پر قبضہ تھا۔ بادِ بے نیازی عالمِ قہر سے ایسی چلی کہ اس آندھی نے اُس کو اُڑا پھینکا اور مردار خوار کتوں کی زنجیر میں باندھ دیا۔ عالم میں منادی کر دی گئی کہ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ۔ (اُس کی مثال کتے جیسی ہے، اگر اُس پر بوجھ لادو تو ہانپتا ہے اور اگر چھوڑ دو جب بھی ہانپتا ہے)۔

اب ایک نئے رنگ کی بات سنو، بھائی قسم ہے اس کی عزت و جلال کی کہ جیسی رحمت بہشت و آرامِ بہشت کی وجہ سے نیک بندوں پر ہے ویسی ہی عنایت دوزخ اور عذابِ دوزخ کے سبب سے عام خلق پر ہے۔ ان لوگوں پر سختی اور اُن کو ڈر دُرانا نہیں ہے۔ دیکھو تو سہی کس درجہ تشفی بخش یہ فقرہ ہے۔ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (اللہ تمھارے ساتھ آسانی کا ارادہ کرتا ہے سختی کا ارادہ نہیں کرتا) نہیں دیکھتے ہو تم کہ سونے کو آگ پر کس لیے رکھتے ہیں، تاکہ کھوٹا پن اس کا جل جائے، کھرا سونا نکل آئے۔ اسی معنی کے لحاظ سے عاصی کو دوزخ میں لے جاتے ہیں، تاکہ پاک ہو کر اس پاک بارگاہ میں حاضر ہو۔ اس لیے نہیں کہ درد میں غمناک رہے، جلا جلا کے مارا جائے۔ کیا خوب کہا ہے اس رازدارِ عہد الست نے:۔

مَعَاصِيْنَا فِي الْاَزَلِ لَا يَمْنَعُهٗ عَنْ اِيْجَادِنَا فَمَعَاصِيْنَا كَيْفَ يَمْنَعُهٗ عَنْ تَطْهِيْرِنَا بِالْعَفْوِ وَالْغُفْرَانِ ۔ یعنی ازل ہی میں باری تعالیٰ ہمارے گناہ سے واقف تھا اور وہ جانتا تھا کہ یہ لوگ گناہ کریں گے۔ جب یہ علم اس بات سے مانع نہ ہوا کہ وہ ہم کو پیدا ہی نہ کرتا تو معصیتِ نو احداث ہماری جس کو ہم اس عالم میں کر رہے ہیں کیونکر مانع ہو گی عفو و بخشش سے۔ اس بنا پر ہر گھڑی لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ کی صدا گوشِ جان میں پہنچ رہی ہے اور جان اس سے کھلی پڑتی ہے۔

یہ جو حدیث شریف میں آگیا ہے لَوْ لَمْ تَذْنِبُوْا لَذَهَبَ اللّٰهُ بِکُمْ وَلَجَآءَ بِقَوْمٍ یُذْنِبُوْنَ لِیَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ فَیَغْفِرُ لَهُمْ۔ اگر تم گناہ نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ ایک دوسری قوم پیدا کرتا جو گناہ کرتی اور اللہ سے بخشش چاہتی اور وہ ان کو بخشتا۔ سبحان اللہ یہ حدیث گناہگاروں عاصیوں کے لیے ایک عجیب بشارت تازہ ہے۔ مثنوی۔

مشو اے عاصیِ بیچارہ نومید ۔۔۔ کہ چون پیدا شود اشراقِ خورشید
اگر افتد بہ قصرِ بادشاہے ۔۔۔ ہم افتد نیز بر کنجِ گدائے
کسے کو برہنہ افتاد بر راہ ۔۔۔ درو بہ تابد آن خورشیدِ درگاہ
چو کارِ مخلصان آمد خطرناک ۔۔۔ گنہگاران برند این گوئے چالاک

(اے گنہگار نا امید نہ ہو، کیونکہ جب آفتاب چمکے گا جیسا بادشاہ کے محل پر ویسا ہی ایک فقیر کی جھونپڑی پر بھی پڑے گا۔ جو کوئی راستے میں ننگا پڑا ہو اس کو بھی دھوپ خوب لگے گی۔ مخلصوں کا کام بڑا خطرناک ہے۔ گنہگار لوگ نہایت چستی سے اس گیند کی بازی جیت لیں گے۔ والسلام

اکیسواں مکتوب

انبیاء علیہم السلام کی لغزشوں اور آدابِ قبور کے بیان میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میرے بھائی شمس الدین تمہیں اللہ تعالیٰ بزرگ بنائے۔ سنو کہ پیغمبران علیہم السلام کی لغزشوں کے بارے میں کہ ان سے گناہِ صغیرہ ہو سکتا ہے یا نہیں لوگوں کا اختلاف ہے۔ عام اہل سنت وجماعت کا اس پر اتفاق ہے کہ ان سے لغزش ہو سکتی ہے۔ یعنی گناہ صغیرہ بلا قصد ممکن ہے اور کبیرہ تو ممکن ہی نہیں۔ انبیاء علیہم السلام سے کفر سرزد نہیں ہو سکتا، اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ البتہ مبتدعین کا ایک گروہ اس بات کا قائل ہے کہ جس طرح عام

مومنین سے گناہِ کبیرہ اور کفر ممکن ہے اسی طرح انبیاء علیہم السلام سے بھی ممکن ہے۔ وہ اس کی دلیل یہ بتاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کے متعلق خبر دی ہے وَاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ۔ (اے اللہ تو مجھے اور میری آولاد کو بتوں کی پوجا سے بچائیو)۔ اگر اصنام کی پرستش پیغمبروں سے ممکن نہ ہوتی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام یہ دعا کیونکر مانگتے۔ بلکہ ایسی دعا کرنا ہی محال تھا۔ کیونکہ دعا ممکن الوقوع کے لیے ہوتی ہے۔ جس کا وجود ہی محال ہو اُس کے لیے دعا مانگنا کیا۔ جواب یہ ہے کہ اس دعا سے اُن کی اولاد مراد ہے وہ خود نہیں۔ اگرچہ آپ اس سے مامون اور بری تھے، مگر اپنے آپ کو شامل کر دیا، تاکہ آپ کی شمولیت سے برکت ہو اور دعا مقبول و مستجاب ہو جائے جیسا کہ ہمارے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں حکم ہوا۔ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ الآیہ۔ اپنے اور کل مومنین کے لیے استغفار مانگو کیا نعوذ باللہ حضورؐ سے گناہ سرزد ہوئے تھے۔ مگر اسی برکت کا پہلو یہاں بھی تھا۔ یہ تو شرعی جواب ہوا۔ مگر اہلِ حقیقت کے نزدیک اصنام پرستی اور بت کو سجدہ ہی شرک و زنار نہیں، بلکہ خدا کے سوا کسی غیر سے طمع رکھنا، ڈرنا یا آرام لینا ہے۔ بزرگوں کا یہ مفہوم بطور لطیفہ کے ہے حقیقۃً نہیں کیونکہ بتوں میں نفع پہنچانے اور ضرر رسانی کی طاقت ہی نہیں۔ جب کافر نے بتوں سے طمع رکھی، خوف کیا اور اعتقاد جمایا تو حقیقی توحید خراب و برباد کر دی۔ اب وہ مومن موحد جو خدا پر ایمان لا چکا ہے، اور خدا نے اس کو خبر بھی دی ہے کہ میرے سوا ساتوں آسمان و زمین میں کوئی بھی نفع و ضرر رساں نہیں ہے۔ پھر اس نے اگر خدا کے سوا اپنا عقیدہ غیر حق سے درست و واجب گردانا، غیر حق کے ساتھ آرام و سکون اور خوف کیا، تو اپنے اعتقاد سے پھر گیا اور کفار کے فعل کی طرح یہ فعل اس سے سرزد ہوا، تو اگرچہ اس کا اعتقاد ایمان پر درست ہی، لیکن یہ شرک ہو گیا۔ یعنی جس میں نفع نقصان پہنچانے کی طاقت نہیں اگرچہ وہ خود بت نہیں، مگر جب خوف و رجا اور امید و بیم کا تعلق اس کے ساتھ کیا، تو وہ بھی بت کی طرح بن گیا۔ تو حضرت خلیل علیہ السلام کی دعا کا مقصد یہ ہوا کہ خداوندا مجھے محفوظ رکھ کہ میں تیرے سوا

کسی کے ساتھ آرام نہ کروں کسی غیر حق سے نفع و نقصان کی امید نہ رکھوں اور بجز تیرے کسی سے خوف نہ کروں۔ فرد :-

چون بجز او در دو عالم نیست کس   با کہ سازد نیست سودا و ہوس

(جب تیرے سوا دونوں جہان میں کوئی نہیں، تو پھر کسی سے ملنے جلنے کی تمنا کرنا دیوانگی اور ہوس ہے) هٰذَا مَعْنٰى دُعَاءِ الْخَلِيْلِ وَلَيْسَ التَّعَوُّذُ مِنَ الْكُفْرِ الَّذِيْ هُوَ ضِدُّ الْاِيْمَانِ (دعائے خلیل کے یہی معنی ہیں، نہ کہ اس کفر سے توبہ کرنا جو ایمان کا ضد ہے) لیکن عام مؤمنین پر قیاس کرنا اس لیے باطل ہے کہ عداوت کا محل کفر ہے اور محبت کا محل ایمان۔ کافر خدا کا دشمن اور خدا کافر کا دشمن ہے۔ مگر اس عالم امتحان میں اس حال پر پردہ پڑا ہوا ہے جس وقت کافر کا خاتمہ کفر پر ہوتا ہے اُس وقت اُس پر یہ راز کھل جاتا ہے کہ خدا اس کا دشمن تھا۔ اور اگر عنایتِ خداوندی سے ایمان پر خاتمہ ہو جائے اُس وقت یہ بھید ظاہر ہو جائے گا کہ خدا اس کا دوست تھا۔ مگر یہ معاملہ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ جائز نہیں۔ کیونکہ یہ لوگ احباء میں ہیں اخص الخاص ہیں۔ خصوصیت کا کوئی مقام نبوت سے بڑھ کر نہیں۔ یہ خاص ترین دوستوں میں ہیں۔ ان کی محبت خدا کے ساتھ مسلم ہو چکی ہے اور کفر سے مامون ہو چکے ہیں۔ جب اُن کے ساتھ محبتِ الٰہی تحقیقی ہے تو اس میں تغیر و تبدل ممکن نہیں۔ ردّ و بدل تو مخلوقات کی صفات ہیں۔ وہاں یہ کیونکر جائز ہو سکتا ہے۔ حق تعالےٰ جس کا دوست ہے اس کا دشمن نہ ہوگا۔ اور جس کا دشمن ہے اُس کا دوست نہ ہوگا۔ ایسا ہو سکتا ہے کہ ایک شخص جو خدا کا حقیقۃً دوست ہے مگر بظاہر دشمنوں کی صف میں ہے۔ جیسے ساحرانِ فرعون۔ یہ لوگ بظاہر دشمن تھے مگر سلطانِ محبت الٰہی نے غلبہ کیا، یہ خدا کے دوست بن گئے۔ اور ابلیسِ لعین صورۃً خدا کا دوست بنا ہوا تھا سلطانِ عداوتِ حق کا غلبہ ہوا اس میں دشمنوں کی صفت آ گئی۔ اسی معنی کے اعتبار سے کسی نے کہا ہی بیت

کس چہ داند تا درین بحرِ عمیق   سنگ ریزہ قدر دارد یا عقیق

(کسی کو اس کی کیا خبر کہ اس اتھاہ سمندر میں سنگریزہ بیش قیمت ہے یا عقیق)۔ یہاں

ایک خاص بات ہے۔ اس کو گوشِ دل سے سنو۔ اللہ تعالیٰ کی محبت وعداوت دونوں بے علّت ہے۔ نہ کسی وجہ سے وہ کسی کا دوست، نہ کسی سبب سے وہ کسی کا دشمن ہے۔ محبت و عداوت ازلی ہے۔ بندے کا خلاف یا موافق ہونا وقتی۔ اب سمجھو کہ محبت وعداوت سابق ہوئی، اور خلاف وموافقت لاحق ہوئی۔ سابق کی علّت لاحق نہیں ہوسکتا۔ جب عالمِ محبت میں یہ رنگ ہے تو سمجھ لو سارا جہان ہیچ در ہیچ ہے۔ اس رباعی کو پڑھ کر دل خوش کرلو۔ رباعی:۔

درگوشِ دلم گفت فلک پنہانی ہر حکم کہ حق کند تو از من دانی

برگردشِ خود اگر بدے دست رسم خود را برہاندمے ز سرگردانی

(آسمان نے میرے دل میں پوشیدہ یہ بات کہی کہ جو فرمان خدا کے یہاں سے ہوتا ہے، میں اُس کو انجام دیتا ہوں اور تو مجھ کو بدنام کرتا ہے کہ میں نے ایسا کیا ہے۔ ارے بھائی اگر اپنی گردش پر مجھے خود اختیار ہوتا تو میں رات دن کے اس چکّر سے اپنے کو پہلے ہی چھڑا لیتا)۔

لیکن گناہِ کبیرہ انبیاء علیہم السلام سے سرزد ہونے کے متعلق ایک گروہ یہ کہتا ہے اور یہ دلیل پیش کرتا ہے کہ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے آخر کیونکر کیا۔ اہلِ سنت و جماعت کے نزدیک تو انبیاء علیہم السلام سے کفر ممکن ہی نہیں۔ کیونکہ گناہ کبیرہ بھی کفر ہے۔ جب ایک کبیرہ جائز ہوا تو دوسرا بھی جائز ہوسکتا ہے، تو برادرانِ حضرت یوسف علیہ السلام کے کبیرہ کا تو جواب یہ ہے کہ وہ نزولِ وحی سے بیشتر کا واقعہ ہے۔ اور وہ اَلشَّاذُّ کَالْمَعْدُوْمِ کا درجہ رکھتا ہے۔ دوسرے یہ کہ کس قدر جلد آپ کے لوگوں نے توبہ کرلی اور صلاح وتقویٰ کی طرف آگئے۔ انبیاء علیہم السلام سے زُلّت (لغزش) البتہ ممکن ہے۔ زُلّت کی تعریف یہ ہے کہ اس گناہ کے قبل قصد اور نہ گناہ کے بعد اس پر قرار ہو۔ جیسے کوئی پھسلتے راستے میں چلے اور اچانک گر پڑے اور جلد سے جلد اُٹھ کھڑا ہوجائے۔ نہ گرنے سے قبل اس کی نیت گر پڑنے کی تھی نہ گر پڑنے کے بعد پڑے رہنے کی۔ لیکن انبیاء علیہم السلام کی شان اس سے کہیں زیادہ اعلیٰ وارفع ہے۔ زُلّت کے موقع پر بھی عتاب میں آجاتے ہیں لِعُلُوِّ مَرْتَبَتِهِمْ وَارْتِفَاعِ

مَنزِلَتِہِم اپنے مرتبے کی بلندی اور مقام کی اونچائی کی وجہ سے بڑے لوگ چھوٹی چھوٹی باتوں میں پکڑے جاتے ہیں۔ اور چھوٹے لوگ بڑے گناہ پر پوچھے نہیں جاتے۔ اَلْمُخْلِصُوْنَ عَلٰی خَطَرٍ عَظِیْمٍ (مخلص لوگ بڑے خطرے میں ہیں) بڑے گناہوں پر نہ پکڑا جانا چھوٹے پن کی دلیل اور چھوٹی باتوں پر باز پرس اور عتاب بزرگی اور بڑائی کی دلیل ہے۔ وَکَانَ زَجْرًا لِغَیْرِھِمْ یہ غیروں کے لیے تنبیہ ہے، تاکہ عام لوگ ہوشیار ہو جائیں اور سمجھیں کہ جب بڑوں کے ساتھ ایسا معاملہ ہے تو ہم جیسوں کو کون پوچھتا ہے۔ عتاب میں ایک راز اور بھی ہے کہ یہ زیادتی محبت کی دلیل ہے۔ جب تک عشق و محبت باقی ہے طرح طرح کے عتاب اور نازِ معشوقانہ ہوتے رہیں گے۔ عالمِ محبت میں یہی چلن برابر جاری رہے گا ؎

اِذَا ذَھَبَ الْعِتَابُ فَلَیْسَ وُدٌّ وَیَبْقَی الْوُدُّ مَا یَبْقَی الْعِتَابُ

(جب عتاب نہیں تو محبت نہیں رہی۔ جب تک محبت باقی ہے عتاب بھی باقی رہے گا)۔

کیا تم دیکھتے نہیں کہ حضرت مہتر داؤد علیہ السلام کے ساتھ ایک زلّت کے مقابلہ میں کیا معاملہ ہوا۔ آپ چالیس دنوں تک سر بسجدہ ہو کر اس طرح روتے رہے کہ وہاں گھاس اُگ آئی۔ اور اتنی لمبی ہو گئی کہ آپ اُس میں چھپ گئے۔ پھر بھی جب توبہ کی قبولیت کا حال معلوم نہ ہوا تو آپ نے ایک ایسی آہِ آتشبار کھینچی کہ سب گھاس جل گئی اور خاک سیاہ ہو گئی۔ آپ دونوں ہاتھ آنکھوں پر رکھ کر روتے جاتے تھے، یہاں تک کہ دونوں ہتھیلیاں خون میں لت پت ہو گئیں۔ پھر آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھا کر کہا اِلٰھِیْ اِنْ لَّمْ تَرْحَمْنِیْ فَارْحَمْ عِبْرَتِیْ۔ اے اللہ اگر تو مجھ پر رحم نہیں کرتا تو میرے آنسوؤں پر بخشش فرما۔ فرمان ہوا یَادَاؤُدُ تَذْکُرُ عِبْرَتَکَ وَتَنْسٰی خَطِیْئَتَکَ اے داؤد تو اپنے آنسوؤں کو یاد رکھتا ہے اور اپنا گناہ بھول جاتا ہے۔ اس سے تم خبردار ہو جاؤ کہ بڑوں کے ساتھ بڑے بڑے خطرے اور اُن کے ساتھ سخت تر معاملے ہیں۔ کسی نے اسی موقع پر کہا ہے ؎

کشتہ شدگانِ لبِ خونخوارۂ معشوق تا روزِ قیامت ہمہ رنگین کفناند

(محبوب کے خونخوار ہونٹوں کے کشتوں کا کفن قیامت تک رنگین ہے)۔ اے بھائی گورستان جانا چاہیئے، بزرگوں اور عامۃ المومنین کے مزارات کی زیارت کرنا چاہیے۔ اس میں بڑے بڑے فائدے ہیں۔ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ اَلَا فَزُوْرُوْهَا فَاِنَّهَا تُرِقُّ الْقَلْبَ وَتُدْمِعُ الْعَيْنَ وَتُذَكِّرُ الْاٰخِرَةَ (الحدیث) قبروں کی زیارت دلوں میں گداز پیدا کرتی، آنکھوں سے آنسو جاری کرتی اور آخرت کی یاد دلاتی ہے اس لیے ان کی زیارت کیا کرو)۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک صحابیؓ نے اپنی سختی دل کی شکایت کی۔ آپؐ نے فرمایا اِطَّلِعْ فِی الْقُبُوْرِ وَاعْتَبِرْ بِالنُّشُوْرِ گورستان پر نظر کرو اور حشر و نشر پر اعتبار کرو۔ ہفتے میں ایک دفعہ زیارتِ قبور مستحب ہے۔ جیسا کہ حضرتؐ نے ایک صحابی سے فرمایا۔ يَا بُنَيَّ اذْهَبْ كُلَّ جُمُعَةٍ اِلَى الْمَقْبَرَةِ۔ اے عزیز ہر جمعہ کو مقبروں کی زیارت کیا کرو۔ بلکہ ترکِ زیارت کے لیے وعید آئی ہے (عتاب و عذاب کا وعدہ) خدا جانے اس وعید کا کیا مطلب اور مقصد ہے۔ زیارت کے لیے بہترین اور افضل تین دن ہیں۔ دوشنبہ، پنجشنبہ اور جمعہ کا دن بعد نماز جمعہ۔ اور موسم متبرکہ جیسے عشرۂ ذی الحجہ، عیدین، عاشورہ۔ اور متبرک مقدس راتیں جیسے شب برات وغیرہ۔ جو چاہے کہ زیارتِ قبور کو جائے وہ گھر پر دو رکعتیں نماز پڑھے جس میں سورۂ فاتحہ کے بعد آیت الکرسی ایک بار سورۂ اخلاص تین بار پڑھے۔ سلام کے بعد کہے۔ خداوندا، اس نماز کا ثواب فلاں شخص کی روح کو پہنچا دے۔ حق تعالیٰ اس کی روح کو ایک نور پہنچا دے گا۔ اور اس نماز پڑھنے والے کے حق میں بہت ثواب لکھے جائیں گے۔ جب گورستان پہنچے تو جوتے اتارے پشت قبلہ کی طرف اور منہ میت کی جانب کر کے جس طرح سلام مروی ہے پڑھنا چاہیئے۔ یعنی۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا اَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ يَرْحَمُ الْمُتَقَدِّمِيْنَ مِنَّا وَالْمُتَاَخِّرِيْنَ وَاَنَا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ اَسْئَلُ اللّٰهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ۔ اے شہر خموشاں کے رہنے والو مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں، اللہ اگلوں اور پچھلوں پر ہمارے، رحم و کرم فرمائے۔ انشاء اللہ ہم تم لوگوں سے

ملیں گے۔ تمھارے اور اپنے لیے آرام وسکون کے طالب ہیں۔ اور اگر شہید کا مزار ہے تو یوں کہے۔
سَلَامٌ عَلَيْكُم بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ۔ تم پر سلامتی نازل ہو تم نے جو صبر کیا۔ آخرت کا عالم کیا اچھا مقام ہے۔ اور اگر مسلمانوں اور کفار کا مدفن ایک ہی جگہ واقع ہو تو اس طرح کہے
اَلسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى۔ اُس پر سلامتی جس نے راہ ہدایت کی پیروی کی۔ اس کے بعد بیٹھ کر پڑھے۔ بِسْمِ اللّٰهِ عَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ۔ اللہ تعالےٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں رسولِ خداؐ کے دین پر۔ حدیث شریف میں ہے کہ اس قبر کے مُردے سے تاریکی اور تنگی گور کی چالیس برس تک کے لیے اللہ تعالیٰ اُٹھا دے گا۔ پھر کہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِىْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ حَيٌّ لَّا يَمُوْتُ اَبَدًا اَبَدًا ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ حدیث میں ہے کہ اللہ اس گور کو روشن کر دیتا ہے اور پڑھنے والے کو بخش دیتا ہے، اور ہزاروں ہزار نیکیاں اور درجے اس کے لیے لکھے جاتے ہیں۔ اس کے بعد سورۂ فاتحہ اور آیت الکرسی پڑھے۔ کیونکہ حدیث شریف میں ہے۔ جو کوئی آیۃ الکرسی پڑھ کر مردوں کو بخشے گا خداوند کریم اس کی برکت سے ہر مردے کی گور میں پورب سے پچھم تک نور کا چالیس طبقہ کھول دے گا اور قبر کو کشادہ کر دے گا۔ اور ہر مردے کا درجہ اونچا کر دے گا۔ اور پڑھنے والوں کو ساٹھ پیغمبروں کا ثواب عنایت فرمائے گا۔ اور ہر ایک حرف کے بدلے میں ایک فرشتہ پیدا کرے گا جو قیامت تک اُس مُردے کے نام سے تسبیح پڑھتا رہے گا۔ پھر دس مرتبہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اور پڑھے۔ اگر وہ مُردہ بخشا نہ گیا ہوگا تو اس کی برکت سے بخشا جائے گا اور اگر وہ بخشا جا چکا ہوگا تو پڑھنے والا بخش دیا جائے گا۔ اُس کے گناہ اُس مردے کی وجہ سے بخش دیے جائیں گے۔ اور اگر اس سے کچھ زیادہ پڑھنا چاہے تو سورۂ یٰسین، سورۂ ملک، اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ، اور اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ بھی منقول ہے۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ مُردے پر کوئی رات پہلی رات سے زیادہ سخت نہیں۔ اس لیے چاہیے کہ اُس کے نام کا صدقہ دے۔ اگر صدقہ دینے کی توفیق نہ ہو تو دو رکعت نماز ادا کرے، ہر رکعت میں فاتحہ کے بعد آیۃ الکرسی

ایک بار قُل ہو اللہ احد دس بار، اور اَلْھٰکُمُ التَّکَاثُرُ دس مرتبہ پڑھے۔ اور کہے کہ خداوندا اس نماز کا ثواب میں نے فلاں مُردے کو بخش دیا۔ خدا اس نماز کی برکت سے اس بندے کی گور میں ایک ہزار فرشتے نُور کی مشعلیں لیے بھیجے گا۔ اور اُس کو تحفہ دے گا ایک ہزار شہیدوں کا ثواب۔ والسلام۔

بائیسواں مکتوب

اصل تصوف کے بیان میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میرے بھائی شمس الدین۔ اللہ تم کو بزرگ بنائے۔ سمجھو کہ تصوف کا ضابطہ اور قانون دیرینہ ہے۔ یہ کوئی نئی چیز نہیں۔ اس پر پیغمبروں اور صدیقوں کا عمل رہا ہے۔ بُری عادتیں اور زمانے میں جو خرابیاں پیدا ہوگئی ہیں ان کی وجہ سے زمانے والوں کی آنکھوں میں صوفیوں کا حال بُرا دکھائی دیتا ہے۔ اُن کی پاک دامنی پر دھبے لگانے کا خاص سبب یہی ہے کہ خود صوفیوں نے اپنی روش بدل دی ہے۔ اور خلافِ اصول عادتوں میں مبتلا ہو کر تصوف کو بدنام کر دیا ہے۔ ورنہ تصوف تو دین و ایمان کی جان ہے۔ اہلِ طریقت کے یہاں تصوف کی تین قسمیں ہیں۔ صوفی، متصوف اور متشبہ۔ صوفی وہ ہے جو اپنی ہستی فنا کر چکا اور اللہ کے ساتھ باقی ہے۔ خواہشاتِ نفسانی کے قبضے سے باہر اور حقائق موجودات کا ماہر ہے۔ متصوف کی یہ شان ہے کہ ریاضت و مجاہدہ میں اس لیے مصروف و سرگرم رہتا ہے کہ صوفیوں کے مراتب حاصل کر سکے۔ اور قدم بہ قدم اُن کی راہ چل کر اپنے معاملات اُن کے ساتھ دُرست کرنا چاہتا ہے۔ اور متشبہ کی یہ حالت ہے کہ اس میں صورۃً تو صوفیوں کے اکثر عادات ہوں، مگر معنیً نہیں۔ روزہ، نماز، درود و وظائف ذکر و اشغال یا اور کوئی عمل وہ اس غرض سے نہیں کرتا کہ اللہ تعالیٰ سے ملے۔ بلکہ ان تمام آرائشوں کا

مقصد جاہ طلبی اور حظوظ نفسانی ہے ع

بدنام کنندۂ نکو نامے چند

نیک نام لوگوں کو بدنام کرنے والے ہیں۔ اس کے باوجود امید کی جاتی ہے کہ ان لوگوں میں سے ایک یہ بھی ہو جائے، اور ان کے سایۂ دولت میں دو جہان سے گزر جائے۔ تم دیکھتے نہیں کہ لشکر میں مردِ میدان ایک ہی ہوا کرتا ہے، باقی لوگ طفیلی ہوتے ہیں شہر میں خلیفۂ وقت اور سلطان ایک ہی ہوتا ہے اور لوگ اُس کی دولت کے سایے میں بسر اوقات کرتے ہیں۔ یہ بھی قاعدہ ہے کہ ہر گروہ میں محقق کی تعداد کم ہوتی ہے اور متبعین ہزاروں ہوتے ہیں۔ لیکن ہر گروہ کی نسبت اسی کی طرف کی جاتی ہے تو وہ شخص اکثر اسی میں شمار کیا جاتا ہے۔ شریعت کا فتویٰ یہی ہے کہ مَنْ تَشَبَّہَ بِقَوْمٍ فَھُوَ مِنْھُمْ جس نے کسی قوم کی روش طریقہ اختیار کیا اس کا شمار اسی قوم میں ہوگا۔ بہرحال اگر تصوف کی ابتدا پر غور کرو گے تو اس کو حضرت آدم علیہ السلام کے وقت ہی سے پاؤ گے۔ اس عالم میں پہلے صوفی حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ ان کو حق تعالےٰ نے خاک سے پیدا کیا۔ پھر اجتہاد اور اصطفاء کے مقام پر پہنچایا۔ خلافت عطا فرمائی۔ پھر صوفی بنایا۔ ان خاص معاملات کو اشارات کے طور پر سنو کہ کس طرح صوفی بنائے گئے۔ مرید کو آغاز ارادت میں چلّہ کرنا پڑتا ہے۔ اول اول طایف و مکہ کے درمیان میں چلّہ کیا خَمَّرْتُ طِیْنَۃَ اٰدَمَ بِیَدِیْ اَرْبَعِیْنَ صَبَاحًا۔ میں نے اپنے ہاتھ سے آدمؑ کی مٹی کو چالیس دنوں میں خمیر کیا۔ جب یہ تجرید کا چلّہ ختم ہو چکا تو حق سبحانہٗ نے اس میں روح عنایت فرمائی۔ اور عقل و دانش کا چراغ اس کے دل میں روشن کر دیا۔ پھر کیا، دل سے زبان تک وہ باتیں آنے لگیں کہ منھ سے انوار و اسرار کے پھول جھڑنے لگے۔ جب آپ نے اپنا یہ رنگ دیکھا تو مستی میں جھوم گئے۔ خدا کا شکر و احسان بجا لائے۔ حضرت سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ارشاد فرمایا ہے مَنْ اَخْلَصَ لِلّٰہِ اَرْبَعِیْنَ صَبَاحًا اَظْھَرَہُ اللّٰہُ یَنَابِیْعَ الْحِکْمَۃِ مِنْ قَلْبِہٖ عَلٰی

لِسَانِہٖ۔ جس نے خلوصِ قلب کے ساتھ چالیس دن خدا کے لیے خاص کر دیے اللہ تعالیٰ اُس کی زبان اور دل سے حکمت کے چشمے جاری فرمائے گا۔ پھر آپ نے بجا آوریِ شکر و احسان کے بعد آسمان کا قصد کیا۔ اور پہلے ہی جلوس میں ملائکہ کے سجود کی سلامی گزری۔ آپ کو اوّلِ خلافت میں یہ اعزاز مرحمت ہوئے۔ پھر اُٹھ کھڑے ہوئے اور مسافروں کی طرح بہشت کا قصد کیا۔ اور تمام بہشت کو دیکھا بھالا۔ یہاں کے رموز و اسرار سے آگاہی حاصل کی۔ کہا گیا کہیں اپنے جی سے کوئی بات نہ کر لینا۔ پھونک پھونک کر قدم رکھنا۔ ذرا سنبھل کے چلنا۔ مرید کو خود کوئی اختیار نہیں۔ آپ نے سب کچھ سن لیا۔ مگر از خود رفتگی اور انبساط کے عالم میں رد کے نہ رُکے، جرأت کر بیٹھے۔ پھر کیا تھا، غیب سے شمشیرِ عتاب کھنچی اور عَصٰٓی اٰدَمُ رَبَّہٗ فَغَوٰی۔ آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور بہک گیا۔ آپ چونک پڑے۔ عَرَقِ ندامت میں ڈوب گئے۔ اب بجز استغفار کے کوئی چارہ نہ تھا۔ جان و دل سے اس کام میں لگ گئے۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا اے میرے رب ہم نے اپنے نفس پر ظلم کیا۔ صوفیوں کے استغفار کی اصل یہیں سے شروع ہوتی ہے جو کچھ اسبابِ خواجگی مرحمت ہوا تھا سب چھین لیا گیا۔ خلعتِ خلافت اتار لیا گیا۔ اب جسم ننگا بے ستر تھا اور زبان پر استغفار۔ کہا گیا، اے آدم، اسی مفلسی اور ذلت کے ساتھ دنیا کا سفر کر۔ کیونکہ مرید کے لیے ضروری شرط ہے کہ جب اُس سے کوئی لغزش صادر ہوتی ہے تو اُس کو سفر کرنا پڑتا ہے۔ حضرتِ آدم نے تنہا دنیا کے سفر کا قصد کیا۔ جسم ننگا تھا۔ حکم ہوا اے آدم ہر ایک درخت سے ایک ایک پتا بھیک مانگ۔ تین پتے آپ کو ملے۔ ان کو سی کر گدڑی بنالی۔ اُسے پہن کر خود کو چھپالیا۔ اور اس خاکدانِ دنیا میں تشریف لائے مگر تین سو برس تک روتے رہے۔ پھر دریائے رحمتِ خداوندی جوش میں آیا اور درجۂ اصطفا عطا گیا۔ اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰٓی اٰدَمَ اب کیا تھا تصفیۂ کامل ہو گیا۔ صوفی صافی بن گئے۔ وہ مرقع جو دریوزہ گری کے بعد پہنایا گیا تھا، آپ اُس کو نہایت عزیز رکھتے تھے۔ آخر عمر میں وہ مرقع حضرت شیث علیہ السلام کو آپ نے پہنا دیا۔ اور خلافت بھی سپرد کی۔ چنانچہ نسلاً بعد نسلٍ اسی طریقہ پر عمل ہوتا رہا۔ اور تصوف

کی دولت ایک نبی سے دوسرے نبی کو یکے بعد دیگرے منتقل ہوتی رہی۔ صوفیوں کا یہ بھی معمول ہے کہ کسی خاص جگہ پر بیٹھ کر آپس میں مل جل کر راز و نیاز کی باتیں کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ صوفیِ صافی اول حضرت آدم علیہ السلام کی اس خلوت در انجمن کے لیے خانہ کعبہ کی بنیاد پڑی۔ یعنی دنیا میں پہلی خانقاہ کعبۂ مکرم ہے۔ اس سے پہلے کسی خانقاہ کا وجود نہ تھا۔ خرقہ اور خانقاہ کی اصل حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے قائم ہوئی۔ پھر حضرت نوح علیہ السلام نے دنیا میں صرف ایک کمّل پر اکتفا کیا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خود ہمیشہ وہی ایک کمّل رکھا جو پہلی ملاقات میں حضرت شعیب علیہ السلام نے اُن کو عنایت فرمایا تھا۔ طریقت میں پیر کے لیے بہت بڑی شرط یہ ہے کہ مرید کو اپنا خرقہ پہنانے کے لایق بنادے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہمیشہ جامۂ صوف پہنا کرتے تھے۔ خانقاہ کی تاریخ تو معلوم ہو چکی۔ اسی بنا پر حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام نے بیت المقدس کو خانقاہ بنایا۔ چنانچہ اور اور ملکوں میں بھی خانقاہیں بنائی گئیں جن میں عبادتیں کی جاتیں۔ اور اسرار الٰہی کا بیان ہوا کرتا۔ پھر جب دَورِ مبارک حضرت سیدنا و نبیّنا سلطان الاولیاء والانبیاء محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا آپہنچا حضورؐ نے اسی طرح کمّل اختیار کیا۔ مِلَّةَ اَبِیْكُمْ اِبْرٰهِیْمَ (تمھارے باپ ابراہیمؑ کا یہی طریقہ رہا۔ اور اُن کی روش بھی یہی رہی)۔ اور اسی خانقاہ کعبہ کا قصد کیا۔ علاوہ اس کے خود مسجد نبوی میں ایک گوشہ معین کر دیا۔ اصحاب میں وہ گروہ جو سالکانِ راہِ طریقت بعنوانِ خاص تھا، اُن سے وہیں راز کی باتیں ہوا کرتیں۔ ان میں بعض پیر تھے اور بعض جوان۔ جیسے حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت سلمان، حضرت معاذ و بلال و ابوذر و عمار رضی اللہ عنہم۔ ان حضرات کو خاص خاص اوقات میں آپ وہاں بٹھلاتے اور اسرارِ الٰہی کی باتیں کرتے۔ ایسی ایسی باتیں ہوا کرتی تھیں کہ بڑے بڑے فصحاے عرب اور عام صحابہؓ اس کے مغز تک پہنچ نہیں سکتے تھے۔ اس خاص جماعتِ صوفیہ کے لوگ قریب قریب ستّر اشخاص تھے۔ حضرت بہترِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی معمول تھا کہ جب کسی صحابہؓ کی عزت و تکریم فرماتے تو ان کو رداے مبارک یا اپنا پیراہن شریف عنایت فرماتے۔

صحابہ میں وہ شخص صوفی سمجھا جاتا تھا۔ اب تم جان سکتے ہو کہ تصوف اور طریقت کی اول اوّل ابتدا حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی، اور اس کا تتمہ جناب رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اب زیادہ طول کی ضرورت نہیں۔ بہرحال اس مکتوب کو دیکھ کر تمہارے دل میں شاید یہ خیال گزرا ہو کہ کہاں ہم اور کہاں تصوّف، تو مجھ سے سن لو کہ اس طرح کی بے دلی ہرگز مناسب نہیں۔ دل کو قوی رکھو، اپنی مفلسی پر مطلق نظر نہ رکھو۔ کارخانۂ الٰہی محض فضل وکرم پر موقوف ہے، کسی کے عمل پر نہیں۔ تم دیکھتے نہیں کہ راکع وساجد کتنے ہزار تھے، تسبیح وتحمید گو کئی لاکھ تھے، متحیرانِ اسرار کی کتنی تعداد کثیر تھی، سوختگانِ عظمت وجلالت کے افراد کس قدر تھے۔ لیکن ہوا کیا۔ آخر یہی نا، کہ خاکِ ناچیز سے ایک قوم بے باک پیدا کی گئی۔ اور سب عابد ومطیع پر اس کو فضیلت حاصل ہوگئی۔ اور اس بات کو دیکھو تو سہی کہ خطاب اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ (اے مشتِ خاک، کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟) یہ کون سی خدمت کا صلہ اور کون سی شفاعت کی بدولت ہوا۔ اکثر دیکھو گے کہ ایک پرانا شرابی چشم زدن میں کہاں سے کہاں پہنچتا ہے۔ یہی مقبولیت کا شکار اور مشاہدۂ ذوالجلال میں غرق نظر آتا ہے۔ ہمہ دم نوازش پر نوازش ہو رہی ہے۔ ہر لحظہ وصل در وصل کے مزے ہیں۔ اور کبھی قدیم مناجاتی کے ساتھ یہ معاملہ ہوتا ہے کہ آنکھوں پر حجابات کی پٹی بندھی اور گردن میں دُھتکار پھٹکار کی ڈوری پڑی ہے۔ حسرت واندوہ کا سامنا ہے، دمبدم خونِ جگر کا پینا ہے۔ کبھی ایک شخص بتخانے سے لایا جاتا ہے اور اعزاز وقبول کے گل بوٹے اس کے ملبوس پر بنائے جاتے ہیں۔ کبھی ایک شخص مسجد سے باہر نکال دیا جاتا ہے۔ اور لعنت کا طوق اس کے گلے میں ڈال دیا جاتا ہے۔ حق تو یہ ہے کہ جس طرح لطف کام کر رہا ہے، اسی طرح قہر بھی اپنے کام میں سرگرم ہے۔ والسّلام۔

—۰:۰—

تیئیسواں مکتوب

طلب طریقت کے بیان میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برادرم شمس الدین، اللہ تم کو طالبین کی بزرگی کا درجہ عطا فرمائے۔ تم اس بات کا یقین کر لو کہ جو شخص طریقت کی راہ کا طلبگار ہو اُس کے پاس شریعت کی پونجی ہونا ضرور چاہیئے تاکہ قصبۂ شریعت سے شہر طریقت میں پہنچے۔ طریقت میں جہاں قدم درست ہوا ملک حقیقت میں پہنچ جانا آسان ہے۔ جس بے علم نے شریعت ہی کو نہیں سمجھا ہے وہ طریقت کو کیا پہچانے گا۔ اور جب طریقت ہی سے شناسائی نہیں ہے تو حقیقت تک کیونکر رسائی ہو سکتی ہے۔ اس لیے بے علم و معرفت اور ناواقف شریعت کو اس راہ میں چلنے کی اجازت نہیں۔ اگر اپنی خود رائی سے کوئی ایسا کرے گا تو بھٹک کر رہ جائے گا۔ اور اسی چکر میں اس کی جان بھی چلی جائے گی۔ بالکل ناممکن ہے کہ وہ منزل مقصود تک پہنچ سکے۔ اگر بفرض محال کورانہ وجاہلانہ مجاہدہ وریاضت سے کچھ نظر آ گیا تو اتنا غرور پیدا ہو گا، اور جہالت بڑھے گی اور حماقت تیز ہو گی کہ ایمان تک رخصت ہو جائے گا۔ اور شیطان کے پھندے میں پھنسا رہے گا۔ تم اس بات کا یقین کامل کر لو کہ اللہ تعالےٰ کسی جاہل کو ولی نہیں بناتا۔ مَا اتَّخَذَ اللّٰہُ وَلِیًّا جَاھِلًا۔ مشائخوں کا قول ہے۔ اور قرآن شریف میں بھی اس طرف اشارہ ہے وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ (خداوند جل وعلا جاہل کو دوست کبھی نہیں بناتا۔ حقیقت یہ ہے کہ جہالت سے بڑھ کر کوئی چیز ذلیل نہیں ہے۔ یہ ساری ذلتوں کی جڑ ہے۔ اللہ کی راہ میں قدم رکھنا دل لگی نہیں۔ بزرگوں کا قول ہے کہ سالک کو جب بارہ[۱۲] چیزوں کا علم ہوتا ہے تو وہ اس راہ کے لایق سمجھا جاتا ہے۔ علم[۱] توحید، علم[۲] معاملت، علم[۳] معرفت، علم[۴] حالت، علم[۵] مکاشفت، علم[۶] مشاہدت، علم[۷] خطاب، علم[۸] سماع، علم[۹] وجد، علم[۱۰] معرفت روح،

علمِ معرفتِ نفس، علمِ معرفت۔ پھر ان علوم کے اصول و فروع کی واقفیت بھی ضروری ہے۔ تم بزرگانِ دین کو کیا سمجھتے ہو۔ اپنی دستارِ فضیلت تہ کر کے رکھو۔ وہ اصحاب صاحبِ علمِ شریعت صاحبِ علمِ طریقت صاحبِ علمِ حقیقت ہوتے ہیں۔ اور اس وقت بھی موجود ہیں۔ اور آیندہ بھی ہوں گے۔ مگر اس کا تو کوئی جواب ہی نہیں کہ اِس شان کا کوئی نہیں ملتا۔ جو لوگ اپنے آس پاس کے پیروں کو چھوڑ کر فیض سے محروم رہتے ہیں اُن کی مثال اس قافلے کے مانند ہے کہ پیاس سے کسی وادی میں تڑپ کر مر جائے اور دجلۂ بغداد اور رودِ نیل مصر سے کچھ فائدہ نہ اُٹھا سکے ؎

در بادیہ تشنگاں بمردند چہ سود اگر جہان فرات ہست

بیابان میں تڑپ تڑپ کر مر گئے اگر ساری دنیا میں دجلۂ و فرات کی طغیانی ہے تو کیا فائدہ۔؟

اِن بزرگوں کی ہمت کا حال سُن کر تمھیں تعجب ہوگا۔ ان کے نزدیک سالک کو ایسی دُھن بندھی رہنی چاہیے کہ اگر دنیا مع تمامی نعمتوں کے اور عقبیٰ مع جنّت کے اس کو دی جائے اور طرح طرح کی بلائیں اُس پر برسائی جائیں تو وہ دنیا مع تمامی نعمتوں کے کفّار کو دیدے اور عقبیٰ مع جنت کے مومنوں کے حوالے کر دے اور بلا و محنت کو شوقِ دل سے قبول کرے۔ اُس کی توبہ کا یہ حال کہ دنیا بھر تو حرام سے توبہ کرتے ہیں تاکہ عذابِ دوزخ سے بچیں۔ مگر وہ حلال سے توبہ کرتے ہیں تاکہ بہشت سے محفوظ رہیں۔ ارادت کا یہ رنگ ہو کہ سارا جہان تو راحت و نعمت چاہتا ہے، مگر وہ اللہ ہی کو چاہے۔ اور اسی کے دیدار کا طالب ہو۔ تمام خلق اپنے کاروبار میں زیادتی چاہتی ہے مگر وہ کمی چاہے۔ اگر خود بخود مال و دولت مل جائے تو ایثار کر دے۔ اگر کچھ میسّر نہ ہو تو اس پر شکر کرے اور سنو، کچھ انھیں پر منحصر نہیں، طالبِ صادق کی دوسری دوسری نشانیاں بھی ہیں۔ اگر اس کی مراد پوری نہ ہو، تو بڑی خوشی منائے گویا ہزاروں قید و بند سے وہ آزاد ہوا۔ اُس کو اپنے نفس کے ساتھ ایسی عداوت ہو کہ اگر ستّر برس تک ایک چیز اپنے مطلب و خواہش کی نفس مانگتا رہے اور گڑگڑاتا رہ جائے تو وہ ہرگز نہ دے۔ اُس کے معاملات اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسے درست ہوں کہ عافیت و بلا، منع و عطا اور ردّ و قبول اس کی نظر میں سب برابر ہوں۔ توکّل میں اس قدر پختہ مزاج ہو

کہ نہ مخلوق کے آگے دستِ سوال پھیلائے نہ خالق سے کسی چیز کی درخواست کرے۔ مخلوق سے تو اس لیے کہ وہ معنًی شرک ہے اور خالق سے اس لیے طلبگار نہ ہو کہ وہ خود ہی دانائے حال ہے۔ کہنے میں شرم مانع ہو۔ زہدؔ اس درجہ ہو کہ کل کائنات اس کی اگر ایک مرقع یا ایک کمبل ہی ہو تو یہ اپنی گدڑی میں اتنا مگن اور درست رہے جس طرح اور دوسرے لوگ بادشاہت میں۔ دن کو نماز و روزہ اور کسب میں مشغول رہے۔ رات کو مناجات ومجاہدہ وریاضت میں اپنے آپ کو وقف کردے۔ باوجود ان کمالات کے اگر اس طاعت وعبادت پر اُس کے نفس کی نظر پڑ جائے اور اپنی بڑائی کا خیال اس کے ذہن میں آجائے تو ستر سال کی عبادت کو ایک روٹی پر بیچ ڈالے اور وہ روٹی خود نہ کھائے، بلکہ کسی کتے کو کھلادے۔ یہ کیوں؟ تاکہ وہ عجب جو پیدا ہوا ہے دل سے نکل جائے۔ ایک بزرگ کا قصہ سنو، سبحان اللہ کیا ہمت اور کیا قلب ہے۔

حکایت۔ ایک بزرگ نے بیس پچیس حج کیے تھے۔ کون سی بات تھی جو پیدا نہ ہوئی تھی۔ آپ کے نفس کو اس قدر اعلیٰ وارفع مقام دیکھ کر کچھ حظ حاصل ہوا۔ پھر کیا تھا، آپ سر بازار مکۂ معظمہ میں نکل آئے اور پکار پکار کے کہنے لگے۔ "کوئی ہے، جو ہمارے بیس پچیس حج کو ایک روٹی کے بدلے میں خرید لے"۔ کہیں ایک عارف نے اس کو سن لیا اور سمجھ گیا کہ یہ بات کس مقام کی ہے وہیں اس پر ایک ڈھول جمائی اور کہا "یہ کیا فضول گوئی کر رہے ہو کہ اس قدر گراں بیچنے کی دُھن تمھیں سمائی ہے۔ بیس پچیس حج کی بھی کوئی ہستی ہے۔ دیکھو تو کہ تمھارے باوا آدم نے بہشت جیسی نعمت کی راہ طلب میں کچھ بھی قدر نہیں کی اور ایک دانہ گیہوں کے عوض بیچ ڈالا۔ تمھارے ان حج میں کیا لعل لگے ہوئے ہیں جن کی قیمت ایک روٹی مانگتے ہو۔ یہ نقلیں یہ مثالیں ہمارے تمھارے لیے ایک سبق ہیں۔ اس راہ میں ہر طالب صادق کو ہوشیار رہنا چاہیے۔ اپنے نفس کو مجاہدے کی بھٹی میں اکسیر کی طرح پھونک کر کشتہ بنانا چاہیے تاکہ مستغنی ہو جائے اور حق کے سوا کسی کو دھیان میں نہ لائے۔ ایسا حق بین ہو جائے کہ دائیں بائیں اُٹھتے بیٹھتے اس کو حق کے سوا کچھ نظر ہی نہ آئے۔ جس کی حالت ایسی ہو گی اُس کو البتہ سالک کہیں گے اور اس کو حق بین کا

خطاب ملے گا۔ ہفت اقلیمِ دنیا ہو، یا ملکِ آخرت اُس کی ہمت کی آنکھ کنکھیوں سے بھی اُدھر نہیں دیکھتی۔ اس کا جسم شوقِ وصال میں گھل رہا ہے اور لقائے سیر ہی سے اُس کا دل مقامِ قدس میں ناز کر رہا ہے۔ زن و فرزند کی فکر دنیا و آخرت کا اندیشہ اس کے دل میں نہیں گزرتا۔ ایسا آدمی اگرچہ بظاہر دنیا میں معلوم ہوتا ہے مگر اس کا دل حضرتِ قدس و طہارت میں ہوتا ہے، یہاں رہ کر وہاں کا باشندہ ہو جاتا ہے۔ یعنی منزلِ مقصود طے ہو جاتی ہے۔ مشاہدۂ جمالِ یار حاصل ہو جاتا ہے۔ حق پوچھو تو یہ کوئی معمولی مراتب بیان نہیں کیے گئے۔ مگر واضح رہے کہ یہ دولت ہر شخص کو میسر نہیں ہوتی۔ یہ نعمت پیر کے طفیل میں ملتی ہے۔ جو شخص کسی صاحبِ ولایت کی پناہِ دولت میں آجاتا ہے، وہ ان منزلوں کو آسانی سے طے کر لیتا ہے۔ کیونکہ مشائخین و بزرگانِ دین و علمائے سلف رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کا اتفاق ہے کہ بغیر پیر پختہ کے کوئی شخص اللہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ مگر شاذ و نادر مثنوی۔

تا نیفتد بر تو مردے را نظر	از وجودِ خویش کے یابی خبر
گر تو بنشینی بہ تنہائی بسے	راہ نتوانی بریدن بے کسے
پیر باید راہ را تنہا مَرو	اندرِ عمیان درین دریا مَرد

(جب تک تجھ پر کسی مردِ خدا کی نظر نہ پڑ جائے تجھ کو اپنے وجود کی خبر نہیں ہو سکتی۔ اگر تو گوشۂ تنہائی میں مدتوں بیٹھے جب بھی بغیر کسی راہبر کے یہ راستہ طے نہیں ہو سکتا۔ دیکھ ایک پیر رہنما کا ہونا ضروری ہے۔ خبردار تنہا نہ جانا۔ اس دریا میں اندھوں کی طرح نہ ڈوب جانا)۔ تم سمجھے، پیر کی ضرورت کس قدر ہے۔ نقل ہے کہ خواجہ ابو سعید ابو الخیر رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید وضو کر رہے تھے۔ جب وضو کے بعد اپنے حجرے میں داخل ہوئے تو ایک نور نظر آیا دیکھتے ہی ایک نعرہ مارا کہ اللہ کو دیکھا۔ پیر کو اطلاع ہو گئی کہ اس وقت مرید کو دھوکا ہوا ہے۔ حاضر ہوئے اور فرمایا کہ ارے نادان ناواقف یہ نور تو تیرے وضو کا ہے۔ تو کہاں اور جمالِ خداوندی کہاں؟ نہ دیکھیں حضرتِ موسیٰ اور دیکھے تجھ سا مبتدی۔ اس مقام میں اکثر سالک مغرور ہو جاتے ہیں۔

اور سمجھتے ہیں کہ تجلیِ حق دیکھی۔ اگر شیخ کامل اور صاحب تصرف نہ ہو تو اس مہلک بھنور میں سے نجات مشکل ہے۔ بغیر رہنمائی پیر اور علماے راہ کے اس مقام میں پہنچ کر ایسا مغرور و متکبر مکار و شیطان بن جاتا ہے کہ سارے جہان کو دعوائے باطل سے بھر دیتا ہے۔ اور سنی سنائی باتیں یاد کرکے اول فول بکنے لگتا ہے۔ اور دل میں سمجھتا ہے کہ ہم منزلِ مقصود تک پہنچ گئے۔ غضب تو یہ ہے کہ اس کے دل میں تصرّف و کرامت کا دعویٰ بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ اور یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مملکت میں ہم جو چاہیں کر سکتے ہیں۔ آخر اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اباحت و زندقہ میں پڑ جاتا ہے۔ کسی نے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ رباعی :-

پوشیدہ مرقع اند این خامے چند بر گفتہ بطامات الف لامے چند

نارفتہ رہِ صدق و صفا گامے چند بدنام کنندۂ نکو نامے چند

(ان چند مبتدیوں نے گدڑیاں پہن رکھی ہیں اور مکاری و فریب سے لام کاف بکا کرتے ہیں صدق و صفا کی راہ میں ایک قدم بھی نہیں چلے، یہی وہ لوگ ہیں جو نیک ناموں کو اپنی اس روش سے بدنام کرتے ہیں)۔ تو جو شخص راہ طریقت میں آنا چاہے اور دردِ طلب اس کا دامن پکڑے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنا ایک پیر بنالے۔ مگر پیر ایسا ہو کہ پیروں اور مشائخوں کے نزدیک مشارٌالیہ اور ممتاز ہو۔ اس کی پیشوائی اور مقتدائی پر پیروں کا اتفاق ہو مملکتِ خداوندی میں جائز التصرف نافذ المشیئت اور صاحب الاشراق ہو۔ جب اِن صفتوں کا پیر مل جائے تو اس کی اقتدا کرے اور اُس کے ساتھ اپنے آپ کو وابستہ کرلے تاکہ جتنے بھی راستے کے روڑے اور رکاوٹیں ہوں اُس کی راہ سے ہٹا دے۔ اور اُس کے نفس کے عیب اُس کو دکھا دے اور راستے کی دشواریوں سے اُس کو خبردار کر دے۔ تاکہ پوری طرح مرید اپنی خود رائی سے باہر نکل آئے۔ جیسا کہا ہے۔ مثنوی

پیر ملا بد راہ آمد ترا در ہمہ کارت پناہ آمد ترا

چوں تو ہرگز راہ نشناسی زچاہ بے عصایش کے توانی برد راہ

کوہ ہائے آتشیں در رہ بسے ست این چنین کارے نہ کار ہر کسے ست

(ایسا پیر جو راہ رفتہ اور واقفِ کار ہے تیرے لیے ضروری ہے۔ تاکہ ہر ایک کام میں وہ تجھے اپنی پناہ میں رکھے۔ تو ہرگز ہرگز راستے کے کنوئیں سے واقف نہیں۔ بغیر کسی کی دستگیری کے کنوئیں میں گر پڑنے کا بہت ڈر ہے۔ کتنے دہکتے ہوئے آگ کے پہاڑ راہ میں ہیں۔ اس سے پار اتارنا ہر شخص کا کام نہیں۔ مگر مرید کے لیے ضروری شرط یہ ہے کہ جب کسی پیر سے مرید ہو جائے تو اپنی خواہش اور مراد کو تہ کر کے رکھ دے۔ لغت میں ارادت کے معنی تو "چاہنے" کے ہیں، مگر بزرگوں کے دفتر میں اس کے معنی "نہ چاہنے" کے ہیں۔ یعنی "ناخواستن"۔ مشائخ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں، مرید کو چاہیے کہ پیر کے تحتِ تصرّف میں مُردے کی طرح رہے۔ جس طرح غسّال مُردے پر اپنا تصرّف کرتا ہے جدھر چاہتا ہے پھیرتا ہے وہ کچھ بولتا نہیں۔ اسی طرح مرید کو بھی پیر کا مطیع ہونا چاہیے جب کہیں کام نکلے گا۔ مرید کو پیر کا فرماں بردار اس درجہ ہونا چاہیے کہ پیر کے ایک اشارے پر جان و مال و دولتِ دینی و دنیاوی کل لٹا دے، بذل کر دے، ترک کر دے۔ اور جو حکم بھی دے اس کو پورا کرے۔ یہاں تک کہ اگر زہر کھانے کو وہ کہے تو مرید فوراً کھالے ہرگز ہرگز حیلہ و عذر نہ کرے اور دفع الوقتی عمل میں نہ لائے بے تامل حکم کی تعمیل کرے۔ اس حکم میں اپنا علمی و عقلی قانون نہ لگائے شیخ بو علی فارمدی رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ نے اپنے پیر شیخ ابو القاسم گرگانی رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ میں نے آج خواب میں یہ دیکھا کہ حضور نے کسی امر کے متعلق یہ فرمایا کہ اس طرح پر ہے، میں نے خواب میں کہا کہ یہ کیونکر۔ شیخ ابو القاسم رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سن کر میری طرف سے منہ پھیر لیا۔ اور فرمایا کہ اگر چون و چرا کی جگہ تمھارے دل میں نہ ہوتی تو تم خواب میں بھی ہمیں اس طرح جواب نہ دیتے۔ کہیں چون و چرا کے ساتھ بھی مریدی درست ہوتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ سنو برادر، اگر کوئی یہ کہے کہ پیری مریدی میں بڑا کھٹراگ اور معاملہ نازک ہے اس لیے نباہ مشکل ہے کنارے ہی رہنا بہتر ہے۔ تو ہم قرآن شریف کی یہ آیت پڑھیں گے۔ عَسٰۤی اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْـٴًـا وَّ هُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ وَ عَسٰۤی اَنْ تُحِبُّوْا شَیْـٴًـا وَّ هُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ بہتیری وہ باتیں ہیں تم جن سے کراہت کرتے ہو وہ حقیقۃً تمھارے حق میں

بہتر ہیں اور بہتیری باتیں ایسی ہیں جن کو تم بہتر سمجھتے ہو اور وہ تمہارے حق میں خراب ہیں۔ اللہ دانا اور بینا ہے تم کچھ نہیں جانتے۔ جو مرید سعادت قرین ہے۔ اور یہ دولت اُس کے نصیب میں ہے اُس کی راہ بالکل صاف ہے۔ کوئی روک ٹوک نہیں۔ سب کا ساختہ پرداختہ ہے۔ حاسد کی نظرِ بد اُس کے جمال پر نہیں پڑتی۔ اور گردِ آفات اُس کے دامنِ دولت سے دُور رہتی ہے۔ مگر جو بے دولت ہے اور شقاوت جس کا حصّہ ہے اُس کی راہ میں کانٹوں کا انبار ہے۔ عقباتِ بے شمار ہیں۔ قدم قدم پر آفت و بلا کا سامنا ہے۔ برادرم یہ تو ماننا ہی پڑے گا کہ کمندِ عنایت جس کی گردن میں پڑی ازل ہی میں پڑی۔ اَلسَّعِیْدُ مَنْ سَعَدَ فِیْ بَطْنِ اُمِّہٖ۔ اور قہرِ وحدت نے جس کو مردُود کیا اور اپنے سے دُور کیا ازل ہی میں کیا۔ اَلشَّقِیُّ مَنْ شَقِیَ فِیْ بَطْنِ اُمِّہٖ کسی نے اسی معنی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جو نیک بخت ہوا اپنی ماں کے پیٹ میں نیک بخت ہوا اور جو بدبخت ہوا اپنی ماں کے پیٹ میں بدبخت ہوا۔ ؎

این واقعۂ ما نبود امروزہ   این رنگِ گلیمِ ما بہ گیلاں کردند

(یہ ہمارا واقعہ آج کا نہیں ہے۔ ایک مدت گزر چکی کہ ہمارے کمبل کے رنگ کو گیلان میں رنگ چکے ہیں)۔ ایسی حالت میں اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ امیدوار رہو اور اپنی بدبختی کو روتے رہو۔ ہرچند مال و دولت و اسباب عیب دار ہے اور اُس درگاہ کے لائق نہیں۔ مگر ہمیں امید ہے کہ یہ ناچیز تحفہ قبول ہوگا۔ سنو بھائی، یہ جو بے پروائی و آزادی و بے فکری ہم لوگوں میں ہے، کیوں ہے؟ اس کا خاص سبب ہے۔ بات یہ ہے کہ جس دن حضرت آدم علیہ السلام سے زَلّت سرزد ہوئی اُسی دن آدمیوں کا قافلہ لٹ گیا۔ اور قاعدے کی بات ہے کہ لٹنے کے بعد قافلہ بالکل نڈر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اب رہا ہی کیا ہے جس کا خوف ہو۔ اس معنی کے مناسب ایک نقل بھی سنو۔ ایک اندھے کو لوگوں نے دیکھا کہ موسمِ گرما کی تیز دھوپ میں بیٹھا ہوا بادام و خرما کھا رہا ہے۔ اس کو کہا خیریت تو ہے اتنی گرمی کی شدت میں ایسی گرم گرم چیزیں کھانا چہ معنی دارد؟ اُس نے جواب دیا۔ جو ہونا تھا وہ تو ہو ہی چکا۔ اب آنکھیں کہاں جو آشوبِ چشم کا ڈر ہو۔

بالکل اطمینان ہے۔ اگر کچھ اور بھی ملے تو کھا سکتے ہیں۔ برادر عزیز اس بات کو ذرا گوش دل سے سننا۔ معصیت تو معصیت ہی ہے طاعت بھی آفت سے خالی نہیں۔ بہت سی طاعت وعبادت ایسی ہے کہ اللہ سے بندے کو دُور کر دیتی ہے۔ تماشا یہ سنو کہ بہت سی معصیت ایسی ہے جس سے عبد کو معبود کا تقرب حاصل ہوتا ہے۔ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کس طاعت میں فراق ہے اور کس میں وصال؟ آپ نے فرمایا جس طاعت کی ابتدا میں امن ہو اور آخر میں عجب ایسی طاعت عابد و معبود میں جدائی ڈال دے گی۔ اور جو معصیت ایسی ہے کہ اس کے اول میں خوف ہے اور آخر میں عذر وہ مخلوق کو خالق سے نزدیک کر دیتی ہے۔ بزرگوں کا قول ہے اَلْاِعْتِذَارُ وَاِنْ اَقَلَّ ثَمَنُ الذَّنْبِ وَاِنْ جَلَّ۔ عذر اگرچہ تھوڑا ہو، بڑے بڑے گناہوں کی قیمت ہو جاتا ہے۔ ابلیس لعین نے اپنی طاعت پر نظر کی عُجب پیدا ہوا، ڈینگ مارنے لگا، ایسا ویسا بکنے لگا۔ حکم ہوا خاموش لعنتی مردود۔ دیکھو حضرت آدمؑ سے بھی نافرمانی ہوئی، مگر اقبالِ جرم کیا، اور اقرار کیا کہ ہم سے بیشک گناہ سرزد ہوا۔ آمرزش چاہی۔ ندا ہوئی۔ اچھا اچھا، ہم نے بخش دیا۔ یہ بات عالم کو دکھا دی گئی کہ جس معصیت کے بعد عذر ہو کیا قدر رکھتی ہے اور جس طاعت کے بعد عُجب ہو کس قدر بے قیمت و قدر اور ذلیل شے ہے۔ والسلام۔

چوبیسواں مکتوب

ارکانِ طریقت کے بیان میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میرے بھائی شمس الدین اللہ تمھیں منتہائے مقصود تک پہنچنے کی سعادت مرحمت فرمائے۔ تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ ارکانِ طریقت بے اصل نہیں ہیں بلکہ ان کی ایک زبردست اصل ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے لَا یَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ

بالنوافل حتیٰ اُحِبّہٗ. فاذا احببتہٗ کنتُ لہٗ سمعاً و بصراً و یداً و لساناً. الیٰ اٰخرہ. بندۂ مومن کو ادائے نوافل سے خدا کے ساتھ اتنا تقرب اور ایسی مقبولیت حاصل ہو جاتی ہے کہ اس کو اللہ اپنا دوست بنالیتا ہے۔ پھر اُس کی خودی اس طرح دُور ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالےٰ کے کانوں سے سنتا، اور اُس کی آنکھوں سے دیکھتا اور اسی کے ہاتھوں سے سارے کام انجام دیا کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی زبان سے بولتا ہے۔ دیکھو بچوں کے ساتھ مادرِ مہربان کیا کرتی ہے۔ اس کو گود میں لے کر چلتی ہے، اُس کی طرف سے کوئی چیز اُٹھا لیتی ہے۔ اس کو ہلاکت سے بچاتی ہے۔ اس کی اچھائی بُرائی کا خیال رکھتی ہے۔ اُس کی جانب سے باتوں کا جواب دیتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ تم کو یقین کرلینا چاہیے کہ قربِ نوافل کوئی معمولی درجہ کی بات نہیں ہے۔ ایسا شخص موردِ الطافِ ربانی ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی کل مہمات کو سر کردیتا ہے۔ وہ خلق اللہ کے لیے قبلۂ حاجات ہو جاتا ہے اُس کی خاکِ قدم آنکھوں کا سرمہ بنتی ہے۔ اُس کی رانِ سواری کے گرد و غبار کو عبیر راہ بنادیتے ہیں۔ ایک پر لطف قصہ سنو تو شاید کچھ سمجھو۔ حکایت۔ ایک دفعہ بصرے میں سخت خشک سالی پڑی۔ لوگ نماز و دعا و زاری کیلیے میدان میں جانکلے۔ ہزار چیخے چلاتے ہیں مگر فریاد سنی نہیں جاتی۔ آسمان پر بدلی کا نام نہیں کہیں کوئی بوند دکھائی نہیں پڑتی۔ اتفاقاً اُدھر سے کوئی شخص گزر رہا تھا۔ دیکھتا ہے کہ ہزاروں اشخاص جمع ہیں۔ دعا کے واسطے ہاتھ اُٹھے ہوئے ہیں اور آنکھیں کھلی ہوئی ہیں، آنسو برس رہے ہیں۔ لیکن پانی نہیں برستا۔ اُس کا جی نہ مانا۔ اُس کی شفقتِ عام موجزن ہوئی۔ کہنے لگا۔ "اے اللہ بطفیل اس بھید کے جو ہماری آنکھ میں ہے پانی برسا" اتنا کہنا تھا کہ جھوم کے بدلی آئی اور ٹوٹ کے پانی برسنے لگا۔ اس جماعت میں ایک شخص جو یہ سب کچھ سن اور دیکھ رہا تھا، دوڑتا ہوا اس کے پیچھے ہولیا۔ یہاں تک کہ ایک مقام میں پہنچ کر اُس سے باتیں کرنے کا موقع ملا۔ اُس نے کہا: "اے شیخ عصر، ہماری ایک عرض ہے۔" وہ بولا "فرمائیے!" اُس نے التماس کی کہ "وہ کون سا سر حضور والا کی چشم مبارک میں پنہاں ہے جس کو شفیع لانے سے پانی فوراً برسا۔" اُس نے کہا۔ "اے بھائی

ہم نہ ولی، نہ شیخ، نہ پیر، نہ فقیر۔ جیسے سب عوام الناس ہیں ویسے ہی ایک بندۂ گنہگار ہم بھی ہیں۔ صرف اتنی سی بات ہے کہ ان آنکھوں نے حضرت سلطان العارفین حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کو بایزید سمجھ کر دیکھا ہے۔ یہ دیکھنا جو رنگ نہ دکھائے، یہ دیکھنا جو کمال ظاہر نہ کرے تعجب ہے

اب ان بزرگوں کے مراتب کو دیکھو کہ اس کی کچھ انتہا نہیں ملتی ہے۔ تم اس کو باور کرو کہ ان کے قدموں کی خاک آنکھوں کے لیے کحل الجواہر کا کام کرتی ہے۔ اور زبان ان کی بادِ بہاری کی طرح ہمہ تن حیات ہے۔ جس طرح موسم بہار کا پانی مردہ زمین کو لباسِ حیات پہنا دیتا ہے اور خارستان کو گلستاں بنا دیتا ہے۔ اسی طرح جو بات اُن کی زبان سے نکلتی ہے وہ مردہ دلوں کو زندہ بنا دیتی ہے۔ اور واقعی گفتارِ حق کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ایسے ہی با اثر ہو۔ اگر باتیں ان بزرگوں کی دل کے لیے جان ہیں تو کل افعال و صفات ان کے بند کشا و حل کنندۂ مہمات ہیں۔ رحمۃ للعالمین کی امتِ خاص ہیں۔ رحمۃ للعالمین کے شیدا ہیں۔ ان کی رحمت و شفقت کی روشنی بھی تمام پھیلی رہتی ہے۔ خود نہ کھائیں گے، خلق اللہ کو ضرور کھلائیں گے۔ خود اچھا کپڑا نہ پہنیں گے حاجت مندوں کو پہنائیں گے۔ تیکھی تیکھی باتیں سنیں گے، مگر اس نشتر کو برداشت کریں گے۔ ظلم سہیں گے مگر ظالم سے بدلہ نہ لیں گے، بلکہ اس کی شفاعت کرنے کو تیار ہوں گے۔ جفا کے عوض وفا کریں گے۔ دشنام کے مقابلہ کو دعا و ثنا سے آمادہ ہوں گے۔ تم جانتے ہو اس قدر بے نفسی کا باعث کیا ہے۔ اس کا صرف سبب یہ ہے کہ اللہ نے ان کو محفوظ بنا لیا ہے۔ انبیاء علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں۔ اولیاء اللہ محفوظ ہوتے ہیں۔ ان بزرگوں کے دل کے صحرا سے بادِ راحت چلتی ہے اور خلق خدا کے دل و دماغ کو تازہ کرتی ہے۔ ان کی شفقت کی مثال آفتاب سے ہے۔ دوست دشمن سب اس کی روشنی سے فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ تواضع میں وہ لوگ گویا زمین ہو رہے ہیں۔ ساری دنیا اُن کو روندے بھی تو وہ اُف نہ کریں گے۔ خلق اللہ سے بدلہ لینا اُن کا کام نہیں۔ یہاں پردہ بالکل کوتاہ دست ہو جاتے ہیں۔ تمام عالم کی عیال داری کرنے کو تیار ہو جائیں گے۔ مگر اپنے کھانے کپڑے کا بار کسی پر نہ ڈالیں گے۔ سخاوت میں ان کو ایک دریا سمجھو۔ دوست دشمن دونوں کو برابر

سیراب کرتے ہیں۔ از غرب تا شرق سارے جہان کے لیے وہ ایک چشمۂ رحمت ہیں کہ یہ لوگ شیریں کلام ہوتے ہیں۔ کیوں نہ ہوں آزاد مرد ہیں۔ دیکھتے ہیں جانتے ہیں سمجھتے ہیں کہ ہر شے کا مرجع ومآب کہاں ہے۔ مقامِ جمع میں اُن کی آنکھیں کھلی ہوئی ہیں، بلکہ ہر بُنِ مو ان کا چشمِ بصیرت کا کام دے رہا ہے۔ دیکھو، جن جن صفات کو ہم نے بیان کیا اگر یہ صفتیں اہلِ طریقت میں پائی نہ جائیں تو یوں سمجھو کہ اس شخص نے ابھی راہِ طلب میں قدم ہی نہیں رکھا ہے، چاہتا ہے کہ بھیس بدل کر بھیک ملے تاکہ بے دردِ سر روٹیاں ہاتھ آئیں اور عمّامہ و دستار سے غرو جاہ حاصل ہو تاکہ لوگ تعظیم وتوقیر سے پیش آئیں۔ حقایق ومعارف کی باتیں جو وہ کرتا ہے گویا منہ چڑھاتا ہے۔ کہاں وہ کہاں اسرارِ حقیقت ومعرفت۔ اللہ تعالیٰ ایسے ولسوں کو رازدار نہیں بناتا۔ ہاں، وہی ان رموز سے آگاہ ہوتے ہیں جو دل سے تارکِ لذّات وشہوات ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ آنکھ کان، پاؤں وغیرہ بزرگانِ دین بھی رکھتے ہیں اور عوام الناس بھی رکھتے ہیں، مگر پاک دل خاصانِ خدا کے سوا کوئی نہیں رکھتا۔ اس دلِ پاک کی حکومت ان کے کل جوارح پر رہتی ہے، مگر ہم لوگ جن لفّاظوں کو دیکھ رہے ہیں بزرگوں کے معنی سے یہ بے خبر ہیں۔ خود ان کی زبان، ان کا ہاتھ، ان کا پاؤں، ان کی آنکھ، ان کا کان ناپاکیِ دل کو ان کے ظاہر کر رہا ہے اور گواہی دے رہا ہے کہ یہ مدّعی کذّاب ہیں۔ اگر ان کا بس چلے تو لوگوں کے منہ سے نوالہ چھین کر اپنے حلق میں داخل کریں۔ اور کسی کے لباسِ فاخرہ سے اپنی گدڑی کو بدل ڈالیں۔ بار بار ان کی یہ خواہش کہ سارا عالم ہمارا غلام بن جائے۔ اور غلامی کا اقرار کرے، اور ہمارا کلمہ پڑھے۔ حالانکہ صدقے کا کپڑا بدن پر ہے، اور مفت کی روٹی معدے میں ہضم ہو رہی ہے۔ مگر غرور کو نہ پوچھیے۔ کیا ممکن کہ اپنی تمامی عمر میں بغیر باضابطہ ٹھاٹھ بدلے ہوئے بازار تو نکل جائیں۔ عمامہ کلاہ وغیرہ جب تک سب لیس نہ ہو جائے، کیا مجال کہ صرف ایک چیز پر وہ قناعت کریں۔ اور اِدھر اُدھر چہل قدمی کرسکیں۔ خیال یہ ہے کہ خلافِ شان گھر سے باہر قدم رکھیں گے تو درزی کیا کہے گا چمار کیا تصور کرے گا بازاری کیا سمجھیں گے بالکل آبرو مٹ جائے گی۔ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ

سنو برادر، ایسے ہی لوگوں کو اہلِ نظر خود پرست کہتے ہیں۔ ہرگز حق پرست نہ کہیں گے۔ گوشہ نشینی عزلت گزینی، خلوت قرینی، صلاح و تقویٰ اگر اس لیے ہے کہ دنیا اس کو پرہیزگار سمجھے اور اُس کی طرف رجوع کرے۔ اس کی مثال اُن زنانِ فاحشہ و بدکارہ کی ہے جو اپنے کو دن بھر اس لیے سنوارا کرتی ہیں تاکہ تماش بینوں کا ان کے یہاں جمگھٹ ہو۔ بیت

یا برو ہم چون زنان رنگے و بوئے پیش گیر
یا نہ چوں مردان درآے وگوئے چون مردان فگن

(یا عورتوں کی طرح بناؤ سنگار اختیار کرو، یا جوانمردوں کی طرح میدان میں آکر بازی مارلو) اس راہ میں جس کو مرد ہونے کا دعوےٰ ہو، اُس کو چاہیے کہ ہر بنِ مُو سے زبان کا کام لے اور ہر زبان دل کی تابع رہے (یعنی بطور خفا سر سے پاؤں تک ذکرِ خدا میں مشغول رہے، زبان ہلنے نہ پائے)۔ تیغ حیا وہ کام کر گذرے کہ زبان شرم سے کٹ جائے۔ اگر چاہے بھی کہ داستانِ حقیقت شروع کریں تو دلِ حق منزل فوراً زمانہ گزشتہ کا آئینہ اس کو دکھائے کہ حضرت سلامت آج شیخ و صوفی بن کر بیٹھے ہیں۔ کل کی بات ہے کہ گھوروں پر خاک روبی کیا کرتے تھے۔ یہ دیکھ کر زبان میں گرہ پڑ جائے۔ کہنے لگے سچ ہے، یہ گندی زبان اس لائق کہاں کہ مقامِ قدس کی باتیں کرے۔ اور حق سبحانہٗ تعالےٰ کا نام لے۔ یہ سوچ کر دم نہ مارے۔ اہلِ طریقت کی ایک نشانی اور ہے۔ مگر ذرا ٹیڑھی کھیر ہے۔ یعنی اس کو ایک دُھن ایسی بندھی رہے۔ اور ایک سوئی اس درجہ ہو کہ گھر سے نکلے تو پھر اسی راستے سے گھر واپس نہ آسکے۔ راہ بھول جائے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو اس کو طریقت کی بات نہیں کرنا چاہیے۔ سنو، صوفی اور عالمِ ظاہر میں فرق ہے۔ صوفی کا دل زبان کے آگے ہوتا ہے، اور عالمِ ظاہر کی زبان دل کے آگے ہوتی ہے۔ صوفی پر دلِ حق منزل کی حکمرانی ہوتی ہے۔ آج کل کا حال یہ ہے کہ واعظان و ناصحان و سالکان اس دَور میں گناہ کی راہ چلتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ صراطِ مستقیم پر چل رہے ہیں۔ یہ بات نابینائی کے سبب پیدا ہوتی ہے۔ راہِ حق میں نابینا وہی ہے کہ زبان سے عصا کا کام لے۔ کبھی اس پر طعن مارے۔ کبھی اس پر تشنیع کرے اور دعویٰ کرے کہ میں صاحبِ بصیرت ہوں۔ اس وقت ہمارے مخاطب وہ علما نہیں ہیں

جو علم کی روش پر ہیں۔ کیونکہ وہ لوگ اپنی دُھن میں جو کچھ کہتے ہیں قرآن وحدیث سے کہتے ہیں .... ان کا کہنا بجا ودرست ہے۔ اس گھڑی ہماری مخاطبت اُن حضرات سے ہے جو صورۃً مشائخ بنے ہیں۔ افسوس صد افسوس، کیا دنیا سے شرم ناپید ہو گئی۔ سنو بھائی، زبانی جمع خرچ کوئی چیز نہیں ہے۔ جب تک قلبی حالت درست نہ ہو گی کچھ نہ ہو گا۔ آنکھ کھول کر دیکھو۔ دل میں اگر ایمان ہے تو کفر زبانی سے کچھ نہیں بگڑتا۔ اِلَّا مَنْ اُکْرِہَ وَقَلْبُہٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِیْمَانِ۔ مگر وہ شخص جس نے کراہیت سمجھی اور اُس کا دل ایمان سے اطمینان حاصل کیے ہوئے ہے۔ قرآن شریف ہے۔ اور کفر قلبی جہاں ہے وہاں ایمانِ زبانی کچھ کام نہیں آتا۔ کلامِ پاک سے سنو۔ قَالُوْا نَشْھَدُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُ اللّٰہِ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُہٗ وَ اللّٰہُ یَشْھَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَکٰذِبُوْنَ۔ اُن لوگوں نے کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ تو خدا کا رسول ہے۔ اور اللہ جانتا ہے کہ تو اس کا رسول ہے اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق لوگ سخت جھوٹے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ زبان شریعت کے گھر کی مالک ہے اور امر ونواہی زبان ہی کے ذریعہ سے ظاہر ہوتے ہیں۔ دین اسلام کی فضیلت اسی کے واسطے سے بیان ہوتی ہے۔ مگر بات یہ ہے کہ جب بندہ حق میں محو ہو جاتا ہے، تو اس وقت زبان نامحرم ہو جاتی ہے۔ ہائے ہائے اِس گلِ حقیقت زمزمہ سنج بوستانِ شریعت کو نہیں دیکھتے کہ پہلے پہلے کیا کہا۔ اور جب قربِ حقیقی ہوا تو کیا فرمایا۔ جس کا قول یہ تھا کہ اَنَا اَفْصَحُ الْعَرَبِ وَالْعَجَمِ۔ لَآ اُحْصِیْ ثَنَآءً عَلَیْکَ (میں عرب وعجم کا سب سے زیادہ فصیح ہوں۔ مگر تیری تعریف جیسا کہ چاہیے بیان کرنے سے قاصر ہوں)۔ کہہ کر تو حیرت ہوتی ہے۔ مقامِ تحمید سے مقامِ توحید کہیں زیادہ برتر ہے۔

برادرِ عزیز، غور کرنے کا مقام ہے کہ جب مقامِ تحمید میں خاصانِ حق عجز ظاہر فرماتے ہیں تو مقامِ توحید میں کون دم مار سکتا ہے۔ ایک بزرگ نے اسی معنی کو بیان کیا ہے۔ قطعہ

در نظرِ عشق کمال سلوک ہم تو علیمی کہ ضلالی شدہ ہست

لاجرم از گفتنِ مدح وثنات افصح کونین چون لالی شدہ ہست

(عشق کی نظر میں سالکانِ کامل کو تو بھی جانتا ہے کہ بے راہ ہو گئے ہیں۔ اس لیے تیری حمد و ثنا کہنے سے دونوں جہان کے فصیح کی زبان خاموش ہے)۔ آغازِ عشق میں تو اسی کا مزا ہے کہ ہر وقت ذکر یار ہو۔ مَنْ اَحَبَّ شَيْئًا اَكْثَرَ ذِكْرَهٗ۔ جو شخص کسی چیز کو دوست رکھتا ہے تو اکثر اُسی کا ذکر کیا کرتا ہے۔ مگر جب عشق کامل ہو جاتا ہے تو دوری میں بھی ایک خاص قسم کی حضوری پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لیے ان بزرگوں کا قول ہے کہ اَبْعَدُهُمْ عَنِ اللّٰهِ اَكْثَرُهُمْ ذِكْرًا لِلّٰهِ۔ اللہ کا زیادہ ذکر کرنا، اللہ سے اُن کو دُور کر دیتا ہے۔ اور دل ہی دل میں یہ رباعی پڑھتے ہیں، رباعی

از عاقلے حدیثِ تو کم کنمے	راہِ سر گفتگوے محکم کنمے
پس سوختہ چند فراہم کنمے	برگفتہ بگریہ و ماتم کنمے

(میں عقلمندوں سے تیری بات کم کرتا۔ اور گفتگو کا راستہ بند کر دیتا۔ پھر چند دل جلوں کو جمع کرتا۔ اور جو کچھ میں نے کہا تھا اُس پر ماتم کرتا)۔ سنو بھائی، جب تک انسان ہمہ تن ظاہر و باطن مومن نہیں ہوتا کام کا نہیں۔ اسی واسطے مومنِ حقیقی کمیاب ہیں۔ ایک جہان ایمان کا دروازہ کھولتا ہے اور زنجیرِ در کھڑکاتا ہے۔ مگر جو شخص دروازہ تک پہنچتا ہے، کچھ ضرور نہیں کہ سلطان کے محل سرا تک پہنچے۔ دیکھو، مشرک کو ہزار بار غسل دو اور صاف کپڑے پہناؤ، پھر بھی نجاست نہیں جاتی۔ اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ (بیشک مشرک لوگ ناپاک ہیں) دل کی طہارت ہے اور اسی کا اعتبار بھی ہے۔ زبان و دل کے کس کس فرق کو ہم بتائیں۔ عیاں راچہ بیاں۔ واہ رے دل، دوزخ میں بھی ہزاروں ہزار زبانیں خدا خدا کہنے والی ہوں گی۔ مگر ایک خداشناس دل نہ ہوگا۔ ہزاروں ہزار فصیح زبانیں زبان درازوں کی گونگی ہو جائیں گی۔ مگر ان زبان درازوں میں کوئی دل نہ ملے گا۔ ان باتوں کو سن کر تمھیں تو ایک خاص قسم کے تفکر نے گھیرا ہوگا۔ تو اب ہم سے سنو، مانا کہ تاجِ دولت ہم لوگوں کے سروں پر نہیں ہے۔ مگر آتشِ نومیدی سے دل کو داغنا بھی مناسب نہیں۔ قرآن مجید کا فتویٰ یہ ہے لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (اللہ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا ہے)۔ احکام کا بوجھ ہر شخص پر اس کی طاقت کے موافق رکھا جاتا ہے،

خیال کرو کہ تاجِ دولت نہ دے کر بارِ غم بھی سر پر رکھا جائے، اور نومید بنا کر دل بھی پیسا جائے یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ جس سے ایک من کا بوجھ نہیں اُٹھ سکتا، اُس پر دو من کا بوجھ کس طرح ڈال دیا جائے گا۔ اس درجہ بھی بدنصیب ہم لوگ نہیں ہیں کہ طالع میں نحس ستاروں کے سوا سعد کا گزر ہی نہ ہو اور دُو دُو بدبختیاں جمع ہو جائیں۔ یہ جان سکتے ہیں کہ قدم راسخ ایسا نہیں ہے کہ دین کی راہ میں کام دے۔ مگر دم خم تو ایسا ہے کہ خوب دون کی لیں اور شیخی بگھاریں، ہزار میں ایک معلوم ہوں۔ ہے ہے، اے برادرِ عزیز! تم کہہ سکتے ہو کہ اس مکرم سے بڑھ کر ہمارا کوئی خریدار ہو سکتا ہے ہرگز نہیں۔ اور اتنی قیمت کوئی دے سکتا ہے، ممکن نہیں۔ بیت

سراسر من ہمہ عیبم بدیدی و خریدی تو زہے کالائے پُر عیب و زہے لطفِ خریدارے

(سر سے پاؤں تک میں عیب ہی عیب ہوں۔ تو نے دیکھ بھال کر خریدا ہے۔ کیا اچھا یہ عیب دار مال اور کیا خوب مہربان خریدار ہے)۔ اسکے کرم کی کچھ انتہا ہے۔ ہم اگر بڑھاپے میں بھی حاضرِ درگاہ ہوں، تو حکم ہوتا ہے کہ ساری مملکت تیری خدمت کے لیے ہم ٹھیک کر دیتے ہیں۔ اور کہیں خوش نصیبی سے عالمِ جوانی میں اس کے ذکر سے اُنس پکڑیں تو ساری حکومت میں ڈنکے کی چوٹ ہماری بادشاہت کا اعلان کر دیا جائے۔ جس سختی سے اوامر و نواہی کا حق تجھ سے ہم نے طلب کیا تھا اُسی طرح اپنے کرم سے ہم انصاف بھی کر رہے ہیں۔ اگر تجھ سے کچھ بھول چوک بھی ہو گئی ہے تو ہم اُس کو دہراتے نہیں ہیں، بلکہ اس سے درگذر کرتے ہیں۔ اور اگر ضرورت سے زیادہ تجھے مشقت اُٹھانی پڑی ہے تو ما بدولت تجھ سے عذر کرتے ہیں کہ اس کا خیال نہ کرنا۔ ہم بڑے حکیم ہیں۔ اپنی حکمت اپنے بھید سے واقف ہیں۔ جب وقت آئے گا ان اسرار کو ہم ظاہر کریں گے۔ سبحان اللہ، سبحان اللہ! کیا نوازش و اکرام ہے۔ اے بھائی، جس قدر تم نے سنا، اس کے دریائے کرم سے ایک قطرہ ہے۔ اس کے کرم کی کوئی انتہا بھی ہے۔ مثلاً اگر تمام منکرینِ عالم کو اور شیاطینِ جہاں کو اور اُن کے ذریات و متبعین کو اعلیٰ علیین میں پہنچا دے اور تاجِ سلطنتِ ابدی ان کے سر پر رکھ دے جب بھی ابرِ کرم سے ایک بوند ہی سمجھو بلکہ اس سے بھی کم۔ والسلام

پچیسواں مکتوب

شریعت و طریقت کے بیان میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اے میرے بھائی شمس الدین اللہ تم کو سیدھا راستہ دکھائے۔ تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ شریعت اس راہ کا نام ہے جس کو انبیاء علیہم السلام اپنی امت کے لیے مقرر فرماتے ہیں۔ اس کام میں اللہ اُن کا مددگار اور پشت پناہ ہوتا ہے۔ کل نبیوں کا ہمیشہ یہی معمول رہا کہ خلق اللہ کو انھوں نے پہلے توحید کی طرف بلایا۔ اس دعوت میں سب انبیاء برابر ہیں۔ سبھوں کی ایک پکار ہے۔ ایک دین ہے ایک معبود ہے۔ باتفاق ایک زبان ہو کر سبھوں نے اپنی اپنی امتوں کو یہی کہا۔ وَاِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ۔ اللہ ایک اور اکیلا ہے۔ اور یہی فرمایا فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوْنِ ۔ اللہ سے ڈرو اور اُسی کی بندگی کرو۔ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ کے عہدِ مبارک تک کل نبیوں کی خدائی باتوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ کیونکہ وحی الٰہی کے موافق دعوتِ خلق ہوا کرتی تھی۔ وحیِ الٰہی کے الفاظ و معانی بواسطہ حضرت جبریل علیہ السلام نبیوں نے سنا سمجھا اور اُن کو دل میں جگہ دی۔ اُن کی سماعت اس سے بہرہ اندوز ہوتی رہی۔ اُن کی عقل اس سے انوار کا اقتباس کرتی رہی۔ سب نبی اصل دعوت میں ہم خیال ہیں۔ ہاں، لغات و عبارات و استعارات و ارکانِ شرائع میں البتہ اختلافات ہیں۔ دعوتِ توحید کے علاوہ دوسری دعوت عبودیت کی ہوتی ہے چونکہ انبیاء علیہم السلام خلائق کے طبیب ہیں۔ ہر زمانے میں وحیِ الٰہی کے موافق اپنی اُمت کے لیے حسب مصلحتِ وقت قاعدہ ملت وضع فرماتے ہیں۔ پس خدائی باتیں جو نبیوں تک پہنچیں اور آپ حضرات نے ان کو قبول کیا ان کا نام وحیِ دعوت ہے۔ اور جو لوگ سنتے ہیں اور اتباع کرتے ہیں ان کو امت کہتے ہیں۔

اور اوامر و نواہی و اصول و فروع دعوت کو شریعت کہتے ہیں۔ اور اس راہ میں چلنے کو اطاعت کہتے ہیں۔ جملہ احکام پر گردن رکھنے کو اسلام کہتے ہیں۔ اسلام پر ثابت قدم رہنے کو دین کہتے ہیں۔ اب تم غالباً اس کو سمجھ گئے ہو گے کہ شریعت دین کی ایک راہ کا نام ہے جو پیغمبروں کے ذریعہ سے قائم ہوتی ہے۔ لغت میں کشادہ راہ کو شارع کہتے ہیں۔ راہِ شریعت کو بھی خدا نے ایسی کشادہ بنایا ہے کہ اس سے ہزاروں راستے نکلتے ہیں۔ آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے اور اس طرف اشارہ کیا ہے۔ سَتَفْتَرِقُ اُمَّتِیْ عَلٰی ثَلٰثٍ وَّسَبْعِیْنَ فِرْقَۃً کُلُّھَا ھَالِکَۃٌ اِلَّا وَاحِدَۃٌ فَاِنَّھَا نَاجِیَۃٌ۔ میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی۔ جس میں بہتر گمراہ ہیں اور ایک نجات پانے والا ہے۔ ناجی فرقہ اہلِ سنت والجماعت کا ہے۔ اور اس کی تین قسمیں ہیں۔ صوفیاے کرام، محدثین، فرخندہ فرجام، فقہاے عظام طریقت کی راہ بھی شریعت ہی سے نکلی ہے۔ شریعت و طریقت میں جو فرق ہے اس کو ہم بیان کرتے ہیں۔ تم اسی سے سمجھتے جاؤ۔ شریعت میں توحید، طہارت، نماز، روزہ، حج، جہاد، زکوٰۃ اور دوسرے دوسرے احکامِ شرائع و معاملاتِ ضروری کا بیان ہے۔ طریقت کہتی ہے کہ اِن معاملات کی حقیقت دریافت کرو۔ اِن مشروعات کی تہ تک پہنچو، اعمال کو قلبی صفائی سے آراستہ کرو۔ اخلاق کو نفسانی کدورتوں سے پاک کرو جیسے ریاکاری ہے، ہواے نفسانی ہے، ظلم و جفا ہے، شرک و کفر ہے وغیرہ وغیرہ۔ اچھا، اس طرح نہ سمجھے ہو تو یوں سمجھو۔ ظاہری طہارت، ظاہری تہذیب سے جس امر کو تعلق ہے وہ شریعت ہے۔ تزکیۂ باطن تصفیۂ قلب سے جس کو لگاؤ ہے وہ طریقت ہے۔ کپڑے کو دھو کر ایسا پاک بنا لینا کہ اس کو پہن کر نماز پڑھ سکیں، یہ فعل شریعت ہے۔ اور دل کو پاک رکھنا کدورتِ بشری سے یہ فعل طریقت ہے، ہر نماز کے لیے وضو کرنے کو شریعت کا ایک کام سمجھو اور ہمیشہ با وضو رہنے کو طریقت کا دستور العمل تصور کرو۔ نماز میں قبلہ رُو کھڑا ہونا شریعت ہے۔ اور دل سے اللہ کی طرف متوجہ ہو جانا طریقت ہے، حواسِ ظاہری سے جن معاملاتِ دینی کا تعلق ہے اس کی رعایت

ملحوظ رکھنا شریعت ہے۔ اور جن معاملاتِ دینی کو قلب و روح سے تعلق ہے اس کی رعایت کرنا طریقت ہے۔ انبیاء علیہم السلام کا یہی معمول رہا کہ دین کا جو کام خود کرتے ہیں وہی امّت کو بھی حکم دیتے۔ مگر بعض بعض اخلاق و اعمال ایسے مہتم بالشان و کوہ وقار ہیں کہ اگر امت پر ان کا بوجھ ڈال دیا جائے تو ضعیف الحال امّت پس جائے۔ اس لیے آسانی کے خیال سے اُمت کو ان کی تکلیف نہیں دیتے، اپنا وردِ خاص بنا لیتے ہیں۔ اور معمول کر لیتے ہیں جیسے نمازِ تہجد، صدقہ نہ لینا، سیر ہو کر نہ کھانا، دنیا سے اعراض کرنا جس سے زندگی باقی رہے اتنے ہی کھانے پر قناعت کرنا۔ مکان و لباس بھی محض بقدرِ ضرورت رکھنا وغیرہ وغیرہ۔ خلاصہ یہ ہوا کہ جس امر کے لیے امّت کو مکلّف بنایا جائے وہ شریعت ہے۔ اور جو کام ایسا ہے کہ تخفیفِ امت کے لیے انبیاء علیہم السلام اپنی ذات کو اس کا پابند کر لیں۔ اور لازمۂ احوال بنا لیں وہ طریقت ہے۔ جو اعمال خاص انبیاء علیہم السلام کے ہیں ان کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم امت کے لیے ممنوع و محظور ہے۔ اس میں جان و ایمان کا خطرہ ہے۔ جیسا کہ قرآنِ قدیم نے تخصیص کر دی ہے کہ خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ آپ کے لیے یہ خاص ہے اور مومن کے لیے نہیں۔ دوسری قسم وہ ہے کہ سنتِ پسندیدہ ہے۔ جو شخص اس کو اختیار کرے گا درجۂ عوام سے زمرۂ خاص میں داخل ہو گا۔ عالی مرتبہ ہو گا، کمال ترقی ہو گی۔ سنو، شریعت میں اگر صحیح عذر ہو تو رخصت ہو جاتی ہے، جیسے بجائے وضو اور غسل تیمّم کی اجازت ہے۔ سفر میں روزہ نہ رکھنا جائز ہے وغیرہ وغیرہ۔ مگر طریقت کہتی ہے کہ رخصت ضعیف حالوں کے لیے ہے۔ مناجات عاجزوں پر تخفیف کے لیے ہے۔ چنانچہ اربابِ طریقت قوت و ہمّت جدّ و مبالغت سے کام لیتے ہیں۔ رخصت و مباح کی راہ سے اپنے کو باز رکھتے ہیں۔ حلال چیزوں کو بھی ڈر ڈر کے استعمال کرتے ہیں۔ حرص و طمع سے کنارے رہتے ہیں۔ شریعت میں راحت و آسایش کی ڈیوڑھی پر روک تھام ہے خصوصاً نفسِ امّارہ سے بہت بچائے رہے دیکھو، اگر مرید اپنے کو مباحات کی اجازت دیگا تو اس کا نفس دلیر ہو جائے گا۔ (نفس باقی ہے)

وہ مشتبہات کو بھی مباحات کے سلسلے میں لے آئے گا۔ پھر اُس پر قناعت نہ کرے گا آگے بڑھ کر محرمات میں مبتلا کر دے گا۔ یہاں تک کہ دین بھی برباد ہو جائے گا۔ اتنی تقریر کے بعد ہمیں امید ہے کہ تم شریعت وطریقت کو خوب سمجھ گئے ہو گے۔ شریعت کی ضرورت اور طریقت کے فوائد کا بھی تم نے اندازہ کر لیا ہو گا۔ برادرِ عزیز، بغیر شریعت کے طریقت کا قصد کرنا ویسا ہی ہے کہ ایک شخص کوٹھے پر جانا چاہے سیڑھی کو توڑ ڈالے اور دیوار پکڑ کر اوپر چڑھے۔ نتیجہ یہ ہو گا کہ دو چار ہاتھ بمشکل اوپر جائے گا پھر پھسل پھسل کر گرے گا یا یوں سمجھو کہ ایک شخص کو یہ خبط سمائے کہ ہم پتھر ایسا اُچھال سکتے ہیں کہ نظر سے غائب ہو جائے ہزار زور خرچ کرے گا کوشش کا خاتمہ کر دے گا ناکامیاب رہے گا۔ بمشکل اُچھالے گا دھم سے آ رہے گا۔ بغیر شریعت جسم خاکی پتھر سے بدتر ہے۔ وہ شخص فضائے طریقت میں اُڑ نہیں سکتا یہ کوشش لاحاصل ہو گی۔ یا یوں سمجھو کہ ایک شخص حج کو جائے، خلاف سمت کعبہ کے رُخ کرے سالہا سال بھی چلتا رہے گا تو بیت اللہ شریف تک نہ پہنچے گا۔ کیونکہ ہر مقصد کے لیے راستہ مقرر ہے۔ ہر قصد کے لیے شرط ہوا کرتی ہے۔ ہر صحبت کے لیے اہلیت اور نسبت کا ہونا ضروری ہے۔ قصد وصحبت کے لیے شرط و نسبت جملہ احکامِ شریعت ہیں۔ جب مرید راہِ شریعت میں واضح ہوتا ہے، حقوقِ شرعی کو بقدرِ امکان ادا کرتا ہے، اُس وقت توفیقِ خیر اُس کی رفیق ہوتی ہے عوام کے دائرے سے وہ نکلتا ہے۔ سلوکِ طریقت اختیار کر کے خواص کے ہمراہ ہو جاتا ہے برادرِ عزیز، اب بلاشک تم نے شریعت وطریقت کو پہچان لیا ہو گا۔ تم کو چاہیئے کہ گرتے پڑتے مطابعت وموافقت میں ان پاک بزرگوں کے جو صاحبِ شریعت وطریقت گزرے ہیں، حتی الوسع دو ایک قدم بھی چلو اور مفلس دیے لو کی طرح درگاہ میں اس بادشاہِ بے کس نواز د عاجز افراز کے باوجود اس دُوری وحجاب کے بھی عرض کرنے سے باز نہ آؤ۔ اور اس بات پر پکا عقیدہ رکھو کہ خزانۂ فضل میں جو کیمیائے لطف ہے، اس کا ایک ذرّہ بھی اگر منکران کے شرک پر کافروں کے کفر پر چھڑک دیں تو توحید ہی توحید نظر آئے۔ اور قدحِ غیب میں

جو شربتِ جان پرور ہے اُس کا ایک قطرہ بھی اگر خلق کے حلق میں ٹپکا دیں تو ایسے شیر و شکر ہو کر سب مل جائیں کہ مخالف و منکر کا وجود ہی غائب ہو جائے۔ وہ تم کو اس عنایت کی نظر سے دیکھتا ہے جو تم پر ازل میں ہو چکی ہے۔ آب و خاک ہونے کی حیثیت سے نہیں دیکھتا۔ اگر تمھاری آلودگی پر اُس کی نظر ہوتی تو سمجھ لو کہ رہی سہی پونجی بھی غائب تھی۔ مگر وہاں کی مقبولیت کوئی معمولی بات ہے۔ اگر تمھارا بال بال شیطانِ مجسم بن جائے اور ہر ہر عضو فرعون کی طرح دعویٰ باطل پیش کرے اور ہر ذرّہ وجودِ نمرود کا جانشین ہو کر بیٹھے۔ اور چاروں طرف تمھارے دوزخ کی آگ شعلہ زن ہو، تم کچھ کہہ سکتے ہو کہ تمھارا حال اس وقت کیا ہو؛ قسم خدا کی اگر تم پر اس کی نظرِ عنایت ہے تو کوئی چیز کوئی شخص تمھارا کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔ والسلام

چھبّیسواں مکتوب

شریعت اور حقیقت کے بیان میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میرے بھائی شمس الدین، اللہ تم کو بزرگ بنائے۔ تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ شریعت و حقیقت دو لفظ معنی خیز ہیں، جو صوفیوں کے یہاں مستعمل ہیں۔ جس طرح شریعت میں اعمالِ ظاہر جب درست ہو جاتے ہیں تو انسان اہلِ حقیقت طلب ہو جاتا ہے۔ اسی طرح انکشافِ احوالِ باطن کے بعد آدمی اہلِ حقیقت کہلاتا ہے۔ یہ تو اظہر من الشمس ہے کہ ظاہر کو باطن کے ساتھ ایک خاص قسم کا لگاؤ ہے۔ جب اصل پر غور کرو گے تو دونوں کو الگ الگ نہ پاؤ گے۔ دیکھو ایمان کے لیے اقرار باللسان و تصدیقِ بالقلب شرط ہے۔ نہ تو صرف تصدیق سے ایمان کامل ہوگا۔ نہ فقط اقرار سے ایمان کی تکمیل ہوتی ہے۔ کلمۂ توحید میں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ دو جملے ہیں۔ حقیقت کے رموز و اشارات لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ میں مستتر ہیں۔ اور شریعت کی جلوہ گری مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ سے ہے۔ صحتِ ایمان دونوں جملوں پر موقوف ہے۔ اب اگر کوئی چاہے کہ

بطرف ایک جملہ سے ایمان کی منزل طے کرے تو بالکل ناممکن ہے۔ ہاں حکم میں البتہ شریعت حقیقت سے جدا ہے۔ زبان سے اقرار کرنا اور شے ہے۔ دل سے تصدیق کرنا اور چیز ہے۔ اقرار و تصدیق میں جو فرق ہے وہی فرق شریعت و حقیقت میں ہے۔ مگر علمائے ظاہر کا خیال ہے کہ شریعت عینِ حقیقت ہے اور حقیقت عین شریعت۔ یہ سمجھنا مغالطہ سے خالی نہیں۔ اس عقیدے میں بہت بڑا نقصان یہ ہے کہ انسان باطنی ترقی سے محروم رہ جاتا ہے۔ اگرچہ مومن باقی رہتا ہے، اس میں کچھ کلام نہیں۔ اس سے زیادہ افسوس کے قابل ان لوگوں کی حالت ہے جو شریعت کی راہ کی پروا نہیں کرتے اور اہلِ حقیقت بن کر بیٹھے ہیں۔ دعویٰ اُن کا یہ ہے کہ جب حقیقت منکشف ہوگئی تو شریعت کی ضرورت کیا باقی رہی؟ نعوذ باللہ من ذٰلک۔ یہ مذہب ملحدانہ ہے۔ ایسے مذہب و اعتقاد پر خدا کی پھٹکار ہو۔ تھوڑی تفصیل حقیقت و شریعت کی اور سنو تو سمجھ جاؤ گے۔ حقیقت کی تعریف یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے تاقیامِ قیامت نہ اس میں ردّ و بدل ہوا نہ ہو سکتا ہے۔ حکم اس کا ایک طرح پر جاری ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کی معرفت ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ شریعت کی توصیف یہ ہے کہ اس میں تغیر و تبدل ہوتا رہا جیسے اوامر و نواہی ایک نبی کے وقت میں بعض چیز حلال دوسرے نبی کے وقت میں حرام۔ یا ایک شخص کے لیے حلال دوسرے کے لیے حرام۔ مگر کوئی وقت ایسا نہیں ہے کہ حقیقت موجود نہ ہو۔ شریعت کو بندے کے افعال سے تعلق ہے۔ حقیقت خدا کی ذاتِ پاک سے وابستہ ہے وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ (جن لوگوں نے ہمارے لیے مشقت اُٹھائی ہم اُن کو اپنا راستہ دکھا دیتے ہیں)۔ اس آیتِ پاک میں مجاہدہ اصل شریعت ہے۔ اور ہدایت حقیقت ہے۔ بندہ نے جب احکامِ ظاہر کی محافظت کی تو اللہ تعالیٰ نے احوالِ باطن کی محافظت فرمائی۔ شریعت کو تعلق کسب سے ہوا حقیقت سے وہی شان ظاہر ہوئی۔ شریعت کی مثال مادّہ کی ہے۔ اور حقیقت کی مثال قلب کی۔ مادّہ کا قوام قلب میں اور قلب کی منزل مادّہ ہے۔ شریعت قالب کے درجہ میں ٹھہری، حقیقت بمنزلۂ جان۔ جس طرح زندگی بغیر جان و قالب دونوں کے

ناممکن ہے۔ اسی طرح ایمان کی بقا بے شریعت و حقیقت محال ہے۔ اگر سچ پوچھو تو یہ دولت یہ نعمت اس گروہ صوفیہ کے سوا اور کہاں؟ شریعت و حقیقت دونوں معاملات ان کے نہایت سچل سراپا درست یہ زبانی جمع خرچ نہیں، بلکہ اظہار حقیقتِ حال ہے۔ اور سنو، علمِ حقیقت کے تین رکن ہیں۔ خدا کی ذات کا علم وحدانیت کے ساتھ اور اس کو بے شبیہ و بے نظیر جاننا۔ خدا کی صفات کا علم مع احکام خداوندی۔ خدا کے افعال و حکمت کا علم۔ اسی طرح علمِ شریعت کے بھی تین رکن ہیں۔ کتاب اللہ سنتِ رسول اللہ۔ اجماعِ امت۔ اب ہم صاف صاف یہی کہیں گے کہ بغیر شریعت ورزی اہلِ حقیقت ہونے کا دعویٰ کرنا سراسر زندیقیت ہے۔ اور حقیقت سے بے خبر رہ کر صاحب شریعت بن جانا شانِ منافقانہ ہے۔ در اصل دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ اسی لیے اولیاء اللہ کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ علمِ درسی، یعنی علمِ شریعت سے آراستہ، مجاہدہ و ریاضت میں [illegible] ق و اخلاص کا گہرا رنگ۔ عملِ خالص کی نورانیت۔ رفتہ رفتہ یہی عملِ صالح ان کو علمِ وراثت کا مخزن بنا دیتا ہے۔ جس کو علمِ حقیقت کہتے ہیں۔ علمِ وراثت عطائے محض ہے۔ اس کو درس و تدریس سے کوئی سروکار نہیں۔ جیسا کہ وعدۂ لطیف سے ظاہر ہے۔ مَنْ عَلِمَ بِمَا عَلِمَ وَرَّثَهُ اللّٰهُ عِلْمَ مَا لَمْ يَعْلَمْ۔ جس نے جانا، وہی جانا، جو اس کو بتایا گیا ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ وارث بنا دیتا ہے اس علم کا جس کو کوئی جانتا نہیں۔ اسی علمِ وراثت یعنی علم کی حقیقت کی بدولت ان بزرگانِ دین کے اعمال و اقوال و افعال و احوال میں ایسا نمایاں تغیر نظر آتا ہے کہ علمائے ظاہر دنگ ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اور یہ باتیں اُن کی سمجھ سے باہر ہوتی ہیں۔ اپنے مقام کی رُو سے کتابوں کو اُلٹ پلٹ کر دیکھتے ہیں۔ ان باتوں کا کہیں نشان نہیں پاتے۔ حیران ہو کر انکار کر بیٹھتے ہیں۔ اور بول اُٹھتے ہیں کہ یہ بات خلافِ روایت ہے۔ اس کا کہیں وجود ہی نہیں۔ معاذ اللہ! کتنا بڑا یہ ظلم ہے کہ ایک فقیرِ بے نوا کے گھر میں جو چیز نہ ہو وہ اس کا مدعی بن جائے کہ جو شے ہمارے پاس نہیں وہ محمد شاہ بادشاہ کے محل میں کبھی نصیب نہیں۔ ان کو اس کی خبر نہیں کہ سنت اللہ کس طور پر جاری ہے۔ سنو! اللہ تعالیٰ ہرگز پسند نہیں کرتا کہ اپنے دوستوں کو مقامِ سری میں پہنچا کر غلط الہام اور غلط

مکاشفات میں اُن کو مبتلا کر دے۔ کیونکہ ان بزرگوں کا دل جب انوارِ سِرّی سے متجلّی ہو جاتا ہے تو اُس پر جو بات ظاہر ہوتی ہے سب حق کی طرف سے ظاہر ہوتی ہے۔ گویا اُن کی زبان اُن کے سِرّ کی متبع ہوتی ہے۔ اور سِرّ کو حق سے خاص تعلق ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں جو بات ان بزرگوں سے سرزد ہو گی وہ راست وصواب ہو گی۔ مثنوی

با علم وعمل زبانِ شان راست — میزان صفت اند بے کم وکاست

با حق جمع وز خود پریشان — لا یعرفہم شعارِ الشان

(علم اور عمل کے ساتھ ان کی زبانیں سچی ہیں۔ یہ لوگ ٹھیک ترازو کی طرح ہیں۔ اپنے سے جُدا اور خدا سے ملے ہوئے ہیں۔ ان کی روش ایسی ہے کہ ان کو کوئی پہچان نہیں سکتا) لیکن ہم کو تم کو جو ان کی باتیں خلافِ روایت اور خلافِ کتاب وسنت معلوم ہوتی ہیں یہ ہماری کج فہمی کا باعث ہے۔ دیکھو جو شخص اَحْوَل (بھنگا) ہوتا ہے وہ ایک کو دو دیکھتا ہے اور یقین رکھتا ہے کہ جو ہم دیکھ رہے ہیں یہی ٹھیک ہے۔ موحدانِ حقیقی کے نزدیک جتنے ظاہر بین ہیں سب کے سب اَحْوَلِ روزگار ہیں ہزار وہ کہا کریں کہ ہم سچ کہہ رہے ہیں، مگر ماننے کی بات نہیں گویا دعوائے راست بیانی کج فہمی کی دلیل ہے۔ چنانچہ یہ حال دیکھ کر بزرگانِ دین نے یہ روش اختیار کی ہے کہ اہلِ ظاہر کی بکو اس کا خیال نہیں کرتے۔ معاف فرماتے ہیں۔ قاعدے کی بات ہے کہ اگر نابینا سے کوئی لغزش ہو جاتی ہے تو آنکھ والے ضرور چشم پوشی کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں قرآن شریف کا حکم بھی یہی ہے کہ: وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰاهِلِيْنَ (جاہلوں سے الگ ہو جاؤ)۔ قطع نظر ان باتوں کے اس قدر شور وغوغا کا ایک خاص سبب بھی ہے۔ وہ یہ ہے کہ جو لوگ اس علمِ تصوف کے جاننے والے تھے رخصت ہو گئے اور طریقت کی روش پر ٹھیک ٹھیک چلنا مفقود ہو گیا۔ ہاں، شاذو نادر کی بات دوسری ہے۔ خیر جب یہ ہوا کہ اہلِ حقیقت چھپ گئے اور جو خزانۂ علم ان کے پاس تھا وہ دفن کر دیا گیا۔ اب جو اس معرکہ میں مردِ میدان بنتا ہے اور اس مذہب کا دعویٰ کرتا ہے، حقیقت حال یہ ہے کہ معنیٔ حقیقت سے وہ خود بے خبر ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ عام خلق اللہ نے اس مذہب ہی سے انکار کر دیا کہنے لگے

کہ علم تصوف کی کوئی اصلیت ہی پائی نہیں جاتی۔ سچ ہے کہنا اُن کا۔ کیونکہ جب اہلِ حقیقت نہ رہے اور اس کا علم نہ رہا تو اس مذہب کو بیان کون کرتا ہے۔ چنانچہ علمِ حقیقت پر عمل کرنا بھی اُٹھ گیا۔ عمل علم کے بعد کی چیز ہے۔ اور علم کا حصول بیان پر موقوف ہے۔ افسوس صد افسوس نہ اہلِ حقیقت رہے نہ علم رہا، نہ بیان رہا، نہ عمل رہا۔ یہ مرض صرف علمِ حقیقت ہی کو دامن گیر نہ ہوا، بلکہ علمِ شریعت بھی انھیں بلاؤں میں گھر گیا ہے۔ ہم تمھارے لیے بہت زیادہ مناسب سمجھتے ہیں کہ تم اپنا عقیدہ ان بزرگانِ دین کی طرف سے بہت پاک و صاف رکھو۔ اور دل میں سمجھو کہ یہ حضرات کبھی خلافِ عمل شریعت کوئی کام نہیں کرتے۔ جو شخص آدابِ شریعت سے ایک ادب بھی ترک کرنا پسند نہ کرے وہ فرض و واجب کیوں کر ترک کرے گا۔ سیکڑوں حکایتیں آدابِ شریعت میں ان بزرگانِ دین کی اس قدر مشہور و معروف ہیں کہ زیادہ بیان کی ضرورت نہیں۔ ایک بزرگ کہا کرتے تھے کہ ہم خدا سے عمرِ ابدی چاہتے ہیں تاکہ تمام خلق بہشت کی ناز و نعمت میں مشغول رہے اور ہم دنیا کی بلاؤں میں گرفتار رہ کر آدابِ شریعت میں ثابت قدمی کی منزلیں طے کرتے رہیں۔ سچ ہے شریعت کی قدر جو یہ بزرگانِ دین جانتے ہیں کوئی کیا جانے گا۔ اور آدابِ شریعت کا جو ان کو خیال ہے کیا کسی کو خیال ہوگا۔ اللہ اکبر! اتنی بڑی فقر کی دولت آخر کس کے طفیل میں ان کو ملی ہے۔ اسی پاک شریعت کے طفیل میں۔ سنو بھائی! شریعت ہو یا حقیقت۔ دونوں منزلیں کڑی ہیں۔ مگر دل ہارنا چہ معنی دارد راہِ طلب میں بھی کوئی سُستی کرتا ہے۔ کامیابی عطائے محض ہے۔ عمل پر موقوف نہیں۔ اہلِ معرفت کا قول ہے کہ ملائکہ مقربین یہ سمجھے ہوئے تھے کہ ہماری اطاعت و فرمانبرداری اکرام و نوازش خاص کا سبب ضرور ٹھہرے گی۔ خلاف ورزی ایسی شے ہے جس سے عزت و قدر جاتی رہتی ہے اس لیے خدائے قدوس کے حضور میں بے محابا یہ بول اُٹھے کہ ہم مطیع ہیں۔ آدم عاصی۔ اللہ تعالے نے ان کو دکھایا کہ ایسا سمجھنا غلط فہمی ہے۔ ہماری نوازش و اکرام کا اگر سبب ہے تو ہمارا افضل و کرم ہے۔ کسی کی طاعت کسی کی عبادت نہیں۔ بھائی دیکھتے نہیں ہو کہ ساتوں آسمان و زمین کے فرشتوں کو جو طاعت سے آراستہ تھے ان کو یہ حکم ہوا کہ آدم کو سجدہ کریں۔ کون آدم؟ وہ آدم

جو عبادت کی عین سے بھی سروکار نہیں رکھتا اور طاعت کی ط سے بھی جس کو واسطہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا کیا معاملہ ہے۔ تم یہ سن کر حیران ہو گے کہ قصہ کیا ہے۔ ایسا کیوں ہوا۔ بھائی، تم کہاں ہو اس سے بڑھ بڑھ کر معاملات ہوئے اور ہو رہے ہیں۔ مگر ہمیں نہیں خبر کہاں ہے؛ اس کی قدرت کا اس کو ایک ادنیٰ کرشمہ سمجھو کہ اگر وہ چاہے تو ایک لحظہ میں ہزاروں آدمؑ اور ہزاروں عالم پیدا کر کے رکھ دے اور سیکڑوں کو حبیب، سیکڑوں کو اپنا خلیل بنالے۔ ہم جو کہہ رہے ہیں یہ بات دیکھنے میں ایک پہاڑ سی معلوم ہوتی ہوگی۔ مگر یقین جانو کہ جو قدرت عرش سے فرش تک اور عُلا سے ثریٰ تک بے تکلف حکمراں ہے۔ واللہ ایسے ایسے کاموں کو ایک ذرۂ حقیر کے برابر بھی نہیں سمجھتی۔ والسّلام۔

ستائیسواں مکتوب

رسول علیہ السّلام کی متابعت میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

برادرم شمس الدین سلمہٗ اللہ تعالیٰ۔ تم یقین جانو کہ سعادتِ ابدی وعزتِ سرمدی انسان کے لیے خداوندِ جلّ وعلا کی محبت کے ساتھ وابستہ ہے۔ اس دولت وخلعت کا محل حضرت سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کا دربارِ شاہانہ ہے۔ یہ دولت وخلعت حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت کی موافقت پر موقوف ہے۔ دیکھو قرآن شریف کس طرح گہرریز ہے۔ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ۔ میری پیروی کرو اللہ تم کو دوست بنائے گا۔ یعنی اپنے شاہنشہ کی فرمانبرداری کا طوق گلے میں ڈالو اور حلقۂ اطاعت کانوں میں پہن لو۔ حکم سرکاری بجالاؤ۔ نواہی سے دُور رہو۔ اور سراپا قصرِ ایمان کو طاعت کے گلدستوں سے سجا ڈالو۔ سنتوں سے واقفیتِ تامّہ حاصل کرو۔ اور اس پر ایسا عمل کرو جیسا عمل کرنے کا حق ہے۔ پھر دیکھ لوگے کہ وہ عہدنامۂ دوستی جو لکھا گیا ہے۔ اور خطبۂ عقدِ محبت جو پڑھا گیا ہے، بہ سندِ اتباع حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم

یقینی نافذ ہو کر رہے گا۔ اور ضرور ململ سمجھا جائے گا۔ جب یہ فرمانِ شاہی اور یہ وثیقۂ سندی دستری تمہارے پاس رہے گا تو یہاں بھی مزا لوٹو گے اور عیش کرو گے۔ پھر جس وقت حضرت محبوبِ حقیقی کے دربار میں حاضری ہو گی تو وہاں بھی فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْكٍ مُّقْتَدِرٍ ‎۝ (مقعدِ صدق کے مقام میں خدائے بلند و برتر کے پاس)۔ ذرا سمجھنے کی بات ہے، مقعدِ صدق عہدِ پاک مقتدر کا دلچسپ گہوارہ، خوشنما چپر کھٹ کیا کسی دوسرے مہمانِ عزیز کے لیے آراستہ ہوا ہے۔ نہیں صرف تمہارے لیے۔ یعنی غلامانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے، مقامِ صدق میں پہنچ کر' اللہ اکبر' تمہاری شان کی کوئی حد بھی ہو گی، پہلی ہی منزل میں آٹھوں بہشت ہیں۔ عیش و آرام سیر و تفریح حورانِ جنت کے حسنِ دل افروز کا نظارہ، چاندی، سونا، یاقوت و مروارید کے جواہر نگار شاہی محل میں جلوس، کوثر و تسنیم کی لہروں کے سرور بخش مناظر، درختوں کے پھل پھول، سبزی کی وہ دلکش بہار' شرابِ طہور کا دورِ مسلسل، انواع و اقسام کے خوانِ پر نعمت کی لذتیں۔ یعنی کَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ‎۝ (ان لوگوں کے لیے جنت الفردوس اترنے کی جگہ ہو گی)۔ مگر یاد رہے کہ دردِ طلب میں صدق و اخلاص ہے تو باوجود ان سامانوں کے تم گھبرا اُٹھو گے اور کہنے لگو گے کہ "دلِ بریان بہ مُرغِ بریان نیا ساید۔ وجگر سوختہ و دل خون شدہ بہ حُور و قصور ننگرد"۔ جلا ہوا دل مرغ کے کباب سے لذت نہیں اُٹھاتا۔ جس کا کلیجہ بھُن گیا۔ اور دل خون ہو گیا ہو، وہ حورانِ جنت اور بہشتی محل کی طرف نہیں دیکھ سکتا۔ یہ خیال آتے ہی فوراً اس بہشت کو چھوڑ کر تمہارا قدم آگے چل نکلے گا۔

اور اس منزلِ اعلیٰ پر پہنچا دے گا جس کا وصف خوش بیانوں کی توصیف سے باہر ہے۔ جس کے بیش بہا خزانے کے انمول موتی وہم و گمان و عقل سے روپوش ہیں۔ یعنی جس بہشت کی یہ شان ہے اَعْدَدْتُّ لِعِبَادِیَ الصّٰلِحِیْنَ مَا لَا عَیْنٌ رَأَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ ‎۝ (نیک بندوں کے لیے مقرر کیا گیا، وہ ایسا (مقام) ہے کہ جس کو کسی آنکھ نے دیکھا نہ ہو، اور نہ کسی کے کان نے اس کی تعریف سنی ہو، اور نہ کسی انسان کے دل میں اُس کی آرایش کا خیال تک گزرا ہو۔ پھر یہاں کی نورانیت تم کو بھی سراپا نور بنا کر وصلِ حقیقی کے رنگ میں رنگ ڈالے گی۔ اور

معراجِ کمال پر پہنچا دے گی۔ اب کیا پوچھنا ہے، وہ وہ رازِ نیاز وہ وہ رموز و اشارات کا دفتر عشق و حسن کے مابین کھلے گا کہ ذَاقَ مَنْ ذَاقَ (چکھا جس نے چکھا) کے سوا اور کچھ تعبیر نہیں ہو سکتی سبحان اللہ! یہ خطاب جان فزا کہ مِنَ الْمَلِکِ الْحَیِّ الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ اِلَی الْمَلِکِ الْحَیِّ الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ ۰ اس ہمیشہ زندہ رہنے والے کے مُلک کی طرف سے اُسی ہمیشہ زندہ رہنے والے کے ملک کی طرف جس کو کبھی موت نہیں ہے) کس وصلِ حقیقی کو ظاہر کر رہا ہے۔ حق تو یہ ہے کہ جو معاملہ تمھارے ساتھ ہوا اور ہوگا اور ہو رہا ہے۔ عشق و محبت کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ حقیقت میں نظر سے ذرا یُحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ (خدا ان لوگوں کو دوست رکھتا ہے، اور وہ خدا کو دوست رکھتے ہیں)۔ کی شان دیکھو۔ کیا اس علوِ مرتبت کی کوئی حد بھی ہے، کیا اس عروشان کی کوئی انتہا بھی ہے۔ تم سمجھے اس محبت کو جاذبۂ حقیقت کہتے ہیں۔ کہاں یہ رنگ، کہاں ہماری تمھاری یہ حالت کہ بغیر طمع بہشت و خوفِ دوزخ ایک عمل بھی خالص لوجہ اللہ نہیں ہوتا۔ افسوس! کیا وہ خدائے برتر اگر بہشت و دوزخ پیدا نہ کرتا تو مسجود و معبود نہ ہوتا۔ نہیں نہیں، ضرور ہوتا۔ ہم پست ہمتوں کے حسب حال و اقعی کسی عزیز کا قول کس قدر صحیح ہے کہ دوزخ اگرچہ صورۃً مظہر قہر و جلال ہے، مگر اس کا پیدا کرنا تخلیق بہشت سے کہیں زیادہ دلیلِ رحمت ہے۔ کیونکہ اصحاب لذات و شہوات کو اگر صرف بہشت کی ترغیب دلائی جاتی تو پورا کام نہ نکلتا۔ لالچ سے وہ خوف پیدا نہیں ہوتا جو عذاب سے ہیجانی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ خوابِ غفلت میں سونے والے خوش آیند آواز سے صرف آنکھ کھول کر رہ جاتے ہیں ہاں مہیب آواز سے البتہ چونک پڑتے ہیں۔ عذابِ دوزخ سے اس لیے اُن کو ڈرایا گیا ہے۔ تاکہ ہوشیار ہو جائیں۔ بہ مقابلۂ لذتِ باقی، فانی چٹخارے کو بھول جائیں۔ ایسا خوف ان کے دل پر طاری ہو کہ لذات و شہوات کی طرف سے منہ موڑ لیں۔ اور آخرت کی طرف دل سے متوجہ ہو جائیں۔ اس سے زیادہ ہم لوگوں کے لیے رونے کا مقام یہ ہے کہ دل میں نہ طمع بہشت ہے اور نہ خوفِ دوزخ ہے۔ اگر بہشت کی طمع یا دوزخ کے خوف سے بھی عبادت کریں تو بھی غنیمت سمجھو۔ ہم تم سے کیا کہیں کہ اخلاص سے عبادت کا کیا حال ہوتا ہے۔ عبادت محبوب ہو جاتی

اور تعظیماً لامر اللہ کا اس میں پختہ رنگ آجاتا ہے۔ ایسی ہی عبادت کے بعد مستیِ محبت کا ظہور ہوتا ہے۔ جہاں یہ مستی پیدا ہوگئی ایسے شخص کے ضمیر پر بہشت و دوزخ کا وہم بھی نہیں گزرتا۔ نہ فوت کا غم نہ یافت کی خوشی۔ سچ ہے سلطانِ محبت وشوق کا جب تسلّط ہو جاتا ہے تو حدیثِ راحتِ بہشت اور زحمتِ دوزخ کا وہاں ذکر کہاں؟ کیا خوب کسی نے کہا ہے ؎

شربتِ وصل را بہشت خسے ست ۔۔۔ در رہِ عاشقاں بہشت بسے ست

(شربتِ وصل کے مقابلہ میں بہشت ایک تنکے کے برابر ہے۔ عاشقوں کے راستے میں ایسی ایسی بہشت بہت ملتی ہیں)۔ جس وقت حضرت خواجہ ممشاد دینوری قدس سرہٗ کا انتقال ہونے لگا تو ایک مرید نے دعا کی۔ "یا اللہ تعالےٰ میرے پیر خواجہ ممشاد کی مغفرت کیجیو اور بہشت بریں میں جگہ دیجیو"۔ آپ نے فوراً آنکھ کھول دی اور غضبناک ہو کر فرمایا کہ "کیا واہیات خرافات بک رہے ہو۔ تیس برس سے برابر کہا جا رہا ہے کہ یہ دیکھو بہشت ہے، پسند کرتے ہو۔ مگر ہم نظر اُٹھا کر بھی اُدھر نہیں دیکھتے، یہ بھی کوئی دعا میں دعا ہے"۔ اللہ اکبر! کیا شان تھی! بھائی اصل بات یہ ہے کہ یہ حضرات حقیقی متقی ہیں۔ پاک عالم سے آئے پاک عالم میں جائیں گے۔ کون عالم؟ جس کا نام مقعدِ صدق ہے۔ ایسی حالت میں بہشت و دوزخ کا ذکر کس شمار میں آسکتا ہے۔ یہ اس خاص مقام کی بات ہے۔ اِنَّ عَلِمَ مَنْ عَلِمَ وَجَھِلَ مَنْ جَھِلَ (جس نے جانا اُس نے جانا اور جو نادان رہا وہ نادان رہ گیا)۔ لکھا ہوا ہے کہ دیکھو روحِ انسانی کا شہبازِ بلند پرواز مِنْهُ بَدَأَ (وہیں سے چلنا شروع ہوا) کے آشیانے سے اس شکارگاہِ ہستی میں اس لیے اُڑ کر آیا ہے کہ تدروِ معرفت اور کبکِ محبت کو شکار کرے۔ اس کے بعد اِرْجِعِیْ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ؕ (اُس کی مرضی کے ساتھ راضی ہو کر اپنے رب کی طرف لوٹ جا) کے طبل کی آواز جب اُس کو دی جائے تو فوراً اُڑ کر اپنے پالنہار کے پاس جا پہنچے اور اِلَیْهِ یَعُوْدُ (اسی کی طرف واپسی ہے) کے درختِ وصال کی شاخ پر دم لے۔ برادرِ عزیز معرفت محبت کا بیج ہے۔ جتنی معرفت زیادہ ہوگی اُس کی آگ تیز ہوتی جائے گی۔ اسی سوختۂ عشق کو لذت وسرور اور رویتِ محبوب و مشاہدۂ مطلوب زیادہ حاصل ہے

جس کی معرفت زیادہ ہے۔ ہائے ہائے محبوب جانِ مطلوب دل نے جب یہ دیکھا کہ میرے عاشقوں کی جانیں آتشِ اشتیاق میں گھل رہی ہیں۔ میری محبت میں نہ ان کو اپنی جان کی .... پروا ہے نہ مال کی نہ زن کی فکر ہے نہ فرزند کی تو ان کی تشفی کے لیے کیا روح پرور شربت وصال بھیجا یُحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ (وہ ان کو دوست رکھتا ہے اور یہ اُس کو دوست رکھتے ہیں) بندگی دوستی کے برابر کبھی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ بندگی کے لیے ذلّت کا مقام ہے اور دوستی کے لیے عزت کا مقام ہے۔ بندہ بہرحال ذلیل ہے۔ اور محبوب بزرگ و برتر ہے۔ ذلیل عزیز کے برابر نہیں ہو سکتا۔ ایک بزرگ نے کہا ہے کہ اگر خدا نے حضرت ابراہیمؑ کو کہا اِتَّخَذَ اللّٰہُ اِبْرَاھِیْمَ خَلِیْلاً ہ (یعنی اللہ نے ابراہیمؑ کو دوست بنایا)۔ اور اللہ نے حضرت موسیٰؑ کو کہا وَکَلَّمَ اللّٰہُ مُوْسٰی تَکْلِیْمًا ہ (اللہ نے موسیٰؑ سے کلام کیا) اور حضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سے فرمایا یُحِبُّھُمْ وَ یُحِبُّوْنَہٗ (یعنی وہ ان کو دوست رکھتا ہے اور وہ اُس کو دوست رکھتے ہیں)۔ اور یُحِبُّھُمْ میں محبت کا جو لفظ آیا ہے قدیم ہے۔ جس سے محبت کی جائے گی وہ محدَث ہے۔ اور یُحِبُّوْنَہٗ میں محب محدَث اور محبوب قدیم ہے۔ اور خدا کی باتیں جھوٹ سے مبرّا ہیں۔ اور اس کی گواہی شک وشبہہ سے پاک ہے۔ ہم سے سنو، حضرت خواجۂ کونین صلّی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اِنَّ اللّٰہَ یَتَجَلّٰی لِلْخَلْقِ عَامَّۃً وَلِاَبِیْ بَکْرٍ خَاصَّۃً (اللہ تعالیٰ ساری مخلوق پر تجلّی فرماتا ہے عام طور سے اور حضرت ابابکر صدیق رضی اللہ عنہ پر خاص طور سے) اس خصوصیت کا آخر سبب، وجہ، باعث! اللہ اللہ! وہ ہر صبح کو ساکنانِ ملاءِ اعلیٰ کا متعجب ہو ہو کر یہ کہنا کہ کون سا دل جلا ہے جس کے جگرِ سوختہ کی بُو آتی رہتی ہے۔ حضرتِ حق کی طرف سے جواب دیا گیا کہ تم نہیں جانتے، یہ دَولت اس دَور میں ابوبکر صدّیق کے حصّے کی ہے۔ واہ رے شانِ معرفت اور اللہ رے ذوق وشوق۔ سچ ہے معرفت کے انوار و آثار کی کچھ انتہا نہیں۔ بعض بزرگوں کا قول ہے کہ معرفت ایک پردہ نشین محبوبہ ہے۔ اپنی صورت دکھانا پسند نہیں کرتی۔ گاہ گاہ صرف جلوہ دکھایا کرتی ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ عالمِ غیب سے یکایک ایک بجلی ظاہر ہو کر چمکی

عشاق کی جانیں جل بھُن کر خاکستر ہو گئیں۔ پھر وہ برق نظر سے ایسی غائب ہوئی کہ پتہ نہ مل سکا۔ جہاں کی تھی وہیں لوٹ گئی۔ اب اس آگ کا حال ہے کہ بھڑک رہی ہے۔ اور شعلہ اس کا لپک رہا ہے۔ نہ دل و جان کے لیے کہیں آرام ہے نہ صورتِ قرار ہے نہ ٹھہرنے کی طاقت ہے نہ قرار کی قدرت ہے۔ ایک زبان ہو کر سبھوں نے یہ نالہ و فریاد شروع کی لَا مَعَكَ الْقَرَارُ وَلَا مِنْكَ الْفِرَارُ (نہ تیرے ساتھ آرام و سکون ہے اور نہ تجھے چھوڑ کر بھاگنے کی طاقت ہے) ایسے ہی موقع پر بزرگوں نے کہا ہے کہ ایک طالب کا گزر کسی صدیقِ وقت کے پاس ہوا۔ طالب نے درخواست کی کہ حضور میرے لیے بارگاہِ الٰہی میں دعائے حصولِ معرفت فرمائیے۔ اس صدیقِ مخلص نے کمالِ صدق و اخلاص سے طالب کے لیے دعا کی۔ دعا کو درجۂ قبولیت حاصل ہوا۔ اِدھر وہ طالب کہ حواس باختہ ہے۔ بدحال و خستہ خراب ہے، حیرت زدہ ہے۔ سرگرداں و پریشان ہے۔ صدیق نے جب طالب کا یہ حال مشاہدہ کیا۔ بکمالِ شفقت و ترحم مناجات کی کہ یا اللہ یہ معاملہ کیا ہے۔ حکم ہوا کہ جس وقت تو نے اس طالب کے لیے دعاء معرفت کی تھی، ہزاروں لاکھوں ساکنانِ راہ نے مجھ سے معرفت چاہی تھی۔ محض ذرا سی جھلک جمالِ معرفت کی میں نے دکھا دی۔ کوئی بے خود، کوئی سرگرداں، کوئی متحیر ہو کر رہ گیا۔ برادرِ عزیز بات یہ ہے کہ جب ساکنانِ عالمِ تقدس مَا عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ (جو تیری بندگی کا حق تھا ہم ادا نہیں کر سکے)۔ کہہ گزاریں۔ اور باشندگانِ مُلکِ عزت مَا عَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ (ہم نے تیری معرفت کا حق نہیں پہچانا)۔ کی رٹ لگائیں، تو اب کس کا جگر ہے کہ اس ولایت میں قدم رکھے۔ یہ بیان اپنی جگہ پر بالکل صحیح ہے۔ مگر دل میں اس کا یقین کامل رکھو، کیونکہ ہمت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ

مُردے پر جیسا دس من بوجھ ویسا سو من ع

بار ستم دستاں بزند ہر کہ در افتاد

(بتو عاجز ہو جاتا ہے وہ رستم سے پنجہ بازی کرتا ہے) وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ط اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت کے لیے مخصوص کرتا ہے) کی شان کو نہیں دیکھتے ہو۔ سب کام یہیں سے سنورتے ہیں۔ ہماری تمھاری اس میں نہیں ہے۔ ساحرانِ فرعون کا حال تم جانتے ہو۔ جب جادو جگانا ہوتا ہے تو پہلے اپنے کو نجس کرتے ہیں۔ تاکہ جادو تیزی سے اپنا کام کرے۔ اسی حال میں وہ لوگ تھے کہ ان کی عین حالتِ کفر و نجاست میں ایک ایسی ہوائے رحمت باغِ لطف سے چلی کہ نہ سحر رہا نہ ساحری، نہ کفر رہا، نہ کافری۔ دن کو کفر و انکار تھا تو رات کو ایمان و استغفار ہے، سبحان اللہ وبحمدہ۔ ہماری دعا ہے کہ خداوند عزوجل اپنے فضل و کرم سے سعادت کی راہ تم پر کھول دے۔ سنو بھائی، دنیائے طلب کی رسمیں نرالی ہیں۔ جب طالب کو اپنی معصیت نظر آتی ہے اور اپنے اسرار و معانی کو باطل سمجھنے لگتا ہے اور گلی کوچوں کے کتوں سے بھی اپنے کو ذلیل وخوار تصور کرنے پر مجبور ہوتا ہے اور بت خانہ، گبر و ترسا کی جاروب کشی اپنی ریشِ دراز سے کرنا دل سے پسند کرتا ہے اور ناکامی و نامرادی کے سنگ و خشت سے سر توڑنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ اس وقت کہیں طالب میں کچھ بات پیدا ہوتی ہے۔ طالب کو غلاموں کی طرح خاکساری چاہیے۔ دعووں سے پاک خودستائی سے دُور رہنا اس کا شیوہ ہے۔ ذرا غور کرنے کی بات ہے کہ اگر تم ہزار تاج خسروانہ بھی سر پر رکھ لو تو اس سے کیا ہو گا۔ چہرے پر جو گدائی اور مفلسی برس رہی ہے اور بے نوائی کا رنگ چھا رہا ہے، اس کا علاج تمھارے پاس کچھ ہے؟ کیونکہ آخر، تم خاک ہو، خاک کی یہی اصلیت ہے۔ ہاں، اگر ادھر اُدھر سے گرد اڑ کر پڑ گئی ہوتی اور رخسار پر جم جاتی تو اُس کو پانی سے دھو لینا اور حسن و جمال کا رنگ روغن دکھانا ممکن تھا۔ مگر جب رنگ ہی ایسا بے رنگ ہے تو ہزار دریا میں غوطہ کیوں نہ لگاؤ ہوتا کیا ہے۔ والسّلام

———:::———

اٹھائیسواں مکتوب

نماز کی مشغولی اور تعلیم کے بیان میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

برادرم شمس الدین، اللہ تعالیٰ تمھیں عزت عطا فرمائے۔ معلوم ہونا چاہیے کہ ایمان جب کامل ہوگیا اور توبہ درست ہوگئی تو مرید کو چاہیے کہ ہمیشہ باوضو رہے۔ ہرگز ہرگز ایک ساعت بے وضو نہ رہے۔ رات کا وقت جاڑے کا موسم سرد سے سرد پانی کیوں نہ ہو۔ اور ہر وضو کے بعد دو رکعت تحیۃ الوضو ضرور ادا کرے۔ اس کو فوت ہونے نہ دے۔ پانچوں وقت کی نماز باجماعت ادا کرے۔ ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرتا رہے۔ اس لیے کہ اَلْمُنْتَظِرُ لِلصَّلٰوۃِ کَاَنَّہٗ فِی الصَّلٰوۃِ۔ (جو کوئی نماز کا انتظار کرتا ہے وہ ایسا ہے گویا نماز ہی میں ہے) ہر نماز کے بعد وہ درود اور وظیفہ جس کو خود اس نے اپنا معمول کر لیا ہے یا جس وِرد کو اس کے پیر نے فرمایا ہے بحضورِ قلب پورا کیا کرے۔ اور سنو، جب مرید رات رہتے صبح کے قبل بیدار ہو، حوائج ضروری اور طہارتِ واجبی سے فرصت کر کے بعد وضو شکرانۂ وضو کی نماز پڑھے اور سو بار کہے: اَسْتَغْفِرُ اللہَ مِنَ الذُّنُوْبِ کُلِّھَا صَغِیْرِھَا وَکَبِیْرِھَا سِرِّھَا وَجَھْرِھَا۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ بِرَحْمَتِکَ (میں اللہ سے توبہ مانگتا ہوں، اپنے کل گناہوں سے چھوٹے اور بڑے۔ ظاہر اور چھپے ہوئے۔ اے اللہ مجھ کو اپنی رحمت سے بخش دے)۔ اور جب صبح صادق ظاہر ہو دو رکعت نماز سنتِ فجر ادا کرے۔ پہلی رکعت میں قُلْ یٰٓاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ دوسری رکعت میں سورۂ اخلاص پڑھے۔ حضرتِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی فرمایا ہے۔ سنت کے بعد یہ دعا پڑھے۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْٓ اَسْئَلُکَ رَحْمَۃً مِّنْ عِنْدِکَ تَھْدِیْ بِھَا قَلْبِیْ الخ (اے اللہ میں تجھ سے مانگتا ہوں تیری رحمت جو میرے قلب کو راستہ دکھائے)

قوت القلوب میں مسطور ہے کہ حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم اس دعا کو پابندی کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ اور ستر بار کہے اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ التَّوْبَۃَ ہ (میں توبہ مانگتا ہوں اُس اللہ سے کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ زندہ اور ہمیشہ قائم رہنے والا ہے۔ اے اللہ، میں تجھ سے توبہ کے لیے سوال کرتا ہوں)۔ اس کے بعد نماز فرض فجر بحضور قلب اور باجماعت ادا کرے۔ نماز تمام کرکے قوت القلوب میں جو دعائیں آئی ہیں ان میں مشغول ہوں۔ اسی قدر دعا کی عادت کرے جس کی پابندی ہو سکے۔ ہر وقت توبہ کرتا رہے۔ توبہ کو کسی وقت نہ بھولے جس قدر عمر لہو ولعب میں گزری ہے اُس کی مغفرت چاہتا رہے۔ اور وقتوں میں زیادہ بڑ نہ لگایا کرے۔ باتیں کم کیا کرے۔ ہاں، خدا اور رسول کے اوامر و نواہی کو البتہ کہہ سکتا ہے۔ یا مسلمانوں کی اصلاح کے لیے دعا کرسکتا ہے۔ یا ایسی بات کرے جس میں برادرانِ اسلام کا نفع ہو، یا ایسی بات ہو جس سے بے علم کو علم حاصل ہو۔ اس قسم کی باتیں ذکر کے درجہ میں ہیں۔ جہاں تک ممکن ہو قبلہ رُو بیٹھا کرے۔ اگر اس کا موقع نہ ہو کہ کسی صاحب دل کی زیارت یا پیر کی صحبت یا عالمِ ربانی کی مجالست میسر ہو سکے تو مصلّے پر بیٹھ کر اوراد وغیرہ میں مشغول رہنے سے یہ کہیں بہتر ہے۔ اگر اس قسم کی دولت نصیب نہ ہو تو مصلّے پر بیٹھ کر مسجد یا گھر میں ذکر کے ساتھ مشغول رہنا بہتر اور فاضل تر ہے۔ اور بھی سنو، جب آفتاب نکل کر تھوڑا بلند ہو جائے، دو رکعت نماز اشراق پڑھا کرے۔ کم سے کم اشراق کا یہ درجہ ہے۔ نماز صبح کے بعد جائے نماز پر اس وقت تک بیٹھنا کہ آفتاب نکل آئے اور طلوع کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا، اِن اعمال کی بہت فضیلت آئی ہے۔ اور جب آفتاب بہت زیادہ بلند ہو جائے تو نمازِ چاشت ادا کرے بہ اتباعِ سنّت جس قدر اُس نے اپنے لیے لازم کرلیا ہے۔ اور دیکھ لے کہ اس کو ہمیشہ نباہ بھی سکے گا۔ اِن کاموں کے بعد بزرگوں نے کہا ہے کہ مرید کو چاہیے کہ برادرانِ اسلام کی حاجت برآری کے لیے اُٹھے، جیسے بیمار کی عیادت یا جنازہ کی شرکت یا برّ و تقویٰ میں مدد کرنا۔ اگر اس قسم کے کسی کام کا موقع نہ ہو تو قرآن شریف کی تلاوت

کیا کرے یا نماز نفل پڑھا کرے، یا ذکر میں مشغول ہو جائے۔ اگر اس کا بھی موقع نہ ہو تو فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ (جب نماز ادا ہو جائے تو زمین پر پھیل جاؤ) پر عمل کرے۔ یعنی فکرِ معاش میں مشغول ہو جائے۔ کھانے کپڑے کا سامان مہیا کرے۔ اور اگر ان چیزوں کی بھی ضرورت نہ ہو تو وَفِي النَّوْمِ سَلَامَةٌ (سو جانے میں سلامتی ہے) پر عمل پیرا ہو۔ یعنی سو رہے۔ پھر جب نماز ظہر کا وقت آجائے تو جاگ اُٹھے۔ طہارت کرے۔ پہلے چار رکعت سنّت پڑھے، اس کے بعد فرض ادا کرے۔ پھر دو رکعت سنّت پڑھے اور جاے نماز پر دوسری نماز کے انتظار میں بیٹھا رہے۔ اگر دل فکرِ ماسوی اللہ سے فارغ ہو، خدا کا شکر بجالاتا رہے یہاں تک کہ عصر کا وقت آجائے۔ اور دل فارغ نہ ہو تو فراغ دلی کی کوشش کرے۔ کیونکہ فراغ دلی بھی عینِ ذکر ہے۔ نماز فرض مسجد میں ادا کی جائے اور نمازِ نفل گھر میں۔ کہ دین کی سلامتی اور خاطر جمعی اس میں ہے۔ خیر، جب عصر کا وقت آجائے مرید چار رکعت سنت ادا کرے۔ بعد اس کے چار رکعت فرض پڑھے۔ ذکر و فکر میں مشغول ہو۔ یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو جائے۔ عصر و مغرب کے درمیان میں دنیاوی کام نہ کرنا۔ عبادت میں مشغول رہنا ایسا ہے جیسے کوئی شخص آخر شب میں اُٹھے اور طلوع آفتاب تک عبادت کرتا رہے۔ اور مرید کو چاہیے کہ نفس کے ساتھ محاسبہ کرے اور یہ کہے کہ ایک روز عمر تیری گزری، تجھ کو کیا حاصل ہوا۔ ایسا مبارک دن گزر گیا، تجھ کو کیا ملا؟ پھر نماز مغرب کی تیاری کرے۔ پہلے تین رکعت فرض بعدہٗ دو رکعت سنّت پڑھے۔ اس کے بعد بیس رکعت صلوٰۃ اوّابین ادا کرے۔ اگر ممکن ہو تو بیسوں رکعت پڑھا کرے، ورنہ جس قدر ہو سکے مقرر کرے تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ (ان کے پہلو بستر سے لگے رہتے ہیں) کے مصداق وہی لوگ ہیں جو درمیان مغرب و عشاء یادِ حق میں رہتے ہیں۔ اور اس وقت کو زندہ رکھتے ہیں۔ اور جب عشاء کی نماز کا وقت آئے چار رکعت سنت پھر چار رکعت فرض ادا کرے۔ اور دو رکعت سنت پڑھے۔ وتر کو آخر شب کے لیے اٹھا رکھے اگر اُٹھ جانے پر قادر ہو اور جاگنے کا اعتماد ہو۔ اور سمجھتا ہو کہ نیند ضرور ٹوٹ جائے گی۔ اور اگر

خوف سونے کا ہو تو عشاء کے ساتھ ساتھ وتر پڑھ لے۔ اس طرح پر عمل درآمد جو شخص کرے گا وہ غافل نہ سمجھا جائے گا، اور خاسروں میں اس کا شمار نہ ہوگا۔ بلکہ اُس کو حاضر باش سمجھیں گے۔ بعد عشاء قرآن شریف کی ان سورتوں کو پڑھے جن کا ذکر قوت القلوب میں ہے۔ اور اگر اس کو ان سورتوں کا نام معلوم نہیں ہے، یا وہ سورتیں یاد نہیں ہیں تو ڈھائی سو مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھ لیا کرے ہزار آیت اس حساب سے ہوتی ہے۔ بعد اس کے ذکر و طہارت کے ساتھ سو رہے۔ مگر جب تک نیند کا غلبہ نہ ہو سونے کا قصد نہ کرے۔ اور رات رہتے صبح ہونے کے قبل بیدار ہو جائے۔ آخر حصہ رات کا استغفار کے لیے نہایت موزوں ہے۔ اور سب وقتوں سے رات کے افضل ہے۔ اور اگر مرید آخر شب میں نمازِ تہجد پڑھا کرے تو اور بہتر ہے۔ کیونکہ اس نماز میں معنیِ استغفار اور معنیِ تلاوتِ قرآن دونوں موجود ہیں۔ اس طرح پر جو شخص عمل کرے گا اور ثابت قدم رہے گا تو امید قوی ہے کہ برکت سے اُس کے باطن کی راہ یعنی طریقت کی راہ اس پر کھل جائے گی۔ اور مرید کو چاہیے کہ طریقت کی راہ شریعت کی موافقت میں چلے۔ اور جس شخص کو ایسا دیکھو کہ مدعیِ طریقت ہو کر شریعت کے موافق نہیں چلتا تو سمجھ لو کہ اس کو طریقت سے کچھ حاصل نہیں ہونے والا ہے۔ اس لیے اسفل السافلین میں جا گرا ہے، کہ اوپر آنا اس کا دشوار ہے۔ یہ مذہب تو ملحدوں کا ہے کہ طریقت کا قیام بغیر شریعت کے وہ جائز رکھتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ جب حقیقت منکشف ہو جاتی ہے تو شریعت کی پابندی باقی نہیں رہتی۔ ایسے اعتقاد پر خدا کی پھٹکار۔ سنو، ظاہر اگر باطن کے مطابق نہیں ہے تو یہ نفاق کی علامت ہے۔ یعنی ظاہر میں زہد و تقویٰ اور باطن میں دنیا طلبی و ریاکاری۔ اور باطن آراستہ ہو ظاہر خلافِ حکمِ شریعت ہو یہ زندیقیت کی نشانی ہے۔ اگر شریعت پر عمل ہے اور باطن طریقت سے بے بہرہ ہے ایسا شخص نقصان و تاوان میں ہے۔ اور باطن کی درستگی چاہنا بغیر عملِ ظاہر کے ہوس بے جا کرنا ہے۔ ظاہر باطن کے ساتھ اس طرح شیر و شکر ہے کہ اس کو کوئی شخص جدا نہیں کر سکتا۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ حقیقت ہے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ شریعت۔ صحتِ ایمان جس کو قائم رکھنا ہے وہ ایک جملہ کو دوسرے

جملہ سے علیحدہ کر کے مؤمن باقی نہیں رہ سکتا۔ ایسی خواہش اس کی بالکل باطل اور بے حاصل ہوگی۔
برادرِ عزیز، خلاصہ یہ ہے کہ طالب مرید کو چاہیے کہ اس میں تم ہو یا کوئی دوسرا ہو، روز بروز نیت کی درستگی اور دل کی صداقت سے راہِ طریقت کی منزلوں کو طے کرتا جائے۔ ہمت عالی رکھے سیرت اتنی پسندیدہ ہو جائے کہ مصفّا نظر آئے۔ خصلت ایسی حسین دکھائی دے کہ مجلّا معلوم ہو۔ اربابِ سعادت اور بزرگانِ دین کی صحبت سے اپنے اخلاق کو درست کرے اور اس پر یقین رکھے کہ دار و مدار اس کام کا ارادت و ریاضت پر ہے۔ ارادت کی حقیقت یہ ہے کہ تھوڑا یا بہت جو کچھ پیر کا حکم و اشارہ ہو۔ اُس کی مخالفت نہ کرے۔ اس لیے کہ پیر کے حکم کی بجا آوری برکات کا سبب ہے۔ اور ریاضت کی راہ یہ ہے کہ نفس کی مخالفت پر کمر بستہ ہو جائے۔ کیونکہ نفس امّارہ کی موافقت سے ساری آفتیں برپا ہوتی ہیں۔ اور فرائض کا جس طرح حکم دیا گیا ہے اسی طرح اس پر عمل کرے۔ اور عادت پرستی چھوڑ دے۔ عبادت کو عبادت کی طرح انجام دے۔ تعلقاتِ دنیاوی کو دل سے نکال پھینکے۔ حواسِ ظاہر و باطن کی ہر طرح حفاظت کرتا رہے۔ کھانا کم کھائے، پانی کم پیے۔ کم سویا کرے۔ یہ سب ریاضت میں داخل ہے۔ ہرگز ہرگز ابتدائے ریاضت و مشاغل میں کوئی مرید کسی مقام کا طالب نہ ہو اور اس کو نہ دیکھے کہ کشف و کرامت ہم سے کیوں سرزد نہیں ہوتی، اور فلاں فلاں مقصد میں جو مشکلات واقع ہیں وہ کیوں حل نہیں ہوتیں۔ یا یہ نہ سمجھے کہ ہم کو یہ حاصل ہوا، وہ حاصل ہوا، بلکہ ہر حال میں پیرِ مشفق کی طرف رجوع کرے، اور اپنے خیالاتِ فاسد کو کنارے کر دیا کرے۔ جب مرید سلوک میں ثابت قدم اور صاحبِ استقامت ہو جاتا ہے تو ایسے شخص سے امید ہوتی ہے کہ مقامِ وصول و تمکین تک پہنچے گا۔ قاعدے کی بات ہے کہ درخت کی پرورش جب باقاعدہ ہوتی ہے تو پھل بھی اچھا ہوتا ہے۔ اگر درخت پر آفتاب کا سایہ نہ ہو اور تربیت اس کی پوری نہ کی جائے۔ ظاہر ہے کہ درخت کی کیا حالت ہوگی۔ اسی طرح اگر مرید پر پیر کی شفقت نہ رہے اور عمل اس کا درست نہ ہو تو اس کو ریاضت کا کیا پھل ملے گا۔ بہر حال یہ باتیں قاعدہ و ضابطہ اور اصول کی تھیں۔

اب ایک ایسی بات بھی سنو جس کے سننے سے تمام ناامیدی پر پانی پھر جائے۔ وہ بات یہ ہے کہ طالب جہاں تک ہو کام کیے جائے۔ طالب کو بہت ایسی خرابی کا سامنا ہے۔ اس لیے اعضا وجوارح آلودۂ معصیت ہیں۔ خیر، ہیں تو ہوا کریں۔ اس سے تم اپنی راہ کھوٹی کیوں کرتے ہو؟ چلے چلو۔ ہے ہے! اس راز کو تم نہیں جانتے ہو۔ جوارح کی صفت اگر فسق وفجور ہے تو دل کی صفت ایمان والیقان۔ وہاں دل سے کام ہے، جوارح نظر انداز۔ وہاں دل کا اعتبار ہے جوارح بے کار، وہاں دل منظورِ نظر ہے جوارح مہجور و بے خبر۔ وہاں جو کچھ ہے دل ہے۔ جوارح کچھ نہیں۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَنْظُرُ اِلٰی صُوَرِکُمْ وَلَا اِلٰی اَعْمَالِکُمْ وَلٰکِنْ یَنْظُرُ اِلٰی قُلُوْبِکُمْ وَنِیَّاتِکُمْ (اللہ تعالیٰ تمھاری صورتیں اور تمھارے کاموں کو نہیں دیکھتا وہ تو تمھارے دلوں اور نیتوں کو دیکھتا ہے)۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ طورِ سینا یعنی کوہِ طور دنیا میں ایک ہی ہے۔ اور حضرت موسیٰ جنھوں نے اَرِنی کہہ کر لن ترانی سنی تھی جہان میں ایک ہی گزرے ہیں۔ نہیں برادر عزیز، اگر غور سے دیکھا جائے تو ہر قالب کوہِ طور کا حکم رکھتا ہے۔ اور ہر دل اپنے وقت کا موسیٰ ہے۔ اور کیسا موسیٰ، جس پر اِنِّیْ اَنَا اللّٰہُ کی ہر آن تجلّی ہوا کرتی ہے۔ وہاں کے کاروبار کو تم اپنے کارخانے سے ملاتے ہو، اس سے اس کو کیا نسبت؟ ذرا انصاف سے کہنا، اور اس بات کو دیکھنا کہ اگر لاکھوں برس طاعت وعبادت کرتے رہو، وہ بھی کس جانفشانی اور کیسی جگر گدازی سے کہ آنسو کا دریا جاری رہے، خونِ جگر آنکھوں سے ٹپکتا رہے، دردِ دل بیتاب کرتا رہے۔ مگر تم اپنی سچی طلب کے دُھن میں ایسے جان توڑ مجاہدہ کو نظر اُٹھا کر بھی نہ دیکھو اور ہیچ سمجھو۔ اس معاملہ کے بعد تمھارا ذکر اس بارگاہ میں کہیں آجائے، قبولیت کی تو بات ہی دوسری ہے، اس کا کیا ذکر؟ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ ساری طاعت وعبادت کے بارے میں اگر اتنا بھی ادھر سے کہہ دیا جائے، یہ کس کام کی ہے؟ بالکل مجھے پسند نہیں، تو سمجھ لو کہ بڑی سے بڑی دولت تمھیں مل گئی اور وہ ریاضتِ شاقّہ اب کام آگئی۔ اور وہ محنت خوب ٹھکانے لگی۔ اور بڑے سے بڑا بدلہ مل گیا۔ اس نقل سے شاید یہ عقدہ حل ہو جائے گا کہ ایک دفعہ حضرت مصطفےٰ صلی اللہ

علیہ وسلم نے حضرت ابی کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ مجھ کو حکمِ خداوندی ہوا ہے کہ تھیں قرآن شریف سناؤں، کیونکہ تمھارا پڑھنا مقبولِ بارگاہ ہو گیا ہے۔ حضرت ابی کعب یہ بشارت سن کر غایت خوشی میں بول اُٹھے۔ اَوَ ذُکِرْتُ ثَمَّ۔ کیا مجھ ناچیز کا ذکر بھی وہاں ہوتا ہی ہے

تا ظن نہ بری کہ عاشقِ روئے توام　　من خاکِ کفِ پائے سگ کوئے توام

(اس کا گمان بھی نہ کرو کہ میں تمھارا عاشق ہوں۔ ارے، میں تو تمھاری گلی کے کتے کے پاؤں کی خاک ہوں)۔ اور سنو، ایک دفعہ حضرت خواجہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ خاص رنگ میں تھے۔ کہیں اس آیتِ شریف کی آواز سمعِ مبارک تک پہنچی اِخْسَئُوْا فِیْہَا وَلَا تُکَلِّمُوْنَ (یہاں سے دُور ہو جاؤ، خاموش رہو)۔ سات لاکھ برس کی چیخ چلاہٹ کے بعد دوزخیوں پر یہ خاص جھڑکی ہو گی کہ دُور ہو جاؤ، چپ رہو۔ حضرت شبلیؒ نے سن کر اس سے خاص مزہ لیا۔ اور فرمایا۔ بڑی خوش خبری ہے ان کے لیے بلا سے اتنی طویل مدت تک عذاب سخت ہوتا رہا۔ اس معشوقِ حقیقی نے آخر اُن کو دُر دُرایا تو سہی۔ وہ فرحت بخش آواز انھوں نے اپنے کانوں سے سن تو لی۔ وہ بے واسطہ خطاب ان پر ہو تو گیا۔ حضرت شبلیؒ تے یہ تقاضائے عشق و محبت اس پر نظر نہ کی کہ کس درجہ سخت لب و لہجہ میں جھڑکی ہوئی ہے، بلکہ صرف اس کو دیکھا کہ اگرچہ سخت سے سخت کہا گیا ہے، مگر کس نے کہا ہے اور کس ادا سے کہا ہے اور کہنے والا کیسا دل ربا، اور کون جانِ جان ہے سبحان اللہ! بیت

یکے با ما سخن گوی و پس آنگاہ　　بکش گر گشت خواہی بادشاہ

(ہم سے کوئی بات کرلے۔ اس کے بعد اے بادشاہ اگر تو چاہتا ہے تو قتل کر دے)۔

مثنوی:۔ رہبرِ تو اگرچہ یار بود　　رسد آنجا کہ یادِ یار بود

وصل را چوں پدید شد حالہ　　سرد شد گفتگوے دلالہ

(اگر تیرا رہبر تیرا مددگار ہو، تو وہاں پہنچا دے گا جہاں سے دوست کی یاد شروع ہوتی ہے جب وصال کا سروسامان درست ہو گیا تو بیچ میں کٹنی کی آمد و رفت سرد پڑ گئی۔ والسلام

انتیسواں مکتوب

طہارت کے بیان میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میرے بھائی شمس الدین۔ خدائے تعالیٰ کی رضامندی طلب کرنے کی راہ میں تم مضبوطی سے قائم رہو۔ کاتب حروف یعنی اس فقیر دعاگو کی طرف سے سلام و دعا پہنچے۔ برادرِ عزیز تم اس بات کو اچھی طرح جان لو کہ دونوں جہان میں آدمی کی قدر طہارت سے ہوتی ہے۔ ہر قسم کی دولت ہر طرح کی سعادت کا زینہ یہی طہارت و پاکی ہے۔ اور آلائش و آلودگی وہ بُری شے ہے کہ پیغمبروں، اور صدیقوں کی راہ سے بہت دُور ہے۔ چنانچہ شریعت کا فتویٰ اسی پر ہے کہ بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلَی النَّظَافَۃِ (بنائے اسلام ہی پاکی پر ہے) وہ کسی قسم کی آلودگی کو قبول نہیں کرسکتا۔ اور نہ جمال اپنا کسی آلودہ روزگار کو دکھا سکتا۔ کب کی بات ہے کہ اس آیت کی قہارانہ سیاست نے جتنے جتنے آلودہ نجاست ہیں سبھوں کو حلقۂ اسلام سے باہر کر دیا ہے۔ لَا یَمَسُّہٗ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْنَ o (پاک لوگوں کے سوا اس کا چھونا منع ہے) اور خاکِ مصیبت ہمارے سروں پر ڈال دی ہے بہرکیف اس راہ کا دستور العمل یہ ہے کہ بدن کپڑا پاک صاف، کھانا پانی حلال ہونا چاہیے۔ اس کے علاوہ حواس خمسہ کا گناہ معصیت و خلافِ شرع سے پاک و مصفّا رہنا ضروری ہے پھر دل بھی اوصافِ ذمیمہ سے جیسے بخل ہے، حسد ہے، حقد، ان کے علاوہ جتنی بھی بُری صفات ہیں سبھوں سے پاک وصاف ہونا لازمی ہے۔ خیر، اجمالاً تین قسم کی طہارت ہوئی۔ تن، جامہ لقمہ جب وہ حلال ہوگیا، تو مرید نے ایک قدم دین کی راہ طے کرلی۔ (۲) حواس خمسہ جب خلافت و معصیت سے پاک ہوگئے تو مرید نے دو قدم دین کی راہ طے کرلی۔ (۳) جب دل اوصافِ ذمیمہ سے پاک ہوگیا، تو مرید نے تین قدم دین کی راہ طے کی۔ توبہ کی حقیقت یہاں پر کھلتی ہے۔ اور مرید

حقیقۃً اس مقام پر پہنچ کر تائب ہو جاتا ہے۔ اصطلاحِ تصوف میں گردش اسی کو کہتے ہیں۔ یعنی پلیدی اور آلودگی دُور ہو گئی۔ پاکی ظاہر ہوئی۔ گویا سمجھنا چاہیے کہ مرید میکدہ تھا مسجد ہو گیا۔ بتخانہ تھا صومعہ ہو گیا۔ دیو تھا آدمی ہو گیا۔ خاک تھا زرِ خالص ہو گیا۔ شب تار تھا روزِ روشن ہو گیا۔ اب مرید کا کیا کہنا ہے۔ اس مقام میں پہنچ کر مرید کے آسمانِ دل پر آفتاب ایمان طلوع ہوتا ہے، اور اسلام اپنا جمال دکھاتا ہے۔ دربارِ معرفت میں مرید کی رسائی ہوتی ہے۔ مگر بغیر ان طہارتوں کے جن کا ذکر اوپر گزرا مرید اگر قائم اللیل ہے تو ہوا کرے یا صائم الدہر ہے تو ہوا کرے، یا عابد و زاہدِ وقت ہے تو ہوا کرے۔ سارا عمل رسم و عادات، یا ماں باپ کی تقلید پر محمول ہو گا۔ اسلام یعنی ایمان حقیقی کی شان ہی کچھ اور ہے۔ یہ جو باتیں لکھی گئیں ذرا غور طلب ہیں۔ اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے اور بار بار دیکھنے کی حاجت ہے۔ کیونکہ یہاں پر ایک شبہ یہ بھی واقع ہوتا ہے۔ آخر اتنے لاکھ آدمی جو ایمان و اسلام کے مدعی ہیں اور طہارت کے درجہ سے گرے ہوئے ہیں۔ کیا یہ مسلمان نہیں ہیں؟ یا ان کو مسلمان ہی کہنا نہ چاہیئے؟ جواب۔ خبردار، کبھی زبان پر نہ لانا کہ مسلمان نہیں ہیں۔ بلکہ بحکم ظاہر شریعت سب مسلمان ہیں۔ اور اعتقاد کا مسئلہ بھی یہی ہے۔ ہاں، جہاں پر راہ کی بات کا بیان ہو گا تو صاف صاف کہنا ہی پڑے گا۔ اس عالم کے احکام ہی کچھ اور ہیں۔ کیونکہ یہ عالمِ باطن ہے۔ جس طرح علم کی دو قسمیں ہیں وہبی اور کسبی۔ اسی طرح طہارت و پاکی کی دو صورتیں ہیں۔ (۱) خود بخود دل میں ایسی بات پیدا ہو کہ جوارح اور حواسِ خمسہ طہارت سے آراستہ ہو جائے۔ اس کو فضلِ محض اور کفایت کہتے ہیں۔ خواص اس کے لیے مخصوص ہیں۔ (۲) دوسری صورت یہ ہے کہ مجاہدہ و ریاضت کے لیے جامہ و بدن کی طہارت سے شروع کرتے ہیں اور پھر دل کو انوار کی منزل تک پہنچا دیتے ہیں۔ صرف پڑھ لینے اور جان لینے سے تو کوئی بات حاصل نہیں ہوتی۔ عملِ صالح، عبادت و ریاضت کرنا ہی پڑتا ہے۔ برادرِ عزیز! تم کو لازم ہے کہ راہِ طہارت میں ثابت قدم ہو جاؤ۔ اور بقدرِ وسع و طاقت اپنے دو تین وقت تجدید وضو کی عادت کر لو۔

ایک بعد طلوعِ آفتاب، دوسرے بعد نمازِ عصر، تیسرے بعد نمازِ عشا۔ اور شبِ جمعہ کو رات بھر اس طرح جاگتے رہو کہ بعد نمازِ عشا تجدیدِ وضو کرو، پھر دوگانہ ادا کرو۔ نمازِ تسبیح پڑھ لو، پھر متواتر وضو کرو۔ دس مرتبہ یا پندرہ مرتبہ یا بیس مرتبہ۔ سبحان اللہ، اگر بیس بار ہو تو کیا بات ہے۔ نہیں تو جس قدر ممکن ہو۔ ہر وضو کے بعد دوگانہ ضروری ہے۔ جن دعاؤں کے بارے میں لکھا ہے مرید ان کو پڑھے۔ جب تھوڑی رات باقی رہے غسل کرے۔ اس کام کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھے۔ یہ عمل کوئی معمولی عمل نہیں۔ انشاءاللہ یہ عمل کروگے تو خداوند کریم طرح طرح کی پاکیوں سے تمہیں آراستہ کرے گا۔ اور ظاہر و باطن کی آلایش کو دُور کردے گا۔ ایک بات اور ہے۔ وہ یہ ہے کہ ہر حال میں سمجھتے رہو کہ حق تعالےٰ دانا بینا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا نام رقیب بھی ہے۔ جب بندہ اُس کی صفت سے واقف ہو جاتا ہے تو اس میں شرم پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ ایسا کام کرنا نہیں چاہتا جو اللہ کو ناپسند ہو۔ کیونکہ ہزار پردے میں کوئی کام کیوں نہ کیا جائے اللہ تعالےٰ سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔ ایک بزرگ سے سوال ہوا کہ اس کی دلیل اور اس کی نشانی کیا ہے کہ آپ کو معرفتِ الٰہی حاصل ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جب کبھی خراب قسم کا اندیشہ دل میں پیدا ہوتا ہے تو اندرونِ دل سے یہ آواز آتی ہے کہ تجھے خدا سے شرم نہیں آتی۔ اور بعض آسمانی کتاب میں یوں آیا ہے "اے میرے بندے تونے لباسِ حیا پہن لیا ہے۔ جتنے عیوب تجھ میں ہیں، سبھوں کو خلق اللہ سے چھپاؤں گا۔ اور جس جس مقام میں تجھ سے گناہ سرزد ہوئے ہیں وہاں کے باشندوں کے دل سے میں نے اس کو بھلا دیا۔ غرض اس سے یہ ہے کہ قیامت میں تیرے گناہوں پر گواہی نہ گزرے۔ اور لوحِ محفوظ سے بھی تیری برائیاں دھو دی گئیں۔ تاکہ حشر کے دن بہایت آسانی کے ساتھ تیرے حساب کتاب میں اختصار کروں تاکہ تجھ پر جواب دینا سہل ہو۔ نقل ہے کہ جب مومن گنہگار پلِ صراط سے گزرے گا اور پاؤں اُس کا لڑکھڑائے گا، خدائے برتر کی طرف سے ایک والا نامہ پہنچے گا۔ اس میں

لکھا ہوگا کہ جو کچھ تو نے کیا وہ کیا، اور جو کچھ تجھ سے ہوا وہ ہوا، میرے کرم نے روا نہیں رکھا کہ اس وقت ان کی پردہ دری کی جائے۔ جا جا میں نے تجھ کو اپنے فضل سے بخش دیا۔ بیت

یک نظر از دوست صد ہزار سعادت　　منتظرِ وقت ام تا کے آن نظر آید

(دوست کی ایک نظر میں ہزاروں سعادتیں بھری ہوئی ہیں۔ میں اُس وقت کا منتظر ہوں کہ وہ کب آتا ہے۔ والسلام۔

تیسواں مکتوب

طہارت کے بیان میں (بہ عبارت دیگر)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اے میرے عزیز بھائی شمس الدین۔ اللہ تعالیٰ تم کو دونوں جہان میں شرف و بزرگی بخشے۔ تمھیں معلوم ہو کہ طہارت کی دو قسمیں ہیں، ظاہری اور باطنی۔ جس طرح طہارتِ جسمانی کے بغیر نماز درست نہیں، اسی طرح طہارتِ دل کے بغیر اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل نہیں ہوتی۔ جس طرح بدنی طہارت کے لیے پاک پانی چاہیے، دل کی طہارت کے لیے پاک توحید کی ضرورت ہے۔ نہ کہ ملوث کی۔ اکل حلال، صدقِ مقال، جملہ حواس کا معصیت و خلاف سے پاک ہونا اور دل کا اوصافِ ذمیمہ بغض و حسد، حقد و کینہ وغیرہ سے پاک رہنا۔ اسی لیے بزرگوں نے کہا ہے ؎

توحید نہ کارِ آب و خاک ست　　کان در دلِ صاف جانِ پاک ست

(مقامِ توحید حاصل کرنا آب و خاک کا کام نہیں۔ اس کی جگہ تو صاف دل اور پاک جان میں ہے)۔ اس گروہ کے لوگ یعنی مشائخ کرام ہمیشہ جس طرح جامہ و تن کو ظاہری نجاست سے پاک رکھتے ہیں اسی طرح اپنے دل کو صفاتِ مذمومہ سے پاک رکھ کر توحید سے آراستہ کرتے ہیں۔ اس لیے اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَ یُحِبُّ الْمُتَطَہِّرِیْنَ ﴿اللہ توبہ کرنے والوں اور پاک رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے﴾۔ کی نعمت اُن ہی کے لیے ہے۔ اور حضرت رسالت صلی اللہ

علیہ وآلہ وصحبہ وسلم اپنی دعاؤں میں جو فرمایا کرتے تھے۔ اَللّٰھُمَّ طَھِّرْ قَلْبِیْ مِنَ النِّفَاقِ (اے اللہ میرے دل کو نفاق سے پاک کر) اشارہ اسی طہارتِ باطنی کی طرف ہے۔ کیونکہ یہ تیقن ہے کہ آپؐ کے دلِ مبارک میں نفاق کا نقشہ نہیں جم سکتا تھا، مگر وہ نظر جو کراماتِ درجات پر اپنے پڑجاتی تھی۔ مقامِ توحید میں گویا غیر کا وجود دکھتی تھی، اس دعا کا باعث یہی ہوتا تھا۔ چنانچہ مشائخ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اگر ابتدا میں کرامات کو مریدوں کی آنکھوں کا سرمہ بنایا تو منتہائے کمال میں وہی کراماتِ مکرمہ اللہ تعالےٰ سے ایک حجاب نظر آئی ہے۔ اسی مقام کی باتیں ہیں جو خواجہ بایزید قدس سرہٗ العزیز نے فرمایا۔ نِفَاقُ العَارِفِیْنَ اَفْضَلُ مِنْ اخلاص المریدین (عارفوں کا نفاق مریدوں کے اخلاص سے بہتر ہے)۔ کیونکہ مرید کے لیے جو ترقی مقام کا درجہ ہے وہ کامل کے لیے حجاب ہے۔ مرید کی ہمت کا یہ تقاضہ کہ کرامات حاصل ہونا چاہیے۔ اور کامل کی ہمت اس کی مقتضی کہ مکرم ملنا چاہیے۔ کیا خوب قرآنِ مجید نے خبر دی ہے۔ مِنْ بَیْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا (یعنی وہ دُودھ جو تمھاری غذا ہے اگرچہ نجاست اور خون کے درمیان ہے، مگر دونوں کے لوث سے ہم اُس کو بچائے رکھتے ہیں۔ گویا اس معنی کی طرف اشارہ ہے کہ وہ توحید جسے ہم پسند کرتے ہیں نہ دنیا سے ملوث ہو نہ آخرت سے۔ ہر طرح پاک وصاف لے کر ہماری درگاہ تک آؤ۔ اس وقت البتہ مقبول ہو سکتے ہو۔ جس نے کہا خوب کہا ہے ؎

این طائفہ را چنین سرشت اند نے درغمِ دوزخ وبہشت اند

(ان کو دوزخ وبہشت کی فکر نہیں ہے۔ اس گروہ کے خمیر ہی میں یہ بات ڈال دی گئی ہے)۔ اور بات بھی یہی ہے۔ مقربانِ بارگاہ کا ایک خطرہ یا غیر کی جانب ان کی ایک نظر برابر ہے۔ ساتھ اس رُوگردانی کے جو دُور رہنے والوں میں لاکھوں برس سے پیدا ہو گئی ہو۔ مثال اس کی دنیاوی بادشاہوں کے یہاں دیکھو کہ چرواہے اور دربان وغیرہ لاکھوں بیہودہ باتیں بولتے اور غیروں کی صحبت رکھتے ہیں مگر انھیں کوئی ..... برا نہیں کہتا۔ اگر

کوئی مصاحب یا ہم نشین جو مقرب بارگاہ ہے ذرا بھی اس نظر سے غیر کو دیکھے یا غیر کے ساتھ صحبت رکھے تو ساری برائیاں اس کے سر آئیں گی۔ سنو، مقامِ طہارت بغیر کثیر مجاہدہ کے مرید کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور بہترین قسم کا مجاہدہ طہارتِ ظاہر کے آداب کی نگہداشت ہے۔ ہر حال میں بقدر وسعت ثابت قدم رہنا ہے۔ اس لیے کہ ظاہر کو باطن سے خاص لگاؤ ہے۔ حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ کی ایک نقل ہے۔ آپ کہا کرتے تھے، ہم اللہ تعالیٰ سے دنیا میں عمرِ ابدی چاہتے ہیں تاکہ اہلِ بہشت نعمتِ بہشت میں مشغول رہیں اور ہم بلائے دنیا میں گرفتار رہ کر حفظِ آدابِ شریعت پر قائم رہیں۔ یہ بزرگ بغداد کی مسجدِ جامع میں گوشہ نشین ہو گئے۔ جب آپ کا وصال ہوا، ایک دن رات میں ساٹھ غسل فرمائے۔ یہاں تک کہ وفات آپ کی، غسل ہی کے وقت ہوئی۔ اور حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کی نقل ہے کہ مرض الموت میں آپ نے ساٹھ بار غسل کیے۔ یہاں تک کہ آپ کا وصال ہو گیا۔ اور خواجہ ابو یزید قدس اللہ سرہٗ العزیز کی نقل ہے آپ فرمایا کرتے تھے کہ جب دنیا کا اندیشہ ہمارے دل پر گزرتا ہے تو ہم وضو کرتے ہیں۔ اور جب اندیشہ عقبیٰ کا آتا ہے تو غسل کرتے ہیں۔ اس لیے کہ دنیا محدث ہے اس کا اندیشہ حدث کے درجے میں ہے۔ حدث کے بعد وضو کرنا واجب ہے۔ اور عقبیٰ شہوت کا محل ہے۔ وہ جنابت کا درجہ ہے اس لیے غسل واجب ہے۔ خلاصہ یہ کہ مشائخ رحمہم اللہ نے طہارتِ ظاہر و باطن کی مداومت پر تاکید فرمائی ہے اور بے حد اصرار کیا ہے۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ طہارت سب کاموں کی جڑ ہے۔ طریقت کا منشاء یہ ہے کہ دل آئینہ کی طرح مصفا اور منور ہو جائے، تاکہ اس میں عالمِ خلق اور عالمِ ارواح کا عکس نظر آنے لگے۔ اور صاحب طریقت زمرۂ عوام سے نکل کر خواص کی صفات سے آراستہ ہو۔ لیکن ہم جیسے ملوث کہ دنیا کے بندے اور عادت کے پابند اور غفلت کی راہ کے زنار دار ہیں سوائے غفلت پرستی کے کوئی کام نہیں کرتے اور آتش پرستوں کی طرح محض غافل کے شمار میں ہیں۔ مردانِ دین کی راہ نہیں چلتے اور توحید کے دعوے کرتے ہیں۔ یہ حالت

بے باکی اور نابینائی کے سبب ہے۔ ہمارا تو حال یہ ہے کہ یہود و ترسا کے کلیسا و بت خانہ کو ہم سے عار ہے۔ دوسری بات یہ سنو کہ توحید ہر موحد کی توحید کو کہتے ہیں۔ مگر ایک شخص کی توحید سے دوسرے شخص کی توحید کو اتنا فرق ہے جیسے فرش سے عرش کو۔ اس کی وضاحت یوں سمجھو کہ ایک شخص صرف اتنا جانتا ہے کہ وضو اور نماز میں اتنے فرائض ہیں۔ اس کو بھی علم کہیں گے۔ اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے علم کو بھی علم ہی کہیں گے۔ لیکن دونوں میں جو فرق ہے وہ ظاہر ہے۔ اب اگر یہ سوال پیدا ہو کہ ایسا کیوں ہوا؟ ایک شخص ایسا علامہ اور دوسرا اس قدر کم علم؟ جواب یہ ہے کہ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ (یہ خدائے تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے)۔ کسی کی مجال نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں یوں کہے کہ ایک شخص کو ایسی عزت تو نے کیوں دی؟ دوسرے کو محروم کیوں رکھا؟ جب بادشاہ دنیا کو یہ اختیار حاصل ہے کہ ایک کو وزیر ایک کو دربان اور ایک کو چرواہا بنائے تو وہ مالک دو جہان جس کو چاہے دین کی دولت عطا کرے۔ وہ چاہے تو جُلاہوں، خاک روبوں، کنجڑوں، ظالموں اور حرام خوروں کی جماعت سے کسی کو قبول کرلے۔ یہ کہنے کی کس کو طاقت، کس کو یارا کہ ایسا کیوں کیا؟ اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا۔ (کیا ہمارے درمیان ان لوگوں پر اللہ نے یہ سب احسان کیا ہے؟)۔ وہاں تو یہ رنگ ہے کہ فضیل بن عیاضؒ اگرچہ راہزن ہیں، حکم ہوتا ہے کہ اس کو لاؤ یہ میرا مقبول بندہ ہے۔ اور بلعم باعور جس نے چار سو سال تک ریاضت و مجاہدہ کیا اور سجادہ نشین رہا ہے حکم ہوا کہ اس کو دُور کرو کہ راندۂ درگاہ ہے۔ عمرؓ نے اگرچہ بت پرستی کا شیوہ اختیار کیا، مگر ہم اس کو چاہتے ہیں۔ عزازیل اگرچہ سات لاکھ برس تک عبادت کرچکا ہے ہم اس پر لعنت بھیجتے ہیں۔ وہ مردودِ بارگاہ ہے۔ اس میں کسی کو مجالِ چون و چرا نہیں۔ لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ (وہ جو کرتا ہے کسی کی مجال نہیں کہ اس کا سبب پوچھے۔ بیت

گرگ از رمہ بُرد آنچہ مرادِ دلِ او بود — گو بادیہ پیماے ہمی مرد شبان را

(بھیڑیے نے جس کو چاہا گلہ سے اُٹھا کرلے گیا۔ اب چرواہے سے کہو جنگل پھرتا رہے)۔

یہی دیکھتے اور جانتے رہو، باوجود اس کے سو گونہ بہتری کی امید رکھو۔ اگر وہ لطف کی ایک نظر ڈال دے تو میرے سب عیب ہنر ہو جائیں۔ اور سب نقصان کمال کا رنگ اختیار کر لیں۔ میری بدصورتی جمال بن کر چمک اُٹھے۔ بھائی، تم نہیں دیکھتے کہ ایک مُشتِ خاک جو ہمہ تن ذلیل و خوار اور بے حد پامال، راہ میں پڑی تھی دفعتہً اُس کی طرف لطف و کرم کی آنکھیں اٹھیں ارشاد ہوا اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً ط (میں زمین پر اپنا نائب بنانا چاہتا ہوں)۔ دیکھو، کیا سے کیا ہوا؟ جب تک اس دنیا میں درد و بلا کی کڑیاں جھیلتے رہو، غم و اندوہ کی سختیاں اُٹھایا کرو۔ یہ کوئی سرسری باتیں نہیں۔ ان میں بہتیرے اسرار پوشیدہ ہیں۔ بزرگوں نے کہا ہے اگر یہ درد، یہ بلا، یہ غم اور یہ محبت نہ ہوتی تو نعمتِ بہشتی کی کسی کو خاک بھی لذت نہ ملتی۔ دیکھو، حضرت آدم علیہ السلام جس وقت بے مشقت بہشت میں گئے انھیں کچھ لذت نہ ملی۔ جب وہ دن آئیں گے کہ تختِ فردوسی پر تم بیٹھو گے، اور راہِ طلب کا ایک ایک کانٹا اپنے پاؤں سے نکالو گے تو اس وقت تم کو اس بات کی حسرت ہوگی اور تم کہو گے کہ افسوس صد افسوس! یہی کانٹا جو میرے پاؤں میں چبھا تھا کاش میری رگِ جان میں پیوست ہو جاتا کہ ہزار گونہ لذت زیادہ حاصل ہوتی۔ کیونکہ اس راہ کے چلنے والوں کو لذت اسی وقت حاصل ہوگی جب اُن کا مقصود ان کو مل کے رہے گا۔ اُس وقت یہ بات صادق آئے گی کہ مرید مراد تک پہنچا، قطرہ دریا سے جا ملا، مُرغ آشیانہ تک پہنچ گیا۔ سب دین اُٹھ گیا۔ کام کی انتہا یہاں تک پہنچی۔ اَلْعَبْدُ وَالرَّبُّ وَالرَّبُّ وَالْعَبْدُ (بندہ اور خدا، خدا اور بندہ رہ گیا)۔ والسلام

اکتیسواں مکتوب

نیت کے بیان میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میرے بھائی شمس الدین۔ لکھنے والے کی طرف سے سلام و دعا کے بعد مطالعہ کرو۔ اس بات کا تم یقین کامل کر لو کہ مرید کے افعال، مرید کے اعمال کی قدر نیت کی درستی سے ہوتی ہے۔ نیت کا درجہ اعمال و افعال کے لیے ایسا ہے جیسے جان قالب کے واسطے ضروری ہے۔ اور نور آنکھ کی بینائی کے لیے لابدی ہے۔ جو قالب کہ بے جان ہو، یا جو آنکھ کہ بے نور ہو ظاہر ہے کہ وہ کس شمار میں ہے۔ اسی طرح اعمال و افعال مرید کے ہیں۔ اگر نیت کی درستگی ان میں نہیں ہے تو وہ رسم و عادات میں داخل ہیں۔ رسم و عادات اہلِ بصیرت کے نزدیک بے دینی کا شعبہ اور ایک قسم کی گبریت ہے۔ اسلام سے اس کو سروکار نہیں۔ تباہ و برباد ہونے کی صورت ہے۔ نجات سے اس کو کوئی تعلق نہیں۔ جانتے ہو، صدقِ نیت کی کلی کہاں سے ظاہر ہوتی ہے؟ اخلاص کی شاخ سے پھوٹتی ہے۔ جس طرح شعاع آفتاب سے اور ضَو آگ سے نمایاں ہوتی ہے۔ نیت جب دنیا کے لگاؤ سے پاک ہو جاتی ہے، تو اس گروہ کے لوگ یعنی اہلِ تصوف اس کو اخلاصِ زاہدانہ کہتے ہیں۔ اور جب آخرت کے لگاؤ سے پاک ہو جاتی ہے تو اس کو اخلاصِ عارفانہ کہتے ہیں۔ بزرگوں کا مقولہ ہے کہ جس شخص میں جتنا علم ہوگا اور جیسی اس کی معرفت ہوگی نیت کی درستگی اسی مرتبہ میں ہوگی۔ چند مثالوں سے اس کو سمجھ سکتے ہو۔ (۱) ایک شخص ہے کہ دل میں اس کے خواہشات و محبتِ دنیا غالب ہے۔ اس صورت میں جو فعل جو عمل اس سے صادر ہوگا دنیاوی ہوگا۔ کچھ نہ کچھ اس میں ضرور دنیاوی غرض پوشیدہ رہے گی۔ ہر چند نماز کیوں نہ پڑھے، روزہ کیوں نہ رکھے۔ مِنكُم مَن يُرِيدُ الدُّنْيَا (تم میں سے جو لوگ دنیا چاہتے ہیں) ایسے ہی لوگوں کے لیے کلنگ کا

ٹیکہ ہے۔ ایسی عبادت و ریاضت کا پھل خسارت و حرمان کے سوا کچھ نہیں۔ (۲) دوسرا شخص ہے کہ اُس کے دل میں چاہ اور محبت آخرت کی غالب رہے۔ اس صورت میں جو عمل جو فعل اس سے وجود میں آئے گا اُخروی ہوگا۔ درستگیِ نیت کے باعث اس کا کھانا پینا اُس کا سونا بیٹھنا بھی عبادت سے خالی نہ ہوگا۔ بہشت اس کے لیے آرام گاہ ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کَانَتْ لَھُمْ جَنّٰتُ الْفِردَوْسِ نُزُلًا (جو لوگ ایمان لائے اور اچھے اچھے کام کیے اُن کی منزل جنت الفردوس ہے)۔ اُنہی کی شان میں ہے جیسا اس مستند فرمان سے ظاہر ہے۔ (۳) پھر ایک تیسری جماعت کے لوگ ہیں جن کا نام سلطانِ ہمت ہے۔ نہ دنیا میں ان کا قدم جمتا ہے، نہ آخرت میں اُن کا سر اُلجھتا ہے۔ حضرتِ حق کے سوا مقصود و مطلوب و مقصود ہی دوسرا نہیں رکھتے۔ اُن کی یہ شان ہے کہ بیت:-

ما را بجز ایں جہان جہانے دگر ست جز دوزخ و فردوس مکانے دگر ست

(ہمارے لیے اس جہان کو چھوڑ کر ایک دوسرا ہی جہان ہے۔ دوزخ و بہشت کے سوا دوسرا ہی مکان ہے)۔ پس جو عمل اور فعل کہ ان سے وجود میں آئے گا خالصًا لوجہ اللہ ہوگا۔ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ۔ (میں تجھی کو پوجتا ہوں اور تجھی سے مدد چاہتا ہوں)۔ اصل معنی میں اسی قوم کا نماز پڑھنا درست ہے۔ اور اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ (میری نماز اور قربانیاں اور میرا مرنا اور جینا پروردگارِ عالم ہی کے لیے ہے) اسی گروہ کے لیے حقیقی معنی میں مسلم ہے۔ دیکھو قرآن شریف ان کے لیے کیا جلوہ ریزی کرتا ہے۔ وَیُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ (اور وہ اسی کا مشاہدہ چاہتے ہیں)۔ سمجھ لو کہ ان کے لیے اگر ثواب ہے تو لقائے باری تعالیٰ ہے۔ اور ان کا اجر اَنْتُمْ اَوْلِیَائِیْ حَقًّا۔ (تم ہمارے سچے دوست ہو) کے سوا دوسرا نہیں۔ ان کو جو کچھ ملتا ہے یہاں ملتا ہے۔ کیا اس کو انسان کی عقل و فہم کا پیمانہ ناپ سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ کیونکہ یہ لوگ وَاللّٰہُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ہ (اللہ جس کو جس قدر چاہتا ہے روزی دیتا ہے)۔ کا طغرائے شاہی رکھتے ہیں۔ اور یہ سند ان کے ہاتھ میں مل چکی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہر شخص اسی نیت کے ترازو میں تولا جاتا ہے اور تولا جائے گا۔ جان لو کہ نیت کا سرچشمہ اخلاص کے دریا سے ہے اور اسی سرزمین میں اس کی پیدائش ہے۔ اسی لیے اس حدیث کی جبروتیت نے کہ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَنْظُرُ اِلٰی صُوَرِکُمْ وَلَا اِلٰی اَعْمَالِکُمْ وَلٰکِنْ یَنْظُرُ اِلٰی قُلُوْبِکُمْ وَنِیَّاتِکُمْ۔ (اللہ تمھاری صورتوں اور کاموں کو نہیں دیکھتا۔ مگر تمھارے دلوں اور نیتوں کو دیکھتا ہے) دوسرے کے جگر کو کباب کر دیا ہے۔ اور اس حدیث کی ہیبت و سیاست نے وَیُحْشَرُ النَّاسُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ عَلٰی نِیَّاتِہِمْ (قیامت کے دن لوگوں کا حشر ان کی نیتوں پر ہو گا۔) صدیقوں کے خون کو پانی کر دیا ہے۔ ہم کو تم کو کوئی خبر نہیں، کل قیامت کے دن جہان والے اس قدر چیخیں ماریں گے جو کسی کے وہم میں بھی نہیں آسکتی۔ ع

فردات کند خمار کامشب مستی

(یعنی آج رات میں تو شراب کی مستی ہے، کل جب خمار ٹوٹے گا تو معلوم ہو جائے گا)۔ جب سامنے سے پردہ اُٹھ جائے گا تو ظاہر ہو جائے گا کس نے کیا رکھا ہے۔ شرک یا توحید، کفر یا اسلام۔ جیسا کہ کہا جائے۔ شعر

سَوْفَ تَرٰی اِذَا انْجَلَی الْغُبَارُ اَتَحْتَکَ فَرَسٌ اَمْ حِمَارٌ

(یعنی غبار چھٹ جانے پر بہت جلد نظر آجائے گا کہ تیری ران کے نیچے گھوڑا ہے یا گدھا)۔ مرید کو دن رات اسی کی فکر ہونی چاہیے کہ رسم و عادت کو کس طرح چھوڑے تاکہ نیت درست ہو جائے۔ اور اُس کے اعمال و افعال رسم و عادت سے اُس وقت جدا ہوں گے جب کسی شیخ کے جوتوں کی خدمت کرے گا۔ اور جو کچھ بھی کرے کسی بزرگ کے حکم سے کرے۔ یعنی ایسی صورت میں اگرچہ اُس کے کام مکر و نفاق اور عادت سے ملے ہوئے ہوں مگر چونکہ ایک بزرگ کے فرمان کے اندر ہے اس لیے اس کا انجام خلوص ہی ہو گا۔ اور یہ ایک مثال سے اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے۔ وہ اس طرح کہ جب بچہ تختی لکھتا ہے تو پہلے اچھے حروف نہیں ہوتے۔ مگر چونکہ ایک اُستاد اُس کو برابر بتاتا ہے اس لیے وہ خراب حروف لکھنے سے اچھے حروف لکھنے تک پہنچا دیتا ہے۔

اور یہ مشاہدہ ہے۔ اور اگر بُرا لکھنا نہ چاہے اور ضد کرے کہ ہم تو اُسی وقت قلم ہاتھ میں لیں گے جب ابن مقلہ کی طرح لکھنے لگیں۔ تو یہ بالکل ناممکن ہے۔ اسی طرح دین کا کام ہے خدا تک پہنچنا اور آخرت کی نیک بختی حاصل کرنا بغیر کسی فرق کے۔ اور ایسا ہی لوگوں نے کہا ہے کہ اگر کوئی کہے کہ میں عبادت نہیں کر سکتا جب تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا صدق مجھ میں نہ آجائے۔ یہ ویسا ہی ہے جیسے کوئی احمق کہے کہ میں اس وقت حرف لکھوں گا جب اپنے میں ابن مقلہ کی خطاطی کا کمال پاؤں گا۔ اگر اُس کے اعمال وافعال مکر ونفاق کی عادت نہ کریں گے تو کبھی مردوں کے کمال کے مدارج تک نہیں پہنچ سکتا۔ جس طرح سات برس کے بچے سے کہا جائے کہ نماز پڑھ اور روزہ رکھ۔ تو یہ نماز اور روزہ سوائے عادت اور باپ کے ڈر کے کچھ نہیں ہے۔ اس کے باوجود بھی اُس کو کمال حاصل ہو سکتا ہے۔ وہ یوں کہ کوئی پیر پختہ ہو جو اُس لڑکے کو ان ملے جلے عملوں سے گزار کر اخلاص کے درجے پر پہنچا دے۔ اور اگر کوئی پیر نہ ملا تو عادت جڑ پکڑ لے گی اور پُرانی ہو جائے گی جس سے بھلائی کی کوئی امید نہیں، مگر شاذ و نادر ہی۔ تم نہیں دیکھتے کہ اگر کوئی بغیر پختہ استاد کے حرف مشق کرے گا تو پچاس برس تک بھی اُس کا بُرا حرف خوبصورت نہیں ہو سکتا۔ اور ہم نے جو یہ کہا کہ کسی بزرگ کے جوتے کی خدمت کرے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ جوتوں کو سیدھا کرے۔ کیونکہ اس کو تو ابھی تک یہ بھی معلوم نہیں کہ کس طرح جوتا سیدھا کیا جاتا ہے۔ ایک عزیز صاحب دولت کا قول ہے کہ سات برس تک ایک بزرگ کو ہم دیکھا کیے اور برابر جی چاہتا رہا کہ آپ کی پاپوش کو کلیجے سے لگائیں۔ مگر میری ایک دن بھی ہمت نہ پڑی کہ حضرت کی پاپوش کو چھو بھی سکیں۔ برادر عزیز! اگر کوئی صاحبِ دل تم کو قبول کرے تو اس وقت تم البتہ سچے مرید کہے جا سکتے ہو کہ تمھاری جان اس کے عشق میں جل کر خاک ہو جائے۔ جب تم اس طرح خاکستر ہو جاؤ گے تو وہ تمھیں اکسیر بنا کر اُٹھا لے گا بھائی، یہ دین کی راہ ہے۔ کام اس کا بازی نہیں ہے، کھیل نہیں ہے، تماشا نہیں ہے۔ اسی مفہوم کے لحاظ سے کسی نے خوب کہا ہے۔ ؎

اے پسر کارِ عشق بازی نیست زان کہ این رہ رہِ مجازی نیست

(اے لڑکے عشق کوئی کھیل نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا راستہ معمولی راستہ نہیں ہے) ع

رَو بازی کن کہ عاشقی کارِ تو نیست

(جا اور کسی دوسرے کھیل میں لگ جا، کیونکہ عشق تیرا کام نہیں ہے)۔ کیا کوئی مرید تصنع سے بہلائے جا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ پیرانِ راہ رفتہ مریدوں کو خوب پہچانتے ہیں۔ کیونکہ ایک زمانے میں وہ خود بھی تو مریدی کر چکے ہیں۔ مثنوی:۔

دیبا دانیم و بردِ رازی دانیم ما عشقِ حقیقی و مجازی دانیم

(ہم دیبا پہچانتے ہیں اور رازی کی چادر جانتے ہیں۔ ہم عشقِ مجازی اور حقیقی کو خوب پہچانتے ہیں)۔ بزرگوں کا مقولہ ہے کہ مرید میں زمین کی صفت ہونا چاہیے، تاکہ پیر آسمان بن کر کبھی اُس پر پانی برسائے۔ کبھی آفتاب کی گرمی پہنچائے۔ کبھی ابر کے سایہ میں رکھے۔ کبھی اُس کے الطاف کی خوشبودار ہوا اُس پر چلتی رہے تاکہ اُس کی کھیتی پختہ ہو کر اُس کو مالدار بنا دے۔ جو خوش قسمت صاحبِ دولت یعنی اقبال مند ہے۔ اس کے لیے سب سامان مہیا ہو جاتے ہیں۔ اور اگر بدبخت مادرزاد ہے تو دنیا میں کوئی طاقت اس کو کسی مرتبہ پر نہیں پہنچا سکتی۔ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا (خدا کی روش میں تو کوئی تبدیلی نہیں پائے گا)۔ خیر، جتنی باتیں کہی گئی ہیں بغیر صحبتِ شیخ حاصل نہیں ہو سکتیں۔ اب جب ایسا ہے کہ اہلِ دل کی صحبت ہی مفقود ہے تو مریدوں کو کیا کرنا چاہیے۔ وَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ (اگر اُس کو بارش کا پانی نہ پہنچ سکے تو شبنم ہی سہی)۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ اگر دولتِ صحبت کسی صاحب دل کی میسر نہ ہو تو کم سے کم اتنا ضرور ہونا چاہیئے کہ روزانہ ایک جزو ان کی کتاب کا یا اُن کا تذکرہ یا اُن کے اقوال آدمی پڑھ لیا کرے۔ اس معنی میں کیا خوب کسی نے کہا ہے ؎

از بختِ بدم اگر فرو شد خورشید از نورِ رخت مہا چراغے گیرم

(میری بدنصیبی سے اگر سورج ڈوب چکا تو اے محبوب تیرے رُخ ہی سے میں کوئی چراغ روشن

کروں) جب یہ بات مسلم ہو گئی کہ افعال و اعمال کی قدر نیت کے اعتبار سے ہوتی ہے اور نیت کا علم نہایت پاکیزہ و لطیف ہے تو بہ قدر وسعت ہوشیار اور بیدار ہونا چاہیے اور تصحیح نیت میں پوری کوشش کرنا چاہیے۔ انشاء اللہ تعالیٰ امید ہے کہ بات حاصل ہو جائے گی۔ اور معصیت سے اپنے خالق طاعت سے اپنی شرمندہ رہنا چاہیے۔ حضرت ابو بکر وراق رحمۃ اللہ علیہ سے نقل ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ جس وقت دو رکعت نماز ہم ادا کرتے ہیں، جب سلام پھیرتے ہیں تو اپنی طاعت سے ایسے شرمگیں و خجل ہو کر واپس آتے ہیں کہ اگر کوئی دیکھے تو یہ سمجھے کہ ہم کہیں سے چوری کر کے آ رہے ہیں۔ سبحان اللہ کیا صدق طلب ہے۔ دیکھو مرید جب تک اس مقام میں نہیں پہنچتا لذت طاعت کا اُس کو مذاق صحیح حاصل نہیں ہوتا۔ ایک دفعہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک رفیق کے ساتھ کعبہ کا قصد کیا۔ عادت سفیان ثوری کی یہ تھی کہ ہمیشہ رویا کرتے تھے۔ رفیق نے کہا کہ کیا حضور خوفِ گناہ سے رویا کرتے ہیں۔ حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ نے ہاتھ بڑھا کر ایک سوکھی گھاس اُٹھالی اور کہا اس میں تو شک نہیں کہ گناہ ہمارے بے حساب ہیں۔ لیکن ہمارے نزدیک اس پر کاہ کے برابر بھی اس کا کھٹکا نہیں ہے۔ ہاں اس کا ڈر البتہ ہے کہ جس توحید کو ہم اس دربار میں لے جا رہے ہیں، یہ توحید ہے یا عینِ شرک۔ اللہ اکبر کیا شان تھی اور کس مرتبہ کے لوگ گزرے کہ دولت کا خزانہ رکھتے تھے، مگر خیال یہ تھا کہ ہم مفلس و بے نوا ہیں۔ اور ایک ہم لوگ ہیں کہ ذرّہ برابر بھی کوئی بات حاصل نہیں لیکن دماغ یہ ہے کہ ہمچنیں دیگرے نیست. من ہم شخیم ۔ والسلام

—— :: ——

بتیسواں مکتوب

نماز کے بیان میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میرے بھائی شمس الدین کو بقا اور ہمیشہ کی نیک بختی نصیب ہو جیو۔ سنو عزیزم یوں تو مرید کا طریقہ یہ رکھا گیا ہے کہ بس عمل میں دل کا تصفیہ، نفس کا تزکیہ زیادہ دیکھے اور حضورِ قلب زیادہ پائے اس کو کرتا رہے۔ اور نماز نفل ہو، یا تلاوتِ قرآن شریف ہو یا ذکر و فکر ہو، جو ہو، یہ اختیار اس کو کس وقت ہے جب پیر حاضر نہ ہو۔ اور اگر پیر موجود ہے تو خود سے کسی وظیفہ کو اختیار کرنے کا حق مرید کو حاصل نہیں۔ سنو برادر منجملہ اور اعمال و عبادات کے نماز کی بات ہی کچھ اور ہے۔ اس میں اسرار در اسرار معاملات در معاملات ہیں۔ وہ بھی کیسے کیسے جن کا بیان کرنا ناممکن، بزرگوں نے کہا ہے۔ مَنْ لَّمْ یَذُقْ لَمْ یَعْرِفْ جس نے اس مزے کو چکھا نہیں، جانا نہیں۔ روح الارواح جو ایک پر مغز اور پر لطف کتاب ہے، اس میں درج ہے کہ پانچ وقت کی نمازیں شبِ معراج کی یادگار ہیں۔ حضور مہترِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس عالمِ طہارت سے یہ تحفہ لائے ہیں جس عالم کا نام قاب قوسین ہے۔ دیکھو کیا مزے دار بات اس سے نکلتی ہے یعنی تمہاری عزت و قدر کا قد و قامت بہت چھوٹا اور کوتاہ ہے۔ اتنا بلند رتبہ کہاں سے لا سکتے ہو کہ تمہیں معراج

جسمانی نصیب ہو۔ اور یہ حشمت و دبدبہ بھی تم نہیں رکھتے کہ براق برق خرام تمہارے دروازے پر سیر ملکوت کے لیے بھیجا جائے۔ تو اب کیا صورت اس کی تھی کہ یہ امت مرحومہ اس دولتِ عظمیٰ سے مالامال ہو سکے بطفیل حضرت رحمۃ للعٰلمین نماز معراج المؤمنین ٹھہرادی گئی۔ دیکھو، تمھیں معراج کس طرح نصیب ہوتی ہے۔ پہلے تم نے طہارت کی، پاک صاف کپڑا پہنا۔ اس کے بعد خراماں خراماں مسجد آسمان رفعت میں داخل ہوئے وہاں اول اول مومنانِ ملک صفت کے ساتھ بندگانہ و عاجزانہ کھڑے ہو گئے۔ پھر اس وقت تک واپس نہ ہوئے جب تک اچھی طرح خلوت راز میں نشست کی نہ ٹھہری۔ سبحان اللہ وبحمدہ۔ اس کے علاوہ ان باتوں کو غور کرو۔ حضرت رب العزۃ جل وعلا نے اپنے لطف و کرم سے ہر نماز میں کل ارکان شرع جمع کر دیے ہیں۔ یعنی روزہ، زکوٰۃ، حج، جہاد۔ ان کے اشارات کو بھی سنو۔ نماز میں جو شخص کھڑا ہوا اُس نے روزہ بھی رکھا۔ اور روزہ پر کچھ اضافہ بھی کیا۔ جس طرح روزہ میں آدمی نہیں کھاتا پیتا ہے، نماز میں بھی نہیں کھاتا پیتا، مگر روزے میں سونے کی اجازت ہے۔ چلنے پھرنے کی اجازت ہے، اور دوسرا دوسرا کام کرنے کی اجازت ہے۔ نماز میں جو روزہ ہے اس میں ان باتوں کی اجازت نہیں۔ اس لیے یہ روزہ، روزۂ رمضان سے اور بڑھا چڑھا ہوا ہے۔ زکوٰۃ کا قاعدہ یہ ہے کہ جب دو سو درم یعنی چالیس روپیہ یا اتنے کا سونا چاندی موجود ہو تو پانچ درم سال بھر کے بعد کسی درویش کو دے دیا کریں تاکہ اس حاجت مند کی حاجت پوری ہو۔ نمازی جس وقت اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ تَوَالَدَ وَلِجَمِيْعِ الْمُؤْمِنِيْنَ (اے اللہ تو مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ اور میری نسل کو، اور سارے مسلمانوں کی بخشش فرما)۔ پڑھتا ہے تو سب کے سب کو آسودہ کرتا ہے۔ نماز میں حج کا لطف بھی ہے۔ حج میں اگر احرام و اہلال ہے تو نماز میں تحریمہ و تہلیل ہے۔ نماز میں جہاد کا انداز بھی ہے۔ دیکھو نمازی نے جب وضو کیا تو گویا اُس نے زرہ پہن لی۔ اور جماعت جب کھڑی ہوئی تو امام کی حالت سپہ سالار کی ہو گئی اور مقتدیوں کی حالت لشکر کے مثل سمجھو کہ صف باندھ کر کھڑے ہیں۔ مقامِ جنگ گویا محراب ہے۔ سب لوگ امام کی

اقتداء میں قدم جمائے ہوئے ہیں۔ اور نصرت و فتح کے طالب ہیں۔ جہاد میں جب فتح نصیب ہوتی ہے تو مالِ غنیمت تقسیم ہوتا ہے۔ اور نماز میں امام جب سلام پھیرتا ہے تو فضلِ ذوالجلال تقسیم کرتا ہے۔ یعنی اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جن مومنین مخلصین نے نماز ادا کی اُس نے زکوٰۃ بھی دی۔ اگرچہ اُس کے پاس مال نہ تھا۔ اور اُس نے حج کیا، گو اس کو استطاعت نہ تھی۔ اور اُس نے روزہ بھی رکھا اگرچہ اس کو قدرت نہ تھی۔ اور اُس نے جہاد بھی کیا گو اُس کو قوت سے سروکار نہ تھا۔ اسی سے اب سمجھو کہ نماز کیا چیز ہے؟ اور اس میں کیا کیا راز و نیاز ہیں۔ اس لیے اس کا سخت ادب درکار ہے۔ ہرگز ہرگز بے باکی یا آزادی کے ساتھ نماز کے حضور میں قدم نہ رکھنا۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبران علیہم السلام جو گوہر نبوت و عصمت ہیں۔ سمجھو کہ اسی خلوت کی آرزو میں ان کی عمر بسر ہوگئی اور نقابِ خاک ڈال کر منہ چھپا لیا، کہ نماز کی معراجِ کمال تک کسی طرح پہنچے۔ اور ہزاروں ہزار طالب ایک دوگانہ کی اس آرزو میں کہ اس کا حق کیونکر ادا ہو سرزمینِ گور تک پہنچ گئے۔ بیت

ہفدہ رکعت نماز از دل و جان ملک ہژدہ ہزار عالم دان

(سترہ رکعتیں دل اور جان سے اگر ادا کی جائیں تو اُس کو اٹھارہ ہزار عالم کی ملکیت سمجھو)۔ بزرگوں کا مقولہ ہے کہ جب مرید کی نماز و نیاز میں اجتماع ہو جاتا ہے۔ اس وقت مرید حالتِ تفرقہ سے بہ راہبریِ نورِ نماز مقامِ جمع میں پہنچتا ہے۔ اب اُس کی حالت کیا ہوتی ہے کہ بدن اس کا بمقابلۂ کعبہ اور دل برابر عرشِ اعلیٰ اور لطیفۂ سر اس کا مشاہدۂ رب العزۃ میں غرق ہوتا ہے۔ صاحب شرح تعرف نے جن لوگوں کو نماز میں حضورِ قلب نصیب ہے اُن کی اس طرح تعریف کی ہے۔ خَرَقَتِ الْحُجُبَ اَنْوَارُهُمْ وَجَالَتْ حَوْلَ الْعَرْشِ اَسْرَارُهُمْ وَجَلَّتْ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ اَقْدَارُهُمْ (ان کے انوار نے پردوں کو پھاڑ دیا۔ اور اُن کے اسرار نے عرش کی جولانی کی اور اُن کی قدر صاحبِ عرش کے نزدیک روشن ہوگئی)۔ جس وقت مرید صادق کا نورِ ایمان غلباتِ شوق کے باعث عرش کے گرداگرد جولانی کرتا ہے

اس قدر اُس کی عزت و رفعت بلند ہوتی ہے کہ جو جو مقام وصول و قدس منکشف ہے با وجود اس کے کہ وہ ملکی طہارت بھی رکھتی ہے اس مقام برتر تک نہیں پہنچ سکتی ہے۔ ہائے ہائے!
کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ وَفِیْ جَوْفِہٖ اَزِیْزٌ کَاَزِیْزِ الْمِرْجَلِ
(آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت نماز پڑھتے تھے تو آپ کے قلب سے دیگ کے جوش مارنے کی آواز آتی تھی)۔ جس وقت آپ نماز میں ہوتے تو قلبِ مبارک سے ایسی آواز آتی کہ جس طرح دیگ کھولتی ہے۔ سبحان اللہ! کیوں نہ ہو، جس وقت آپ اس شان سے کمرِ عبودیت کو مضبوط کر کے نماز کا تحریمہ باندھتے جسمِ مبارک دل کے محل میں دل منزلِ روح کے مقام میں، روحِ پُر فتوح سِر کی منزل میں پہنچتی اور شانِ عظمت و جلال ذوالجلال کشف ہوتی ہے تو گویا حقیقت کی رُو سے جوارح نورانی مقامِ فَتَدَلّٰی میں اور روحِ پاک مقامِ قَابَ قَوْسَیْن میں۔ اور سرِ حقیقت آشنا مقامِ اَوْ اَدْنٰی میں ہوتا۔ آپ جو کچھ معراج میں دیکھ سُن چکے تھے ان سب باتوں کا نماز سے وقت سِر کو مشاہدہ ہوتا۔ کلامِ بے واسطہ آپؐ سنتے، اور غیب کے صیغۂ راز پر مطلع ہوتے۔ انھیں ذوقیات کا یہ اثر تھا کہ جب جب آتشِ شوق کا شعلہ دلِ مبارک میں بھڑکتا، اور آپ کا سِر طالبِ وصال ہوتا تو آپ نالۂ پُر درد سے کام لے کر فرماتے یَا بِلَالُ اِرْحْنَا بِالصَّلٰوۃِ (اے بلال، نماز سے مجھ کو راحت پہنچاؤ)۔ "اے بلال، دل میرا جل رہا ہے، جلد اذان دو اور نماز کا سامان کرو کہ اس کو راحت ملے۔"
کیوں نہ ہو برادرِ عزیز، جانتے ہو نماز میں عاشقوں کا قبلہ کون ہے؟ سنو، عاشقوں کا قبلہ جمالِ باکمالِ دوست کے سوا کچھ نہیں۔ نہ حُجرہ، نہ کعبہ، نہ عرش۔ اس عالمِ مجازی میں تم کو ایک عشقِ حقیقی کی مثال دیتے ہیں۔ اس سے تمھاری سمجھ میں بات جلد آجائے گی۔ حضرت خواجہ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ جو اپنے وقت کے سلطان المشائخ تھے اُن کو اپنے پیر سے کامل عشق تھا۔ جب قبض کی حالت آپ کو پیدا ہوتی اور آپ اپنے پیر کے مزارِ پُرانوار پر حاضر ہوتے فوراً بسط حاصل ہو جاتا۔ اسی حالتِ قبض میں ایک دفعہ آپ اس قبر پر

حاضر ہوئے۔ کشفِ اسرار سے مکیف ہو کر بہ حالت لبسط فرمانے لگے۔ بیت

قبلۂ ماروے دوست، قبلۂ ہرکس حرم مایۂ شادی است، این معدنِ جود و کرم

(یہ بخشش و کرم کا خزانہ ساری خوشیوں کا سرمایہ ہے۔ سب لوگوں کا سجدہ گاہ تو خانۂ کعبہ ہے مگر میرا قبلہ دوست کا چہرہ ہے)۔ سچ ہے جس کا قبلہ معشوق کا روے منور ہو وہ ہر وقت نماز کے مزے میں ہے۔ وَفِي صَلٰوتِهِمْ دَائِمُوْنَ ۝ (وہ لوگ ہمیشہ نماز میں ہیں)۔ آتشِ اشتیاق بھڑک اٹھی۔ جمالِ محبوب سامنے آگیا۔ بے رکوع اور بے سجود نماز کے مزے لینے لگے۔ یہ لوگ عشق میں مذہب کو نہیں دیکھتے۔ سب عاشقوں کو برابر سمجھتے ہیں۔ نہ کسی فرقے کو اس دائرے سے الگ کرتے ہیں اور نہ کسی گروہ کو اس کا حق دار سمجھتے ہیں۔ یہ دولت جن کو میسر ہو جائے۔ رباعی

در عشق نماز بے رکوع است و سجود یکسان ہست در و مومن و ترسا و جہود

چون قبلہ بجز جمالِ معشوق نبود عشق آمد و محو کرد ہر قبلہ کہ بود

(عشق کی نماز بغیر رکوع و سجدے کے ہوتی ہے۔ یہاں مومن و کافر یہودی و ترسا سب برابر ہیں) سوائے معشوق کے رُخ کے جب یہاں کوئی سجدہ گاہ نہیں ہے۔ عشق کے آتے ہی جتنے کعبے تھے سب مٹا دیے گئے۔ ایک عزیز کا قول ہے کہ وجود صخرہ و کعبہ سے پہلے محبانِ ازلی کا قبلہ بارگاہِ حضرتِ لم یزل تھا۔ اور جو لوگ احاطۂ قدس کے رہنے والے تھے اور فضائے اُنس کے باشندے تھے، ان مشتاقوں کا قبلہ بھی وہی تھا، جو حیّ و قیوم لایزل ہے۔ اس فنا کی جگہ اور رنج و غم کے محل میں صخرہ و کعبہ کو جو قبلہ بنایا گیا صرف تسکین و تسلّی کے لیے، تاکہ طالبان و سالکانِ راہ کے دل مطمئن رہیں۔ برادرِ عزیز جانتے ہو سالکِ راہ کو کون سی چیز نماز کی طرف لاتی ہے۔ یا کون سی شے مناجات کی راہ اس پر کھولتی ہے حالت یہ ہوتی ہے کہ پہلے اُس کے دل ہی کو اپنی طرف کھینچ لیا جاتا ہے۔ بعدہٗ بے نیازی کی شان دکھادی جاتی ہے۔ پھر کیا ہے۔ بدن تو نماز میں مشغول، دل میں سوز و گداز پیدا، جان مشغولِ راز و نیاز ہوتی ہے۔ حال اس کا اوہامِ بشری سے بعید اور قدم اس کا لبساطِ قرب سے

قریب ہوتا ہے۔ اس حال میں اس کو غیر کے ساتھ ملتفت ہونے کی پرواکب ہے۔ اسی معنی کی طرف حضرت خواجۂ عالم صلّی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا ہے۔ لَوْ عَلِمَ الْمُصَلِّیْ مَعَ مَنْ یُّنَاجِیْ مَا الْتَفَتَ ۔ (اگر نماز پڑھنے والا یہ جان لے کہ کس کی بارگاہ میں مناجات کر رہا ہے تو ہرگز کسی کی طرف متوجہ نہ ہوگا)۔ اس قسم کا نماز پڑھنے والا ایسی نماز پڑھتا ہے کہ نماز پڑھنے کے وقت فانی الصفت ہو جاتا ہے۔ اور فانی الصفت کو غیر کے ساتھ التفات ناممکن۔ دیکھو حضرت امیرالمؤمنین علی رضی اللہ عنہ ایک دفعہ نماز میں مشغول تھے۔ تیر آپ کی ران سے کھینچ لیا گیا، آپ کو مطلق خبر نہ ہوئی۔ اس کا سبب یہ تھا کہ مشاہدۂ محبوب میں ایسا استغراق حاصل تھا کہ اپنے اوصاف سے فانی تھے۔ فانی الصفت کو جراحت کی تکلیف کب ہو سکتی ہے۔ عقوبت و تکلیف کا دوزخ بھی اگر ایسے شخص پر رکھ دیا جائے تو اُس کو خبر نہ ہوگی اور تمام بہشت کی نعمتیں ایک لقمہ بنا کر اُس کے منہ میں ڈال دی جائیں تو بھی اُس کو خاک لذت نہ ملے گی۔ برادرِ عزیز اب تک دروازۂ کرم بند نہیں ہوا ہے۔ دوڑو اور جلد اپنی خبر لو۔ برادرِ عزیز البشریت کا جامہ وہ جامہ ہے کہ دھبّے سے کبھی پاک و صاف نہیں رہ سکتا۔ اس لیے وہ کیا اور اس کی طلب کیا مگر اس فیاض کا کرم ہی ایسا ہے کہ نہ خواجہ کو چھوڑتا ہے نہ غلام کو۔ نہ تونگر کو نہ درویش کو۔ دیکھو، جس وقت آفتاب اپنے بُرج سے طلوع ہوتا ہے، اگر تمام اہلِ عالم ایک دل ہو کر اور کمرِ ہمت باندھ کر اس بات پر اڑ جائیں کہ آج آفتاب سے کچھ نہ کچھ نور بزور لیں گے تو ممکن نہیں کہ ذرہ برابر بھی نور لے سکیں۔ مگر جس وقت وہ براہِ کرم خود سے روشنی پھیلاتا ہے تو جیسی چمک دمک اُس کی بادشاہوں کے کوشک اور محل سرا میں ہوتی ہے بعینہٖ وہی بات فقیروں کے کلبہ میں اور درویشوں کے زاویہ میں پائی جاتی ہے۔ قطع نظر اس کے خاک و آب کو دیکھو، اور اس دولت کو دیکھو یُحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ (وہ اُن کو دوست رکھتا ہے اور وہ لوگ اس کو دوست رکھتے ہیں)۔ پھر اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ (جو لوگ ایمان لائے اللہ ان کو دوست رکھتا ہے) کو دیکھو۔ پھر وَسَقٰھُمْ رَبُّھُمْ شَرَابًا طَھُوْرًا (اور ان کے پروردگار نے اُن کو شرابِ طہور

پلائی۔) کو دیکھو کسی فرشتۂ مقرب کو یہ بزرگی اور یہ خلعت جو تم کو میسر ہے ہرگز نصیب نہیں ہے۔
اس میں شک نہیں کہ فرشتگان مقرب ہیں، معصوم ہیں، پاک ہیں، مقدس ہیں، مسبح ہیں، روحانی ہیں۔ لیکن بھائی میرے آب و گل کی بات ہی دوسری ہے۔ ایک بزرگ کا قول ہے کہ قضا و قدر نے اس مشتِ خاک کے ہاتھ میں ایسی مستحکم کمان دیدی ہے کہ جبریل و میکائیل علیہما السلام بھی اس کو کھینچ نہیں سکتے۔ بیت

حقا کہ بزہ نیاوردے کرد ترکِ فلک اے پسر کمانم

(خدا کی قسم آسمان میری کمان کو نہیں جھکا سکتا) سچ ہے کہ جہاں انسانی آفتاب کی روشنی پڑگئی سب چراغ چھپ گئے، کسی کی مجال نہیں کہ اپنی فوقیت دکھا سکے۔ اور اپنی شان ظاہر کرے۔ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا الآیۃ۔ (جب بادشاہ کسی گاؤں میں داخل ہوتے ہیں تو اُس کو خراب کر ڈالتے ہیں۔ والسّلام

تینتیسواں مکتوب

روزہ کے بیان میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برادرم شمس الدین سلمہٗ اللہ تعالےٰ۔ تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ جو لوگ محقق ہیں جن کے قول و فعل میں صدق و اخلاص ہے، وہ کہتے ہیں کہ جس طرح قوتِ جسمانی کھانے پینے پر موقوف ہے اسی طرح روحانی طاقت بھوکے پیاسے رہنے سے پیدا ہوتی ہے۔ اَلْجُوْعُ طَعَامُ اللّٰهِ فِیْ اَرْضِهٖ (بھوک خدا کی زمین میں خدائی غذا ہے)۔ پھر فرماتے ہیں کہ روزہ دار میں معبود جلّ ذکرہٗ کی ایک صفت خاص پائی جاتی ہے وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ (حق سبحانہ تعالیٰ کھلاتا ہے مگر خود نہیں کھاتا)۔ روزہ دار کا اس صفتِ باری تعالیٰ کے ساتھ موصوف ہونا کیا معمولی بات ہے؟ اہل دانش و بینش کا اس پر اتفاق ہے کہ سچے روزہ دار کو یقینی مقام تقرب حاصل ہوتا ہے۔

اور بشریت کی کڑی منزل کے سخت مرحلوں سے وہ نکل آتا ہے۔ گویا روزہ دار اس حکم کے تحت میں آجاتا ہے کہ تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ (اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے متخلّق ہو جاؤ)۔ یعنی خود نہ کھانا دوسروں کو کھلانا۔ اس عمل سے اس میں محبوب قدیم کی وہ صفت خاص پیدا ہوتی ہے جس کا ذکر ہوا۔ اور صفاتِ بشریت سے وہ کنارہ اختیار کرتا ہے۔ پھر کچھ نہ پوچھو دو قسم کی دولت اور دو طرح کی نعمت اُس کو ملتی ہے۔ حضرت خواجۂ دنیا و آخرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلّم کا فتویٰ ہے لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ الخ (روزہ دار کے لیے دو خوشیاں ہیں ایک افطار کے وقت اور ایک خدا کے دیدار کے وقت) روزہ دار کے لیے دو قسم کی فرحت رکھی گئی ہے۔ ایک فرحت تو اُس کو روزہ کھولنے کے وقت حاصل ہوتی ہے۔ اور دوسری فرحت اُس وقت حاصل ہوتی ہے جس وقت وہ جمالِ باکمال اپنے خداوند اپنے رب اپنے مالک کا دیکھتا ہے۔ اس عالم میں دل کی آنکھ سے لقا ہوتی ہے اور آخرت میں اس چشمِ سر سے روزہ دار دیکھے گا۔ جو دیکھنے کا حق ہے۔ روزہ کھولنے کے وقت روزہ دارِ حقیقی کو کیوں فرحت ہوتی ہے؟ اس کا سبب یہ ہے کہ اس قالبِ انسانی کی ترکیب مختلف عنصر سے ہے۔ غلباتِ شوق میں طالب کی یہ حالت ہوتی ہے کہ نفسِ مطمئنّہ کے گھوڑے پر سوار بے آب و دانہ جا رہا ہے۔ نہ خود کھاتا ہے، نہ مرکب کو کھانے دیتا ہے، کیونکہ دیدار کی طلب ہے اور اس طلب میں شرط گرسنگی ہے۔ صُوْمُوْا لِرُؤْیَتِہٖ (اُس کے دیدار کے لیے روزہ رکھو) جانے کی منزل دُور ہے وَاَنَّ اِلٰی رَبِّکَ الْمُنْتَھٰی (منزل کی انتہا تیرے پروردگار تک ہے)۔ مرکب نے جب ایک منزل طے کی دن تمام ہوا۔ نمازِ شام کا وقت آپہنچا۔ بھوکا پیاسا چلتے چلتے گھوڑا تھک گیا روزہ دار نے جو افطار کیا گویا اس کو بھی دانہ پانی ملا۔ راکب مرکب دونوں کی جان میں جان آگئی۔ سامانِ طاقت و قوت سے اتنی مسرت ایسی خوشی سوار کے دل میں پیدا ہوئی کہ بمقابلہ اس کے تمام شادیاں رنج و غم کے برابر ہیں۔ کیونکہ یہ قوت

وطاقت بہترین مقصد اور مبارک راہ میں خرچ ہوگی۔ رہی دوسری فرحت، ہمارا خیال تو یہ ہے کہ شاید ہی اس کو کوئی بیان کرسکے، اس لیے یہ فرحت ذوقی ہے۔ مَنْ لَمْ يَذُقْ لَمْ يَعْرِفْ (جس نے نہیں چکھا نہیں جانا)۔ اس کی شان ہے۔ دیکھو ستر ہزار پردوں کے بعد آفتاب دیدار ہے۔ اس پر پردے دو قسم کے ہیں۔ نور اور ظلمت کے ان میں سے ایک پردہ بھی اگر ہٹتا ہے تو برقِ جمال دیکھنے والے کی بصارت کو جلادیتی ہے۔ اِنَّ لِلّٰهِ سَبْعِيْنَ اَلْفَ حِجَابًا مِنْ نُوْرٍ لَوْ كُشِفَتْ اِحْدٰى لَهُنَّ لَاَحْرَقَتْ سُبُحَاتُ وَجْهِهٖ مَا اَدْرَكَهٗ بَصَرُهٗ۔ (اللہ کے لیے ستر ہزار ...... نور کے پردے ہیں۔ اگر ایک بھی کھلا تو جلادے گی اُس کے چہرے کی کرن۔ اس کو کوئی آنکھ نہیں دیکھ سکتی)۔ باوجود ہزاروں حجاب کے صرف ایک پردہ ہٹنے سے جب سوز کا یہ رنگ ہے تو کوئی سوختہ جان کیا بیان کرسکتا ہے۔ اس جملہ کے یہی معنی ہیں کہ "عیاں راچہ بیاں" نقل ہے کہ ایک شیخ طریقت نے اپنے واقعات میں لکھا ہے کہ حضرت خواجہ معروف کرخی قدس اللہ سرہُ العزیز کو دیکھا کہ عرش کے نیچے غایتِ سُکر میں نعرہ لگا رہے ہیں۔ حضرتِ عزت سے ملائکہ کو خطاب ہوا کہ مَنْ هٰذَا یہ کون ہے وَهُوَ اَعْلَمُ حالانکہ وہ خوب جانتا ہے۔ فَقَالُوْا يَا اِلٰهَنَا هٰذَا عَبْدُكَ مَعْرُوْفٌ (کرخی) فرشتوں نے کہا اے میرے اللہ یہ تیرا بندہ معروف ہے۔ فَقَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ عَبْدِيْ مَعْرُوْفٌ قَدْ سَكِرَ مِنْ شَرَابِ مَحَبَّتِيْ لَا يُفِيْقُ اِلَّا بِرُؤْيَتِيْ۔ خدائے عزوجل نے فرمایا میرا بندہ معروف کرخی میری شراب محبت میں مست ہے۔ اس کو افاقہ اور سکون بغیر میرے دیدار کے نہیں ہوسکتا۔ تو معلوم ہوا کہ اس کا دیکھنا کتنا مشکل ہے اور کیسی بڑی دولت ہے۔ اور کس درجہ نفس کشی کی ضرورت ہے۔ صاحب شریعت علیہ السلام نے اسی معنی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جَوِّعُوْا بُطُوْنَكُمْ وَاَظْمِئُوْا اَكْبَادَكُمْ وَاَعْرُوْا اَجْسَادَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَرَوْنَ رَبَّكُمْ عَيَانًا۔ شکم گرسنہ، جگر تشنہ، بدن برہنہ

دیکھو تو امید ہے کہ اپنے پروردگار کو کھلم کھلا دیکھو گے۔ یعنی اس عالم میں دل کی آنکھ سے ایسا دیکھو گے کہ شاید و باید۔ مثلاً جس کو اس عالم میں لقا ہوئی وہ پہنچ گیا، اور جو پہنچا اپنا آشنا سا ہو گیا۔ فنا کے مقام سے گزر کر بقا کے مقام سے بھی گزر گیا۔ یہاں تک کہ انوارِ رخسارۂ محبوب نے برقِ طور کا کام کیا، اور جلا کر اُس کو خاکستر بنا دیا۔ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ (حق پہنچ گیا اور باطل رخصت ہو گیا)۔ کی شان نمایاں ہوتی ہے۔ جس وقت عارفِ سالک اس مقام پر آتا ہے، اُس وقت کسی عبادت کی اس کی طرف نسبت کرنا ضَالٌّ مِّنَ الضَّلَالِ (گمراہوں میں سے ایک گمراہ ہے) کے دائرے میں آتا ہے۔ اور جو شخص اس حال میں اس طرف کچھ اشارہ کرے اَعْمٰی مِنَ الْعُمْیَاءِ (اندھوں میں سے ایک اندھا کہا جائے گا۔ کسی عزیز نے کیا خوب کہا ہے ؎

بس مجتے کہ راز مطلق گفت ۔۔۔ راست جنید کو انا الحق گفت

(اُس محب نے رازِ مطلق ظاہر کر دیا۔ جس نے انا الحق کہا سچ ہے) آمدم بر سر مطلب برادرِ عزیز! روزہ کا کیا کہنا ہے۔ کشف المحجوب میں بھی حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ روزہ جوارح کے لیے بلا ہے اور دل کے لیے صفا ہے اور جان کے لیے ولا ہے۔ اور سر کے لیے بقا ہے۔ اتنے بہترین سامان مہیا ہوں کہ دل کو صفا، جان کو ولا سر کو بقا حاصل ہو۔ ایسی صورت میں اگر جسم مبتلائے بلا رہے تو کیا مضائقہ ہے اور کیا نقصان ہے۔ اسی معنی کی طرف حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا ہے حَاکِیًا عَنِ اللّٰہِ تَعَالٰی کُلُّ عَمَلِ ابْنِ اٰدَمَ یُضَاعَفُ اِلٰی سَبْعِیْنَ اِلَّا الصَّوْمُ فَاِنَّہٗ لِیْ وَ اَنَا اَجْزِیْ بِہٖ جو عمل کہ انسان کرتا ہے اُس کا اجر دوگنا ملے گا یہاں تک کہ ایک کا ستر تک اضافہ ہو گا۔ مگر روزہ ایسا عمل ہے کہ خاص میرے لیے ہے اور اس کی جزا خاص میں دوں گا۔ اور اس کی جزا میں خود ہوں گا۔ دیکھو اس کی بلاغت کو اِلَّا الصَّوْمُ فَاِنَّہٗ لِیْ وَ اَنَا اَجْزِیْ بِہٖ۔ یعنی اَلصَّائِمُ لِیْ۔ اہلِ عرب کا قاعدہ ہے کہ صفت کا ذکر کرتے ہیں، مگر مراد ان کی اس سے موصوف ہوتا ہے۔ یہاں پر دو بات وجد کرنے کے قابل ہے۔ ذرا بارگاہ عزت پر نظر کرو اور انسان

ذرۂ بے مقدار کو دیکھو۔ اگر یہ کہا جاتا کہ تیری حقیقت کیا ہے، تُو تو میرے دَر کا کتا ہے تو یقین جانو، یہ ایسی نوازش ہوتی کہ دولت رکھنے کی جگہ نہ ملتی۔ چہ جائے کہ بادشاہِ عالم جلّ جلالہٗ وجلّ شانہٗ، روزہ دار کی شان میں یہ فرمائے کہ تو میرے لیے ہے اور تیری جزا میری لقا و رویت ہے۔ جس طرح مقتولانِ محبت کے لیے کہا گیا ہے۔ مَنْ قَتَلَتْہُ مَحَبَّتِیْ فَدِیَتُہٗ رُؤْیَتِیْ۔ (شہیدانِ محبت کا خون بہا میری رویت ہے)۔ سبحان اللہ! برادرِ عزیز! روزہ سے دل میں ایسی صفائی حاصل ہوتی ہے کہ چارپایوں، درندوں کی خصلت و نجاست انسان سے دُور ہوتی ہے۔ اور لطیفۂ سِرّ سے اس قسم کی ظلمتیں نکل جاتی ہیں۔ ایسی حالت میں روزہ کو کوئی معمولی چیز نہ سمجھنا چاہیئے۔ روزہ اور گرسنگی میں عجب عجب کمالات ہیں۔ طبقاتِ صوفیہ میں جذبات معروف و مشہور ہیں۔ یہ لوگ جب چاہتے ہیں کہ کلامِ خداوند جل وعلا دل ہی دل میں سنیں تو چالیس روز بھوکے رہتے ہیں۔ تیس دن کے بعد مسواک بقصدِ افطار کرتے ہیں۔ اس کے بعد دس روز اور بے آب ودانہ رہتے ہیں۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ لامحالہ خداوند عزوجل ان کے دل کی خلوت میں باتیں کرتا ہے۔ اس کی ایک زبردست اصل ہے۔ انبیاء کے لیے جو چیز بہ اظہار روا ہے، اولیاء کے لیے بہ اسرار جائز ہے۔ دیکھو ایک بزرگ کے قول سے اور بھی گرسنگی وفاقہ کی فضیلت نکلتی ہے۔ فرماتے ہیں کہ مِنْ حُکْمِ الْمُرِیْدِ اَنْ یَکُوْنَ لَہٗ ثَلٰثَۃُ اَشْیَاءَ نَوْمُہٗ غَلَبَۃٌ وَکَلَامُہٗ ضَرُوْرَۃٌ وَاَکْلُہٗ فَاقَۃٌ (مرید میں تین صفت لازمی ہے۔ جب تک نیند کا غلبہ نہ ہو نہ سوئے، جب تک ضرورت نہ ہو بات نہ کہے جب تک فاقہ نہ ہو کھانا نہ کھائے)۔ اب رہی یہ بات کہ فاقہ کس کو کہتے ہیں۔ فاقہ بعضوں کے نزدیک دو رات دن، بعضوں کے نزدیک تین رات دن، بعضوں کے نزدیک ایک ہفتہ بعضوں کے نزدیک چالیس روز ہے۔ برادرِ عزیز کہیں ایسا خیال تمہارا نہ ہو کہ لاکھوں کروڑوں آدمی جب روزہ رکھیں گے تو اللہ تعالیٰ کی نعمت بچ جائے گی۔ اور اس میں کمی نہ آئے گی۔ اَلْعَظَمَۃُ لِلّٰہِ۔ تم روزہ رکھو نہ رکھو درِ کرم ہر وقت کشادہ ہے۔ دسترخوانِ نعمت

ہر گھڑی بچھا ہوا ہے۔ چاہے تم کھاؤ یا نہ کھاؤ۔ تمھارے نہ کھانے کا یہ فائدہ البتہ ہے کہ جس وقت تم کھا لیتے ہو تو خودی کا غلبہ خود تمھارا وجود تمھارے سامنے پیش کرتا ہے۔ جب تمھاری نظر اپنے اوپر ہوئی تو محبوب حقیقی سے لامحالہ حجاب واقع ہوا۔ اور حضوری غائب ہوئی۔ اب تمہیں بتاؤ کہ نہ کھا کر حضوری حاصل کرنا بہتر ہے یا کھا پی کر غفلت وحجاب میں پڑا رہنا افضل ہے۔ بہرحال مردانگی کی تعریف تو یہ ہے کہ اس محقق کے قول پر عمل کرو۔ خواجہ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اَلدُّنْیَا یَوْمٌ وَّلَنَا فِیْھَا صَوْمٌ۔ دنیا درحقیقت ایک دن سے زیادہ نہیں۔ اور ایک دن کا روزہ کیا دشوار ہے۔ اور ایک دوسرے بزرگ نے فرمایا۔ صُمْ عَنِ الدُّنْیَا وَجْعَلْ فِطْرَتَكَ الْمَوْتَ (دنیا سے روزہ رکھ اور موت سے افطار کر)۔ بھائی کچھ سمجھتے ہو کہ یہ سارا حکم انسان ہی کو کیوں ہوا؟ اس کا سبب ہم سے سنو، لبشر تمام مخلوقات کا خلاصہ ہے۔ اور اسرار کا منبع ومرچشمہ ہے۔ کاروبار اس کے کوئی معمولی نہیں۔ آسمان وزمین وعرش وکرسی، بہشت ودوزخ سب اسی کے طفیل سے وجود میں آئے۔ مقصود صرف اس کی آفرینش تھی۔ ورنہ نہ ہوتے۔ باوجود اس کے پھر یہ رنگ کیوں اختیار کیا گیا۔ سنو، فِعْلُ الْحَکِیْمِ لَا یَخْلُوْا عَنِ الْحِکْمَۃِ۔ (حکیم کا کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا) ازل ہی میں یہ حکم جاری ہو گیا، کہ ان منزلوں میں تمھارا گزر ہوگا۔ اور ان جگھوں پر تمھاری نظر پڑے گی۔ ہر مقام میں ضیافت کا سامان مہیا رہے گا۔ تاکہ میرے دوست جب وہاں پہنچیں تو اپنے حظ ونصیب سے برخوردار ہوں۔ اس عالم میں گویا تم سے کہا جا رہا ہے کہ میری اس عنایت ازلی ولطف سابق پر نظر کرو جو ہر چیز کی تخلیق کے قبل تمھارے ساتھ ہو چکی ہے خطاب ہوتا ہے کہ اے انسانو، تم مجملاً تو آب وگل ہو، مگر تفصیلاً مخزن اسرار ہو۔ بظاہر تو خاک گندہ نظر آتے ہو۔ مگر غور سے دیکھا جائے تو دوست بھی اور بندہ بھی۔ تم ایسا نہ سمجھنا کہ یہ سوال وجواب اوامر ونواہی کے معاملات درمیان میرے اور تمھارے آج نئے ہیں نہیں نہیں قدیم وازلی ہیں۔ عالم نہ تھا اور آدم نہ تھے، مگر مخاطبت میری تمھارے ساتھ بے وجود تمھارے

موجود تھی۔ میرا احسان تم پر قدیمانہ ہے۔ اور وہی میرے کرمِ عمیم کا باعث ہے۔ نقل ہے کہ ایک شخص کسی خلیفہ کے نزدیک آیا۔ خلیفہ نے اُس کو نہ پہچانا۔ پوچھا تم کون ہو۔ اُس نے جواب دیا کہ ہم وہی شخص ہیں کہ فلاں سال حضورِ والا نے ہمارے ساتھ بڑا بڑا احسان کیا تھا۔ خلیفہ خوش ہوگیا۔ اور کہا۔ مَرْحَبًا مَّنْ تَوَسَّلَ اِلَیْنَا بِاِحْسَانِنَا۔ (خوش آمدید اے وہ شخص جو ہمارے ہی احسان کو اپنے لیے وسیلہ بناتا ہے)۔ پھر حکم دیا کہ اس کو دربارِ شاہی میں داخل کریں۔ اور خلعت و انعام سے مالامال کردیں۔ رباعی:۔

گر آب دہی نہالِ خود کاشتہ، در پست کنی بنائے خود ساختہ،
من بندہ ہمانم کہ تو پنداشتہ، از دست میفگن کہ چو برداشتہ،

(اگر تو سیراب کرتا ہے تو تُو نے ہی درخت لگایا ہے۔ اگر تو پست کرتا ہے تو تو نے ہی بنیاد ڈالی ہے۔ میں جیسا بندہ ہوں تجھے خوب معلوم ہے۔ (ہاں اے پروردگار) مجھے ذلیل نہ کرنا جب تو نے عزت دی ہے)۔ والسلام



چونتیسواں مکتوب

زکوٰۃ کے بیان میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برادرم شمس الدین۔ تمھیں معلوم ہو کہ عبادت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک بدنی، دوسری مالی۔ مالی عبادت کو بدنی عبادت پر فضیلت ہے۔ کیونکہ مالی عبادت سے دوسرا شخص بھی منتفع ہوتا ہے۔ عبادات میں اس گروہِ صوفیہ کا حال کچھ نہ پوچھو۔ جان و مال دونوں کو وقف کر دیتے ہیں۔ بلکہ ماسوی اللہ سے کچھ غرض ہی نہیں رکھتے۔ بزرگوں کا قول ہے کہ اَلْفَقِیْرُ مَالُہٗ مُبَاحٌ وَدَمُہٗ حَدَرٌ (فقیر کا مال مباح ہے اور اُس کا خون معاف ہے) کوئی جرم نہیں۔ درویش صادق وہی ہے، جو نہ اپنے خون کا دعویٰ کرے اور نہ مال کا۔ اگر کوئی شخص اُس کو قتل کرے تو وہ یہ سمجھے کہ حکم خداوندی یہی تھا۔ جان جانے کو یوں تصور کرے کہ ہماری زندگی اسی قدر تھی۔ انسان سے خون بہا کا طالب نہ ہو۔ اس کا خوں بہا کچھ اور ہے۔ یعنی مَنْ قُتِلَتْ فِیْ مُحَبَّتِہٖ فَاَنَا دِیَتُہٗ۔ (جو میری محبت میں مارا جائے اُس کا خوں بہا میں خود ہوں)۔ اور اگر اُس کے مال پر قبضہ کیا جائے تو وہ یہ سوچ کر الحمد للہ کہے کہ بڑا حجاب سامنے سے دُور ہوا۔ اور اسی بنا پر بزرگوں کا قول ہے کہ دنیاوی مال و دولت کے باعث زکوٰۃ دینا کوئی بڑا کام نہیں کیونکہ زکوٰۃ وہی شخص دے گا جس کے پاس سو درم نقد سال بھر رہ جائے۔ ایسا شخص اس گروہ کے نزدیک بخیل ہے۔ اور بخالت صفتِ پسندیدہ نہیں ہے۔ معاذ اللہ دو سو درم کو مقفل کرنا اور بچائے رکھنا کیا معمولی بخل ہے۔ اس کے بعد پانچ درم اس سے نکال کر فقیروں کو دینا اور باقی کو پھر محفوظ رکھنا۔ نقل:۔ ایک فقیر نے حضرت ابوبکر شبلی قدس سرہٗ سے بطور آزمائش سوال کیا کہ اچھا فرمائیے تو سہی زکوٰۃ کتنے درم سونے چاندی پر واجب ہوتی ہے؟ آپ نے

فرمایا کہ تم کون سا جواب چاہتے ہو۔ مذہب فقہا کی رُو سے یا مذہب فقرا کے اعتبار سے؟ فقیر نے کہا دونوں طور پر جواب ارشاد ہو۔ آپ نے فرمایا فقہا کا مذہب تو یہ ہے کہ دو سو درم پر جب ایک سال گزر جائے تو پانچ درم نکال دے۔ اور فقرا کا مذہب یہ ہے کہ جو کچھ مال و دولت ہو سب خدا کی راہ میں لٹا دے۔ اس کے بعد جانِ عزیز شکرانہ میں پیش کرے۔ فقیر نے کہا کہ میں نے تو ائمۂ دین سے مذہب حاصل کیا ہے، اس میں تو یہ نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے مذہب صادق رب العلمین سے حاصل کیا ہے اس میں وہ نہیں ہے۔ دیکھو، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس جو کچھ تھا حضور میں سیدِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلم کے پیش کر دیا۔ اور جگر گوشہ کو شکرانہ میں نذر کیا۔ نوادر الاصول میں ہے کہ خداوند عزوجل نے خواصِ امت کو ہزار جزو پر تقسیم کیا، بعدہٗ دنیا اُن کے سامنے پیش کی گئی نو سو جزو دنیا کی طرف مائل ہو گئے اور کہنے لگے دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ آج دانہ چھینٹیں گے تو کل کاٹیں گے۔ دنیا کے ساتھ ساتھ دین ہونا چاہیئے۔ اب رہے سو جزو، اُن کے آگے عقبیٰ لائی گئی۔ نوّے جزو نے عقبیٰ کی طرف میل کیا۔ اُن کا خیال ہوا کہ خداوندِ عزوجل نے اس کو ملکِ کبیر کہا ہے۔ بندۂ حقیر کے لیے ملکِ کبیر بہت کافی ہے۔ رہ گئے دس جزو اُن کو بلا و امتحانات میں مبتلا کیا گیا۔ نو جزو نے کہا، اِنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ (مجھ کو نقصان نے چھُو لیا ہے) یہ ابتلا باعثِ حجاب ہو گیا۔ ایک جزو باقی رہے اُن کو حضرتِ صمدیت سے خطاب ہوا کہ مطلوب تمھارا کیا ہے۔ اور محبوب تمھارا کون ہے؟ ایک زبان ہو کر سب چیخ اُٹھے کہ اَنْتَ مَعْبُوْدُنَا وَمَقْصُوْدُنَا، اَنْتَ مَطْلُوْبُنَا وَمَحْبُوْبُنَا۔ (تو میرا پروردگار ہے اور تو میرا مقصود ہے، تو میرا مطلوب ہے اور تو میرا محبوب ہے) ندا ہوئی۔ اَنْتُمْ اَحِبَّائِیْ وَاَنْتُمْ اَصْدِقَائِیْ۔ (بیشک تم میرے محبوب ہو، بیشک تم میرے دوست ہو۔) خیر سنو، برادرِ عزیز! انسان جب ایمان لایا، دل کو اُس نے بذل کیا۔ اور جب نماز ادا کی بدن کو بذل کیا۔ اور جب اُس نے زکوٰۃ دی مال کو بذل کیا۔ یہ تینوں صفتیں دوستوں کی ہیں۔ محبت میں صدقِ دعوے کی دلیل بھی یہی ہے کہ جس چیز کی نسبت محبت کے ساتھ ہو وہ اُس کو بذل کرے

تاکہ اس کا تعلق ماسوی اللہ سے بالکل منقطع ہو جائے۔ پھر کیا ہے انوارِ نظرِ رحمتِ ربانی کی شعاع جہاں ادھر پہنچی اس نے دیکھا کہ غیر سے اس کا دل فارغ ہے غزتِ قبول کے ساتھ وہ مخصوص کیا گیا۔ اور بہشت کے تخت پر اُس کو جگہ مل گئی۔ بھائی! کچھ جانتے ہو کہ زکوٰۃ دینے میں کیا اشارہ ہے۔ دیکھا گیا کہ اکثر لوگ مال و دولت میں غرق اور بہتیرے مال جمع کرنے کی فکر میں مشغول ہیں۔ بارگاہِ رسالت میں نورِ نبوت سے اس کا انکشاف ہوا کہ شحنۂ غیرتِ الٰہی دل کو غیر کے ساتھ مشغول دیکھے گا ضرور اس راہِ طلب سے دُور کر دے گا۔ اور درگاہِ خدا سے نکال دیگا: کم سے کم اتنا تو ہو کہ اگر کل دولت اللہ کی راہ میں لٹائی نہ جا سکے، دو سو درم سے پانچ درم تو راہِ خدا میں دئیے جائیں۔ جانتے ہو شرع شریف میں یہ کرم کیوں کیا۔ اور یہ مہربانی کس لیے فرمائی۔ مجرد تمھاری ضعیف حالی پر رحم کیا ہے۔ کیونکہ مَنْ کَانَ اَضْعَفُ کَانَ الرَّبُّ اَلْطَفُ۔ (جو زیادہ ضعیف ہے، حق تعالےٰ اُس پر زیادہ مہربان ہے۔ بھائی حقیقت حال یہ ہے کہ اس گروہ سے زکوٰۃِ شریعت کی ملاقات ہی ناممکن ہے۔ اس لیے کہ تجرید و تفرید ان کی راہ ہے۔ نقل ہے کہ اصحاب صفہ میں سے ایک صحابی کا عہدِ مبارک میں انتقال ہوا۔ ایک دینار ان کی گدڑی میں پایا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی۔ ارشاد فرمایا لَهٗ کَیَّةٌ۔ قیامت میں ان کو ایک داغ دیا جائے گا۔ دوسری دفعہ ایک اہل صفہ نے رحلت کی تو دو دینار نکلے۔ آپ نے فرمایا لَهٗ کَیَّتَانِ ان کے لیے دو داغ ہیں۔ دیکھو ایسا حکم ان کے لیے کیوں ہوا؟ صرف اس وجہ سے کہ یہ حضرات دعوائے تجرید و تفرید رکھتے تھے۔ باوجود صدق نیت از روئے ظاہر بھی ایک دو دینار کا نکلنا بھی گناہ میں داخل ہوا۔ برادر عزیز، پہلے قدم میں جو شخص جان پر کھیل گیا، اُس کے نزدیک مال کی کیا حقیقت ہے؟ مگر یہ کام ہمارا تمھارا نہیں ہے۔ جن کو یہ دولت دی گئی ہمارے اور تمھارے جیسے پیدائشی بدبختوں کو مشابہت بھی ان حضرات سے ہو جائے تو انشاء اللہ قیامت کے دن وہی دستگیر ہو گی مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ۔ یعنی جو کسی گروہ کے مشابہ ہو گیا، اس کا شمار اسی گروہ سے ہو گا۔ اور بہت کچھ صلاح و فلاح کی امید

ہوسکتی ہے۔ ورنہ ہم لوگوں کی مٹی پلید ہے۔ بھائی، ہمیشہ گناہ سے استغفار کیا کرنا۔ اور طاعت سے شرمندہ رہنا۔ جس طرح معصیت کو مغفرت کی حاجت ہے۔ اسی طرح طاعت کو بھی ضرورت ہے۔ تم کو تعجب ہوگا کہ طاعت کو اور مغفرت درکار ہے۔ سنو طاعت بھی آفت سے خالی نہیں ہے۔ اگر یہ راز تم پر کھول دیا جائے، تو بہ اعتبار معصیت عبادت سے تم زیادہ ڈرنے لگو۔ اللہ اللہ حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرمائیں اِنِّیْ لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ فِی الْیَوْمِ مِائَۃَ مَرَّۃٍ میں روزانہ سو مرتبہ طلب مغفرت کرتا ہوں۔ یہ تو ظاہر ہے کہ دامن نبوت غبار معصیت سے بالکل پاک تھا۔ آخر اس استغفار کا سبب طاعات کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے۔ حضرت رابعہ عدویہ قدس سرہا بہت کہا کرتی تھیں۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ مِنْ قِلَّۃِ صِدْقِیْ فِیْ قَوْلِیْ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ میرے استغفر اللہ کہنے میں سچائی بہت کم ہے۔ میں اس سے خدا سے استغفار طلب کرتی ہوں۔ اس کا مقصد بھی وہی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت شریف کے معنی کو ہم نے پوچھا وَالَّذِیْنَ یُؤْتُوْنَ مَا اٰتَوْا وَّقُلُوْبُھُمْ وَجِلَۃٌ۔ اور جو لوگ کہ دیدیتے ہیں جو ان کو خدا نے دیا ہے۔ پھر بھی ان کے دل ڈرتے ہیں۔ اور عرض کی یا رسول اللہ یہ آیت کس کے حق میں ہے؟ جو شخص شراب پیے، زنا کرے؟ ارشاد ہوا نہیں۔ یہ آیت اس شخص کے حق میں ہے جو نماز پڑھے، روزہ رکھے، صدقہ دے اور ڈرتا کانپتا رہے۔ اس خیال سے کہ نہیں معلوم یہ عبادت ہماری قبول ہوگی یا نہیں۔ ان بزرگوں کا قول ہے کہ آدمی نہ ڈرے تو کیا کرے۔ یہ تو صرف اس کا کرم ہے کہ ہمارا پردہ فاش نہیں ہوتا۔ ورنہ نفاق کا حال یہ ہے کہ آپس میں سلام کلام اس طرح کرتے ہیں جس سے بغایت رسمی محبت ظاہر ہوتی ہے۔ مگر دل سے دل خار کھاتا ہے۔ نہیں پسند کرتا کہ دو دل مل جل کر اوقات بسر کریں۔ بتاؤ یہ حقیقت اگر کھول دی جائے تو سب سے پہلے بیٹا باپ سے کنارہ کرے گا اور ماں لڑکے سے بھاگے گی نظم۔

در شہر مرد نیست زمن نابکار تر | مادر پسر نہ زاد زمن خاکسار تر
ہستم درونِ حلقۂ دعویٰ میانِ خلق | جائے دگر ز حلقۂ در بر کنار تر

مغ بامغان بطوع زمن راست گوئے تر — سگ باسگان زمن بہ وفاسازگار تر

این ہست جائے شکر کہ در موقف جلال — نومیدہ تر کسے بود امیدوار تر

(۱) شہر میں ہم سے زیادہ بُرا کوئی شخص نہیں ہے۔ کسی کی ماں نے مجھ جیسا خراب لڑکا پیدا نہیں کیا۔ (۲) ہم اپنے جھوٹے دعوے کی وجہ سے لوگوں کے بیچ میں گھرے ہوئے ہیں۔ اور ایک دوسری جگہ ہمارے لیے کشادہ آغوش ہے۔ (۳) شرابی شرابی سے ہم سے کہیں زیادہ سچی باتیں کرتا ہے۔ کتے کتوں کے ساتھ ہم سے کہیں زیادہ وفاداری برتتے ہیں۔ (۴) یہ شکر کا مقام ہے کہ اُس کی عظمت و جلال کی جلوہ گاہ میں جس کو سب سے زیادہ ناامیدی ہوتی ہے اُسی کو زیادہ امیدوار بنایا جاتا ہے) والسّلام

—٭—

پینتیسواں مکتوب

حج کے بیان میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

برادرم شمس الدین سلمہ اللہ تعالیٰ۔ تمھیں معلوم ہو کہ حج میں مالی اور بدنی دونوں عبادات کی شرکت ہے۔ حج کے متعلق گروہِ صوفیہ کا حال کچھ نہ پوچھو۔ اس میں بڑے بڑے اسرار اور عجیب عجیب معاملات ہیں۔ درحقیقت زیارتِ کعبہ معظمہ زیارتِ خداوند جل وعلا ہے۔ یعنی مکان کی زیارت سے، مکین کی زیارت حاصل ہوتی ہے۔ اس عزت و توقیر کا منشا، اس کا کرمِ عمیم ہے۔ حق تو یہ ہے کہ طالبانِ صادق کا مقصودِ حج خانہ سے خداوندِ خانہ ہے۔ خانہ صرف درمیان میں بہانہ ہے۔ دیکھو، حضرت سلطان العارفین بایزید بسطامی قدس سرہُ العزیز کیا فرماتے ہیں میں پہلی دفعہ جب حرمِ محترم گیا، صرف جمالِ کعبہ کی بہار لوٹی۔ دل میں سوچا کہ خالی گھر دیکھنے کا کیا حاصل۔ ہر قسم کی عمارتیں تو بہت دیکھنے میں آئی ہیں۔ میں تو صاحبِ خانہ کا متلاشی ہوں۔ واپس چلا آیا۔ دوسرے سال پھر گیا، حرم میں پہنچا، دل کی آنکھ کھولی، مکان و مکین دونوں پر نظر پڑی۔ خیال ہوا کہ این چہ معنی دارد۔ عالمِ الوہیت میں شرکت کہاں اور عالمِ وحدانیت میں دوئی کا وجود کیونکر؟ پھر محبوب، خانہ اور میں۔ تین تین کا مجموعہ۔ پناہ بہ خدا۔ ایک کے سوا اس راہ میں جو شخص دو دیکھتا ہے وہ علیٰحدہ ہے۔ وائے برحالِ ما کہ میں دو سے بڑھ کر تین تک پہنچ گیا۔ میرے ملحد ہونے میں کیا شک باقی رہا۔ یہ سوچتے ہی فوراً لوٹا۔ اور تیسرے سال پھر گیا۔ حرم میں پہنچا۔ لطفِ محبوب نے مجھ کو آغوش میں لے لیا۔ اور سارے حجابات میرے دل کی آنکھ سے دُور کر دیے۔ شمعِ معرفت میرے قلب میں روشن کی اور میری ہستی کو انوار تجلیات سے جلا ڈالا۔ بعدہٗ میرے لطیفۂ سر میں یہ خطاب ہوا کہ اَنْتَ زَائِرِیْ حَقًّا

فَحَقٌّ عَلَى الْمَزُوْرِ اَنْ يُّكْرِمَ زَائِرَهٗ۔ (تو سچے دل سے میری زیارت کرنے آیا ہے۔ تو جس کی زیارت کی جاتی ہے اس پر حق ہے کہ زیارت کرنے والے پر بخشش کرے)۔ بیت

تا چشم برکشادم نورِ رخ تو دیدم تا گوش برکشودم آواز تو شنیدم

(جب میں نے آنکھ کھولی تو تیرا ہی جلوہ دیکھا۔ جب میں نے کان لگایا تو تیری ہی آواز سنی)

خیر عاشقانہ رنگ کا یہ بھی تقاضا ہے کہ محبّ صادق کے لیے جمالِ کعبہ اس محبوبِ بے نشان کا ایک نشان ہے۔ آخر کریں تو کیا کریں۔ وہاں پہنچ کر اپنے دل کو تسلّی دیتے ہیں کہ مَنْ مُنِعَ عَنِ النَّظَرِ يَتَسَلّٰى بِالْاَثَرِ۔ جو شخص محبوب کا جمال دیکھنے سے مجبور ہے لامحالہ اُس کی نشانی سے دل بہلاتا ہے۔ تم نے مجنوں کا حال سنا ہوگا کہ صبح شام خانہ لیلیٰ کے چاروں طرف چکر لگاتا اور درو دیوار کو چومتا پھرتا اور ان اشعار کو پڑھتا تھا۔ ؎

اَطُوْفُ اِلٰى جِدَارِ دِيَارِ لَيْلٰى اُقَبِّلُ ذَا الْجِدَارَ وَذَا الْجِدَارَا

فَمَا حُبُّ الدِّيَارِ شَغَفْنَ قَلْبِىْ وَلٰكِنَّ حُبَّ مَنْ سَكَنَ الدِّيَارَا

(میں لیلیٰ کے گھر کی دیواروں کے چاروں طرف گھومتا ہوں۔ میں چومتا ہوں اس گھر کے رہنے والے کو۔ گھر کی محبت نے میرا دل نہیں لبھایا ہے۔ مگر اُس نے جو اس گھر میں مقیم ہے)۔ اسی طرح طالبانِ صادق جب خانہ کعبہ میں پہنچتے ہیں تو جبینِ نیاز اس آستانہ کی خاک پر غایت شفقت میں ملتے ہیں۔ اور دردِ دل سے نالہ کرتے ہیں۔ اس آرزو اور اس امید میں رہتے ہیں کہ شاید گھر دیکھتے دیکھتے صاحب خانہ بھی نظر آجائے اور "در چشم طلبگار عیانم" (میں ڈھونڈنے والوں کی آنکھ میں ظاہر ہوں) کا جلوہ ظاہر ہو۔ بھائی، وہ بیت اللہ ہے اس کے ساتھ جو شغف دل میں نہ پیدا ہو تھوڑا ہے۔ بزرگوں کا قول ہے کہ جب محب جان لیتا ہے کہ اس کا مقصد اس در سے پورا ہوگا تو پھر وہاں سے ٹالے نہیں ٹلتا۔ اگر مدت العمر میں ایک لمحہ کے لیے بھی وہاں سے گھبرا کر اُٹھ جائے تو صاف صاف سنا دیا جاتا ہے کہ بسم اللہ، جہاں جی چاہے تشریف لے جائیے۔ جدھر کی ہوا سر میں سمائے اُدھر کی

راہ لیجیے۔ مجھے کوئی غرض نہیں۔ واضح رہے کہ مجھ سے الگ ہو کر اگر کلیم اللہ کا پاؤں بھی پکڑ لو گے تو وہ دستگیری نہ کریں گے۔ اگر روح اللہ کے قدم پر سر بھی رکھو گے تو وہ قبول نہیں کریں گے۔ سن لو! اگر جان کی سلامتی چاہتے ہو تو کھسک جاؤ۔ اور اگر سارا جہان درکار ہے تو اس در سے ٹلنے کا نام نہ لو۔ برادرِ عزیز زہے نصیب ان کے جو بیت اللہ میں اپنی عمر گزار دیں۔ اللہ اکبر! جہاں کی ایک دفعہ کی حاضری بڑی سے بڑی دولت ہو، وہاں کی تمام عمر جبہ سائی کیا رنگ لائے گی۔ اس معنی کی طرف اپنے سخن گہر بار میں حضرت سیدِ مختار احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا ہے۔ حَجَّةٌ مَبْرُوْرَةٌ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا۔ حج پسندیدہ بارگاہ بہتر ہے دنیا سے اور جو کچھ دنیا میں ہے۔ کیوں نہ ہو حَوَالَيْهِ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ (اس کے گرداگرد ہر طرف کشادہ عمیق راہیں ہیں)۔ دیکھو سفرِ حج میں انسان اہل و فرزند کی محبت دل سے نکال دیتا ہے اور ہمہ تن متوجہ الی اللہ ہو جاتا ہے۔ اس قدر سختی مجاہدہ کے بعد جس وقت جمالِ کعبہ دیکھتا ہے ایسی خوشی اس کو ہوتی ہے اور ایسی قلبی راحت اس کو ملتی ہے کہ اور سامانِ عافیت اس کی نظر میں سراسر تکلیف نظر آنے لگتے ہیں۔ اگر کہیں اس کی خوش نصیبی سے نسیمِ عنایت چل گئی، اور اُس کے حجابِ وجود کو اُس کی نظر سے ...... دُور کر دیا، پھر کیا ہے، جو عرش کہ دل کا کعبہ ہے، آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ اب اس کا حال یہ ہے کہ محرمانِ قدس کی طرح سے عرش مجید کے گرداگرد طواف کر رہا ہے۔ اس مقام میں ایسی لذت ہوتی ہے کہ لذاتِ بہشت کا بمقابلہ اس کے کوئی شمار نہیں اس سے ترقی کر کے سرّ کی نگاہ کون و مکان سے اگر گزر گئی اور محسوسات و معقولات کو اس نے نظر انداز کر دیا، تو وہ ہے اور محبوب کا دیدار ہے۔ اب اس کا حال نہ پوچھو۔ نہ ادراک وہاں تک پہنچ سکتا ہے۔ حَجَّةٌ مَبْرُوْرَةٌ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا (پسندیدۂ بارگاہ حج دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے سب سے اچھا ہے۔) کہو کیسا چسپیدہ ہوا۔ بلکہ خَيْرٌ مِّنَ الْعُقْبٰى (آخرت سے بھی اچھا)۔ بھی کہا جائے تو زیبا۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ حَجَّةٌ مَبْرُوْرَةٌ مَا لَهَا جَزَاءٌ اِلَّا الْجَنَّةُ (حج پسندیدہ کی جزا سوائے بہشت کے نہیں ہے)۔ یعنی جب

محب محبوب کی محبت میں بال بچوں کے تعلقات سے جدا ہو گیا اور جان و دل کی بازی لگا دی۔ اُس وقت اس کا مطلوب رضا اور لقا کی خلعت سے مشرف کرے گا۔ یہ اُن لوگوں کا کہا ہوا ہے کہ اگر دیدار کا وعدہ بہشت میں نہ ہوتا تو طالبوں کے دل پر بہشت کا خیال بھی نہیں آتا۔ اور کوئی شخص اپنی خواہش سے جنت میں قدم نہ رکھتا۔ اے بھائی! بہشت گویا کہ ایک سیپ ہے جس میں محبوب کی رضامندی کا موتی ہے۔ سمندر میں ہوشیار ڈبکی مارنے والا جب غوطہ لگاتا ہے تو گوہر شاہوار کے سوا کچھ نہیں باہر لاتا۔ ایک صاحب تحقیق نے کہا ہے ۔ قطعہ

شربتِ وصل را بہشت خسے ست ‏ در رہِ عاشقاں بہشت بسے ست
نزدِ شاں خود بہشت و دوزخ نیست ‏ تا پرد مرغ دام و دانہ یکے ست

(یعنی وصال کے شربت کے مقابلہ میں بہشت ایک تنکے کے برابر ہے۔ عاشقوں کے راستے میں ایسے ایسے بہشت ہزاروں ہیں اور ان کے نزدیک بہشت و دوزخ کوئی چیز نہیں ہے۔ جب چڑیا اُڑ گئی تو پھندا اور دانہ برابر ہے)۔ یہ اُڑنے والے طائر ہُویت کی فضا میں اُڑتے ہیں۔ تاکہ بارگاہِ صمدیت کا قرب حاصل ہو۔ جب تک چڑیا اُڑتی ہے اس کو دانے پانی کی پروا نہیں ہوتی۔ غرض یہ کہ جہاں کہیں شوق و محبت کی باتیں ہیں وہاں بہشت کی نعمتیں اور دوزخ کی تکلیف کا ذکر کہاں۔

حضرت محمد بن فضیل فرماتے ہیں، مجھ کو سخت تعجب ہوتا ہے کہ دنیا میں اس کا گھر لوگ کیا ڈھونڈتے ہیں۔ دل میں اُس کا جلوہ کیوں نہیں دیکھتے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ گھر ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی گھر نہ ہو لیکن مشاہدہ تو یقینی ہوگا۔ اگر وہ پتھر جس پر سال بھر میں ایک دفعہ اس کی نظر پڑتی ہے اس کی زیارت فرض ہو جاتی ہے (حجرِ اسود) مراد ہے۔ پھر اس دل کی زیارت جس پر تین سو ساٹھ مرتبہ نظر پڑتی ہے اولین فرض کیوں نہ ہوگی۔ اس زمانے میں ہم جیسے بدبختوں کو نہ گھر کی زیارت نہ دل کی زیارت نصیب ہے۔ مصیبت کی خاک سر پر اُچھالنا ہے۔ اپنی سخت بدنصیبی پر رونا چاہیے اور حیلے تدبیر سے ہاتھ دھو لینا چاہیے۔ کیا خوب کہا ہے۔ بیت ؎

من در پیٔ صبحِ طرب دِل طالب شبہائے غم ‏ بد روزِ مادر زاد را از حیلہ کے مقبل کنم

(یعنی میری تمنا ہے کہ خوشی کی صبح دیکھوں اور دل مصیبت و غم کی باتیں چاہتا ہے جو ازلی بدنصیب ہے اس کو میں اقبال مند کیونکر بنا سکتا ہوں) ۔ اپنے اور اپنی عبادت کے گھمنڈ سے نفرت کرو۔ اپنے اس ایمان کو کفر کے برابر سمجھو۔ اپنی عبادت کو بت پرستی جانو اور اپنی ذات کو نمرود اور فرعون تصور کرو۔ اور دعووں سے کنارہ کش رہو۔ کیونکہ عزت ربوبیت کی بارگاہ ایسی بارگاہ ہے کہ جو کوئی اس کے کنارے پہنچ گیا اُس کے سارے دعوے رخصت ہو گئے، اور اُس کی کل پونجی پھینک دی گئی اور اُس کی نیکیوں پر گمراہی کا رنگ چڑھ گیا۔ اور اُس کی عبادتیں گناہوں کے برابر ہو گئیں۔ اگر بولنے میں یکتائے روزگار ہے تو اُس کی زبان گونگی ہو جائے گی۔ اور اگر عالم ہے تو جاہل بن جائے گا۔ اگر اس کی عظمت کی طرف تم دیکھو گے تو کل موجودات کو نیست و نابود پاؤ گے۔ اور جب اُس کی قدرت و عظمت کی شہنشاہی پر آنکھ ڈالو گے تو جتنی چیزیں معدوم ہو چکی ہیں اُن کو موجود دیکھو گے۔ دیکھو یہ امر مسلم ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسا کوئی شخص پیدا نہ ہوگا۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ایسا پیدا کرنا اُس کی یدِ قدرت سے باہر ہے۔ نہیں نہیں، اگر وہ چاہے تو ہر لحظہ میں ہزاروں مظہرِ جمال حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مانند پیدا کر دے۔ اور ہر سانس میں اُن کو ایسی معراج ہو کہ قاب قوسین تک رسائی ہو جائے۔ کیا شانِ عظمت و جلال میں اس سے کچھ زیادتی ہو گی؟ ناممکن۔ بالکل محال۔ اسی طرح اگر وہ چاہے تو ایک آن میں لاکھوں کو پیدا کر کے رکھ دے تاکہ دعویٰ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى (میں تمھارا بزرگ و برتر پروردگار ہوں) سے جہان میں وہ شور و فساد برپا کر دیں۔ پھر بھی اس تخلیق سے کیا جمال و کمال میں اس کے ذرہ برابر بھی کمی ہو سکتی ہے۔ ہرگز نہیں۔ اور سنو، اگر وہ چاہے تو روئے زمین میں جتنے مشرک و کافر ہیں سبھوں کو دریائے رحمت میں غرق کر دے۔ اس سے ہرگز یہ نہ سمجھنا کہ صفتِ قہر میں اُس کے کمی آئی یا آسکتی ہے۔ اور سنو، اگر وہ چاہے تو جہان میں جتنے نبی و ولی ہیں ایک ڈوری میں قہر کی باندھ کر ابدالآباد تک عذابِ الیم میں مبتلا کر دے۔ کیا اس سے صفتِ رحمت میں اُس کی کچھ بھی کمی پیدا ہو گی بالکل نہیں

برادرِ عزیز: تم سن کر حیران ہوگے، کہ خدا میں ایسی ایسی صفتیں بھی ہیں۔ اللہ اللہ، بشر کیا سمجھے اور کیا جانے۔ اس سے بھی کہیں زیادہ ارفع و اعلیٰ اس کی شان ہے۔ قدرت و عظمت کا جہاں علم بلند ہوا، مکونات، مقدورات اور مخلوقات کی کچھ ہستی بھی باقی رہ سکتی ہے؟ ناممکن۔

نقل:۔ ایک شخص نے اپنے لڑکے کو مکتب خانہ میں بھیجا۔ جب شام کو وہ لڑکا گھر آیا توباپ نے پوچھا۔ "کہو آج استاد نے کیا پڑھایا۔ اُس نے کہا ابھی تو الف ہی کی نوبت ہے جس کا مطلع صاف ہے۔ اور بالکل مجرد ہے۔ جہاں ایسی بڑی بڑی کتابیں ہو رہی ہوں، وہاں اس کا شمار ہی کیا ہے؟ والسلام۔

چھتیسواں مکتوب

دعا کرنے اور سور تہائے قرآن شریف پڑھنے کے بیان میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میرے عزیز بھائی شمس الدین۔ اللہ تمہاری دعاؤں کو قبول کرے۔ تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ اس امر میں اہل معاملت کا اختلاف ہے کہ دعا کرنا اولیٰ ہے یا خاموش رہنا۔ کیونکہ ازل میں جو حکم جاری ہو چکا، وہ ہو کر رہے گا۔ بعض کا قول ہے کہ دعا بہ نفس نفیس خود عبادت ہے۔ حدیث شریف میں ہے اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ (دعا عبادت کا مغز ہے)۔ پھر جو چیز عبادت بنائی گئی ہے ترک کرنے سے کہیں بہتر ہے کہ اس پر عمل کیا جائے۔ مانا کہ دعا قبول نہ ہو، اور حاجت پوری نہ ہو، کم از کم اتنا تو ہو گا کہ ایک عبادت پر عمل ہو جائے گا۔ اور دعا میں ایک قسم کی حاجت مندی اور نیاز مندی کا اظہار ہے۔ اس بارگاہِ الٰہی میں۔ چنانچہ خواجہ حازم اعرج رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دعا سے باز رہنا ہم پر بہت زیادہ شاق ہے۔ دعا ہی ہماری بلا ہے۔ مستجاب ہو نہ ہو ہم دعا کرنا نہیں چھوڑ سکتے۔ اور ایک گروہ کا یہ خیال ہے کہ دعا کرنے سے خاموش رہنا بہتر ہے۔ اور راضی برضا رہنا اولےٰ ہے۔ کیونکہ حکمِ سابق ہے جو ہو چکا وہ ہو چکا۔ اس لیے امام واسطی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قبول کرنا اس چیز کا بہتر ہے جس کا حکم ازل میں ہو چکا۔ اس وقتی جھگڑے کا کیا فائدہ کہ ہم کو یہ چاہیے، ہم کو وہ چاہیے۔ اے خدا ہم کو اتنی دولت دے۔ اے اللہ، ہم کو اس قدر اولاد عطا فرما۔ وغیرہ وغیرہ۔ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالےٰ کی کہی ہوئی بات فرماتے ہیں۔ مَنْ شَغَلَهُ ذِكْرِىْ عَنْ مَسْئَالَتِىْ اَعْطَيْتُهٗ اَفْضَلَ مَا اُعْطِى السَّائِلِيْنَ (جس شخص کو ہمارا ذکر سوال کرنے سے باز رکھے ہم اُس کو سوال کرنے والوں سے کہیں زیادہ دیتے ہیں)۔ بہر کیف، دعا کرنا اور خاموش رہنا، یہ دو قسم کے خیال اکابروں میں پائے جاتے ہیں اور

دونوں کے پاس دلیلیں بھی ہیں۔ یہاں پر اربابِ علم یکسوئی اختیار کرنے میں تامّل کرتے ہیں۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ جب دونوں باتیں اپنی جگہ پر صحیح ہیں تو ہم ایک کو دوسرے پر ترجیح کیوں دیں۔ یہ کیوں نہ کہیں کہ جیسا وقت حکم دے ویسا کرنا چاہیے۔ بعض وقت ایسا گزرتا ہے کہ دعا کرنا خاموش رہنے سے کہیں افضل و بہتر معلوم ہوتا ہے۔ دعا کرنا بھی کمال درجہ کا ادب ہے۔ بعض بعض حالتوں میں دعا کرنے سے خاموش رہنا زیادہ عمدہ ہے۔ یہ بھی ادب ہی ہے ان دونوں باتوں کا علم اپنے اپنے وقت پر ہوتا ہے۔ اگر طالب اپنے دل میں اشارہ دعا کی طرف پائے، تو دعا کرنا بہتر ہے۔ اور اگر چپ رہنے کی رغبت ہو تو سکوت افضل ہے۔ بزرگوں کا خیال ہے کہ رعایت احوال کی بہت ضروری ہے۔ اگر دعا کرنے میں بسط پیدا ہو اور وقت خوش ہو تو دعا کرنا مناسب ہے۔ اگر دعا کے وقت اپنے دل میں انقباض اور رکاوٹ پائے تو ترکِ دعا اولیٰ ہے۔ اور اگر ایسا موقع آجائے کہ نہ دل کو بسط ہو نہ قبض، ایسی صورت میں دعا و سکوت دونوں برابر ہیں۔ ہاں اس وقت علم کا غلبہ ہو تو دعا کرے۔ کیونکہ دعا عبادت بھی ہے۔ اور اگر اس وقت معرفت کا غلبہ ہو اور حال غالب ہو تو سکوت و سکون ہی بہتر ہے۔ دعا و سکوت کے متعلق بزرگوں کی جو تقریر ہے اور جو کچھ ان کے اقوال سے پیش کیے گئے اس سے سمجھنا چاہیے کہ دعا و سکوت میں افضل کون ہے۔ اچھی طرح غور کرو اس میں، اور خوب ڈوبو تاکہ فائدہ حاصل ہو۔ اور اخبار و حکایات اس بارے میں بہت ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں فرمایا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔ حدیث:۔ یہ بات بالکل درست و راست ہے کہ بندہ اپنے خداوند کو یاد کرتا ہے اور پکارتا ہے۔ اگر اس بندے کو خدائے تعالیٰ دوست رکھتا ہے تو فرماتا ہے کہ اے جبریل اس بندے کی حاجت برآری میں تاخیر کرو اس لیے کہ ہمیں یہ بات اچھی معلوم ہوتی ہے کہ اس کی آواز سنتے رہیں۔ اور اگر بندہ اپنے پروردگار کو یاد کرتا ہے اور خدا اُس کو دشمن رکھتا ہے تو یہ حکم دیتا ہے کہ اے جبریل اس بندے کی حاجت پوری کر کہ اس کی آواز سننا ہم کو ناپسند ہے۔ حضرت یحییٰ بن سعید القطان رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت ہے کہ

اللہ تعالیٰ کو ہم نے خواب میں دیکھا تو عرض کی کہ تیری بارگاہ میں کب تک ہم التجا کرتے رہیں کیونکہ تو قبول ہی نہیں کرتا۔ ہمیں جواب ملا کہ اے یحییٰ تیری آواز سننا ہم کو مطبوع ہے اور حدیث میں ہے۔ فرمایا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قسم ہے اس خدا کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ کہ بندہ جب اپنے خداوند کو پکارتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس بندہ سے خشم ناک رہتا ہے تو اس کی پہلی آواز سن کر اللہ تعالیٰ منہ پھیر لیتا ہے۔ پھر تیسری بار بندہ پکارتا ہے۔ حق سبحانہٗ تعالےٰ ملائکہ کو ندا کرتا ہے کہ دیکھو فرشتو اڑا رہا میرا بندہ اس بات پر کہ جو کچھ ہو، مگر اللہ کے سوا دوسرے کو نہ پکاریں گے۔ اس لیے میں نے قبول کیا اس کی دعا کو۔ حضرت یحییٰ معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل ہے کہ مناجات میں اپنے کہا کرتے تھے۔ کیونکہ ہم تجھ کو یاد نہ کریں گے، تو ایسا بڑا کریم و رحیم ہے۔ خداوندا اگر تیغ قہر عدل کی نیام سے کھینچ لے تو پیغمبرانِ معصوم اور فرشتگانِ مقرب نیستی کو ہستی پہ ترجیح دینے لگیں۔ اور اگر خزانۂ رحمت تو بخش دے، تو کافرانِ ردم و ہند ٹھنڈی چادر تان کر سکھ کی نیند سو رہیں۔ اور جان و دل نثار کرنے لگیں۔ اے اللہ! ہم نے گو بموافقتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، فاقہ سے پتھر پیٹ پر نہ باندھا تو مقامِ مخالفت میں بھی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پتھر نہ پھینکا۔ طاعت ہماری گرچہ تھوڑی ہے۔ اس کو قبول کرلے کہ تیرے یہاں سودا سلف خرید و فروخت کا معاملہ نہیں ہوتا۔ گناہ ہمارے گرچہ بہت ہیں۔ اس کو تو بخش دے کہ غصہ تجھ پر غالب نہیں ہو سکتا۔ بندگی ہم نے نہیں کی ہے مگر بندہ ضرور ہیں اور اپنے افعال سے نہایت پریشان و پراگندہ ہیں۔ تیرے گنہگار ہیں اور تجھی سے پناہ طلب کرنے والے ہیں۔ اگرچہ عیب ناک ہیں، مگر تیری ملک ہیں۔ اے بادشاہ تیری ذات سے انکار کرنے والے لوگ موجود ہیں۔ اپنی شانِ جباری کی سیاست جو لوگ تیری ہستی کے مقر ہیں، اُن پر جاری نہ کر۔ اے جبار! بڑے بڑے گردن کش موجود ہیں جن کو تجھ سے جنگ ہے، مومنانِ صلح جُو کو اپنے در سے نہ نکال۔ تُو بڑا بے نیاز ہے۔ اس لیے ہم کو سخت خوف ہے۔ اور تو بڑا بندہ نواز ہے اس واسطے ہیں بے نہایت امید ہے۔ مطیع لوگ نہایت شرمندہ ہو رہے ہیں، ان کو دلاسا دے۔ عاصی لوگ دل شکستہ

ہو رہے ہیں، ان کے سینے پر مرہم رکھ، دستگیری فرما، پائمال نہ کر بخش دے۔ گوشمالی سے بچا! اے اللہ تیرے لائق تو ہم نہیں ہیں۔ مگر اس بارگاہِ رسالت کی امت ہیں۔ جس رسولِ کریم کی ہمارے لیے خواہش ہے کہ عذابِ دوزخ سے ہم محفوظ رکھے جائیں۔ اور تیرا کرم ایسا ہی گزرے گا کہ ہم محفوظ رہیں گے۔ دوزخ میں نہ جانے پائیں گے۔ اگر اس کی صلاحیت نہیں ہے کہ جہاد میں ہم برآئیں اور صفِ جنگ میں ہم کھڑے ہو کر مردانہ وار کفار کو تہِ تیغ کریں تو اتنا ہے کہ ہر روز تیرے در پر پانچ مرتبہ حاضر ہوتے ہیں اور زمین پر سر ٹکراتے ہیں۔ پروردگار، اگر تو نے کوئی گناہ ہمارے گناہ سے بدتر بخش دیا ہے تو ہمیں بھی محروم نہ کر۔ اگر کسی شخص کی ناقص طاعت تو نے قبول کی ہے، تو ہماری اس طاعتِ ناپسندیدہ کا طمانچہ ہمارے منھ پر نہ مار۔ اگر تو ہمارا رفیق نہ بنے گا تو اس دنیا کی راہِ دراز اور پیچ در پیچ کیونکر طے ہوگی۔ اگر تو ہمارا شفیع نہ ہوگا تو بدبختوں کے دفتر سے ہمارے نام کو کون مٹائے گا۔ تو ہر وقت بخش سکتا ہے۔ فردائے قیامت پر موقوف نہیں۔ یہ کیوں نہ کریں کہ ہم تجھ سے آج ہی دادخواہ ہو کر فائدہ اُٹھائیں۔ اس لیے ہماری عرض ہے کہ بغیر انتظارِ فردا آج ہی ہم کو بخش دے۔ مناجات:-

خداوندا امیدِ ما وفا کن　　دلم را از کرم حاجت روا کن

منور دار جانم را بنورے　　دلم را زندہ گردان از حضورے

دلم را محرمِ اسرار گردان　　زخوابِ غفلتم بیدار گردان

چون جان را منقطع شد از جہان دم　　تو ما را ذوقِ ایمان دہ دراں دم

چون با ایماں فرو بردی بجا کم　　نیاید از جہانے جرم باکم

خداوندا ہمہ بے چارہ گانیم　　دراں ہنگام چون نظارہ گانیم

کہ داند تا بہ معنی متقی کیست　　سعید از ما کدام است و شقی کیست

مثنوی

از تو بخشودن است و بخشیدن　　از من افتادن است و لخشیدن

دلِ گم گشتہ را رہے بنمائے مردمِ دیدہ را درے بکشائے

بد مانیک شد چو پذیرفتی نیک ما بد شدہ چو بگرفتی

بستۂ خویش کن بہ بر خوانم تشنۂ خویش کن مدہ آبم

ترجمہ مناجات:۔ (۱) اے خدا میری مرادیں برلا۔ اپنی بخشش سے میرے دل کی حاجتیں پوری فرما۔ (۲) اپنے نور سے میری جان روشن کردے۔ اپنی زیارت سے میرے دل کو زندہ کردے۔ (۳) میرے دل کو اپنے بھیدوں کا رازداں بنادے۔ غفلت کی نیند سے مجھ کو جگادے! (۴) جب وقت جان کا تعلق دنیا سے کٹ جائے، اے اللہ اُس وقت تو مجھ کو ایمان کی لذت عطا فرما۔ (۵) جب ایمان کے ساتھ میں زمین میں دفن ہو جاؤں گا، تو گناہوں کا کوئی ڈر نہ رہے گا۔ (۶) اے خدا ہم لوگ بے کس اور بے بس ہیں۔ تری رحمت کی طرف ٹکٹکی باندھے ہوئے ہیں (۷) کون جانتا ہے کہ درحقیقت پرہیزگار کون ہے۔ کیا خبر کہ ہم میں کا نیک بخت کون اور بدبخت کون ہے۔

مثنوی کا ترجمہ:۔ (۸) تیرا کام بخشش کرنا ہے۔ ہمارا کام گرنا اور پھسلنا ہے۔ (۹) بھٹکے ہوئے دل کو راستہ دکھا۔ آنکھوں کے سامنے رحمت کا دروازہ کھول دے۔ (۱۰) ہماری برائیاں بھی نیکیاں بن گئیں۔ جب تو نے ہم کو قبول کرلیا اور ہماری نیکیاں عذاب جان ہوگئیں۔ جب ہم مجرم قرار دیے گئے۔ (۱۱) تیری ہی لَو لگی رہے۔ میری آنکھوں کی نیند اُڑادے۔ اپنا ہی پیاسا بنادے۔ پانی کی ہم کو ضرورت نہیں۔ حضرت سفیان بن عیینہ رضی اللہ عنہ کی نقل ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ گناہ و معصیت کے باعث تم دعا کرنے سے باز نہ آؤ۔ کیونکہ حق سبحانہٗ تعالےٰ نے اجابت کی اس ابلیس کی دعا کو، جو بدترین خلق اور کفر و کافری کا پیشوا تھا۔ جس وقت اُس نے یہ کہا رَبِّ اَنْظِرْنِیْ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ۔ قَالَ فَاِنَّکَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ؕ (اے خدا قیامت تک کے لیے مجھ کو چھوڑ دے۔ کہا تو چھٹا ہوا ہے)۔ یہ رنگ دیکھ کر بہت کچھ امید ہوتی ہے کہ جس خدا نے امامِ کفر شیطان کی دعا قبول فرمائی ہے۔ مومن عاصی اگر اس کے دربار میں گڑگڑائے گا تو کیا وہ محروم رکھے گا۔

ہرگز نہیں۔ اگر تم یہ کہو کہ دعا کا فائدہ ہی کیا ہے۔ کیونکہ قضا و قدر کا رد نہیں۔ جواب۔ بلا جو دعا سے رد ہوتی ہے یہ بھی تو قضا و قدر ہی کی وجہ سے ہے۔ یعنی دعا سبب واقع ہوتی ہے۔ ردِ بلا کا اور رحمت کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے جس طرح تیر کے لیے ڈھال رد ہے۔ اسی طرح دعا بلا کے لیے سپر ہے۔ ایک کا رد دوسرے سے ہوا کرتا ہے۔ تقدیر و قضا و قدر پر اعتقاد کے یہ معنی نہیں ہیں کہ انسان تیغ دتبر کے وار کو روکے نہیں اور دانہ چھینٹ کر پانی نہ دے۔ اور اگر کوئی کہے بھی کہ ایسا کیوں کرتے ہو؟ تو وہ یہ جواب دے کہ اگر زندگی ہوگی تو اس تیر و تلوار سے کیا شدنی ہے۔ اور غلہ ہونے والا ہوگا تو خود ہوگا، پانی دینے اور خبر گیری کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ خیال غلط ہے سمجھنا چاہیے کہ جس چیز میں خیر مقدر ہے اُس کے لیے اسباب بھی معین ہے۔ اور جس چیز میں شر پوشیدہ ہے اس کے واسطے بھی ذرایع اور دفع کرنے کی تدبیریں ہیں۔ اس پر غور کرو اور اس کی تہ کو پہنچو۔ اس سے یہ ہوگا کہ دل میں جس قدر تشویش اور الجھاؤ پیدا ہوا ہے جاتا رہے گا۔ اس فیصلہ کے بعد ایک بات کار آمد اور سنو، بارگاہِ الٰہی میں دعا کرنا ہو، یا سوال کرنا ہو، اس امر کی نگہداشت بہت ضروری ہے۔ بعضوں کے نزدیک تین بار بعضوں کے نزدیک پانچ بار بعضوں کے نزدیک سات بار دعا یا سوال کرنا چاہیے۔ حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم جب دعا فرماتے تھے تو یقینی تین بار سوال فرماتے۔ یہاں پر ایک بات اور بھی قابلِ خیال ہے یعنی جب دعا یا سوال شروع کرو تو پہلے تین بار درود شریف پڑھ لیا کرو اور جب ختم کرو جب بھی درود شریف پڑھ لینا چاہیے۔ حضرت ابو سعید درّانی رحمۃ اللہ علیہ سے یہ مروی ہے اس ترکیب سے امیدِ اجابت ہے۔ اب رہا قرآن شریف کی سورتوں کے متعلق بزرگوں نے کیا کیا فرمایا ہے۔ ائمۂ کبار و علمائے بزرگوار حسبِ ذیل سورتوں کے بارے میں یہ فرماتے ہیں۔ اگر کسی شخص کو کوئی حاجت پیش آئے تو اُس کو چاہیے کہ صبح کی سنّت و فرض کے درمیان اکتالیس مرتبہ سورۂ فاتحہ پڑھے۔ اور اگر کوئی دشمن کے شر سے بچنا چاہے تو!

ایک ہزار مرتبہ سورۂ تَبَّتْ یَدَا پڑھے۔ اور قضائے حاجت کے لیے اکتالیس مرتبہ سورۂ انعام پڑھنا بھی بہت مفید ہے۔ اور سات ہزار بار سورۂ اخلاص پڑھنا بھی بہت بہتر ہے۔ دشمن کے دفع کرنے کے لیے ایک ہزار مرتبہ سورۂ نوح پڑھنا اکسیر ہے۔ جو شخص بعد نمازِ عصر کے سورۂ نَازِعَات پڑھے وہ صرف ایک وقت کی نماز کے وقفہ تک قبر میں رہے گا۔ اس سے زیادہ نہ رکھا جائے گا۔ اور جو شخص نمازِ عصر کے بعد پانچ مرتبہ سورۂ عَمَّ یَتَسَاءَلُوْنَ پڑھا کرے اُس کو آسمان والے اسیر اللہ کہیں گے۔ یعنی خدا کی محبت کا قیدی ہے۔ اور اگر کوئی شخص کسی کام میں عاجز رہ جائے اور کسی طرح اس سے بنائے نہ بنے تو بعد نمازِ عشاء سو بار یَا فَتَّاحُ یَا فَتَّاحُ پڑھے۔ خداوندِ عزوجل اپنے فضل سے کوئی راہ نکال دے گا۔ دشواریِ مہمات کے لیے اکتالیس بار سورۂ یٰسٓ پڑھنا بہت مفید ہے۔ اور جو شخص بعد نماز جمعہ بات کرنے سے قبل سات بار سورۂ فاتحہ سات بار سورۂ اخلاص سات سات بار مُعَوِّذَتَیْن پڑھے گا اللہ تعالیٰ اُس کو دوسرے جمعہ تک غم سے مشقت سے بلاؤں سے محفوظ رکھے گا۔ تنگیِ معاش کی شکایت ہو تو سورۂ دہر ہر شبِ جمعہ کو پڑھا کرے۔ جو شخص بعد فراغت نوافل و ادعیۂ دیگر تخلیہ میں چلا جائے اور ہاتھ اُٹھا کر سو مرتبہ یَا رَبُّ یَا رَبُّ کہے جو کچھ اللہ تعالیٰ سے چاہے گا پائے گا۔ اگر اسی طرح ہزار بار کہے گا تو یقینی حاجت پوری ہوگی۔ برادرِ عزیز بہرحال نا امیدی ناپسندیدہ ہے۔ اور امید پسندیدہ ہے۔ جب امید پسندیدہ ہوئی تو امیدوار رہنا بہت زیادہ پسندیدہ ہوگا۔ دیکھو جو گناہگار نا امید نہیں ہیں اُن کو بجمیع وجوہ مغفرت کی بشارت دی گئی ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا ط (اللہ سب گناہوں کو بخش دے گا)۔ یہی بات ہے جس نے یہ کہا ہے۔ بیت

چون مغفرت ہست وعدۂ حضرتِ او — از کردہ گناہِ خود چہ باک ہست مرا

(جب اُس نے مغفرت کا وعدہ کر لیا ہے تو اپنے گناہ کا مجھ کو کیا غم ہے)۔ برادرِ عزیز کن

کن عنایتوں کا ذکر کیا جائے ذرا اس خطاب کو دیکھو یَا عِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا۔ (اے میرے بندو جو اپنی حد سے بڑھ گئے ہو)۔ یہ نہیں کہا یَا اَیُّہَا الَّذِیْنَ اَطَاعُوْا۔ (اے وہ لوگ جنھوں نے بندگی کی)۔ اور نہیں کہا یَا اَیُّہَا الَّذِیْنَ تَابُوْا (اے وہ لوگ جنھوں نے توبہ کی) اور نہیں کہا گیا یَا اَیُّہَا الَّذِیْنَ اتَّقَوْا (اے وہ لوگ جنھوں نے پرہیزگاری کی)۔ یہ بشارت ہمیں تمھیں اور تمام گناہگارانِ عالم کے لیے کافی ہے۔ بات یہ ہے برادر کہ بندگانِ مطیع و متقی و تائب کا بھروسہ اپنے اعمال پر ہے۔ اور سمجھتے ہیں کہ یہ عمل صالح ہمارے کام آئے گا۔ اور کوئے سلامت تک پہنچائے گا۔ مگر غریب سیاہ رو گناہگار، تبہ کار، شرمسار، اپنی بدبختی سے نہ یہاں سر اُٹھاتے ہیں، نہ وہاں سر اُٹھائیں گے۔ اس لیے مَنْ کَانَ اَضْعَفُ کَانَ الرَّبُّ بِہٖ اَلْطَفُ (جو زیادہ کمزور ہے اُس کے لیے خدا زیادہ مہربان ہے) کا نتیجہ نکلا۔ قطعہ

نومید نیم ز حضرتِ تو	بسیار شود اگر گناہم
زیرا کہ بہ عفو و رحمتِ تست	در دنیا و آخرت پناہم

(تیری درگاہ سے نا امید نہیں ہوں۔ اگر میرے گناہ بہت ہیں۔ کیونکہ تیری رحمت اور عفو دنیا و آخرت میں مجھ کو پناہ دینے والی ہے)۔ اسی معنی کی طرف اشارہ ہے۔ والسلام۔

—۔:۔—

سینتیسواں مکتوب

عبادت کے بیان میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میرے بھائی شمس الدین اللہ تم کو عبادت کرنے والوں کی بزرگی عطا فرمائے تمھیں معلوم ہو کہ عبادت دلوں کی پونجی، متقیوں کا زیور، مردوں کا ہنر، ہمت والوں کا پیشہ اور حاصل عمر ہے۔ علاوہ ازیں علم کا ثمرہ، اہل بصیرت کا طریقہ، نیک بختی کا جادہ اور جنت کی راہ ہے۔ لیکن بڑی بڑی سختیوں، بے انتہا مصیبتوں کا سامنا ہے۔ ڈاکو بکثرت درپے ہوتے ہیں۔ رفیق اور ساتھی بہت ہی کم۔ یہ سب اس لیے کہ بہشت کا راستہ ہے۔ چنانچہ حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے۔ حُفَّتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ وَحُفَّتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ۔ بہشت کو مکروہات اور دشواریوں سے اور دوزخ کو آسانی اور خواہشوں سے گھیر ڈالا ہے۔ ان سختیوں کے علاوہ بندہ کمزور، زمانہ سخت، دینیات کے کام میں کوتاہی و خرابی، فراغت دلی مفقود، عمر مختصر، موت قریب۔ اس پر دور و دراز کا سفر۔ ایسی صورت میں عبادت کو ایک ایسا زادِ راہ سمجھو کہ جس کے بغیر چارہ ہی نہیں۔ خدانخواستہ اگر یہ موقع ہاتھ سے جاتا رہا تو پھر اس کا حصول ہی ناممکن۔ اس لیے یہ کام سخت مشکل اور اس کا خوف و خطر بہت بڑا ہے۔ یہی سبب ہے کہ بہت تھوڑے آدمی ایسے ہیں جو اس راستہ کا قصد کرتے ہیں۔ اور جو لوگ اس راہ میں آتے ہیں کم ایسا ہوتا ہے

کہ اس پر قائم رہیں۔ بعضوں نے سلوک اختیار بھی کیا تو ہر شخص کا منزلِ مقصود تک پہنچنا ضروری نہیں ہاں، جو پہنچ گیا کامیابی اُسی کو ہوئی معشوق اسی کی آغوش میں آیا۔ تختِ مراد پر اسی نے جلوس کیا۔ دنیا بھر کی آفتوں سے اس کو نجات مل گئی۔ ملکِ ابد اسے ہاتھ آیا۔ جوشِ مستی میں خوشی خوشی کہنے لگا۔ رباعی:-

تا بر سرِ ما سایۂ شاہنشہِ ماست — کونین غلام و چاکرِ درگہِ ماست

گلزارِ بہشت و حُور خارِ رہِ ماست — زیرا کہ بروں دو کونین منزل گہِ ماست

(جب ہمارے سر پہ ہمارے بادشاہ کا سایہ ہے۔ دونوں جہاں ہمارے در کے غلام ہیں۔ باغِ بہشت اور حورانِ جنت ہمارے راستے میں کانٹا ہیں۔ کیونکہ دونوں جہان کے پرے ہماری منزل ہے)
بزرگانِ راہ رفتہ کا قول ہے کہ بندہ کے اصل حجاب اور مانع چار ہیں۔ (۱) دنیا۔ (۲) خلق۔ (۳) شیطان۔ (۴) نفس۔ دنیا حجابِ آخرت، خلق حجابِ عبادت، شیطان حجابِ دین، نفس حجابِ خدائے عزوجل ہے۔ جب مرید زہد و عبادت پر کمربستہ ہوا حجابِ دنیا سے باہر نکلا۔ جب عزلت و گوشہ نشینی اختیار کی حجابِ خلق اس سے دُور ہوا۔ جب اتباع و پیرویِ سنت پر فدا ہونے لگا حجابِ شیطان سے اس کو رہائی ہوئی۔ جب مجاہدۂ نفس میں اُس نے قدم رکھا اور تابعداریِ نفس سے منھ موڑ لیا حجابِ نفس کو چیر کر نکل آیا۔ پھر کیا کہنا ہے کشف در کشف مشاہدہ در مشاہدہ ہے۔ اور اس میں کچھ دیر نہیں لگتی۔ آناً فاناً اپنے کو صحرائے شوق او عرصۂ محبت میں پڑا پاتا ہے۔ پھر وہاں سے ریاضِ رضواں اور بزم گاہ انس میں پہنچ جاتا ہے۔ پہنچتے ہی انعام و اکرام منعم و مکرم (خداوند تعالےٰ) سے پاتا ہے۔ اور اس وقت یہ حال ہو جاتا ہے کہ جسم تو دنیا میں ہے لیکن دل عقبیٰ میں ہے۔ اس لیے اس گروہ کی صفت یوں بیان کی گئی ہے اَبْدَانُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَقُلُوبُهُمْ فِي الْعُقْبٰى۔ (ان کے جسم دنیا میں اور ان کے دل عقبیٰ میں) اب جبکہ اس دارِ فانی سے خداوندِ باقی کی درگاہ میں بندۂ مقبول کی رسائی ہوئی اور ریاض و رضواں میں اس کو جگہ ملی، اس وقت وہ فقیر و حقیر، وہ ناچیز و ضعیف اپنے کو ایک ملکِ کبیر کا مالک پاتا ہے

اور مملکتِ عظیم پر حکمران دیکھتا ہے۔ انعام و اکرام کی کچھ انتہا نہیں ملتی ہے۔ پھر تو اس کے مزے کو کوئی اُس کے دل سے پوچھے۔ یہ نوازشیں وہ ہیں جو حد وصف و بیان سے باہر ہیں۔ ان باتوں کو سُن کر تم بھی یہی کہو گے کہ اس سعادتِ عظمیٰ کا کیا کہنا ہے۔ اور اس دولتِ لازوال کی کیا بات ہے۔ سبحان اللہ! کیا وہ بندہ نیک بخت ہے؟ اور کیا اُس کے معاملات پسندیدہ ہیں۔!

جانتے ہو یہ معانی طالب کو کیونکر حاصل ہوتے ہیں کہ بدن دنیا میں رہے اور دل عقبیٰ میں جو شخص بایہ دولت میں کسی پیر پختہ کے رہے گا اور اُس کی خدمت صحبت سے فائدہ اُٹھائے گا اُس وقت یہ مرتبہ اس کو ملے گا۔ سُن لو صحبت میں رہنا بھی کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اس کے لیے شرائط ہیں۔ ظاہراً و باطناً پیر کی طرف سے اپنے دل میں اعتراض پیدا نہ ہونے دے۔ نہ اُس کی طرف سے انکار آنے دے۔ اعتراض و انکار یہ دونوں باتیں مرید کی شور بختی کی دلیل ہے۔ جو قول و فعل جو حال جو صفت ایسی دیکھے جس سے دل کو تشویش پیدا ہو، فوراً حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے قصے کو یاد کرے کہ ع

سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلہا

(رہبر راستے کے اونچ نیچ سے خبردار ہوتا ہے)۔ اس سے یہ ہوگا کہ خودرائی دُور ہو جائے گی اور اطمینانِ قلب حاصل ہوگا۔ مرید کا پیر سے پھر جانا، یعنی مردودِ ولایتِ شیخ ہونے کا مسئلہ نہایت نازک ہے۔ اس سے آدمی مرتدِ طریقت ہو جاتا ہے۔ ایسے شخص کو کوئی شیخ وقت منزلِ مقصود تک نہیں پہنچا سکتا ہے۔ ہاں، جو مرید صادق کسی پیر کی خدمت میں ایک حد تک تعلیم و تربیت پا چکا ہے اور بعض بعض مجبوریوں نے اس کو حاضری صحبت سے معذور کیا ہے اس کے لیے دو صورتیں ہیں۔ اگر پیر زندہ ہے تو اُس کی اجازت سے دوسرے شیخ کے ہاں رجوع کر سکتا ہے۔ یا پیر کا وصال ہو گیا ہے جب بھی دوسرے بزرگ کی خدمت میں حصولِ مقصد کے لیے حاضر ہو سکتا ہے۔ اس میں کسی قسم کا مضائقہ نہیں ہے۔ جیسا کہ حضرت خواجہ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ نے کیا، کہ بعد وفات حضرت خواجہ ابوالفضل حسن قدس اللہ سرہُ العزیز جو آپ کے

پیر تھے خدمت میں حضرت شیخ ابوالعباس قصاب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پہنچے۔ اگر کوئی مرید کسی پیر سے قولاً یا فعلاً ناجائز بات ظاہر ہوتے دیکھے تو اُس کو چاہیے کہ اپنے عجز کا اعتراف کرے کہ بے موت مارا نہ جائے۔ جس شیخ کا جمال شرع شریف سے آراستہ ہے اگر ایک زلت اس سے سرزد ہوئی تو وہ حقیقت حال نہیں ہے، بلکہ محض بر سبیل استحسان اُس نے مرید کو دکھایا ہے۔ یہاں پر مرید کو بہت ہوشیاری کی ضرورت ہے۔ نہ اس روش پر چلنا چاہیے نہ کوبہ مقصود کی راہ بنانا چاہیے۔ نہ یہ کہنا چاہیے کہ حضرت سلامت کے کل معاملات یونہی ہیں۔ مرید جو کچھ دیکھے اُس کو نظر انداز کرے۔ نگاہ اُس کی پیر کے قلبی معاملات کے جمال پر ہونا چاہیے۔ اور اگر مرید کسی پیر کو دیکھے کہ رات دن افعالِ خلافِ شریعت میں مبتلا ہے یا بیشتر اوقات بُرے فعل اس سے صادر ہوتے ہیں، تو ایسی صحبت سے کنارہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ ایسے شخص کا ساتھ درد و سوز کی آگ کو بجھاتا ہے۔ اور ایمان کا قلع قمع کر ڈالتا ہے۔ اور ترقی کی راہ روک دیتا ہے۔ آمدم برسرِ مطلب۔ خلاصہ یہ ہے کہ عبادت کے لیے علم ضروری ہے۔ علم قطب ہے اور دار و مدار اسی پر ہے۔ بزرگوں کا قول ہے علم اور عبادت ایسے دو جوہر کے مصنفوں کی تصنیف، معلّموں کی تعلیم، ناصحوں کی نصیحت سے جو کچھ تم دیکھتے سنتے ہو سب اُنہی کی بدولت ہے۔ بلکہ کتبِ سماوی کا نزول، پیغمبر و رسل کی تشریف آوری سب کے باعث یہی دونوں ہیں۔ یقین جانو کہ علم و عبادت کے دائرے سے جو کام باہر ہے وہ باطل ہے۔ اس کام سے کچھ پھل ملنے والا نہیں، اور اس کھیتی سے کچھ حاصل ہونے کی امید نہیں۔ اسی وجہ سے حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے طلب کرو اس علم کو جیسا طلب کرنے کا حق ہے تاکہ عبادت سے باز نہ رہ جاؤ۔ اور مشغول ہو جاؤ عبادت میں جس طرح مشغول ہونے کا حق ہے۔ تاکہ علم سے بے بہرہ نہ رہ سکو۔ جب یہ بات معلوم ہو گئی کہ بغیر ان دونوں کے حاصل کیے انسان کو چارہ نہیں ہے تو دونوں کے حصول کی فکر کرنا چاہیے۔ مگر پہلے علم حاصل کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ اصل رہنما علم ہی ہے۔ اس لیے حضرت پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ علم امام ہے عمل کا۔ اور عمل اس کا تابع ہے۔ اور پھر دوسری

جگہ آپ نے فرمایا ہے کہ عالم کا سونا بہتر ہے جاہل کے نماز پڑھنے سے کہ جاہل بے علم ہے وہ فساد زیادہ کرے گا باعتبار صلاح کے۔ اور یہ بھی آپ نے فرمایا کہ علم کا الہام نیک بختوں کو ہوا کرتا ہے۔ اور بد بخت علم سے محروم رہتے ہیں۔ بدبختی کا سبب صرف یہ ہے کہ انھوں نے علم نہیں سیکھا۔ اور بے علم جو شخص عمل کرتا ہے اُس کا نتیجہ یہ ہے کہ قیامت کے دن مفید نہ ہوگا۔ یہی سبب ہے کہ زہّادِ سلف طلبِ علم میں بہت جدّ وجہد کرتے تھے۔ اور سب کاموں پر اس کو مقدم رکھتے تھے۔ وہ اس بات کو جانتے تھے کہ مدارِ کارِ عبودیت علم ہی پر ہے۔ ہم تو یہاں یہ کہیں گے کہ اگر کوئی بے علم حق سبحانہ، تعالےٰ کی عبادت بمقابلہ ملائکہ ہفت آسمان وزمین کرے جب بھی وہ بُرے کا بُرا رہے گا۔ کوئی خوبی اس میں نہ آئے گی۔ برادرِ عزیز، تم جانتے ہو کہ جب یہ رنگ ہے تو کیا کرنا چاہیے۔ کبھی گداز کبھی سوز کبھی ساز ہونا چاہیے۔ کیونکہ سالکانِ طریقت کی روش یونہی رہی ہے۔ ان پر وہ حالت بھی گزری ہے کہ اس وقت عرش وکرسی کو بھی اگر ان کے شراکِ نعلین میں باندھ دیا جائے تو کنکھیوں سے نہ دیکھیں گے۔ اور بہشت ودوزخ کو اپنے علومراتب کی جو بارگاہ ہے اس کی خادمی بھی پسند نہ کریں گے۔ عین فرح وبسط میں بے خود ہو کر یہ نعرہ لگاتے ہیں سُبْحَانِیْ مَآ اَعْظَمَ شَانِیْ (میری پاکی ہے۔ میری شان بہت بڑی ہے)۔ اور ایک وقت یہ حالت بھی اُن کی ہوتی ہے کہ سگ وخوک کے برابر اپنے کو سمجھتے ہیں۔ اور مغانِ آتش پرست کو اپنی ذات پر فضیلت دیتے ہیں۔ ہر طرح کے لعن وطعن کا سزادار اپنے کو سمجھتے ہیں۔ اور سب عیب اپنے میں موجود پاتے ہیں۔ جو شخص ان کو پتھر مارتا ہے اُس کا منھ شکر سے بھرتے ہیں۔ اور جو شخص ان پر لعنت کرتا ہے اُس کو دعائے خیر سے یاد کرتے ہیں۔ اور جو شخص دستِ جفا سے آزار پہنچاتا ہے اُس کے ساتھ وفا کرتے ہیں۔ تم نے نہیں سنا ہے کہ وہی خدا کا خاص بندہ جو کمالِ فردیت ومشاہدۂ جمالِ احدیت کے عالم میں سُبْحَانِیْ مَآ اَعْظَمَ شَانِیْ کا نعرہ مارتا تھا، دمِ واپسین (وقتِ رحلت) اُس نے کیا کیا۔ اپنی گردن میں دھاگا لپیٹنا شروع کیا۔ لوگوں نے پوچھا، اے پیر طریقت وحقیقت کیا کرتے ہیں۔ اُس نے جواب دیا کہ زُنّار توڑتے ہیں۔ اور اسی وقت یہ بھی اُس نے کہا تنگری تنگری۔ ہم وہی ترکِ نومسلمان ہیں، ہم وہی

ترکِ نومسلمان ہیں۔ رباعی:۔

گہ بادلِ پرنشاط و گہ دل ریشم — گہ باکفِ پرسیم و گہے درویشم
من بوقلمونِ روزگارِ خویشم — گہ بازپسین خلق و گہ درپیشم

(کبھی تو میری مٹھی سونے چاندی سے بھری ہوتی ہے۔ اور کبھی مفلس و قلاش ہوں۔ کبھی میرا دل خوشی میں مست اور کبھی گھائل رہتا ہے۔ کبھی لوگ مجھ کو پیچھے دھکیل دیتے ہیں۔ اور کبھی اُن کے آگے ہوں۔ میں اپنے زمانے کا ایک تماشہ بنا ہوا ہوں)۔ والسلام۔

اڑتیسواں مکتوب

بندگی کرنے اور بندہ ہونے کے بیان میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میرے بھائی شمس الدین، خدا کی بندگی اور عبادت میں زندہ رہو۔ سنو، اے برادرِ عزیز، فرزندِ آدم جو خلاصۂ آفرینش ہے اُس کی سعادت و عزت جانتے ہو کس بات میں ہے؟ بندگی میں ہے اور اُس کے در پر سرافگندگی میں۔ بلکہ بندہ بودن اس انسان کے وجود میں لانے کا مقصود ہے۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ ۝ (جنات اور انسان کو نہیں پیدا کیا، مگر اس لیے کہ وہ عبادت کریں)۔ سنو، جب آدمی بندہ بن جاتا ہے تو اُس کو آزادی نصیب ہوتی ہے حضرت خواجہ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا مَا الْحُرِّيَّةُ (حریت یعنی آزادی کیا ہے؟)۔ آپ نے جواب دیا عبودیت۔ سائل نے کہا میرا سوال تو آزادی کے بارے میں تھا۔ آپ نے فرمایا جب تک تم بندہ نہ ہو جاؤ گے آزاد نہیں ہو سکتے۔ اور حقیقتِ حال بھی یہی ہے۔ تو جو شخص آزاد نہیں ہوتا وصل سے دل شاد نہیں ہو سکتا۔ طوقِ عبودیت جس کی گردن میں ہے اُس کو کیا سمجھتے ہو؟ وہ سردارِ عالم ہے۔ محققوں کا قول ہے کہ اگر خداوندِ ذوالجلال والاکرام کے خزانے میں عبودیت سے بہتر کوئی خلعت ہوتا تو وہ ضرور بالضرور قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى کے مقام میں حضرت خواجۂ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنایا جاتا۔ قطع نظر اس کے جس وقت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مُلک و بادشاہی عطا ہو رہی تھی آپ ہرگز یہ نہ فرماتے لَا اُرِيْدُ اَنْ اَكُوْنَ مَلِكًا نَبِيًّا بَلْ اُرِيْدُ اَنْ اَكُوْنَ عَبْدًا نَبِيًّا ۝ (میں نہیں چاہتا کہ میں بادشاہ اور نبی بنوں۔ بلکہ یہ چاہتا ہوں کہ ایک بندہ اور نبی بنوں)۔

سرعروج ہمت کو عبودیت کی چوکھٹ پر آپ نے رکھ دیا۔ اور بندگی کو دونوں جہان کی بادشاہی پر ترجیح دی۔ یعنی مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی (آنکھ نہیں جھپکی اور نہ بھٹکی) کی شان ظاہر فرمائی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خانۂ کعبہ سے خلوت خانہ اَوْ اَدْنٰی میں بلائے گئے اور اس مقام میں پہنچائے گئے کہ حضرت جبریل علیہ السلام جن کا لقب ناموس اکبر ہے اور جن کو چھ لاکھ پر پرواز عطا ہوئے ہیں خود تو اس مقام تک کیا پہنچتے اُن کے وہم وگمان تک کی رسائی نہ ہو سکی۔ اگر غور سے دیکھو تو اس معراج وصال کے لیے بھی وہی خلعتِ عبودیت تیار کیا گیا تھا اور قالب مبارک کو پہنچایا گیا تھا۔ سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا۔ (پاک ہے وہ ذات جس نے ایک رات اپنے بندے کو سیر کرائی۔ یعنی معراج کے لیے بلایا)۔ اس لیے حضرت خواجہ سہیل تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت آفریدگار جل وعلا نے نقطۂ عبودیت سے زیادہ پیاری کوئی چیز پیدا نہ کی۔ کیونکہ اس کا نام دل ہے اور وہی خزانۂ معرفت ہے۔ اگر خداوند عزوجل کے نزدیک کوئی چیز دل سے زیادہ عزیز ہوتی تو اپنی معرفت کے جواہرات کو ضرور اس میں رکھتا۔ واہ رے دل لَا یَسَعُنِیْ سَمَائِیْ وَلَا اَرْضِیْ وَلٰکِنْ یَسَعُنِیْ قَلْبُ عَبْدِیَ الْمُؤْمِنِ۔ ارشاد ہوتا ہے کہ آسمان ہماری معرفت کے لائق نہ ٹھہرا، زمین بھی اس کام کی نہ تھی۔ یہ بندۂ مومن کا دل تھا کہ ہماری جلوہ گاہ بن گیا۔ سچ ہے کہ رُستم کو رستم کا گھوڑا اُٹھا سکتا ہے۔ اور سنو، تم جانتے ہو کہ عالم اجسام وصور میں کوہ سے زیادہ ثابت قدم اور عظیم الجثہ کوئی چیز نہیں۔ اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کو خیال کرو اسی آفتاب حقیقت کی ایک تجلّی میں کوہِ طور کا کیا حال ہوا۔ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا۔ اور جہاں یہ حال ہے کہ ہر روز تین سو ساٹھ مرتبہ دلِ مومن پر تجلّی ربّانی ہوا کرتی ہے مگر نعرۂ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ (اور بھی اس سے زیادہ) بلند ہوتا ہے۔ یعنی اَلْعَطَشُ (ابھی ہماری پیاس نہیں بجھی ہے۔ انسان کو دل کیا ملا، لاکھ دولت کی ایک دولت ملی۔ دیکھو موجودات بہت تھے مصنوعات بے شمار تھے، مگر کسی ایک کے ساتھ یہ معاملہ نہیں ہے۔ جو اس آب وگل کے ساتھ ہے۔ اسی سے سمجھو کہ رب العزت نے جب چاہا کہ اس نقطۂ خاک کو لباسِ وجود پہنائیں اور تختِ خلافت پر بٹھائیں

تو ملائکہ بے ساختہ بول اُٹھے۔ اَتَجْعَلُ فِیْھَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْھَا۔ (کیا تو وہاں اپنا خلیفہ بناتا ہے جو وہاں فساد مچائے گا) لطفِ قدیم نے جواب دیا۔ لَیْسَ فِی الْحُبِّ مَشْوَرَۃٌ (محبت کے معاملہ میں مشورے کی حاجت نہیں)۔ عشق کے ساتھ تدبیر جمع نہیں ہو سکتی۔ سنو فرشتو، تمھاری تسبیح و تہلیل کی کیا وقعت کیا غرت ہو، اگر ہم قبول نہ کریں اور ان کو گناہ سے کیا ضرر پہنچے گا۔ جب ساقیِ لطف ہمارا اُن کے ہاتھ میں ساغرِ عفو دے رہا ہے۔ فَاُولٰئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّئَاتِہِمْ حَسَنَاتٍ (اللہ ان کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دیتا ہے)۔ اے ملائکہ مقربین اس سے بھی اور واضح سنو۔ تم میں راست روی ہے تو ہوا کرے، اور یہ کج رَو ہیں تو تمھاری بلا سے۔ ہم ان کو چاہتے ہیں۔ ہم نے ان کے لیے بساطِ رحمت بچھادی ہے۔ مانا کہ ان کی پیشانی پر داغِ معصیت ظاہر ہوگا، اس سے کیا شدنی ہے۔ محبت ہماری آبِ لطف سے اس کو دھوڈالے گی۔ شاید تمھارا یہ خیالِ خام ہے کہ معاملات میں صرف ان ہی کو سروکار ہمارے ساتھ ہے۔ مگر تم اس راز کو کیا جانو کہ از روئے محبت خود ہمارا سروکار ان کے ساتھ ہے۔ خیر کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

وَاِذَا الْحَبِیْبُ اَتٰی بِذَنْبٍ وَّاحِدٍ　　جَآءَتْ مَحَاسِنُہٗ بِاَلْفِ شَفِیْعٍ

(جب دوست ایک گناہ لے کر آیا ہے تو اُس کی خوبیاں ہزاروں شفاعت کرنے والوں کو لا کر کھڑا کر دے گی)۔ نقل ہے کہ ایک روز حضرت علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ غایت جوش میں فرما رہے تھے کہ یُحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ وَلَمْ یَقُلْ لِطَاعَتِہِمْ وَلَا لِعِبَادَتِہِمْ جُرِّدَتِ الْمَحَبَّۃُ مِنْ کُلِّ عِلَّتِہٖ (وہ ان کو دوست رکھتا ہے اور وہ اس کو دوست رکھتے ہیں۔ نہ کہا ان کی بندگی کو اور نہ کہا ان کی عبادت کو۔ ہر چیز پر محبت ہی غالب رہی)۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے عرض کی کہ ہم دوستی کے قابل کب ہیں؟ شیخ نے کہا ہم سے کیا پوچھتے ہو اسی سے پوچھو جس نے یہ کہا ہے۔ برادرِ عزیز! یہی نقطۂ عبودیت ساکنانِ ہفت زمین کے سامنے بھی پیش کیا گیا تھا۔ آسمان والوں نے کہا کہ یہ لقمہ ہمارے حلق سے نہیں اُتر سکتا۔ زمین والوں نے جواب دیا کہ یہ بوجھ ہم سے نہیں اُٹھ سکتا۔ جب اس ذرۂ بے مقدار کے سامنے پیش کرنے

کی نوبت آئی تو سمندر کو یہ ایک گھونٹ سمجھ کر پی گیا۔ اور کہنے لگا ابھی پیاس کبھی نہیں اور چاہیے۔
حاصل کلام یہ ہے کہ انسان کی نجات اور ترقیِ درجات بندگی کرنے پر موقوف ہے اور یہی سبب
ہے کہ مشائخ قدس اللہ اسرارہم نے مشاہدات کا ذریعہ مجاہدات کو ٹھہرایا۔ ان کا قول ہے کہ :۔
اَلْمُشَاهِدَاتُ مَوَارِیْثُ الْمُجَاهِدَاتِ۔ (مشاہدہ مجاہدہ کا ترکہ ہے) یہ بات کسی عاقل
پر پوشیدہ نہیں ہے کہ مجاہدہ و ریاضت میں ایک قسم کی تاثیر ہے۔ انسان تو انسان ہی ہے حیوانات
تک اس سے متاثر ہوتے ہیں۔ جن حیوانوں میں اس کی صلاحیت ہے وہ ریاضت قبول کریں تو بعد
ریاضت ان کی حالت ہی دوسری ہو جاتی ہے۔ اور ان کی قیمت بڑھ جاتی ہے۔ یہاں تک کہ
اگر ایک روپیہ کی چیز ہے تو بعد تعلیم وہی شے ہزار روپے کی ہو جاتی ہے۔ انسان افضل و اکمل
موجودات ہے۔ اس میں بہت زیادہ ریاضت کا اثر ہو سکتا ہے۔ اور شخص مرتاض بہ سبب
ریاضت کے صفاتِ بہیمی و سبعی سے نکل کر اعلیٰ درجاتِ مَلَکی تک پہنچ سکتا ہے۔ بلکہ اس ولایت
مَلَکی سے ترقی کرکے عالمِ قدس و طہارت تک اُس کی رسائی ہو سکتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ فرشتوں
میں کمالِ قدس ہے، مگر مقامِ معین سے وہ آگے نہیں بڑھ سکتے۔ یہاں آب و خاک کا معاملہ ہی
دوسرا ہے۔ وَاِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى (تمہارا منتہا حضرتِ رب تک ہے) اس نوعِ انسان
میں سے وہ لوگ بھی ہیں، جو کسی پاک مقام میں نہیں ٹھہرتے۔ بلکہ دونوں جہان میں ان کے دل کو
قرار و آرام نہیں ملتا۔ بزرگوں کا قول ہے اَلسُّكُوْنُ حَرَامٌ عَلٰى قُلُوْبِ اَوْلِيَاءِ (اولیاء کے
دل کے لیے آرام حرام ہے) برادرِ عزیز بندگی عجیب چیز ہے۔ دیکھو، یہ بات تو اظہر من الشمس
ہے کہ ضعیف کو قوی کے مقابلہ میں، عاجز کو قادر کے مقابلہ میں، فقیر کو غنی کے مقابلہ میں،
بندے کو خداوندِ عزوجل کے مقابلہ میں کوئی وسیلہ بندگی و سرافگندگی کے سوا نہیں۔ بے نفسی
و خاکساری بھی اسی بندگی کی شاخ ہے۔ مردانِ راہ خود اپنے کو اپنی نظر میں اس قدر ذلیل
و خوار سمجھتے ہیں کہ عام مسلمان گبر و جہود و ترسا کو بھی نہ سمجھتے ہوں گے۔ ان کا خیال ہے کہ وہی
شخص اس راہ کا مرد ہو سکتا ہے جو گبر و جہود کے در کی خاک اپنی ریشِ دراز سے بہارے اور

اور اس کے دل میں اس بات سے مطلق ننگ و عار پیدا ہونے نہ پائے۔ اگر ذرہ برابر بھی ننگ پیدا ہوا اور وہ یہ سمجھے کہ ہماری خواجگی کے دامن میں ذلت کا دھبہ آیا تو یوں سمجھو کہ ایک قدم بھی وہ اس راہ میں نہیں چلا ہے۔ اہل طریقت کا اجماع ہے کہ جو شخص اپنے کو فرعون سے اچھا سمجھے وہ مُدبر و بدنصیب ہے۔ اور یہ بھی ان کا قول ہے کہ خلق اللہ کی آنکھ سے اپنے کو گرانا آسان ہے۔ مرد وہ ہے جو اپنے کو اپنی آنکھ سے گرا دے۔ ہر دَر سے جب تک وہ نکالا نہ جائے گا، اور جب تک سب کے ہاتھوں میں کھوٹا ثابت نہ ہو چکے گا، ہر ترازو میں جب تک اس کی بے وزنی ثابت نہ ہوگی ہرگز اس کا خیال نہ کرو کہ عبودیت کی شان اس میں آئی۔ اور اگر خوف و مصیبت کے خوف سے کاہلی و سستی اختیار کرے تو مردانگی اسی میں ہے کہ طالب اس کے پورا کرنے میں سر مُو تغیر آنے نہ دے۔ طلب حق کی راہ وہ راہ ہے کہ اس بارگاہ میں پشۂ ناچیز شیر دل نظر آتے ہیں اور مورِ ضعیف میں صفتِ سلیمانی پیدا ہوتی ہے۔ ہمارا تمہارا ایماں پر کیا ذکر ہے۔ ہم پر تم پر تو خود سے اُٹھ کر روٹی کھانا اور پانی پینا بھی جبر ہے۔ ہاں اُس کی قدرت اگر کارفرما ہو تو کچھ مشکل نہیں۔ پہلے قدم میں دنیا دوسرے قدم میں آخرت طے ہوتی ہے۔ تیسرے قدم میں فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ (مقعدِ صدق کے مقام میں خدائے بزرگ و برتر کے پاس) کے آستانہ پر پہنچتے ہیں۔ ایک عزیز نے کیا خوب کہا ہے

توم را دل دہ و دلیری بیں   روبہ خویش خوان و شیری بیں

(تو میری دل دہی کر پھر میری بہادری دیکھ۔ اپنی لومڑی کہہ کر پکار اور شیر کی جرأت مجھ میں دیکھ) برادرِ عزیز! زمانے کا عجب حال ہو رہا ہے۔ ہر شخص کی نظر اپنے علم و عبادت پر ہے۔ اور اپنی پونجی میں مست ہے۔ فردائے قیامت جس وقت شانِ ربوبیت اپنے استحقاق کا دیوانِ عام قائم کرے گی، انبیاء علیہم السلام کو دیکھو گے کہ باوجود کمال و جمال و جلالِ حال اس طرح تشریف لائیں گے کہ حدیثِ علم بالکل غائب ہوگی۔ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَا (تیری پاک ذات ہے ہم بالکل جاہل ہیں)۔ اور ملائکۂ ملکوت کو دیکھو گے کہ عبادت کے صومعہ میں

آگ لگا کر کہہ رہے ہیں مَاعَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ (جو تیری عبادت کا حق تھا ہم سے ادا نہ ہو سکا)۔ اور عارفانِ عالم و موحدانِ جہاں کو دیکھو گے کہ مفلس و بے نوا کی طرح خالی ہاتھ جھاڑے ہوئے آتے ہیں اور کہے جاتے ہیں مَاعَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ (تیری معرفت جس کی مستحق تھی ہم تجھ کو نہ پہچان سکے)۔ برادرِ عزیز! اُس کی عزت نے عزتوں کو ذلت کا جامہ پہنا دیا ہے۔ اور اس کی عظمت و جلال نے تمام جلال پر چھوٹے پن کا دھبہ لگا دیا ہے۔ اور اس کے کمال نے کل کمالات پر نقصان کی مہر کر دی ہے۔ اور اُس کی ہستی نے سب ہستیوں کو نیست بنا رکھا ہے۔ اور اُس کی الہیت نے عالم و عالمیان کو بندگی و سرافگندگی سے آراستہ و پیراستہ کر دیا ہے۔ چشمِ بصیرت کھولو اور دیکھو، حضرت آدمؑ پر نگاہ کرو، نوحؑ کی فریاد سنو، خلیلؑ کی ناکامی دیکھو، مصیبتِ یعقوبؑ کی حدیث کو گوشۂ دل میں جگہ دو، یوسفؑ ماہ رُو کے قید خانہ کا نظارا کرو۔ زکریاؑ کے سر پر آرہ ملاحظہ کرو، یحییٰؑ کی گردن پر تیغِ جفا کی برِش کا معائنہ کرو۔ سب سے بڑھ کر جگر سوختہ و دل کباب گشتہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چشمِ عبرت سے دیکھ کر اس آیت شریف کو پڑھو كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ (ہر چیز مٹ جانے والی ہے مگر اُس کی پاک ذات)۔ والسلام

—— ::: ——

اُنتالیسواں مکتوب

بندگی کرنے کے بیان میں دوسرے طور پر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میرے بھائی شمس الدین، اللہ تمھارے ظاہر و باطن کو اپنی بندگی سے آراستہ کرے سلام و دعا کاتب حروف کی طرف سے پہنچے۔ تم اس بات کو دل نشین کر لو کہ انسان کے دل میں اپنی بندگی کا غم ہونا چاہیے۔ اور اس کو لازم ہے کہ بندگی اچھی طرح بجا لائے۔ بندہ ہونے کی جو شان ہے وہ شان اس میں پیدا ہو جائے۔ انسان کی اسی میں بھلائی ہے ورنہ خدا کو اس کی پروا کیا ہے۔ اُس کی خداوندی کا حکم ہر وقت جاری ہے۔ جانتے ہو کہ بندگی کرنے کے کیا معنی ہیں۔ جس کام کا حکم ہو اس کے کرنے کے لیے بے چین ہو جاؤ اور فوراً انجام دو۔ اور بندہ ہونا کس کو کہتے ہیں؛ جس حال میں رہو خوش رہو، چون و چرا زبان سے نہ نکلے۔ شربت ملے، یا زہر دیا جائے، چپ چاپ خوشی سے پی جاؤ۔ دم نہ مارو، اور اس کا وہم بھی نہ آنے دو کہ مجھ کو یہ چاہیے اور یہ نہ چاہیے۔ کیونکہ بندہ کی یہ شان ہی نہیں کہ خداوند پر اس کو کسی قسم کا اعتراض پیدا ہو۔ اور جو کچھ ادھر سے کیا جائے اس سے اعتراض بھی نہیں ہو سکتا۔ دیکھو، ایک بزرگ سے پوچھا گیا کہ بندگی کس کو کہتے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا، اعتراض سے منھ موڑ لینا۔ اور خواہشِ خداوندی پر راضی رہنا۔ اور اگر زہر دیں تو شربت سمجھ کر نوشِ جان کر لینا۔ پیشانی پر ہرگز بل آنے نہ دینا۔ برادرِ عزیز! ہم تم سے کیا کہیں کہ بندہ ہونا کس قدر مشکل کام ہے۔ دیکھو سات لاکھ برس تک اس مردودِ بارگاہ نے بندگی کی، مگر ایک ساعت کے لیے بندہ نہ ہو سکا۔ سنو، درحقیقت بندہ وہی ہے کہ اپنے اغراض سے پاک ہو۔ بتِ پندار حظِ نفس سے آزاد ہو گیا۔ ایک دوسرے بزرگ سے کسی نے پوچھا کہ بندگی کیا چیز ہے؟ آپ نے کہا جب تم آزاد

ہو جاؤ اس وقت سمجھو کہ بندہ ہو گئے۔ ایک بزرگ نے کیا خوب کہا ہے کہ دنیا میں عبدالرزاق
عبدالوہاب، عبدالرحمٰن، عبدالرحیم ہزاروں پاؤ گے۔ یعنی چونکہ وہ رزاق ہے، واہب ہے،
رحمٰن ہے، رحیم ہے اس لیے غرض سے اُس کے بندے ہوئے ہیں۔ مگر ایک عبداللہ تم کو
شاید ہی ملے۔ اس ذاتِ پاک کو من حیث الذّات معبود و مقصود سمجھنا ہر شخص کا کام نہیں ہے
صفات کا بندہ ہونا آسان ہے ذات کا بندہ ہونا مشکل ہے۔ برادرِ عزیز! جو شخص اللہ تعالےٰ
کو اس خیال سے پوجتا ہے کہ اگر ہم ایسا نہ کریں گے تو ہماری حاجت پوری نہ ہوگی، تو وہ اپنی
غرض کا بندہ ہے حق کا بندہ نہیں ہے۔ حضرت ابو علی سیّاح رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اگر تم
سے یہ پوچھیں کہ بہشت چاہتے ہو یا دو رکعت نماز؟ ہرگز ہرگز بہشت کا نام نہ لینا۔ یہی کہنا کہ
دو رکعت نماز ہم چاہتے ہیں۔ اس لیے کہ بہشت نفس کا حصہ ہے، وہاں آرام و عافیت ہے۔
جہاں غرض اور مطلب کی بات ہے اس جگہ مکر و بلا دونوں تاک میں ہیں۔ دیکھو حضرت موسیٰ علیہ
السلام جب حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ ہوئے اور اعتراض کرنا شروع کر دیا دو مرتبہ تک حضرت
خضر علیہ السلام نے معاف کیا، اور طرح دے دی۔ یعنی جب کشتی میں چھید کیا گیا اور لڑکا جان سے
مارا گیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام معترض ہوئے اور اپنی شرط پر ثابت قدم نہ رہ سکے۔ مگر حضرت خضر
علیہ السلام نے اس کا خیال نہ کیا۔ لیکن جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیوار بنانے پر فرمایا کہ
لَوْ شِئْتَ لَاتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا (اگر آپ چاہتے تو اس کام کی اُجرت لے سکتے تھے، کیوں
آپ نے دیوار مفت بنا دی؟ تو حضرت خضر علیہ السلام نے کہا هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ۔
(اب ہم سے اور تم سے جدائی ہے) اب ہمارا تمھارا ساتھ چھوٹا۔ دیکھو جس وقت تک غرض و
مطلب کی بات درمیان میں نہ تھی باوجود اعتراض دونوں ساتھ ساتھ رہے۔ غلطیاں معاف ہوتی
رہیں۔ مگر جب اُجرت کا قصہ پیش ہوا تو ایک منٹ کے لیے بھی صحبت قائم نہ رہی۔ اہلِ نظر نے جب
یہ دیکھا کہ اپنے مطلب کی فکر بُری بلا ہے تو اپنی ہستی اور کل خواہشات کو درمیان سے اُٹھا دیا۔
اور کہنے لگے کہ ہم بندے ہیں اور بندے کی ملک میں، بندے کے حصہ میں، بندے کے تصرف میں

کوئی چیز نہیں ہوتی۔ کیونکہ اَلْعَبْدُ وَمَا فِیْ یَدِہٖ مِلْکُ الْمَوْلَاہُ (بندہ، اور جو کچھ بھی اس کے پاس ہے اُس کے آقا کی مِلک ہے) جب یہ رنگ ہے تو یوں ہونا چاہیے کہ قبول ہے تو سر آنکھوں پر، رَدّ ہے تو سر آنکھوں پر، نواخت ہے تو سر آنکھوں پر، گداخت ہے تو سر آنکھوں پر۔ اگر جلادیں تو بجان و دل منظور۔ اور اگر موافقت کریں تو بسر و چشم قبول۔ یہ تو بتاؤ تم کر کیا سکتے ہو؟ قاضی کا گھر کھود ڈالو گے یا دیوار سے سر ٹکراؤ گے۔ فیصلہ جو ہو چکا وہ ہو چکا۔ ایک عزیز محترم نے کیا خوب اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ بیت:۔

خواہیم بکش خواہ بزن خواہ بدار یک رویہ شدہ ہست مرمرا با تو کار

(تو مجھ کو مارے یا قتل کرے یا اپنے پاس رکھے۔ میں جان و دل سے اپنے کام کو تیرے سپرد کر چکا ہوں۔ ان باتوں کو دیکھ کر سالکانِ راہ کا اندازہ رہا کہ بہشت و دوزخ کا وہم بھی دل میں آنے نہ دیا۔ وہ یوں سمجھے کہ یہ دونوں چیزیں معدوم ہو گئیں۔ محض مفلس و بے نوا کی طرح بندہ وار اس راہ میں قدم رکھا۔ اور اپنے خدا کے سوا کسی کو نہ دیکھا، نہ جانا اور نہ چاہا۔ شاید اس نقل سے تم کو کچھ پتہ مل سکتا ہے۔ ایک درویش کو کسی عزیز پر تمیز نے دیکھا کہ آ رہے ہیں۔ پوچھا جناب کہاں سے تشریف لاتے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا۔ اللہ! اس کے بعد پوچھا کہاں تشریف لے جائیں گے؟ جواب ملا۔ اللہ! پھر انھوں نے دریافت کیا مقصود و مطلوب آپ کا کیا ہے؟ کہا۔ اللہ! غرض جو سوال کرتے سب کے جواب میں وہ اللہ ہی اللہ کہتے تھے۔ رباعی:۔

من نام ترا بر کفِ خود بنگارم پس دیدہ بر آن نام نہم خون بارم

از بسکہ دو دیدہ در خیالت دارم در ہر چہ نگہ کنم توئی پندارم

(میں تیرا نام اپنی ہتھیلی پر لکھوں۔ پھر آنکھیں اس نام پر رکھوں اور خون روؤں۔ برابر میری دونوں آنکھیں تیرے خیال میں محو ہیں۔ میں جس کو دیکھتا ہوں تو ہی نظر آتا ہے)۔ برادر عزیز! اس خیال سے طاعت کرنا کہ اس کا بدلہ ملے گا اور اس نیت سے عبادت کرنا کہ اجر و ثواب

حاصل ہوگا، اس کو زہر قاتل سمجھو۔ عبدیت و معبودیت کے نیاز و ناز کو لوگ سمجھے نہیں۔ ہم ایک بات تم سے کہتے ہیں اس سے تم سمجھ جاؤ گے۔ اس بلند درگاہ اس بارگاہِ عالی رتبہ کی یہ شان ہے کہ ہزار سال تم وہاں سر بھی رگڑا کرو اور ساری دنیا کے لوگ جتنی طاعت و عبادت کر سکتے ہیں وہ بھی تم خود تنہا کیا کرو، اس پر بھی یہ حکم ہو کہ او نابکار تو کسی کام کا نہیں۔ میں تجھے پسند نہیں کرتا، تو میرے لائق نہیں۔ وہاں کا اتنا کہنا، وہاں کی اتنی جھڑکی سمجھو کہ تمام طاعت کا اجر اور کل عبادت کا ثواب ہے۔ جو کچھ پانا تھا وہ تم پا چکے اور جو کچھ ملنا تھا وہ تمھیں مل چکا۔ نقل ہے کہ امم ماضیہ میں ایک شخص نے سالہا سال طاعت و عبادت کی تھی اور عمر مجاہدہ و ریاضت میں گزاری تھی۔ پیغمبر وقت کے پاس وحی آئی کہ اس عابد سے کہہ دیجیے اس قدر تکلیفِ عبادت و زحمتِ ریاضت اُٹھانا فضول ہے۔ تیرا ماویٰ تو جہنم ہے۔ پیغمبرِ وقت نے جب یہ حکمِ خداوندی اس کو سنایا تو اس شخص نے طاعت و عبادت اور بڑھا دی اور خوشی سے پھُولا نہ سمایا۔ لوگوں کو یہ حال دیکھ کر بڑا تعجب ہوا۔ اس سے کہنے لگے سچ تو کہو بات کیا ہے کیا تم دوزخی نہیں ہو؟ اُس نے جواب دیا کہ در اصل ہمارا خیال یہ تھا کہ غالباً ہم دوزخ کے قابل بھی نہیں ہیں۔ کیونکہ دوزخ بھی اس کی مملکت میں ایک بڑی شے ہے۔ اب جب بذریعۂ وحیِ خداوندی اس کا یقین ہو گیا کہ اتنی رعایت اس ہیچ میرز کے ساتھ کی گئی ہے کہ جہنم میں جگہ مقرر ہوئی ہے، ہماری خوش نصیبی، ہماری عزت و دولت کی کیا انتہا رہی۔ ہم کو تو اس خوشی میں رقص کرنا چاہیے۔ برادرِ عزیز، واقعہ ہے کہ جب تک انسان اپنے کو بے قدری کی ترازو میں فاسق و فاجر سمجھ کر نہ تولے گا اس سے بندگی درست نہ ہوگی۔ بزرگوں کا مقولہ ہے کہ اگر ان کی روحیں سگانِ مزابل کے پاس بھیجی جائیں تو ایسی ذلیل و خوار دکھائی دیں کہ مرگھٹ کی ارواح اُن کو اپنے پاس پھسلنے نہ دیں۔ صرف یہ قیاسی بات نہیں ہے بلکہ ایسا ہو بھی چکا ہے۔ نقل ہے کہ ایک درویش شب کے وقت اپنی مناجات میں کہہ رہے تھے کہ الٰہی تیری محبت جو میرے دل میں ہے اس کے ذریعہ سے مجھ کو قبول فرما۔ اور اگر میری محبت قابلِ قبول

نہیں ہے تو بندگی کی وجہ سے مجھ کو قبول کر۔ اور اگر بندگی بھی پسند نہیں ہے تو اپنے در کا کتا سمجھ کر مجھے قبول فرما۔ صبح کو درویش راستے میں جا رہے تھے، ایک کتے نے زبانِ حال سے کہا کہ حضرت سلامت رات تو آپ کا مزاج ہی نہیں ملتا تھا۔ نہیں نہیں، پھر بھی بڑی بلند پروازی آپ کر گزرے۔ یعنی سگِ درگاہ ہونے کی تمنا کر بیٹھے۔ دیکھیے، ہوشیار ہو جائیے ایسی لغو و فضول بات سے آئندہ احتیاط کیجیے گا۔ اگرچہ ہم بہ لباسِ سگی ہیں مگر ابتدائے پیدائش سے اس وقت تک سرِ مُو بھی اس کی خواہش کے خلاف کوئی خواہش ہمارے دل میں پیدا نہیں ہوتی ہے۔ یہ سن کر درویش نے سر پہ خاک ڈالی اور کہنے لگے۔ بیت

آن بخت نہ دارم کہ سگِ کوئے تو گردم اے کاش کہ درپائے سگانِ تو شوم گرد

(یہ تو ہمارے نصیب نہیں کہ تمھاری گلی کے کتے بنیں۔ کاش ان کتوں کے پاؤں کی خاک ہی ہو جائیں) برادرِ عزیز، ایک تو خود خاک کی اصلیت ذلیل و خوار و بے قیمت، اس پر تکلف یہ ہوا کہ معصیت و خلاف نے اس کے دل میں گھر کر لیا۔ مزید براں ظلومی و جہولی کا لباس پہنا دیا گیا۔ ایسی حالت میں غرور و تکبر کہاں تک زیبا ہو سکتا ہے۔ حق سبحانہٗ تعالیٰ تم کو ایسی بصیرت دے کہ اپنے کو ویسا ہی سمجھو جیسے تم ہو۔ بفضلہٖ و کرمہٖ۔ یہ خاک دان منزلِ اندوہ اور بیت الاحزان ہے۔ اس میں چند روز کے لیے تم مقید ہو۔ اگرچہ تم طرح طرح کی آفات میں مبتلا ہو اور بے نوائی اور مفلسی کا عالم ہے۔ مگر کچھ غم نہ کرو۔ وہ زمانہ بھی آتا ہے کہ اِرْجِعِیْ (پلٹ آؤ) کا شاندار خطاب ہوگا، اور رضائے الٰہی اپنے سایۂ محبت میں لے کر جوارِ کرامت تک تمھیں پہنچا دیگا۔ پھر اس وقت تم دیکھو گے کہ تمھاری کیا عزت اور کیا مرتبہ ہے۔ فردائے قیامت جس وقت حضرت آدم علیہ السلام وصلوٰۃ اللہ علیہ اپنے فرزندوں کے ساتھ بہشت میں جائیں گے، بہشت کے دروازوں سے غایتِ ہجوم و اندوہ کے باعث آواز آنے لگے گی۔ اس وقت ملائکہ کا عجب حال ہوگا۔ نہایت تعجب سے وہ دیکھیں گے اور کہیں گے کہ ہاں یہ وہی شخص ہے جو ننگا مادر زاد بہشت سے باہر کر دیا گیا تھا۔ برادرِ عزیز اس راہ کے جو مرد ہیں وہ جانتے ہیں کہ عشق کی ملامت

عشق کا اندوہ وغم کس قدر قدر وقیمت رکھتا ہے۔ بیت

مرادلیست اگر ساعتے غمش نبود   بہ غم کنان شود وغم ہمی ستاند دام

(میرے سینے میں ایسا دل ہے کہ اگر دم بھر بھی اس میں غم نہ ہو تو غم دینے والوں کے نزدیک جائے اور اُن سے غم قرض مانگے)۔ کیا کرنا ہے سنّتِ الٰہی اسی طرح پر جاری ہے۔ دنیا داروں کے لیے دولت ہے، نعمت ہے، سرور وخوشی ہے۔ عزیزانِ راہ کے لیے بلا ومحنت وشور وفتن ہے۔ ایک کو وہ ایک کو یہ۔ نعمت وعافیتِ دنیاوی ہر کس وناکس کو میسّر ہوتی ہے مگر بلا ومحنت راہِ عشق کی ہر شخص کو نصیب نہیں ہوتی۔ دیکھو فرعون مدبر چار سو سال تک صحیح وتندرست بالملک وعافیت زندہ رکھا گیا۔ اس کو کبھی بخار تک نہ آیا۔ یہ آسان تھا۔ لیکن اگر وہ یہ چاہتا کہ جو درد وسوز حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دلِ اشتیاق منزل کو دیا گیا ہے' وہ اُس کو دیا جائے تو یہ لاکھ برس نہ ہوتا۔ برادرِ عزیز، نعمتِ دنیا کی بھی کوئی حقیقت ہے کہ ایک جان ہزار سودا، ایک تاج ہزار گردن افراشتہ۔ اور محنت واندوہِ عشق کی یہ شان ہے کہ لاکھ میں ایک اس کا طالب ملے گا اور سر آنکھوں پر اس کو اُٹھائے گا۔ بزرگوں کا مقولہ ہے کہ جس وقت حضرت زکریا علیہ السلام کے سر مبارک پر آرہ چل رہا تھا بالفرض والتقدیر اگر کوئی شخص اس وقت اُن سے پوچھتا کہ واقعی کہیے تو اس موقع میں آپ کی دلی خواہش کیا ہے؟ توقع ہے اس کے عزت وجلال کی کہ ہر بنِ مو اور ہر ہر اعضائے وجود سے ان کے یہی آواز نکلتی کہ ابدالآباد تک آرہ سر پہ چلتا رہے اور ہم اس کا مزا لیتے رہیں۔ والسلام۔

چالیسواں مکتوب

کلمۂ طیبہ کے بیان میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

برادرم شمس الدین سلمہُ اللہ تعالیٰ۔ تم جانتے ہو کہ مرید کو کیا چاہیے۔ اس کو لازم ہے کہ کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کی حمایت میں اپنی جائے پناہ بنالے۔ خلوت ہو انجمن ہو، پوشیدہ ہو، ظاہر ہو ایک چشم زدن میں اس کلمہ کے حصار سے باہر نہ جائے۔ خواجۂ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث قدسی ہے۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ حِصْنِیْ فَمَنْ دَخَلَ حِصْنِیْ اَمِنَ مِنْ عَذَابِیْ۔ آپ فرماتے ہیں کہ پروردگار جل وعلانے یوں فرمایا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ میرا حصار ہے۔ جو شخص میرے حصار میں آگیا عذاب و عتاب سے میرے محفوظ رہا۔ اس میں شک نہیں کہ جب تک مرید منزلِ مقصود تک نہیں پہنچتا ہے بیسیوں قسم کا ڈر کھٹکا اس کو راہزنوں سے ہر ہر قدم پر ہے۔ اگر ایسے محفوظ حصار اور قلعۂ استوار میں وہ آگیا ہے تو بے خوف ہوگیا۔ اور یقینی دل اس کا مطمئن رہے گا۔ حکمتِ خداوندی کا یہی تقاضا ہوا کہ نفی و اثبات کے کلمہ سے ایک حصار بنایا جائے تاکہ روندگانِ راہِ توحید جب اس حصار کے اندر آجائیں تو شر سے جمیع قطاع الطریق یعنی نفس وشیطان وغیرہ کے امین ہو جائیں۔ مقامِ توحید کے معاملات بہت نازک ہیں جس وقت مرید کی چشمِ باطن پر عالمِ توحید منکشف ہوتا ہے عالمِ ایجاد کے کل موجودات اس کو غیر نظر آتے ہیں۔ اس وقت غیر کی نفی کو وہ شرطِ توحید سمجھتا ہے۔ آخر آتشِ غیرت لہک اٹھتی ہے اور ماسوی اللہ کو جلا کر خاک سیاہ کر دیتی ہے۔ نفی و اثبات اگرچہ صفاتِ بشریت سے ہے اور مرید

جب تک صفاتِ بشریت سے نہیں نکلتا عالم توحید میں نہیں پہنچتا۔ فقہا کے نزدیک نفی بعد اثبات ہے اور اہلِ لغت کے نزدیک اثبات بعد نفی ہے۔ مگر عرفا کے نزدیک نفی و اثبات دونوں شرک ہے۔ کیونکہ اثبات میں تین چیزوں کی ضرورت ہے۔ مُثبِت، ثابت، اثبات اسی طرح نفی میں نفی، نافی، منفی کی ضرورت ہے۔ جس مقام میں دوئی شرک ہے یعنی فوراً آدمی مشرک و ملحد سمجھا جاتا ہے وہاں تین اور تین چھ چیزوں کا گزر کیونکر ہوگا۔ اور کس طرح وہ شخص مخلص و موحد باقی رہے گا۔ برادرِ عزیز، ہم تم سے کیا کہیں۔ وحدۃ الوجود کی حقیقت یہی ہے کہ وجودِ غیر معدوم ہے تو بڑے تماشے کی بات ہے کہ جو چیز سرے سے موجود نہ ہو اُس کی نفی کیا ہو گی۔ اور جب نفی کرنے والا خود نہیں ہے تو اثبات کیا کرے گا۔ شیخ ہروی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی معنی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ رباعی

از نفی و ز اثبات برون صحرائیست — کین طائفہ را دران میان سودائیست
عاشق چو بدین جا برسد نیست شود — نے نفی و نہ اثبات نہ تو را جائیست

(نفی و اثبات کے مقام سے ان کا میدان باہر ہے۔ جہاں اس گروہ کا کاروبار ہے۔ جب عاشق اس جگہ پہنچ جاتا ہے اس کی ہستی فنا ہو جاتی ہے۔ نفی و اثبات اور تُو کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ یہ مقام و رتبہ کی بات ہے۔ کمالِ توحید کا درجہ یہی ہے۔ منتہیوں کی قدم گاہ یہیں پر ہے۔ کیوں نہ ہو لَآ اِلٰہَ کے بادیہ کو وہ قطع کر چکے ہیں۔ اور اِلَّا اللہ کے کعبہ میں پہنچ چکے ہیں۔ مِنْهُ بَدَاَ وَاِلَيْهِ يَعُوْدُ (یعنی اسی سے شروع ہوئے اور وہیں لوٹ گئے کا شربت چکھ چکے ہیں۔ خواجہ سنائی رحمۃ اللہ علیہ کیا خوب فرماتے ہیں۔ مثنوی

تا بہ جاروب لا نہ روبی راہ — کے رسی در مقامِ اِلَّا اللہ
اے صدف جوے جوہر اِلَّا — جامہ جان را بنہ بساحل لَا
بر نہ گیرد جہانِ عشق دوئی — چہ حدیث ست این حدیث توئی

(جب تک لا کی جھاڑو سے راستہ صاف نہ کرو گے اِلَّا اللہ کی بارگاہ میں نہیں

پہنچ سکتے۔ اے اِلّا اللّٰہ کے موتی کا صدف ڈھونڈنے والے لا کے سمندر کے کنارے
اپنی جان کے لباس کو اتار دے عشق کی دنیا میں دوئی کا گزر نہیں۔ جو کچھ ہو سب تم ہی ہو)۔
یہاں پر ہم تم کو قریب الفہم مثال دیتے ہیں۔ دیکھو جب کوئی جانور نمک کے تودہ میں
پڑ جاتا ہے تو آخر وہ بھی نمک بن جاتا ہے۔ ایک مخلوق میں جب یہ صفت ہے کہ دوسری
مخلوق کو اپنا ہم رنگ بنا دے تو سلطانِ حقیقت میں یہ اثر اور یہ قوت کیوں نہ ہوگی کہ حالتِ
استغراق میں سالک کو ایسے مشاہدہ کی دولت سے مشرف کرے کہ صفاتِ بشریت اس سے
زائل ہو جائیں۔ اور عالم ملکوت میں پہنچ جائے۔ پھر مقامِ ملکی سے بھی اس کو آگے بڑھا دے یہاں
تک کہ از روے صفات وہ نیست ہو جائے۔ تجلّی ذاتی کا اس پر تصرف ہونے لگے۔ اُس کی
بولی کلامِ حق اس کی شنوائی سماعِ حق ہو جائے۔ وہ صرف درمیان میں ایک بہانہ معلوم ہو
ایک عزیز نے کیا خوب کہا ہے۔ بیت

در شہر نکوئی یا تو باشی یا من شوریدہ بود کارِ ولایت بدو تن

(دربارِ حسن میں یا تو رہے یا میں رہوں۔ ایک ملک میں دو شخص کی حکمرانی سے
کام بگڑ جاتا ہے)۔ برادر عزیز حدیث شریف میں آیا ہے کہ ثَمَنُ الْجَنَّۃِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ
جنت کی قیمت ہے یہ کلمۂ طیبہ۔ اس لیے کہ جس نے توحید کی نظر سے دیکھا وجودِ موجودات
اُس کو غیر دکھائی دیے۔ اور ما سوی اللہ درحقیقت فانی و نیست ہے۔ گھبرا کر وہ پریشان
ہو گیا۔ کمر ہمت باندھ کر عالمِ وحدانیت کی طرف دوڑ گیا۔ ایسے شخص نے گویا بہشت کی
قیمت ادا کر دی اور صَدَقَ عَبْدِی کا خلعتِ تصدیق اُس نے پہن لیا۔ اور ثَبَتَ حَقُّہٗ
عِنْدِیْ (مجھ کو حق کا ثبوت مل گیا)۔ کی شراب وفا اس نے پی لی۔ دوسری حدیث میں آپ نے
فرمایا ہے اِذَا قَالَ الْعَبْدُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ یَقُوْلُ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ صَدَقَ عَبْدِیْ اَنَا
اللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنَا اِشْہَدُوْا یَا مَلٰٓئِکَتِیْ اِنِّیْ قَدْ غَفَرْتُ بِصِدْقِ مَا قَالَ مَا
تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ۔ (جب بندہ لا اِلٰہ کہتا ہے آفریدگار برتر خداوند عزوجل فرماتا ہے

کہ بہت ٹھیک کہا میرے بندے نے کہ واقعی نہیں ہے خدا سوائے میرے۔ اے فرشتو تم گواہ رہو، اس بندے کے صدقِ قول کی وجہ سے کل گناہ اس کے ہم نے عفو کیے۔ برادر عزیز تم کچھ سمجھے کہ فرشتے کیوں گواہ بنائے گئے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ جس وقت آدم علیہ السلام کو خلافت مل رہی تھی یہ حضرت گھبرا کر بول اُٹھے تھے اَتَجۡعَلُ فِیۡهَا مَنۡ یُّفۡسِدُ فِیۡهَا وَ یَسۡفِكُ الدِّمَآءَ۔ ارے معاذ اللہ ایسا شخص خلیفۃ اللہ ہوگا جو دنیا میں جاکر فساد و خون ریزی کرے گا اب ان کو دکھایا جا رہا ہے کہ جس کو تم بُرے سے بُرا سمجھے تھے وہ ہمارے نزدیک اچھے سے اچھا ہے۔ یعنی جب ان کے دل میں ہماری محبت ہے تو گناہ ان کو کیا کر سکتا ہے۔ سچ ہے محبت میں عیب بھی ہنر ہو جاتا ہے۔ برادرِ عزیز، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے ساتھ مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰهِ بھی ہے۔ تم جانتے ہو آپ کی کیا شان ہے؟ قرآن شریف سے سنو۔ فَاعۡلَمۡ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (اے پیغمبر خدا آپ جان لیں کہ خدا کے سوا کچھ نہیں) اور دوسرے کے لیے کہا گیا کہ قُلۡ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (کہہ دیجیے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں)۔ اول تو آپ کے آگے حجابِ بشریت کا پردہ برائے نام تھا، مزید بر ان آپ کے ظہور کے وقت جو نور تفویض ہوا، اس کی شعاع کی لطافت نے جو کچھ رہا سہا حجاب باریک تھا اُس کو بھی محو کر دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جو چیز دوسروں کے لیے غیب تھی آپ پر عیاں ہو گئی۔ اس لیے تصدیقِ غیب کے لیے اظہار بلفظِ قول کی ضرورت ہوئی اور مشاہدہ دعیاں کے مقابلہ میں علم سے تعبیر کی گئی۔ اور سنو، بزرگوں کا قول ہے کہ جب سیدِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ولایتِ نبوت سے عالمِ وحدانیت کی طرف نظرِ بصیرت کرتے تھے کمالِ عشق و محبت و حیرت سے چاہتے تھے کہ آپ کی ذات نیستی کے گوشہ میں چھپ جائے اور جوڑ جوڑ الگ ہو کر غائب ہو جائے۔ اور عالم انسانیت سے کہیں باہر نکل جائیں۔ مگر لطفِ محبوب حقیقی شحنہ بن کر روک تھام کرتا۔ اور تبلیغِ رسالت کے لیے اس عالم سے اس ولایتِ نبوت میں پھر پہنچا دیتا۔ اس مقام میں نزول فرما کر کبھی کبھی آپ حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کرتے تھے۔ کَلِّمِیۡنِیۡ یَا حُمَیۡرَآءُ۔ (یعنی اس وقت ایسی

ایسی باتیں اپنے مصلحتِ وقت کے متعلق مجھ سے کیجیے۔ اگرچہ یہ مقام بہت بلند تھا۔ مگر درحقیقت ایک بڑی منزل ہے۔ فَهِمَ مَنْ فَهِمَ (جس نے سمجھا سمجھا) سچ ہے عروج کے ساتھ نزول بھی ضروری ہے، انسان کے لیے۔ بغیر اس طور کے چارہ بھی نہیں ہے۔ برادرِ عزیز، کلمۂ طیبہ کی عجیب منزلت ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے یُؤْتَی الرَّجُلُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اِلَی الْمِیْزَانِ فَیُخْرَجُ لَہٗ تِسْعَۃٌ وَّتِسْعُوْنَ سِجِلًّا لِکُلِّ سِجِلٍّ مِنْھَا اَمَدَّ الْبَصَرِ مَکْتُوْبٌ فِیْھَا خَطَایَاہُ وَذُنُوْبُہٗ فَتُوْضَعُ فِیْ کَفَّۃِ الْمِیْزَانِ وَیُخْرَجُ قِرْطَاسٌ مِقْدَارَ اَنْمُلَۃٍ فِیْھَا اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔ فَتُوْضَعُ فِیْ کَفَّۃٍ اُخْرٰی فَتَرْجَحُ عَلٰی خَطَایَاہُ۔ (جب خلق اللہ عرصۂ حشر میں حاضر ہو گی اور میزانِ عدل نصب کی جائے گی اس مجمع میں ایک شخص لایا جائے گا۔ سیاہ نامۂ اعمال اُس کے ننانوے دفتر ہوں گے۔ ہر دفتر اتنا لمبا ہو گا کہ جہاں تک نظر جا سکے۔ وہ سب دفتر ایک پلہ میں رکھے جائیں گے۔ اس کے بعد خزانۂ غیب سے ایک کاغذ برآمد ہو گا جس کی بساط ایک انگل کے برابر ہو گی۔ اس میں کلمۂ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ لکھا ہو گا۔ یہ کاغذ دوسرے پلّہ پر رکھ دیا جائے گا۔ اس کا وزن اتنا ہو گا کہ اس پلّہ سے وہ پلّہ جھک جائے گا۔ اور وہ شخص جہنّم کے وعیدوں سے اور اس کے درجات سے نجات پائے گا۔ باغِ فردوس میں اس کو جگہ ملے گی۔ درجات و کرامات کے ساتھ وہاں اُس کو اتارا جائے گا۔ مثل مشہور ہے۔ ہر کرا چاشت داد ند امید ست کہ شامش دہند۔ جس کو صبح کو کھانا مل جاتا ہے اُسے امید ہوتی ہے کہ شام کو بھی ملے گا۔ حضرت آدم علیہ السلام کو پہلے پہل جب بہشت میں جگہ دی گئی تو کیوں نہیں امید کی جائے کہ بہ طفیلِ حضرت سیدِ مختار علیہ السلام ان کی اولادِ مسلم بھی جنت میں جائے گی۔ برادرِ عزیز، تم کو چاہیے کہ رات دن اس کلمہ کے وِرد میں ایسے مستغرق رہو کہ سب باتوں پر غالب آجائے۔ دیکھو بھائی، دیر کرنے کا موقع نہیں رہا۔ قافلہ گزر گیا، وقت تنگ ہے اور فرصت تھوڑی، خوف و خشیت کے رنگ میں ڈوب جانا چاہیے۔ اگر دس بیس رکعت نماز ادا ہو جائے تو یہ سمجھو کہ اور بھی گناہ میں اضافہ ہوا۔ کیونکہ حق نماز ادا نہ ہوا۔ نہ کہ نماز پڑھ کر قرائی بن جاؤ

مرد قرائی کا یہ قاعدہ ہے کہ اگر رات کے وقت دو رکعت نماز پڑھتا ہے تو صبح کو وہ چاہتا ہے کہ ساری فضیلت کو ہم تمام کر دیں۔ حالانکہ اس کو اس کی خبر نہیں کہ ذرّاتِ وجود اس کے زبانِ حال سے کیا کہہ رہے ہیں۔ یہ ندا آرہی ہے کہ اے نادان تو کہاں ہے۔ اس بارگاہ کا رنگ ہی کچھ اور ہے۔ وہاں کعبہ سے بتخانہ بناتے ہیں اور عابد ہفت صد ہزار سالہ کو ملعون و مردود گردانتے ہیں۔ اپنی نماز کو تو کیا لیے پھرتا ہے۔ خیر بھائی، آدمی کو مردِ محقق بننا چاہیے نہ کہ قرائی مرد۔ مردِ محقق کی تعریف یہ ہے کہ پورب سے پچھم تک کوئی چپہ زمین کا اُس کے سجدے سے خالی نہ رہے اس پر بھی وہ یہی سمجھے کہ اس بے نیاز کی درگاہ کے لائق کچھ نہ ہوا۔ اور ابتدا سے مفلس و بے نوا بنا رہے۔ دیکھو بھائی خشیت اس کا نام ہے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ ہم نے جو غور کیا تو اپنی تمام عمر میں چالیس گناہ خوفناک دیکھے۔ ہر گناہ سے تین ہزار توبہ کر چکے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ابھی تک دل مطمئن نہیں ہے۔ کھٹکا لگا ہوا ہے۔

برادرِ عزیز، اگر تم سے ہو سکے تو اس کی کوشش کرو کہ خود نمائی سے تنفر پیدا ہو جائے۔ اس کو ایک بڑا عظیم الشان کام سمجھو۔ دیکھو، مردانِ خدا جو اس راہ میں آئے ان کا کیا حال رہا ہے۔ اپنی ذات کے ساتھ ان کو ایسی جنگ رہی جس کی صلح تا حینِ حیات نہ ہو سکی۔ والسّلام

تمام شد حصہ اوّل ترجمہ مکتوباتِ صدی

دعا بجناب باری تعالےٰ عز اسمہٗ

خدایا رحمتت دریائے عام است
وزانجا قطرۂ مارا تمام است
اگر آلائشِ خلقِ گنہگار
بدان دریا فروشوئی بیکبار
نہ گردد تیرہ آن دریا زمانے
ولے روشن شود کارِ جہانے

(ترجمہ)

تری رحمت الٰہی بحرِ جاں ہے
ہمیں اک قطرہ اس کا بیکراں ہے
گنہ لے آئیں گر سارے گنہگار
تو اس دریا میں سب دُھل جائیں اکبار
نہیں تاریک ہوتا ہے وہ دریا
چمک اٹھتا ہے ہر مقصد جہاں کا

تمت بالخیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اکتالیسواں مکتوب

ظاہر اور کھلے ہوئے ایمان کے بیان میں

برادر اعز شمس الدین اللہ تعالےٰ اخلاق اور ایمان سے تم کو آراستہ کرے۔ جانو کہ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا ہے اَلْاِیْمَانُ عُرْیَانٌ وَلِبَاسُہُ التَّقْوٰی (ایمان ننگا اور برہنہ ہے اور اس کا لباس تقوٰی اور پرہیزگاری ہے)۔ ایمان کا دروازہ بند نہیں ہے۔ ایمان تو بندشوں کا کھولنے والا ہے۔ ایمان تمام قفلوں کی کنجی ہے۔ خود قفل نہیں۔ عقل بھی ایک قفل ہے اور ایمان اس قفل کا کھولنے والا ہے۔ مرید کو چاہیئے کہ ان تمام چیزوں سے جو پیدایش کے زمرہ میں ہیں بالکل برہنہ ہو جائے تاکہ ایمان کا حسن اُس پر ظاہر ہو۔ لیکن تم تو اپنی ہی ہستی کے عاشق اور فریفتہ ہو۔ بھلا تم کو یہ توفیق کہاں کہ سرداری اور برتری کی ٹوپی سر سے اتار سکو اور نیک نامی اور شہرت کو برائی اور بدنامی سے بدل سکو، اور سلامتی کو ملامت کے ہاتھ بیچ ڈالو۔ تم روزانہ مدرسہ سے خراماں آتے ہو اور عبادت خانوں میں جاتے ہو تاکہ برتری اور سربلندی کی ٹوپی پہنو، اور پارسائی کے دربار میں تمہارے علم اور مرتبہ کو بلندی حاصل ہو۔ زبان درازہ ہوتی ہے تاکہ گفتگو (اور ڈینگ مارنے) کا میدان اور کشادہ ہو جائے۔ اس کا مقصد یہی تو ہے کہ تمہاری زبان درازی کی دھاک لوگوں کے دلوں پر بیٹھ جائے۔ اور تم عوام پر اپنے علم کی فضیلت ثابت کرو اور خواص پر اپنی معرفت کا سکہ جماؤ۔ اے بھائی حقیقت تو یہ ہے کہ ایسی کھوٹی پونجی کے سہارے ہم کو اور تم کو خدا کی درگاہ میں جانے کا راستہ ہرگز نہیں مل سکتا۔ جو لقمہ باز کے حلق اور معدے کیلیے پیدا کیا گیا ہے ہم چڑیوں کے حلق سے کیسے اتر سکتا ہے۔ جو کپڑے دولت مندوں اور اقبال والوں کیلیے بنائے گئے ہیں ہم جیسے مفلس اور نادار دل کے بدن پر کیونکر ٹھیک ہو سکتے ہیں ؂

ہر نظرے را کہ برافروختند	جامہ بر اندازۂ تن دوختند

(جس نفر کو بصارت کی نعمت عطا ہوئی ہے۔ اُس نے بدن کے اندر نے سے کپڑا بنایا ہے)۔

حال یہ ہے کہ روزانہ باریک سے باریک باتیں نکلتی ہیں اور زمانہ ہے کہ اندھیرا ہوتا جاتا ہے۔ سنو، باریکی سوز و گداز میں پیدا ہونی چاہیے نہ کہ گفتگو میں۔ اگر کہیں ایسا ہوا کہ ہماری گویائی اور بکواس نے کل قیامت کے دن اپنا انصاف چاہا، تو ہمارے ساتھ وہی کیا جائے گا جو فرعون، نمرود، ابوجہل اور ابولہب کے ساتھ کیا گیا۔ جو لوگ کہ دیندار بنائے گئے ہیں ان میں کسی طرح کا لاف وگزاف نہیں ہے کیونکہ اس قسم کی بُری نسبتیں ان کی ذاتِ گرامی سے جدا کر دی گئی ہیں۔ اور ان بزرگوں کا دامن دنیا کی آلائشوں سے ایکدم پاک وصاف ہے۔ اور جن جن چیزوں پر حدوث کا داغ لگا ہوا ہے ان کے ہاتھ بھی اس سے آلودہ نہیں ہیں۔ ان کے دلوں پر ایک تجلیِ خداوندی چمکی اور اسی تجلی کی روشنی میں انھوں نے اس کو دیکھا۔ اور اس کے دیدار میں مستغرق ہو کر اپنے کو بھول گئے۔ اور اس کی مستی کی خوشی میں اپنی ہستی سے بے خبر ہو گئے۔ اور بالکل اسی کے ہو رہے۔ بولے، مگر اس طرح کہ گویا نہ بولے۔ سنا بھی مگر ایسا کہ گویا نہ سنا۔ چلے بھی لیکن اس طرح کہ گویا نہ چلے اور بیٹھے بھی یوں کہ گویا نہ بیٹھے۔ ان کی ہستی میں ان کا کوئی وجود باقی نہ رہا۔ ان کی زبان بند ہو گئی۔ بولنے والے گونگے ہو گئے۔ ان کے کانوں کی قوتِ سماعت جاتی رہی، سننے والے بہرے ہو گئے۔ مخلوقات کے احوال سے بے خبر اور خدا کے دربار میں صاحبِ فہم و ادراک بن گئے۔ اور وہ درجہ عطا ہوا کہ کونین کو ان کے مقامات کی خبر نہیں ہوئی یہ لوگ دل سے خدا کے ساتھ اور جسم سے لوگوں کے ساتھ ہیں۔ ان کا وجود دنیا والوں کے لیے مفید ہوتا ہے مگر وہ اپنے لیے کچھ نہیں ہوتے۔ کیونکہ وہ اپنی ہستی کو فنا کر چکے ہوتے ہیں۔ لوگوں کو کام کرنے کا حکم نہیں دیتے بلکہ ان کے رجحان اور ذوق پر حکم لگاتے ہیں۔ پرندوں کو اُڑ جانے کا حکم نہیں دیتے بلکہ ان کو نیچے اترنے کا حکم دیتے ہیں۔ گِدھ بہت اونچا اڑتا ہے لیکن مردار پر اتر آتا ہے۔ باز اونچا نہیں اڑتا، لیکن جو شکار کرتا ہے زندہ کرتا ہے۔ کیونکہ اسے زندہ شکار میں ہی لذت اور مزہ ملتا ہے۔ اس لیے زندگی ہی تلاش کرنا چاہیے۔ کیونکہ جب تک جان اس زندگی سے آشنا نہ ہو زندگی سے لطف اندوز نہیں ہو سکتی۔ جو شخص اس جان سے جیتا ہے وہ اسباب کا غلام ہوتا ہے۔ اور جو خدا کے ساتھ جیتا ہے سارے اسباب اُس کے غلام ہوتے ہیں۔ خدا کے ساتھ زندہ رہنا عالمِ توحید کے سوا نہیں ہو سکتا۔ اور اس کا راز "اپنے کو نہیں دیکھنا، اور خود کو کھو دینا ہے۔" کہ مَنْ یَرَیٰ نَفْسَہٗ فَقَدْ اَشْرَکَ (جس نے اپنے کو دیکھا اُس نے شرک کیا) اپنے کو دیکھنا گویا اپنی شخصیت کو ظاہر کرنا ہے اور اس کے اظہار پر حد ضروری ہے۔ کیونکہ حد شریعت ظاہر

ہونے پر کی جاتی ہے۔ تم نہیں دیکھتے کہ جس تخم سے خدا بچے پیدا کرتا ہے، وہ جب تک اپنی جگہ پر ہو شریعت کا کوئی حکم اس پر لاگو نہیں ہوتا۔ اس پر غسل واجب نہیں۔ لیکن جب اپنی جگہ سے ہٹ کر باہر نکل آئے اس پر غسل واجب ہو جاتا ہے۔ وہ خواہ جائز یا ناجائز صورت میں برآمد ہوا ہو۔ ہر بولنے والا جو اپنی گفتار سے ظاہر ہو گیا چاہے کلمۂ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پڑھے یا اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی دونوں کی حیثیت ایک ہے یہیں سے حضرت امام شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تاویل کرو، جیسا کہ آپ نے فرمایا اِنْ صَلَّیْتُ اَشْرَکْتُ وَاِنْ لَمْ اُصَلِّ کَفَرْتُ (اگر میں نے نماز پڑھی تو شرک کیا اور نہ پڑھی تو کفر کیا) جو علم تم کو تمہاری ہی طرف دوڑائے وہ علم درحقیقت تمہاری ہی آنکھوں پر پردہ ڈالتا ہے! اور جو علم تم کو خدا کی طرف لائے وہی حقیقت اور معرفت کا علم ہے۔ وہ علماء جو اپنی عقل و سمجھ کے دائرے میں مقید ہیں، ان کا علم محسوسات اور ظاہری چیزوں کے ذریعہ حاصل ہوا ہے۔ جو کوئی محسوسات کی حدود میں گھر کر رہ گیا ہے، محجوب ہو گیا ہے اور غیبی فائدوں سے محروم رہ گیا ہے۔ اور وہ علم جو زندگی کے چشموں سے ابلتا ہے اُس کو ظاہری حواس کی مدد کی ضرورت نہیں ہوتی۔ حواس کے عالم میں جو کچھ ہوتا ہے اُس کے وقوعِ زمانہ کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ اور وہ علم جو تم کو تمہارے ساتھ الجھائے نہ رکھے اور دوسروں کو بھی تمہارے ساتھ اُلجھنے کا موقع نہ دے وہ علم حجاب راہ نہیں ہے۔ استاد ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم نے بالکل سادہ لوح اور اَن پڑھ بن کر علم حاصل کیا ہے۔ لیکن جو اپنے علم میں مغرور رہا اور اس سے ذرا بھی نہ کھسکا اس سے اُلجھنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ وہ اپنے حرفوں ہی کے حجاب میں مبتلا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص کے پاس بادام ہے۔ وہ بادام کا چھلکا تو دیکھتا ہے لیکن بادام کا مغز نہیں دیکھتا۔ زندگی اور طاقت چھلکے میں نہیں ہے چھلکا تو صرف مغز کا لباس ہے تاکہ مغز (یعنی معنی) ہر نااہل پر ظاہر نہ ہو سکے۔ یہ باتیں علمائے ظاہر کے دفتر میں نہیں۔ اگر یہ باتیں علمائے ظاہر کے سامنے بیان کرو تو کہیں گے یہ سب واہیات ہے اور شریعت میں دھبہ لگاتا ہے۔ اور ایک دوسری جماعت کہے گی یہ تو جبریہ فرقہ والوں کا نظریہ ہے۔ اب تم سمجھو کہ یہ نہ جبر ہے نہ قدر ہے اور نہ ترکِ شریعت ہے بلکہ خالص توحید ہے کسی نے اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے ؎

بندہ جائے رسد کہ محو شود ۔۔۔ بعد ازاں کار جز خدائی نیست

(بندہ خدا کی تلاش میں ایسی جگہ پہنچ جاتا ہے کہ خود کھو جاتا ہے اس کے بعد خدا کا کام ہے

جہاں پہنچائے)۔ اے بھائی! بہت ممکن ہے کہ بتخانہ مسجد بن جائے۔ اور ہو سکتا ہے کہ کسی دن مزبلہ صدر مقام ہو جائے۔ ہاں، معمولاتِ خداوندی کے اسباب اسی طرح جاری ہیں کہ لوہے کا زنگ آلودہ ٹکڑا کبھی آئینہ بن کر چمکنے لگتا ہے اور اس میں چیزوں کا عکس دکھائی دیتا ہے۔ لیکن کب؟ جب ایک ہنرمند استاد آگ کی دہکتی بھٹی میں اسے جھونکتا ہے اور گھن پر رکھ کر خوب کوٹتا ہے اور میل کچیل صاف کرتا ہے۔ اس کے بعد صیقل گر اسے خوب رگڑ کر چمکا دیتا ہے اور پہلی جو چیز اس سے ظاہر ہوتی ہے وہ صیقل گر کا حسن و جمال ہے۔ ٹھیک اسی طرح بشریت کے وجود کو ریاضت و محنت و مشقت کی بھٹی میں ڈال دینا چاہیے اور مجاہدہ کے گھن پر کوٹنا چاہیے۔ اس کے بعد عشق جیسے صیقل گر کے سپرد کرنا چاہیے تاکہ انسانیت کی آلودگی کا زنگ صاف کر دے۔ فوراً عالمِ باطن کا عکس اس میں نظر آنے لگے گا۔ اور بہت ممکن ہے کہ اپنی صورت دیکھنے کے لیے بادشاہ کو اس آئینہ کی ضرورت پڑ جائے۔ جیسا کہ کسی نے کہا ہے ؎

ما آئینہ ایم و او جمالے دارد اوراز برائے دید او دریا بیم

(ہم آئینہ ہیں اور وہ حسن رکھتا ہے ہم اس کو اسی کی خود بینی کے لیے تلاش کرتے ہیں)۔ والسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بیالیسواں مکتوب

ایمان کی صداقت میں

برادرِ اعز شمس الدین معلوم کرو کہ ایمان کی سچائی اللہ تعالیٰ کی بزرگی کو قائم رکھتا ہے اور بزرگی کے قیام کا نتیجہ خداوند تعالیٰ سے شرم کرنا ہے جب ایمان ہوگا تو اسرار کا مشاہدہ ہوگا اور جب مشاہدہ صحیح ہوگا تو تعظیم بجا لائے گا جب باطن میں تعظیم ہوگی تو ظاہر بھی اس کی متابعت کرے گا۔ باطن میں تعظیم دیکھے گا تو ظاہر کو اس کے خلاف کرنے سے شرم آئے گی۔ اس گروہ کے نزدیک مشاہدہ کے معنی باطن کا دیکھنا ہے ظاہر کا نہیں اور یہ بات اگرچہ بہت چھوٹی ہے لیکن دونوں جہان کا علم اس میں سمویا ہوا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جس مرتبے تک اسرارِ خداوندی کا مشاہدہ ہوگا ماسوا کا وجود اس سے جدا ہو جائے گا جب کمالِ استغنائے الٰہی کا مشاہدہ ہوگا ساری خواہشیں اور لالچ اس سے دور ہو جائیں گی جب کمالِ قدرت کا مشاہدہ کرے گا تو سارا خوف اس کے دل سے جاتا

رہے گا۔ اور جب خدا کے اکرام و مہربانی کا مشاہدہ ہوگا تو خدا کے ساتھ اس کو اتنی محبت ہوگی کہ کسی اور کی محبت اُس کے دل میں باقی نہ رہے گی۔ اور جب خدا کے انتہائی فضل و عطا کا مشاہدہ ہوگا تو افعال و احوال کے دیکھنے کی طاقت اس کے وجود میں باقی نہ رہے گی۔ اور جب خدا کے کرم و بخشش کا مشاہدہ ہوگا تو اس کو خدا کی ذات کے ساتھ اس قدر سرور و نشاط ہوگا کہ سارے جہان کو اس کی ضرورت لاحق ہوگی۔ اور جب خدا کے قہر کا مشاہدہ ہوگا تو ساری عقل و سمجھ اس کے دل و دماغ سے نکل جائے گی۔ اور جب خدا کے کاموں کی بے سببی کا مطالعہ کرے گا تو اس کو اپنے کسی کام پر بھروسہ نہ رہے گا۔ اور جب اس کی بزرگی اور جلال کا مشاہدہ ہوگا تو اس کو بے تعلقی کا خوف و ہراس ایسا ہوگا کہ اس کو کسی طرح قرار و آرام حاصل نہ ہو سکے گا۔ اصل بھید یہ ہے جیسا کہ کہا ہے ؎

ہیچ نہ در محمل و چندین جرس ہیچ نہ در کاسہ و چندین مگس
خلوتِ تو ساخت عدم خانہ را باز گذار این دہ و ویرانہ را

(محمل میں کوئی نہیں ہے اور اس قدر گھنٹیاں بج رہی ہیں۔ پیالے میں کچھ نہیں ہے اور اس قدر مکھیاں بھنک رہی ہیں۔ عدم آباد میں اپنا گھر بنایا (تو) اس دنیا کی ویران بستی کو چھوڑ دو) پھر اگر ایمان میں اس درجہ کی صداقت نہ ہو کہ مشاہدہ ہو سکے تو کم سے کم ایمان میں اتنا صدق تو ہو کہ اگر ہم خدا کو نہیں دیکھتے تو خدا ہم کو دیکھ رہا ہے۔ اس وقت کم سے کم اس کی اتنی تعظیم تو کرے جتنی مخلوق کی کرتا ہے۔ پس اس وقت جبکہ وہ یہ نہیں چاہتا کہ مخلوق اس کے کاموں کو دیکھے تو وہ یہ بھی نہ چاہے گا کہ خالق اس کے کاموں کو دیکھے۔ اور یہ جو ہم نے کہا معاملہ فہموں کی زبان ہے۔ لیکن اربابِ حقیقت کے نزدیک یہ بھی کفر ہے کہ خداوند تعالیٰ سے اتنی ہی شرم کرے جتنی مخلوق کی کرتا ہے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ اس کے نزدیک خلق اور خالق دونوں برابر ہیں۔ اور اور نعوذ باللہ جس شخص کا اعتقاد ایسا ہو وہ کافر ہے۔ اے بھائی! پھر ہم سیاہ رویوں کا حال جس کو مخلوق کی شرم خدا کی شرم سے کہیں زیادہ ہے، تو پھر ہم اور تم کہاں اور ایمان کہاں؟ ایمان یہاں سے ہے جیسا کہ کہا گیا ہے ؎

چون مرد دین نبودم کیشِ مغان گزیدم وین رفت از میانہ زنار می نہ بینم

(ہم دین اور شرع کے آدمی نہ تھے اس لیے بت پرستوں کا مذہب اختیار کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دین تو چلا ہی گیا، ہم زنار بھی نہ باندھ سکے)۔ اگر بزرگوں کے شرعی حیلے اس مسئلہ میں نہ ہوتے تو ہم اور تم کبھی کے درگاہِ خداوندی کے راندۂ دربار ہو جاتے اور بتخانوں میں بھی ٹھکانا نہ ہوتا ؎

اے برہمن یارہ ردکردۂ اسلام را　　یا چوں من گمراہ را در پیش بت ہم بار نیست

(اے برہمن اسلام کی درگاہ سے نکالے ہوئے کو جگہ اور پناہ دے۔ یا مجھ جیسے گمراہ کو بتوں کے سامنے جلنے کی بھی اجازت نہیں)۔ اور وہ حیلۂ شرعی یہ ہے کہ لوگ ہمیشہ ملامت کرنے والوں سے خوف زدہ رہتے ہیں اور بخشش کرنے والوں کے لطف و کرم پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ تو ہمارا اور تمھارا یہ ترکِ ادب کسی بے حرمتی کے خیال سے نہیں ہے بلکہ خداوند تعالیٰ کی بے انتہا بخشش کی وجہ سے ہے! اور بے انتہا نوازش و بخشش بندے کو شوخ بنا دیتی ہے۔ اور مخلوق چونکہ درگذر نہیں کرتی اس لیے ان کی ملامت سے بندہ خوف زدہ رہتا ہے۔ اس کا اصل مطلب یہی ہے، نہ یہ کہ بندے کو خدا پر فضیلت دیتا ہے۔ بزرگوں کی اسی ایک تاویل سے کچھ امید باقی رہ جاتی ہے نہیں تو اپنے اس ایمان کو جو زنار کے برابر ہے اپنی آنکھوں سے دیکھتے۔ کسی دل جلے نے یہی بات کہی ہے رباعی۔

بستردنی است ہر اچہ بنگاشتہ ایم	فگندنی است ہر اچہ برداشتہ ایم
سودا بود است ہر اچہ پنداشتہ ایم	درداکہ بہ عشوہ عمر بگذاشتہ ایم

(جو کچھ ہم نے لکھا ہے وہ مٹا دینے کے لائق ہے۔ ہم نے جو کچھ اٹھایا ہے پھینک دینے کے لائق ہے۔ جو کچھ ہم نے جانا اور سمجھا وہ خیال اور وہم تھا۔ افسوس! افسوس!! کہ دل لگی میں ہم نے عمر ضایع کر دی)۔ یہ ایسا ہے جیسا کہ خواجہ یحییٰ معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے وَاَسْوَاَتَاہُ وَاِنْ عَفَا اَلَيْسَ يَعْلَمُ مَا فَعَلْتُ (برابر ہے اس کو اگر وہ بخش دے۔ کیا وہ نہیں جانتا جو کچھ میں نے کیا ہے) جب علم کی یہ نزدیکی حاصل ہوتی ہے تو سمجھ لیتا ہے کہ حق تعالیٰ یہی دیکھتا اور یہی جانتا ہے۔ اس وقت بندے اور گناہوں کے درمیان ہزار آہنی دیواریں حائل ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ بندے کا حال گناہ کرنے کے وقت تین حالتوں سے خالی نہیں ہوتا۔ یا خداوند تعالیٰ کے جلال کو بھول بیٹھا۔ اس فراموشی کی سزا یہ تھی نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ (وہ اللہ کو بھول گئے تو اللہ نے ان کو بھلا دیا۔ یا خود ہی نہیں جانتا اور خدا کے جلال کی عظمت سے واقف نہیں ہے۔ اگر یہ حال ہے تو اس نے خدا کو پہچانا ہی نہیں ہے۔ اور اگر جانتا ہے اور سب کچھ یاد بھی ہے اس کے باوجود ڈھٹائی کرتا ہے تو یہ سخت بے حرمتی ہے۔ اگر سو ہزار ایمان بھی رکھتا ہو گا، ایک بھی باقی نہ رہے گا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب ان بزرگ سے پوچھا گیا کہ آپ نے خدا کو کیونکر پہچانا تو کہا۔ ہم نے کبھی کسی گناہ کرنے کا ارادہ نہیں کیا مگر یہ کہ اسی وقت ہم نے خدا کو یاد کیا۔

اُس سے شرم کی اور باز آیا۔ اور یہ قرب، قرب قدرت ہے۔ خدا کی توانائی کا مشاہدہ کرنے والوں کے لیے ہر سانس، ہر لحظہ اور ہر خطرے میں ان کا یہی حال ہوتا ہے کہ نافرمانی اور خلاف کرنے کا خیال تک پیدا نہیں ہوتا۔ اعضا سے ارتکاب کرنا کب ممکن ہے۔ اور بہت ممکن ہے کہ یہ قرب "قرب معرفت تو تعظیم" ہو۔ اور تعظیم کے انداز سے احترام ہوگا جس قدر احترام ہوگا اتنی ہی شرم ہوگی اور جتنی شرم ہوگی اتنا ہی گناہوں سے دُوری ہوتی جائے گی۔ جسے گناہوں سے دوری نہیں ہے، شرم نہیں ہے۔ اور جب شرم نہیں تو احترام نہیں۔ جب احترام نہیں تو تعظیم نہیں جب تعظیم نہیں تو مشاہدہ بھی نہ ہوگا۔ اور جب مشاہدہ ہی نہیں ہے تو خدا کی معرفت کہاں؟ یہاں سے صاحب شریعت کا فتویٰ معلوم کرو کہ اَلْحَیَاءُ مِنَ الْاِیْمَانِ۔ لَآ اِیْمَانَ لِمَنْ لَاحَیَاءَ لَہٗ (شرم ایمان کا ایک جزو ہے جس کو شرم نہیں اس کو ایمان بھی نہیں۔ اور یہ بھی فرمایا ہے اَلْحَیَاءُ مِنَ الْاِیْمَانِ بِمَنْزِلَۃِ الرَّاْسِ مِنَ الْجَسَدِ (شرم ایمان کا ایک حصہ ہے جیساکہ جسم میں سر کا مرتبہ) جب کوئی جسم بغیر سر کے قائم نہیں رہ سکتا تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ایمان بھی بغیر شرم کے باقی نہیں رہ سکتا۔ ؎ قطعہ

اے دل فاسق بگو این چہ تبہ کاری است	فسق نہ باشد نکو این چہ گنہگاری است
دعوے مہر و وفا می کنی اے بے صفا	ترک نہ گیری جفا این چہ وفاداری است

(اے بدکار دل بتا، تو کس تباہی میں مبتلا ہے۔ برائی کوئی اچھی چیز نہیں کیوں گناہ کرتا ہے۔ اے تاریک دل تو محبت کا دعویٰ کرتا ہے۔ جفائیں چھوڑتا نہیں، اسی کو وفاداری کہتے ہیں۔ قِیْلَ اَلْمُؤْمِنُ مُنِیْبُ الْقَلْبِ اِلٰی رَبِّہٖ (مومن منیب قلب کہا جاتا ہے جو اپنے پروردگار کی طرف نیابت کرنے والا ہوتا ہے) یعنی ہر وقت اور ہر حال میں خدا ہی کی طرف لوٹتا ہے۔ اس میں حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضرت ایوب علیہ السلام کے قصہ کا بیان ہے۔ ان میں ایک نے نعمت اور دولت پائی اور ایک نے بلا اور مصیبت نعمت اور بلا دونوں آپس میں ایک دوسرے کی ضد ہیں لیکن ان دونوں بزرگوں میں سے ہر ایک نے خدا کی طرف رجوع کیا۔ اور انھوں نے نعمت کے باوجود نعمت کی لذت نہیں اٹھائی وہ نعمت دینے والے کی طرف دھیان لگائے رہے۔ اور شکر انے میں نِعْمَ الْعَبْدُ کا خطاب پایا۔ اور دوسرے نے بلا کی حالت میں بلا دینے والے کو دیکھا صبر و شکر کے ساتھ اسی کی طرف رجوع کیا اور بلا سے فریاد نہیں کی نعم العبد کہہ کر سراہے گئے اور خدا کے ساتھ رجوع کرنا یہ ہے کہ بندے کو جو واقعہ کہ دنیا میں سامنے آتا ہے دو حال سے خالی نہیں ہے۔

یا نعمت ہے یا بلا۔ اور دونوں کے وسیلہ سے خدا تک پہنچ سکتا ہے۔ اور ان ہی دونوں کے ذریعہ خدا سے جدا بھی ہو سکتا ہے۔ اور آخرت کے حکم میں بھی دو حال سے خالی نہیں ہے۔ یا پرہیزگاری ہے یا گنہگاری اور ان دونوں کے ذریعہ خدا سے کٹ سکتا ہے۔ اور خدا تک پہنچ بھی سکتا ہے۔ خدا سے کٹ جانے کے اسباب ان دونوں میں سے یہ ہوں گے کہ اپنی عبادت پر نظر رکھے اور گھمنڈ کرے اور گناہوں کو نہ دیکھے اور فراموش کر دے جب اپنی عبادتوں کا دھیان لایا خدا کے احسان اور اکرام کو بھول گیا اور جب گناہوں کو نہیں دیکھا خدا کا احترام بھول بیٹھا۔ یہ دونوں باتیں بندے کو خدا سے کاٹ دیتی ہیں۔ لیکن دونوں کا خدا تک پہنچنا اس طرح ہوگا کہ عبادت کو نہ دیکھے اور گناہوں کو دیکھے۔ جب عبادت کی پونجی کو دھیان میں نہ لائے گا تو خود کو مفلس پائے گا اور گڑگڑاہٹ کے ساتھ سوال کرتا ہوا آگے بڑھے گا۔ یہ سمجھ کر نہیں کہ ہم اس کے مستحق ہیں۔ محض اس کے فضل واحسان پر نظر رہے گی نہ کہ اپنی عبادت اور خدمت پر۔ اور جب گناہوں اور نافرمانی کو دیکھے گا عذر اور معافی چاہے گا اور اس کا وہم وگمان تک نہ لائے گا کہ گناہ کر کے ہم نے بے حرمتی کی ہے۔ اس کی عظمت کا جلوہ گناہوں سے روکے رکھے گا۔ اور دونوں اس لیے خدا تک پہنچنے کا وسیلہ بن جائیں گے۔ یہی راز ہے جس کو کہا ہے ؎

فسقے کہ توبہ باشد پایان کار او   بہتر زطاعتے کہ بہ پندار سر کشد

(جس برائی کے بعد توبہ کی جائے گی وہ اس نیکی سے کہیں اچھی ہے جو غرور اور تکبر پیدا کرتی ہے) اور کہا گیا ہے اَلْمُؤْمِنُ مُحْتَرِقٌ بِقُرْبِہٖ وَصَارِخٌ مِنْ بُعْدِہٖ (اس کی نزدیکی سے مومن کا دل جلا جاتا ہے اور اس کی دوری سے فریاد کرتا ہے۔ یہیں سے کہا گیا ہے ؎

آن کس کہ بدید کبیر یارا   با نقش قبا چہ عشق بازد

(وہ کپڑوں کے گل بوٹوں سے کیوں عشق کرے گا جس نے خود خدا ہی کو دیکھا ہے)۔ قرب حاصل ہونے پر بھی اس طرح فریاد کرتا ہے کہ اس کو قرب حاصل نہیں ہوا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جب مطلوب کی صفات کی کوئی حد اور انتہا نہیں ہے۔ جہاں تک ڈھونڈتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب تک تلاش ہی نہیں کیا۔ اور جتنا بھی پاتا ہے وہ نہیں پانے کے درجہ میں ہے۔ اس لحاظ سے قرب سے محروم اور جلا ہوا رہتا ہے۔ اور اس قرب پر بھی دوری کی فریاد کرتا ہے۔ اسی کیفیت کی بنا پر کسی کہنے والے نے کہا ہے ؎

مسکین دل من گہے نیاسود   تا یار جمال خویش بنمود

(جتنا بھی دوست نے اپنا جمال دکھایا، میرا غریب دل کبھی سیر نہ ہوا)۔ اور ممکن ہے کہ اس کا مطلب یہ ہو کہ وہ یہ جانے کہ قرب اور بُعد میرے ساتھ نہیں ہے بلکہ دونوں خدا کے ساتھ ہیں جس طرح وہ کسی کے ساتھ رُکا ہوا نہ رہے گا اسی طرح اس کا کام بھی کسی چیز سے رک نہیں سکتا۔ ایسا ہوگا کہ قرب کو بُعد کا لباس اور بُعد کو قرب کا لباس پہنا دیا گیا ہو۔ کیونکہ اس کا کام قیاس پر ٹھیک نہیں اترتا۔ جب ایسا ہے تو اگرچہ اپنے بدن پر قرب کا خلعت دیکھے گا تو بھی بُعد کے مکر سے بے پروانہ رہے گا۔ ورنہ وہ نعمتوں کے خوف کو محنت بنا دے گا اور کل نعمتوں کی لذت کو چھین لے گا۔ مکر کے خوف سے جو قرب کی لذت اس نے حاصل کی تھی اس کے دل سے سب رخصت ہو جائے گی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ قرب ہونے کے باوجود بھی آرام نہ پائے گا۔ اور جس چیز سے آرام نہ پائے گا اس کا وجود نیست و نابود ہو جائے گا۔ اسی وجہ سے قرب سے جل جاتا اور بُعد سے فریاد مچاتا ہے۔ کسی دل جلے نے کہا ہے ؎

بندہ را با تو چہ نسبت کہ بہ گنج خوبی پادشاہے توئی و من مفلس مادر زادم

(بندے کو تیرے ساتھ کیا نسبت ہے، کیونکہ تو خوبیوں کا خزانہ ہے۔ تیری حیثیت ایک شہنشاہ کی ہے اور میں پیدائشی ایک قلاش فقیر ہوں)۔ اے بھائی! خدا کے احکام عقل و سمجھ اور قیاس سے بالاتر ہیں۔ آدم صفی اللہ نے کیا کیا تھا کہ ان کو صفوت کا خلعت پہنایا گیا۔ اور کم بخت شیطان نے کیا کیا تھا کہ فرشتوں کا لباس اُس کے بدن سے اتار لیا گیا۔ اگر اصطفا یعنی پاکیزگی کا سبب صفائی ہے تو چاہیے کہ علت کے ذخیرے میں آگ لگا دے تاکہ پہلے ہی قدم میں اس کو جنتِ عدن میں پہنچا دے۔ اگر شیطان کی نافرمانی کو اصل قیاس کیا جائے اسی قیاس کا اس نے جواب دیا۔ اس معنی کر کہ اگر شیطان سے کہا گیا کہ حضرتِ آدمؑ کو سجدہ کر اور اس نے سجدہ نہیں کیا۔ اور اسی طرح حضرتِ آدمؑ سے بھی کہا گیا کہ گیہوں نہ کھاؤ اور انھوں نے کھا لیا۔ پھر کیا سبب تھا کہ ان کو پاکیزگی اور صفائی کا تاج پہنایا گیا اور اُس بدبخت کو راندہ دیا گیا۔ اور وہ بھی اس طرح کہ کبھی بھی وہ مردود مقبول نہ ہو سکے۔ سر پر خاک اڑاتا ہے اور کہتا ہے رباعی

نے روزِ بہی نہ جائے فریاد مرا نے نیز کند بہ وصل دل شاد مرا
بنگر کہ بہ عاقبت چہ افتاد مرا معشوق بدست دشمنان داد مرا

(نہ مجھ کو خوشی کے دن ہی نصیب ہیں نہ فریاد کرنے کا کوئی موقع ہے۔ نہ کبھی اپنے وصال کے پیغام سے میرے دل کو خوش کرتا ہے۔ ذرا دیکھو تو اس کے نتیجہ میں میرے اوپر یہ مصیبت آئی ہے کہ معشوق نے

مجھ کو دشمنوں کے سپرد کر دیا ہے)۔ ابھی تک حضرتِ آدمؑ نے گیہوں نہ کھایا تھا کہ اجتبار کا تاج ان کے لیے تیار کر رکھا تھا۔ اور اب تک شیطان نے دم مارا بھی نہ تھا کہ لعنت کی تلوار کو عتاب کے پانی سے زہر آلود بنا دیا گیا تھا۔ وہ کم بخت کہتا ہے کہ اگر ہم کو کہا کہ حضرت آدمؑ کو سجدہ کرا ور ہم نے نہیں کیا تو حضرت آدم سے بھی کہا گیا گیہوں نہ کھاؤ انھوں نے کھالیا تو دونوں ہی ایک دوسرے کے برابر ہو گئے۔ اسی موقع پر کہا ہے ؎

نے، مکن چندین قیاس اے حق شناس	زانکہ ناید کار بے چون در قیاس
عقل در سودائے او حیران بماند	جان زعجز انگشت در دندان بماند
در جلالش عقل و جان فرتوت شد	عقل حیران ماند جان مبہوت شد

(اے حق شناس اس قدر قیاس کے گھوڑے نہ دوڑا۔ کیونکہ خدائے بے چون کے کام عقل و فہم سے باہر ہیں۔ عقل اس کی حقیقت کے ادراک میں حیران ہے اور جان اپنی بے بضاعتی کو دیکھ کر انگشت بدندان۔ اس کی عزت و جلال کے سامنے عقل ضعیف و عاجز ہو گئی۔ بلکہ عقل و جان دونوں ششدر ہو کر رہ گئیں۔ والسلام۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تینتالیسواں مکتوب ۴۳

اسلام کے شکر اور رابعہ بصریؒ اور ابراہیم ادہمؒ کے ذکر میں

برادر اعز شمس الدین آگاہ ہو کہ اسلام سب نعمتوں کی جڑ ہے تم کو چاہیے کہ کسی وقت بھی اس نعمت کے شکریہ سے خاموش نہ بیٹھو۔ اور ایسا خیال کرو کہ اگر ابتدائے آفرنیش میں پیدا ہوتے اور اس وقت سے قیامت تک اس انعام کا شکر بجا لاتے جب بھی اس نعمت کی عطا کا حق شکر ادا نہ کر سکتے۔ روایت ہے کہ جب قاصد مصر سے حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس پہنچا اور حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشخبری ان کو دی تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو کس دین و مذہب پہ تو نے پایا۔ قاصد نے کہا دینِ اسلام پہ۔ آپ نے فرمایا ہاں، اب نعمت ختم ہوئی۔ تم کو چاہیے کہ کسی وقت بھی اس نعمت سے غافل نہ رہو کیونکہ روایت ہے حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ سے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ جو شخص اسلام کے نقصان سے

بے پرواہ ہو اس کے دل سے اسلام بالکل زائل ہو جائے گا۔ اس سے خدا کی پناہ۔ اور آپ ہی کا یہ واقعہ ہے کہ ہر سانس میں فرماتے تھے اَللّٰھُمَّ سَلِّمْ اَللّٰھُمَّ سَلِّمْ (اے اللہ ہم کو مسلمان بنا، مسلمان بنا) یعنی سلامتی عطا فرما۔ جیسا کہ کشتی ڈوبنے کے وقت کوئی کہے کہ اے اللہ ہم کو سلامت رکھ۔ اور ایک بزرگ سے نقل ہے کہ انھوں نے کہا کہ ایک پیغمبر نے خدا سے سوال کیا بلعم باعور کے حال اور اس کے مردود بارگاہ ہونے کے متعلق۔ کیونکہ اس قدر بزرگی اور علم کے باوجود کہ جب سر اٹھاتا تھا تو عرش معلی کو دیکھتا تھا۔ اس کی مجلس میں بارہ ہزار علما سبق پڑھتے تھے جب خدا کا فرمان پہنچا کہ ہم نے اس کو علم کی دولت عطا فرمائی تو شکر بجا نہیں لایا۔ اگر تمام عمر میں ایک دفعہ بھی شکر کرتا تو کبھی وہ نعمتیں اس سے نہ چھینی جاتیں۔ اور نعمت کا چھن جانا نعمت ملنے کے بعد بڑا سخت عذاب ہے۔ اسی موقع پر کہتے ہیں اَلْفِرَاقُ بَعْدَ الْوِصَالِ اَشَدُّ یعنی وصل کے بعد جدائی بڑا سخت کٹھن معاملہ ہے۔ دانشمندوں نے کہا ہے کہ ہم نے دنیا کی تکلیف اور مصیبت کو دیکھا تو پانچ بہت سخت نظر آئیں۔ ایک پردیس میں بیماری، دوسری بڑھاپے میں مفلسی، تیسرے جوانی کی موت، چوتھی بینائی کے بعد آنکھوں کی روشنی کا چلا جانا۔ پانچویں وصل کے بعد جدائی۔ اور اگر تم کہو کہ ان سختیوں اور دشواریوں کے باوجود کس شخص میں اس کی تاب و طاقت ہے کہ اس کی شرطیں بجا لائے تو سن لو کہ قرآن مجید بھی فتویٰ دیتا ہے وَقَلِیْلٌ مِّنْ عِبَادِیَ الشَّکُوْرُ (ہمارے بندوں میں شکر کرنے والے بہت کم ہیں)۔ لیکن فرماتا ہے وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا یعنی جو لوگ ہمارے لیے جدوجہد کرتے ہیں ہم ان کو اپنا راستہ دکھا دیتے ہیں)۔ تو کمزور بندے کے سامنے جو کچھ آتا ہے اس پر وہ قائم رہے۔ تم کیوں خدائے قدیر و غنی و کریم و رحیم پر گمان کرو گے کہ تمھاری جدوجہد کو وہ برباد کر دے گا۔ ہرگز نہیں، ہرگز نہیں۔ اور اگر یہ شبہ کرو کہ انسان کی زندگی تھوڑی ہے اور راستہ کی مشکلیں سخت اور بہت ہیں۔ زندگی کیونکر ساتھ دے سکتی ہے کہ آدمی کل شرطیں بجا لائے اور ان مشکلات کو طے کرے۔ جان لو کہ راستہ کی دشواریاں بہت ہیں اور اس کی شرطیں بھی بڑی کڑی ہیں۔ لیکن جب خدا چاہے کہ بندے کو قبول فرمائے تو اتنا لمبا راستہ مختصر کر دے گا اور مشکلیں حل ہو جائیں گی۔ تا کہ ان مشکلوں کے ٹل جانے پر یہ کہے کہ راستہ کس قدر نزدیک ہے۔ اور کتنا آسان یہ کام ہے یہیں پر بعض بزرگوں نے کہا ہے کہ خدا تک پہنچنے کی راہ صرف دو قدم ہے۔ اور اس میں فرق ہوتا گیا ہے کسی نے ستر برسوں میں راستے کی مشکلیں طے کی ہیں اور کسی نے بیس ہی برس میں اور

کوئی دس برس میں، اور کوئی ایک برس میں، اور کوئی ایک مہینہ میں، بلکہ ایک ہفتہ میں، بلکہ ایک گھڑی میں۔ اور کوئی ایسا بھی ہے جو خدا کی مدد سے پل بھر میں راستہ طے کرلے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اصحابِ کہف کو پل بھر سے زیادہ نہیں گذرا کہ جب دقیانوس کے ملک میں گڑبڑی دیکھی کہا ہمارا پروردگار زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا ہے۔ اور دیکھ لیا اس راستہ میں جو جو حقائق ہیں۔ اور اس راستے کو طے کرلیا اور مستقیموں اور متوکلوں کے گروہ میں داخل ہوگئے۔ اور ان کے لیے اس راہ کی مسافت پل بھر میں حاصل ہوگئی اور فرعون کے جادوگروں کے ساتھ بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ ان کی مدت بھی ایک لحظہ سے زیادہ نہ تھی۔ کیونکہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ دیکھا تو پکار اُٹھے ہم خدائے دوجہاں پر ایمان لائے اور راستہ دیکھا اور طے کرلیا۔ اور ایک گھڑی سے دوسری گھڑی تک بلکہ ایک گھڑی سے بھی کم مدت میں عارفوں کے گروہ میں شامل ہوگئے اور دیدارِ الٰہی کے مشتاق بن گئے۔ یہاں تک کہ دفعتہً بول اٹھے ہم لوگ اپنے خدا کی طرف لوٹنے والے ہیں، ہمارے لیے کوئی نقصان نہیں ہے تیرا جو جی چاہے کر۔ ہم اپنے پروردگار کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ اسی بھید کو سامنے رکھ کر کہا ہے ؎

گہ سگے را رہ دہد تا پیش گاہ — گہ کند مر گربہ را مکسوف راہ

(کبھی کتے تک کو اپنی کرسی کے پاس بلا لیتا ہے۔ کبھی بلّی کے لیے راستہ بند کردیتا ہے)۔ قصّہ ہے کہ حضرت ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ دنیا کے کام دھندوں میں لگے رہتے تھے جب دنیا سے منھ پھیر کر آپ نے سلوک کا راستہ اختیار کیا اُن پر ایک نماز کے وقت سے زیادہ کی مدت راہ کے طے کرنے میں نہیں لگی۔ کہ بلخ سے آپ مُرو تک پہنچے۔ یہ واقعہ ہوا کہ ایک شخص پل پر سے ندی میں گر رہا تھا آپ نے انگلی سے اشارہ کیا کہ رُک جا۔ وہ شخص ہوا میں معلق کھڑا ہوگیا اور مرنے سے بچ گیا۔ اور حضرت رابعہ بصریؒ ایک لونڈی تھیں جو ادھیڑ ہوچکی تھیں۔ بصرے کے بازار میں ان کی طرف کوئی خریدار توجہ نہیں کرتا تھا چونکہ ان کا سن زیادہ ہوچکا تھا۔ سوداگروں میں سے کسی نے سو روپیہ میں آپ کو خرید لیا اور آزاد کردیا۔ اور حضرت رابعہؒ نے جب سلوک کا راستہ اختیار کیا عبادت کرنے لگیں۔ ابھی سال ختم بھی نہیں ہوا تھا کہ بصرہ کے عابد اور علما ان کے مرتبے کی عظمت اور بڑائی کی وجہ سے زیارت کو آنے لگے۔ لیکن جو محروم القسمت ہے کہ اس پر خدا کی عنایت کی نظر نہ ہو اس کو اُس کے حال پر چھوڑ دیتا ہے۔ اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مشکلات راہ کی کسی ایک شاخ میں ستر برس تک اٹک کے رہ جاتا ہے اس طرح کہ راستہ طے نہیں کرسکتا اور ہمیشہ چیختا چلاتا

رہتا اور فریاد کرتا ہے کس قدر یہ راستہ باریک اور کس قدر کام سخت ہے۔ اور سمجھو کہ ایک ہی اصل حقیقت کی طرف سب کام لوٹتا ہے۔ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ (اور یہ خدائے دانا و بزرگ کی مشیئت ہے)۔ اور اگر کوئی اعتراض کرے کہ ایک شخص خاص عنایت کے ساتھ کیوں نوازا گیا اور ایک دوسرا شخص خاص توجہ سے کیوں محروم کر دیا گیا۔ حالانکہ یہ دونوں عبادت اور بندگی میں بالکل شریک تھے۔ اے بھائی! بہت عرصہ ہوا کہ جہاں میں آواز دے چکے ہیں لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ (وہ جو کچھ کرتا ہے اس کے متعلق کوئی سوال نہیں کیا جا سکتا)۔ سارے علم و عقل یہاں نیست و نابود ہو جاتے ہیں جیسا کہ کہا ہے۔ ع

صد ہزاراں سر درین رہ گوے شد بسکہ خونہا زین سبب در جوے شد

صد ہزاران عقل این جا سر نہاد وانکہ او ننہاد سر در رہ فتاد

(اس راستہ میں ہزاروں سر گیند بن کر ٹھوکروں سے اڑ گئے۔ اسی سبب سے ندیوں میں خون بھر گیا۔ ہزاروں عقلوں نے یہاں سر ڈال دیا۔ اور جس نے سر نہیں رکھا وہ راستہ میں پڑا رہ گیا)۔ ایک بزرگ نے اسی موقع پر کہا ہے قَتَلَتْنِيْ مَسْئَلَةُ الْقَضَاءِ وَالْقَدَرِ (ہم کو مار ڈالا قضا و قدر کے مسئلہ نے۔ اس راستے کی مثال عقبیٰ میں پل صراط کی ہے۔ یعنی کوئی شخص ایسا بھی ہوگا کہ بجلی کی طرح وہ پل صراط کو عبور کرے اور کوئی ایسا ہوگا جو ہوا کی طرح پل سے گذر جائے گا۔ اور کوئی ایسا ہوگا جو پرندوں کی طرح طے کرے گا۔ اور کوئی ایسا ہوگا جو گھوڑے کی طرح دوڑ لگا کر چلا جائے گا۔ اور کوئی ایسا ہوگا کہ جب دوزخ کی آواز اس کے کان میں پہنچے گی اس کی ہیبت سے گر پڑے گا۔ اور کوئی ایسا بھی ہوگا کہ دوزخ کے سپاہی اس کو پکڑ لیں گے اور دوزخ کی آگ میں جھونک دیں گے۔ تو یہ دو پل ہوئے ایک دنیا اور ایک آخرت کا۔ آخرت کا پل روحوں کے لیے ہے اس کی ہیبت بینائی رکھنے والے لوگ دیکھتے ہیں۔ اور دنیا کا پل دلوں کے لیے ہے۔ اس کی خوفناکی ظاہری آنکھ رکھنے والے دیکھتے ہیں۔ اور سالکانِ طریقت کا حال مختلف ہونا ان کی دنیاوی حالتوں کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ اس پر غور کرو اور جہاں تک معرفت کا حق ہے پہچاننے کی کوشش کرو۔ جب کہیں ممکن ہے کہ کسی کام تک پہنچ سکو۔ کیونکہ بے خبر آدمی کا کہیں گذر نہیں جیسا کہ کہا ہے۔ ع

از پئے صاحب خبران ہست کار بے خبران را چہ غمِ روزگار

(خبر والوں ہی کو کام سپرد کیا گیا ہے۔ بے خبر لوگوں کو زمانے کی اونچ نیچ کی کیا فکر) اب جانو کہ

اس کام کی حقیقت یہ ہے کہ یہ راستہ درازی اور کوتاہیِ مسافت کے اعتبار سے ایسا نہیں ہے کہ اس کو پاپیادہ چل کر طے کیا جاسکے۔ بلکہ اس کی مسافت کاٹنے کرنا دل سے متعلق ہے اپنے اپنے عقیدے اور بصیرت کی بنا پر۔ اور اس میں اصل انوار آسمانی اور خداوند کریم کی نظر ہے جو بندے کے دل پر پڑتی ہے کہ اسی نظر کی مدد سے فرشتوں اور عالم ملکوت کے کاموں کو یقین کی آنکھ سے دیکھے۔ اور ایسا بہت ہوتا ہے کہ ہزاروں برس سے بندے کو اس نور کی تلاش وطلب ہوتی ہے، مگر پاتا نہیں۔ اور ایک دوسرا دس برس میں پالیتا ہے۔ اور ایک دوسرا ایک دن اور کوئی دوسرا ایک گھڑی میں اور کوئی دوسرا صرف پل بھر میں خدا کی عنایت کی برکت سے پالیتا ہے۔ اور بندے کے لیے ضروری ہے کہ جو کچھ اس کو کہا گیا ہے وہ بجا لائے۔ اور یہ کام ایسا ہے کہ مشیئت کے پردے میں پوشیدہ ہے اور باری تعالےٰ حاکم وعادل ہے یَحْکُمُ مَا یَشَاءُ وَیَفْعَلُ مَا یُرِیْدُ (یعنی جو چاہتا ہے فرمان دیتا ہے اور جو ارادہ کرتا ہے کرتا ہے) اگر تم کہو کہ اس قدر جد وجہد آخر کیوں ہے جب نتیجہ پوشیدہ ہے۔ یہ ایسی بات ہے جو تمھاری غفلت پر دلالت کرتی ہے۔ اچھی بات یہ ہے کہ تم کہو ضعیف بندہ جو کچھ مانگتا ہے اس کے مقابلہ میں وہ عمل اور جہاد سخت کچھ نہیں ہے۔ ایک تو دین دنیا کی سلامتی دوسرے دونوں جہان میں بزرگی کا سرمایہ۔ لیکن دنیا کی سلامتی اس لیے کہ اس کے فسادات اور فتنے اتنے زبردست ہیں کہ وہ فرشتے جو خدا کی بارگاہ میں مقرب تھے وہ بھی اس سے دامن بچا نہ سکے۔ جیسا کہ ہاروت و ماروت کے قصہ میں تم نے سنا ہوگا۔ روایت ہے کہ جب بندے کی روح آسمان پر لے جاتے ہیں تو ساتوں آسمان کے فرشتے متعجب ہو کر کہتے ہیں اس روح نے کیونکر نجات پائی ایسی سرائے سے جہاں کہ ہمارے بہتر سے بہتر لوگ ہلاک ہوگئے۔ اور سرائے آخرت کی سختیاں اور ہیبت ناکیاں اس حد تک ہیں کہ انبیا اور رسول نفسی نفسی کہہ کے فریاد کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہم تجھ سے سوائے اپنے نفس کے کچھ نہیں چاہتے۔ پھر کیا کہوگے کہ اس کام کی سلامتی معمولی اور تھوڑی ہے۔ لیکن ملک اور کرامت اور وہ مشیئتِ الٰہی کے کاموں میں دنیا کے اندر دخل دینا ہے۔ اور یہ بات سوائے اولیا کے کسی کو نصیب نہیں کہ ان کے لیے دریا اور بیابان ایک قدم کی راہ ہے۔ اور آدمی جنات، چوپائے اور جنگلی چرند وپرند ان کے حکم کے تابع ہیں۔ یہ جو کچھ چاہیں ہوجائے۔ مگر جو اللہ نے چاہا ہے یہ اس کے سوا اور کچھ نہ چاہیں گے۔ اور وہ یقینی ہو کر رہے گا۔ تو اس مالک کے مقابلے میں کیا کہوگے؟ دو رکعت نماز ادا کرنا یا دو روپیہ خیرات دینا

یادہ راتیں جاگنا کافی ہے؟ خدا کی قسم ایسا نہیں ہے۔ اگر آدمی میں ہزاروں ہزار جان ہوں اور ہزاروں روحیں ہوں اور ہزاروں برس کی عمریں ہوں دنیا کی عمر کے برابر لمبی تو اس بلند مقصد کے لیے سبھوں کو تج دینا پڑے گا۔ آخر تھوڑا تھوڑا ہی ہے۔ اے بھائی جہاں تک ہماری اور تمھاری نظر پہنچی ہے یہی دیکھتے ہیں کہ انسان ضعیف البنیان واقع ہوا ہے اور اس کے قویٰ محض مختصر ہیں۔ لیکن باطنی خزانے اور اسرار جو اس کو سونپے گئے ہیں ان کے اعتبار سے یہ عالم اکبر کی حیثیت رکھتا ہے۔ آسمان کے تارے جو اس دنیا میں ہم کو اتنے اونچے دکھائی دیتے ہیں اور یہ چاند جو بادشاہ کا درجہ رکھتا ہے اور یہ آفتاب جو سبھوں کا شہنشاہ ہے اور جہان کی روشنی کی خدمت اسی کے سپرد ہے یہ سب کے سب مومن کے دل سے روشنی اخذ کرتے ہیں۔ اور مومن کا دل حق تعالیٰ کی نظر سے نور حاصل کرتا ہے۔ اس نے عرش پیدا کیا اور مقربوں کے حوالے کیا اور بہشت پیدا کیا رضوان کے سپرد کیا۔ اور دوزخ بنایا مالک کے حوالہ کیا مومن کا دل پیدا کیا۔ کما اَلْقُلُوْبُ الْمُؤْمِنِ بَیْنَ اَصْبَعَیْنِ مِنْ اَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ (مومن کا دل خدا کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے بیچ میں ہے اور اَصْبَعَیْن کی تاویل فضل و عدل سے کی گئی ہے۔ جب کبھی خدا کے فضل کی ہوا چلتی ہے وہ مست و خوش ہو جاتا ہے۔ اور جب قہر و عتاب کی لُو اس پر سے گذرتی ہے پگھل جاتا ہے۔ ان دونوں صفتوں کے بیچ میں یہ ضعیف مدہوش۔ اور ان دو حالتوں کے بیچ میں بے ہوشی اس کا کام ہے۔ یہی اسرار ہیں جس کو کہا ہے رباعی

گہ شربت وصل تو مرا مست کند — گہ ضربت ہجر تو مرا پست کند
چون بگذارم زہجر نقدے زغمت — نقدے دگرم عشق تو بر دست کند

(کبھی تمھارے وصل کی شراب ہم کو مست بنا دیتی ہے۔ کبھی تمھاری جدائی کی مار ہم کو بے سدھ کر دیتی ہے۔ جب فراق کے عالم میں تمھارے غم کی پونجی ہم چھوڑ دیتے ہیں تو یہ عشق اسی طرح کے غم کی پونجی ہمارے ہاتھ پر رکھ دیتا ہے)۔ والسلام

—٭—

بسم اللہ الرحمن الرحیم

چوالیسواں مکتوب ۴۴

شرک خفی کے بیان میں

میرے بھائی شمس الدین جانو کہ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اَلشِّرْكُ اَخْفٰی فِیْ اُمَّتِیْ مِنْ دَبِیْبِ النَّمْلِ عَلَی الصَّخْرَةِ السَّمَّاءِ فِیْ لَیْلَةِ الظَّلْمَاءِ (میری امت میں شرک اس چیونٹی کی چال سے زیادہ چھپا ہوا ہے جو اندھیری رات میں کالے پتھر پر چل رہی ہو)۔ تو جانو کہ اگرچہ یہ شرک ایمان کو نقصان نہیں پہنچاتا مگر ایمان کی حقیقت اور ایمان کے فائدوں میں نقصان ضرور لاتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے خالص سونا بھی سونا ہے اور وہ سونا جس میں ملاوٹ ہو اس خالص سونے کے برابر نہیں ہو سکتا۔ اور اس کی قیمت کم ہوگی۔ اور حقیقت میں ایمان خداوند تعالیٰ کی توحید ہے اور توحید شرک کی ضد ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب تک شرک نہیں اٹھ جائے گا توحید حاصل نہیں ہو سکتی جب شرک کی جڑ اکھڑ گئی اپنی اصلی شکل میں توحید ظاہر ہو گئی۔ اگر مقصود یہ ہے کہ ایمان اور توحید اصلی صورت میں سامنے آئے تو جتنی شرک کی آلودگی اور آمیزشیں ہیں ایک ایک کر کے نکال دو۔ اور وہ آلودگی شرک خفی ہی ہے۔ اور شرک خفی کے معنی خدا کے سوا کسی دوسری شخصیت سے نفع اور نقصان کا دیکھنا ہے۔ امید اور ڈر خدا کے سوا کسی دوسری ذات سے کرنا ہے بکاری کی باریکیاں اور اپنا دنی پوشیدگی اور غرور اور تکبر کے چھپانے کی کوشش کرنا، اور لوگوں کی تعریف سے خوش ہونا اور اپنی مذمت اور برائی سن کر رنجیدہ ہونا یہ سب شرک خفی میں داخل ہے۔ اور حکم یہ ہے وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا یعنی اللہ ہی کو پوجو اور کسی کو اس کے ساتھ ذرہ بھر شریک نہ کرو۔ یہی بھید ہے جس کو کہا ہے۔ مثنوی۔

نکو گوئے نکو گفتہ است در ذات | کہ اَلتَّوْحِیْدُ اِسْقَاطُ الْاِضَافَاتِ
چرا در وحدتت پیوند جوئیم | توئی مطلوب و طالب چند گوئیم

(ایک اچھے کہنے والے نے کیا خوب کہا ہے کہ توحید اللہ تعالیٰ کی ذات سے تمام اضافتوں کو گرا دینا ہے۔ تیری وحدانیت میں کسی غیر کو ہم کیوں شریک کریں۔ تو ہی مطلوب ہے، اور تو ہی طالب ہم کہاں تک

بیان کریں۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ ایک شرک ظاہر ہے اور ایک پوشیدہ ہے۔ پوشیدہ شرک حضرت پیغمبر علیہ السلام کی امت میں جاری ہے جیسا کہ ایک حدیث پڑھ کر میں نے سنائی۔ اور حدیث کے معانی لکھے گئے ہیں ایک معنی یہ ہے کہ شرکِ خفی کو چیونٹی کی چال سے تشبیہ دی گئی ہے یعنی دبیب النمل کہا گیا ہے۔ اور چیونٹی کی چال معلوم کرنا ناممکن ہے کوئی کان اس کے پاؤں کی آواز نہیں سن سکتا۔ اور نہ کوئی آنکھ اس کے پاؤں کی حرکت دیکھ سکتی ہے۔ اسی طرح شرک خفی بندوں کے اندر جاری ہے۔ اور خود بندوں کو اس کی خبر نہیں ہے ؎

مست چہ خسپی کہ کمین کردہ اند کارِ شناساں نہ چنین کردہ اند

چرخ نہ برپائے درمان می زند قافلۂ محتشمان می زند

(تو کیا غافل سوتا ہے کہ لوگ گھات میں لگے ہوئے ہیں۔ عارف لوگ تو ایسی غفلت نہیں کرتے۔ آسمان غریبوں کو نہیں لوٹتا بلکہ امیروں کا قافلہ لوٹا کرتا ہے)۔ اور پھر اس چیونٹی کی چال کو پتھر پر کہا گیا ہے نہ مٹی پر۔ اس لیے کہ مٹی پر چلنے سے اس کے پاؤں کا نشان رہ جائے گا۔ اس نشان کے دیکھنے سے پتہ چل جائے گا کہ ادھر سے چیونٹی گذری ہے۔ اور جب پتھر پر چلے گی تو کوئی نشان نہ رہے گا۔ اور کسی کو اس کے چلنے کی خبر بھی نہ ہوگی۔ یہ اس کی دلیل ہے کہ شرکِ خفی بندوں میں جاری ہے اور بندوں کو اس کی خبر تک نہیں۔ اور پھر اندھیری رات کہا۔ اس لیے کہ وہ پتھر کالا ہوتا ہے، اور چیونٹی بھی اپنے طور پر کالی ہی ہوتی ہے۔ سیاہی میں سیاہی، اس پر پھر سیاہی۔ کیونکر دیکھی جا سکتی ہے۔ اسی طرح اگر شرکِ خفی برابر سرزد ہو تو تاریکیاں جمع ہو جائیں گی۔ اس وقت گناہ صغیرہ گناہ کبیرہ کا کام کرنے لگے گا! ور ایمان کی حقیقت یہی ہے کہ سب چیزوں کو وہ حق ہی دیکھے! ور بالکل حق ہی کا ہو رہے۔ جس نے دونوں جہان میں کسی غیر حق کو دیکھا اس نے شرک کیا۔ ایک بزرگ نے اسی مقصد کی طرف اشارہ کیا ہے ؎

چون یکے دانی و یکے گوئی بہ دوسہ و چہار چون پوئی

بہ الف ہست ب وت ہمراہ ب وت بت شمر الف اللہ

(جب تو ایک ہی کو دیکھتا ہے اور ایک ہی کہتا ہے تو دوسرے تیسرے کی طرف کیوں جاتا ہے۔ الف کے ساتھ ب اور ت بھی ہے تو ب اور ت کو بت سمجھ اور الف کو اللہ جان) اور اس بات کی دلیل حضرتِ حارثہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ جب انھوں نے ایمان کی حقیقت کا دعویٰ کیا۔ اور

اپنے دعوے کی سچائی کی جو دلیل قائم کی اس میں نفع اور نقصان غیر حق کے ساتھ منقطع کر دیا گیا تم نہیں جانتے کہ انھوں نے کہا اِسْتَوٰی عِنْدِی ذَھَبُھَا وَ فِضَّتُھَا وَ حَجَرُھَا وَ مَدَرُھَا ہمارے نزدیک سونا چاندی اور جواہرات ٹھیکری کے برابر ہیں۔ اصل میں سونا اور چاندی کا نفع ہے کیونکہ دنیا کی تمام نعمتیں انھیں کے ذریعہ حاصل ہو سکتی ہیں۔ ان کے نزدیک سونا اور چاندی خاک دھول کے برابر ہو گئے۔ اور نفس انسانی کے فائدے کھانے اور سونے میں ہیں دونوں کو برابر رکھا اور کہا اَسْھَرْتُ[1] لَیْلِی وَ اَظْمَاتُ نَھَارِی (میں نے رات کی صبح کی اور دن کو تشنہ رہا) اور اس فائدے کا ان کو ایک خاص نفع ہوا جب کہ موجودہ جہان سے انھوں نے نفع کا ہاتھ اٹھا لیا تو دنیا ان کی نظر سے غائب ہو گئی۔ جب ایمان کی حقیقت پر دلیلیں قائم کیں تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے فرمایا اَصَبْتَ فَالْزَمْ (تم نے پا لیا پس اسی پر قائم رہو) یہ راز ہے جس کو کہا ہے۔

خلق تا در جہانِ اسباب اند ہمہ اندر شب اند و در خواب اند
ترکِ ترتیب رخش توحید ست نقص ترتیب محض تجرید ست

(جب تک لوگ اسباب کی اس دنیا میں ہیں وہ گویا رات میں سوئے ہوئے ہیں۔ تدبیر کا ترک کرنا توحید کی سواری ہے۔ اور ترتیب کو توڑ دینا تجریدِ محض ہے)۔ اور بھی پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا۔ لَا رَاحَةَ لِلْمُؤْمِنِ دُوْنَ لِقَاءِ اللّٰہِ۔ اَلْمَوْتُ دُوْنَ لِقَاءِ اللّٰہِ۔ (مومن کے لیے آرام نہیں ہے سوائے خدا کے دیدار کے۔ اور خدا کا دیدار نہ ہونا موت ہے۔ مومن کے لیے آرام اُس وقت ہے کہ اس کا ایمان حقیقی ہو جائے۔ اور اس کے ایمان کی حقیقت تعلقات سے کٹ جاتی ہے۔ اگر دنیا کے اندر یہ صفت اس میں ہو جائے اس کی آنکھوں میں دنیا قیامت کی طرح نظر آنے لگتی ہے۔ جیسا کہ حارث رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا۔ مثنوی۔

ہر کہ جوید ولایتِ تجرید وانکہ خواہد ولایتِ توحید
از درونش نیاید آسائش در برونش نہ شاید آرائش
کشف اگر بند گردوت برتن کشف را کفش ساز و بر سر زن

---

[1] بعض نسخوں میں اَسْھَرْتُ لَیْلِی وَ اَظْلَمْتُ نَھَارِی۔ جس کے معنی ہیں میں نے اپنی رات منور اور دن کو تاریک کیا۔

سگ بِ دون ہمت استخوان جوید پنجۂ شیر مغز جان جوید

(جو شخص چاہتا ہے کہ تجرید اور توحید کا ملک حاصل کرے اس کو چاہیے کہ ہمیشہ بے چین رہے اور ظاہری بناؤ سنگار سے کوئی تعلق نہ رکھے۔ اگر کشف و کرامت اس کے بدن کا ایک ایک جوڑ ہو جائے تو چاہیے کہ اس کشف کو پاؤں کا جوتا بنا کر اپنے سر پر مارے۔ پست ہمت والا کتا ہر جگہ ہڈی تلاش کرتا ہے مگر شیر کا پنجہ زندہ مغز ڈھونڈتا ہے)۔ یہ نہیں حاصل ہو سکتا جب تک کہ تو اپنے تعلقات کو نہ چھوڑ دے۔ جو شخص سوائے خدا کے کسی دوسرے سے ڈر گیا یا غیر خدا سے اس نے امید باندھی اگرچہ حقیقۃً وہ شرک کا مرتکب نہیں ہوا لیکن خوف اور امید کے معاملے میں وہ مشرک ہو جائے گا۔ اور دوسری صفتیں بھی اسی پر قیاس کر لو۔ اور یہاں سے سمجھو کہ جس کسی نے اپنے کو عبادت کے ذریعہ واصل بحق سمجھا اور گناہوں سے الگ تھلگ جانا تو گویا اُس نے وصل اور جدائی غیر خدا کے ذریعہ دیکھی۔ یہ بھی شرک ہو گیا۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ بندہ ایمان کی ڈینگ نہ ہانکے جب تک کہ اس کی صفتیں ویسی ہی نہ ہو جائیں۔ کُلُّہٗ مِنَ الْحَقِّ وَ بِالْحَقِّ وَ لِلْحَقِّ وَ اِلَی الْحَقِّ (اس کا سب خدا ہی سے ہے اور خدا ہی کے ساتھ ہے اور خدا ہی کے لیے ہے اور خدا ہی کی طرف ہے)۔ یعنی ہر چیز کی ابتدا خدا ہی ہے اور سب چیز کا وجود و قیام خدا کے ساتھ ہے اور ساری ملکیت اور بادشاہت خدا ہی کی ہے اور سب کی واپسی اور لوٹنا خدا ہی کی طرف ہے۔ جب یہ صفتیں پیدا ہو جائیں تو ایسا شخص اپنے ایمان میں متحقق ہو جائے گا۔ اور بھی حضرت پیغامبر علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ تَعِسَ عَبْدُ الدُّنْیَا وَ تَعِسَ عَبْدُ الدِّرْھَمِ وَ تَعِسَ عَبْدُ بَطْنِہٖ وَ تَعِسَ عَبْدُ فَرْجِہٖ وَ تَعِسَ عَبْدُ الْخَمِیْصَۃِ (دنیا کے بندے ہلاک ہو گئے اور روپیہ پیسے کے بندے ہلاک ہو گئے اور پیٹ کے بندے ہلاک ہو گئے۔ اور شہوت کے بندے ہلاک ہو گئے اور پوشاک کے بندے ہلاک ہو گئے) یہ جو آپ نے فرمایا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بددعا دی ہو یعنی ایسا ایسا شخص ہلاک ہو جائے جو کہ ان چیزوں کا بندہ ہے۔ یا آپ نے خبر کے اعتبار سے فرمایا کہ ایسے ایسے لوگ ہلاک ہو چکے جو ان چیزوں کے بندے ہیں۔ اگر یہ بددعا ہے تو حضرت کی دعائیں یقینی مقبول ہیں۔ اور اگر خبر ہے تو آپ کی باتیں بالکل سچی ہیں۔ پس زمانہ گذر گیا کہ ہم جیسے بدبخت لوگ ہلاک ہو چکے اور اپنی جہالت اور گمراہی سے آگاہ بھی نہیں ہوئے اور مسلمانی کے دعوے کا ڈنکا بجا رہے ہیں۔ بہیں سے کہنے والے نے کہا ہے۔ رباعی۔

در دیدہ ہے ساز تو خیالے بگماشت
بہر دیدن آن خیال عمرے بگذاشت
چون خلعتِ خورشید عیان سر بر داشت
در دیدہ غلط بماند در سر پنداشت

(تیرے دیدار کے لیے آنکھوں کا راستہ اور سر میں ایک خیال بنایا۔ پھر اس خیال کو دیکھنے کے لیے ایک عمر گذار دی۔ لیکن جب آفتاب کی چمک بلند ہوئی تو ظاہر ہوا کہ آنکھوں کا راستہ غلط اور خیال محض دھوکا تھا)۔ اسی مطلب کو لے کر کسی دوسرے آشفتہ حال نے کہا ہے۔ رباعی

بستردنی ہست ہر انچہ بنگاشتہ ایم
افگندنی ہست ہر انچہ برداشتہ ایم
سودا بود ست ہر انچہ پنداشتہ ایم
دردا کہ بہ عشوہ عمر بگذاشتہ ایم

(جو کچھ ہم نے لکھا وہ مٹا دینے کے لائق ہے۔ اور جو کچھ ہم نے جمع کیا وہ پھینک دینے کے لائق ہے۔ اور جو کچھ ہم نے جانا وہ خیال خام اور وہم تھا۔ افسوس صد افسوس کہ ہم نے محض دل لگی اور ہنسی ہی میں عمر گذاری)۔ جب بندہ ان چیزوں کی خواہش کرے گا تو خدا کے ساتھ جو بندگی کی صفت ہے وہ اُٹھ جائے گی۔ یعنی ان چیزوں کا بندہ ہو جائے گا اور خدا کا بندہ نہ رہے گا۔ کیونکہ جب تک زید کی ملکیت ہے عمر کی ملکیت نہیں ہو سکتی۔ اور جب تک غیر خدا کی نسبتیں اس سے زائل نہ ہو جائیں وہ خدا کا بندہ نہیں ہو سکتا۔ شریعت میں اس کی مثال اور بھی ہے۔ وہ یہ کہ کوئی شخص سرائے میں داخل ہونا چاہتا ہے ایک پاؤں اس نے سرائے کے اندر رکھا اور دوسرا پاؤں سرائے سے باہر ہے۔ ایسی حالت میں اُس کو یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ سرائے کے اندر داخل ہے اور یہ بھی نہیں کہا جائے گا کہ وہ سرائے سے باہر ہے۔ اگر کوئی اس کو داخل یا خارج کہے گا یقینی جھوٹا ہے۔ تو اس شخص نے بھی اپنے کو غیر خدا کا بندہ بنا لیا۔ اپنی خواہشات سے، اور ڈر سے، اور ڈر کر بھاگنے سے، اور کسی شے کی طلب سے جو خدا کے سوا کسی دوسرے کی گئی ہو۔ اگر بالکل یہ صفتیں اس میں آگئی ہیں تو ایمان کے دائرے سے وہ ایک دم خارج ہو گیا۔ اور ان دونوں صفتوں میں جس شخص کو تردد اور شک باقی ہے وہ دوسراؤں میں مقیم ہے اس کو وہاں سے نکال سکتے ہیں۔ اور یہ شرک جو تم نے سنا، اور یہ دوسرا یعنی غیر خدا کا بندہ ہونا جو کہا گیا یہ سب اس لیے ہے کہ ہماری نظر غیر خدا پہ پڑتی ہے اور ہم غیر کو دیکھتے ہیں۔ جس طرح ہم اس کو دیکھتے ہیں دوسروں کو بھی دیکھتے ہیں اور جس طرح دوسروں کی بندگی کرتے ہیں اُس کی بندگی کرتے ہیں۔ اور جیسا اُس سے ڈرتے ہیں دوسروں سے بھی ڈرتے ہیں۔ اور جس طرح اس سے امید رکھتے ہیں دوسروں سے بھی امید رکھتے ہیں۔

ایک بزرگ نے کہا ہے ۔ مثنوی ۔

چو در ہر دو جہان یک کرد گارست ترا با چار ارکان خود چہ کارست

یکے خوان و یکے خواہ و یکے جوئے یکے بین یکے دان و یکے گوئے

(جب دونوں جہان میں ایک ہی خدا ہے تو تجھے اپنے چار عناصر سے کیا کام ۔ ایک ہی کو پکار، ایک ہی کو چاہ اور ایک ہی کو تلاش کر۔ ایک ہی کو دیکھ، ایک ہی کو جان اور ایک ہی کا ذکر کر) اے بھائی! جب پیغمبر علیہ السلام نے لوگوں کو بلایا اور اسلام اور ایمان پیش کیا اور تبلیغ کے لیے کمر باندھی اور فرمایا۔ اَللّٰھُمَّ ھَلْ بَلَّغْتُ (اے اللہ میں نے لوگوں تک تیرا حکم پہنچایا) حکمِ خداوندی آیا۔ توبہ کرو، تم نے اپنی تبلیغ کیوں دیکھی ہمارے بھیجنے پر نظر رکھو۔ یہی بھید ہے جس کو کہا ہے ۔ ؎

ز تو تا ہست موئے ماندہ بر جائے بدان یک موے مانی بند بر پائے

جنب را بر تن ار خشک ست یک موئے ہنوزش نا نمازی دان بصد روئے

(اگر تیرے بدن پر ایک بال بھی باقی ہے تو اس ایک بال کی وجہ سے تیرے پاؤں میں بڑی پڑی ہوئی ہے۔ جس شخص کو غسل واجب ہے اگر اس کے بدن پر ایک بال بھی سوکھا رہ گیا تو وہ کسی صورت سے بھی نمازی یعنی پاک نہیں ہو سکتا۔ ایک دن کوئی فقیر نماز پڑھتا تھا۔ جب نماز سے فارغ ہوا اس نے کہا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلَی التَّوْفِیْقِ وَاَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ عَلَی التَّقْصِیْرِ (خدا کی تعریف اور اس کا شکر کہ اس نے توفیق دی۔ اور میں بخشش چاہتا ہوں اپنی کوتاہی پر)۔ ایک بزرگ نے ان کو ڈانٹا اور کہا میں جانتا تھا کہ تو موحد ہے۔ مگر معلوم ہوا کہ اب تک تو مشرک ہے۔ اس نے کہا اے حضرت کیوں؟ انھوں نے فرمایا جب تک تو نے نماز نہیں دیکھی قصور نہیں دیکھا۔ اور نماز تیری صفت ہے۔ میں سمجھا کہ تو خدا کو دیکھتا ہے۔ حالانکہ تو نے اپنے کو دیکھا۔ اور جو شخص اپنے کو دیکھتا ہے وہ خدا کو نہیں دیکھ سکتا۔ اور یہ انھیں حضرات کی شان کے لیے زیبا ہے۔ تیری میری عبادت بھی کوئی چیز ہے۔ ہم بدبختوں کو اتنی بڑی دولت کہاں سے ہاتھ لگ سکتی ہے۔ اب ہاتھ اٹھاؤ۔ اور خدا سے دعا مانگو۔ مناجات

یا الٰہ العالمین در ماندہ ام غرقِ خون در خشک کشتی راندہ ام

دستِ من گیر و مرا فریاد رس | دست بر سر چند دارم چون مگس
یادشاہا در منِ مسکین نگر | گر زمن بد دیدی آن شد این نگر
ماتمم از حد بشد سودے فرست | در میانِ ظلمتم نورے فرست

ایضاً

یارب آگاہی ز زاری ہائے من | حاضری در ماتمِ شبہائے من
من کہ باشم تا کسے باشم ترا | این بسم گر ناکسے باشم ترا
مبتلائے خویش و حیرانِ توام | گر بدم ور نیک ہم زانِ توام

(اے سارے جہان کے خدا میں بالکل مجبور ہوں۔ میں خون میں ڈوبا ہوا ہوں اور خشکی میں کشتی چلا رہا ہوں۔ میری مدد کر اور میری دہائی سُن۔ مکھی کی طرح میں کب تک اپنا سر پیٹتا رہوں۔ اے بادشاہ مجھ غریب پر نظر کر۔ اگر تو نے مجھ سے گناہ دیکھا تو اُسے جانے دے اور میری عاجزی دیکھ۔ میرا رونا دھونا حد سے گزر گیا اب کوئی فائدہ عنایت فرما۔ میں تاریکی میں گھرا ہوا ہوں کوئی روشنی بھیج۔ اے خدا میرے گڑگڑانے سے تو باخبر ہے اور میرے راتوں کے واویلا میں موجود ہے میں کون ہوں اور کس قابل ہوں کہ تیرا کہلاؤں۔ یہی غنیمت ہے کہ تو مجھ کو کچھ بھی نہ سمجھے۔ میں اپنے غم میں مبتلا اور تیرے لیے حیران ہوں۔ برا ہوں یا بھلا ہوں بہرحال تیرا ہی ہوں۔ والسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پینتالیسواں مکتوب ۴۵

معرفت کے بیان میں

برادر شمس الدین خدا اپنی معرفت سے تم کو بزرگ بنائے۔ جانو کہ معرفت مومن کی روح کا جوہر ہے جس شخص کا خدا کی معرفت میں کوئی حصہ نہیں گویا حقیقتاً اس شخص کا وجود ہی نہیں ہے۔ اور پیدا کرنے والے کی معرفت پیدا ہونے والوں کی معرفت سے ظاہر ہوتی ہے۔ اور پیدا کرنے والے کی معرفت سے عارفوں کو بقا اور نجات حاصل ہوتی ہے معرفت کا پہلا جز یہ ہے کہ دنیا کی تمام مخلوقات کو مجبور عاجز اور خدا کا قیدی سمجھے اور سب چیزوں سے اپنے لگاؤ اور نسبت کو توڑ دے اور سمجھے کہ بس ایک ہی خدا ہے۔ اس کی ذات ہمیشہ ہمیشہ رہنے والی اور اس کے صفات بھی ہمیشہ قائم

رہنے والے ہیں۔ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ یعنی اس کے مثل کوئی نہیں ہے، اور وہ دیکھنے والا سننے والا ہے۔ اور دوسرا راستہ صانع اور خالق تک پہنچنے کے لیے اپنے نفس کی پہچان ہے جیسا کہ کہا ہے مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ (جس نے اپنے نفس کو پہچانا اُس نے اپنے رب کو پہچان لیا) خدائے برتر نے پہلے پہل اپنی قدرت آسمانوں کی پہنائی میں پیش کی یعنی پیدا کرنا اور پھر نیست و نابود کرنا۔ اور مخلوقات کی حالتوں کا بدلنا جیسے رات اور پھر دن کا ہونا۔ اور کسی چیز کی زیادتی اور پھر کمی۔ اور کشادگی اور تنگی۔ اور دنیا اور اس کے سوا جو کچھ کہ دنیا کی حالتوں میں ردّ و بدل ہوتا رہتا ہے تاکہ خدا کی وحدانیت کے پجاری ان میں غور سے دیکھیں اور خدا کی معرفت حاصل کریں۔ کہا ہے سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ (ہم ان کو اپنی نشانیاں جہان میں، قریب ہے کہ دکھلا دیں گے) یہ راستہ عارفوں کے لیے بڑا لمبا ہے۔ کل موجودات اور مخلوقات کی حقیقت انسان کے اندر رکھی اور کہا وَفِيْ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ (اور تمھارے اندر بھی۔ کیا تم نہیں دیکھتے)۔ نفوسِ انسانی کو موجودات کے لیے ایک مثال قائم کیا ہے! اور اپنی معرفت کی ایک سیڑھی بنائی ہے۔ اس لیے کہ جو شخص اپنے نفس کو پہچانے گا خدا کو پہچان لے گا۔ اور وہ نفس کی حالتوں کا بدلنا ہے۔ جیسے بیماری اور صحت، سونا اور جاگنا، موت اور زندگی، خوشی اور رنج۔ یہ فی الآفاق کے حال اور معانی ہوئے۔ اور وَفِيْ اَنْفُسِكُمْ یہ ہے جہان میں حالتوں کا بدلنا۔ اور مخلوقات کے نفس کی بے اختیار تبدیلی۔ یہ ایک بڑی دلیل ہے اس بات کی کہ ایک بہت بڑا قدرت والا مدبّر ایسا موجود ہے کہ ساری دنیا اور مخلوقات اُس کی قدرت کے قیدی ہیں اور اسی کی تدبیر کے محتاج اور مجبور ہیں۔ نشانیوں سے راستہ کا سراغ لگانا ایسا ہی ہے۔ اور طریقت والے لوگ معرفت کے راستہ میں اپنی ذات میں کھو جاتے ہیں اور اپنے وجود ہی سے تلاش کی ابتدا کرتے ہیں! اور اپنی ذات ہی سے کثیف اور لطیف کی کل باتیں ڈھونڈتے ہیں۔ اور خداوند تعالیٰ کی معرفت کی دلیلیں اور نشانیاں پالیتے ہیں۔ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ (اس میں خاص لوگوں کے لیے البتہ ذکر اور فکر کا موقع ہے) ان میں سے بعض لوگوں کو خداوند تعالیٰ النظر سے گرا دیتا ہے تاکہ یہ لوگ موجودات کی ہستی میں غور و فکر کریں اور اس کو پہچان لیں۔ جیسا کہ کہا ہے قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (کہہ دو کہ دیکھو آسمانوں اور زمین میں کیا ہے)! اور کسی کو ریاضت و مشقت کے

ذریعہ معرفت تک پہنچاتا ہے وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (جن لوگوں نے مجاہدہ کیا اور میرے لیے تکلیف اُٹھائی ان کو ہم اپنا راستہ دکھا دیتے ہیں)۔ اور کسی کو بغیر کسی وسیلے اور اسباب کے ہدایت کا نور اُس کے دل کو منور کر دیتا ہے۔ اور اپنی معرفت کا دروازہ اس پر کھول دیتا ہے۔ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ (وہ اپنے رب کی مہربانی سے نور کی منزل پر پہنچ گئے)۔ اور بعض لوگوں کو معرفت کی حقیقت سے پردے میں ڈال دیتا ہے مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ۔ مَا عَرَفُوا اللّٰهَ حَقَّ مَعْرِفَتِهٖ (جہاں تک خدا کی معرفت کا حق تھا وہاں تک نہیں پہچانا)۔ اور بعض لوگوں کو معرفت کی راہ سے بالکل حجاب میں ڈال دیتا ہے خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ (ان کے دلوں پر خدا نے مہر لگا دی ہے۔ غزل

چون جمالش صد ہزاران روی داشت	بود در ہر ذرہ دیدارے دگر
لاجرم ہر ذرہ را بنمود باز	از جمال خویش رخسارے دگر
چون یکیست اصل عدد از بہر آنکہ	تا بود ہر دم گرفتارے دگر

(اس کا حسن لاکھوں چہرے رکھتا ہے اس لیے ہر ذرہ میں ایک دوسرا ہی نظارہ دکھائی دیتا ہے اُس کے چہرے کے ہر حصے نے اپنے بے انتہا حسن کی وجہ سے ہر ذرہ کو ایک دوسرا ہی رخسار دکھایا ہے۔ اعداد و شمار کا اصل عدد ایک ہی ہے اور باقی اعداد اس لیے ہیں کہ وہی ایک ہر عدد میں ایک نیا جلوہ دکھائے)۔ اور ان تفرقوں سے معلوم ہو گیا کہ خدا کی معرفت عقل و دانش سے حاصل نہیں ہوتی کیونکہ ناواقف اور بیگانے اگرچہ صاحب عقل ہیں لیکن خدا کی معرفت سے محروم ہیں۔ اور محض سننے سے بھی معرفت حاصل نہیں ہوتی۔ کیونکہ پیغمبروںؑ نے اپنے اپنے وقتوں میں کفار کو بلا کر معرفت کو بیان کیا۔ اور کفار نے سنا مگر کسی طرح کی معرفت اُن کو حاصل نہ ہوئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ خدا کی معرفت بغیر اس کی رہنمائی کے حاصل نہیں ہو سکتی۔ یہیں سے ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا عَرَفْتُ اللّٰهَ بِاللّٰهِ وَعَرَفْتُ مَا دُوْنَ اللّٰهِ بِنُوْرِ اللّٰهِ۔ (ہم نے اللہ کو اللہ ہی سے پہچانا اور ماسوی اللہ کو اللہ کے نور سے پہچانا)۔ قَالَ رَجُلٌ لِلنُّوْرِيِّ مَا الدَّلِيْلُ عَلَى اللّٰهِ۔ قَالَ اللّٰهُ۔ قَالَ فَمَا بَالُ الْعَقْلِ۔ قَالَ الْعَقْلُ عَاجِزٌ وَالْعَاجِزُ لَا يَدُلُّ اِلَّا عَلٰى عَاجِزٍ مِّثْلِهٖ۔ (ایک شخص نے حضرت نوری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ خدا کے وجود پر کیا دلیل ہے؟ کہا خدا کی دلیل خود خداوند بزرگ و

برتر ہے۔ پھر کہا عقل کا کیا کام ہے؟ کہا عقل اس کام میں عاجز ہے وہ راستہ نہیں دکھا سکتی۔ مگر اسی کی طرف جو اس کی طرح عاجز ہو۔ ؎

چون تو نمودی جمال، عشق بتان شد ہوس ۔۔۔ رو کہ ازین دلبران کار تو داری و بس

با رخ تو نیست عقل جز کہ یکے بو الفضول ۔۔۔ با لب تو نیست جان جز کہ یکے بو الہوس

(جب تو نے اپنا جمال دکھایا تو معشوقانِ مجازی کا عشق ہوس بنکر رہ گیا۔ اگر تم ان مجازی دلبروں سے سروکار رکھنے والے ہو تو عشقِ حقیقی سے ہاتھ اُٹھالو۔ یعنی یہاں سے چلے جاؤ۔ جہاں تیرے حسن کی جلوہ گری ہے وہاں عقل فضول اور بیکار ہوتی ہے۔ اور تیرے لبوں کے سامنے عاشقوں کی جان ہوسناکیوں میں مبتلا ہو جاتی ہے) عقل کا کام یہ ہے کہ سب چیزوں کو یا جسم، یا جوہر، یا عرض دیکھے۔ اور مکان میں یا زمان میں دیکھے۔ اور مخلوقات کی دوسری صفتیں بھی اسی طرح ہیں۔ تو اِن دو صفتوں سے باہر نہیں ہو سکتا۔ یا ان صفتوں میں سے کوئی صفت اس کے لیے جائز سمجھتا ہے تو کافر ہے۔ اور جب اس کو کسی چیز سے معنی میں مشابہ نہ پائے گا تو حیران و پریشان ہوگا اور پکار اُٹھے گا کہ میں اِن صفتوں کے ساتھ موجود نہیں دیکھتا ہوں۔ جب ان صفتوں کے ساتھ کوئی چیز نہیں ہے تو اس کا وجود ہی نہیں ہے۔ اور وہ خود نہیں ہے۔ جب بھی کافر ہو گیا۔ کیونکہ پہلی صورت میں تشبیہ اور دوسری صورت میں تعطیل واقع ہو گئی تو معلوم ہو گیا کہ جب تک وہ خود ہی نہ پہچنوائے پہچاننا ناممکن ہے۔ اور ان باتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا کا پانا تلاش اور طلب سے نہیں بلکہ محض اس کی عطا ہے۔ وہ شخص نہیں پاتا جو اس کو ڈھونڈتا ہے۔ مگر وہ شخص پالیتا ہے جس پر بخشش و کرم فرمایا جائے۔ اور ہر شخص دیکھ سکتا ہے جو دیکھنے کی کوشش کرے۔ مگر وہی جس کو اپنا جلوہ خود ہی دکھائے۔ دکھلانے کے اسباب دیکھنے کی کوشش کرنا نہیں بلکہ خود اسی کا دکھلانا ہے۔ اور پانے کا سبب جستجو اور تلاش نہیں بلکہ اسی کی عطا و بخشش ہے بہتیرے ڈھونڈنے والے ایسے ہیں جنھوں نے آج تک نہیں پایا۔ اور بہت سے پانے والے ایسے ہیں جنھوں نے بغیر تلاش و جستجو کے پالیا۔ جہاں تک تلاش کرنے کا تعلق ہے سب برابر ہیں۔ مگر پانے میں فرق ہے۔ بتوں کے پجاری اس کو بت کے اندر ڈھونڈتے ہیں! اور نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے، اور یہودی حضرت عزیر علیہ السلام سے اس کو مانگتے ہیں۔ قطعہ

میل خلق جملہ عالم تا ابد ۔۔۔ گر بباشد ور نباشد سوے تست

جز ترا چون دوست نتوان داشتن دوستی دیگران بربوے تست

(سارے جہان کا رجحان قیامت تک بظاہر ہو یا نہ ہو حقیقت میں تیری ہی طرف رہے گا۔ سوا تیرے اور کسی سے دوستی نہیں کر سکتے۔ دوسروں کے ساتھ دوستی بھی تیرے ہی ادنیٰ تعلق کی بنا پر ہے)۔ سارے جہان کے لوگ اسی کی تلاش میں ہیں اور ٹھیک اسی طلب میں راستہ کھو دیتے ہیں۔ ہر شخص کے سامنے ایک ایسی چیز رکھ دی ہے کہ اس میں وہ خود چھپ کر رہ گیا ہے۔ اور ایک گروہ کے لیے یہ اسباب ہی راستے سے اٹھا لیے ہیں یہاں تک کہ انھوں نے اس کی راہ پالی۔ رباعی

یک شہر پر از حدیثِ آں روے نکوست دلہاے جہانیان ہمہ پردہ اوست

تا می کوشیم و دیگراں می کوشند تا بخت کرا بود کرا دارد دوست

(ہر جگہ اس کے حسن کا چرچا ہے۔ سارے جہان والوں کے دل اس کے حسن کے پردے بنے ہوئے ہیں ہم بھی اس کی دوستی کی کوشش کرتے ہیں اور دوسرے بھی کوشش کر رہے ہیں۔ اب دیکھیں کس کی قسمت یاور ہوتی ہے اور وہ کسے اپنا دوست بناتا ہے)۔ اور معرفت کی حقیقت معبود کی پہچان ہے جبکہ وہ اپنی ذات اور صفات اور فعل میں بغیر اس کے کہ کوئی غلطی اور خطا اور کوئی کیفیت اس میں داخل ہو۔ اور معرفت کے طلبگار کو خدا کے ساتھ ایسا لگاؤ ہونا چاہیے جیسا کہ خدا کو اپنی ذات و صفات کے ساتھ ہے۔ اور اس بات کو اپنے کلام میں خود ہی فرمایا ہے۔ لیکن معرفت کے کمال کے متعلق دو باتیں ہیں۔ بعض متکلموں کا قول یہ ہے کہ بندہ خدا کو جانے جیسا کہ خود خدا اپنے کو جانتا ہے۔ اگر پوری طرح نہیں جان سکتا تو بعض کو جانے اور بعض کو نہ جانے۔ اور یہ بھی مسلم ہے کہ باری تعالیٰ کی ذات میں تجزی محال ہے۔ تو سب معرفت کی تلاش کرنے والے اس معرفت میں برابر ہیں۔ سب خدا کو ایسا جانتے ہیں جیسا کہ خدا اپنے کو جانتا ہے۔ اس گروہ کو معرفت کے کمال کا دعویٰ ہے۔ اور دوسرا قول بعض عقلا اور متکلموں کی ایک جماعت اور صوفیوں کا مسلک وہ ہے کہ خداوند تعالیٰ کو کمال کے درجے تک کوئی نہیں جان سکتا۔ اور سب اس کو اتنا جانتے ہیں جیسا کہ وہ ہے اور اسی قدر جانتے ہیں کہ نجات پا سکیں لیکن کمال کا دعویٰ نہیں کرتے۔ جیسا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اَلْعِجْزُ عَنْ دَرْكِ الْاِدْرَاكِ اِدْرَاكٌ۔ یعنی خدا کی معرفت کی دریافت سے عقل کو عاجز سمجھنا بھی ایک ادراک ہے۔ اور کہا ہے لِلّٰہِ تَعَالٰی اَخَصُّ وَصْفٍ لَا یَعْرِفُہٗ سِوَاہُ اللہ تعالیٰ کی بعض خاص صفات ایسی بھی ہیں

کہ کوئی اُسے پہچان نہیں سکتا۔ جو طریقہ خدا کی معرفت کا بیان کیا گیا اور خبر دی جائیں اور اختیار کریں لیکن کمال کا دعوےٰ نہ کریں۔ یہ کہیں کہ جیسا تو نے فرمایا ہے میں اسی طرح تجھ کو جانتا ہوں۔ اور وہ خود اس سے بہت بڑا ہے کہ ہم اس کے کمال تک پہنچ سکیں۔ رباعی

آن عقل کجا کہ در کمالِ تو رسد　　آن روح کجا کہ در جلالِ تو رسد

گیرم کہ تو پردہ برگرفتی زجمال　　آن دیدہ کجا کہ در جمالِ تو رسد

(وہ عقل کہاں جو تیرے کمال کے درجے تک پہنچ سکے۔ وہ روح کہاں جو تیرے جلال کا دامن تھامے ہم نے فرض کیا کہ تو اپنے جمال سے پردہ اُٹھا بھی لے تو وہ آنکھیں کہاں جو تیرا جلوہ دیکھیں اور اُس کی تاب لا سکیں) معرفت بندوں کی نجات کی علت رکھی گئی ہے۔ اگر معرفت کی شرطوں میں سے ذرہ بھی کوئی چیز کم ہو جائے گی تو نجات کا حکم صحیح نہ ہوگا۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ معرفت تلاش کرنے والوں کے پاس ایک شفاف آئینہ ہے اور یہ اس کا دل ہے جو اس کے سامنے رکھ دیا ہے اور اسی میں وہ دیکھتا ہے۔ وہ مصنوعات کی حد اور صانع کے حق کو پہچانتا ہے۔ اور معرفت کا جو طریقہ ہے وہ جاری رہتا ہے۔ قطعہ

ہر دم کہ در فضائے رُخِ یار بنگرد　　گردد ہمہ جہان بہ حقیقت مصورش

چون باز در صفائیِ دلِ خود نظر کند　　بیند چو آفتاب رخِ خوبِ دلبرش

(حبیب دوست کے عالمِ جمال کو دیکھتا ہے تو بہ نظرِ حقیقت سارا جہان اسی کی تصویر نظر آتا ہے۔ پھر جب اپنے دل کی صفائی کو دیکھتا ہے تو اس میں آفتاب کی طرح معشوق کی صورت چمکتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔) اور جو بزرگ ہستی عارف ہوگئی تو سارا جہان اس کی آنکھ میں سما گیا۔ اور یہ اس بات کی دلیل ہے۔ شعر

وَفِی کُلِّ شَیْءٍ لَّہٗ اٰیَۃٌ　　تَدُلُّ عَلٰی اَنَّہٗ وَاحِدٌ

(ہر چیز میں اُس کی نشانی ہے۔ اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ذات وحدہٗ لاشریک ہے)۔

رَو دیدہ بدست آر کہ ہر ذرہ از خاک　　جامے ست جہاں نما کہ دروے نگری

(جاؤ، اور بینائی حاصل کرو۔ کیونکہ خاک کا ایک ایک ذرہ جامِ جہاں نما ہے جس میں سارا جہان نظر آتا ہے۔ تاکہ تم اس کو دیکھو) مَارَأَیْتُ شَیْئًا اِلَّا وَرَأَیْتُ اللّٰہَ فِیْہِ۔ (میں نے کوئی چیز

ایسی نہیں دیکھی جس میں اللہ نظر نہ آیا ہو)۔ اشیا میں خدا کا جلوہ نظر آنا صنعت کو دیکھ کر صانع کے وجود کی بہت بڑی دلیل ہے۔ کیونکہ ہر بنی ہوئی چیز ایک بنانے والے کا پتہ دیتی ہے۔ اور ہر کام کے لیے ایک کرنے والا ضروری ہے ؎

گوید آں کس درین مقام فضول　　　　که تجلی نه داند از حلول

(اس جگہ وہ شخص فضول بکواس کرتا ہے جو تجلی اور حلول کا فرق ہی نہیں جانتا)۔ اور طریقت والوں کی معرفت کا ایک حال ہے۔ یعنی یہ لوگ حال کی صحت صاحب معرفت سے چاہتے ہیں۔ علمائے اصول، علم اور معرفت میں کوئی فرق نہیں کرتے۔ ناواقفیت کی بنا پر یہی کہا کہ خدا کو عالم ہی جان سکتے ہیں۔ لیکن مشائخ رضوان اللہ تعالےٰ علیہم نے اس علم کو جس کو حال اور معاملہ سے لگاؤ ہو اور اس کا جاننے والا اُس کے ذریعہ اپنا حال ظاہر کرے اس کو معرفت کہتے ہیں اور اس کے جاننے والے کو عارف کہتے ہیں۔ اور جس کسی کی مشق بغیر معنی و مطلب کے وقوف کے محض حفظ عبارت تک ہوگی اس کو عالم کہتے ہیں۔ یہیں سے ہے کہ جب اس گروہ کو دوستوں اور اپنوں پر مستحق بنائیں تو اس شخص کو دانشمند کہتے ہیں۔ اور ظاہر والوں کو ان کا یہ قول اچھا نہیں لگتا۔ کیونکہ ان کی مراد اس کی ملامت کرنا علم حاصل کرنے کی غرض سے ہے۔ اور ان کی مراد اس کی ملامت کرنا اس علم کے معاملے کو چھوڑنے سے ہے۔ اگرچہ یہ گروہ معرفت کی راہ میں بڑے عارف ہونے کا مرتبہ رکھتے ہیں۔ مگر یہ اپنے کو بہت زیادہ عاجز اور انجان جانتے ہیں۔ اور معرفت کو دعویٰ اور ڈینگ مارنے سے پاک و صاف سمجھتے ہیں۔ اور معرفت کو طول دینا نہیں چاہتے۔ اس کے لکھنے میں حرف اور صرف پر ناز نہیں کرتے۔ اور عارف کی جان کو معروف کے حسن کے ساتھ معرفت کی خلوت میں دم بدم اس قدر فتوحات ہوتے ہیں جن کو اگر لکھا جائے تو دفتروں میں سمو نہیں سکتے ؎

در تنگنائے صورت، معنی چگونه گنجد　　　　در کلبۂ گدایان سلطان چه کار دارد

(صورت کے تنگ مکان میں معانی کا وجود کیونکر سما سکتا ہے۔ فقیروں کی جھونپڑی سے بادشاہ کو کیا کام)۔ اور اس راہ میں چلنے والوں کے لیے یہ شرط ہے کہ جب تک معروف تک پہنچ نہ جائے باز نہ رہے اور معرفت کی منزل میں چپ چاپ بیٹھ نہ جائے۔ اور جس قدر زیادہ علم ہوتا جائے جستجو کا قدم اور بھی زیادہ بڑھاتا جائے۔ اور جس قدر محبت کے پیالے سے معرفت کی شراب زیادہ پیئے اور زیادہ مانگے۔

پیاس زیادہ بڑھتی جائے۔ ؎

چہ حسن ست این کہ گر ہر دم رخت سے اصد نظر بینم
ہنوزم آرزو باشد کہ یک بارِ دگر بینم

فرد

گر در روزے ہزار بارت بینم
در آرزوے بارِ دگر خواہم بود

(اللہ اللہ کیا حسن ہے کہ اگر ہر وقت تیرے چہرے کو میں سو مرتبہ دیکھوں تو یہ تمنا باقی رہتی ہے کہ ایک دفعہ پھر دیکھوں۔ اور اسی معنی کا یہ شعر بھی ہے۔ اگر ایک دن میں ہزار مرتبہ تجھ کو دیکھوں تو دل میں یہی آرزو رہے گی کہ ایک بار پھر دیکھتا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جن کی دولت کا خزانہ یہ ہے لَوْ اتُّزِنَ اِیْمَانُ اَبِیْ بَکْرٍ مَعَ اِیْمَانِ اُمَّتِیْ لَرَجَحَ۔ اگر حضرت ابوبکر صدیق کا ایمان ہماری امت کے ایمان کے ساتھ تولا جائے تو اُن کے ایمان کا پلہ جھک جائے گا (یہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے)۔ کہا یا رسول اللہ! کیا ایمان بھی پیاس ہے؟

اور وہ جو تم نے سنا ہے کہ حضرت معاذ جبل رضی اللہ عنہ نے یہی شراب پی تھی اور اس کی مستی سے دوستوں کے حجرے کے دروازے پر جاتے تھے اور فرماتے تھے تَعَالَوا نُؤْمِنُ بِاللّٰہِ سَاعَۃً۔ (اے لوگو آؤ! تاکہ ہم اس وقت اللہ پر ایمان لائیں) یار دوستوں نے جب یہ بات سنی حضرت پیغمبر علیہ السلام کے پاس آئے۔ اور کہا یا حضرت! (صلی اللہ علیہ وسلم) معاذ ہم سے ایسا کہتے ہیں۔ کیا ہم ایمان نہیں لائے ہیں؟ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ معاذ محبت کی شراب پی کر یاروں سے اُلجھتا ہے۔ اصل میں یہی پیاس ہے ؎

مستک شدہ تو نمی دانی ہے
یاران کہ بودند کجا خوردی مے

(تو مست ہو گیا ہے۔ افسوس یہ نہیں جانتا کہ تیرے ہم پیالہ اور ہم مشرب کون لوگ ہیں اور تو نے شراب کہاں پی ہے؟)۔ ایک دوسرے بزرگ نے فرمایا ؎

بیش منما جمالِ شہرا فروز
چون نمودی بر و سپند بسوز

آن جمالے تو چیست مستیِ تو
وان سپند تو چیست ہستیِ تو

(تیرا وہ حسن جو جہان کو روشن کر دیتا ہے، اس کا جلوہ زیادہ نہ دکھا۔ اور اگر دکھایا تو نظرِ بد کے خیال سے کالا دانہ جلا دے۔ اور وہ حسن تیرا کیا ہے، وہی تیری مستی ہے۔ اور وہ کالا دانہ کیا ہے؟ وہ تیری ہستی ہے) اور وہ جو کہتے ہیں کہ ہر روز کتنی ہی دفعہ عرش کرسی سے پوچھتا ہے۔

هَلْ لَكَ خَبَرٌ (کیا تجھ کو کوئی خبر ہے)۔ اور کرسی بھی عرش سے کہتی ہے "کیا تجھ کو کوئی خبر ہے"؟۔ اور آسمان زمین سے کہتا ہے هَلْ مَرَّ بِكَ طَالِبٌ (کیا تیری طرف کوئی طالب گزرا ہے)۔ اور زمین آسمان سے پوچھتی ہے۔ هَلْ سَافَرَ فِيكَ عَاشِقٌ (کیا کسی عاشق نے تیری طرف سفر کیا ہے)؟۔ ان سب چیخ و پکار کا مقصد وہی پیاس ہے۔ اے بھائی! اس راہ میں اس کے ہزاروں مقتول اور شہید ہیں۔ اس کے ہزاروں مجروح اور گھائل ہیں عقل والے لوگ اس کی جستجو میں حیران ہیں اور علم والے اس کی عزت وجلال کی بارگاہ کے آس پاس تلاش میں محو ہیں جن کی آنکھیں روشن اور دل بینا ہیں اُس کی بزرگی کے دریا کے ایک قطرہ میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ اور اس کے قہر وجلال کی چنگاری سے جھلس گئے ہیں۔ ؎

دست بر دلہائے سوختہ زدہ گوئی مشعلے دارند عاشقان بدست

(دل جلوں کے دل پر ہاتھ رکھ کر کہتا ہے کہ عشاق ایک مشعل اپنے ہاتھ میں رکھتے ہیں) سارے جہان کو محض امید اور باتوں میں خوش کر دیا۔ اور عزت وجلال کی شراب کی ایک بوند بھی نہیں دی۔ رباعی

گفتم کہ کرائی تو بدین زیبائی گفتا خود را کہ خود منم یکتائی

ہم عاشق وہم عشقم وہم معشوق ہم آئینہ ہم جمال ہم بینائی

(میں نے کہا تو اس حسن وجمال کے ساتھ کس کے لیے ہے؟ اس نے کہا اپنے لیے۔ کیونکہ میں یکتا اور بے مثل ہوں۔ میں خود عاشق، خود عشق اور خود معشوق ہوں۔ خود ہی آئینہ ہوں خود ہی حسن اور خود ہی نگاہ)۔ ایک شراب کا دلدادہ بھٹی کے دروازے پر آیا۔ اور تھوڑی شراب مانگی جواب ملا مٹکا خالی ہو چکا۔ اُس شرابی نے کہا میرا ہاتھ پکڑ کر مٹکے کے منہ پر رکھ تا کہ میں خوشبو سونگھوں۔ اور اس کی مہک سے اتنا مست ہو جاؤں کہ دوسرے سو گلاس پینے پر بھی اتنا مست نہیں ہوتے۔ ؎

مست از مئے عشق آن چنانم کہ اگر یک جرعہ ازان بیش خورم نیست شوم

(عشق کی شراب سے میں اس قدر مست ہوں کہ اگر ایک گھونٹ اس سے زیادہ پی لوں تو فنا ہو جاؤں) اور سخت تعجب کا مقام یہ ہے کہ اس درگاہ کا ایک فقیر بھی اتنی مستیاں رکھتا ہے کہ ملاء اعلیٰ کے فرشتے بھی اس کا بوجھ اُٹھا نہیں سکتے۔ اس کی مہربانی کی ہوا کا ایک جھونکا جب ایک شتربان پر پہنچا تو فرشتے بیہوش ہو گئے۔ جب ان کو ہوش آیا تو حضرت جبریل علیہ السلام سے کہا ہم نے سات

لاکھ برسوں میں ایسی خوشبو نہیں سونگھی جیسی کہ حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں آئی ہے جبریل علیہ السلام نے آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔ آپؐ نے فرمایا اِنِّیْ لَاَجِدُ نَفَسَ الرَّحْمٰنِ مِنْ قِبَلِ الْیَمَنِ (البتہ میں پاتا ہوں خدا کی خوشبو ملک یمن کی طرف سے)۔ یہ ایک دل جلے شتربان کے جلے ہوئے سینے کی ہوا ہے جو یمن کی طرف سے آتی ہے۔ ؎

شور در شہر فگند آن بتِ زنار پرست چون خرامان زخرابات برون آمد مست

(اس زنار پرست معشوق نے شہر میں شور مچا دیا جب شراب خانے سے مستی میں لڑکھڑاتا ہوا باہر نکلا۔ والسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

چھیالیسواں مکتوب ۴۶

محبت کے ذکر میں

بھائی شمس الدین خدا تم کو اپنے دوستوں اور ولیوں کی زندگی نصیب کرے۔ جانو کہ دوسری مخلوقات کو محبت سے کوئی لگاؤ نہیں ہے۔ کیونکہ ان کی ہمتیں بلند نہیں ہیں۔ فرشتوں کا کام جو سیدھے طریقہ پر چل رہا ہے وہ اس لیے ہے کہ ان تک محبت کا گذر نہیں ہوا ہے۔ اور یہ اونچ نیچ جو انسان کے ساتھ پیش آیا کرتی ہے اس لیے ہے کہ اس کو محبت سے سروکار ہے۔ یُحِبُّھُمْ وَ یُحِبُّوْنَہٗ (وہ دوست رکھتا ہے ان کو، اور وہ دوست رکھتے ہیں اس کو) تو جس کے دماغ میں ذرا بھی اس کی محبت کی بو پہنچتی ہے اس سے کہہ دو کہ سلامتی سے اپنا دل اٹھالے اور اپنی ہستی کو خیرباد کہہ دے اَلْمُحَبَّۃُ لَا تُبْقِیْ وَلَا تَذَرُ (محبت کچھ باقی نہیں رکھتی اور کچھ بھی نہیں چھوڑتی) ؎

عشق تو مرا چنان خراباتی کرد ورنہ بسلامت وبسامان بودم

(تیری محبت نے مجھ کو ایسا برباد کر دیا ہے ورنہ میں بھی کسی وقت سلامتی اور سروسامان والا تھا)

جب حضرت آدمؑ کی باری آئی تو جہان میں ایک ہلچل مچ گئی۔ فرشتوں نے فریاد کی یہ کیسا حادثہ ہوا کہ ہزاروں ہزار برس کی ہماری تسبیح وتہلیل برباد ہو گئی۔ اور ایک مٹی کے پتلے یعنی آدمؑ کو سرفراز کیا اور ہمارے رہتے ہوئے اُن کو چنا۔ ایک آواز سنی کہ تم مٹی کو نہ دیکھو اس پاک امانت کو دیکھو یُحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ

(وہ ان کو دوست رکھتا ہے اور یہ اس کو دوست رکھتے ہیں) اور محبت کی آگ ان کے دلوں میں سلگائی ہے۔ اور آواز دی کہ اَلْحَقُّ عَزِیْزٌ (خدا ہی برتر اور غالب ہے) جس کو سن کر سب کے کلیجے بھن گئے۔ اور پتا پانی ہو گیا۔ اور یہ کیا ہے جس طرح کہ اس کی مثال کسی کے ساتھ نہیں دی جا سکتی اسی طرح اس کا کام بھی کسی کے کام کے ساتھ مشابہ نہیں ہو سکتا۔ جب دنیا کے بادشاہ اپنے نوکروں کو نوازا کرتے ہیں تو ٹوپی اور عبا کا خلعت پہناتے ہیں۔ اور کوئی بڑی جاگیر اس کو دیتے ہیں۔ مگر جب وہ کسی پر کرم فرماتا ہے تو پہلے ٹوپی اور اس کا عبا اتار لیتا ہے اور ننگا بھوکا بنا کر بٹھا دیتا ہے۔ اور اس بات کا چلن اس طرح ہے کہ جو کوئی اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے جب تک اپنے آپ کو نہیں مار ڈالتا واپسی کا موقع نہیں پاتا۔ رباعی

مارا خواہی تن بغماں اندر دہ	چون شیفتگان سر بہ جہان اندر دہ
دل پر خون کن بدیدگان اندر دہ	وانگہ زپئے دو دیدہ جان اندر دہ

(اگر تو ہم کو چاہتا ہے تو رنج و غم میں اپنے کو جھونک دے۔ دیوانوں کی طرح دنیا کی خاک چھانتا رہ۔ دل کو خون بنا کر آنکھوں کے سپرد کر۔ پھر دونوں آنکھیں کھونے کے بعد جان بھی گنوا دے)۔

ایک فقیر اس کے راستے میں چلتے چلتے مجبور ہو گیا تھا۔ ایک زمانہ تک اس کی جستجو اور رنج و مصیبت میں رہا۔ اور عرصہ تک اپنی جان سے بیزاری کا اظہار کرتا رہا۔ آخر جب مر گیا تو اس کے سینے پر لکھا ہوا دیکھا گیا۔ "یہ خدا کی محبت کا مارا ہوا ہے"۔ رباعی

آن دل کہ ز دست دلبران بربودم	ہرگز بہ کسے نہ دادم و نہ نمودم
جانان چو بیک نظر دلم بربودے	گوئی کہ ہزار سال بیدل بودم

(وہ دل جو معشوقوں کے ہاتھ سے میں لے آیا تھا، میں نے کبھی نہ کسی کو دیا نہ کسی کو دکھایا۔ اے میرے محبوب جب تو نے ایک نگاہ میں میرا دل چھین لیا تو ایسا لگتا ہے کہ ہزاروں برس سے میرے سینے میں دل تھا ہی نہیں) غوطہ لگانے والے جب دریا میں غوطہ مارتے ہیں، وہ جو دریا کی جان ہے اس کی باتیں کرتے ہیں۔ یعنی وہ مچھلی نہیں چاہتے جو روپے پیسے سے خریدی جا سکتی ہے۔ بلکہ وہ ایسا موتی ڈھونڈتے ہیں جو اندھیرے گھر کو روشن کر دے۔ یہ کام بڑی ہوشیاری اور سر دھڑ کی بازی لگا دینے کا ہے کوئی کھیل نہیں ہے۔ فرشتے سب جانتے تھے کہ کوئی بڑا کام سپرد ہونے والا ہے۔ اور ہماری جماعت میں سے کسی کو

اس کام کے لیے چنا جائے گا۔ جبریل علیہ السلام ابلیس کے پاس آتے تھے اور کہتے تھے جب اس کا موقع آجائے تو تم میرے لیے سفارش کرنا۔ وہ کہتا تھا یہ میرا کام ہے اور میں ہی اس کا مستحق ہوں۔ سب فرشتے آیا کرتے تھے اور ابلیس سے اسی کی درخواست کرتے تھے۔ وہ سب کو یہی جواب دیتا تھا کہ یہ میرا ہی کام ہے اور میرے ہی سپرد کیا جائے گا۔ یہیں سے بعض بزرگوں نے کہا ہے کہ مرید میں اعتقاد کی پختگی کے لحاظ سے ابلیس جیسی صفت ہونی چاہیے تاکہ اس سے کام نکلے۔ اے بھائی! جو کوئی اپنا سر ہتھیلی پر نہ رکھے گا اس راہ میں قدم نہیں ڈال سکتا۔ جواں مرد وہ ہے کہ جب محبت کی باتیں چھڑیں اور غیبی تلواریں چلنے لگیں تو وہ دل وجان سے اس کا استقبال کرے۔ قطعہ

من کہ باشم کہ بہ تن رختِ وفائے تو کشم | دیدہ حمال کنم بارِ جفائے تو کشم

ور تو بر من بہ تن و جان و دلے صلح کنی | ہر سہ را رقص کنان پیشِ ہوائے تو کشم

(میں کون ہوں جو تیری محبت اور وفا کا دم بھروں اور آنکھوں کو مزدور بنا کر تیرے جور و ستم کا بوجھ سنبھالوں۔ اگر تو میرے تن اور دل اور جان کے عوض صلح کرے تو میں ان تینوں کو ذوق و شوق کے ساتھ تیری محبت پر قربان کردوں) بے حقیقت چیونٹی کے دل میں اگر یہ لالچ سما جائے کہ وہ آسمان تک پہنچے تو یہ ناممکن ہے۔ کل مخلوقات کی عاجزی اور مجبوری خداوند کے جلال وبزرگی کی بارگاہ میں اس سے کہیں زیادہ ہے جتنی کمزور چیونٹی کو ایک بڑے سانپ کے مقابلے میں ہوتی ہے۔ ایک قوم مٹی کے ڈھیلوں کی پجاری بن گئی۔ اور ایک گروہ نے پتھر کی پرستش شروع کی۔ اور ایک قوم ساری توجہ مشرق کی طرف کرکے سورج کو بھگوان سمجھنے لگی۔ اور ایک گروہ نے مغرب کی طرف منہ پھیرا، اور کوئی ہر وقت اس کے لیے دوڑ لگاتا ہے۔ اور کوئی اس کی تلاش وجستجو میں سرگرداں ہے۔ اَلْحَقُّ عَزِیْزٌ وَّالطَّرِیْقُ بَعِیْدٌ وَّالْقُرْبُ بُعْدٌ وَّالْوَصْلُ ھَجْرٌ وَّبِیَدِ الْخَلْقِ قِیْلٌ وَّقَالٌ۔ (اور خداوند کریم اس سے کہیں برتر و غالب ہے اور راستہ دشوار اور لمبا ہے اور اس کی نزدیکی بہت دور ہے اور اس کا وصال ہجر ہے اور مخلوق کے ہاتھ میں صرف قیل وقال ہے۔ رباعی

گر در غمِ تو نیست شوم ننگے نیست | صد جان بہ ترازوے تو سنگے نیست

من در طلبِ تو از توام رنگے نیست | مور از لفلک پر نہ زند جنگے نیست

(اگر میں تیرے عشق میں فنا ہو جاؤں تو کوئی شرم کی بات نہیں ہے۔ سو جانیں بھی تیری ترازو کا باسنگ

نہیں ہو سکتیں۔ میں تیری جستجو میں پریشان ہوں اور اس کا کوئی اثر نہیں۔ ٹھیک ہے اگر چیونٹی آسمان تک نہیں اڑ سکتی تو اس میں کوئی شکایت کی بات نہیں، ایک جہان اس کی جستجو اور تلاش میں ہے مگر اس کا کوئی پتہ نشان نہیں ملتا۔ اور ایک جہان اس کی طلب میں حیران ہے مگر کوئی راستہ نہیں پاتا۔ اور ایک جہان اُس کی گفتگو میں مشغول ہے مگر گمان کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ ایک جہان اس کی تلاش میں ہے لیکن سوائے ٹھنڈی سانس بھرنے کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اور ایک جہان خلوت میں جلتا ہے اور سوائے حسرت و انتظار کے کچھ میسر نہیں آتا۔ اور ایک جہان نے عبادت خانوں میں عمریں گذار دیں مگر سوائے حسرت و افسوس کے کوئی نتیجہ بر آمد نہ ہوا۔ ؎

دردا و دریغا کہ ازین خاست و نشست　　　خاکے بہت مرا در سر و بادیست بدست

(ہائے افسوس کہ اس ساری نشست و برخاست کا نتیجہ یہ حاصل ہوا کہ میرا سر خاک آلود ہو کر رہ گیا اور سوائے ناامیدی کے میرے ہاتھ کچھ نہ آیا)۔ حضرت خواجہ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ ہمارے کانوں نے سنا تھا اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى (خداوند جل و علیٰ کا مقام عرش پر ہے۔ ہم نے عرش پر جست لگائی کہ دیکھیں عرش کی کیا حالت ہے۔ جب وہاں پہنچے تو اس کو اپنے سے بھی زیادہ پیاسا دیکھا۔ اور اُس کی زبان پر جاری تھا۔ رباعی

در تہمتِ عشق تو منم فرسودہ　　　بے آنکہ مرا با تو وصالے بودہ

در سرزنشِ خلق منم بے ہودہ　　　چون گرگ شکم تہی دہن آلودہ

(تیرے عشق کی تہمتوں کا میں نشانہ بنا ہوا ہوں۔ حال یہ ہے کہ اب تک تیرا وصال میسر نہیں ہوا۔ مجھ پر لوگوں کی ملامت اور طعنوں کی بوچھار ہے۔ مگر بھیڑیے کی طرح میرا پیٹ خالی اور منہ خون سے آلودہ ہے)۔ جب اس کی عظمت و جلال پر تو آنکھ ڈالے گا تو دیکھے گا کہ کلیجہ خون ہو گیا۔ اور جب اُس نے جمال پر نظر کرے گا تو معلوم ہو گا کہ غمگین دل کی راحت اسی میں ہے۔ عارفوں کی ہستی اُس کے جلال کے سامنے غم کی آگ میں پگھل رہی ہے اور عشاق اس کے حسن کے نظارے سے خوش ہیں اور ناز کرتے ہیں۔ اَلْمَعْرِفَةُ نَارٌ وَالْمَحَبَّةُ نَارٌ فِي نَارٍ (معرفت ایک آگ ہے اور محبت آگ کے اندر ایک ایسی آگ ہے جس نے ایک جہان کو جلا ڈالا۔ اور تمام اس کی دھوم مچ رہی ہے ؎

در کوے من از عشق زہے شور زہے شر　　　در کوے تو از حسن زہے کار زہے بار

(میری گلی میں عشق کا شور و غوغا ہے۔ اور تیرے کوچہ میں حسن کا شہرہ اور خوب چرچا ہو رہا ہے)۔
لوگ قصہ بیان کرتے ہیں کہ ایک حسینہ جو حسن میں بے مثال تھی بغداد میں ایک دن سورج کی طرح چمکتی ہوئی ظاہر ہوئی اور وہاں کے لوگوں میں ایک تہلکہ پڑ گیا۔ ہر شخص اس کے پیچھے دوڑا۔ وہ ایک گھر میں گھس گئی اور دروازہ بند کر لیا۔ اس سے پوچھا گیا کہ جب کسی سے ملنا ملانا نہ تھا تو پھر اس رُونمائی کا کیا مطلب؟ اُس نے کہا میں جہان والوں کے شور و غوغا کو دوست رکھتی ہوں۔ آسمان والے چکر میں اور زمین والے حیران و پریشان۔ اس کے بغیر کسی کو چین نہیں۔ اور کسی کو اُس تک پہنچنے کی راہ نہیں۔ روزانہ کتنی ہی دفعہ عرش کرسی سے کہتا ہے۔ ھَلْ عِنْدَكَ اَثَرٌ (کیا تیرے پاس اس کا کوئی نشان ہے۔ کرسی عرش سے کہتی ہے ھَلْ عِنْدَكَ خَبَرٌ (کیا تجھ کو اس کی کوئی خبر ہے) آسمان زمین سے پوچھتا ہے ھَلْ مَرَّبِكَ طَالِبٌ (کیا تیری طرف کوئی طالب گذرا ہے) زمین آسمان سے پوچھتی ہے ھَلْ سَافَرَ فِيْكَ عَاشِقٌ (کیا کسی عاشق نے تیری طرف سفر کیا ہے)۔ اے بھائی! گوشہ گوشہ میں اس کے کشتے اور کونے کونے میں دل جلے بھرے پڑے ہیں۔ کون سی جان ہے جو اس کے قہر کی آگ سے پگھلی ہوئی نہیں ہے۔ اور کون سا دل ہے جس کو اس کے لطف و کرم نے نہیں نوازا؟ اگر تم فقیروں کی کٹیا میں جاؤ تو اسی کے طلب کی گرما گرمی پاؤ گے۔ اور اگر کسی بھٹی پر تمہارا گذر ہو تو وہاں بھی اس کے نہ ملنے کا درد ملے گا۔ اور اگر تم نصاریٰ کے کلیسا میں پہنچو گے تو سبھوں کو اس کی تلاش میں مست پاؤ گے۔ اور اگر تم یہودیوں کے کنشت میں جاؤ گے تو سبھوں کو اس کے حسن کے دیدار کے شوق میں سرگرداں پاؤ گے ؎

ہزار عاشق آمد بہ طمع صحبتِ ما نثار کرد دل و دیدہ خادمانِ مرا

(ہزاروں عاشق ہم سے ملنے کی تمنا میں آئے۔ لیکن ہمارے خادموں کا حسن دیکھ کر ایسے مبہوت ہوئے کہ اپنا دیدہ و دل اُن پر قربان کر بیٹھے) ؎

ہمہ ز آتش اندوہ ہجر سوختہ گشتند کہ کس نہ دید و نہ دانست تو دنشان مرا

(سب میری جدائی کی آگ میں جل کر خاک ہو گئے لیکن کسی نے میرا نشان نہ پایا) غریب عرش پر عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى کی تہمت لگی۔ اور وہ بے چارہ مفلس کی طرح درد سے شور مچاتا ہے ؎

تہمت زدہ عشقِ یکے مہرویم جز خامشیم ہیچ نہ دارد رویم

(ایک ماہ پارہ کے عشق کی مجھ پر تہمت لگائی گئی ہے۔ سوائے چپ رہنے کے میرے لیے کوئی چارہ

نہیں ہے) سبحان اللہ! سات لاکھ سال گذر گئے اور اب تک اس آگ کا شعلہ تیزی کے ساتھ لپک رہا ہے۔ اور ہر طرف ہزاروں جلے بھنے لوگ ہیں۔ اس کا ڈر ہے کہ کہیں دونوں جہان جھلس کر نیست و نابود نہ ہو جائیں۔ جب روزِ ازل سے یہ آگ سلگ رہی ہے تو کچھ تعجب کی بات نہیں۔

اے بھائی! اس مٹی اور پانی کی دولت تھوڑی نہیں ہے۔ اور حضرتِ آدم اور انسان کے کام مختصر نہیں ہیں۔ عرش اور کرسی، لوح اور قلم، آسمان اور زمین سب اُسی کی بدولت ہیں۔ حضرت استاد بوعلیؒ نے فرمایا۔ اگر حضرتِ آدم کو اپنا خلیفہ کیا۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا (اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کو اپنا دوست بنا لیا)۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِىْ (ہم نے تجھ کو اپنے لیے بنایا)۔ اور ہم کو يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ (وہ ان کو دوست رکھتا ہے اور یہ اس کو دوست رکھتے ہیں) کہا۔ لوگوں نے کہا ہے کہ اگر اس حدیث کو دلوں کے ساتھ مناسبت نہ ہوتی، تو دل، دل باقی نہ رہتا۔ اور اگر عشق و محبت کا آفتاب آدم اور آدمیوں پر نہ چمکتا تو آدم کا کام اور دوسری مخلوقات کی طرح رہ جاتا۔ ابتدا میں یہی بات تھی اور بیچ میں اور آخر میں بھی یہی۔ آج بھی یہی ہے اور کل بھی یہی رہے گی۔ اصحاب تحقیق نے کہا ہے، یہ جہان اور وہ جہان دونوں کے دونوں طلب ہی کے لیے بنائے گئے ہیں۔ اگر کوئی شخص کہے کہ وہ جہان طلب کے لیے نہیں بنا ہے تو یہ محال ہے۔ یہ درست ہے کہ نماز اور روزہ باقی نہیں رہے گا۔ مگر یہ بھی تو طلب کا ایک جزو ہے قیامت کے بعد ہر ایک شریعت مٹا دی جائے گی۔ لیکن یہ دو چیزیں ہمیشہ ہمیشہ قائم رہیں گی۔ اَلْحُبُّ لِلّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ (خدا کے لیے محبت اور خدا کی حمد و ثنا)۔ کہا گیا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ حج، جہاد روزہ، نماز کے احکام منسوخ کر دیے جائیں۔ مگر محبت کا پیمان منسوخ نہیں کیا جا سکتا۔ اور بہشت میں روزانہ جس جس کی شکل تیرے سامنے آئے خداوند تعالیٰ کی معرفت کا ایک عالم تجھ کو نظر آئے گا۔ کہ اس سے پہلے تو نے کبھی دیکھا نہ ہوگا۔ یہ ایسا کام ہے جو کبھی ختم نہیں ہو سکتا۔ اور خدا نہ کرے کہ ختم ہو۔ رباعی

تا من بزیم پیشۂ و کارم این است | آرام و قرار و غم گسارم این است
روزم این است روز گارم این است | جویندۂ صیدم و شکارم این است

(جب تک میری زندگی ہے میرا یہی کام ہے۔ میرا سکون و آرام اور دوست یہی ہے۔ میرے دن

رات کا مشغلہ اور پیشہ یہی ہے۔ میں شکار ڈھونڈھتا ہوں اور شکار یہی ہے۔ والسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سینتالیسواں مکتوب ۴۷

محبت کی نشانیوں میں

بھائی شمس الدین جانو کہ بندوں کے ساتھ خدا کی دوستی چھپی ہوئی ہے جب بندہ اس بات کو جاننا چاہے کہ وہ خدا کا دوست ہے یا نہیں تو اس کی نشانیوں سے دلیل قائم کرے کیونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اِذَا اَحَبَّ اللّٰہُ عَبْدًا اِبْتَلَاہُ فَاِنْ اَحَبَّہٗ اَلْحُبَّ الْبَالِغَ اِقْتَنَاہُ (جب خدائے بزرگ و برتر کسی بندہ کو دوست بناتا ہے تو اس کو بلاؤں میں ڈال دیتا ہے۔ اور جب وہ دوستی میں زیادتی کرتا ہے تو اس کو اقتنا فرماتا ہے۔ آپ سے پوچھا گیا اقتنا کے کیا معنی ہیں؟ آپ نے فرمایا اس کا مال اور اس کے بال بچوں کو چھین لیتا ہے۔ تو بندے کے ساتھ خدا کی دوستی کی نشانی یہ ہے کہ اس کو غیر خدا سے بیگانہ کر دے۔ اور بندے اور خدا کے بیچ میں کوئی دوسری ہستی نہ آنے پائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہا آپ خچر کیوں نہیں خریدتے کہ اس پر سواری کریں؟ آپ نے کہا کہ میں خدا کے نزدیک اس سے زیادہ عزیز ہوں کہ مجھ کو اپنے سے جدا کر کے ایک خچر کی طرف متوجہ کرے۔ اگر تو کہے کہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیاء اللہ دولت مند گذرے ہیں تو کیا ان کو مال اور دولت کی محبت روکتی نہ تھی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ کل کے کل جن کو خدا دوست رکھتا ہے مراد نہیں ہیں بلکہ ان میں کے بعض بعض جیسا کہ کہا ہے۔ اَوْلِیَائِیْ تَحْتَ قَبَائِیْ لَایَعْرِفُھُمْ غَیْرِیْ (ہمارے دوست ہماری قبا کے نیچے چھپے ہوئے ہیں جس کو کوئی دوسرا سوائے ہمارے پہچان نہیں سکتا) یہاں اولیاء کا لفظ کل پر واقع ہوتا ہے لیکن اس سے بعض ہی مراد ہیں۔ اور حدیث میں آیا ہے اِذَا اَحَبَّ اللّٰہُ عَبْدًا اِبْتَلَاہُ فَاِنْ صَبَرَ اِجْتَبَاہُ وَاِنْ رَضِیَ اِصْطَفَاہُ (جب خدائے بزرگ و برتر کسی بندے کو دوست رکھتا ہے تو اس کو بلاؤں میں مبتلا کر دیتا ہے۔ پھر اگر اس نے صبر کیا "اجتبا" کے لقب سے سرفراز فرماتا ہے۔ اور اگر سر تسلیم خم کر دیا تو "اصطفا" کی خلعت سے نوازتا ہے۔ اجتبا کے معنی یہ ہیں کہ خداوند تعالےٰ

خاص فیض بندہ کو عنایت فرماتا ہے جس سے تمام نعمتیں بغیر کوشش کے اس کو حاصل ہو جاتی ہیں اور اصطفا کے مطلب یہ ہیں کہ اس کو ساری آلودگیوں سے پاک و صاف کر دے۔ ایک عالم نے کہا ہے اگر تو دیکھے کہ تو اس کو دوست رکھتا ہے۔ تو وہ بھی تجھ کو دوست رکھتا ہے۔ اور پھر اگر تو دیکھے کہ تجھ کو مبتلا کرتا ہے تو سمجھ لے کہ وہ تیری صفائی چاہتا ہے اور وہ صفائی دوسروں کے لگاؤ سے اپنے کو الگ کر لینا ہے۔ جیسا کہ کہا ہے۔

روزان و شبان نشستہ ام در کارت   با ہر کہ بہ سازی شکنم بازارت

(میں دن رات تیرے کام میں لگا ہوا ہوں۔ اگر تو کسی دوسرے سے تعلق رکھے گا تو میں تیری دھاک اُکھاڑ دوں گا)۔ ایک مرید نے اپنے پیر سے کہا کہ مجھ کو دوستی کا ذرا سا حصہ دکھلایا گیا ہے۔ انھوں نے کہا۔ اے لڑکے تجھ کو اپنے سوا کسی دوسرے محبوب کے ساتھ مبتلا کیا ہے؟ تو نے اس کو اس محبوب پر اختیار کیا اور چن لیا ہے؟ اُس نے کہا نہیں۔ انھوں نے کہا تو پھر دوستی کی امید مت رکھ۔ کیونکہ اس وقت تک دوستی نہیں ہو سکتی جب تک کہ بندے کو مبتلا نہ کریں۔ اور حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل ہے کہ آپ نے فرمایا اِذَا اَحَبَّ اللّٰہُ عَبْدًا جَعَلَ لَہٗ وَاعِظًا مِنْ نَفْسِہٖ وَزَجْرًا مِنْ قَلْبِہٖ یَاْمُرُہٗ وَ یَنْھَاہُ (جب خدا کسی بندے کو دوست رکھتا ہے تو اُس کے نصیحت کرنے والا' اور اس کے دل کو تنبیہ کرنے والا بنا تا ہے جو اُسے نیکی کا حکم دیتا اور بدی سے منع کرتا ہے)۔ اور کہا اِذَا اَرَادَ اللّٰہُ بِعَبْدِہٖ خَیْرًا اَبْصَرَہٗ بِعُیُوْبِ نَفْسِہٖ (جب خدا اپنے بندے کے لیے نیکی کا ارادہ فرماتا ہے تو وہ اپنے نفس کے عیبوں کو دیکھ لیتا ہے)۔ اور کہا گیا ہے خدا کے ساتھ بندے کی دوستی کی بعض خاص خاص علامتیں ہیں۔ یہی نہ اکی دوستی کی اس کے لیے دلیل ہیں جس طرح پھل درخت کی دلیل ہوتا ہے۔ اور دھواں آگ کی۔ اور حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اِذَا اَحَبَّ اللّٰہُ عَبْدًا لَمْ یَضُرَّہٗ ذَنْبٌ۔ (جب خدا کسی بندے کو دوست رکھتا ہے تو اس کا کوئی گناہ اُسے نقصان نہیں پہنچاتا۔ اور اس کا مطلب یہ ہے کہ جب خدا کسی بندے کو دوست رکھتا ہے تو موت سے پہلے اُسے توبہ کرنے کی توفیق عطا فرماتا ہے اور اُس کا گناہ معاف ہو جاتا ہے۔ اور زاہد اسلم رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ خدا جب کسی بندے کو دوست بنا لیتا ہے تو یہاں تک دوستی بڑھاتا ہے کہ اس کو فرماتا ہے جو تیرے دل میں آئے کر، میں نے تجھ کو بخش دیا۔ اور اگر تو کہے کہ معصیت محبت کی ضد ہے کہ نہیں؟ تو اس کا جواب

یہ ہے کہ معصیت کمال محبت کی البتہ ضد ہے نہ کہ صرف محبت کی۔ تو نہیں دیکھتا کہ بہتیرے لوگ طبیعت اور مزاج کو دوست رکھتے ہیں۔ جب وہ بیمار پڑ جاتے ہیں تو صحت و تندرستی کی تمنا کرتے ہیں اور کوئی چیز نقصان کرنے والی کھا لیتے ہیں۔ حالانکہ جانتے ہیں کہ اس سے ضرر پہنچے گا۔ اور یہ اس چیز کی دلیل نہیں ہو سکتی کہ وہ طبیعت اور مزاج کو دوست نہیں رکھتے۔ لیکن ممکن ہے کہ طبیعت اور مزاج کے متعلق اس کی معرفت کمزور اور خراب ہو۔ اور بھوک اور رغبت اور خواہش زیادہ ہو تو محبت کا جس قدر حق ہے اس کے ساتھ قائم نہیں رہ سکتا۔ ایک عارف نے فرمایا ہے کہ جب محبت دل کی ظاہری سطح میں ہوگی تو خدا کی محبت درمیان میں ہوگی اور جب محبت دل کی گہرائیوں میں پہنچ جائے گی تو کمال کے درجے کو پہنچے گی اور اس سے گناہ سرزد نہ ہوں گے۔ اور تمام دعووں میں محبت کا دعویٰ کرنا خطرے سے خالی نہیں۔ وہ اس لیے ہے کہ خواجہ فضیل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ جب تجھ سے سوال کیا جائے کہ تو خدا کو دوست رکھتا ہے؟ تو چپ رہ۔ کیونکہ اگر تو نے نہیں کہی تو یہ کفر ہوگا۔ اور اگر تو نے ہاں کہی، تو چونکہ تجھ میں دوستوں کی صفت نہیں ہے اس لیے دشمنی کا خوف لازم آئے گا۔ سمجھو کہ محبت کا دعویٰ کرنا تو بہت آسان ہے۔ مگر اس کے معنی بڑے سخت اور کٹھن ہیں۔ آدمی کو چاہیے کہ شیطان کے بہکانے اور نفس کے فریب میں نہ آجائے اور جس وقت خدا کی محبت کا دعویٰ کرے تو جب تک ان علامتوں کو آزما نہ لے اور ان دلیلوں کو پرکھ نہ لے مطمئن نہ ہو۔ محبت کی علامتوں میں سے ایک علامت یہ ہے کہ محبوب کے ساتھ خلوتوں میں مناجات کے وقت حد درجہ کی موانست ہو۔ اور جب محبوب کے ساتھ خلوت نصیب ہو تو اس میں ایسی لذت پائے جس پر دین و دنیا کی لذتیں قربان ہو جائیں۔ برخ کے قصہ میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی بزرگی اور عظمت کے باوجود ان سے درخواست کی کہ پانی برسنے کی دعا کیجیے حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بتایا تھا کہ برخ ہمارا نیک بندہ ہے۔ مگر اس میں ایک عیب ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا وہ عیب کیا ہے؟ خدا تعالیٰ نے فرمایا وہ صبح کی ٹھنڈی ہوا پسند کرتا ہے اور جو کوئی میری دوستی کا دعویٰ کرے اُس کو غیر اللہ کے ساتھ چین و آرام کہاں۔ ایک قصہ ہے کہ ایک عابد کسی جنگل میں ایک زمانہ دراز تک خدا کی عبادت کرتا رہا۔ اُس نے ایک چڑیا دیکھی جو کسی درخت پر گھونسلا بنائے ہوئے تھی۔ اُس کی

سریلی آواز اس عابد کو بھلی لگی۔ اس عابد نے چاہا کہ اس درخت کے نیچے اپنی جھونپڑی بنائے۔ اس کے نغموں سے لطف اٹھائے۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ اس زمانے کے پیغمبر پر وحی آئی کہ فلاں عابد کو جاکر کہو کہ تو نے ایک مخلوق سے محبت اختیار کی ہے اس لیے میں نے تجھ کو تیرے مرتبے سے اتنا نیچے گرادیا ہے کہ اب تو کسی ریاضت کے ذریعہ وہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔ اے بھائی بعض لوگوں کو مناجات میں محبت کا اس حد تک مزا ملا ہے کہ ان کا سارا گھر جل کر خاک ہوگیا۔ اور ان کو اس کی کچھ خبر نہیں ہوئی۔ اور بعضوں کا پاؤں نماز کی حالت میں کسی بیماری کی وجہ سے کاٹا گیا ہے اور ان کو اس کا مطلق احساس تک نہ ہوا۔ تو جب انس اور محبت کا غلبہ ہوتا ہے تو مناجات اور خلوت اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک بن جاتی ہے۔ اس کے دل سے جملہ افکار دور ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک دنیا کا کوئی کام وہ نہ جانے گا جب تک کہ چند بار اس کے کان میں نہ کہا جائے جب خدا کا عاشق کسی سے بات بھی کرتا ہے تو اس کا باطن خدا کے ذکر میں مشغول رہتا ہے۔ لہٰذا محبت کے یہ معنی ہیں کہ کرنے والے کو سوائے اپنے محبوب کے کبھی سکون و آرام نہیں۔ بزرگوں نے کہا ہے جس میں یہ باتیں نہ ہوں وہ خدا کا دوست نہیں ہوسکتا۔ ایک وہ کہ مخلوق کی باتوں پر خدا کی باتوں کو ترجیح دے اور اختیار کرے۔ دوسرے وہ کہ خدا کے دیدار کو مخلوق کے دیدار پر فوقیت دے۔ تیسرے یہ کہ خدا کی بندگی کو خلق اللہ کی خدمت کرنے سے بالا و برتر سمجھے۔ اور انھیں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ سوائے خدا کی یاد اور اس کے لگاؤ کے کسی اور چیز کے نقصان اور کھو جانے کا افسوس نہ کرے۔ یہی بھید ہے جو کہا گیا ہے ؎

چوں تو دارم ہمہ دارم دگرم ہیچ نہ باید　　　گرمرا ہیچ نہ باشد نہ بدنیا نہ بہ عقبیٰ

(اگر دین و دنیا میں مجھے کچھ بھی نہ ملے تو کوئی پروا نہیں۔ جب تو میرا ہے تو سب کچھ مجھے مل گیا۔ اب مجھے کچھ اور نہیں چاہیے) حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ محبت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ اس کی بندگی ہی میں اس کو آرام حاصل ہو۔ اور اس کو بوجھ نہ سمجھے اور نہ اس کی تھکن محسوس ہو۔ جیسا کہ ان لوگوں میں سے کسی نے کہا ہے۔ جو کام محبت کے لیے ہو اس میں سستی اور غفلت نہیں ہونی چاہیے۔ یعنی اس کا جسم تو تھک جائے مگر اس کا دل نہ تھکے۔ اور علماء کہتے ہیں کہ خدا کو دوست رکھنے والا اس کی بندگی سے کبھی آسودہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ عاشق کا معشوق کی اطاعت قبول کرنا بالکل فطری ہے وہ کسی تکلف کی وجہ سے نہیں کرتا۔ باوجود اس کے کہ اس کی

بندگی کے طریقے اور ذرائع بہت ہوں۔ اور اس کی مثال ظاہری چیزوں کو دیکھنے میں ملتی ہے کیونکہ معشوق کی طلب میں عاشق پر دوڑ دھوپ اور حیرانی و سرگردانی کچھ جبر نہیں گذرتی۔ اس کام کو وہ دل سے زیادہ عزیز رکھتا ہے اور غنیمت جانتا ہے۔ اگرچہ جسمانی لحاظ سے یہ اس کی برداشت سے زیادہ ہو۔ اور اگر عارف ہو تو فرشتوں کی حالت پر نظر ڈالے تو دیکھے گا کہ وہ خدا کی تسبیح میں رات دن مشغول ہیں۔ اور کسی طرح کی سستی نہیں کرتے۔ ان سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوتا۔ یقینی طور پر اُسے اپنی دوستی پر شرم آنی چاہیے۔ اور قطعی طور پر سمجھنا چاہیے کہ وہ ذلیل ترین عشاق میں سے ہے۔ ایک دوست نے کہا کہ میں نے تیس برس تک دل اور اعضا کے ذریعہ خدا کی پرستش کی۔ یہاں تک کہ میں نے خیال کیا کہ خدا کے نزدیک میری کوئی قدر ہے۔ پھر اپنے مکاشفہ میں فرشتوں کی صف میں پہنچا اور پوچھا کہ تم کون ہو۔ انھوں نے کہا کہ ہم خدا کے دوستوں میں ہیں۔ بیس لاکھ برس گذر گئے کہ ہم اسی جگہ پر اس کی عبادت کرتے ہیں۔ اس اثنا میں ہمارے دلوں کے کسی گوشہ میں ایک لمحہ کے لیے بھی اس کے تصور کے سوا کسی دوسرے کا خیال تک نہیں گذرا۔ اور اس کے سوا ہم نے کسی کو یاد نہیں کیا۔" اس کے بعد مجھے اپنے اعمال پر شرم آئی اور وہ تیس برس کی عبادت میں نے ایک ایسی جماعت کو بخش دی جو عذاب کی مستحق ہو چکی تھی۔ اب یہاں سے معلوم ہو گیا کہ جس نے اپنے آپ کو پہچانا اپنے رب کو پہچان لیا۔ اور خدائے بزرگ و برتر سے جس قدر کہ واجب ہے، شرم کی۔ اور اس کی زبان گونگی ہو گئی تاکہ کسی دعوے کا بے زبانی کے سبب اظہار نہ کر سکے۔ لیکن اس کے اخلاق و اوصاف اور چال چلن خدا کی محبت پر گواہ ہیں۔ جیسا کہ حضرت خواجہ جنید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہمارے استاد حضرت سری سقطی قدس اللہ سرہٗ بیمار پڑے ہم ان کی بیماری کا علاج نہیں جانتے تھے۔ ایک اچھے طبیب کی تعریف ہم نے سنی اور آپ کا قارورہ اُس کے پاس لے گئے۔ طبیب نے تھوڑی دیر تک اس کو دیکھا پھر کہا یہ کسی عاشق کا قارورہ ہے۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ سن کر ہم بے ہوش ہو گئے۔ اور ہمارے ہاتھ سے قارورہ گر پڑا۔ جب ہم کو ہوش آیا تو حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے اور سارا حال ان سے کہہ دیا۔ وہ مسکرائے اور فرمایا اللہ اس کو مقبول بنائے بڑی سمجھ رکھتا ہے۔ میں نے حضرت سے پوچھا، کیا محبت کی علامت قارورہ سے بھی ظاہر ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں ؎

حدیثِ سینۂ سوزانم اے الہٰی رُوے　　　　مپرس کاتش دوزخ برآید از دہنم

(اے بہشتی چہرے والے میرے سینۂ سوزاں کی بات مت پوچھ۔ حال یہ ہے کہ بات کرنے میں میرے منھ سے دوزخ کے شعلے نکلنے لگتے ہیں)۔ اب سمجھو کہ جو شخص اپنی نفسانی خواہشات اور جہالت کی وجہ سے خدا کے دشمن شیطان کو دوست رکھتا ہے اور اس غلط فہمی میں مبتلا ہے کہ وہ خدا کو دوست رکھتا ہے تو اس میں محبت کی ان نشانیوں میں سے کوئی نشانی نہیں پائی جاتی جب حضرت خواجہ سہیل رحمۃ اللہ علیہ کسی سے بات کرتے تو "اے دوست" کہہ کے مخاطب کرتے۔ کسی نے پوچھا کہ جسے آپ دوست کہتے ہیں ممکن ہے وہ دوست نہ ہو، پھر آپ ہر ایک کو کیوں دوست کہتے ہیں؟ آپ نے اس کے کان میں چپکے سے کہا۔ وہ دو حالتوں سے خالی نہیں۔ یا مومن ہے یا منافق۔ اگر وہ مومن ہے تو خدا کا دوست ہے۔ اور اگر منافق ہے تو شیطان کا دوست ہے۔ اے بھائی دو دوستیوں میں بہت سے کام چلتے ہیں۔ اگرچہ ظاہر میں وہ سب نقصان دہ ہیں۔ لیکن محبت کی چار دیواری سب کچھ برداشت کر لیتی ہے۔ محبت کی بارگاہ میں عشاق کی لغزشیں چشم پوشی کے لائق ہیں۔ حضرت ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں ایک شخص آیا۔ جب رخصت ہونے لگا تو معذرت کی (کہ میں نے آپ کا وقت ضایع کیا معاف فرمائیے)۔ آپ نے فرمایا خاطر جمع رکھو، ہم سے تم سے محبت کی باتیں ہوتی رہیں۔ اور دوست دوست سے بدگمان نہیں ہوا کرتا۔ حُبُّكَ لِلشَّيْءِ يُعْمِي وَيُصِمُّ (کسی چیز کی محبت آدمی کو اندھا اور گونگا بنا دیتی ہے)۔ یہی راز ہے کہ حضرت خواجہ بایزید بسطامی قدس اللہ سرہ نے فرمایا لَيْسَ الْعَجَبُ مِنْ حُبِّي لَكَ وَأَنَا عَبْدٌ ضَعِيفٌ بَلِ الْعَجَبُ مِنْ حُبِّكَ لِي وَأَنْتَ رَبٌّ قَوِيٌّ (یہ تعجب کا مقام نہیں کہ میں تجھ کو دوست رکھتا ہوں کیونکہ میں ایک عاجز اور خاکسار بندہ ہوں بلکہ تعجب کی بات یہ ہے کہ تو مجھ کو دوست رکھتا ہے حالانکہ تو ربّ قوی ہے۔ اور مجھ سے بہتر تیرے ہزاروں عاشق ہیں)۔ یہاں سے سمجھو کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تمھاری مٹی سے محبت کا درخت اُگے اور ساقی مہربان يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ کی شراب سے سیراب نہ کرے۔ یہیں سے کہا گیا ہے۔ رباعی۔

در راہِ تو من کیم کہ در منزلِ من | از چہرۂ تو گلے دمد بر گلِ من
این خود نہ بس است زہر تو حاصلِ من | کز عشقِ تو آراستہ باشد دلِ من

(تیرے راستے میں میری کیا حقیقت ہے کہ تیرے حسین چہرے سے میری مٹی میں پھول کھل جائے۔ یہی کیا کم ہے جو مجھے تیری عنایت و مہربانی سے حاصل ہوا کہ تیرے عشق سے میرا دل آراستہ ہو گیا۔ والسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اڑتالیسواں مکتوب ۴۸

محبت اور عشق کے احکام میں

میرے بھائی شمس الدین۔ تم کو اللہ اپنی محبت کا کمال نصیب کرے۔ جانو کہ خدا کی دوستی بندے کے لیے اور بندے کی دوستی خدا کے لیے درست ہے اور قرآن و حدیث میں اس کے متعلق ذکر ہے اور امت کا اس پر اتفاق ہے۔ خداوند تعالےٰ کی ذات میں ایسی صفت موجود ہے کہ محبت کرنے والے اس کو دوست بنائیں۔ اور وہ اپنے دوستوں کو دوست رکھے۔ اور لغوی تحقیق کی رُو سے لفظ محبّت حَبّہ سے نکلا ہے جس کے معنی بیج کے ہیں جس کو زمین میں بوتے ہیں۔ پھر حَبّہ کو حُب بنا دیا۔ زندگی کی جڑ اسی میں ہے جس طرح روئیدگی یعنی اُگنے کی استعداد تخم میں ہوتی ہے۔ جب بیج مٹی میں مل کر چھپ جاتا ہے اُس پر پانی برستا ہے اور دھوپ لگتی ہے۔ اور جاڑوں کی ٹھنڈک اور گرمی کی تیزی اُس پر پہنچتی ہے مگر وہ بدلتا نہیں۔ جب اس کا موسم آتا ہے تو اُگنے لگتا ہے اور پھول پتیاں نکلتی ہیں پھر پھل لاتا ہے۔ اے بھائی! ٹھیک اسی طرح جب محبت دل میں گھر بنا لیتی ہے تو محبوب کی موجودگی اور جدائی سے، اور بلا و مشقت سے، اور لذت و آرام سے وہ بدلتی نہیں۔ مگر عرف عام اور علماء کی اصطلاح میں کچھ اختلاف ہے۔ متکلموں کا خیال ہے کہ خدا تعالےٰ نے اپنی محبت کی جو خبر دی ہے اور صفتوں کی طرح سننے سے تعلق رکھتی ہے۔ دو اسباب کی بنا پر ہے۔ ایک یہ کہ اگر قرآنِ پاک اور حدیث شریف میں اس کا بیان نہ آتا تو خداوند تعالیٰ کی ذات کے ساتھ محبت کی صفت کا معلوم کرنا عقلاً محال ہوتا۔ تو ہم انھیں اقوال کو سن کر اس پر ایمان لائیں، لیکن اس کی حقیقت کے سوچ بچار میں خاموش رہیں۔ اور علماء کی ایک جماعت کہتی ہے کہ محبت نفس کا رجحان اور دل کا میلان ہے اور یہ صفت جسم کی ہے ذاتِ قدیم پر صادق نہیں آتی۔ کیونکہ وہ جسم سے بالاتر ہے۔ اور اس طرح کی محبت ساری مخلوقات کو اور ہم جنس کو ایک دوسرے کے ساتھ ہوا کرتی ہے۔ یہ لوگ بندے کی محبت کو خدا کی بندگی اور اطاعت کہتے ہیں۔ اور بندے کے ساتھ خدا کی محبت کو ہدایت اور اس کی نوازش بیان کرتے ہیں۔ اور اس گروہ کے لوگ یہی جانتے ہیں کہ بندے کے ساتھ خدا کی محبت کے معنی یہ ہیں کہ وہ بندوں پر انعام و اکرام کرتا ہے۔ دنیا اور آخرت میں ثواب عطا فرماتا ہے۔ اور

عذاب کے مقام سے اس کو بری کرتا ہے اور گناہوں سے بچاتا ہے۔ اُس کو بلند اور برتر مقام عنایت فرماتا ہے۔ اور اس کی توجہ غیرِ حق سے ہٹا کر عنایتِ ازلی کا سرا اُس کے ساتھ جوڑ دیتا ہے تاکہ ماسوا سے اُس کا دل قطعی خالی ہو جائے اور صرف خداوند تعالیٰ کی رضا اور تسلیم کی طلب باقی رہ جائے۔ اور بندے کی محبت خدا کے ساتھ ایک ایسی صفت ہے جو دلِ مومن میں پیدا ہوتی ہے۔ اس کے معنی ہیں خدا کی تعظیم اور اس کے اکرام کا اعزاز۔ تاکہ اس کی رضامندی کا وہ طلب گار ہو جائے۔ اور اُس کے دیدار کی طلب میں بے چین رہے۔ اور اس کے بغیر کسی طرح اس کو آرام نصیب نہ ہو اور اسی کی داستان سننے کی عادت ڈالے۔ دوسری باتیں سننے سے پرہیز کرے۔ اور ساری خواہشات اور دوستی سے کنارہ کشی اختیار کرلے اور شہنشارہ محبت کا استقبال کرے۔ اور دوستی کے حکم پر گردن ڈال دے۔ اور یہ کبھی جائز نہیں کہ اس کے دل میں خدا کی محبت مخلوقات کی محبت کی طرح ہو۔ جس طرح آپس میں ایک دوسرے سے ملنے کی خواہش اور محبوب کی تلاش اور دوست کے ملنے کی خوشی اور لطف وغیرہ۔ اس لیے کہ یہ صفت جسم کی ہے اور باری تعالیٰ کی ذات اس سے بلند و برتر ہے۔ اس میں احاطت اور ادراک، لحوق و احتظاظ کا گذر نہیں۔ جو شخص محبت کی حقیقت معلوم کرنا چاہتا ہے اس کو کوئی شک و شبہ نہیں ہوتا۔ اور اس کے دل سے شک کا خیال بھی اُٹھ جاتا ہے۔ محبت دو طرح کی ہوتی ہے ایک محبت ہم جنس کی اپنے ہم جنس سے، خواہشاتِ نفسانی کی لذتیں، اور محبوب کی جستجو وصال حاصل کرنے کے لیے ہوتی ہے۔ اور دوسری محبت جنس کی جنس کے ساتھ نہیں ہوتی۔ اس طلب کا لگاؤ محبوب کے اوصاف کے ساتھ ہے۔ اور طالب کو انھیں سے آرام ملتا ہے۔ اور محبت کرتا ہے۔ جیسے کسی کی بات سننے کی تمنا کسی کے دیدار کی خواہش۔ اور محبت کی حقیقت میں مشائخین رضوان اللہ علیہم کے بہت سے اقوال ان کی کتابیں دیکھنے سے انشاءاللہ معلوم ہو جائیں گے۔ عشق کے متعلق مشائخ کے چند نظریے ہیں۔ اس گروہ کی ایک جماعت کہتی ہے کہ بندے کا خدا سے عشق کرنا جائز ہے۔ اور یہ جائز نہیں رکھتے کہ خدا بندے سے عشق کرے۔ کیونکہ عشق منع کی صفت ہے اپنے محبوب سے اور بندہ باری تعالیٰ کی طرف سے ممنوع ہے، نہ کہ باری تعالیٰ بندے سے۔ تو بندہ کا عشق خدائے تعالیٰ کے ساتھ جائز ہوا۔ اور خدا کا عشق بندے کے ساتھ روا نہیں۔ اور ایک گروہ کہتا ہے کہ خدا کے ساتھ بندے کا عشق جائز نہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ عشق ایک حد کو چھوڑتا ہے۔ اور خداوند تعالیٰ کی ذات محدود نہیں ہے۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ بغیر دیکھے ہوئے

عشق پیدا نہیں ہو سکتا۔ اور کسی کی تعریف سن کر عشق ہو جانا جائز نہیں ہے۔ چونکہ عشق کو نظر سے تعلق ہے اور دنیا میں کسی کی آنکھ خدا کو نہیں دیکھ سکتی اس لیے جائز نہیں۔ اور محبت چونکہ ایک خبر کی حیثیت رکھتی ہے ہر شخص نے اس کا دعویٰ کیا ہے۔ یُحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ کے ارشاد میں سب برابر ہیں۔ لیکن جن لوگوں نے بندے کا عشق خدا کے ساتھ جائز رکھا ہے وہ کہتے ہیں کہ ہر چیز کی ایک حد ہے جب اس حد تک پہنچ جاتی ہے تو اس کا نام بدل کر دوسرا ہو جاتا ہے۔ جو اس سے پہلے نہ تھا اور اس مقام کی انتہا اور کمال سے بلند و برتر نہ ہوگا۔ لیکن رجوع ہو سکتا ہے جو کہ کمال کے درجے سے اتر کر نقصان کی طرف آئے۔ جس طرح درخت اُگ کر بڑھتے جاتے ہیں اور اپنے کمال کی حد چاہتے ہیں۔ ان کا کمال یہ ہے کہ پھل پیدا ہوں۔ جب وہاں تک پہنچ جاتے ہیں تو سوکھنے لگتے ہیں۔ اسی طرح دوسری مثال انسان کے بچپنے کی ہے۔ آدمی شیر خوارگی کے زمانے سے برابر بڑھتا جاتا ہے۔ اور عمر کی ایک حد تک پہنچ جاتا ہے تو وہ نمو میں کمال کا درجہ حاصل کر لیتا ہے اور گھٹنا شروع ہوتا ہے۔ یہاں تک کہولت اور بڑھاپے کے سن میں پہنچ جاتا ہے۔ محبت کا حال بھی اسی طرح ہے۔ پہلے پہل محبوب کا حسن و جمال دیکھنا، نظر سے تعلق رکھتا ہے اور اس کا اشتیاق ہر وقت بڑھتا جاتا ہے اور محبت اپنے کمال کے درجے تک پہنچنا چاہتی ہے۔ جب اپنی انتہا کو پہنچ گئی اور اس سے آگے نہیں بڑھ سکتی تو خواہشات سے آزاد اور نفسانی تعلقات سے بری ہو جاتی ہے۔ اور انتہائے محبت میں وصل اور ہجر اور رنج و راحت اور نزدیکی و دُوری سے بے پروا ہو جاتی ہے۔ یہاں تک پہنچ کر اس میں نقصان آنے لگتا ہے۔ اور ہر خواہش کو خیرباد کہہ دیتی ہے اور عشق کے مقصد تک پہنچ جاتی ہے۔ یہاں اس کا نام عشق ہو جاتا ہے، جب عشق نام پڑ گیا تو گمان و وہم کے دائرے سے باہر نکل آتی ہے۔ اور انوارِ الٰہی کی طرف سے اُس کا نام عشق رکھا جاتا ہے۔ جب تک اس کو پوجتا ہے اس کا نام عابد، اور جب اس کو جانتا ہے عاقل، جب پہچانتا ہے تو عارف، جب ماسوا سے پرہیز کرتا ہے تو زاہد، جب سچائی کے ساتھ اس کا ارادہ کرتا ہے تو مخلص جب دوستی کی راہ میں قدم رکھتا ہے تو مشتاق، جب اُس کی رضا کے لیے ساری مخلوق کو نظر سے گرا دیتا ہے تو خلیل اور جب اس کے مشاہدہ پر اپنی ہستی تصدق کر دیتا ہے تو حبیب ہو جاتا ہے۔ جب یہاں تک پہنچ جائے کہ اپنی فنا اور بقا کو دوست کی ذات میں کلیۃً گم کر دے تو اس کا نام عاشق پڑتا ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ دوست ازلی کے مشاہدے کے نور سے عشق پیدا ہوتا ہے۔ یہ بجلی کی طرح

آتا ہے اور آنکھوں میں اپنا نور اور کانوں میں اپنی گونج رکھ دیتا ہے۔ رفتار میں تیزی اور صفت میں مخلوقات سے کنارہ کشی کا جذبہ پیدا کر دیتا ہے۔ اب عاشق جو کام کرے گا نہ اپنے فائدے کے لیے اور نہ کسی غیر کے لیے۔ بلکہ ہر کام بے اختیارانہ اس سے سرزد ہوگا۔ اور ان سب کے معنی عشق ہی کے ہیں۔ جیسا کہ کہا گیا ہے عشق باتوں اور دلیلوں سے معلوم نہیں ہو سکتا۔ اور یہ اس سے کہیں بلند و برتر ہے کہ فہم اور گویائی کی طاقت کے ذریعہ اس کے جلال کے محل کے پاس بھی پھٹک سکے۔ یا مکاشفہ کی آنکھ سے اس کے جمال کی حقیقت کی طرف دیکھ سکے۔ جیسا کہ کہا ہے۔ غزل

عشقم کہ در دو کون و مکانم پدید نیست	عنقائے مغربم کہ نشانم پدید نیست
ز ابرو و غمزہ ہر دو جہان صید کردہ ام	منگر بدین کہ تیر و کمانم پدید نیست
چون آفتاب در رخ ہر ذرہ ظاہرم	وز غایتِ ظہور، عیانم پدید نیست
گویم بہ ہر زبان و بہر گوش بشنوم	وین طرفہ ترکہ گوش و زبانم پدید نیست
چون ہر چہ ہست در ہمہ عالم ہمیں منم	مانند در دو عالم از آنم پدید نیست

(میں وہ عشق ہوں جو کون و مکان میں ظاہر نہیں ہے۔ میں وہ عنقائے مغرب ہوں جس کا کہیں نشان نہیں ملتا۔ میں نے اپنے ناز اور ادا سے دونوں جہان کو شکار کر لیا ہے۔ یہ نہ دیکھ کہ میرے تیر و کمان کہیں نظر نہیں آتے۔ میں آفتاب کی طرح ہر ذرہ میں چمک رہا ہوں۔ لیکن کمالِ ظہور کی وجہ سے میرا ظاہر ہونا نظر نہیں آتا۔ ہر زبان میں میں ہی باتیں کرتا ہوں اور ہر کان سے میں ہی سنتا ہوں۔ اور عجیب تر یہ کہ میرے کان اور زبان ظاہر نہیں۔ سارے جہان میں جو کچھ ہے وہ میں ہی ہوں میری مثال دونوں جہان میں نہیں مل سکتی)۔ جب تک تمھاری حیات ہے اسی جوش و خروش میں دامن کی دھجیاں بکھیرتے رہو اور سر پر خاک اڑاتے رہو۔ جو لوگ ابتدائے اسلام سے آج تک کہہ رہے ہیں کہ غم اور مصیبت میں کپڑا نہ پھاڑو۔ مگر عاشقوں کے درد اور اُن کے دل کی جلن کی شدت ایسی باتیں ہیں کہ مفتی لوگ نہیں سمجھ سکتے۔ یہ ہے جس کو کہا ہے۔ رباعی

دل گفت ز عشق توبہ محکم بہ	بد گفت ز عشق جانِ من خرم بہ
گم باد دلِ من از میانِ من و تو	بد گوئی ز روئے ہر دو گیتی کم بہ

(دل نے کہا، عشق سے توبہ کرنا بہتر ہے۔ تو دل نے یہ بات غلط کہی۔ عشق سے تو میری جان کو

خوشی حاصل ہوتی ہے۔ خدا کرے ہمارا اور تمھارا دل کھو جائے۔ یہی اچھا ہے کہ برا کہنے والا دونوں جہان میں کم ہو جائے خس کم جہاں پاک)۔ والسلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انچاسواں مکتوب ۴۹

طالب کے بیان میں

بھائی شمس الدین زندہ رہو اور نفس جیسے دشمن پر فتح حاصل کرو۔ جانو کہ طالب کو کسی جگہ ٹھہراؤ نہیں ہے۔ اور کسی منزل میں آرام کا موقع نہیں۔ بلکہ دونوں جہان میں راحت و سکون اس پر حرام ہے۔ جیسا کہ کہا ہے اَلسُّکُونُ حَرَامٌ عَلٰی قُلُوْبِ اَولِیَائِہٖ (خدا کے دوستوں کے دلوں پر آرام حرام ہے) خود ان کو بھی اُس کے غیر کے ساتھ آرام کہاں ممکن اے بھائی سمجھو۔ جس کا محبوب ایسا ہوگا اُس کو دونوں جہان میں سکون و آرام کیونکر مل سکتا ہے۔ کیونکہ دنیا فراق کی جگہ ہے اور آخرت دیدار کا مقام ہے۔ تو فراق میں طالب کے دل کو آرام کرنا جائز نہیں۔ اور دیدار کی جگہ میں چین نہیں۔ کیونکہ طالبوں کے دل کو انھیں دو چیزوں میں سکون ہو سکتا ہے تاکہ آرام اٹھائے۔ یا مطلوب کو پالینا یا محبوب سے غافل ہو جانا محبوب کا پالینا دنیا اور عقبیٰ میں روا نہیں تاکہ دل طلب کی مشقت سے آرام پائے۔ اور غفلت اس کے طالبوں کے لیے جائز نہیں کہ دل تلاش و جستجو چھوڑ کر خاموش بیٹھ جائے۔ اس مطلب کو صاحب کشف المحجوب رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا ہے۔ اور معارف کی شرح میں لائے ہیں کیونکہ محبوب کی ہستی مکان کی قید سے بالاتر ہے۔ اور محب کا وجود مکان سے تعلق رکھتا ہے۔ مکان سے آگے قدم نہیں رکھ سکتا، تو محبوں اور طالبوں کے دل کا درد دکھ ہمیشہ ہمیشہ رہنے والا ہے۔ اور عاشقوں کے دل کا رنج و غم دوامی ہے۔ اے بھائی! مطلوب کی بزرگی کی سواری علوی بلندی پر ہے۔ اور طالبوں کا مقام اسفل کی پستی میں ہے۔ مطلوب کا عالم کبریائی سے نیچے اترنا جائز نہیں اور طالبوں کی ترقی و عروج عبودیت کی گہرائی سے ممکن نہیں مشائخ طریقت رضوان اللہ علیہم نے کہا ہے کہ دونوں جہان میں طالب کے دل سے طلب

نہیں مٹتی۔ لیکن آخرت میں طالب کا کوئی نام اور لقب باقی نہیں رہتا۔ صرف طلب رہ جاتی ہے۔ اس لیے کہ محبوب و مطلوب کا جمال و کمال کبھی ختم ہونے والا نہیں ہے۔ اس لیے طلب ہمیشہ باقی رہتی ہے۔ اور طالب پر آرام کرنا حرام ہو جاتا ہے۔

عشق مارا کے بود غایت پدید حسن جانان چون نہ دارد غایتے

(ہمارے عشق کی حد کیونکر ہو سکتی ہے جبکہ محبوب کے حسن کی کوئی انتہا نہیں ہے) طالب کو کشف عظمت کی منزل میں چار مقامات سے گذرنا پڑتا ہے۔ پہلا خوف، دوسرا خشیئت، تیسرا وجل، چوتھا رہبت خوف عذاب سے، خشیئت منقطع ہونے سے اور وجل معرفت میں کوتاہی دیکھنے سے اور رہبت وصال نہ ہونے سے۔ عذاب کا خوف عابدوں کا مقام ہے۔ اس کا پھل دنیا کی نعمتوں سے ہاتھ اٹھا لینا ہے اور خشیئت صدیقوں کا مقام ہے۔ اس کا حاصل سوائے دوست کے اپنے کو سب سے الگ تھلگ رکھنا ہے اور وجل محبوں کا مقام ہے اس کا مقصد اغیار سے آنکھ پھیر لینا ہے۔ اور رہبت عارفوں کا مقام ہے اس کی لذت محبوب کی ذات میں گھل ملنا ہے۔ کل مشائخ کا اس پر اتفاق ہے کہ جب بندہ مقامات کے سنگ راہ کو طے کر کے آگے بڑھ گیا۔ اور جملہ اوصاف محمودہ اس کی ذات میں آ گئے اور غیر حق کے دیکھنے سے وہ بری ہو گیا تو اس کا حاصل عقل کی فہم اور ادراک سے غائب ہو جاتا ہے۔ اس کے رہن سہن تک میں وہم و گمان کی رسائی ناممکن ہو جاتی ہے اس وقت وہ اَوْلِیَائِیْ تَحْتَ قَبَائِیْ کے پردے میں چھپ جاتا ہے۔ یہ دل جلوں کی باتیں ہیں۔ خودی میں رہنے والوں کے قصے نہیں۔ یہ جوانمردوں کی راہ ہے بچوں کا کھیل نہیں۔ ع رو بازی کن کہ عاشقی کار تو نیست (جاؤ جاؤ عاشقی تمھارا کام نہیں ہے)۔ زلیخا کی صفت اور مجنوں کی باتیں ہونا چاہیے۔ تاکہ حضرت یوسف اور لیلیٰ کی کہانی سن سکے۔ لَقَدْ كَانَ فِیْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ (البتہ ان کے قصوں میں عبرتیں پوشیدہ ہیں)۔ یہ آیت اسی کی شرح ہے۔ ان مردان خدا کو جب راہ میں مشکلیں اور دقتیں پیش آتی ہیں تو حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے سے حل ہو جاتی ہیں۔ وَمَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ (اور یہ ایسی باتیں نہیں جو جھوٹ تہمت جوڑی گئی ہوں۔ مگر سچی ہیں ایسی جو آنکھوں کے سامنے ہیں اور ہر چیز کی تفصیل بھی)، جب تفصیل کل شئی فرمایا تو سمجھو کہ یہ کیا ہو گی۔ اگر ہزار جلدوں میں اس عجیب و غریب قصہ کی تفصیل لکھی جائے تو وہ دریا کا ایک قطرہ اور آفتاب کی ایک کرن سے زیادہ نہ ہوگا

ایک بزرگ نے کہا ہے۔ رباعی۔

تا سخرۂ عام و کان غوغانہ شوی تہمت زدۂ یہود و ترسانہ شوی

بیزار ز کیش خویش عمدانہ شوی در مجلس عاشقان تو پیدانہ شوی

(جب تک تجھے لوگ مسخرا بنا کر شور و غوغانہ کریں اور تو یہودی اور آتش پرستی کی تہمت سے متہم نہ ہو جائے اور اپنا دین و مذہب قصداً نہ چھوڑ دے اس وقت تک عاشقوں کی محفل میں داخل نہیں ہو سکتا)

جب عشاق ملامت کی راہ سے گزرتے ہیں، اور نااہل لوگ طالبوں پر پتھر برساتے ہیں تو عشاق سلامتی والوں سے (یعنی ان لوگوں سے جو اس راہ کی لذت سے واقف نہیں) کہتے ہیں ؎

نہ ہم رہی تو مرا، راہ خویش گیر و برو ترا سلامتی باد مرا نگون ساری

(تو میرا ساتھی تو نہیں ہے۔ جا اپنا راستہ لے۔ تجھ کو سلامتی مبارک ہو اور مجھے ذلت و خواری مبارک)

اگر زلیخا اس بات سے ڈرتیں کہ عورتیں کہتی ہیں وَقَالَ نِسْوَةٌ فِی الْمَدِیْنَۃِ امْرَأَۃُ الْعَزِیْزِ تُرَاوِدُ فَتٰھَا عَنْ نَّفْسِہٖ (مصر کی عورتوں نے کہا کہ عزیز مصر کی بیوی اپنے ایک غلام سے محبت کرتی ہے) تو کبھی حضرت یوسف علیہ السلام کا نام نہ لیتیں۔ اور اگر مجنوں پتھر کی مار سے زخمی اور لہولہان ہونے سے ڈرتا تو لیلیٰ لیلیٰ کی بڑ نہ لگاتا۔ اے بھائی! خدا کے لیے یوسف اور زلیخا بہت اور لیلیٰ مجنوں بے شمار ہیں لیکن ہماری اور تمہاری آنکھیں کہاں جو دیکھ سکیں ثَبِّتِ الْجِدَارَ ثُمَّ انْقُشْ (پہلے دیوار بناؤ اس کے بعد اس پر نقش کاری کرو)۔ اہل سنت والجماعت کا اعتقاد یہ ہے کہ ایسے لوگ ہو چکے ہیں اور موجود ہیں، اور آیندہ ہوں گے۔ لیکن بدبختوں کا جب اس میں کوئی حصہ نہیں تو ان کو کیا فائدہ ہوگا۔

اس کی مثال یوں سمجھو کہ خداوند تعالٰے نے قرآن کریم کے متعلق فرمایا کہ شِفَاءٌ وَّرَحْمَۃٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یہ مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے تو کفار کو اس سے کیا حاصل ہو سکتا ہے؟ آفتاب اپنے کمال تابانی کے ساتھ چمک رہا ہے لیکن کم بخت چمگادڑ جس کو آنکھ نہیں اس سے کیا فائدہ۔ جب باپ کی پیٹھ اور ماں کے پیٹ سے ہم بُرے نصیب لے کر پیدا ہوئے تو مانا سب کچھ تھا اور سب کچھ ہے، اب اس کا چارہ ہی کیا اَلشَّقِیُّ مَنْ شَقِیَ فِیْ بَطْنِ اُمِّہٖ۔ (بدنصیب وہ ہے جو اپنی ماں کے پیٹ میں بدنصیب ہو چکا) اس نے ایسا کھونٹا ٹھونک دیا ہے کہ ذرا بھی ہلنے کی گنجایش نہیں۔ وَمَا تَشَاءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَاءَ اللّٰہُ (اور ان کا چاہنا کچھ نہیں۔ اللہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے) نے مہر لگا دی ہے۔ یہی بھید ہے

جو کہا ہے۔ ؎

کرا زہرۂ آن کہ از بیمِ تو کشاید زبان جز بہ تسلیمِ تو

(کس کی مجال ہے کہ تیری ہیبت سے تیری رضا کے سوا زبان ہلا سکے)۔ اے بھائی! سارا شکوہ اپنی بدنصیبی کا ہے۔ اور سب شکایتیں اپنی بدبختی کی ہیں۔ ؎

ما ز تو محروم ترا جرمے نیست این ہمہ از بختِ پریشانِ ماست

(ہم تیری درگاہ سے محروم ہیں اس میں تیرا کوئی قصور نہیں۔ یہ سب ہماری بدبختی کا پھل ہے)۔ نہیں تو بخشش کا دروازہ ہر وقت کھلا ہوا ہے۔ گھورے اور کوڑے پر سورج اسی طرح چمکتا ہے جیسا چمنستان پر۔ ذرہ بھی فرق نہیں۔ لیکن باغ میں بڑی اچھی خوشبو ہوتی ہے اور گھورے سے بُری مہک آتی ہے۔ یہ فرق یہیں سے پیدا ہوا ہے۔ آفتاب کی کیا خطا۔ اس سے زیادہ بیان کرنا اسرارِ قضا و قدر کے کارخانے تک پہنچتا ہے۔ وہ ہمارے اور تمھارے جاننے کی چیز نہیں۔ اور سوائے پریشانی کے اور کوئی نتیجہ نہیں۔ ؎

قومے بہ فلک رسید قومے بہ مغاک فریاد ز تہدیدِ تو با مشتے خاک

(ایک قوم آسمان پر پہنچ گئی۔ اور ایک قوم گڑھے میں گر پڑی۔ مشتِ خاک کے ساتھ تیری یہ ہیبت؟ فریاد ہے)۔ جس طرح ہے اور جیسا ہے اور جس وجہ سے ہے۔ لوگوں کی باتوں میں نہ رہو اور ناامید نہ ہو، کہ ڈاکو کو راہبر بنا دیتے ہیں۔ اور ایک کافر کو صدر نشین۔ اور ایک بت پرست کی زنار اتار کر اُس کے سر پر دستارِ فضیلت باندھ دیتے ہیں اور آزر جیسے بت تراش کے گھر سے حضرت ابراہیم خلیل اللہ جیسا پیدا کر دیتے ہیں۔ اس آب و خاک یعنی انسان کا کام بہت اونچا ہے۔ اور اس کی ہمت بہت بڑی ہے۔ اگر بھوک پیاس مفلسی و بے کسی اس کی سرشت ہے۔ جب امانت کا آفتاب آسمان پر چمکا تو عالمِ ملکوت کے وہ فرشتے جو سات سات لاکھ برس اُس کی تہلیل و تقدیس کے باغ کی گلگشت میں مشغول تھے، نعرہ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ (ہم تیری حمد کی تسبیح پڑھتے ہیں) لگا کر ایک بیکس غریب کی طرح بوریا بستر باندھ کر چلتے ہوئے اور اپنی عاجزی مان لی۔ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا (اور اس بوجھ کے اُٹھانے سے انکار کیا)۔ اسی طرح آسمان نے کہا، مجھ میں بلندی کی صفت ہے اور زمین نے کہا مجھ میں پھیلاؤ اور کشادگی کی صفت ہے۔ پہاڑ نے کہا مجھ میں ثابت قدم رہنے کی صفت ہے اور

جواہرات کی کان نے کہا، کہیں ایسا نہ ہو ہمارے جواہرات برباد ہو جائیں۔ تب اس خاک کے ذرہ نے نیاز مندی کا ہاتھ فقر و فاقے کی آستین سے باہر نکالا اور اس امانت کا بوجھ اپنی جان پر سنبھالا اور ذرہ برابر دونوں عالم کا خیال نہیں کیا۔ اس نے کہا میرے پاس کیا ہے کہ چھین لیں گے۔ جس کو ذلیل کرتے ہیں اس کو خاک میں ملا دیتے ہیں۔ ہم تو خاک ہی ہیں خاک کو کس چیز میں ملائیں گے۔ بہادری کے ساتھ آگے بڑھا۔ جو بوجھ ساتوں آسمان اور زمین نہ اُٹھا سکے اپنے سر پر رکھا۔ اور هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ (کیا اس سے زیادہ اور کچھ بھی ہے) کا نعرہ لگاتا ہوا سامنے آیا۔ والسلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پچاسواں مکتوب ۵۰

حق کی طلب میں

برادرِ عزیز شمس الدین سلمہ اللہ تعالیٰ۔ اس حقیقت کو جانو کہ تم پر خدا کی طلب سے بڑھ کر اور کوئی فرض نہیں ہے۔ اگر بازار جاؤ تو اسی کو تلاش کرو۔ اور جب گھر آؤ تو اسی کو ڈھونڈو۔ اور اگر مسجد میں جاؤ تو اسی کی جستجو کرو۔ اور اگر شراب خانے میں گذر ہو تو اسی کو چاہو۔ ؎

من بہ خرابات و یارِ من بہ خرابات	با قدحِ مے در آمدہ بہ مناجات

(میں بھٹی میں ہوں اور میرا دوست بھی بھٹی میں ہے۔ میری مناجات پر شراب کا پیالہ لے کر آتا ہے)۔

اگر تمہاری جان لینے کے لیے ملک الموت آئے تو اس وقت بھی طلب سے نہ رکو۔ اور کہو، تم اپنا کام کرو میں اپنا کام کرتا ہوں۔ رباعی

روزے کہ روان شود روان از برِ من	جز نامِ تو بر نیاید از دفترِ من
گر تو سرِ من نہ داری اے دلبرِ من	خاکِ کفِ پائے تست تاجِ سرِ من

(جس دن بدن سے میری جان نکلنے لگے، اس وقت بھی میری زبان پر تیرے ہی نام کی رٹ لگی ہو۔ اے محبوب اگرچہ تجھ کو مجھ سے کوئی سروکار نہیں ہے لیکن تیرے تلووں کی خاک میرے سر کا تاج ضرور ہے)۔ نقل ہے کہ حضرت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم مسواک فرما رہے تھے اور ملک الموت آ گئے۔ پوچھا کیا میں لوٹ جاؤں، یا جس کام کے لیے مجھ سے کہا گیا ہے بجاؤں۔ آپ نے

منھ سے مسواک نہیں نکالی اور فرمایا، تم اپنا کام کرو میں اپنا کام کرتا ہوں ۔ اگر تم کو دوزخ میں اتار دیں تو لازم ہے کہ طلب سے نہ رکو ۔ اور مالک (داروغۂ دوزخ) سے کہو کہ تو میرے سر پر قہر کے انگاروں کا ہتوڑا مارے جا اور ہم طلب کی راہ میں چل رہے ہیں. کام کہاں کا کہاں پہنچ جاتا ہے ۔ اور اگر تم کو بہشت میں لے جائیں، حوران بہشتی پر نظر نہ ڈالو اور جنت کا محل نہ دیکھو، طلب کی راہ میں دوڑتے رہو ۔ اور یہ باتیں کہو ؎

گر ہر دو جہاں دہند مارا چون وصل تو نیست بے نوایم

(اگر مجھ کو دونوں جہان کی دولت دیدیں، اگر تیرا وصال نہیں تو میں مفلس ہوں) ۔ طلب کے راستے کی پہلی منزل نیازمندی اور انکساری ہے ۔ اور بزرگوں نے کہا ہے ۔ یہ نیاز خدا کا قاصد ہے، جو بندہ پر مقرر کیا گیا ہے جب نیاز اُس کے سینے میں رکھا گیا، اُس کی توجہ خدا کی طرف ہونے لگی ۔ اس راہ کے مبتدیوں کو نیاز کی محبت عطا کرتے ہیں. کچھ دنوں نیاز کے راستے میں چلنے کے بعد نیاز ہمت کی شکل اختیار کر لیتا ہے ۔ اور پیران راہ کا اس پر اتفاق ہے کہ مریدوں کی ہمت کے حجرے کے سوا محبت کہیں قیام نہیں کرتی ۔ ایک زمانہ تک مرید ہمت کے راستے میں چل چکا تو ہمت طلب بن جاتی ہے ۔ اس طلب کو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کے حقائق کی شاہراہ میں کھینچ لیتے ہیں ۔ اور اس کی درگاہ اس طلب کا نقارہ بجاتے ہیں کہ مَنْ طَلَبَنِیْ وَجَدَنِیْ (جس نے مجھ کو ڈھونڈا، اُس نے مجھ کو پالیا) ۔ اس وقت پکارتے ہیں کہ اے بلندی و پستی، اے بہشت و دوزخ، اے عرش و کرسی ہماری جستجو کرنے والوں کے راستے سے ہٹ جاؤ ۔ یہ ہماری طلب میں نکلے ہیں اور ہم ہی ان کے مقصود و مطلوب ہیں ۔ اگر ایسا تمھارے سامنے کیا جائے تو تمھاری ہستی کی کوئی چیز باقی نہ رہے ۔ اور یہ مرتبہ جو کہا گیا اس راستے میں بندے کی معراج ہے ۔ اور اس راستے میں کوئی قدم نہیں رکھ سکتا، مگر یہ کہ اُس کے عزم و ارادے کے مطابق ایک معراج ہوتی ہے ۔ انبیا کے لیے ظاہری اور باطنی معراج ہے بعض اولیا کو باطنی معراج ہوئی ۔ جو لوگ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری کا دم بھرتے ہیں ان کے مرتبے اور ہمت کے موافق ان کو بھی معراج ہوتی ہے ۔ اور یہ مضبوط بنیاد ہے ۔ اے بھائی! ایسی چالاکی اور چستی چاہیے ۔ جو ریاضت کی تلوار سے بد دماغی کا گلا کاٹ دے ۔ اور مجاہدے کے زور سے نفس پرستی کو نیست و نابود کر دے ۔ اور دونوں جہان سے باہر نکل آئے ۔ اور جان پر قدم رکھے ۔ اگر

اگر اس کی ہمت کی آنکھ میں دونوں جہان کی ذرہ بھر کوئی چیز سمائے تو اس راستے کے لیے درست نہ جانے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے لَنْ یَّصِلُ اِلَی الْکُلِّ اِلَّا مَنِ انْقَطَعَ عَنِ الْکُلِّ۔ (کوئی شخص کل تک نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ کل سے جدا نہ ہو جائے جیسا کہ بزرگوں نے کہا ہے۔ اگر معراج کی رات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی چیز کی طرف نظر فرماتے تو وہیں روک لیے جاتے۔ اور قاب قوسین کی خلوت تک نہ پہنچائے جاتے۔ قطعہ

هر خسے از رنگ گفتارے درین ره کے رسد　　درد باید پرده سوز و مرد باید گام زن

با دو قبله در رهِ توحید نتوان رفت راست　　یا ہوائے دوست باید یا ہوائے خویشتن

(ہر آدمی اپنی چکنی چپڑی باتوں سے اس راستے میں کیونکر پہنچ سکتا ہے۔ اس کے لیے ایسے درد کی ضرورت ہے جو پردوں کو جلا ڈالے۔ اور ایسا مرد چاہیئے جو قدم بڑھاتا جائے۔ توحید کے راستے میں دو قبلہ کو پیشِ نظر رکھ کر سیدھا چلنا محال ہے۔ یا اپنی خواہش رکھ یا دوست کی طلب) نقل بیان کی جاتی ہے کہ جب حضرتِ آدم صلوٰۃ اللہ علیہ بہشت میں پہنچے تو شریعت کا حکم تھا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ (اس درخت کے قریب نہ جاؤ) اور طریقت کا فرمان تھا اِهْبِطُوْا مِنْهَا (یہاں سے نیچے اتر جاؤ)۔ شریعت کہتی تھی اس درخت تک ہاتھ نہ لے جاؤ۔ اور طریقت کہتی تھی سب میں آگ لگا دو۔ حضرت آدمؑ نے کہا، یہاں بہشت کی آرائشیں اور نعمتیں ہیں اور ہماری سرداری بھی قائم ہے۔ مگر ہمارا دل چاہتا ہے کہ کسی دن اپنے غم و رنج کے مکان میں جاتے کہ ہماری باتوں کا اس سرداری کے ساتھ نپٹنا ٹھیک نہیں۔ سِرٌّ اَبْسِرٍ (راز میں راز ہے) آواز آئی اے آدم مسافرت کی سختیاں جھیلنا چاہتا ہے؟ انھوں نے کہا کیوں نہیں؟ ہمارے سامنے ایک بڑا کام ہے۔ کہا گیا کہ یہیں کام بنا لے۔ آپ نے کہا یہاں کے کام سے وہاں کا کام زیادہ بڑھ چڑھ کر ہے۔ رضوان (جس کے سپرد بہشت کا نظم و نسق ہے) اور فرشتے (جو یہاں کے خدمت گار اور نوکر ہیں) انھوں نے کہا۔ آپ جانا تو چاہتے ہیں۔ مگر سلامتی کے گھر کو ملامت خانے میں بدلنا پڑے گا۔ اور سر سے پگڑی اتارنا پڑے گی۔ اور تاج کی جگہ بے کسی کی خاک سر پر اڑانا پڑے گی اور اپنا نیک نام وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ (آدم نے اپنے پروردگار کی نافرمانی کی) کی ملامت سے تبدیل کرنا ہوگا۔ حضرتِ آدمؑ نے کہا۔ ہمیں سب منظور ہے۔ ہم نے جہان میں آواز دیدی ہے کہ کسی نعمت سے ہم کو سروکار نہیں۔ اور خلافت کے دولت خانے کو لٹا دیا۔ قطعہ

کار ازین خوب تر کدام کنم — خویشتن بندۂ تو نام کنم
ہیچ نا ندیشم از ملامتِ خلق — ہر کجا بینمت سلام کنم

(میرے لیے اس سے اچھا کون سا کام ہو سکتا ہے کہ اپنے کو تیرا غلام بنا لوں۔ لوگوں کی لعنت ملامت کا کچھ خیال نہ کروں۔ جہاں بھی تجھ کو دیکھوں سلام کروں)۔ تاکہ تو یہ نہ کہے کہ آدمؑ سے بہشت چھین لی بلکہ یہ کہا جائے کہ آدمؑ کو بہشت سے بلا لیا۔ جلا ہوا دل مرغ کے کباب کی لذت نہیں لیتا۔ دل جلے اور چوٹ کھائے ہوئے حور و قصور اور بہشت کو نہیں دیکھتے۔ اور اس پانی مٹی کو تھوڑا نہ سمجھو۔ جو کچھ ہے وہ آب و خاک ہی میں ہے۔ اور جو کچھ پیدا کیا گیا وہ آب و خاک ہی کے لیے پیدا کیا گیا ہے؟ دوسری مخلوقات دیوار کی تصویریں ہیں۔ کہا گیا ہے کہ جب محبت کا شہباز عزت کے گھونسلے سے اڑا تو عرش پر پہنچا۔ وہاں بزرگی دیکھی۔ اس کو چھوڑا اور کرسی کے مقام میں پہنچا یہاں وسعت دیکھی اس کو بھی چھوڑا۔ آسمان پر پہنچا، بلندی دیکھی اس کو بھی چھوڑا اور زمین پر پہنچا۔ یہاں محنت اور مشقت دیکھی یہیں ٹھہر گیا۔ لوگوں نے کہا تعجب ہے کہ تو نے یہ کیا کیا! اس نے کہا میں محبت ہوں اور یہ محنت ہے۔ مجھ میں اور اس میں ظاہری تمیز صرف نیچے اور اوپر کے نقطے کی ہے۔ اور عالمِ صورت اور عالمِ معنی کے جاننے والے خود ہی جانتے ہیں۔ اے بھائی! امید باندھے رہو اور جہاں تک اور جب تک ممکن ہو سکے قدم بڑھاتے رہو کہ اتنی بڑی دولت فضل و کرم ہی سے مل سکتی ہے۔ حق جتا کر حاصل نہیں ہو سکتی۔ اگر اپنے کو مستحق سمجھتے، تو ہمارے تمہارے حصہ میں ذرہ بھی میسر نہ ہوتا۔ مگر بیچ سے سبب اٹھا دیا۔ یہاں تک کہ جس قدر پاک نفس لوگ امید رکھتے ہیں اس سے ہزار گونہ گستاخ اور ناپاک لوگ امید لگائے بیٹھے ہیں۔ وہ گھورا جو کتوں کی جگہ ہوتی ہے ہو سکتا ہے کہ کسی دن بادشاہوں کا صدر مقام بن جائے۔ مگر بیچ میں اسباب حائل ہیں۔ اگر تم چاہتے ہو کہ کچھ ہو، اور کوئی مرتبہ حاصل کرو تو ضروری ہے کہ جس قدر تمھاری ذات میں آلودگی اور شوریدگی ہے اس سے آگے بڑھو۔ اور چند قدم چل کر شریعت کی سرکار سے سواری اور زادِ سفر، اور حقیقت کی بارگاہ سے راستے کے لیے بدرقہ لو۔ دوسری باتیں اور قصے چھوڑو۔ جو دل کہ واقعی دل کہلانے کا مستحق ہے آج بھی اپنے کام میں لگا ہوا ہے۔ کل بھی لگا رہے گا۔ آج اپنے عشق اور ولولے میں مگن ہے۔ کل راحت و ذوق کی لذت میں مست رہے گا۔ اور کہا گیا ہے جو لوگ غم و رنج سے بھرے ہوئے ہیں۔ قیامت کے

دن جب اُٹھیں گے تو اپنے سینے کو دیکھیں گے۔ اگر ذرہ برابر بھی اس اندوہ اور غم کو کم دیکھیں گے تو ایسی چیخ ماریں گے کہ آٹھوں بہشت کو اس کی تاب نہ ہوگی کہ اس کے سامنے آسکے۔ والسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اکاونواں مکتوب ۵۱

اللہ کی طرف جانے کے راستے کے بیان میں

بھائی شمس الدین اللہ تم کو اپنا راستہ دکھائے۔ جانو کہ خواجہ بایزید رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا کَیفَ الطَّرِیقُ اِلَی اللّٰہِ (خدا تک پہنچنے کا کون سا راستہ ہے۔ آپ نے جواب دیا اِنْ غِبْتَ عَنِ الطَّرِیقِ تَصِلُ اِلَی اللّٰہِ (جب تم راستے سے غائب ہو جاؤ تو خدا تک پہنچ جاؤ گے)۔ اس سے سمجھ لو کہ جب راستہ دیکھنے والا خدا کا دیکھنے والا نہیں ہوسکتا، تو جو خود میں ہے وہ حق بیں کیوں کر ہوسکتا ہے۔ ہم کو اور تم کو صرف بننے اور سنورنے سے کام ہے ہمیشہ اپنے ہی کو دیکھا کرتے ہیں۔ حق کی بندگی کبھی نہیں کرتے۔ گویا اپنی ہی پرستش کرتے ہیں۔ اگر ہماری اور تمھاری آنکھ اپنے نفس کی جہالت پر پڑ جائے تو کبھی مسلمان ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔ اور یہ اس وقت معلوم ہوگا جب شریعت کے پیالے میں سے کوئی بوند تمھارے حلق میں ٹپکے اور تمھاری خوش نصیبی کی آنکھ کھل جائے اس وقت اس شعر کا مطلب ظاہر ہوگا جیسا کہ کہا ہے۔ ؎

توبہ کردم زہر چہ دانستم   نامہ چون نامِ تو زبر کردم

(جو کچھ میں جانتا تھا اُس سے توبہ کر لی۔ اور تیرا ہی نام یاد کر لیا)۔ کہا گیا ہے کہ خدا کی بے نیازی کا آفتاب جب عالموں کے علم کے دریا پر چمکا، سارے دریا سوکھ گئے۔ ان میں قطرہ بھی تری باقی نہ رہی۔ ان سے کہا گیا اے بزرگو! تمھاری کنجی سے تو سب قفل کھل جاتے تھے تمھارے ہی دروازے کیوں بند ہوگئے۔ کچھ سمجھتے ہو ایسا کیوں ہوا۔ دنیا کے کاروبار میں ستاروں کو جس قدر دخل ہے وہ اسی وقت تک ہے جب تک سورج طلوع نہیں ہوتا ہے جب آفتاب بلند ہوا ستاروں کا وجود اور ان کا کاروبار ماند پڑ کر ختم ہوگیا۔ اس سے

سمجھو کہ ہستی جو ایک تنکے کے برابر ہے اس میں اتنی طاقت کہاں کہ توحید کی تجلی کے سامنے ٹھہر سکے۔
جب اس کے علم کا آفتاب چمکتا ہے سارے علم جہل سے بدل جاتے ہیں۔ جب اس کا ارادہ ظاہر ہوتا ہے ساری خواہشیں ایک ایک کر کے کاٹ دی جاتی ہیں۔ جب اس کی قدرت کا مظاہرہ ہوتا ہے تمام قدرتیں عجز بن جاتی ہیں۔ جب اس کی عزت کا جلال سامنے آتا ہے تو سارے جلال اور ساری بزرگیاں ذلت کی خاک میں ملیا میٹ ہو جاتی ہیں۔ جب کبریائی کا پردہ توحید کے رخسار سے اُٹھ جاتا ہے تو کل موجودات مٹ مٹا کر نیست و نابود ہو جاتے ہیں۔ جہاں تک تم سے ہو سکے مالک بننے کا دعویٰ نہ کرو۔ تم سے دو کان نہیں چھنتے۔ اور اس کی پونجی کے متعلق کوئی جھگڑا اور دشمنی نہیں ہے۔ مگر اپنے کو بھولو نہیں۔ بڑھ چڑھ کر اپنا نام نہ لیا کرو۔ کبھی نہ کہو ہم ایسے اور ویسے ہیں۔ اس دعوے کا وہی نتیجہ ہوگا جو فرعون کے ساتھ ہوا۔ جب اُس نے کہا اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی (میں تمھارا بزرگ و برتر پروردگار ہوں) اور تمھارا نفس عبا قبا پہن کر کہتا ہے اَنَا رَبُّکُمُ الْاَصْغَرُ (میں تمھارا چھوٹا پروردگار ہوں) تمھارا نفس بھی وہی فرعونی کرتا ہے جیسا کہ فرعون کے نفس نے کی۔ مگر دونوں میں فرق یہ ہے کہ فرعون کا نفس جیسا گمراہ تھا ویسا ہی اُس نے اپنے کو دیکھا۔ اور تمھارا نفس مسلمانی کا لباس پہن کر تمھارے ہاتھوں اپنے کو بیچتا ہے۔ اور تم مارے غرور کے مست ہو جاتے ہو۔ اس کا بھی وہی دعویٰ ہے جو فرعون کا تھا۔ مگر یہاں اپنی جان کا ڈر ہے کہ اگر اپنے کو ظاہر کرے اور کھلم کھلا میدان میں نکل آئے تو مار ڈالا جائے۔ ہرگز ہرگز مالک بننے کی خواہش نہ کرو۔ غلام ہی بنے رہو۔ کیونکہ یہاں توحید کی ننگی تلوار سر پر لٹک رہی ہے جس نے سر اُٹھایا وہیں کاٹ دیا گیا۔ جس طرح ابلیس نے دعویٰ کیا اُس کا سر اُڑا دیا گیا۔ بندے کی نہ کوئی ملک ہے نہ کوئی حکومت۔ اس کو لازم ہے کہ جو کچھ بھی کرے خدا کی مرضی پر کرے۔ اپنی خواہش اور اختیار سے کچھ نہ کرے۔ قرآن کریم کہتا ہے ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْکًا لَّا یَقْدِرُ عَلٰی شَیْءٍ (اللہ نے مثال دی خریدے ہوئے غلام کی کہ اس کو کسی چیز پر قدرت نہیں) اور اس شخص کو علم و معرفت درکار ہے۔ اور کسی پیر کا سایہ۔ اس لیے کہ مرید کو یہ دولت بغیر ایسے پیر کے جو تجربہ کار اور راستے کے گرم و سرد کا مزا چکھ چکا ہو، حاصل نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ ایسا کہا گیا ہے مَنْ لَّمْ یَکُنْ لَہٗ اُسْتَاذٌ فِی الدِّیْنِ فَاِمَامُہٗ اِبْلِیْسُ (جس شخص کا دین کی راہ میں کوئی استاد نہیں اس کا پیشوا شیطان ہوتا ہے)۔ اور عالموں نے ایسا کہا ہے اَلْعِلْمُ یُؤْخَذُ مِنْ اَفْوَاہِ الرِّجَالِ (علم لوگوں کی گفتگو سے حاصل کیا جاتا ہے)۔ جو کوئی اپنی طبیعت اور اپنی خواہش سے

کسی معاملے کے سمجھنے کی کوشش کرے اور سمجھ بھی لے تو اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی پڑھے لکھے نے کتاب دیکھ کر یاد کر لیا ہو اور اس کو بیان بھی کر سکتا ہو۔ ایسا شخص اگرچہ عالم ہو گا مگر ویسا عالم نہ ہو گا۔ اور صحیح و درست نہ ہو گا۔ کیونکہ اس کا کوئی استاد نہیں ہے۔ تو سمجھ لو کہ اگر تم بدل گئے، لقمہ بھی بدل گیا اور تمھارے کام بھی بدل گئے۔ نہیں تو اگر تم ہزار دل مرتبہ لباس اور لقمہ بدل ڈالو گے اور اپنے کو اس گروہ میں چھپا لو گے تاہم جب تک تم خود نہ بدلو گے ان باتوں کا کوئی فائدہ نہ ہو گا۔ اس گروہ میں گردش بہت بڑی چیز ہے۔ خلوت نشینی اور چلہ کرنے اور ریاضت کا اصل مقصد ہی گردش ہے۔ کیونکہ بغیر گردش کے کسی شخص کی روش اور طریقہ درست نہیں ہو سکتا۔ جس کسی کو دیکھو کہ بظاہر بُرے حال میں ہے۔ وہ جبہ و دستار و عبا و قبا اور سفید نیلے کپڑے کی فکر اور اندیشے میں پڑا ہوا ہے اس کو سمجھو کہ وہ اپنی گھات میں لگا ہوا ہے۔ اور اپنی ہی پرستش کر رہا ہے۔ یا اپنی غلامی کرو یا دین کی غلامی کرو اَلضِدَّانِ لَا یَجْتَمِعَانِ (آپس میں جو ایک دوسرے کی ضد ہیں، ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے)۔ اگر تمھارے دل میں ذرا بھی اس کی خواہش ہو کہ لوگ تمھاری آؤ بھگت کریں۔ اور دنیا والوں کی آنکھ میں تمھارا اعزاز اور مرتبہ بڑھے تو سمجھ لو کہ راہ کھوٹی ہو گئی۔ اگر کوئی شخص تمھارا مضحکہ اڑائے اور تم اس پر غصہ ہو اور سمجھو کہ اس نے تمھاری بے عزتی کی ہے تو یہ جان لو کہ تم اسی طرح کے دانشمند ہو۔ یا مالک نے تم کو اب تک قبول نہیں کیا ہے۔ تم کو اپنی ہی ہستی میں لوٹ جانا پڑے گا۔ اور رنگ رنگ کے کپڑے بدلنے سے کوئی فائدہ نہ ہو گا۔ اگر اتنی قدرت بھی حاصل ہو جائے کہ ایک گدڑی پر ہزار برس گذار سکتے ہو، اور پوری زندگی ایک پتی کھا کر بسر کر سکتے ہو۔ اور حجرہ کا دروازہ بھی بند کر دو تاکہ کوئی تم کو دیکھ نہ سکے۔ یہاں تک کہ گرمی کے دنوں میں پرندے تمھارے سر پر سایہ کرتے رہیں۔ اس وقت چونکو اور ہوشیار ہو جاؤ تاکہ کہیں غلط راستے پر نہ پڑ جاؤ۔ کیونکہ یہ نفس کا فریب اور مکر ہے۔ جب تک تمھارے بدن کا رُواں رُواں تمھارے کفر کی گواہی نہ دے اور تم پر لعنت ملامت نہ کرے دولت کا دروازہ تم پر نہیں کھل سکتا۔ اور دین کا شہنشاہ تم کو اپنی حمایت میں نہیں لے سکتا۔ سمجھ لو کہ جو کوئی بغیر کسی کی مدد کے اپنے پاؤں پر کھڑا ہوتا ہے وہ آپ ہی آپ گر پڑتا ہے۔ یہیں سے پیروں کی عزت اور قدر سمجھو۔ تم دیکھتے ہو گے کہ جاڑوں میں سانپ اور بچھو اپنی اپنی جگہ سے اِدھر اُدھر کہیں نہیں جاتے۔ اور کسی کو نہیں ڈستے۔ ایسا اُن کی پرہیزگاری اور نیکی کی وجہ سے نہیں ہے۔ بلکہ موسم کی ٹھنڈک ان کو شرارت کا موقع نہیں دیتی۔ جب موسم بدلا اور گرم

ہوائیں چلنے لگیں۔ اس وقت ان کے کرتوت اور لچھن کا تماشہ دیکھو کہ کس کس طرح ستانے لگتے ہیں۔ انسان کا نفس اس کا سانپ اور بچھو ہے اور اس کا ڈنک انسان کی زبان ہے۔ کچھ دنوں گوشہ نشین ہو کر نیکیوں اور تقویٰ کا مظاہرہ کرتا ہے۔ تم کچھ سمجھے وہ کیا ہے۔ اس کی مراد بر نہیں آئی ہے۔ اور اس کی سرداری کے مقصد میں گڑبڑی پیدا ہو گئی ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اس گڑبڑی کو ان شیطانی دھندوں سے چھپا دے جیسا کہ تم نے بھی بڑے بڑے جمعداریوں کو دیکھا ہوگا کہ جب اپنے کام سے نکال دیے جاتے ہیں اور ان کے اختیارات چھن جاتے ہیں تو وہ مصلے پر بیٹھ کر قرآن شریف کی تلاوت میں محو ہو جاتے اور نفل روزے اور نفل نمازیں پڑھا کرتے ہیں۔ لمبے لمبے وظیفے شروع کر دیتے ہیں۔ اب جو کوئی ان کے پاس جاتا ہے، تو اس سے کہا کرتے ہیں درحقیقت اصل کام یہی ہے۔ اور وہ سب کچھ بھی نہ تھا۔ ہم پر خدا کی رحمت نازل ہوئی کہ ان گذشتہ کاموں سے ہٹا لیے گئے۔ اگرچہ یہ باتیں حقیقۃً بالکل صحیح اور درست نہیں مگر وہ شخص اس بات کا اہل نہیں ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر وہی کام اور وہی درجہ اس کو پھر دے دیا جائے اور اور سارے اختیارات دوبارہ سپرد کر دیے جائیں تو خوشی کے مارے پھولے نہ سمائے گا۔ اور یہ نغمہ اس کی زبان پر ہوگا۔ ع چناں خوش حالتے دارم کہ در عالم نمی گنجم (اس وقت میں اتنی اچھی حالت میں ہوں کہ خوشی کے مارے دنیا میں نہیں سما سکتا)۔ اور بڑے دھوم دھام سے بزرگوں کی درگاہ میں نیاز چڑھائے گا۔ اور جو شخص اس طرح اپنے گھر میں گوشہ نشین ہو کر چکنی چپڑی باتوں کے لیے زبان کی مشاقی کرتا ہے گویا زہر میں تلوار بجھاتا ہے۔ تاکہ یہی تلوار لوگوں پر چلائے۔ اور اپنی جہالت کی وجہ سے اپنے نفس کے زہر کا دین کی غیرت نام رکھتا ہے۔ اور اپنی حماقت اور جہالت سے نفس کی غرت کو شریعت کی سختی بتاتا ہے۔ دیکھو ہوشیار رہو۔ اس کی ان باتوں پر ریجھ نہ جاؤ تاکہ گمراہی سے بچ سکو، اس سے معلوم ہو گیا کہ کسی پیر کی رہبری کے بغیر اس راستہ میں قدم رکھنا درست نہیں جیسا کہ بزرگوں نے کہا ہے۔ کہ محسوسات کے عالم میں وہ روحیں جو استغراق میں محو ہیں اُن کی مثال یوں ہے کہ کوئی چڑیا جال میں پھنس گئی۔ وہ جتنا اُچھلے گی کودے گی اور پھڑ پھڑائے گی اسی قدر زیادہ پھندے میں اُلجھ کر رہ جائے گی۔ اُس کی رہائی کے لیے کسی دوسرے شخص کی حاجت ہے کہ وہ ان پھندوں کو کھولے۔ پیر کا وہی کام ہے۔ پیر بھی پیغمبروں کی طرح ہے جو امتوں کی ہدایت کے لیے بھیجے گئے ہیں۔ ان سب پر درود و سلام۔ اور دوسرا بھید یہ ہے کہ شروع شروع مرید کا دل ایسا نہیں ہوتا جو خدا کے انوار

اس میں دکھائی دے سکیں۔ کیونکہ وہ چمگادڑ کے مشابہ ہے جس کی آنکھ سورج کی چمک کی تاب نہیں لا سکتی اندھیرے میں جانے سے بھٹکنے اور موت کا ڈر ہے تو پھر ایسی روشنی کی ضرورت پڑتی ہے جو آفتاب سے کچھ کم ہو تاکہ اس سے فائدہ اُٹھائے اور اسی روشنی کی مدد سے راستہ چل سکے ایسی روشنی پھیلانے والا پیروں کا دل ہوتا ہے۔ اللہ ان سب سے راضی رہے جس طرح سورج سے چاند روشنی حاصل کرتا ہے اسی طرح ان کا دل بھی غیب سے کسب نور کرتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جب مرید کے دل میں تلاش وجستجو کا درد اُٹھتا ہے تو اُس کے علاج کے لیے تدبیر سوچتا ہے۔ مگر کچھ جانتا نہیں کہ اس کا علاج کیا ہے۔ جب خدا کی نوازش ومہربانی اس کو کسی پیر کے آستانے تک پہنچا دیتی ہے تو اس پیر کے باطنی رشد وہدایت سے اس کو دوا مل جاتی ہے۔ اور پیر کے دل کے ذریعہ جذبۂ حق کی خوشبو اس کے دماغ میں پہنچ جاتی ہے۔ اب وہ یہاں سر ڈال دیتا ہے اور اس کو آرام وسکون مل جاتا ہے اسی کا نام ارادت ہے۔ اے بھائی! اس آب وگل یعنی انسان کے ساتھ خدا کے بڑے بڑے اسرار اور بخششیں ہیں۔ حدیث میں ہے کہ جب ملک الموت اس امت کے کسی شخص کی روح نکالنے کا قصد کرتا ہے تو اس وقت اس کو خدا کو حکم پہنچتا ہے کہ پہلے میرا اسلام تحیت اس کو کہہ اس کے بعد جان نکالنے کے لیے ہاتھ بڑھا۔ تم نے قرآن شریف میں پڑھا ہوگا کہ قیامت کے دن مومنوں پر خداوند کریم بغیر کسی واسطے کے سلام بھیجے گا۔ سَلَامٌ قَوْلًا مِّن رَّبٍّ الرَّحِیْمِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ (بڑی مہربانی والے پروردگار کی طرف سے سلام وکلام سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں ہے) اس کا سلام وکلام ازلی ہے۔ اگر اس کا قدیم ارادہ اس مشتِ خاک انسان پر انعام واکرام کا نہ ہوتا تو روزِ ازل میں اُن پر سلام نہ بھیجتا۔

ایک بزرگ نے اس طرف اشارہ کیا ہے۔ رباعی

آن را کہ ز محبوب سلامے باشد	در حضرتِ او بدو پیامے باشد
در حلقۂ بندگانش خورشید منیر	قصہ چہ کنم کم از غلامے باشد

(جس خوش نصیب کو اس کے دوست کا سلام پہنچا ہو اور اس کی بارگاہ سے برابر پیام آتے ہوں اس کی محفل میں اس تابناکی کے باوجود آفتاب کی حیثیت ایک غلام کے برابر بھی نہیں)۔

معراج کی رات میں خداوند تعالےٰ نے پہل کی اور فرمایا اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ (اے نبی تم پر سلامتی ہو)۔ ایک بزرگ یہاں ایک نکتہ بیان کرتے ہیں کہ جب بچھڑے ہوئے دو دوست جدائی

کے بعد آپس میں ملتے ہیں تو پہلے وہ سلام کرتا ہے جس کے دل میں شوق و ولولہ زیادہ ہوتا ہے۔
اَنَا اِلَیْھِمْ اَشَدُّ شَوْقًا (میں اُن کے لیے بہت زیادہ مشتاق ہوں)۔ اس کا یہی مطلب ہے۔ اور وہ جو تم نے سنا ہے کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر شخص کے ساتھ سلام کرنے میں سبقت فرماتے تھے تو اسی سنت کو برتتے تھے۔ والسلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باونواں مکتوب ۵۲

گفتار اور رفتار کے بیان میں

میرے بھائی شمس الدین تم کو اللہ اپنے علم و معرفت سے مشرف کرے۔ جانو کہ سارے علمائے گفتگو اور نطق کو اصل ٹھہرایا ہے اور رفت یعنی روش کی بنیاد گفتگو پر قائم کی ہے۔ انھوں نے کہا ہے کہ پہلی چیز گفت ہے اس کے بعد رفت ہے۔ اور رفت کو اس کا فرزند قرار دیا ہے جب تک گفت صحیح نہ ہو رفت صحیح نہیں ہو سکتی۔ ان لوگوں نے جو علم حاصل کیا، کان اور زبان کے راستے سے حاصل کیا ہے۔ اور حقیقت والوں نے جو علم سیکھا وہ الہام کے ذریعہ سیکھا ہے۔ خواجہ جنید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا حَدَّثَنِیْ قَلْبِیْ عَنْ رَبِّیْ (میرے دل نے میرے رب کی بات مجھ سے بتائی)۔ اور یہ اس وقت ہوگا جب اس شخص کے دل میں شریعت کے احکام جمع ہو گئے ہوں۔ اور یہ دولت شریعت کی روش پر چلنے کی برکت سے نصیب ہوتی ہے۔ اور حقیقت والوں نے ایسا کہا ہے کہ علم گفتگو نہیں ہے۔ علم دوسری چیز ہے اور گفتگو دوسری چیز ہے۔ زبان کا علم کے ساتھ کوئی لگاؤ نہیں۔ علم وہ ہے جو دین کے راستے میں آدمی کے کام آئے۔ اور علم کے ساتھ نطق کی حیثیت مجازی حیثیت ہے علم میں صدق کی صفت ہوتی ہے اور علم کا وجود سوائے عالم حقیقت کے اور کہیں نہیں ہوتا۔ اور زبان کی حکومت حرفوں پر ہے اور حرف ختم ہونے والی چیز ہے۔ اور علم دل سے نکلتا ہے۔ اور دل کے لیے فنا نہیں ہے، اس کا تعلق عالم حقیقت سے ہے۔ اور ہر شخص کو خدا علم نہیں دیتا۔ مگر گویائی سے کسی کو محروم نہیں رکھتا۔ زبان کی نعمت ہر شخص کو دی ہے۔ پرندے بھی زبان رکھتے ہیں مگر دل نہیں رکھتے۔ چونکہ ان کے پاس دل نہیں ہے اس لیے علم بھی نہیں ہے۔ اگر کسی چڑیا کو کسی کا نام سکھایا

جائے تو سیکھ جائے گی۔ مگر فرق نہیں کر سکتی۔ اگر موسیٰ اور عیسیٰ کا نام کسی چڑیا کو سکھایا جائے تو سیکھ لے گی یہیں سے خواجہ واسطی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ سبھی آسمان والوں میں تسبیح و تہلیل ہے مگر دل نہیں ہے۔ دل وہ ہے جو حضرتِ آدم اور ان کی اولاد کے سوا کسی کو نہیں دیا گیا۔ علم کا کام یہ ہے کہ اختیارات اور خواہشِ نفسانی کی طرف تم کو بھٹکنے نہ دے اور تم کو خدا کا راستہ دکھلائے اور اور راہبر بنے۔ لیکن وہ علم جو شہوات نفسانی اور خواہشاتِ نفسانی کی طرف تم کو لے جائے اور ظالموں اور گمراہوں کے پاس پہنچانے کا ذریعہ ہو اُس کا نام علم نہیں ہے۔ بلکہ وہ گمراہوں کا جال ہے۔ علم وہ ہے جو تم کو صدارت کی مسند سے اُٹھا کر پائنتی بٹھادے اور گفتگو کرنے سے زبان گونگی کر دے اور تم کو لڑائی جھگڑوں سے چھڑا دے۔ نہ وہ کہ سرداری کی پگڑی تمہارے سر پہ باندھے اور تکبر و غرور کا ٹپکا تمہاری کمر پہ کس دے۔ علم وہ ہے جو تمہاری ذلت و رسوائی کا آئینہ لاکر تمہارے سامنے رکھ دے۔ اگر کوئی مسلمان تمہارے سامنے آجائے تو اس سے اپنا دامن سمیٹ لو اور کہو جناب کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کا کپڑا ناپاک ہو جائے۔ ایک پیر اپنے مریدوں کے ساتھ راستہ چل رہے تھے چند کتے اُن کے سامنے آگئے۔ ان کو دیکھ کر مریدوں نے اپنے دامن اُٹھا لیے۔ پیر صاحب نے بھی اپنا دامن کھینچ لیا۔ پیر صاحب نے مریدوں سے پوچھا کہ دامن اٹھانے سے تمہارا مقصد کیا تھا؟ اُن لوگوں نے کہا کہ کہیں ہمارے کپڑے گندے نہ ہو جائیں اور نماز کے قابل نہ رہیں۔ اُنھوں نے فرمایا میری غرض یہ تھی کہ کہیں میرے دامن سے وہ کتا ناپاک نہ ہو جائے۔ ان لوگوں نے اپنے کو ایسا ہی دیکھا ہی۔ اور سمجھا ہے۔ تو تمہارے لیے بھی ضروری ہے کہ اگر کسی مسلمان کو راستہ چلتے دیکھو تو خود دُور ہٹ کر اُس کے لیے راستہ چھوڑ دو۔ جس طرح کفار مسلمان سے کرتے ہیں۔ جب اپنی بے عزتی اور رسوائی تم گوارا کروگے تو عزت کا تاج تمھیں پہنایا جائے گا۔ خواجہ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ مریدوں کے ساتھ عقلمندوں کی محفل میں گئے۔ آپ نے فرمایا مجھ سے سوال کیجیے۔ اُن لوگوں نے آپ سے پوچھا سب سے زیادہ عقلمند کون ہے؟ آپ نے فرمایا میں ہوں۔ پھر دوسرا سوال کیا۔ سب سے زیادہ احمق اور جاہل کون ہے؟ آپ نے کہا۔ وہ بھی میں ہی ہوں۔ ان لوگوں نے کہا۔ اس بات کا مطلب بیان فرمائیے۔ آپ نے کہا۔ سب سے زیادہ اپنے عیب کا جاننے والا میں ہوں لہٰذا عقلمند ہوں۔ اور دوسروں کے عیب کو بالکل نہ جاننے والا بھی میں ہی ہوں، اس لیے جاہل ہوں۔ خدا کے راستے کے

جاننے والوں نے جو تلوار چلائی ہے وہ اپنی ہی گردن پر چلائی ہے۔ اس زمانہ میں روش اور علم کے دعوے کے باوجود دوسروں کے سر پر تلوار مارتے ہیں اس لیے اس کا کوئی پھل نہیں پاتے۔ اور عالموں کا دوسرا گروہ وہ ہے جس کے دل میں خدا کا ڈر لگا رہتا ہے وَاِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا (خدا کے بندوں میں سے جن کو خدا کا ڈر ہے وہ علماء ہیں) ظاہر ہوا کہ علم خدا کی خشیئت سے کے صدف کا موتی ہے۔ جب کہ خشیئت کے سیپ میں تم کو موتی نہ ملے تو سمجھ لو کہ اس کے سینے کے دریا میں علم کا گوہر نہیں۔ اور خشیئت کے یہ معنی ہیں کہ اپنے نفس کی خواہش پر نہ چلے۔ اگر تمھارے راستے میں کوئی چیونٹی آتی ہو تو ضروری ہے کہ تم اس کے لیے راستہ چھوڑ دو۔ اور اس کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہ ڈالو۔ جن حضرات نے دو حرف پڑھ لیے، یا اُن کی کل کائنات صرف دو ورق ہیں۔ یا اس پر غرّہ ہے کہ دین کے راستے میں چند قدم چلے ہیں وہ بھی مشکل سے تو اُن کا یہ حال ہے کہ سارے شہر میں کسی کو اس قابل ہی نہیں سمجھتے کہ آنکھ ملا کر اس سے باتیں کریں۔ حالانکہ اتنا شعور بھی نہیں کہ مجلسوں میں کس طرح بیٹھا جاتا ہے۔ سر پر علم اور کاندھے پر مصلاّ رکھے ہوئے ہیں۔ اور شیخی کے مارے جہان میں سماتے ہی نہیں۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ جہاں علماء کے علم کی سرحد کی انتہا ہوتی ہے مرید کے ارادت کی وہاں سے ابتدا ہوتی ہے۔ ارادت جب جلوہ دکھاتی ہے تو مرید پہلی خلعت پہنتے ہی خودی سے باہر نکل آتا ہے۔ اور دوسری خلعت وہ ہے کہ اس وقت جن جن چیزوں کو جمالِ حق کی صورت میں دیکھتا تھا اب اُن کو بدصورت اور بری شکل میں دیکھے گا۔ بہت سنبھل سنبھل کر آہستگی سے چلے گا۔ اور آخر میں یہ ہوگا کہ ارادت کا شعلہ اس کی ہر چیز کو جلا دے گا۔ اس کے بعد کبر کے عالم میں پھنس جاتا ہے۔ اور یہ اس طرح ہوتا ہے کہ کہیں کہیں اُس کو روشنی نظر آنے لگتی ہے۔ اس کی باتوں سے لوگ حیران رہ جاتے ہیں۔ کیونکہ دوسرے لوگوں کی باتوں سے اس کی باتیں ملتی نہیں۔ وہ سمجھنے لگتا ہے کہ اب ہم ایک ایسے مقام پر پہنچ گئے ہیں جہاں کوئی نہیں پہنچتا ہے۔ وہ وہیں ڈیرا ڈال دیتا ہے۔ چرب زبانی اور دل لبھانے والی باتیں شروع کر دیتا ہے۔ مگر یہ سب نفس کا فریب ہوتا ہے۔ وہاں پر پیر کی ضرورت ہے تاکہ اس پیچ دار مقام سے اس کو باہر نکال سکے۔ اور ٹھہراؤ سے حرکت میں لائے۔ کیونکہ اس روشنی میں تاریکی سے کہیں زیادہ پردے ہیں۔ یہیں سے کہا گیا ہے کہ عارف کو گویائی اور قلم اور آنکھیں نہیں ہوتیں۔

کہ لوگوں کی طرف دیکھے یا گفتگو کرے۔ اور اسی بات کی پیروی کرتا ہے۔ حضرت نبی الامی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو بظاہر پڑھے لکھے نہ تھے مَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی (اپنی خواہش سے نہیں بولتے۔ بلکہ وہی جو خدا کی طرف سے وحی نازل ہوتی ہے۔ اور اسی جگہ سے ہے کہ مریدوں کی گتھی عالموں سے نہیں سلجھ سکتی۔ کیونکہ علما مذہب والے لوگ ہیں۔ اور مرید کا سوال مذہب کا نہیں بلکہ مشرب کا ہے۔ مرید کی پیروی عالم سے جوڑ نہیں کھاتی۔ کیونکہ عالم کا فتویٰ ظاہر شریعت پر ہوا کرتا ہے۔ اور مرید کا تعلق اس سے ہے جو کچھ اُسے پیش آیا کرتا ہے۔ مرید نے اپنے مرٹنے پر کمر باندھی ہے! اور عالم جتنا بھر بھی جانتا ہے اس سے اپنی نجات کا خواہاں ہے۔ عالموں کو بٹورنے کی فکر ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ دوسروں سے بچا کھچا جو کچھ رہ گیا ہے اپنے سینے میں جمع کرلے! اور اگلوں کا سارا علم اس کو حاصل ہو جائے اور مرید چاہتا ہے کہ وہ سب کچھ پھینک دے اور برباد کر دے۔ جو کچھ جانتا ہے اُس کی خواہش ہے کہ نہ جانے اور جو کچھ اس کے پاس ہے چاہتا ہے کہ اس کو نہ رکھے اور دامن جھاڑ کر باہر نکل آئے۔ یہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ ان کا آپس میں کسی طرح میل جول ممکن نہیں۔ اس مکتوب کو بار بار غور سے پڑھو اور اچھی طرح سمجھو اس میں بڑے بڑے فائدے ہیں۔ ناپاک پانی کا ایک قطرہ کسی زندہ پوست تک کیونکر پہنچ سکتا ہے! جو یہ دعویٰ کرے کہ وہ میں ہی ہوں' یا وہ میرے جیسا ہے۔ ہم لوگ جو آدمی کہے جاتے ہیں حضرت آدمؑ کے لڑکے ہیں مصیبت کے دن پیدا ہوئے۔ جو بچہ بلا و مصیبت میں پیدا ہوتا ہے تو اُس کے کان میں پہلی آواز رونے دھونے اور نوحہ کی پڑتی ہے۔ ان حادثات کی جس کو خبر ہو اس کا پتہ یقینی پانی ہو کر بہ جائے گا۔ اور چاہے گا کہ وہ دنیا سے مٹ جائے اور یہ عالم وجود اُس کی ذات سے پاک ہو جائے۔ وہ اگلے لوگ جو اس دنیا میں آکر رہے اور آخرت کے عالم میں اب آرام کر رہے ہیں اگرچہ انھوں نے ہمیشہ رہنے والے مدارج پائے۔ کوئی ولی، کوئی نبی اور کوئی صدیق کے لقب سے مشرف ہوا۔ ان لوگوں کی تمنا رہی کہ وہ لوگ جو اب تک عرصۂ وجود میں نہیں آئے اور پیدا نہیں ہوئے ہیں کاش ہم بھی انھیں کی طرح دنیا میں نہ آتے۔ تم نے بھی تو آخر سنا ہوگا کہ وہ سلطان الانبیا تاج الاصفیا جن کے فرق مبارک پر لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ (اگر تو نہ ہوتا تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا) کا تاج تھا۔ انھوں نے کیا فرمایا۔ یَا لَیْتَ رَبَّ مُحَمَّدٍ لَمْ یَخْلُقْ مُحَمَّدًا (اے کاش محمد کا خدا محمد کو پیدا نہ کرتا)۔ اور حضرت عمر خطاب رضی اللہ عنہ اس عظمت اور رفعت کے باوجود جیسا کہ تم نے سنا ہے:

لَوْ کَانَ بَعْدِیْ نَبِیًّا لَکَانَ عُمَرُ۔ (اگر میرے بعد کوئی پیغمبر ہوتا تو یقینی عمر ہی ہوتے)۔ آپ کہیں جا رہے تھے۔ ہاتھ میں ایک گھاس کی پتی اٹھائی اور کہا یَا لَیْتَنِیْ کُنْتُ ھٰذَا (اے کاش عمر یہ گھاس کی پتی ہوتا۔ اور عمران بن حصین رضی اللہ عنہ ایک کوڑے کی طرف جا رہے تھے آپ نے دیکھا کہ ہوا کا جھونکا اس کے اجزا کو منتشر کر رہا ہے۔ آپ نے کہا یَا لَیْتَنِیْ کُنْتُ ھٰذَا (اے کاش میں یہی کوڑا کرکٹ ہوتا)۔ والسلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترپنواں مکتوب ۵۳

ہمت کا بیان، جمعہ کے دن کی فضیلت سورہ اخلاص اور آیت فَاِنْ تَوَلَّوْا کا وظیفہ

میرے عزیز بھائی شمس الدین۔ اللہ تم کو ہمت کی بزرگی سے مشرف فرمائے۔ جانو کہ وہ مرید جس کی ہمت پست اور ناقص ہے اس کا کہیں ٹھکانا نہیں جس مرید کی ہمت کا گھوڑا خواہشات سے آگے نہیں بڑھتا، وہ اس راہ کا مرد میدان نہیں ہے۔ بزرگوں کا کہنا ہے "اپنی آرزو کے مطابق ہر چیز کی خواہش کرنا عورتوں کا طریقہ ہے، یہ مردوں کا کام نہیں۔ یہی بھید ہے جس کو حضرت امام شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے حَرَامٌ عَلٰی مَنْ یَھِمُّہٗ بِالدَّارَیْنِ اَنْ یَحْضُرَ مَجْلِسَنَا۔ (جو شخص دنیا اور آخرت میں مشغول ہے اُسے ہماری مجلس میں آنا حرام ہے)۔ ؎

یا بروہمچون زنان رنگے وبوئے پیش گیر ۔۔۔ یا چو مردان اندر آے وگوئے در میدان بزن

(یا گھر جاکر عورتوں کی طرح سنگار پٹار کر یا مردوں کی طرح میدان میں آ اور گیند جیتنے کی کوشش کر)

رباعی

عدل آن بود اے پسر کہ خود را ۔۔۔ از حدِ حدوث بر تر آئے
آن گاہ بہ عونِ حضرتِ اُو ۔۔۔ در مقعدِ صدق اندر آئے

(اے پسر انصاف کی بات تو یہ ہے کہ اس فانی ہونے والے جہان سے باہر نکل آ۔ اس کے بعد خدا کی مدد سے مقعدِ صدق کے مقام میں داخل ہو جا)۔ ہر شخص اپنی ہمت کی چادر میں چھپا ہوا ہے۔ اور جتنی اس کی ہمت ہے اسی قدر قیمت ہے کہ قِیْمَۃُ کُلِّ شَیْءٍ حَبِیْبُہٗ (ہر چیز کی قیمت ہی اس کا محبوب ہے)۔ اس سے ہر شخص آج اپنی قیمت پہچان سکتا ہے۔ تو

جس کی ہمت وہ ہو کہ کیا کھاتا ہے اور اس کے پیٹ میں کیا چیز جاتی ہے تو اُس کی قیمت وہی ہوگی جو اُس کے پیٹ سے نکلے گی۔ اور ہم تم ایسے ہی لوگ ہیں۔ اس کا تو ذرہ گمان بھی نہ کرو کہ ہماری اور تمھاری کوئی قیمت ہوگی۔ اے بھائی! اگر قیامت کے دن داور محشر سے صلح کی ٹھہر جائے اور لَاعَلَیْنَا وَلَا لَنَا (نہ ہم پر کوئی مواخذہ ہے اور نہ ہمارے لیے کوئی انعام) یعنی گناہ اور ثواب برابر تو سمجھو کہ ہم نے میدان مار لیا۔ اور بازی جیت لی۔ ایک بزرگ کو مرض الموت کے وقت پوچھا گیا کہ آپ کو کسی چیز کی خواہش ہے کہ ہم لائیں؟ انھوں نے کہا "ہاں" پوچھا گیا! کہا "ایسی نیستی جس کے پیے ہستی نہیں۔ کسی کھوئے ہوئے نے کہا ہے۔ رباعی

از حالِ دلِ شکستہ ام می دانی — وز صفحۂ جان مرادِ من می خوانی
حیران شدہ ام بہ لطفِ خود دستم گیر — اے آنکہ تو دستگیرِ ہر حیرانی

(تجھے میرے ٹوٹے ہوئے دل کا سب حال معلوم ہے۔ میری مرادیں تو جانتا ہے۔ میں سخت حیران ہوں۔ تو اپنی مہربانی سے مدد کر۔ اے وہ کہ تو ہر حیران کا مدد کرنے والا ہے) غرض یہ ہے کہ اونچی ہمت والا مرید پہلا قدم جو رکھتا ہے وہ زمین پر نہیں بلکہ اپنی جان پر، اور تلوار کا پہلا وار جو کرتا ہے اپنی ہی جان پر کرتا ہے کسی کافر پر نہیں۔ کیونکہ کافر جسم کو گھائل کرتا ہے اور مال و اسباب لوٹتا ہے۔ لیکن نفس کی تلوار دین کی کمر پر چلتی ہے۔ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ایمان کی پونجی لوٹ لے اور برباد کردے۔ تم بھی اگر گھائل کرنا چاہتے ہو تو اپنے نفس کو گھائل کرو۔ کیونکہ اگر تم اس سے علیحدگی اور صلح کرنا چاہو بھی تو وہ ایسا کبھی نہیں کرے گا۔ تو اس بات کے جاننے والے سارے وار اپنے ہی پر کرتے ہیں اور سارا غصہ اپنے اوپر ہی اتارتے ہیں۔ تاکہ اس بدبخت کتے کو زیر کریں اور اُس بڑی دولت کے حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ خواجہ سنائی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے ؎

۱۔ تو گنج نہٖ سپہری در میانہ — بر آ از چار دیوارِ زمانہ
۲۔ طلسم و بند نیرنجات بشکن — در و دہلیز موجودات بشکن
۳۔ تو گنجی لیک در بندِ طلسمی — جو جانی لیک در زندانِ جسمی
۴۔ اگر تو روے ہمنائی زیردہ — بسوزی ہفت چرخِ سال خوردہ
۵۔ چو از حق ترک زندان می نیابی — عجب نہ بود اگر آن می نیابی

(۱؎ تو بیچ میں نو آسمانوں کا خزانہ ہے۔ زمانے کی دیواریں توڑ کر باہر نکل آ۔ ۲؎ اس جادو اور طلسم کو توڑ ڈال۔ عالم موجودات کی دیواریں ڈھا دے۔ ۳؎ تو خزانہ ہے مگر طلسمات میں بند ہے۔ تو سراپا جان ہے مگر جسم کے قید خانے میں قید ہے۔ ۴؎ اگر تو پردے سے اپنی صورت دکھا دے تو یہ ساتوں پرانے آسمان جل کر خاکستر ہو جائیں۔ ۵؎ اگر یہ قید خانہ تو نہیں چھوڑ سکتا، تو اگر خدا کو نہ پا سکے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں) ۔ یہ گروہ بڑی اونچی ہمت والے لوگ ہیں۔ کُن کے تحت جو جو چیزیں وجود میں آئی ہیں اُن کو ذرا بھی آنکھ نہیں لگاتے۔ اور دوزخ و بہشت کو اپنی ہمت کی بارگاہ کا غلام بنانا بھی گوارا نہیں کرتے۔ ایک اونچی ہمت والے نے کہا ہے قطعہ

خود را ز خود اے پسر جدا کن ۔۔۔ پیراہن صابری قبا کن

سرمایۂ ھر دو کون یکبار ۔۔۔ در عالم عشق او بہا کن

بر بام فلک بر آبہ ہمت ۔۔۔ بے کام و زبان بروشنا کن

(اے پسر اپنے سے خودی کو دور کر دے۔ صبر کا لباس پھاڑ ڈال۔ دونوں جہان کی پونجی کو اُس کے عالم عشق کے عوض دے ڈال۔ اپنی ہمت کے زور سے آسمان پر چڑھ جا اور بے دہن و زبان خدا کی تعریف کرتا جا) تم جانتے ہو اس کا کیا بھید ہے۔ وہ یہ کہ خداوند تعالیٰ نے اٹھارہ ہزار عالموں میں آدمی سے بڑھ کر ہمت والا کسی کو بھی پیدا نہیں کیا۔ یہ بات یہاں سے نکلتی ہے، جو آدمی کے سوا کسی دوسرے گروہ کی شان میں نہیں کہی گئی۔ نَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ (میں نے اس میں اپنی رُوح پھونکی) ۔ اور کسی گروہ میں پیغمبر اور آسمانی کتابیں سوائے انسان کے نہیں بھیجی گئیں۔ اور روز ازل میں سوائے آدمیوں کے کسی پر سلام نہیں کیا گیا۔ اور سوائے آدمیوں کے دیدار کی دولت کسی کو عطا نہیں ہوئی۔ انسان محبت کے زور اور ہمت کی بلندی کی وجہ سے جدائی کی طاقت رکھتا تھا، اس لیے دنیا میں خدا نے اُس کے دل سے حجاب اُٹھا دیا۔ اور عقبیٰ میں اُس کی آنکھوں سے پردہ ہٹا دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے دنیا میں سوائے اُس کے کسی کو نہ چاہا۔ اور آخرت میں بھی اُس کے سوا کسی پر آنکھ نہ ڈالی۔ اور یہ نکتہ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی (نہ آنکھیں جھپکیں نہ بہکیں) کے مکتب خانے میں سیکھا۔ ایک بزرگ نے کہا ہے۔ مثنوی

الا اے مرغ حکمت دان زمانے ۔۔۔ چہ خواہی یافت بہ زین آشیانے

یہ پرواز معانی باز کن پر | سرائے ہفت در را باز کن در
چو تو مر سدرۂ حضرت نشینی | تو باشی جملہ و خود را نہ بینی

(اے حکمت جاننے والی چڑیا خبردار اور ہوشیار ہو جا۔ کیا کہیں اس سے اچھا گھونسلا پا سکتی ہے۔ فضائے معانی کی پرواز کے لیے پروں کو کھول دے اور ساتوں آسمانوں کا دروازہ کشادہ کر جب تو سدرۃ المنتہیٰ کی شاخ پر پہنچ جائے گی۔ سب کچھ تو ہی ہو گی لیکن اپنے کو نہ دیکھے گی) سنبھل جاؤ۔ کہیں غفلت میں پاؤں نہ بہک جائیں۔ کیونکہ غفلت والوں کو زمانہ سخت نقصان پہنچاتا ہے جب کوئی شخص یہ ارادہ کرتا ہے کہ مردوں کے راستے میں قدم رکھے تو وہ بدبختوں کا سردار جس کا نام شیطان ہے اُس کا دامن تھام لیتا ہے۔ اور یہ کہتا ہے کہ اسی کام کے لیے لعنت کی زنار باندھی ہے تاکہ ہر نالائق و نااہل، مردوں کی راہ میں قدم نہ رکھے۔ اور اگر کوئی بغیر توحید و اخلاص کا تاج پہنے مردوں کے میدان میں قدم رکھے گا تو میں اُس کے پاؤں کاٹ ڈالوں گا۔ جس نے یہ کہا ہے اسی مطلب کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ؎

معشوق مرا گفت نشیں بر درِ من | مگذار درون ہر کہ نہ دارد سرِ من

(محبوب نے مجھ کو حکم دیا ہے کہ میرے دروازے پر بیٹھا رہ۔ جس کے سر میں میرا سودا نہیں اس کو اندر نہ آنے دے)۔ اور وہ مردود ہر پست ہمت والے کے لیے اپنی جگہ سے تو ہلتا نہیں۔ کیونکہ اس کے دل میں تکبر اور دماغ میں ناز بھرا ہوا ہے۔ تم نہیں دیکھتے کہ مارے غرور کے حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے ہم نوالہ و ہم پیالہ نہ ہوا۔ مگر جب اُس کی سلطنت میں کوئی صدیق نکل آتا ہے اُس کی سچائی کی جھلک سے عرش کے پائے چمکنے لگتے ہیں تو ابلیس شور و واویلا مچانے لگتا ہے کہ یہی کام کا وقت ہے۔ میں کون سی تدبیر اور حیلہ ڈھونڈوں کہ اس کے پیر کاٹ سکوں۔ اگر کہیں پاؤں کاٹنے کے ارادے سے آگے بڑھے گا تو اس کے شکار کے تھیلے میں خود ہی پھنس کر رہ جائے گا۔ اس وقت کہے گا ہم سے صلح کر لیجیے۔ یہ نہ ہو تو غلامی کرنے لگے گا۔ اور کہے گا اے صدیق! دین کے راستے میں آپ کامیاب ہوں، ہم یہ نہیں کہتے کہ ہمارے لیے کوئی دعا یا شفاعت کیجیے کیونکہ ہمارا جرم ان باتوں سے کہیں آگے بڑھ چکا ہے۔ ہمارا مقصد یہ ہے کہ آپ بھی ہماری غیرت پر لعنت بھیجیں۔ تاکہ لعنت کے نقش و نگار آپ کی بدولت پھر تازہ ہو جائیں۔ جیسا کہ انبیا پیغمبری ملنے پر فخر کیا کرتے تھے

یہ کمبخت بھی اپنے طوقِ لعنت پر فخر کرتا ہے، جو بغیر کسی واسطے کے اس کی گردن میں ڈالا گیا ہے۔ حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن فرشتوں کو حکم ہوگا کہ شیطان کو دوزخ میں لے جاؤ۔ دس ہزار فرشتے اُس میں لٹک جائیں گے۔ مگر وہ اپنی جگہ سے نہیں ہلے گا۔ پھر دس ہزار اور بھی اُن کے ساتھ مل کر زور لگائیں گے، پھر بھی کامیاب نہ ہوں گے۔ فرشتوں کو خطاب ہوگا جس گردن میں ہماری لعنت کا طوق بغیر کسی واسطے کے ڈالا گیا ہے، وہ ہمارے ہی قہر سے ٹوٹ سکتی ہے جب قدرتِ خداوندی اُس کی گردن سے طوق اتار لے گی تو اُس وقت وہ مردود مجبور ہو جائے گا۔ دوزخ سے ایک کتا نکل کر اُس پر ٹوٹ پڑے گا اور اپنے منھ میں دبا کر قعرِ دوزخ میں لے جائے گا۔ یہ سب عنایتیں اسی لعنت کی ہیں جو بغیر کسی واسطے کے اُس کی گردن میں ڈالی گئی ہے۔ اگر بے واسطہ نوازش وکرم کسی عزیز کے حق میں ظاہر ہو تو اس کا بوجھ نہ تو آسمان اور نہ زمین اُٹھا سکتی ہے اور نہ بہشت و دوزخ اُس کے متحمل ہو سکتے ہیں۔ بادشاہِ قدیم کی ذات کے سوائے مردانِ راہ کے صدق کی کوئی تاب نہیں لا سکتا۔ شیخ لقمان سرخسی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ آپ سماع میں تھے۔ ایک درویشِ صادق کو وجد آگیا جس طرح چڑیا اُڑتی ہے، وہ اُڑے اور درخت پر بیٹھ گئے۔ اور ان سے کہنے لگے کہ تم بھی آؤ، ہم دونوں پرواز کریں۔ حضرت لقمان سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔ اے جناب ہم دونوں جہان میں کیونکر سما سکتے ہیں۔ ہم جب اُڑیں گے تو دونو جہان کو چھوڑ کر اُن سے باہر اُڑیں۔ جو ان باتوں کو نہیں مانتا وہ ان کو سن بھی نہیں سکتا۔ اور نہ ان پر اعتبار کرتا ہے۔ اب ایمان کو سامنے رکھ کر سنو تاکہ تم کو غفلت زیر کر کے پچھاڑ نہ ڈالے۔ اگر دنیا میں اس کو موقع نہ ملے تو قبر میں اُٹھا پٹکے گی۔ اور اگر قبر میں بھی بچ گئے تو قیامت میں تو ضرور دبوچ لے گی۔ ذرا سنبھل جاؤ۔ ان صدیقوں کے حال میں اپنی کمزور عقل سے دخل نہ دو۔ کیونکہ یہ باتیں انسان کی معمولی عقل میں نہیں آسکتیں۔ ان صدیقوں کی باتیں ایمان کے کانوں ہی سے سنی جا سکتی ہیں۔ تو ایمان کے ساتھ سنو تاکہ دنیا اور آخرت میں تمھاری مددگار بنے۔ جب مددگار بن جائے گی تو بزرگوں کی یہ باتیں برباد نہ جائیں گی ؎

تا یکے بایزید بینی فرد — خدمتِ صد یزید باید کرد

(اگر حضرت بایزید جیسے یگانۂ روزگار کی زیارت چاہتے ہو تو پہلے سیکڑوں یزید کی خدمت کرنا)

حضرت سلطان المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھو کہ آپ دونوں جہان کے سردار اور سب سے ارفع واعلیٰ شخصیت کے مالک تھے جس وقت غلام مغیرہ آپ کے سامنے آجاتے آپ اُن کی تعظیم فرماتے اور دعا مانگنے کو کہتے۔ وہ تو دعا مانگتے اور آپ ڈبڈبائی آنکھوں سے آمین آمین کہتے جاتے۔ اگر تم اُن کے دین پر ہو تو اُن کا طریقہ یہ تھا جیسا تم نے سنا۔ اگر نعوذ باللہ خدانخواستہ ان کے دین پر نہیں ہو تو دین داری کے دعوے کی ٹوپی سر سے اتار دو۔ اور اقرار مذہب کی کنجی واپس کردو۔ اب حقیقۃً سمجھو کہ مرید کی طلب وجستجو کا میدان نہ عرش نہ کرسی نہ آسمان وزمین ہے۔ اگر تم پوچھو کہ کہاں ہے؟ تو ہم بتاتے ہیں وہیں ہے جہاں اُس نے کہا اِنِّیْ فِیْ قَلْبِ عَبْدِیَ الْمُؤْمِنِ التَّقِیِّ النَّقِیِّ (میں پاک اور پرہیز گار مومنوں کے دل میں ہوں) خدا کی قسم عرش کی کیا حقیقت ہے۔ کیونکہ ان لوگوں کی ہمت کے مقابلہ میں عرش کی بلندی زمین کے برابر ہے۔ تم نے نہیں دیکھا کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے حق میں فرمایا گیا اِھْتَزَّ الْعَرْشُ بِمَوْتِ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ (حضرت سعد بن معاذ کی موت سے عرش ہل گیا) حضرت سعد کی بلند ہمتی کی جگہ عرش پر تھی جب آپ نے انتقال فرمایا تو عرش کانپنے لگا۔ اے بھائی! حقیقت کے عالم میں حضرت آدم علیہ السلام کی نسبت ان ہی لوگوں سے زندہ ہے۔ اور صداقت کی منزل ان ہی اصحاب کے قدم سے آباد ہے۔ اور حقیقت کے عالم میں ان لوگوں کا نام نزاع القبائل ہے۔ یعنی اپنے قبیلوں میں برگزیدہ جس طرح حبش سے حضرت بلال، اور روم سے حضرت صہیب، فارس سے حضرت سلمان اور قرن سے حضرت خواجہ اویس رضی اللہ عنہم ان کے یقین کی روشنی اگر کانٹے پر پڑ جائے تو وہ دین کا پھول بن کر کھل جائے! اور ان کی ہمت کا آفتاب جس مطیع پر چمکے وہ مقبولِ بارگاہ ہو جائے۔ اگر کسی گنہگار پر چمک جائے تو وہ محفوظ اور اگر کسی بیگانہ پر تاباں ہو تو وہ یگانہ بن جائے۔ خواجہ سنائی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ مثنوی

جان فروشانِ بارگاہِ عدم — خرقہ پوشانِ خانقاہ قدم

چنگ درحضرتِ خدائے زدہ — ہرچہ آن نسبت پشت پائے زدہ

مَا عَبَدْنَاکَ اجتہادِ ہمہ — مَا عَرَفْنَاکَ اعتقادِ ہمہ

یَفْعَلُ اللّٰہُ مَا یَشَاءُ از ہوش — ساختہ بندہ وار حلقہ بگوش

فارغ از صورتِ مرادِ ہمہ — برتر از کثرتِ دلشاد ہمہ

۶ علم شان زیرِ حرفِ نادانی ہست	چہ عجب گنج زیرِ ویرانی ہست
۷ بردہ رخت بقاے ایمانی	از رہِ کفر در مسلمانی
۸ ساختہ ہر یک از میانِ ضمیر	از قُلِ اللّٰہُ ثُمَّ ذَرْھُمْ پیر
۹ بادہ ہا خوردہ بر رخ ساقی	ہر چہ باقی ہست کردہ دربانی

(نیستی کی بارگاہ میں جالی بیچنے والے۔ قدامت کی خانقاہ کے گدڑی پہننے والے۔ خدا کی درگاہ کو ہاتھ سے پکڑے ہوئے ہیں۔ ماسوا پر لات ماری ہے۔ اُن کا عقیدہ اور اجتہاد یہ ہے کہ خدا کی پرستش جیسی چاہیے تھی ہم نے نہیں کی۔ اور اس کے پہچاننے کا جو حق تھا وہ ہم سے ادا نہ ہو سکا۔ جو خدا چاہتا ہے وہی کرتا ہے۔ اس پر سر ڈالے ہوئے ہیں۔ ہر مراد سے ان لوگوں کے دل پاک ہیں۔ کثرت اور ضد سے یہ لوگ بلند و برتر ہیں۔ جہالت کے پردے میں ان کا علم چھپا ہوا ہے۔ یہ تعجب کا مقام نہیں۔ کیونکہ خزانہ ویران جگہ میں ہوتا ہے۔ ایمان کی بقا کا سامان یہ لوگ کفر کے راستے سے ایمان کی منزل تک لے گئے ہیں۔ ان کے ضمیر نے قُلِ اللّٰہُ ثُمَّ ذَرْھُمْ (اللہ کا نام لے اور سب کو چھوڑ) سے اپنے ضمیر کی موافقت کو اپنا پیر بنایا ہے۔ ساقی کے سامنے اُس کے دیدار کی شراب پی ہے اور باقی کو ترک کر دیا ہے)۔

تم نے سنا ہو گا کہ کسی صدیق کا قارورہ ایک کافر کے پاس لے گئے۔ اُس نے دیکھ کر کہا۔ کبھی میرا گمان نہیں ہو سکتا تھا کہ مذہب اسلام میں بھی ایسے لوگ ہوتے ہیں، جن کا کلیجہ خدا کی راہ میں خون ہو گیا ہو۔ کفر کی زنار باندھنے والے کو اتنے بڑے صدیق کے قارورہ کے متعلق کچھ کہنا بے ادبی ہے، زنار اتار پھینکی اور ایمان لایا۔ اے بدنصیب انکار کرنے والے تیرا کیا خیال ہے۔ ان کا پیشاب ہماری تمہاری باتوں سے بہتر ہے یا نہیں؟ اگر مسلمانی کا ذرہ بھی لگاؤ ہے تو خود ہی انصاف کرو۔ اور علم کے ہزاروں دعویٰ کرنے والوں سے پوچھو کہ یہ اپنے علم کے زور سے ایک شخص کو بھی نماز کے لیے دوکان سے مسجد میں نہیں لا سکتے۔ یہ علم تو وہی علم ہے مگر یہ علماء اُن علماء کی طرح نہیں ہیں۔ وہ علماء سراپا کردار تھے گفتار نہ تھے۔ آج کل باتیں ہی باتیں اور صرف دعوے ہی دعوے رہ گئے ہیں، کردار کچھ بھی نہیں۔ اور جن لوگوں نے ان صدیقوں کے بارے میں بُرے بھلے الفاظ نکالے۔ اور اعتراض و انکار کیا یہ اُن کی کوردلی اور جہالت کے سبب تھا۔ کسی نے خوب کہا ہے۔ ؎

زِ نورِ چشم سر چیزے نیاید	دلت را نورِ چشمے می بباید

کہ عیسیٰ را وخر را چشمِ سر بود | ولے چشمِ دلِ عیسیٰ دگر بود

(سر والی آنکھ کی روشنی کوئی کام نہیں دے سکتی۔ تجھ کو دل کی آنکھ کی روشنی کی ضرورت ہے۔ کیونکہ حضرت عیسیٰؑ اور اُن کے گدھے کو سر والی آنکھیں تھیں۔ مگر حضرت عیسیٰ کے دل کی آنکھ دوسری تھی۔

اے بھائی! اگلوں کا زمانہ ایسا زمانہ تھا کہ پتھروں سے دل کی مہک آتی تھی۔ اب ہم بدبختوں کے زمانے میں دل سے پتھر کے آثار نظر آتے ہیں۔ ان باتوں سے زمین اور آسمان کا دل جل رہا ہے۔ اگر آتش پرستوں کے الاؤ کی طرف تمھارا گذر ہو تو آگ سے آواز آئے گی کہ ہم اپنی ہی آگ میں اس مزے سے جل رہے ہیں کہ ہم کو ان نالائقوں کی پروا نہیں۔ اور اگر کافروں کے بت خانے میں جاؤ گے تو ایسی ہی باتیں سنو گے۔ جب حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اس جہان میں تشریف لائے تو سب سے پہلے بتوں نے شکر کا سجدہ کیا۔ خانہ کعبہ میں تین سو ساٹھ بت تھے۔ سب اوندھے ہو کر سجدے میں گر پڑے۔ رباعی

رفتم بہ کلیسائے ترسا وجہود | ترسا وجہود را ہمہ رُخ بتو بود

از بوئے وصالِ تو بہ بتخانہ شدم | تسبیح بتان زمزمۂ عشق تو بود

(ہم یہود و نصاریٰ کے کلیسا میں پہنچے۔ وہاں دیکھتے ہیں کہ نصاریٰ اور یہودیوں کی آنکھیں تیرے ہی طرف لگی ہوئی ہیں۔ تیرے ملنے کی امید لے کر ہم بت خانہ گئے۔ یہاں دیکھا کہ بت بھی تیری محبت کی مالا جپ رہے ہیں۔ خواجہ عطار رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے۔ مثنوی۔

۱ اگر چشمِ دلت گردد بدین باز | بروں گردد زیک یک ذرہ صد راز

۲ ہمہ ذراتِ عالم را درین کوے | نہ بینید یک نفس جز در روش روے

۳ ہمہ در گردش و اندر روش مست | تو بے چشمی و در تو آن روش ہست

۴ کمالِ عشق پا یانے نہ دارد | چنین رفتہ ست و درمانے ندارد

(اگر[۱] تمھارے دل کی آنکھیں کھل جائیں تو ایک ایک ذرے میں سو سو بھید نظر آئیں۔ اگر ذراتِ[۲] عالم پر نظر ڈالو گے تو دم بھر بھی جہان کے ذروں کو بغیر گردش کے نہ پاؤ گے۔ اپنی[۳] اپنی روش اور گردش میں سب مست ہیں۔ تم میں بھی وہ روش ہے۔ مگر تم اندھے ہو۔ عشق[۴] کے کمال کی کوئی حد نہیں ہے واقعہ ایسا ہی ہے، مگر اس کا کوئی علاج نہیں۔ آسمان زمین، عرش و کرسی اور فرشتے اعلیٰ علیین سے

تحت الثریٰ تک اور وہ چیزیں جن کو شے کہا جا سکتا ہے۔ سب تلاش اور جستجو میں دوڑ لگائے ہیں۔ مگر یہ انسان بڑا ہی ظالم ہے کہ دشمن سے مل گیا ہے اور دوست سے دُور ہو گیا ہے۔ اگر کوئی تم سے پوچھے، تمھارا مذہب کیا ہے تو دیکھو مسلمانی کا لفظ زبان سے نہ نکالو۔

جمعہ کے دن تین وقتوں میں ایک صبح اور دوسرے خطبہ و نماز کے درمیان اور تیسرے عصر کی نماز کے بعد سے غروب کے وقت تک دل کو حاضر رکھو اور اپنے اس خط کے لکھنے والے کو فراموش نہ کرو۔ اور ہر فرض نماز کے بعد دس مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھو۔ اور دس مرتبہ آیت فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ۔ (پھر اگر یہ رُوگردانی کریں تو کہہ دیجیے کہ مجھ کو تو اللہ کافی ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اسی پر میں نے بھروسہ کیا۔ وہی عرش بزرگ و برتر کا رب ہے) یہ وظیفہ ہمیشہ پڑھا کرو۔ ناغہ نہ ہو۔ اور یقینی طور پر سمجھ لو کہ جس کو اُس نے قبول کر لیا وہ مردودِ بارگاہ نہیں ہو سکتا۔ اور جو راندہ جا چکا وہ کبھی مقبول نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جس کو عزت کے ساتھ قبول کر لیا سَعَدَ سَعَادَةً لَا شَقَاوَةَ بَعْدَهَا (نیک بختی کے اس مقام میں پہنچ گیا جس کے بعد کبھی بدبختی نہیں ہے)۔ اور جس کو ذلت و رسوائی دی شَقِيَ شَقَاوَةً لَا سَعَادَةَ بَعْدَهَا (وہ بدبختی کے اس مقام پر پہنچ گیا جہاں کوئی نیک بختی نہیں ہے)۔ ہاں طالب اُس کے قہر و جلال کی دھوپ میں کہیں زیادہ خوش ہوتا ہے جتنا کہ اس کی مہربانی کی چھاؤں میں۔ کیونکہ وہ لوگ جو ناز و نعم میں پلتے ہیں بازار میں ان کی قیمت کم لگتی ہے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے جُدائی میں وصل کی امید ہے اور وصال میں فراق کا ڈر لگا ہوا ہے

رباعی

اے دل مشو از ہجر مشوش احوال — در آرزوے منال بسیار منال

در وصل بود بیم در ہجران لیکن — در ہجر بود ہمیشہ امید وصال

(اے دل جدائی کی مصیبت سے پریشان نہ ہو۔ دولت کی ہوس میں زیادہ گریہ وزاری نہ کر۔ وصل میں جدائی کا ڈر لگا رہتا ہے۔ مگر فراق کے عالم میں ہر وقت وصل کی امید رہتی ہے ؎

شوق ہست در فراقت جور است در حضور — ہم شوق بہ کہ طاقتِ جورت نیاورم

(جدائی میں وصال کا شوق اور ولولہ ہے اور حضوری میں ستم ڈھائے جاتے ہیں۔ تو شوق ہی کا رہنا بہتر ہے۔ کیونکہ مجھ میں ستم اُٹھانے کی طاقت نہیں)۔ ایک پیر فرماتے ہیں۔ ان پر خدا کی رحمت ہو کہ

عاشقوں کی خلوت کا ہجر کے صدمے جھیلنے والوں کے قریب ہونا اس سے کہیں زیادہ اچھا ہے، جو وصال کی خوشی کے مستانوں کے پاس ہو۔ اے بھائی! اس کے طالب کو ردّ و قبول سے کیا کام ہے۔ قبول کی عزت چاہنے کے مطلب یہ ہیں کہ اپنے کو قبول کے قابل سمجھا۔ اور یہ عاشقوں کے مذہب میں معیوب ہے جیسا کہ ایک دل جلے نے کہا ہے۔ رباعی:

گر تو بپذیری بندۂ مقبولِ توام　　ور نہ پذیری ہم چاکرِ معذولِ توام
با ردّ و قبولِ تو مرا کارے نیست　　من بندہ بہر دو حال مشغولِ توام

(اگر تو نے مجھ کو قبول کر لیا تو میں ایک مقبول غلام ہوں۔ اور اگر تو نے قبول نہ کیا تو تیرا نکالا ہوا ایک نوکر ہوں تیرے ردّ و قبول سے مجھے کوئی کام نہیں۔ میں بندہ ہوں اور دونوں حالتوں میں صرف تیرے ہی ساتھ وابستہ ہوں) اے بھائی! اگر وہ قبول کرلے تو اس کا فضل و انعام ہر شخص کے لیے عام ہے۔ اور اگر نہ قبول کرے تو شہنشاہوں کے مذہب میں یہ جائز ہے۔ اور یہ ہماری بدبختی کا پھل ہے جیسا کہ ایک بیچارہ نے کہا ہے۔ رباعی

معشوق چو بادشاہست فرمانش رواست　　بر کردۂ او چون و چرا زہرہ کراست
گر بپذیرد خوے پسندیدۂ اوست　　ور برگردد ز بختِ شوریدۂ ماست

(معشوق جب بادشاہ ہے تو اس کا ہر حکم جائز ہے۔ اس کے فرمان و افعال پر کس کی مجال کہ چون و چرا کرے۔ اگر وہ قبول کرلے تو اس کی مہربانی اور فضل ہے اور اگر ہم سے منہ پھیر لے تو یہ ہماری بدقسمتی ہے۔ والسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

چوّنواں مکتوب ۵۴

مرید کو رغبت دلانے کے بیان میں

اے بھائی شمس الدین اللہ تم کو اپنی بندگی کے زیوروں سے آراستہ کرے۔ سلام اور دعا مطالعہ کرو۔ واضح ہو کہ جب مرید نے اپنے کو مرید کے نام سے ظاہر کر دیا، اور مریدی کے لباس سے اپنے کو آراستہ کر لیا تو اس کی شرط یہ ہے کہ تحقیق کی انتہا تک اس کی صداقت کو پہنچا دے اور

صراطِ مستقیم پر قدم رکھے۔ استغفار اور توبہ کا سرمہ ہر وقت آنکھ میں لگاتا رہے۔ اور خدا کی تجرید و تفرید کا خرقہ پہن لے اور ساقیِ صدق کے ہاتھ سے طلب کی شراب پیئے۔ اور شریعت کی نیام سے اپنی ہمت کی تلوار نکالے۔ اور اپنی راہ میں نفسِ کافر کا شر و فساد نہ آنے دے۔ اور سُکر (مستی و خود فراموشی) صحو (حضوری بہ ہوش و حواس) و اثبات (ثابت قدمی) اور محو (گم گشتگی) کی راہ میں پاؤں رکھے سفلی (عالمِ دنیا) اور علوی (عالمِ بالا) کو زیر و زبر کر کے رکھ دے۔ جب ارادے کی حقیقت اور طلب کی لذت کی عادت پڑ گئی۔ اور ریاضت و مجاہدے کا پھل اور اس کے فائدے حاصل کر لیے۔ اور گردش درویش کے مقام میں پہنچ گیا، اور سالک کی منزل اور اس کے درجے میں داخل ہو گیا۔ اور مردانِ خدا کے مقام میں اُس نے جگہ پالی۔ اب اگر اُس سے کوئی سوال کرے کہ تم مرید ہو؟ تو جواب دے خدا نے اگر چاہا تو ہو سکتے ہیں۔ تاکہ اس کے باطن کی داد دی جا سکے۔ اور دعووں سے راستے سے پاؤں سمیٹ لے بصیرت اور معرفت والے لوگوں کا یہی طریقہ رہا ہے۔ ان لوگوں نے کسی مقام میں اپنے کو دیکھا ہی نہیں۔ ان کو جو کچھ بھی پونجی حاصل ہوئی ہے وہ اس سے بے پروا نہیں ہوئے۔ اور اس کو کبھی نظر میں نہیں لائے۔ ایسا بہت ہوا ہے کہ کسی پیرِ مناجاتی نے ستر ستر برس تک عبادت و بندگی کی ہو اور اونچے مقام تک پہنچ بھی گیا ہو، ایسا شخص آخر میں قہرِ بے علت کا نشانہ بن گیا۔ وَبَدَا لَهُمْ مِنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُونُوا يَحْتَسِبُونَ (اُن پر اللہ کی طرف سے وہ ظاہر ہوا جس کا سان و گمان بھی نہ تھا) اے بھائی! جس کا کام قہّار و جبّار کے دربار سے تعلق رکھتا ہے۔ ایسا قہّار و جبّار جو آٹھوں بہشت کو دوزخ اور جہنم کو سراسر جنت بنا کر رکھ دے۔ اور کعبے سے کلیسا اور بتخانہ سے کعبہ بنائے۔ اور ملکوت کے فرشتوں کا لباس بدن سے اتار لے۔ اور ناپاک شیاطین کو مَلَکی خلعت پہنا دے اور قدسیوں کا تاج اُن کے سر پر رکھ دے۔ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو خاتم الانبیاء ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو طاہرین کے گروہ کے سردار تھے۔ اور حضرت یحییٰ علیہ السلام جیسے معصوم کہ کبھی کوئی گناہ اُن سے سرزد ہی نہ ہوا، نہ کسی گناہ کا خطرہ ان کے دل میں گذرا سبھوں کو ایک زنجیر میں باندھ کر دوزخ میں ڈال دے اور ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رکھے تو اُس کو نہ کسی کا ڈر اور نہ کسی کا اندیشہ ہے۔ اُس پر یہ کمال کہ اُس کے انصاف کا دامن ظلم کی گرد سے بالکل پاک و صاف رہے گا۔ جہاں یہ حال ہو، وہاں کسی کو آرام و سکون اور بے خوفی کیوں کر نصیب ہو۔ اور کوئی خود بینی کا دعویٰ کس طرح کر سکتا ہے۔؟

وہ ایک جو سات لاکھ برس تک تقدیس و تسبیح کا سرمایہ اپنے ہاتھ میں رکھتا تھا۔ اور تمام ملائکہ کا اُستاد تھا۔ اُس نے ایک ہی دفعہ اَنَا کا لفظ نکالا تھا، پھر دیکھ لیا جو دیکھنا تھا۔ اور اس کا نتیجہ پالیا جو پانا تھا۔ ایک دن حضرت جبریل علیہ السلام حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے آپؐ نے پوچھا مقامِ قدس میں تمھارا کیا حال ہے؟ انھوں نے کہا جب سے ہم میں سے ایک کو باہر نکال پھینکا گیا ہے اپنے اپنے مقام پر کوئی فرشتہ مطمئن نہیں۔ ہزاروں طالبوں کی زبانیں اُس کی بے نیازی نے گونگی کردی ہیں اور لاکھوں دل جلے مریدوں کو بے پروائی کے دریا میں ڈبو دیا ہے۔ اور ہزاروں ہزار دوستوں کے کلیجے غیرت کی آگ میں بھون دیے گئے ہیں۔ اور حضرت رب العزۃ کے یہاں سے آواز آتی ہے کہ تمھاری ہستی نیستی کی طرح ہے۔ ایک بزرگ نے اسی مطلب کی طرف اشارہ کیا ہے۔

من چون تو ہزار عاشق از غم کشتم ﻫ کالودہ نہ شد بخونِ کس انگشتم

(میں نے تیری طرح ہزاروں عاشق کو غم کی تلوار سے قتل کر دیے ہیں۔ اس صفائی کے ساتھ کہ میری انگلیاں بھی کسی کے خون سے آلودہ نہ ہوئیں)۔ اے بھائی! اگر سارے ملائکہ کی طہارت و پاکیزگی ایک ہی مرید کی ذات میں جمع ہو جائے اور کل آدمیوں کی عبادت و بندگی صرف ایک مرید کو حاصل ہو جائے اور وہ اپنے کو ایک کتے سے بہتر اور اچھا سمجھے تو بلاؤں کا نشانہ بن جائے گا۔ اس کے یہ معنی ہوئے کہ کبر کا شائبہ اس میں اب تک باقی ہے۔ بڑا ہی خطرہ ہے کہ کہیں اسی شربت کا گھونٹ اس کے حلق میں بھی نہ ڈال دیں جو کبھی ایک کو پلایا جا چکا ہے اور وہی دھبّا اُس پر نہ لگا دیں جو اُسے لگایا گیا ہے۔ ہر وقت ڈرتے اور سہمتے رہنا چاہیئے۔ اپنی طاعت و بندگی کو ناقص اور اپنے ایمان کو کفر اور تقویٰ اور طاعت کو گناہ سمجھنا چاہیے۔ اپنی پاکیزگی او صفائی کو گندگی، اپنی ذات کو بتخانہ اور اپنے جبّہ و دستار کو زنّار او بت، خرقہ و مصلّٰی کو نصرانیوں اور ترساؤں کی صلیب جاننا چاہئے۔ یہ سب باتیں اُس مرید کے حق میں ہیں جس نے ارادت کی شرطیں پوری طرح ادا کی ہوں اور ارادت کی حقیقت تک پہنچ گیا ہو۔ یہ اس کی سلامتی کی نشانی اور منتہائے منزل تک پہنچ جانے کی علامت ہے۔ مگر وہ جو اپنے غرور اور گھمنڈ میں ہے مست ہے اور ایک حرف بھی نہیں جانتا ہے۔ اس میں محض دعویٰ ہی دعوے ہے۔ وہ اندر سے بالکل کھوکھلا ہے یہیں سے عالم و جاہل کا فرق ظاہر ہوتا ہے اور دونوں کی روشیں ایک دوسرے سے الگ ہوتی ہیں۔ صورت سے معانی اور حقیقت سے تکبّر اور ضلالت سے معرفت اور

تاریکی سے روشنی اور مبتدی سے منتہی کی تمیز کی جاتی ہے۔ لوگوں نے کہا ہے فِی الْبِدَایَۃِ نُطُوْقٌ فِیْ نُطُوْقٍ وَفِی النِّہَایَۃِ سُکُوْتٌ فِیْ سُکُوْتٍ (ابتدا میں گفتگو ہی گفتگو اور انتہا میں خاموشی ہی خاموشی ہوتی ہے)۔ مبتدیوں کو صرف زبان ہوتی ہے اور منتہیوں کو نہ زبان نہ گویائی۔ جس طرح بلبل ہزار داستان دن رات چہکتی اور نغمے سناتی ہے اس کی قیمت ایک روپیہ ہوتی ہے اور باز جو زندگی پر کچھ نہیں بولتا ایک ہزار روپے دام لگائے جاتے ہیں۔ قطعہ

قیمتِ بلبلے بود دانگے   قیمتِ باز کس نداند گفت
آن کند کار این کند بانگے   این تفاوت میانِ شان از چیست

(باز کی قیمت کی حد کوئی نہیں بتا سکتا۔ اور بلبل کا دام ایک دمڑی یا چھدام ہوتا ہے۔ جانتے ہو قیمت کا اتنا فرق کیوں ہے؟ وہ کارنامہ انجام دیتا ہے اور یہ صرف بات کرتا ہے)۔ جو مبتدی کے لیے اثبات (قابلِ قبول) ہے وہ منتہی کے لیے نفی (قابلِ ترک)۔ اور جاہل جس کو معلومات سمجھتا ہے وہ عالموں کے لیے زناروادی اور بت پرستی ہے۔ خداوند تعالیٰ تم کو مریدی کی راہ میں قبول فرمائے اور دانائی اور بینائی عطا کرے جس سے محقق اور گمراہ، معرفت و ضلالت، عالموں اور جاہلوں کی روش اور سنت و بدعت میں تمیز کر سکو۔ ہر ایک بات کو جہاں تک پہچاننے کا حق ہے پہچانو۔ اور سلوک کی راہ درست کرو۔ بظاہر اگر تھوڑا ہو پھر بھی اس کے فائدے بہت ہیں۔ اس کے فضل و احسان کی مدد سے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آلِ عظام کی برکت اور وسیلے سے۔ ہر حالت میں خدا پر بھروسہ رکھو۔ دل کو وسوسوں اور کسی دوسری طرف توجہ کرنے سے بچاؤ۔ ایک شخص حاتم اصم قدس اللہ سرہٗ کے پاس آیا اور پوچھا آپ کی اوقات بسری کا کیا سامان ہے کیونکہ بظاہر کوئی وجہِ معاش نظر نہیں آتی۔ آپ نے فرمایا خدا کے خزانے سے۔ اُس نے کہا کیا آپ کے لیے آسمان سے روٹیاں ٹپک پڑتی ہیں۔ آپ نے فرمایا اگر زمین اس کی ملکیت نہ ہوتی تو آسمان سے بھیجتا۔ اس نے کہا ہم لوگوں کو باتوں سے بہلاتے ہو اور زبان بند کر دیتے ہو۔ آپ نے کہا آسمان سے بھی یقینی کلام کے سوا اور کچھ نازل نہیں ہوا ہے۔ اُس نے کہا میں تم سے دلیلوں سے نہیں جیت سکتا۔ آپ نے کہا ٹھیک ہے حق کے سامنے باطل نہیں ٹھہر سکتا۔ کہا گیا ہے کہ ایک مرید حضرت شبلی رحمتہ اللہ علیہ کے پاس آیا اور معاش کی تنگی اور بال بچوں کی زیادتی کی شکایت کی،

حضرت شبلی نے فرمایا۔ گھر لوٹ جا۔ اور جس کو خدا کی روزی پر بھروسہ نہیں ہے اس کو گھر سے نکال دے۔ والسلام۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پچپنواں مکتوب ۵۵

قاضی صدر الدین کی صحبت اور علم کی رغبت کے بیان میں

میرے بھائی شمس الدین خدا تم کو اپنی بندگی کے لیے لمبی عمر دے۔ لکھنے والے کی طرف سے سلام کا تحفہ لو۔ واضح ہو کہ تم قاضی صدر الدین کی صحبت کو غنیمت جانو اور نیک بختی کی نشانی سمجھو اور دن رات علم حاصل کیا کرو۔ چین، آرام، کھانا پینا اور سونے کو کنارے کرو۔ جس طرح نماز کیلیے پاک و صاف رہنے اور طہارت کی ضرورت ہے۔ اسی طرح ریاضت اور مجاہدے کے لیے علم کی حاجت ہے۔ کوئی معاملہ اور ریاضت بغیر علم کے ممکن نہیں۔ جس طرح کوئی نماز بغیر طہارت کے نہیں ہو سکتی۔

علم نر آمد و عمل مادہ دین و دولت بدو شد آمادہ

کار بے علم بار و بر نہ دہد تخم بے مغز ہم ثمر نہ دہد

(علم کی حیثیت نر اور عمل کی حیثیت مادہ کی ہے۔ دین کے ساتھ دولت اسی سے حاصل ہو سکتی ہی۔ بغیر علم کے عمل کرنا پھول پھل نہیں دیتا جس طرح بغیر مغز کا بیج شگوفے اور پتے نہیں لاتا)۔

اگر کوئی شخص بغیر علم حاصل کیے ریاضت اور مجاہدہ کرے گا تو اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی شخص نے برسوں بغیر وضو کے نماز پڑھی ہو۔ یا کوئی کافر قرآن کی تلاوت کرے۔ جانو کہ علم کی دو قسم ہے ایک کسبی جو کسی استاد سے پڑھ کر یا کتابوں کے مطالعہ کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ دوسرا وہ علم جو دل کے اندر پیدا ہوتا ہے۔ یہ دو طرح کا ہے۔ بعض وہ جو خداوند بے نیاز کی بارگاہ سے پیغمبروں کے دلوں میں ظاہر ہوتا ہے۔ اس کا نام وحی ہے۔ یا حضرات اولیا کے دلوں میں پیدا ہوتا ہے اس کا نام الہام ہے۔ اور دوسرا وہ جو پیغمبروں کے واسطے سے صدیقوں کے سینوں میں داخل ہوتا ہے۔ یا پیروں کے ذریعہ مریدوں کے دلوں میں پہنچ جاتا ہے۔ اس حدیث کے معنی یہی ہیں کہ اَلشَّیْخُ فِیْ قَوْمِہٖ کَالنَّبِیِّ فِیْ اُمَّتِہٖ (پیر اپنے مریدوں کی جماعت میں ایسا ہے جیسا پیغمبر اپنی امتوں میں)۔

یعنی جس طرح صدیق لوگ پیغمبروں کے دل کے آئینہ میں خدا کا جلوہ دیکھتے ہیں اسی طرح مرید اپنے پیر کے دل کے آئینے میں خدا کو دیکھتا ہے۔ یعنی پیر کے قول و فعل کو خدا کی طرف سے جانتے اور پہچانتے ہیں اسی کو دیکھنا کہتے ہیں۔ قطعہ

بر لوحِ دلت نقش اگر ہیچ حروف است | یک رمز ز اسرار معانی نہ بدانی
چون محو شد از لوحِ دلت حرف تمامت | می دان کہ شدی محرمِ اسرارِ معانی

(اگر ایک حرف بھی تیرے دل کے تختے پر لکھا ہوا ہے تو اسرارِ معانی کا ایک نکتہ بھی نہیں جان سکتا جب وہ سارے حرف مٹ جائیں گے اس وقت تو اسرارِ معانی کو سمجھنے لگے گا۔ وہ جو مشائخوں نے فرمایا ہے کہ مرید پیر کے دل میں خدا کا جلوہ دیکھتا ہے۔ یہ دیکھنا ان ظاہری آنکھوں سے نہیں ہے اے بھائی! علم ساری نیک بختیوں کی جڑ ہے جس طرح جہالت بدنصیبی کی اصل ہے۔ نجات کے ذرائع علم کی بدولت پیدا ہوتے ہیں اور ساری ہلاکتیں جہالت کے سبب آتی ہیں۔ اور فردوس کے مدارج اور قدسیوں کی کرامتیں علم ہی کی بدولت ملتی ہیں۔ اور جہنم کے قعر اور سخت تر عذابوں میں جہالت کی وجہ سے پڑتے ہیں۔ جیسا کہ کہا ہے۔ ؎

نیست از بہر آسمانِ ازل | نردبان پایہ بہ ز علم و عمل

(آسمانِ ازلی تک پہنچنے کے لیے علم اور عمل سے بہتر کوئی زینہ نہیں ہے)۔ علم کی بارگاہ میں مومن کے سوا کسی نے قدم نہ رکھا اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (اللہ ان لوگوں کا دوست اور کارساز ہے جو ایمان لائے، ان کو اندھیرے سے نکال کر روشنی کی طرف لے جاتا ہے) اے مِنَ الْجَهْلِ اِلَى الْعِلْمِ (یعنی جہالت سے علم کی طرف)۔ اور جہالت کی منزل میں کافروں کے سوا کوئی داخل نہ ہوا۔ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـئُهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ (اور جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اُن کے دوست اور ساتھی شیاطین ہوتے ہیں جو اُن کو روشنی سے نکال کر تاریکی میں پہنچا دیتے ہیں) اَیْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَى الْجَهْلِ (یعنی علم کی روشنی سے جہالت کی تاریکی کی طرف۔ پس مومن کو جس طرح کفر و ضلالت سے دُور رہنا چاہیے، اسی طرح جاہلوں اور جہالت سے بھاگنا ضروری ہے۔ اَلْعَاقِلُ حَبِيْبِيْ وَالْاَحْمَقُ عَدُوِّيْ عقلمند میرا دوست اور بے وقوف میرا دشمن ہے۔ یہ شریعت کا فتویٰ ہے۔ جہالت اور جاہلوں سے

الگ رہنا واجب ہے۔ علم کی تلاش اور عالموں کی صحبت کی جستجو فرض ہے۔ علماء سے مراد وہ علماء ہیں جو آخرت میں کام آئیں۔ اور علم سے مراد وہ علم ہے جو آخرت میں کام دے۔ نہ کہ دنیاوی علم، تاکہ غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائے۔ اسی کے متعلق کہا ہے۔ ؎

علم را چوں تو خوانی از بازی　　آلت و ساز و جاہ ازاں سازی

علم سوئے درِ اللہ برد　　نہ سوئے نفس و مال و جاہ برد

(تو علم ہنسی کھیل کے لیے پڑھتا ہے اور اس کے ذریعہ مال و دولت اور منصب حاصل کرتا ہے۔ اصل علم وہ ہے جو تجھے خدا کی طرف لے جائے نہ کہ خواہشاتِ نفسانی اور مال و دولت کی طرف)۔ برسوں کی ریاضت اور مجاہدے سے وہ باتیں حاصل نہیں ہو سکتیں۔ جو فائدے ان بزرگوں کی ایک دن کی صحبت پہنچا دیتی ہے۔ ؎

مورِ مسکیں ہوسے داشت کہ در کعبہ رسد　　دست در پائے کبوتر زد و ناگاہ رسید

(کمزور چیونٹی تمنا کرتی ہے کہ کعبہ پہنچ جائے۔ اگر کسی کبوتر کے پاؤں سے لپٹ جاتی ہے تو فوراً پہنچ جاتی ہے) تم نہیں دیکھتے کہ لکڑی اور گھاس کے مزاج میں سکون اور ایک جگہ پڑا رہنا ہے۔ مگر جب کبھی پانی سے سابقہ پڑتا ہے تو اس کے اثر سے وہ پانی پر تیرنے لگتی ہے۔ اسی طرح چیونٹی کو بھی ہوا میں اُڑنے کی طاقت نہیں۔ مگر جب کبوتر کی صحبت اختیار کی تو کبوتر کے ساتھ یہ بھی اُڑنے لگی۔ جاری ہونا جو پانی کی، اور اُڑنا جو کبوتر کی صفت ہے صحبت کی وجہ سے لکڑی گھاس اور چیونٹی میں سرایت کرتی ہے۔ اسی طرح لوہا بھی، اگر ذرہ کے برابر پانی میں ڈالا جائے تو قائم نہیں رہ سکتا۔ ڈوب جائے گا۔ جب اُس کو لکڑی کی صحبت ہوئی اور کسی کشتی میں جڑ دیا گیا تو دو چار من بھی پانی پر ٹھہرا رہے گا۔ اور ڈوب نہیں سکتا۔ صحبت کی تاثیر اور برکت یہیں سے سمجھو کہ اس کے کیا کیا فائدے ہیں تاکہ یہ دولت میسر ہو جائے۔ اس وقت جب قاضی صدر الدین کی صحبت کا خدا نے تم کو موقع دیا ہے تو اسے غنیمت سمجھو۔ خدا جہالت کی تاریکی سے تم کو نکال کر علم کی روشنی سے منور کرے۔ نیازمندی اور عاجزی اختیار کرو۔ اور سرداری اور خواجگی کے دعوے سے الگ رہو۔ خواجہ سہیل عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے۔ میں نے اس کے راستے کو دیکھا اور بصیرت کی نظر ڈالی۔ خدا تک پہنچنے کا کوئی راستہ عاجزی اور نیازمندی سے بڑھ کر نہیں پایا۔ اور دعوے کرنے سے بڑھ کر

کوئی پردہ نہیں پایا۔ اے بھائی! شیطان کو دیکھو۔ دعوے ہی دعوے نظر آئیں گے۔ اور حضرت آدمؑ پر نظر ڈالو۔ سراسر عاجزی اور نیاز مندی پاؤ گے۔ ابلیس نے کہا اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ (میں اس سے بہتر ہوں) اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُس کو ساری مخلوق سے بدتر کر دیا گیا۔ حضرت آدمؑ نے کہا رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا (اے میرے پروردگار میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا) آپ کو فرشتوں سے سجدہ کرایا گیا۔ اور خدا نے اپنا خلیفہ بنا کر اُن کو تخت پر بٹھا دیا۔ اتنے انعام و اکرام پر بھی اُن کی نیاز مندی اور عاجزی ذرہ برابر کم نہ ہوئی۔ آٹھوں بہشت کا مالک اُن کو بنا دیا گیا، مگر ان کی مفلسی جتنی بھی تھی اس سے کم نہیں ہوئی اور اس میں کچھ نقصان نہیں پہنچا۔ آپ نے کہا۔ اے خدا جو تو فرماتا ہے وہ صحیح و درست ہے۔ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً (میں زمین میں اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں) یہ تیری مہربانی ہے مگر میرے لیے یہی زیبا ہے کہ رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا (اے رب میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا) کہتا جاؤں۔ خلافت کا تخت جو تو نے عطا کیا وہ تیری بخشش و کرم ہے۔ لیکن میری دُہائی پھر بھی یہی ہے رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا۔ اگر تم کل بہشت میں جاؤ۔ اور کن انکھیوں سے بھی اُس کی طرف دیکھو، تو تم میں آدمیت نہیں۔ اور تمھاری کوئی قیمت نہیں۔ کیونکہ جو چیز کہ تمھارے باپ نے ایک دانہ گیہوں کے بدلے بیچ دی۔ اس چیز کو اب مہنگا کون کر سکتا ہے۔ تم کون ہو جو وہاں اپنا بستر لگاؤ اور ڈیرہ ڈالو۔

پدرم روضۂ رضوان بدو گندم بفروخت　　من کہ باشم کہ جہاں را بجوے نہ فروشم

(میرے باپ نے دو گیہوں کے بدلے بہشت بیچ ڈالی۔ میں کس لائق ہوں جو اس دنیا اور اس کی لذتوں کو ایک جَو کے بدلے نہ بیچ دوں۔ والسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

چھپنواں مکتوب ۵۶

مرید کے پہلے مرتبے کے بیان میں

برادرم شمس الدین سلمہٗ اللہ تعالیٰ۔ جانو کہ مرید کے مرتبوں میں پہلا مرتبہ شریعت کا راستہ ہے جب مرید شریعت کے احکام کی شرطوں پر قائم رہ کر چلتا رہا۔ اور شریعت کے حدود کی پوری طرح حفاظت کی، پھر ہر طرح اس کا حق بھی ادا کیا، تو اب چاہیے کہ وہ اپنی ہمت کو بلند رکھے۔

تاکہ شریعت کا حق ادا کرنے کی برکت سے اور عالی ہمتی کے طفیل طریقت اپنا جلوہ دکھائے۔ وہ دل کا راستہ ہے جب طریقت کی شرطیں کما حقہٗ ادا کر چکا، اور ہر طرح بجالایا، تو اپنی ہمت اور بھی بلند کرے۔ جیسا کہ کہا ہے کہ بے ہمت مرید کی کہیں رسائی نہیں ہمت کی برکت سے خداوند تعالےٰ اپنے فضل و کرم سے اس کے دل کے پردوں کو اُٹھا دیتا ہے۔ اور حقیقت کے معانی جو سالکوں، طالبوں اور صادقوں کے اعلیٰ مقاصد ہیں اُس کو دکھائی دینے لگیں گے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے۔ مثنوی

۱۔ خیال ہست این کہ بے شرع و طریقت — کشایندت ہمیں راہِ حقیقت

۲۔ طریقت بے شریعت نیست واصل — حقیقت بے طریقت نیست حاصل

۳۔ بیک دیگر تعلق ہر سہ دارد — کسے شان تفرقہ کردن نیارد

(۱۔ یہ خیال ہی خیال ہے کہ بغیر شریعت پر چلے ہوئے طریقت کا راستہ تجھ پر کھول دیا جائے گا۔ ۲۔ بغیر شریعت کے طریقت کام آنے والی نہیں۔ اور بغیر طریقت کے حقیقت حاصل نہیں ہو سکتی۔ ۳۔ اِن تینوں کو ایک دوسرے سے ایسا لگاؤ ہے کہ کوئی شخص ان کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کر سکتا) جب سچے مرید پر یہ مطلب ظاہر ہو گیا تو سب باتوں سے منہ پھیر کر اُسی کی تلاش و جستجو میں محنت اور مشقت کے لیے کمر باندھ لے۔ اب اگر ہزاروں مرتبہ بھی دنیا اور عقبیٰ کی نعمتیں اس کے سامنے لائی جائیں تو وہ کنکھیوں سے بھی نہ دیکھے۔ اور غیر خدا کا نام سنے تو اس کو بت اور زنار سمجھے۔ اس سے اس کی مشکلیں آسان ہو جائیں گی۔ اور انسان کے لیے تنہائی۔ اور لوگوں سے بے تعلقی اور مفلسی سے بڑھ کر کوئی سخت مصیبت نہیں۔ کیونکہ یہ صفتیں مُردے کی ہیں زندے کی نہیں۔ یہ باتیں خواہشات کے مارنے سے حاصل ہوتی ہیں۔ لہٰذا یہی سب اُس کے مقصد بن جاتے ہیں۔ اگر کسی کو دیکھو کہ ان باتوں کے حاصل کرنے کی خواہش اس میں نہیں ہے تو سمجھ لو کہ طریقت کی جھلک اُس پر نہیں پڑی ہے۔ ابھی تک اُس نے طریقت پر آنکھ ہی نہیں ڈالی ہے۔ اور اب تک اُس کو خاطر جمعی حاصل نہیں ہوئی ہے۔ سچے مرید کی پہچان یہ ہے کہ بے سرو سامانی، غریبی، مفلسی اور تنہائی کو خوشی سے گوارا کرے اور اسی میں مست اور مگن رہے۔ دیکھو اور غور کرو کہ خواجہ کائنات و خلاصۂ موجودات حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے بلند سے بلند تر مرتبہ پر پہنچنے کے بعد بھی اس پر فخر و ناز نہیں فرمایا۔ بلکہ فقر و غریبی پر آپ نے خوشی کے آنسوؤں کے ساتھ دعا مانگی

اور فرمایا اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مِسْکِیْنًا وَّ اَمِتْنِیْ مِسْکِیْنًا وَّ احْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَۃِ الْمَسَاکِیْنِ (اے خدا، ہم کو مسکینی میں زندہ اور مسکینی میں موت دے اور قیامت کے دن مسکینوں کی حالت میں ہم کو اُٹھا)۔ اللہ! دنیا میں وہ کیسے لوگ ہیں کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جینے مرنے اور قیامت میں اُٹھنے کے وقت اُن کی طرح ہونے کی دعا مانگی۔ اگر آپ فرماتے کہ جینے اور مرنے کے وقت ان کو ہمارے ساتھ رکھ تو یہ کوئی بڑی دولت نہ ہوتی۔ اسی لیے فرمایا ہم کو ان کے ساتھ رکھ!۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ سارے جہان کا چکر لگائیں پھر بھی امید نہیں کہ کوئی مرید مل سکے یا نہ ملے۔ جیسا کہ حضرت شیخ ابوالقاسم گرگانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔ ہم برسوں چاہتے رہے کہ کوئی مرید ملے۔ مرید میں ابلیس کی صفت ہونا چاہیئے تا کہ اس کا کام کچھ بن سکے۔ اپنے کو اس کے حکم پر ہار دینا دوسری چیز ہے اور معشوق کی ارادت میں ہارنا دوسری چیز۔ کیونکہ فرمان باہر کی چیز، اور ارادت اندر کی چیز ہے۔ اگر سلطان محمود ایاز سے کہتا کہ جا کسی اور کی خدمت انجام دے! اور وہ چلا جاتا تو یہ قصور ہوتا۔ جو کوئی اس جگہ حکم بجالائے وہ ابھی کچا ہے۔ اس میں خامی ہے۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا وَسَارِعُوْا اِلٰی مَغْفِرَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَجَنَّۃٍ (اپنے رب کی مغفرت اور جنت کی طرف دوڑو) یہاں جو لوگ دل کے کچے اور لالچی تھے سب دوڑے۔ مگر پختہ دلوں اور عاشقوں نے کہا۔ ہم کہاں جائیں ؎

گفتی دگرے کن کنم اے بینائے گر تو دگرے چو خویشتن بنمائے

(تو کہتا ہے کہ کوئی دوسرا معشوق تلاش کر۔ اے سب کچھ دیکھنے والے اگر تو اپنا جیسا معشوق و محبوب دکھا دے تو میں اُدھر چلا جاؤں)۔ اے خداوند پاک و برتر تیرے چاہنے والے بہشت پر کیونکر قناعت کر سکتے ہیں اور تجھ کو دوست رکھنے والے کسی دوسرے کی طرف کیونکر نظر اُٹھا سکتے ہیں ؎

گفتی کہ برو حدیث ما کن کوتاہ اے دوست کجا روم کجا یابم راہ

(تو کہتا ہے کہ چلا جا اور میری گفتگو چھوڑ دے۔ اے یار میں کہاں جاؤں کوئی راستہ نہیں ملتا)۔

حکایت: جب حضرت یعقوب علیہ السلام کنعان سے مصر آئے تو اچھے اور عمدہ کھانوں کی رغبت سے نہیں بلکہ یوسف علیہ السلام کی تلاش و جستجو میں آئے۔ کیونکہ حلوہ روٹی اور گوشت وہاں بھی موجود تھا۔ انھیں لوگوں کا کہا ہوا ہے کہ ان کی غرض دنیا اور آخرت میں خدا کی قسم، کھانا

اور پینا نہیں ہے۔ ؎

نے ماچو تو در ہر دو جہان عاشق نانیم در عالم جان آب عنب دان غذائے ما

(رُوح کے عالم میں ہماری غذا انگور کا پانی یعنی شراب دیدار ہے۔ ہم تیری طرح دنیا اور آخرت میں روٹی کے عاشق نہیں ہیں۔ بہشت کیا ہے؟ سمجھو کہ رنگ برنگ کے کھانوں کا ایک دسترخوان ہے۔ یہیں سے تمیز ہو جاتی ہے کہ بہشت کے عاشق کون ہیں اور خدا کے عاشق کون؟ اگر باز بہت دنوں کا بھوکا بھی ہو تو وہ کبھی نہ چاہے گا کہ مچھر اور چیونٹی جیسی غذا اُس کے پیٹ میں جائے۔ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ (تمام لوگوں نے اپنا مشرب جان لیا ہے)۔ لیکن مرید کو اس راستے میں ہزاروں خوف اور ہزاروں امیدوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ بہت اونچ نیچ اور مشکلات پیش آتی ہیں۔ ہزاروں چیزوں میں لپٹاتے ہیں اور ہزاروں رنگوں میں ڈبو کر نکالتے ہیں جب یہ کسی تجربہ کار اور پختہ روزگار پیر کے سایے میں رہے گا تو وہ طبیب حاذق کی طرح ہر مرض اور عرض کا علاج مختلف طریقوں سے کرے گا اور ہر شورش اور سودا کے لیے دوسرا معجون بنائے گا۔ یہ سب باتیں تو آسان ہیں۔ لیکن اگر اپنی خود رائی سے چلے گا تو بڑے خطرے میں پڑ جائے گا۔ لَادِیْنَ لِمَنْ لَّا شَیْخَ لَهٗ (جس کا کوئی پیر نہیں اُس کا کوئی دین نہیں) یہ مشائخین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا کہا ہوا ہے۔ اور اسی گروہ نے کہا ہے کہ جس مرید کے دل میں اس کام کی ارادت پیدا ہوتی ہے اُس کی مثال اس چیونٹی جیسی ہے جو چاہتی ہو کہ پورب یا پچھم سے کعبہ جائے۔ اگر اپنے پاؤں سے آپ چلے گی تو ہزاروں سال چلنے پر بھی کعبہ تک پہنچنا ناممکن ہو گا۔ اور جان کا خطرہ بھی ہے لیکن اگر وہ کبوتر یا باز کے پر کا سہارا لے تو پہنچ جانا بالکل آسان ہو گا۔ چیونٹی کا صرف اتنا کام ہو گا کہ کبوتر کے پاؤں سے لپٹ جائے۔ جب پروں کا سہارا لے لیا۔ اپنے چلنے کے ارادے کو چھوڑ دیا تو اس کا کام کبوتر کے ارادے پر موقوف ہو گا۔ اگر اپنے ارادے چلی تو کبوتر کے ساتھ کعبہ نہ پہنچ سکے گی۔ ؎

دست در پائے کبوتر زد و ناگاہ رسید مورِ مسکین ہوسے داشت کہ در کعبہ رسد

(غریب چیونٹی کی تمنا تھی کہ کعبہ پہنچے۔ کبوتر کے پاؤں سے لپٹ گئی اور اچانک کعبہ پہنچ گئی)۔ اسی طرح مرید کے لیے پیر کبوتر کا کام کرتا ہے۔ اور مرید کی مثال کمزور چیونٹی جیسی ہے۔ جب اس نے

کسی پیر سے تعلق پیدا کیا تو وہ اپنی راہ سے چل کر اُسے منزل تک پہنچا دے گا۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ مرید کو چاہیے کہ پیر کی ذات میں خدا کو دیکھے۔ کیونکہ مرید کے لیے پیر ایک ایسا آئینہ ہے جس میں خدا کو دیکھے۔ دیکھنے کا مطلب اِن ظاہری آنکھوں سے دیکھنا نہیں بلکہ خدا کی صفات، ارادہ اور افعال کا جاننا اور پہچاننا ہے۔ کہیں غلطی میں نہ پڑ جائے۔ جو شخص طریقت کے راستے میں پیر کے کہنے پر چلے گا اُس کا نام پیر کا مرید ہے۔ اور جو کوئی اپنی خواہش اور مطلب پر چلے گا وہ اپنی مرادوں کا مرید ہے، پیر کا نہیں۔ لوگوں نے کہا ہے مرید کو ایسا پیر پرست ہونا چاہیے جیسا فرمایا ہے مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (جس نے رسولؐ کی پیروی کی اُس نے خدا کی پیروی کی)۔ اس وقت وہ ساعت آتی ہے کہ سارے اعتراض درمیان سے اُٹھ جاتے ہیں۔ پیر کی حالت، قول، فعل اور روش پر کسی طرح کا اعتراض نہ کرے۔ اور ظاہری اور باطنی طریقے سے خود کو پیر کے تصرف و قبضے میں دیدے اور اپنے لیے چون و چرا کا دروازہ بند کرلے۔ اور حاجتوں کا دروازہ کھول دے۔ اور بغیر اس کے حکم کے ایک قدم بھی نہ چلے۔ اب پیر کی ہمت اور برکت سے یہ ممکن ہے کہ وہ مرید کو منزل تک پہنچا دے۔ اور پستی سے بلندی پر لے آئے۔ اور مریدی سے پیری کی مسند پر بٹھا دے۔ اے بھائی! جس کو اس کے لائق بنایا ہے اُس میں یہ باتیں جو تم نے سنیں بغیر تکلیف و مشقت کے بنی بنائی موجود ہیں۔ مگر کم بختوں اور بد نصیبوں کو جب کوئی حصہ نہیں ملا تو ہمارے لیے سخت مشکل اور محال ہے۔ ایک شخص کے سر پر اپنے فضل و عطا سے مہربانی کا تاج رکھتا ہے۔ اور ایک شخص کے کلیجے پر انصاف کے قید خانے میں قہر کا داغ لگاتا ہے اور ایک شخص کو جلال و عظمت کی آگ میں جھونک دیتا ہے۔ اور ایک کو اپنے جمال کی روشنی سے نوازتا ہے۔ مٹی اور کوڑے کرکٹ سے اُس نے ایک شخص کو پیدا کیا۔ اور حسرت و افلاس کی پوشاک پہنائی اور اُس کا ظلوم و جہول نام رکھ کر سارے جہان میں ڈھنڈورا پیٹ دیا۔ اس کے بعد سات لاکھ برسوں کی عبادت کرنے والوں کو اُس کے استقبال کا حکم دیا۔ اور فرمان ہوا کہ وہ سجدے جو کل اعمال کا نچوڑ ہیں اور تمھارے حالات و احوال کے اسرار ہیں اُس کے سر پر نچھاور کردو! ــــ اے بھائی! جب رحمت کے دریا میں مغفرت و بخشش کی طغیانی آتی ہے تو سارے گناہ اور لغزشیں بہا لے جاتی ہے۔ اور سب عیب ہنر بن جاتے ہیں۔ کیونکہ گناہ و لغزشیں لَمْ یَکُنْ (نہیں رہنے والی) ہیں۔ اور رحمت لَمْ یَزَلْ (ہمیشہ رہنے والی) ہے۔ لَمْ یَکُنْ

لَمْ یَزَلْ کی برابری کہاں تک کر سکتا ہے۔ اس آب و گل کے ساتھ اس کا کام رحمت کی بارش کرنا ہے۔ ورنہ ہمارے اس سیہ بخت وجود کی کیا مجال تھی کہ اس مالک الملک کے فرش کے کنارے پر بھی قدم رکھ سکتا۔ کتنے شراب خوار جو شیطانی باتوں میں گھلے ملے رہے اور اُن کا زمانہ گندی خواہشوں اور ناپاکیوں میں گذرتا رہا۔ یک بیک فتوح غیبی سے اس کے مقبول ہونے کا ایک قاصد ظاہر ہوا اور اُس نے کہا اَلْحَبِیْبُ یَقْرَءُ كَ السَّلَامَ وَیَقُوْلُ لِیْ مَعَكَ كَلَامٌ (حبیب تجھ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے مجھ کو تجھ سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔ والسلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ستاونواں مکتوب ۵۷

مرید کے پہلے مرتبے میں مضمون دیگر

برادرم شمس الدین سلمہ اللہ تعالیٰ جانو کہ مرید کے مرتبوں میں سے پہلا مرتبہ شریعت ہے۔ جب شریعت کا حق اپنی طاقت اور ہمت کے موافق پورا کر چکا تو ہمت بلند رکھے۔ اس وقت طریقت کا جلوہ اُس کو نظر آئے گا۔ یہ دل کا راستہ ہے۔ جب طریقت کا حق بھی پوری طرح ادا کر چکا۔ پھر بھی ہمت بلند رکھے۔ اس وقت اس کے دل کا پردہ اُٹھ جاتا ہے اور حقیقت کے اسرار جس میں جان کا راستہ ہے اُس کو دکھایا جاتا ہے۔ مشائخ طریقت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم نے خدا کے راستے میں مریدوں اور سالکوں کے لیے اجمالی طور پر چار مقامات بنائے ہیں۔ اور کہا ہے جب تک مرید ان چار راستوں سے نہیں گذرے گا منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتا۔ پہلی منزل عالم ناسوت (یعنی دنیا) دوسری منزل عالم ملکوت (عالم فرشتگان) تیسری منزل عالم جبروت (عالم ارواح) اور چوتھی منزل عالم لاہوت ہے۔ جب تک عالم ناسوت کو طے نہ کرلے گا عالم ملکوت میں نہ پہنچے گا۔ اور جب تک عالم ملکوت سے نہ گذر جائے گا عالم جبروت میں قدم نہ رکھے گا۔ اور جب تک عالم جبروت طے نہ کرلے گا عالم لاہوت میں داخل نہیں ہوگا۔ اور عالم لاہوت ایک ایسا عالم ہے جہاں کوئی نشان نہیں جب مرید وہاں پہنچ گیا تو اپنے آپ میں نہ رہا اور بے نشان ہوگیا۔ ناسوت حیوانات کا عالم ہے۔ یہاں پانچوں حواس سے کام لیا جاتا ہے یعنی سننا، دیکھنا، سونگھنا، چکھنا اور چھونا جب مرید مجاہدہ اور

اور ریاضت کے ذریعہ ان حواس کو پاکیزہ بنا لیتا ہے اور صرف شریعت کے مطابق استعمال کرتا ہے تو عالم ملکوت میں پہنچ جاتا ہے اور جس طرح فرشتوں سے گناہ نہیں ہوتا وہ بھی گناہوں سے محفوظ اور مامون ہو جاتا ہے۔ وہ فرشتوں کی طرح خدا کی تسبیح و تہلیل، رکوع و سجود اور قیام و قعود میں مشغول رہتا ہے اور جب ان عبادات کی نسبت کو اپنے سے منقطع کر لیتا ہے یعنی معبود اور اس کی عبادت کے درمیان اپنے کو نہیں دیکھتا اور صرف لذّتِ عبادت بن کر رہ جاتا ہے تو عالم جبروت میں پہنچ جاتا ہے اور یہ ارواح کا عالم ہے۔ اور روح کی حقیقت کو چند خاص لوگوں کے سوا کوئی دوسرا نہیں پہچان سکتا۔ اس منزل کی عبادات عشق و محبت، ذوق و شوق، طلب، جذب اور تواجد و مستی ہے۔ جب سالک ان عبادات میں فنا ہو جاتا ہے تو عالم لاہوت میں پہنچ جاتا ہے۔ یہی مقام وَاَنَّ اِلٰی رَبِّکَ الْمُنْتَہٰی (البتہ تیرے رب تک تیری منزل کی انتہا ہے)۔ عالم لاہوت کا نام عالم لامکان ہے۔ اس عالم میں نطق و گویائی نہیں ہے۔ یہی وہ بھید ہے جس کو کہا ہے۔ رباعی

در دیدۂ دیدہ دیدۂ بنہادند	وان راز رہِ دیدہ غذاے دادند
ناگہ بہ سر کوے کمال افتادند	از دیدۂ و دیدنی کنون آزادند

(آنکھ کی آنکھ میں ایک اور بصیرت رکھی ہے اور آنکھوں کے راستے اس کو غذا دیتے ہیں اور پھر دفعتہً اس کو کمال پر پہنچا دیتے ہیں تو وہ دیکھنے دکھلانے سے بھی آزاد ہو جاتا ہے)۔ اور اس راہ کو طے کرنے کے لیے تین زینے ہیں۔ شریعت، طریقت اور حقیقت۔ لوگوں نے کہا ہے آدمی تین چیزوں کا مجموعہ ہے۔ نفس، دل اور روح۔ ہر ایک کے لیے راستہ مقرر کر دیا ہے۔ نفس کے لیے شریعت، دل کے لیے طریقت اور روح کے لیے حقیقت کا راستہ بنایا ہے۔ نفس شریعت کے راستے سے عالم ملکوت میں داخل ہوتا ہے اور دل کی صفتیں اختیار کرتا ہے۔ اور دل طریقت کی راہ سے عالم جبروت میں پہنچتا اور روح کی صفتیں اختیار کرتا ہے۔ اور روح حقیقت کے راستے اور جذبۂ الٰہی کے وسیلے سے اپنی منزلِ مقصود کو پہنچ جاتی ہے۔ اور اس طرح کام بنتا ہے کہ نفس دل اور دل روح بن جاتا ہے۔ یعنی تینوں ایک ہو جاتے ہیں۔ یہیں سے کہتے ہیں ع عاشق و معشوق و عشق ہر سہ معنی یکے ست (یعنی عاشق و معشوق اور عشق تینوں حقیقتہً ایک ہی ہیں۔ اس کا نام توحیدِ مطلق ہے۔ کہا گیا ہے کہ خدا کے راستے پر چلنے والوں کی تین حالتیں ہوتی ہیں۔ پہلی سلوک، دوسری وقوف، تیسری رجوع۔ اور

یہ تینوں حالتیں بغیر ارادہ اور مشیئتِ الٰہی کے نہیں ہیں۔ لیکن بندہ کے لیے یہی ہے کہ ہر وقت کام میں لگا رہے اور انتظار میں بیٹھا رہے۔ وہ وہی کرے گا جو اُس کے لیے اُس نے چاہا ہے۔ اُس کو کسی کی ہلاکت یا کسی کی نجات سے کوئی غرض نہیں۔ ایک شخص کسی بیابان میں پیاس کے مارے مر رہا تھا، اور کہتا تھا، اتنے دریا پانی سے بھرے پڑے ہیں اور پھر بھی پیاس سے میری جان نکل رہی ہے۔ غیب سے آواز آئی کہ ہم ہزاروں صدیقوں کو خونخوار جنگل میں پہنچا دیتے ہیں اور اپنی مشیئت کی تلوار سے سبھوں کے گلے کاٹ کر چیل کوؤں کی غذا بنا دیتے ہیں۔ اور اگر کوئی ہماری خواہش پر اعتراض کرنا چاہے تو اس کے لبوں پر اپنی سیاست کی مہر لگا دیتے ہیں کہ لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ (وہ جو کچھ کرتا ہے اُس پر کوئی سوال نہیں کیا جا سکتا) چیل کوّے بھی ہمارے اور صدیق بھی ہمارے ہی پیدا کیے ہوئے ہیں۔ دوسرا فضول بکنے والا بیچ میں کون ہے۔ اب جس کی خواہش ہو کہ اس حقیقت کی تہ تک پہنچے تو اُس کو مردانِ خدا کے جوتوں کی خدمت کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں، تاکہ کسی دل میں اُس کی جگہ بن سکے اور کوئی شخص خواہشاتِ نفسانی کی قید سے باہر نہیں نکل سکتا مگر وہی جس کو اُس نے چاہا۔ جب تک کسی پیر تجربہ کار اور راستے سے خبردار کی پیروی اختیار نہ کرے گا اُس کا کام نہیں بنے گا۔ مرید میں جتنی استعداد اور جس قدر علم ہوگا اُسی کے موافق پیر اس پر حکم لگائے گا۔ بیماری اور بیماری کے اسباب کا مختلف علاج بتائے گا۔ یہاں تک کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مرید کی ذات میں اپنا ڈیرا ڈال دے اور شیطان کا آنا جانا اُس کے دل میں بند ہو جائے سارے جہان کے لوگ اسی طرح جستجو میں ہیں کہ خدا کا راستہ اپنے سر سے طے کریں۔ لیکن دل کی صفائی کے اندازے سے ہر شخص کا علم ہوتا ہے اور اسی علم کے اندازے سے اس کی طلب و ارادت ہوتی ہے اور جس درجہ طلب و ارادت ہوتی ہے اتنا ہی سلوک بھی ہوتا ہے۔ اونچی قسمت والے مرید تجربہ کار اور راہ سے باخبر پیروں کی صحبت میں پارسا ہو کر راستہ پاتے ہیں۔ اور محروم القسمت مرید اپنی بدنصیبی کے سبب اُن کی امداد کے باوجود بھٹکتے رہتے ہیں۔ بے اقبالی اور بدنصیبی کی وجہ سے اُن کا نفس خود رائی پر اڑا رہتا ہے۔ کہا گیا ہے کہ جب پیر مرید کے دل میں ارادت کی لہر دیکھتا ہے تو کہتا ہے ؎

گر ہیچ شبے از وصل تو بیابم داد من بر لب تو چہ بوسہ ہا دانم داد

(اگر کسی رات تیرا وصال حاصل ہو جائے تو میں تیرے لبوں کو نہ جانے کس کس طرح چوموں۔

جب اونچی قسمت والے مرید کسی خدا رسیدہ پیر کے پاس پہنچ جاتے ہیں تو ان کی زبان پر یہ ہوتا ہے۔ ۔

از بخت بلند او فتادم بہ تو من ایزد داند کہ سخت شادم بتو من

(میں خوش نصیبی سے آپ کے در تک پہنچ گیا ہوں۔ خدا جانتا ہے کہ آپ کی زیارت سے میں بہت خوش ہوں)۔ اب اس زمانے میں ہماری بدنصیبی اور بے اقبالی سے یہ سب باتیں کہاں۔ اور اپنی بدنہادی اور کینے کپٹ کی وجہ سے ہم لوگ محروم ہو گئے ہیں۔ سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں کہ اسی جملے کو دہراتے جائیں نِیَّةُ الْمُؤْمِنِ خَیْرٌ مِّنْ عَمَلِہٖ (مومن کی نیت اس کے عمل سے کہیں بہتر ہے) اگر کسی کی نیت وارادت ٹھیک ہو، مگر کسی رکاوٹ کی وجہ سے مراد پوری نہ ہو تو ایسا ہے جیسے بیماری حج اور جہاد سے آدمی کو روک دیتی ہے، یا مفلسی اور غربت خیرات کرنے کا موقع نہیں دیتی، اسی طرح چونکہ ان کی نیت درست رہتی ہے اس لیے یہ لوگ بھی حج، جہاد اور صدقہ کا ثواب انھیں لوگوں کے برابر پا لیتے ہیں جنھوں نے حج جہاد اور صدقہ کیا ہو۔ اور اس طرح کی باتیں قرآن اور حدیث میں بہت آئی ہیں۔ دن رات دل کو جلاؤ اور روتے رہو اور ان باتوں کے پورا نہ ہونے کی حسرت میں جلتے رہو۔ اگر خدا نے چاہا تو نیت وارادت درست ہو جائے گی۔ کیونکہ صرف کاموں کی قدر نہیں ہے، بلکہ اصل قدر دل کی ہوتی ہے بہتیرے ایسے لوگ جو اپنے گھروں میں سوئے ہوئے ہیں مگر غازیوں کا ثواب اُن کو مل رہا ہے اور بہت سے لوگ جو لڑائیوں میں شہید کر دیے گئے وہ کافروں کی صف میں کھڑے کیے جاتے ہیں۔ اس شہادت سے اُن کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ اَکْثَرُ شُھَدَآءِ اُمَّتِیْ اَصْحَابُ الْفُرُشِ وَرُبَّ قَتِیْلٍ بَیْنَ الصَّفَّیْنِ اَللّٰہُ اَعْلَمُ بِنِیَّتِہٖ (میری اُمت کے اکثر شہید گھوڑے سوار ہیں اور ممکن ہے دو صفوں کے درمیان قتل کیے گئے ہوں۔ لیکن اللہ ہی اُن کی نیتوں کا جاننے والا ہے) اس راستے میں اپنے غم پر ماتم کرنے سے بڑھ کر کوئی چیز نفع بخش نہیں۔ جیسا کہ فرمایا ہے اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ کُلَّ قَلْبٍ حَزِیْنٍ۔ (اللہ غمگین دلوں کو دوست رکھتا ہے)۔ تم نے یہ روایت سنی ہو گی کہ جب مسجد نبوی میں منبر بنایا گیا تو حنانہ، جو کھجور کا ایک ستون تھا اور حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اُس پر خطبے کے وقت ٹیک لگاتے تھے آپ کی جدائی کے غم میں رونے لگا۔ غیب سے فرمان ہوا کہ حنانہ کو تسکین دو۔ کیونکہ مہجوروں اور بیماروں کا رونا خدا کے نزدیک قابل قدر ہے۔ اور اُس کا فضل جس کا کوئی سبب نہیں ایک شخص پر نوازش و کرم کی بارش کرتا ہے۔ اور اُس کا الطاف

جس کا کوئی سبب نہیں ایک دوسرے شخص کو یوں ہی چھوڑ دیتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جن کو بت خانہ سے تعلق تھا قبول فرما لیے گئے اور عبد اللہ ابی کعب جس کا ڈیرہ مسجد میں تھا گمراہی اور پستی میں ڈال دیا گیا۔ جس نے یہ کہا ہے اُس کی جان پر خدا کی رحمت ہو۔ ؎

آن را کہ ہمی سوزی ومی دانی ساخت　　　وان را کہ ہمی سازی ومی دانی سوخت

(آج جس کو تو جلا رہا ہے اُسے جلانا اور بنانا تو جانتا ہے۔ اور آج جس کو بنا رہا اور نواز رہا ہے اُس کو جلانا بھی تو جانتا ہے)۔ اے بھائی! ہم کو تم کو ایسے قہار دجبار سے پالا پڑا ہے کہ آٹھوں بہشت کو ایک دم دوزخ اور دوزخ کو بالکل بہشت اور کعبے کو کلیسا اور بت خانہ کو کعبہ بنا دے تو اُس کی قدرت کے نزدیک دونوں برابر ہیں۔ کوئی کلیجا باقی نہیں جو اس دہشت سے پانی ہو کر نہ بہ جائے۔ ہر وقت ڈرتے اور کانپتے رہو۔ اس کا ڈر لگا ہے کہ کہیں غیب کے پردے سے راندہ دینے والا ہاتھ جس کے لیے کوئی سبب نہیں، نکل آئے۔ اُس کا قہر بھی بے سبب ہے اور اُس کی مہربانی بھی بے سبب ہوتی ہے۔ اُس کی مہربانی کسی گندے ناپاک کو بلا لیتی ہے اور مغفرت کے پانی سے اُس کی آلودگیاں دھو ڈالتی ہے تاکہ اس کے لطف کی پاکیزگی دل سے ظاہر ہو۔ اور اُس کا قہر کسی پاک شخص کو اس لیے بلاتا ہے کہ اس کو دُور پھینک کر جُدائی کے دھوئیں سے اُس کا چہرہ سیاہ کر دے تاکہ شہنشاہِ قہر کے اسباب سے پاکی ظاہر ہو۔ کبھی کسی بد نہاد و بدکار کے گھر سے نبی پیدا کرتا ہے۔ اور کبھی کسی نبی کے گھر سے بدکار و بد نہاد کو وجود میں لاتا ہے۔ کبھی ایک کتے کو اولیاء کی صف میں کھڑا کر دیتا ہے، اور کبھی کسی ولی کو کتوں کے گروہ میں باندھ دیتا ہے۔ لیکن جب وہ مردود کر چکتا ہے تو پھر کسی طرح مقبول نہیں بناتا۔ اور جب وہ قبول کر چکتا ہے تو پھر کسی طرح مردود نہیں کرتا۔ تم کو چاہیے کہ ملک الموت کے آنے سے پہلے اُسی کی طرف توجہ کرو۔ اور اس سے پہلے کہ تم کو پکڑ دھکڑ کر لے جائیں خود ہی اُس کے حضور میں جانے کا قصد کرو۔ اگر گرفتار ہو کر گئے تو لطف ہی کیا رہا۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں ڈالا گیا تو آپ نے نہیں کہا تَوَفَّنِیْ (مجھ کو مار ڈال) اور جب بازارِ مصر میں آپ پر بولی لگائی جا رہی تھی آپ نے نہیں کہا کہ مجھ کو مار ڈال۔ اور جب کھوٹے اٹھارہ درم میں بیچے گئے تو نہیں کہا مجھ کو مار ڈال۔ اور جب قید خانے بھیجے گئے اُس وقت بھی نہیں کہا مجھ کو مار ڈال لیکن جب ملک مصر قبضے میں آ گیا اور سلطنت کا انتظام سنبھال چکے تو اس وقت آپ نے

دعا کی تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصَّالِحِیْنَ۔ اے اللہ مجھے مار ڈال مسلمان ہونے کی حالت میں اور صالحوں کے ساتھ ملا دے۔ والسلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اٹھاونواں مکتوب ۵۸

مسلمانی کے حال میں

میرے عزیز بھائی شمس الدین اللہ تمھارے شریف احوال کو آراستہ کرے۔ جانو کہ مسلمانی کا حال دوسرا ہے اور بشریت کی تعریف دوسری ہے۔ جب تک انسانی صفتیں اخلاص کے ذریعہ زیر نہ ہو جائیں مسلمانی احوال کا دل سے لگاؤ نہیں ہوتا۔ ان صفتوں کے مجموعہ کا نام محقق لوگوں نے نفس رکھا ہے۔ تم نے نفسِ امّارہ کا نام سنا ہوگا، وہ یہی تو ہے۔ بدن اور اُس کے جوڑ بند سانچے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان سے کسی آفت کا ڈر نہیں۔ یہ تو ایک سواری ہے جو دین کے احکام کا بوجھ لاد کر لے جاتی ہے۔ اُس لئے فرمایا ہے کہ ہم نے اپنی قدرت کی بارگاہ سے تم کو ایک سواری دی ہے۔ اس پر سوار ہو کر دین کی راہ میں چلو جب تک وہ ٹھیک راستے پر چلتا رہے کچھ چھیڑنے کی ضرورت نہیں۔ یہ تو احکام کی باربرداری کے لیے ہیں۔ ان کو کچھ تکلیف نہ دو۔ مگر جب وہ دین کے راستے سے بھٹکنے کا ارادہ کریں اُس وقت اپنی ریاضت کے کوڑے سے اُن کو مارو تاکہ ٹھیک راستے پر آجائیں۔ قالب کی صفت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے بدن میں سوئی چبھو چبھو کر یہ کہے کہ میں اپنے نفس کو مار رہا ہوں اور اُس پر غصہ اتار رہا ہوں تو خدا کے نزدیک وہ گنہگار ہوگا بہت سے جاہل اسی غلطی میں پڑے ہوئے ہیں اور اپنی حماقت سے اس کو ایک بڑا کام سمجھتے ہیں۔ خبردار شریعت کی حد سے آگے نہ بڑھنا۔ یہ ایک بڑی اچھی سواری ہے اور خدا کی امانت کا بوجھ سنبھالنے کے قابل ہے۔ خدا کے عہد و پیمان کا بار اس کے سوا کوئی نہیں کھینچ سکتا اور اس کے سوائے عبودیت کے مقام تک کسی اور کے پہنچنے کی امید نہیں کی جا سکتی۔ اس کی ایذارسانی کا خیال کبھی نہ کرنا۔ یہ نفس اس کا سزاوار ہے کہ اس کو اکھاڑ پھینکا جائے اور اس کا مستحق ہے کہ قہر اور غصہ سے دبا دیا جائے۔ وہ چاہتا ہے کہ بشریت کی صفت اور سرکشی کے ذریعہ تمھارے دین پر دھاوا بولے۔ اور تمھارے

اسلام کی دولت کو لوٹ لے اور مصیبتوں کا دروازہ تمہارے لیے کھول دے نفس کی اس خواہش کو دبائے رکھنا اور اپنے دل کو اس کے فتنوں سے بچائے رکھنا چاہیے ۔ اور اس کی بلاؤں سے اپنے ظاہر کی حفاظت کرنا پہلا فرض ہے ۔ جو خواہشِ نفسانی کی پیروی کرتا ہو اور اس سے لطف اُٹھاتا ہو اس کو کہہ دو کہ اسلام کا نام زبان پر نہ لائے اور پیغمبرِ اسلام کی امت ہونے کا دعویٰ نہ کرے ۔ اللہ تعالیٰ بہت بڑا دانا و بینا ہے دوست اور دشمن کو خوب پہچانتا ہے وَاللّٰہُ یَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ۔ (اور اللہ تعالیٰ مصلحین میں مفسدین کو خوب جانتا ہے) ہمارے سردار پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بالکل معصوم ہیں ۔ اپنی امت کے لوگوں کو خوب پہچانتے ہیں ۔ مَنْ غَشَّنَا فَلَیْسَ مِنَّا اَیْ فِیْ دِیْنِنَا (جس نے ہم کو آلودہ کیا وہ ہم میں سے نہیں ۔ یعنی ہمارے دین میں نہیں ہے) ۔ مثنوی

۱؎ الا اے سر بہ غفلت در نہادہ	بہ دنیا دینِ خود بر باد دادہ
۲؎ ترا اندوہِ نان و جامہ تا کے	ترا از ننگ و نامِ عامہ تا کے
۳؎ چرا مغرور جائے دیو گشتی	تو دیوانہ شدی کالیو گشتی
۴؎ چو زین گلخن بداں گلشن رسیدی	ہمین انگار کین گلخن نہ دیدی

(۱؎ اے غفلت میں سر جھکائے ہوئے انسان ہوشیار ہو جا ۔ تو نے دنیا کے عوض دین کو برباد کر دیا ہے ۔ ۲؎ تجھ کو روٹی کپڑے کا غم کب تک رہے گا اور تجھ کو نیک نامی اور بد نامی کی فکر کب تک ستاتی رہے گی ۔ ۳؎ کیوں شیطان کی جگہ غرور میں مبتلا ہو گیا ہے ۔ تو دیوانہ اور پاگل ہے ۔ ۴؎ جب تو اس آگ کی بھٹی کو چھوڑ کر اس چمنستانِ لطافت میں پہنچ جائے گا تو ایسا معلوم ہو گا کہ یہ بھٹی کبھی دیکھی ہی نہ تھی) ۔ سارے جہان کا لشکر دو قطاروں میں بٹا ہوا ہے ۔ ایک خدا کا لشکر اور ایک شیطان کا لشکر ۔ اب تم غور سے اچھی طرح دیکھو کہ تم کس گروہ میں شامل ہو ۔ اسی جہان سے دو راستے نکلے ہیں ۔ لوگ ایک زمانے سے اس آیت کے حکم پر چل رہے ہیں ۔ فَرِیْقٌ فِی الْجَنَّۃِ وَفَرِیْقٌ فِی السَّعِیْرِ (ایک جماعت جنت اور ایک جماعت دوزخ میں ہے) ۔ لیکن قیامت میں اس کا حال ظاہر ہو گا ۔ بہت دنوں سے بہشت اور دوزخ کا راستہ کھول دیا گیا ہے ۔ اور لوگ اس پر چل بھی رہے ہیں ۔ قیامت کے دن کو بہشت یا دوزخ میں جانے کا حکم سنانے کی ایک گھڑی سمجھو ۔ لیکن راستہ چلنے کا تعلق اسی عالم سے ہے ۔ جو شخص دنیا میں دوزخ کے راستے پر چلا ہے وہ اگر قیامت میں چاہے کہ بہشت کا راستہ اختیار کرے تو اس کو اس کی اجازت نہ ہوگی

اس کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم کے قید خانے میں بند کر دیا جائے گا۔ اور حسرت و افسوس کے کوڑے کی مار اس کے دل اور آنکھوں پر ہمیشہ پڑتی رہے گی۔ اسی بھید کے متعلق کہا ہے۔ مثنوی۔

یکے را خواہ تا در رہ نہ مانی — فلک را و باش تا در چہ نہ رانی

دو گیتی را نہ جوید ہر کہ مرد ست — یکے را جوید او کین ہر دو گرد ست

بہشت آدم بہ دو گندم بداد ست — تو اش بفروش گر کارت فتاد ست

(ایک ہی کی جستجو کرتا کہ راستے میں پڑا نہ رہ جائے۔ آسمان کی طرف اڑ تاکہ کنوئیں میں نہ گر جائے۔ جو بہادر ہے وہ دونوں جہان پر لات مارتا ہے۔ وہ ایک ہی کو تلاش کرتا ہے کیونکہ یہ دونوں جہان اُس کی نگاہوں میں گرد کے برابر ہیں۔ حضرت آدمؑ نے دو گیہوں کے عوض بہشت بیچ ڈالی۔ اگر تجھے بھی کوئی کام کرنا ہے تو اس کو بیچ ڈال)۔ اے بھائی محققوں کا کہنا ہے کہ اس جہان کے پہچاننے میں لوگوں نے غفلت کی ہے۔ اگر اس سرائے کا ایک ذرہ بھی اپنے پیدا ہونے کا بھید تم پر کھول دے اور تم سے محبت کرنے لگے تو تمھاری نظروں میں اس قدر پیار اور بزرگی ہو کہ آٹھوں بہشت تمھاری غلامی کرنے لگیں۔ جو لوگ جھگڑوں اور غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اس کی قدر آخر ان کو معلوم ہو گی۔ مگر اس وقت، جب کام ہاتھ سے نکل چکا ہو گا۔ اُس وقت مصیبت اور حسرت کے سوا کچھ بنائے نہ بنے گی۔ مثنوی۔

زند انگشت و دیدہ بر کند زود — بہ خواری دیدہ بر رہ افگند زود

اسیرے را بصد درد و ندامت — بہ دوزخ می برند اندر قیامت

چنیں گوید کہ از دیدہ چہ مقصود — نہ خواہم دید بے دیدارِ معبود

(ایک قیدی کو بڑی ذلت اور مصیبت کے ساتھ قیامت کے دن دوزخ میں لے جائیں گے تو وہ انگلی سے اپنی آنکھیں نکال کر نفرت کے ساتھ راستے میں پھینک دے گا۔ اور کہے گا کہ ایسی آنکھوں سے کیا فائدہ۔ جب معبود کا دیدار ہی نہیں تو میں ان کو دیکھنا نہیں چاہتا)۔ بارگاہِ خداوندی سے یہ خطاب آ رہا ہے کہ اس عالم میں دل نہ لگاؤ۔ یہ دولت کبھی نہیں مل سکتی۔ تم اپنا وقت برباد کرتے رہے۔ روز پانچ وقت ہمارے ڈھنڈورا پیٹنے والے تم کو ہماری درگاہ میں بلاتے ہیں۔ اور تم حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ اور حَیَّ عَلَی الفَلاح کی آواز نہیں سنتے۔ اور اس دولت سے

محروم رہے۔ ہم نے تمھارے لیے خوش نصیبی کے دروازے بند کردیے ہیں۔ اگر زمین و آسمان سب مل کر خون روتے رہیں، اس تمنا میں، کہ ایک دفعہ بھی ہم کو اجازت ملتی کہ ہم ایک رکوع یا کوئی سجدہ ادا کرتے۔ تو ہر گز وہ یہ دولت نہ پاسکیں گے اور ہمیشہ ہمیشہ محروم ہی رہیں گے۔ ذَھَبَتِ الدُّنْیَا وَبَقِیَتِ الْاَعْمَالُ فِیْ اَعْنَاقِکُمْ (دنیا تو گذر گئی۔ اب تو صرف دنیا کے کام تمھاری گردنوں پر باقی رہ گئے)۔ ایک عارف نے کہا ہے کہ جب تک بہشت کی رشوت کا وعدہ نہ کیا جائے کوئی خدا کی پرستش اور بندگی نہیں کرتا۔ اور جب تک ساتوں جہنم سے ڈرایا دھمکایا نہ جائے گناہوں سے باز نہیں آتا یہ اس بات کی علامت ہے کہ شہنشاہِ توحید نے اس کے دل کے ساتھ محبت کا رشتہ اب تک قائم رکھا ہے۔ دیکھو مثال کے طور پر۔ اگر رضوان آٹھوں بہشت لیے تمھارے دروازے پر آئے اور تم کو اختیار دے کہ چاہے دو رکعت نماز شرائط و آداب کے ساتھ پڑھو، چاہے بے حساب و کتاب بہشت کے محل میں چلے جاؤ تو توحید کا حق تو یہ ہے کہ تم دو رکعت نماز پڑھنا ہی پسند کرو تاکہ بہشت پر تمھارا بڑا احسان رہ جائے اور وہ خود تمھارے پاس پہنچ جائے۔ ایک ہمت والے نے کہا ہے۔

؎ گوہرِ عشقِ تو چو در کانِ ماست	بارِ بلاہائے تو بر جانِ ماست
؎ نامِ تو خود مونسِ جان و دل است	ذکرِ تو آسایشِ ارکانِ ماست
؎ عقل چو شد بندۂ درگاہِ تو	شاہِ جہان خادم و دربانِ ماست

(جب تیرے عشق کا موتی ہمارے دل کے خزانے میں ہے تیری بلاؤں کا بوجھ ہماری جان پر ہے۔ تیرا نام ہماری جان اور دل کا غمگسار ہے۔ تیری یاد ہمارے عناصر زندگی کو سکون پہنچاتی ہے۔ جب ہماری عقل تیرے دربار کی غلام بن گئی تو دنیا کا بادشاہ بھی ہمارا دربان و خادم ہے) یہ اتنی بڑی دولت ہے کہ قُسِمَتِ الصَّلٰوۃُ بَیْنِیْ وَبَیْنَ عَبْدِیْ نِصْفَیْنِ نِصْفُھَا لِیْ وَنِصْفُھَا لِعَبْدِیْ (نماز دو حصوں میں بانٹ دی گئی ہے آدھی ہمارے لیے اور آدھی ہمارے بندے کے لیے) بہشت میں کہاں پا سکتے ہو یہ دولت سوائے نماز کے حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس خاکی سرشت کے لیے اس سے بڑھ کر کون سی دولت ہو سکتی ہے کہ آدھی ہمارے لیے اور آدھی ہمارے بندے کے لیے۔ نماز میں جو حمد اور تعریف ہے وہ ہمارے لیے ہے

اور حاجت و نیاز پیش کرنے کا جہاں تک تعلق ہے وہ تیرے لیے ہے اور تیرا حق ہے۔ جب تو نے ہمارا حق بڑی خوشی اور حبِّ دلی کے ساتھ ادا کیا، تو تیری دعا اور گڑگڑانے کا جو مقصد ہے ہم اس کو پورا کردیں گے۔ اگر نماز کی عزت کی قدر تم پہچانتے ہوتے تو بہشت کا لالچ نہ کرتے۔ اور اگر تم نماز کی سواری پر سوار ہوئے ہوتے تو اتنی بے خبری ہوتی کہ دوزخ کے عذاب کی کوئی حس ہی نہ ہوتی بہشت کی نعمت پر ناز کرنا اور عذابِ دوزخ سے ڈرنا حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے کہاں ظاہر ہوتا ہے۔ اِنَّ اَحَدَکُمْ اِذَا دَخَلَ فِی الصَّلٰوۃِ فَاِنَّہٗ یُنَاجِیْ رَبَّہٗ۔ وَرَبُّہٗ بَیْنَہٗ وَبَیْنَ الْقِبْلَۃِ (جب تم میں سے کوئی شخص نماز میں داخل ہو جاتا ہے تو اس کا رب اس کو نجات دیتا ہے۔ اور اُس کا رب اُس کے اور قبلہ کے درمیان میں ہوتا ہے) عقل کی تمام بزرگیوں کو آگ میں جھونک دینا چاہیے سمجھ اور انسانی احساس کے ٹکڑے کر ڈالو جب کہیں اس حدیث کے مطلب تک پہنچ سکو گے رَبُّہٗ بَیْنَہٗ وَبَیْنَ الْقِبْلَۃِ (اُس کا رب اُس کے اور اُس کے قبلہ کے بیچ میں ہے) یہ صحیح بخاری کی حدیث ہے۔ مذاکروں کے دفتر کی نہیں۔ اور یہ فتوے ان الفاظ میں اس کی تائید کرتا ہے۔ مَنْ اَتٰی مَسْجِدًا فَھُوَ زَائِرُ اللّٰہِ وَحَقٌّ عَلَی الْمَزُوْرِ اَنْ یُّکْرِمَ زَائِرَہٗ (جو شخص مسجد میں داخل ہوا وہ خدا کی زیارت کرنے والا ہے اور جس کی زیارت کی جاتی ہے اُس پر یہ ضروری ہے کہ زیارت کرنے والے پر بخشش اور کرم فرمائے)۔ کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس نے ہماری راہ میں سچائی کے ساتھ قدم رکھا ہو اور ہم نے اپنے اکرام اور بخشش سے اُس کو نوازا نہ ہو لیکن ہمارے ساتھ کسی کو یہ دین کا دعویٰ نہ کرنا چاہیے جس شخص کو تم نماز کے وقتوں میں بازار میں چلتے پھرتے دیکھو اُس کی ذلت اور بدنصیبی پر ماتم کرو۔ اس کو اجازت ہی نہیں دی گئی ہے اور وہ نمازیوں کی صف سے نکال دیا گیا ہے۔ اے بھائی! اگلے لوگوں کی زندگی ایسی تھی، اور ہم لوگوں کی عمریں کھیل تماشے میں گزر رہی ہیں۔ کل قیامت کے دن ان صدیقوں کا ایک ایک رُواں مرتبے میں ایک ہزار عالم کے برابر ہوگا۔ اور ہمارے جیسے لاکھوں ایک تنکے کی برابری بھی نہ کرسکیں گے۔ جتنے بیدار بخت ہیں سبھوں کو ہمارے دین و مذہب کا ماتم ہے۔ اور ہم لوگوں کو دن رات اسی کی فکر ہے کہ کیا کھائیں اور کیا پہنیں۔ اس پُر فریب دنیا میں یوں ہی غفلت میں مر جاؤ گے۔ اور قیامت میں یہی حسرتیں لیے قبر سے اُٹھو گے۔

ازین کافر کہ مارا در نہاد ست مسلمان در جہان کمتر فتاد ست

(یہ نفسِ کافر جو ہماری فطرت میں موجود ہے۔ حقیقی مسلمان دنیا میں اس کی وجہ سے بہت کم پائے جاتے ہیں)۔ یہ قصہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دن عید کے موقع پر حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ آپ سیاہ کپڑے پہنے ہوئے رو رہے ہیں۔ لوگوں نے اُن سے کہا کہ آج کا دن اور یہ کالا کپڑا۔ آپ کی یہ حالت کیوں ہے؟ آپ نے فرمایا۔ ایک جہان کو میں دیکھ رہا ہوں کہ آج نئے کپڑے پہنے ہوئے کھیل تماشے میں مصروف ہیں اور کسی کو خدا کی خبر نہیں میں آج ان لوگوں کی بدنصیبی پہ ماتم کر رہا ہوں۔ اور اُن کی غفلت پر رو رہا ہوں۔ اے بھائی! تم غفلت میں پڑے ہوئے ہو اور خدا کی معرفت کا دروازہ اپنے اوپر بند کر چکے ہو اور اپنی عادت اور خواہشات پر جمے ہوئے ہو۔ قابلِ قدر زندگی تم نے برباد کر ڈالی۔ کسی دن بھی زندگی کا پھل تم نے نہیں چکھا بے وفائی اور ناانصافی کے ساتھ تمھارا میل جول ہے اور گناہوں اور نافرمانیوں سے تم نے محبت کی ہے۔ اے بھائی! یقین کر لو کہ جب تک ان گمراہیوں کی محبت کا لباس اتار کر نہ پھینک دو گے دین کی پوشاک تمھیں نہیں پہنائی جائے گی۔ اور جب تک اس نفس کو جس نے خواہشات میں پھنسا رکھا ہے، دشمن نہ سمجھو گے دین کے چہرے کی آب وتاب ہرگز نہ دیکھ سکو گے۔ اور جب تک یہ کھیل جو شیطان کے ساتھ کھیل رہے ہو اُٹھا نہ پھینکو گے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کا جلوہ نظر نہ آئے گا اور جب تک دنیا کی طرف سے انجان نہ بن جاؤ گے صدیقوں کا راستہ نہ پا سکو گے۔ مثنوی۔

۱ چو ابراہیم بت را بر زمین زن نفس از لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ زن

۲ درین رہ صد ہزاران سر چو گویست چہ جائے کار و بار و گفتگو لیست

۳ براہِ عاشقاں در نہ قدم تو چہ باشی از سگے در راہ کم تو

(حضرت ابراہیمؑ کی طرح بتوں کو زمین پر پٹک دے۔ "میں ڈوبنے والوں کو دوست نہیں رکھتا" کا دم مار۔ اس راستے میں ہزاروں سر گیند کی طرح مارے مارے پھر رہے ہیں۔ یہ لمبی لمبی باتیں کرنے اور ڈینگ مارنے کی جگہ نہیں۔ عاشقوں کے راستے میں چل کھڑا ہو۔ کیا اس راہ میں تو ایک کتے سے بھی کم رہ جائے گا؟)۔ اے بھائی جس نے تم کو فرشتوں سے سجدہ کرایا اور آسمان والے کو تمھارا دشمن بنا دیا، اُس نے ایک بہت بڑا کام تمھارے سپرد کیا ہے۔ یقیناً اس گندی

اور کثیف مٹی کے اندر کوئی پاک اور روشن مقصد چھپا ہوا ہے کہ فرشتوں کی عقلیں اور انسان کی سمجھ ان اسرار کے دریافت کرنے سے عاجز ہے۔ جب اس مقصد کی کرن پھوٹنے لگتی ہے تو آسمان پریشان اور فرشتے چکر میں پڑ جاتے ہیں۔ اس کو عاجزی انکساری اور اس کو اقرار درماندگی کرنا واجب ولازم ہوگا۔ حضرت خواجہ عطار رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرف اشارہ کیا ہے مثنوی

۱۔ فرشتہ گر بہ بیند جوہر تو	دگر رہ سجدہ آرد بر درِ تو
۲۔ نہ مسجودِ ملائک جوہر تست؟	نہ تاجے از خلافت بر سر تست؟
۳۔ خلیفہ زادۂ گلخن رہا کن	بہ گلشن شو گدا طبعی رہا کن
۴۔ بہ مصر اندر برائے تست شاہی	تو چون یوسف چرا در قعر چاہی

(اگر تمھاری حقیقتِ انسانی کو فرشتے دیکھ لیں تو دوسرے طریقہ سے تمھارے دروازے پر سجدہ کریں۔ کیا تم کو فرشتوں سے سجدہ نہیں کرایا گیا۔ کیا خلافت کا تاج تمھارے سر پر نہیں رکھا گیا؟! تم خلیفہ کی اولاد ہو اس آگ کی بھٹی کو چھوڑ دو۔ جنت میں آجاؤ اور فقیروں کا مزاج ترک کر دو۔ مصر کی بادشاہت تمھارے لیے ہے۔ تم کیوں یوسف کی طرح کنوئیں میں پڑے ہوئے ہو۔

مِنْہُ بَدَاءَ وَ اِلَیْہِ یَعُوْدُ۔ (اسی سے ابتدا ہوئی اور اسی کی طرف لوٹنا ہے) اسی بھید کو ظاہر کرتا ہے۔ جو لوگ معانی کے سمجھنے والے ہیں ان کے نزدیک جب تمھاری ابتدا اُسی سے ہے تو بغیر اس کے تمھارا وجود نہیں ہو سکتا۔ اور جب تمھاری انتہا اُسی تک ہے تو تم سوائے اس کے اور کہیں جا بھی نہیں سکتے۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا تعلق عالم لامتناہی سے ہے۔ اس سے ایک ذرہ کے برابر کوئی چیز جدا نہیں ہو سکتی اور نہ کسی دوسری چیز کے ساتھ مل سکتی ہے جب اُسی سے ابتدا ہوئی تو انتہا بھی یقینی اسی تک ہوگی۔ تو جدا ہونے اور ملنے کا ذکر اور آنے جانے کی باتیں ظاہری ہیں۔ اور یہ بڑی لمبی کہانی ہے۔ اس کے بیان کرنے سے بچنا ہی بہتر ہے۔ حضرت خواجہ عطار رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ مثنوی

۱۔ درین اندیشہ بودم سالہا من	بسے معلوم کردم حالہا من
۲۔ ہمہ گر پس رَود گر پیشوا یند	درین حیرت برابر می نمایند
۳۔ کسے آگہ نہ از سِرِّ الٰہی	اسیرانیم از مہ تا بہ ماہی

۴ بسے سررشتۂ این راز جستیم | نہ دیدم ارچہ عمرے باز جستیم
۵ مگر این راز این جا گفتنی نیست | درِ اسرار این جا سفتنی نیست

(میں اس سوچ میں برسوں پڑا رہا۔ اور بڑے بڑے احوال میں نے معلوم کیے۔ جتنے بھی پیچھے چلنے والے یا آگے چلنے والے ہیں سب اس حیرت میں برابر نظر آتے ہیں۔ کوئی بھی اسرار خداوندی سے آگاہ نہیں ہے۔ عرش سے فرش تک ہم سب اسی حیرت کی قید میں اسیر ہیں۔ ہم نے بہت کچھ اس راز کا سرا تلاش کیا۔ لیکن ایک عمر تلاش کرنے کے بعد بھی نہ پا سکے۔ لیکن یہ راز یہاں کھولنے کے لائق نہیں ہے۔ اس راز کے موتی اس جگہ پر دے نہیں جا سکتے۔ والسلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انسٹھواں مکتوب ۵۹

اچھے اخلاق کے بیان میں

میرے عزیز بھائی شمس الدین۔ اللہ تم کو اچھے اخلاق کے ساتھ مشرف کرے۔

جانو کہ اخلاق آغازِ فطرت میں سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کو دیا گیا ہے۔ اور آدم علیہ السلام سے انبیاء اور رسولوں نے ترکہ میں پایا ہے۔ یہاں تک کہ حضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا۔ اور آپ سے آپ کی امت کو ملا ہے۔ اسی طرح تمام برے اخلاق تقسیم کے وقت شیطان کو دیے گئے۔ اور اس سے متکبروں اور نافرمانی کرنے والوں تک پہنچے اور یہی شیطان کی امت کہلائے۔ تو جو کوئی شریعت کی پیروی میں زیادہ مضبوط ہو گا اُس کی خصلت بھی اچھی ہو گی۔ کیونکہ اچھی خصلت والا بارگاہِ خداوندی میں زیادہ عزیز ہوتا ہے۔ جب اچھا اخلاق حضرت آدمؑ کا ترکہ ہے اور خداوند جہان کی طرف سے تحفہ دیا گیا ہے تو مومن کے لیے اچھی خصلت سے بڑھ کر اور کوئی آرائش و زیبائش نہیں ہے۔ نیک اخلاق کی حقیقت احکامِ خداوندی کی بجا آوری اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنا ہے۔ کیونکہ آپ کا رہن سہن اور آپ کے جملہ حرکات و افعال بہت پسند تھے۔ تو جو شخص آپ کی پیروی کرتا ہے اس کو لازم ہے کہ اس طرح زندگی بسر کرے جیسی حضرتؐ نے کی ہے تو ضروری ہے کہ اپنے اور غیر کے دُور و نزدیک والوں کے ساتھ اچھے برتاؤ رکھے۔

اور لوگوں کے ساتھ بدمزاجی سے پیش نہ آئے، تاکہ مروت مٹ نہ جائے۔ اور بدخصلتی نہ کرے تاکہ خوش دلی میں فرق نہ آنے پائے۔ اور ہر وقت ہنس مکھ اور کم بولنے والا رہے۔ جس سے ملے پہلے خود سلام کرے۔ کیونکہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات اصحاب کے ساتھ اگر ایک دن میں سو مرتبہ بھی ہوتی، تو آپؐ ہر بار سبھوں کو سلام کرتے تھے۔ اور جو کچھ اس کو میسر ہے اسی میں سخاوت کرے۔ کیونکہ حضورؐ کی عمر میں کبھی اس کا موقعہ نہ آیا کہ رات تک آپؐ کے پاس ایک درم یا ایک دینار باقی بچا ہو۔ اگر اتفاق سے کچھ رہ جاتا تو جب تک کسی کو دے نہ دیتے آپؐ حجرے میں تشریف نہ لے جاتے۔ کسی کی غیبت، گالی اور جھوٹ زبان سے نہ نکالے۔ اور اپنے کاموں میں زیادہ تکلف اور بڑھاؤ چڑھاؤ کرنے سے پرہیز کرے۔ کیونکہ اچھے اخلاق کی صفت بے تکلفی اور سادگی ہے۔ اپنے احوال اعمال اور گفتگو میں سچائی کے دامن کو نہ چھوڑے اور شریعت کی اتباع میں کھانا، سونا، پہننا اور بولنا کم کردے اور ہر حال میں ہمت بلند رکھے اور بخل و خست کی وجہ سے کسی لالچ کے ساتھ اپنے کو آلودہ نہ کرے اور شک و شبہ اور برباد کردینے والے خیالات سے کنارہ کشی اختیار کرے اور اس کی کوشش کرتا رہے کہ ہر حال میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کی پیروی ہو۔ اور جہاں تک ہو سکے بُرے اخلاق سے پرہیز کرے۔ بلکہ اُسے اپنے پاس بھی نہ پھٹکنے دے تاکہ اس کی نسبت شیطان سے نہ ملنے پائے اور کسی وقت شیطان کی طرح بدکردار اور بدزبان نہ ہو۔ حضورؐ سے نقل ہے کہ آپ نے فرمایا جو تجھ سے کٹ جانا چاہے اس سے مل، اور جو تجھ پر ظلم کرے اُس کو معاف کردے۔ اور جو تجھ کو کچھ نہ دے تو اس کو دے۔ آپؐ کو خدا کا یہ فرمان تھا کہ لوگوں کو خدا کی راہ پر لانے کے لیے حکمت کے ساتھ نرم الفاظ میں نصیحت فرمائیں، جو بہت اچھے ہوں۔ جب موسیٰ علیہ السلام کو ہارون علیہ السلام کے ساتھ فرعون کی تبلیغ کے لیے بھیجا گیا تو اُن سے کہا گیا فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا۔ (اس سے نرم گفتگو میں باتیں کرنا)۔ حضرت انس مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے دس برس تک حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی۔ اتنے دنوں میں کسی کام پر مجھ کو نہیں کہا کہ تو نے کیوں کیا؟ یا بُرا کیا۔ جب میں اچھا کام کرتا تو آپ دعا دیتے تھے اور جب کوئی کام خراب ہو جاتا تھا تو فرماتے تھے۔ كَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا۔ (اللہ کا حکم اس کی قدرت میں پوشیدہ تھا)۔ وہ

کہتے ہیں کہ آپؐ اپنے گھوڑے کا دانہ گھاس خود دیتے، اپنے ہاتھ سے کپڑے سیتے اور پیوند لگاتے، گھر کے کاموں میں خادموں کے ساتھ شریک ہو جاتے، جوتوں کے بند ٹوٹ جاتے تو اپنے دستِ مبارک سے ٹانکتے، خود جھاڑو دیتے اور چراغ جلاتے تھے۔ اگر کسی کو آپؐ کوئی کام کرنے کے لیے کہتے اور وہ اپنی حماقت اور نادانی کی وجہ سے نہ کرتا، اور دوسرے لوگ اس پر لعن طعن کرتے اور تکلیف پہنچاتے تو آپ گوارا نہ فرماتے اور اس کی اجازت نہیں دیتے۔ حضورؐ کی تمام عمر میں گالی گلوچ، طعنہ و تشنیع کے الفاظ زبان پر نہیں آئے۔ آپ کا چہرہ مبارک ہمیشہ ہنستا ہوا ہوتا اور اگر کوئی مسلمان آپؐ کے پاس پہنچ جاتا تو آپ ہی سلام کے لیے سبقت فرماتے اور اصحاب کے ساتھ اس طرح گھل مل کر بیٹھتے تھے کہ کوئی امتیاز نہ ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ اجنبی کو پہچاننے میں شبہ ہوتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں؟ اور صحابہؓ کی عزت و تکریم کی وجہ سے اُن کے نام نہ لیتے بلکہ ان کی کنیت وغیرہ سے پکارتے تھے۔ اگر کسی کی کنیت نہ ہوتی تو اس کی ایک کنیت آپ خود رکھ دیتے تھے۔ اور اگر صحابہؓ میں سے یا کوئی دوسرا شخص آپ کو پکارتا تو آپ لبّیک فرمایا کرتے تھے۔ اگر بچوں کی منڈلی کی طرف سے گزرتے تو اُن کو سلام کرتے۔ اور مسلمانوں کا عیب ہمیشہ چھپایا کرتے تھے۔ جیسا کہ ایک چور کو آپؐ نے فرمایا اَسَرَقْتَ قُلْ لَا (تونے چوری کی؟ کہہ دے، نہیں)۔ بال بچوں اور غلاموں کا حق برابری کے ساتھ جس طرح شریعت میں ہے لحاظ رکھتے۔ اور دین کی تبلیغ کرنے میں کفار کی گالیاں، لعن طعن اور مار تک برداشت کرتے۔ کبھی کسی سائل کو محروم واپس نہ کرتے۔ اگر کچھ موجود ہوتا تو دیتے ورنہ فرماتے اگر خدا نے چاہا تو ہم دیں گے۔ اپنے کام کے لیے آپ کسی پر غصہ نہ کرتے اور دینِ حق کے اعلان میں خوف سستی اور تغافل نہ فرماتے تھے۔ پریشانی اور بیماری کی حالت میں اپنے دوستوں کی مدد کرتے۔ اگر کسی وقت ان کو نہ دیکھتے تو ان کے گھر تشریف لے جاتے تھے۔ اگر آپؐ کا غلام بیمار پڑ جاتا تو اُس کی جگہ آپ خود اس کا کام انجام دیتے تھے۔ بازار سے سودا لا دیتے تھے۔ آزاد اور غلاموں کی دعوت قبول فرماتے اور تحفے لے لیتے تھے، اگرچہ ایک گھونٹ دودھ ہی کیوں نہ ہوتا۔ آپ کے یار دوست جو کھانا بھی، اگر جائز ہوتا جیسے خرگوش وغیرہ پیش کرتے تو شوق سے کھا لیتے۔ کبھی کھانے میں عیب نہ نکالتے۔ اور جو کپڑا جن کا پہننا مباح ہے جب کبھی مل جاتا تھا پہن لیتے تھے۔ کبھی کمبل

کبھی یمن کی چادر کبھی کھدر اور کبھی سفید کپڑا پہنا کرتے تھے۔ اور جو سواری مل جاتی تھی اُس پر سوار ہوتے تھے۔ کبھی گھوڑا کبھی اونٹ، کبھی گدھا، کبھی پیدل، کبھی ننگے پاؤں، کبھی بغیر کسی چادر کے اور کبھی بغیر پگڑی اور ٹوپی کے راستہ چلتے تھے۔ جیسا موقع ہوتا۔ اور اُس چٹائی پر جس پر کوئی بستر نہ ہوتا آرام فرماتے تھے۔ کوئی شخص آزاد یا غلام یا لونڈی باندیوں میں سے اپنی ضرورت کے لیے آپ کو بلاتا تو کبھی ایسا نہ ہوا کہ حضورؐ نے اُن کے کاموں کو قبول نہ کیا ہو۔ اگر کوئی شخص کسی ضرورت سے آپ کے پاس آتا اور آپ نماز میں مشغول ہوتے تو آہستگی کے ساتھ جلد نماز پوری کر کے اُس کی طرف متوجہ ہو جاتے۔ اور اُس کی ضرورت پوری کر کے پھر نماز پڑھنے لگتے۔ اور جو کوئی آپؐ کے پاس آتا تھا اُس کی تعظیم فرماتے تھے۔ اور اُس کے بیٹھنے کو اپنی چادرِ مبارک بچھا دیتے تھے۔ اور اپنا تکیہ اس کو دے دیتے تھے۔ اگر وہ آپ کے آداب و احترام کا لحاظ کر کے انکار کرتا تو آپ اس کو قسمیں دیتے اور لے لینے پر مجبور کرتے۔ حضرت امام حسن اور امام حسین علیہما السلام کے لیے آپ سواری بن جاتے اور وہ دونوں لاڈلے آپؐ کی پشتِ مبارک پر سوار ہو جاتے اور کہتے اے گھوڑے اِدھر آ، اُدھر جا جس جس طرح وہ کہتے ویسا ہی کرتے تھے۔ ان سب باتوں کی روایت حضرت ابو سعید خدریؓ نے کی ہے، اور حدیثوں کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے۔ اس طرح کے اخلاق آپؐ میں تھے جو بیان کیے گئے۔ اور اسی طرح کے بے شمار اخلاق آپ سے مروی ہیں۔ اگر آپؐ کے وہ معجزے بھی نہ ہوتے تو یہ اخلاقِ حمیدہ اور صفاتِ پسندیدہ ہی آپ کے برحق و برگزیدہ رسول ہونے کے ثبوت میں کافی ہیں۔ چنانچہ کتنے دشمن اور انکار کرنے والے ایسے گذرے ہیں کہ محض آپؐ کو دیکھ کر ہی پکار اُٹھے تھے کہ لَیْسَ هٰذَا وَجْهُ الْكَذَّابِيْنَ (یہ جھوٹ بولنے والوں کا چہرہ نہیں ہے) اور فوراً ایمان لے آتے تھے، اور اسلام قبول کر لیتے تھے، بغیر کسی معجزہ اور دلیل کے۔ یہی وہ اخلاق ہیں جو علم والوں نے طریقت کے راستے میں اختیار کیے ہیں۔ ہر حالت میں یہ لوگ شریعت کی پیروی کرنا ضروری سمجھتے ہیں اور اپنے اخلاق کو سنتِ نبویؐ کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں۔ جب تک کوئی شخص شریعت میں محقق نہ ہوگا طریقت سے اُس کو کوئی فائدہ نہ پہنچے گا۔ اور اس اخلاق کی جڑ معرفت اور بصیرت پر موقوف ہے۔ جو شخص تکبر اور نادانی کے قید خانے میں بند ہو گیا، وہ اِن اخلاق کی پاکیزگی اور صفائی تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس راستے کے چلنے والے

کے لئے ضروری ہے کہ اپنی بصیرت سے اس درجے پر پہنچنے کی کوشش کرے اور انھیں اخلاق نبوی سے آراستہ ہو جائے۔ اور جو کچھ خدا کی بخشش کی وجہ سے حاصل ہو جائے اُسے محفوظ رکھے۔ اور جو نہ ہو سکے اس کو اس گروہ کی صحبت اور خدمت ریاضت اور مشقت سے حاصل کرے۔ کیونکہ بہت سے اخلاق اور حال محنت اور کوشش سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور انسان کو بعض کام کے حاصل کرنے کے لیے مختار بنا دیا گیا ہے۔ اے بھائی! انسان کا نفس آئینہ کی طرح ہے۔ جب اس کی تربیت ہوتی ہے تو اپنے کمال کے درجے پر پہنچ جاتا ہے۔ اور انسانی صفت کے زنگ سے پاک و صاف ہو جاتا ہے اور خداوند تعالیٰ کے جلال و جمال کا جلوہ اپنی ذات میں دیکھنے لگتا ہے۔ اُس وقت اپنے کو پہچانے کہ واقعی وہ کیا ہے اور کس لیے پیدا کیا گیا ہے۔ جیسا کہ ایک بزرگ نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ رباعی

اے نسخۂ نامۂ الہیٰ کہ توئی — وے آئینۂ جمالِ شاہی کہ توئی

بیرون زتو نیست ہر چہ در عالم ہست — در خود بطلب ہر آنچہ خواہی کہ توئی

(کتاب خداوندی کا خلاصہ تو ہی ہے۔ جمالِ شاہی کے دیکھنے کا آئینہ تو ہی ہے۔ جہاں میں جو کچھ ہے وہ تیری ذات سے باہر نہیں ہے۔ اپنے اندر تلاش کر کیونکہ سب کچھ تو ہی ہے)۔ اور یہ شریعت طریقت اور حقیقت کے راستے پر چلنے ہی سے حاصل ہو سکتا ہے۔ کوشش برابر کرنا چاہیے۔ کیونکہ یہ تو معلوم نہیں کہ کس کنجی سے یہ تالا کھلے گا۔ یا کس خوش نصیب کی قسمت میں یہ دولت رکھی ہے۔ ہمیشہ ہمیشہ کی حکمرانی ہر بادشاہ کو نہیں دی جاتی۔ اور عزت و بزرگی کا تاج ہر ایک کے سر پر نہیں رکھا جاتا۔ جیسا لوگوں نے کہا ہے۔ ؎

ملک حبش بہر سلیمان نہ دہند — منشورِ غمش بہر دل و جان نہ دہند

(ہر سلیمان کو ملک حبش نہیں دیتے۔ اُس کے غم کا عطیہ ہر ایک دل اور جان والے کو نہیں ملتا)۔ خدا وند تعالیٰ نے اٹھارہ ہزار عالم پیدا کیے مگر انسان کے سوا ان باتوں سے وہ سب ناآشنا ہیں۔ ان میں سے کسی اور کو کوئی حصہ نہیں دیا گیا ہے۔ ایسی بزرگی موجوداتِ عالم میں سے کسی دوسرے کو نہیں دی گئی یہیں سے ہے جو کہا ہے۔ ؎

پناہِ بلندی و پستی توئی — ہمہ نیست اند آنچہ ہستی توئی

اونچے اور نیچے کی پناہ تو ہی ہے۔ ساری چیزیں مٹ جانے والی ہیں باقی رہنے والی ایک تیری ہی ذات ہے۔ والسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ساٹھواں مکتوب ۶۰

غور و فکر کرنے کے بیان میں

میرے بھائی شمس الدین اللہ تعالیٰ تم کو معزز بنائے۔ جانو کہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تفکر کو خداوندی کاموں میں غور و خوض کرنے کے لیے قائم فرمایا ہے اور کہا ہے تَفَکَّرُوْا فِیْ اٰلَآءِ اللّٰہِ وَلَا تَفَکَّرُوْا فِیْ ذَاتِ اللّٰہِ (غور و فکر کرو خدا کی کائنات اور مصنوعات میں مگر خدا کی ذات میں فکر نہ کرو) جو کوئی خدا کی ذات میں غور و خوض کرے گا وہ بہت جلد کفر میں پڑ جائے گا۔ اس لیے کہ فکر کی جہاں تک پہنچ ہے وہ ایک حد کے اندر گھری ہوئی ہوتی ہے۔ اسی حد میں اُسے فکر کرنے کا موقع حاصل ہو سکتا ہے۔ اور خدا کی ذات اور اُس کی صفتیں حدود اور علم و عقل کے ادراک سے پاک و برتر ہیں۔ تو فکر اس کی مخلوقات میں کرنا چاہیے تاکہ وہ مخلوق کے ردو بدل، قائم و ثابت رہنا، رنگ بدلنا، کبھی ہونا اور کبھی نہ ہونا دیکھ سکے۔ اور مخلوقات کو اس کے وجود کے مرتبوں میں پہچانے۔ یہیں سے خدا کی پہچان کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ پھر طالب کو چاہیے کہ جب اپنے ظاہری اعمال کو پورا کر چکے تو وظیفہ، سنتوں اور فرض کے ادا کرنے کے بعد کسی کسی وقت تفکر بھی کرے۔ اور جہان کے پیدا ہونے کے متعلق غور کرے کہ خدا کی اس میں کیا حکمت ہے۔ اور جو غور و فکر عالم آفرینش کے لیے کرے وہی اپنے نفس، دل اور جسم کیلیے بھی کرے اور اپنے مرتبے میں پیدائش سے لے کر اس وقت تک تلاش و جستجو کرے۔ اور طور طریقے کو غور سے دیکھے۔ اور اس فکر کرنے میں شریعت کے راستے سے بھٹکنے نہ پائے۔ اور اپنے علم و عمل کی پونجی بنائے تاکہ رُکاوٹ، ٹھہراؤ، شک و شبہ اور تردد کی وجہ سے راستہ بند نہ ہونے پائے اور نفع کے لالچ میں پونجی برباد نہ کردے۔ تاکہ اس تفکر کی برکت سے بصیرت کا خزانہ حاصل ہو اور معرفت کا نفع بٹور سکے۔ دوسرے لوگ جو برسوں کی عبادت و ریاضت سے حاصل کرتے ہیں،

سچے تفکر سے تھوڑی ہی مدت میں حاصل ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا ہے۔ تَفَكُّرُ سَاعَةٍ خَيْرٌ مِّنْ عِبَادَةِ سِتِّيْنَ سَنَةً (ایک گھنٹہ کا تفکر ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ اور یہ فکر کرنا درحقیقت دین اور مخلوقات کی حالتوں اور خداوندی حکمت کے فائدوں میں غور و غوض کرنا ہے۔ اور یہی فکر ساٹھ برس کے عمل کرنے کے برابر ہے۔ اور لوگوں نے کہا ہے کہ خداوند تعالےٰ نے جہاں جہاں قرآن شریف میں نظر کرنے کو فرمایا ہے اس سے مراد تفکر کی نظر ہے اور اس کا فائدہ عبرت اور بصیرت حاصل کرنا ہے۔ اس لیے کہ انسان کی آنکھیں آسمان و زمین کے کمالات کو پوری طرح معلوم نہیں کر سکتیں تو اس چیز کا دریافت کرنا جس کو پوری طرح سمجھ ہی نہیں سکتے بے فائدہ ہے۔ اور خداوند تعالےٰ کسی کام کا حکم بیکار نہیں دیا کرتا۔ اور بینائی والوں کے سوا خدا کی بنائی ہوئی چیزوں کی حقیقت کوئی دوسرا نہیں جان سکتا۔ جس طرح ظاہری چیزیں اندھے نہیں دیکھ سکتے آنکھوں والا ان چیزوں کو بالکل ویسے ہی دیکھے گا جیسی کہ وہ ہیں۔ نقولیات کی طرف سے اُس کی نظر بند ہو جائے گی۔ اور جس طرح ظاہری آنکھیں دیکھنے میں مختلف ہوا کرتی ہیں بعض کمزور، بعض قوی بعض جلد بعض دیر میں دیکھا کرتی ہیں، اسی طرح اہلِ دل لوگوں کی آنکھیں بھی بصیرت میں مختلف درجہ رکھتی ہیں۔ بعض آسمان تک بعض عرش تک اور بعض لوح و قلم تک اور بعض جن کی بصیرت کامل ہوتی ہے وہ ساری مخلوقات سے گذر کر خالق کو دیکھتی ہے۔ مذہب و ملت اور عقائد کے فرق کی اصل جڑ یہی ہے۔ غرض کہ تفکر کا مقصد علم اور معرفت کا فائدہ حاصل کرنا ہے۔ جب علم اور معرفت دل کو حاصل ہو گئی، دل کی حالت بدل جائے گی۔ جب دل کی حالت بدلے گی تو عمل اور اعضا کے کام بھی بدل جائیں گے۔ اب گردش کی منزل میں پہنچ جائے گا اس کے بعد گردش سے روش کی منزل میں اور پھر روش کی منزل سے کشش کے مقام میں پہنچ جائے گا۔ اس مقام میں پہنچنے کے بعد ایک ہی جذبہ میں خداوندی جذبات کی عنایت سے اس مقام پر پہنچ جائے گا جہاں کوئی جنات اور انسان اپنے مجاہدہ اور ریاضت کے زور سے نہیں پہنچ سکتا۔ اور تفکر کا پھل بے انتہا علم و احوال ہے جس کا حساب و شمار نہیں ہو سکتا۔ یہ اس لیے کہ اگر کوئی مرید تفکر کے راستوں اور طریقوں کو گننا اور جاننا چاہے کہ کن کن طریقوں سے تفکر ہوتا ہے تو شمار نہ کر سکے۔ کیونکہ فکر کرنے کے طریقے بے انتہا ہیں۔ اور اس کے پھل بھی بہت ہیں۔ اور تفکر کے

متعلق بزرگوں کے بہت قصے ہیں۔ عبد اللہ مبارکؒ نے سہیل بن علیؒ کو دیکھا، تفکر کی حالت میں چپ چاپ بیٹھے ہوئے تھے۔ انھوں نے پوچھا کیسے کہاں تک پہنچے؟ انھوں نے کہا صراط تک۔ خواجہ شریح رضی اللہ عنہ راستہ چل رہے تھے، درمیان میں کہیں بیٹھ گئے اور سر پر کمبل تان لیا اور زار زار رونے لگے۔ لوگوں نے پوچھا کیا ہوا؟ آپ نے کہا میں اپنی عمر کے بیکار گذر جانے پر غور کر رہا ہوں۔ خواجہ داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دن چاندنی رات میں ملکوتِ آسمان کے متعلق تفکر کیا اور روئے۔ یہاں تک کہ روتے روتے پڑوسی کے گھر میں جا گرے۔ گھر کا مالک بستر سے ننگے بدن اُچھل پڑا۔ وہ سمجھا کوئی چور کودا ہے جب حضرتِ داؤدؒ کو دیکھا تو پوچھا آپ کو کس نے گرا دیا۔ آپؒ نے کہا مجھے اپنے گر پڑنے کا کچھ حال معلوم نہیں۔ محمد واسعؒ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد بصرے کا ایک آدمی اُن کی والدہ کے پاس گیا اور پوچھا۔ وہ کس طرح عبادت کیا کرتے تھے؟ انھوں نے کہا کہ دن رات گھر کے ایک کونے میں پڑے رہتے تفکر میں غرق۔ خواجہ فضیل رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تفکر ایک ایسا آئینہ ہے جو تیری اچھائی اور برائی کو تجھے دکھا دیتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں سے پوچھا گیا کہ آج آپ جیسا روئے زمین پر کوئی شخص ہے؟ انھوں نے جواب دیا، ہاں ہے۔ وہ شخص جس کی باتیں ذکر اور جس کا چپ رہنا فکر ہے اور اُس کی نگاہیں عبرت ہیں وہ ہماری طرح ہے۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اگر دو رکعت نماز تفکر کے ساتھ ادا کی جائے تو وہ رات بھر کی اس نماز سے، جو بے دلی کے ساتھ پڑھی گئی ہو کہیں بہتر ہے۔ اور تفکر کی حقیقت میں لوگوں کے بیانات بہت ہیں۔ اس خط میں اسی قدر لکھنا کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری مدد فرمائے تاکہ ہم اس میں تفکر کرتے رہیں جیسا کہ چاہیے اور تفکر کا طریقہ اچھی طرح ہم پر آسان کر دے بِمَنِّہٖ وَفَضْلِہٖ اِنَّہٗ ھُوَ الْمُیَسِّرُ الْمُعِیْنُ (اپنے فضل و کرم سے وہی آسان کرنے والا اور مددگار ہے)۔ اور اگر تم چاہتے ہو مگر میسر نہیں ہوتا تو دل چھوٹا نہ کرو۔ کیونکہ خداوند کریم نے فرمایا ہے اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ (تم ہم کو پکارو ہم تمھاری دعائیں قبول کریں گے)۔ حضرت موسیٰؑ کے مدعا سے بڑھ کر کسی کا مدعا نہیں۔ حضرت موسیٰؑ کے خلوص سے بڑھ کر کسی کا خلوص نہیں۔ حضرت موسیٰؑ کے شوق سے بڑھ کر کسی کا شوق نہیں۔ اس پر لَنْ تَرَانِیْ کی جھڑک یعنی تو ہم کو نہیں دیکھ سکتا۔ ھٰکَذَا قَھْرُ الْاَحْبَابِ (دوستوں کا غضب و غصہ ایسا ہی ہوا کرتا ہے)۔ اے بھائی! ایک گروہ اُس کی جستجو میں رات دن سرگردان ہے اور اُس کو یہ جواب ملتا ہے اَلطَّلَبُ

رُدَّ وَالطَّرِیْقُ سُدَّ (طلب ردّ کر دی گئی۔ اور راستہ بند کر دیا گیا)۔ ؎

تدبیر کند بندہ و تقدیر نہ داند ۔۔۔ تدبیر بہ تقدیرِ خداوند چہ ماند

(بندہ تدبیر کرتا ہے مگر اس کو تقدیر کی خبر نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی)۔ ؎

بسیار خواستم کہ نہم سر بر آستانت ۔۔۔ من خواستم و لے چہ کنم چون خدا نخواست

(میں نے بہت چاہا کہ تیری چوکھٹ پر اپنا سر رکھوں۔ میں نے تو چاہا لیکن کیا کروں اگر خدا ہی نہ چاہے)۔ اور ایک گروہ راستے سے بھٹکا ہوا اور خواہشاتِ نفسانی اور غفلت میں پڑا ہوا ہے۔ اُس کے لیے غیب سے یہ آواز آتی ہے۔ وَاللّٰہُ یَدْعُوْٓا اِلٰی دَارِ السَّلَامِ (اللہ ان کو دار السلام کی طرف بلاتا ہے)۔ ؎

از صومعہ براند و بیگانہ خواندش ۔۔۔ وز بتکدہ بیارد و گوید کہ آشنا ست

(عبادت خانے سے بیگانہ کہہ کر نکال دیتا ہے اور بتخانے سے یہ کہہ کر ساتھ لے آتا ہے کہ یہ میرا دوست ہے)۔ ایک شخص کو دیکھا گیا کہ وہ بیابان میں بغیر کھانے پینے کے سامان اور بغیر سواری کے دوڑ رہا ہے۔ لوگوں نے پوچھا۔ کیا تیرے اوپر حج واجب ہے؟ اُس نے کہا۔ میں یہ تو بہت دل سے جانتا ہوں کہ مجھ پر حج فرض نہیں ہے لیکن اس کو کیا کروں کہ مجھے گھر میں بیٹھنے بھی تو نہیں دیتے۔ ایک لڑکا کسی مکتب خانے سے بھاگ گیا تھا۔ استاد نے لڑکوں کو اُسے پکڑ لانے کے لیے بھیجا۔ وہ زبردستی اس کو لیے جاتے تھے۔ ایک بوڑھے آدمی نے دیکھا اور جھوم کر کہنے لگا۔ کیا خوب! زبردستی اس کو پکڑے لیے جا رہا ہے تاکہ اپنی صفت اس کو عطا کرے۔ یاروں کے کلیجے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ عقلیں اور آنکھیں اندھی ہو گئیں۔ ہونٹوں پر جانیں آ گئیں تعلقات مٹا دیے گئے۔ اور مہر لگا دی گئی۔ جیسا اُس نے چاہا۔ ؎

امروز بہانہ در انداختہ اند ۔۔۔ فردا آن کنند کہ دے ساختہ اند

(آج بہانے مقرر کر دیے ہیں۔ اور کل وہی کریں گے جو کچھ سوچ سمجھ رکھا ہے۔ والسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اکسٹھواں مکتوب ۶۱

تجرید و تفرید کے بیان میں

میرے بھائی شمس الدین اللہ تم کو بزرگی بخشے۔ سنو، پہلا کام جو اس راہ کے طالبوں کے بازار کی چہل پہل اور مریدِ صادق کے لیے نوروز کی مسرتوں کا دن کہا جاسکتا ہے وہ تجرید و تفرید ہے۔ تجرید کے معنی کیا ہیں؟ وہ یہ ہیں کہ جو کچھ تم کو آج ملے اس سے دامن جھاڑ کر صاف نکل آؤ۔ تفرید کا یہ مطلب ہے کہ دل میں کل کی کوئی فکر نہ ہو۔ جیسا کہا گیا ہے ؎

امروز و پری و دی و فردا ہر چار یکے بود تو فرد آ

(آج کل اور پرسوں جو گذر چکا اور کل جو آئے گا۔ یہ چاروں ایک ہو جائیں اگر تم فرد ہو جاؤ)۔ دوسری بات ظاہر اور باطن کی خلوت ہے۔ خلوتِ ظاہری یہ ہے کہ مخلوقات سے کنارہ کشی اختیار کرو اور سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے تصویر کی طرح حیران و خاموش ہو جاؤ۔ یہاں تک کہ تم اُس کے دروازے پر مر جاؤ۔ اور خلوتِ باطنی یہ ہے کہ ماسوا اور اغیار کا خیال ذرا بھی دل میں نہ آنے پائے اور دنیا اور آخرت کی کدورت اور آلائشیں بالکل دھو ڈالو۔ تیسری بات یہ ہے کہ ایک ہی کے ہو جاؤ۔ ایک ہی کا ذکر زبان پر اور ایک ہی کا دھیان دل میں رہے۔ یہاں تک کہ دوسرے کا نام لینا یا کسی کا اندیشہ کرنا حرامِ مطلق سمجھنے لگو۔ چوتھی بات یہ ہے کہ کم بولنے کم کھانے اور کم سونے کی عادت ڈالو۔ کیونکہ انھیں سے نفسِ سرکش کو مدد ملتی ہے اور وہ قوی ہو جاتا ہے۔ زیادہ بکنا خدا کے ذکر سے روک رکھتا ہے۔ بہت سونا غور و فکر سے باز رکھتا ہے۔ اور حد سے زیادہ کھانا گرانی اور سستی پیدا کرتا اور ضروری کاموں میں خلل ڈالتا ہے۔ ہمیشہ باوضو رہنا چاہیے۔ کیونکہ ظاہری طہارت باطنی صفائی کے لیے سہارا ہے۔ ایک بزرگ سے پوچھا گیا کہ طہارت کا کیا راز ہے؟ آپ نے فرمایا اَلطَّھَارَۃُ السِّرّ (طہارت خود ایک راز ہے)۔ جس طرح طہارتِ ظاہری کی ہر وقت ضرورت ہے اسی طرح طہارتِ باطنی کی بھی ہمیشہ حاجت ہے۔ کیونکہ صرف ظاہری طہارت سے باطن کا تزکیہ نہیں ہوتا۔ تم کو جذباتِ حق میں سے کوئی جذبہ کھینچ کر ایسی جگہ پہنچا دے گا کہ اگر تمام جنات و انسان کے معاملے اور مجاہدے

صرف تمھیں کو حاصل ہو جائیں جب بھی تم کو وہاں نہیں پہنچا سکتے۔ جیسا کہا گیا ہے جَذْبَۃٌ مِنْ جَذَبَاتِ الْحَقِّ تُوَازِیْ عَمَلَ الثَّقَلَیْنِ (جذباتِ الٰہیہ میں سے ایک جذبہ دو جہان کے اعمال کے برابر ہے) یہ باتیں کہنے میں بہت آسان ہیں مگر کرنے میں نہایت مشکل۔ کیونکہ اس راستے میں چلنا ہاتھ پاؤں سے نہیں ہوتا بلکہ اس کی روش دل وجان سے تعلق رکھتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ دل وجان کسی کے حکم کے طابع نہیں، لیکن ہمت والوں اور عاشقانِ صادق کے لیے منھ کا نوالا ہے۔ علم و معرفت اس راہ کے سلوک کا دروازہ ہے۔ جو ادھر سے نہیں جائے گا وہ ایک لق ودق بیابان میں بھٹک کر اور غولِ بیابانی کے ہاتھوں میں پڑ کر جان وایمان کھو بیٹھے گا۔ جیسا کہا گیا ہے۔ ؎

غولانِ طریقت اند این مدعیان زنہار کہ تا غول زراہت نہ برد

(یہ جھوٹا دعویٰ کرنے والے غولِ طریقت ہیں۔ دیکھو ہوشیار رہو کہ یہ راستے سے تم کو بہکا نہ دیں)

اگر کسی کو اس کے حاصل کرنے کی دُھن لگی ہو تو اس کو سمجھ لینا چاہیے کہ یہ ایک السیار دگ ہے جس کی کہیں دوا نہیں۔ اسی میں لپٹا رہے، اور علاج کی فکر نہ کرے۔ کیونکہ اس کا علاج نہیں ہے، ساری زندگی علاج کی تلاش ہی میں برباد ہو جائے گی اور دوا ہاتھ نہ آئے گی۔ کسی عارف نے فرمایا ہے کہ لوگ طالبوں کو جو دیکھتے ہیں کہ درد لیے چھک رہے ہیں اور کہیں علاج کا ٹھکانا نہیں وہ اس لیے ہے کہ یہ علاج کی فکر میں سرگرداں ہیں اور ناکامی کا سبب اُن کی یہی مشغولی ہے۔ وَاللّٰہِ لَنْ یَّصِلُ اِلَی الْکُلِّ اِلَّا مَنْ اِنْقَطَعَ عَنِ الْکُلِّ۔ (خدا کی قسم، جب تک کُل سے ترکِ تعلق نہ کرے کوئی بھی کُل کو نہیں پاسکتا۔ ایک بزرگ نے جو کہا ہے وہ اسی نکتہ کی تائید کرتا ہے۔ مثنوی

۱۔ آسمان زیرِ دست خواہی خیز پاے بالا نہ از زمین بگریز

۲۔ می رو و ہیچ گو نہ باز مبین تانیفتی ز آسمان بزمین

۳۔ مردہ را کہ حال بد باشد میل دل سوے کالید باشد

۴۔ وانکہ داند کہ اصل کارش نیست جانِ او بے جسد تو اند زیست

(اگر تم آسمان کی بلندی حاصل کرنا چاہتے ہو تو اٹھ کھڑے ہو۔ پاؤں اوپر اٹھالو اور زمین چھوڑ دو۔ اس طرح جاؤ کہ کسی طرح بھی مڑ کر نہ دیکھو، تاکہ آسمان سے زمین پر نہ گر پڑو۔ وہ مردہ جس کی حالت بُری ہوتی ہے اس وجہ سے ہے کہ اُس کے دل کا میلان جسم کی طرف ہوتا ہے۔ اور جس کو یہ معلوم ہے

کہ اس کا جسم اصل مقصود نہیں ہے اُس کی روح بغیر جسم کے زندہ رہ سکتی ہے)۔ مگر یہ کام عشق کا ہے نہ کہ کسی کے حکم کا۔ عام لوگ فرمان کے بندے ہیں اور ہر ایک دکھ کی دوا چاہتے ہیں لیکن عشاق اور محبانِ صادق عشق و محبت کے بندے ہیں ایسا ہی درد چاہتے ہیں جس کی کوئی دوا نہ ہو۔ محبوب اُن سے کہتا ہے کہ مجھ سے الگ رہو، ورنہ مر جاؤ گے، مٹ جاؤ گے۔ مگر یہ پروا نہیں کرتے اور جواب دیتے ہیں کہ ہم تو روزِ ازل ہی جان ہار چکے ہیں اور اپنے آپ کو فنا کے سپرد کر دیا ہے۔ تیرے بغیر زندگی سے مرجانا اچھا اور نسیت و نابود ہو جانا ہی بہتر ہے ع درکوے تو مردہ بہ نہ از روے تو دُور۔ (تیری گلی میں مر مٹنا تیری دوری اور جدائی سے کہیں بہتر ہے)۔ اے بھائی اس راہ میں سروالوں کا کوئی اعتبار نہیں۔ اور اُن کا اس سے کوئی سروکار نہیں۔ اگر کسی کو یقین نہ آئے اور سمجھ نہ سکے تو ذرا (عشق کے) صحرا و بیابان کی طرف رُخ کرے اور آنکھ سے دیکھ لے کہ لاکھوں سر ذلت و خواری کی گرد میں تڑپ رہے ہیں۔ اور کسی نے ظاہراً اور حقیقتہً اپنے محبوب کا جلوہ نہیں دیکھا۔ تم کو عشق پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ ایسے سر کے خیال سے، جو خاک ہو جانے والا ہے الگ ہو جاؤ تاکہ میں تم کو وصل کی عزت کے تخت پر بٹھاؤں۔ اب اے بھائی! تمھیں اختیار ہے۔ رباعی

تو بادۂ گلبنِ جوانی عشق است	سرمایۂ ملکِ جاودانی عشق است
چون خضر گر آبِ زندگانی طلبی	سرچشمۂ آبِ زندگانی عشق است

(عشق، باغِ جوانی کی تازہ شراب ہے اور عشق ہی ہمیشہ رہنے والے ملک کا سرمایہ ہے۔ اگر حضرتِ خضر کی طرح تم کو آبِ حیات کی جستجو ہے تو سمجھ لو کہ عشق ہی آبِ حیات کا سرچشمہ ہے۔ اگرچہ کوئی سر اور کوئی دل اس سودا سے خالی نہیں۔ لیکن اتنی بڑی دولت اور اس قدر عظیم الشان مرتبہ ہر ہوسناک کو نصیب، اور یہ نعمہ ہر خسیس کے منھ کے لائق نہیں ہوتا۔ ؎

گنجے ہست ملکِ وصل تو خلقے تہست منتظر	این کار و دولت ہست کنوں تاکرا رسد

(تیرے وصال کی دولت ایک بڑا خزانہ ہے۔ لوگ اس کے انتظار میں ہیں۔ اب دیکھیے اتنی بڑی دولت کس خوش نصیب کے حصے میں آتی ہے۔ تم اپنا دل خوش رکھو اور آسرا لگائے بیٹھے رہو، کیونکہ اُس کے لطف و کرم کا دروازہ ہر وقت کھلا ہوا ہے۔ ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت بایزید قدس سرہٗ کو لکھا کہ جو شخص غفلت میں رات بھر سویا کرتا ہے وہ منزل مقصود پر نہیں پہنچ سکتا۔

آپ نے جواب میں فرمایا اگر محبوب کے لطف و کرم کی ہوا کا ایک جھونکا آجائے تو کوئی مشکل نہیں۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ سارے جہان کے لوگوں کی پونجی جانچی گئی اور چھان کر دیکھی گئی لیکن حقیقت کا ذرا بھی پتا نہ چلا سب کی چادریں جھاڑی گئیں مگر سوئی کے ناکے کے برابر بھی کچھ نہ نکلا۔ اس نے ایسا شک پیدا کر دیا ہے جس سے یقین کا چہرہ چھل جاتا ہے۔ اور ایسی عادت اور طریقے کو جاری کر دیا ہے جو حقیقت کے آئینے کو گرد آلود بنا دیتا ہے۔ ایسا شرک ڈال رکھا ہے جو توحید سے ہمیشہ جھگڑا کرتا رہتا ہے۔ اور ایسا تخمِ نفاق بو دیا ہے جو اخلاص کو ملیامیٹ کر کے چھوڑتا ہے۔ ایک دوست کے لیے ہزار دشمن اور ایک صدیق کے سامنے ہزار ہزار زندیق پیدا کر دیے ہیں۔ جہاں کہیں مسجد ہے ٹھیک اس کے سامنے ہی کلیسا، اور جس جگہ کوئی عبادت خانہ ہے اس کے مقابل شراب خانہ قائم کر رکھا ہے۔ جہاں عبا و جبہ و قبا ہے وہیں زنار بھی ہے۔ جہاں کوئی اقراری ہے وہیں انکاری بھی موجود ہے۔ پورب سے پچھم تک ہر جگہ نعمتوں سے بھر دی ہے۔ مگر ہر نعمت کے اندر محنت و بلا بھی چھپا رکھی ہے۔ بیچارہ انسان خاکی نژاد دم نہیں مار سکتا۔ قطعہ

این ہمہ می کند و لے از بیم	مرد را زہرہ نے کہ آہ کند
زانکہ رویش مثال آئینہ ہست	آہ آئینہ را تباہ کند

(مرد سب کچھ برداشت کرتا ہے مگر اس کو مجال نہیں کہ اُف کر سکے۔ کیونکہ محبوب کا چہرہ آئینہ کی طرح شفاف و پاکیزہ ہے۔ آئینے کے سامنے اگر کوئی آہ کرے تو آئینہ دھندلا ہو جاتا ہے، اور اس کی صفائی مدھم ہو جاتی ہے۔ والسلام۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باسٹھواں مکتوب ۶۲

دوسرے الفاظ میں تجرید و تفرید کا بیان

میرے بھائی شمس الدین تم کو اللہ اپنی عبادت و بزرگی کی برکات سے آراستہ فرمائے اور اس کا فضل و احسان تمھارے شاملِ حال رہے۔ سلام کا تحفہ اس خط لکھنے والے کی طرف سے قبول کرو۔ معلوم ہو کہ تجرید و تفرید کی منزل طے کرنا مرید کے لیے اس راہ کی شرط ہے۔ خلق اللہ

اور تعلقاتِ دنیاوی سے علیحدہ ہو جانا تجرید اور خود اپنی ذات سے کنارہ کش ہو جانا تفرید ہے دل میں کسی طرح کا غبار، نہ پیٹھ پر کوئی بوجھ، نہ مخلوق کے ساتھ کسی قسم کا لگاؤ باقی رہے۔ اُس کی ہمتِ بلند دونوں جہان اور کنگرۂ عرش سے گزر کر اپنی مراد تک پہنچ گئی ہو۔ کونین کی حکومت کے باوجود بغیر لقائے دوست اُس کو کوئی خوشی ہو نہ سکون۔ اور اگر دوست کے ساتھ ہے، اور کونین کی کوئی نعمت میسر نہ ہو تو ذرا غم نہیں۔ ایک بزرگ نے فرمایا ہے۔ لَاوَحْشَةَ مَعَ اللّٰهِ وَلَا رَاحَةَ مَعَ غَيْرِ اللّٰهِ۔ اگر اللہ کے ساتھ ہے تو کوئی گھبراہٹ اور پریشانی نہیں اور غیر خدا کے ساتھ رہنے میں کوئی راحت و آرام نہیں۔ جیساکہ کہا کرتے ہیں کہ جو کوئی خدا سے حجاب میں ہے سخت رنج و بلا میں گھرا ہوا ہے، اگرچہ روئے زمین کے خزانے کی کنجیاں اس کے ہاتھ میں ہوں۔ اور پھٹی پرانی گدڑی پہننے والا اقلاش اور فاقہ کش فقیر، اگر خدا کی حضوری اُسے حاصل ہے تو یہ بادشاہ دوجہاں ہے اسی لیے کہا گیا ہے۔

ہر کرا ایک خرقہ و نانے بود   در دو کونش ملک سلطانے بود

(جو شخص ایک گدڑی اور ایک روٹی میں مگن ہے وہ دونوں جہان کی سلطنت کا مالک بادشاہ ہے)

حضرت خواجہ سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے اَللّٰهُمَّ مَهْمَا عَذَّبْتَنِيْ فَلَا تُعَذِّبْنِيْ بِذُلِّ الْحِجَابِ (اے اللہ اگر تو مجھے عذاب دینا چاہے تو ہر طرح کا عذاب کر لیکن اپنے حجاب کی ذلت کا عذاب نہ فرما)۔ اے بھائی دوزخ کی حقیقت یہی ہے۔ جیساکہ قرآن شریف میں جہاں کفار کے عذاب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے یہ فرمایا ہے كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ (یہ لوگ آج اپنے پروردگار سے حجاب میں ڈال دیے گئے ہیں۔ اِس حجاب کے عذاب کے بارے میں ایک نکتہ ہے۔ بزرگوں کا قول ہے کہ اگر کل وصال کی محفل دوزخ میں آراستہ کی جائے تو یہ طالبان و مریدان دوزخ کے دہکتے انگارے کا آنکھوں میں سرمہ لگائیں۔ اور اگر دم بھر کے لیے جنت الفردوس میں کہیں بُلائے جائیں اور حجاب میں مبتلا کیے جائیں تو اتنا چیخیں چلائیں کہ دوزخی لوگ بھی اُن پر ترس کھانے لگیں۔ اسی مطلب کا راز ہے جو کہا گیا ہے۔

با تو دل مسجد ست و بے تو کنشت   بے تو دل دوزخ ست و با تو بہشت

(اگر تو ساتھ ہے تو دل مسجد، اور اگر تو نہیں تو بتخانہ ہے۔ اگر تو ہے تو دل بہشت ہے اور نہیں تو دوزخ)۔

یہ مطلب ہے کہ جب مرید پر حق کی عظمت و بزرگی ظاہر ہوگئی اور دردِ طلب نے اس کا دامن تھام لیا اور وہ سمجھ چکا کہ مَنْ لَہُ الْمَوْلیٰ فَلَہُ الْکُلُّ وَمَنْ فَاتَہُ الْمَوْلیٰ فَاتَہُ الْکُلُّ جو مولیٰ کا ہوگیا ساری چیزیں اُس کی ہوگئیں۔ اور جس نے مولیٰ کو کھو دیا اُس نے سب کچھ کھو دیا۔ اس لیے کہ اللہ کے سوا جتنی چیزیں ہیں اُن سے بے پروائی کی جا سکتی ہے۔ مگر کسی حال میں بغیر اس ذات کے چارہ نہیں جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی اَنَا بُدُّكَ اللَّازِمُ (ہم تیرے لیے ضروری ہیں۔ سب سے چارہ ہو سکتا ہے لیکن ہمارے بغیر چارہ ممکن نہیں۔ یقیناً صفحۂ دل سے سارے دعوے مٹ جائیں گے اور مِنِّیْ (مجھ سے) وَلِیْ (اور میرے لیے) کی آنکھیں کھل جائیں گی۔ اس وقت حیات و موت، ردّ و قبول اور ہجو و تعریف اس کی نگاہ میں ایک ہو جائے گی بہشت و دوزخ اور دنیا و عقبیٰ کا خیال اس کے دل میں نہ آئے گا۔ کپڑے روٹی کے لیے لوگوں کے در پر بھیک مانگنے نہ جائے گا۔ وہ غوطہ خور، جس کی ہمت بلند ہے اپنی جاں بازی کے صلے میں سمندر کی تہ سے گوہرِ شب چراغ نکال لاتا ہے۔ یہ کسی غریب بڑھیا کی جھونپڑی کے ٹمٹماتے دِیے پر کیوں آنکھ اُٹھائے گا۔ اس کی منزلِ مقصود درگاہِ خداوندی ہے ماسوی اللہ کی طرف اُس کے قدم نہیں اُٹھ سکتے۔ اُس نے کرامت و جاہ کے راستے میں اپنے گھوڑے کی کوچیں کاٹ ڈالی ہیں اور دل سے ننگ و نام و سلامتی کے نقوش دھو دیے ہیں۔ اُن کی روش یہ ہے کہ لَوْ زَاحَمَنِی الْعَرْشُ لَحَقَّتُہٗ (اگر عرش بھی میری ہمت کے سامنے آجائے تو میں اس کو نیچا دکھا دوں) اور وَلَوْ قَابَلَنِی الْکَوْنُ لَہَدَمْتُہٗ (اور اگر دنیا و آخرت اپنا جلوہ دکھائیں تو میں اُنھیں ڈھا دوں)۔ اس کے آرام و راحت کی یہی صورت ہے کہ ہر وقت اپنی طلب کے طور پر حضرت موسیٰ کی طرح اَرِنِیْ کی رَٹ لگائے اور محبوب کی غیرت و شرم سے لَنْ تَرَانِیْ کا جواب سنا کرے۔ سبحان اللہ اس آب و خاک کا کیا ہی اچھا سودا اور کاروبار ہے رباعی

مارا بجز این جہان جہانے دگر ہست	جز دوزخ و فردوس مکانے دگر ہست
قلاشی و رندی ہست سرمایۂ عشق	قرائی و زاہدی دُکانے دگر ہست

(ہمارے لیے اس عالم کے سوا ایک دوسرا ہی جہان ہے۔ دوزخ و بہشت کے علاوہ ایک دوسرا ہی مکان ہے۔ بے نوائی اور آزادی عشق کی پونجی ہے۔ اظہارِ بندگی اور زاہدی ایک دوسری دکان ہے)۔

جب طالب صادق کو تجرید و تفرید کی دولت حاصل ہو چکی تو دنیا میں اس کی اس طرح آؤ بھگت ہوتی ہے کہ یَا دَاوُدُ اِذَا رَأَیْتَ لِیْ طَالِبًا فَکُنْ لَّہٗ خَادِمًا (اے داؤد جب تو میرے طالب کو دیکھے تو اس کا خادم بن جا۔ حضرت داؤد پیغمبر جیسی ہستی کو اس کی خدمت کا حکم دیا جاتا ہے۔ پھر دوسرے لوگوں کا کیا ذکر۔ یہ مقام و مرتبہ آہستہ آہستہ اور درجہ بدرجہ حاصل ہوتا ہے دفعتہً کہاں، مگر جس کو خدا چاہے۔ تم نہیں دیکھتے کہ جو شخص قرآن شریف حفظ کرنا اور قاری بننا چاہتا ہے تو وہ الف' با' تا' پہلے شروع کرتا ہے تاکہ تدریجاً قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ تک پہنچ جائے اور ایک مدت گذارنے کے بعد وہ حافظ اور قاری کہلانے کا مستحق ہو۔ طریقۂ خداوندی اسی طرح جاری ہے پھر کیا کرنا ہے۔ یہی راز ہے جو کسی نے کہا ہے ؎

تو فرشتہ شوی گر جہد کنی از پئے آنکہ برگ توت ہست کہ گشتہ ست بتدریج اطلس

(اگر تو کوشش کرے تو فرشتہ بن سکتا ہے۔ کیونکہ یہ شہتوت کا پتا ہی تو ہے جو ریشم کے کیڑے کی غذا ہو کر بتدریج اطلس بن گیا ہے)۔ اپنی بے نوائی، افلاس، بدبختی اور آلودگی سے شکستہ دل اور ناامید نہ ہونا چاہیے۔ اس کی قدرت اور فضل پر نگاہ رہے۔ اگر وہ چاہے اور ہزاروں کلیساؤں اور بتخانوں کو آن کی آن میں کعبہ اور بیت المقدس بنادے اور کتنے بدکار و گنہگار کو حبیب اللہ اور خلیل اللہ کا خطاب عنایت فرمائے۔ لاکھوں کفار کو مومن اور ہزاروں مشرکین اور بت پرستوں کو مسلمان اور شرابیوں کو مناجاتی بنادے۔ اور لطف یہ کہ اُس کے لیے کسی سبب اور علّت کی حاجت نہیں۔ اور نہ کچھ توقف اور دیر ہے اور نہ کسی کو چون وچرا کی مجال کہ ایسا کیوں اور کس لیے کیا گیا۔ ؎

ہست سلطانی مسلّم مر اُو را نیست کس را زہرۂ چون وچرا

(بادشاہی اُسی کے لیے ثابت ہے کسی دوسرے کو مجالِ چون وچرا نہیں۔ ؎

بسا پیر مناجاتی کہ از مرکب فرو ماند بسا رندِ خراباتی کہ زین بر شیر نر بندد

(بہتیرے مناجات کرنے والے پیر گھوڑے سے گر کر راستے میں پڑے رہ جاتے ہیں اور بہتیرے رندانِ سیہ مست شیرِ نر پر سواری کر کے اپنی منزل پر پہنچ جاتے ہیں)۔ جو خطوط پہلے لکھے گئے، اُن کو غور و فکر کے ساتھ بار بار دیکھو، انشاء اللہ تمھارے دل پر ان کے معنی و مطلب محقق اور

منقش ہو جائیں گے اور اس کی تاثیر اور ثمرہ اعضا سے ظاہر ہونے لگے گا۔ اور خدا کے فضل و کرم اور حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم اور آلِ اطہار کی برکات سے دل چمک اُٹھے گا۔ اے بھائی! ہم لوگ اپنی اپنی بلا میں گھرے ہوئے ہیں، بلکہ سارا عالم بلاؤں میں گرفتار ہے حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا کہ ہم تم کو اس لیے بھیجتے ہیں کہ بلا میں مبتلا کریں اور تمھارے ساتھ خلق کو بھی بلا میں جھونک دیں۔ تلوار سنبھالو اور مردانہ قدم اُٹھاؤ اور جہاد کرو کبھی جنگِ بدر کے دن اور کبھی جنگِ اُحد کے موقع پر ہزاروں خلعت، اور کبھی اونٹ کی اوجھڑی پیٹھ پر لادی جاتی ہے۔ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) تم کہتے ہو کہ ہم کو خوشبو پسند ہے اور اس کے مقابلے میں اونٹ کی لید اور کہتے ہو کہ ہم عورتوں کو دوست رکھتے ہیں، اس کے مقابلے میں افکِ عائشہ رضی اللہ عنہا سامنے آتا ہے۔ یہاں عقلیں مجبور اور دل حیران و پریشان ہیں کہ آیندہ اس مشتِ خاک کے ساتھ اُس کا جلال و جمال کیا کیا گل کھلاتا ہے۔ ؎

اے گشتہ اسیر در بلایت — آن کس کہ زند دمِ ولایت

جز جان و دل و جگر نہ بینم — در گردشِ چرخِ آسیایت

عشاقِ جہان شدند والہ — در عالمِ عزّ و کبریایت

(ساری مخلوق تیری بلا میں گھری ہوئی ہے۔ اب کون ایسا ہے جو ولایت کا دم مار سکتا ہے۔ میں تیرے آسمان کی چکی کی گردش میں جان و دل و جگر کے سوا کوئی چیز پستے نہیں دیکھتا۔ تیری عزت و کبریائی کے عالم میں دنیا بھر کے عشاق حیران و درماندہ ہیں۔ والسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترسٹھواں مکتوب ۶۳

دین کی راہ پاک صاف رکھنے کے بیان میں

بھائی شمس الدین جانو کہ دین کا راستہ اپنی برائیوں سے پاک صاف رکھو اور انسانیت کے خس و خاشاک کو اکھاڑ پھینکو، اور اس راہ سے اپنی وحشت دُور کرو۔ بشریت کی آفتیں باہر نکال دو۔ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ جس نے مراد کی راہ میں قدم رکھا مگر اس کا نفس اُس کے نزدیک حق سے

زیادہ عزیز ہے تو وہ مومن ہی نہیں، ولی اور محب کا مرتبہ تو بہت دُور ہے۔ یہیں سے کہا گیا ہے۔ قطعہ

نفسِ بے فرمانِ من مارا برسوائی کشید ۔۔۔ دوست می پنداشتم این نفسِ دشمن وار را
دوستی باجاہ و منزل کردہ ام تا این زماں ۔۔۔ شکل پروانہ کہ او ہم نور داند نار را

(میرے نافرمان نفس نے مجھے رسوا کر دیا۔ میں اس نفسِ دشمن کو ہمیشہ دوست سمجھتا رہا۔ اب تک میں بلند مرتبے اور مکان کو اس طرح اپنا محبوب سمجھتا رہا ہوں جس طرح پروانہ آگ کے شعلہ کو نور سمجھتا ہے)۔ بزرگوں کا قول ہے کہ اگر پل بھر بھی نفسِ سرکش کو موقع دیا جائے تو یہ ہزاروں زنّار لا کر گلے میں ڈال دے گا۔ اور لاکھوں بت سامنے لا کر رکھ دے گا کبھی اس شریر کو مصلح نہ سمجھو۔ اگر ایک لاکھ سال تک اس کو زیر کرتے رہو گے اور ایک دفعہ بھی اس کی خواہش پوری کر دو گے تو سارا کیا دھرا برباد ہو جائے گا۔

غمزۂ توبہ فریبد زاہدِ صد سالہ را ۔۔۔ موے پیشانی گرفتہ پیشِ خمار آورد

(توبہ کا ناز و غرور سو سالہ زاہد کو بھی دھوکے میں ڈال دیتا ہے۔ سر کے بال پکڑ کر شراب خانے میں کھینچ لاتا ہے)۔ اس لیے کہا گیا ہے کہ جو شخص اپنے نفس پر نظر رکھتا ہے وہ خدا کو نہیں دیکھ سکتا۔ شیطان پر جو اتنی بلائیں نازل ہوئیں محض نفس پر نظر رکھنے سے ہوئیں۔ جن لوگوں نے خدائی کا دعویٰ کیا وہ بھی نفس ہی کو دیکھنے کی وجہ سے کیا۔ پکار پکار کر کہا گیا ہے کہ توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے جب تک بلائے نفس سے چھٹکارا نہ ہو ہرگز اس راہ میں قدم نہ رکھو۔ اے بھائی! اچھی طرح سمجھ لو کہ دین کے راستے کو نفس کی آفتوں سے بچائے رکھنا بہت بڑا فرض ہے۔ اور بجز توبہ کرنے کے یہ آفتیں دُور نہیں ہو سکتیں۔ اور توبہ کی دولت حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے ظاہر ہوئی۔ توبہ کا دروازہ کھل جانے سے حضرت آدم علیہ السلام کو خلعت عنایت ہوئی۔ بزرگانِ طریقت نے فرمایا ہے کہ اگر بنی آدم پر دولت و سعادت کے ہزاروں خزانے نچھاور کر دیے جاتے تو اتنی عظمت و مرتبت حاصل نہ ہوتی جتنی کہ حضرتِ آدم پر عنایت نازل ہونے سے ہوئی وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ (آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی) اگر کارخانۂ تقدیر میں ان کی نافرمانی نہ لکھی گئی ہوتی تو آپ کی اولاد پر توبہ کا دروازہ ہرگز نہ کھلا ہوتا۔ قدرت میں یہی پوشیدہ تھا۔ اور لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے دربار کی

غیرت کا یہی تقاضا تھا۔ یعنی جس گوہرِ بے بہا کو اتنی شان و شوکت سے بنایا گیا کہ خَلَقْتُ بِیَدَیَّ (میں نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا) اُس کے لیے کم سے کم یہی خلعت زیبا تھی۔ وَعَصٰی اٰدَمُ اسی کی طرف اشارہ ہے۔ ؎

چرخ نہ بر بے درمان می زند قافلہ محتشمان می زند!

کس نہ بدین باغ تو بودی و من نو برِ این باغ تو بودی و من

(آسمان مفلسوں اور فقیروں کا نہیں بلکہ مال و دولت والوں کا قافلہ لوٹتا ہے۔ اس باغِ کائنات میں سوائے میرے اور تمھارے کوئی اور نہ تھا۔ اس باغ کی تازہ بہار تو ہی تھا اور میں)۔ جنت الفردوس کی جس قدر نعمتیں اور نوازشیں تھیں ایک ایک کر کے حضرت آدم علیہ السلام پر فریفتہ ہو گئیں۔ کیونکہ صانعِ باکمال کے یدِ قدرت کا بنایا ہوا کوئی نمونہ ایسی صفات و شان کا نہ تھا۔ ان کی آنکھوں سے ایسی اعجوبۂ روزگار ہستی گزری ہی نہ تھی۔ ہر ایک کو ان سے عشق ہو گیا۔ چونکہ حضرتِ آدم کی ہمت بہت بلند تھی ان باتوں سے آپ کا دل کبیدہ ہو گیا اور ٹھان لیا کہ یہاں سے ایسے گھر چل کھڑے ہوں جہاں حکم بجا لاتے اور فرمان کی سختیاں برداشت کرتے رہیں۔ کیونکہ بہشت ناز و نعمت کی جگہ ہے۔ یہاں حکم کا بوجھ اُٹھانے کی گنجائش نہیں۔ آپ نے التجا کی کہ خداوندا میرے لیے کوئی بہانہ چاہیے تاکہ حورانِ جنت کے پھندوں سے مجھے رہائی حاصل ہو۔ اب گیہوں کے درخت کا بہانہ کھڑا کیا گیا۔ تمام غوغا مچ گیا وَعَصٰی اٰدَمُ رَبَّہٗ (اور آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی) جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مارے ڈر کے سب نے آنکھیں پھیر لیں اور سارا عشق رفت و گذشت ہو گیا۔ ذرا ہوش سنبھالے رہنا تاکہ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کو تم عاصی نہ کہو ورنہ قیامت کے دن تمھاری زبان گدّی سے باہر کھینچ لی جائے گی۔ اگر کوئی یہ کہے کہ قرآن شریف میں تو وَعَصٰی اٰدَمُ رَبَّہٗ کہا گیا ہے۔ اس کا یہ جواب ہے کہ ہاں ہاں قرآن شریف ہی کے لیے یہ زیبا ہے کہ حضرتِ آدمؑ کا سر کاٹ لے یا پاک دامنی کا تاج پہنائے۔ ہمارے تمھارے منھ کے لائق نہیں۔ ہم جیسوں کو یہ زیب نہیں دیتا۔ شاہنشاہِ وقت کو اختیار و مجاز ہے کہ اپنے مدار المہام وزیر کو ایسا ویسا کچھ کہے۔ اگر کہیں وہی باتیں میرے اور تمھارے منھ سے نکل جائیں تو یقینی گردن ماری جائے۔ اسے بھائی! حضرتِ آدمؑ کی راہ بڑی ہی سنگلاخ اور دشوار گذار ہے

ان کا ذکر نہ کرو۔ آدمؑ کے دل کو دین کے غم نے گھیر لیا۔ سلامتی کا گھر ملامت خانے سے بدل لیا ایک آواز سنی، کیا شیطان سے جھگڑنا چاہتے ہو؟ اِس برگزیدگی کو تہ کر دینا پڑے گا۔ نیک نامی پر گناہوں کے دھبّے لگیں گے اور خلافت کے تاجِ سلطانی کے عوض جوتیاں چٹخارنی پڑیں گی۔ آپ نے فرمایا میں اس کے لیے تیار ہوں۔ ان باتوں سے میرا دل چھوٹا نہ کیجیے۔ پھر کیا تھا بہشت سے نکل کھڑے ہوئے۔ وہاں کی ساری نعمتوں پر لات مار دی اور فرمایا ؎

اگر دہند مرا بے تو رائگان چہ کنم   بہشت و کوثر و حور و جہانیان و جہان

(اگر باغِ بہشت و کوثر اور حور و قصور مجھ کو مفت دیں تو بغیر تیرے سب بے کار ہیں انھیں لے کر میں کیا کروں)۔ ایک تم اور ہم ہیں کہ ہمیشہ اپنے آپ کو دیکھا کرتے ہیں اور اپنی ہی خدمت کیا کرتے ہیں اور اپنی بڑائی کی ڈینگ مارتے ہیں۔ اس پر اس بات کی ہوس کہ حضرتِ آدمؑ کا ترکہ پائیں۔ تم نہیں جانتے کہ مجہول النسب کو میراث نہیں ملتی۔ مدتیں گذریں کہ ہم لوگوں کی ہستیاں مٹا دی گئیں اور برباد ہو چکیں۔ محرومی اور ناکامی ہم بدبختوں کے سر تھوپی جا چکی۔ اب ہاتھ اُٹھا کر سوزِ دل کے ساتھ دعا کرو کہ ؎ قطعہ

ہر کسے در کعبۂ وصلت رسید   من بماندم درمیانِ واپسان

چون کسان گر لائقِ رحمت نہ ایم   لعنتے بفرست بر ما ناکسان

(ہر ایک تیرے حریمِ وصال تک پہنچ گیا۔ مگر میں بدبخت راہ کے درماندوں کے درمیان پڑا ہوا ہوں۔ اگر ہم لائق لوگوں کی طرح رحمت کے قابل نہیں ہیں تو نالائقوں کی طرح ہم پر اپنی لعنت ہی بھیج دے) کیونکہ تیری لعنت بھی دوسروں کی رحمت و نعمت سے کم نہیں۔ جس نے توبہ کا دربار دیکھا تک نہ ہو اُس کو حضرتِ آدم کی میراث میسّر نہیں ہو سکتی۔ تمھارے دل میں شاید یہ خیال پیدا ہو کہ توبہ تو اس وقت کی جائے جب کوئی گناہ سرزد ہو۔ تو اے بھائی ہمارا وجود سر سے پاؤں تک گناہ ہی گناہ ہے۔ کیا تم نے نہیں سنا ؎

اِذَا قُلْتُ مَا اَذْنَبْتُ قَالَتْ مُجِیْبَتُہٗ   وُجُوْدُکَ ذَنْبٌ لَا یُقَاسُ بِہَا ذَنْبٗ

(جب میں نے پوچھا کہ میں نے کیا گناہ کیا؟ تو اُس کی مجیب نے جواب دیا کہ میرے وجود کے سامنے تیرا وجود ہی ایک گناہ ہے اس سے بڑھ کر اور کیا گناہ ہوگا)۔ جو لوگ کہ معصومینِ بارگاہ کہے جاتے ہیں

ان کے حق میں فرمایا گیا۔ لَقَدْ تَابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ (اللہ تعالیٰ نے نبیؐ کو معافی دیدی ہے)
آخر موسیٰ علیہ السلام نے کون سا گناہ کیا تھا جو آپ نے کہا تُبْتُ اِلَيْكَ (میں تیری طرف توبہ کرتا ہوں)۔
اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ كُلَّ يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ (میں روزانہ سو مرتبہ
خدا سے استغفار کرتا ہوں)۔اے بھائی! تم کو ہر برائی اور بدکاری سے توبہ کرنا چاہیے۔صدیقوں
کو اپنے صدق سے توبہ کرنا ضروری ہے جس طرح ہم جیسے بدعہدوں اور جھوٹوں کو ظلم وجفا سے توبہ کرنا
واجب ہے۔ ٹھیک اسی طرح وفاداروں اور مخلصوں کو بھی اخلاص ووفا سے توبہ کرنا لازم ہے! اور جس
طرح ہم جیسے نفس وخواہشات کے بندوں کو ہوا وہوس سے توبہ کرنا ضروری ہے اسی طرح ہر اہل دل کو
اپنے مراقبے کی حالتوں سے توبہ کرنا لازمی ہے۔عارفوں نے کہا ہے جس طرح گناہوں سے توبہ کرنا
ضروری ہے اسی طرح طاعت و بندگی بجالا کر اس سے بھی توبہ کرنا چاہیے۔ اگر کوئی کہے کہ معصیتوں کو
چھوڑنا اور درگزر کرنا چاہیے تو بزرگوں نے کہا ہے کہ دنیا بھر کی طاعت وصدق واخلاص بجا
لائے۔ اور جب بجالا چکے تو اس کی بادِ بے نیازی کے جھونکوں میں اُڑا کر رکھ دے۔یہی راز
ہے جو کہا ہے ؎

تو می خواہی بہ تسبیح ونمازے ۔۔۔ کہ تا خوشنود گردد بے نیازے
نمازت توشۂ راہِ دراز ہست ۔۔۔ ولے او از نمازت بے نیاز ہست

(تو چاہتا ہے اپنی تسبیح اور نماز سے اس بے نیاز کو خوش کردے۔ نماز تیرے لمبے سفر کیلیے
زادِ راہ ضرور ہے لیکن اس بے نیاز کو تیری نماز کی پروا نہیں)۔ اگر کل ساری دولت و سلطنت
ایک فقیر کو بخش دیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔اس امت کے فقرا کو لاکر عرش پر بٹھادیں اور کہیں
يَا اَبْنَاءَ الْمَاءِ وَالطِّيْنِ بِمَ عَرَفْتُمْ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ (اے آب وگل سے بنے ہوئے انسان تو نے
پروردگارِ عالم کو کیونکر پہچانا)۔جواب دیں گے ،خداوندا چونکہ زمین وآسمان کا تو ہی مالک ومختار
ہے۔حکم ہوگا جو کچھ آسمان وزمین میں ہے ،ہم نے سب تجھے بخش دیا۔یہ کہیں گے بار خدایا چونکہ
عرشِ اعظم بھی تیری ملکیت ہے۔ فرمان ہوگا ہم نے امتیانِ محمدؐ کو تختِ عرش پر بٹھادیا تاکہ سمجھ
لیں کہ ہماری کوئی چھوٹی سی سلطنت نہیں ہے جو تمہارے وہم وخیال میں سماسکے۔یہ سن کر فوراً ہی
سب کے سب اپنی معرفت وتوحید سے توبہ کرنے لگیں گے ؎

چہ شناسد کمالِ دہقان را دانہ در چاہ و کرم در گندم

(کسان کی گرہستی کے کمال کو کون جانتا ہے کہ دانہ گڑھے میں اور گھن گیہوں میں لگتا ہے) پھر بھی اس کی کھیتی میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔ لیکن اگر توبہ کا دروازہ بند ہوگا تو یہ لوگ اپنی مختصر توحید و معرفت کی خجالت میں گڑ جائیں گے۔ اور جس طرح دوزخی طوق و زنجیر کے بوجھ سے پسے جاتے ہیں یہ بھی اپنی معرفت و توحید کی شرم سے دب کر رہ جائیں گے۔ اس لیے کہا گیا ہے ؎

گر زاہدان بہ قبلۂ ابروت بنگرند اے بس نمازہا کہ زحیرت قضا کنند

(اگر زہاد تیرے کعبۂ ابرو پر نگاہ ڈالیں تو ایسی حیرت میں پڑ جائیں کہ تمام نمازیں قضا کردیں)۔ اگر قیامت کے دن پوچھا جائے کہ تم لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا حق کس طرح بجالائے تو کہیں گے کہ کہیں ہیں تو دین کا بندہ بنا کر پیدا کیا گیا تھا۔ برابر دین ہی کی فکر میں لگے رہے۔ ہمارے پروردگار سے پوچھو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے رمز کچھ وہی جانتا ہے۔ اسی کے کرم کے اوصاف ہمارے دلوں کو ڈھارس دیتے ہیں کہ لَا یَعْرِفُہٗ غَیْرُہٗ (اس کے سوا اس کو کوئی نہیں پہچان سکتا)۔ اے بھائی! یہ ایسی گتھی نہیں جسے عقل سلجھا سکے۔ یہاں تک وہم و خرد کی رسائی نہیں۔ یہی تو راز ہے جو کہا گیا ہے ؎

وہم تہی پائے بسے در نوشت ہم ز درش دست تہی باز گشت

(عقل جوتے اتار کر بہت کچھ دوڑی مگر کوئی نتیجہ نہ نکل سکا اور خالی ہاتھ لوٹنا پڑا)۔ بزرگوں کا قول ہے کہ اگر روئے زمین کے پیغامبر و صدیق اور آسمان کے ملائکۂ معصومین و مقربین ہمیشہ ہمیشہ قیامت تک اُس کی توحید زبان سے رٹتے رہیں یا لآخر تھک کر یہی کہیں گے کہ نَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ (ہم نے جو کچھ کہا ہے اس سے توبہ کرتے ہیں) اے بھائی! اگر کل معصومین و مخلصین کی پاک دامنی سے تمہارا خمیر گوندھیں تو ہوشیار رہو اور ان پر نہ پھولو۔ اور اگر قہر کی تلوار، حسرت و ناکامی کے زہر آب میں بجھا کر تمہارے سر پہ ماریں تو شکستہ دل نہ ہو۔ ایک دل جلے نے کہا ہے رباعی

حاشا کہ دلم از تو جدا خواہد شد یا با کسے دیگر آشنا خواہد شد

از مہر تو بگسلد کرا دارد دوست وز کوئے تو بگذرد کجا خواہد شد

(حاشا و کلا کہ میرا دل تجھ سے جدا ہو جائے گا یا کسی دوسرے کو دوست بنائے گا۔ اگر وہ تیری

محبت نہ کرے تو پھر کون ہے جس کو دوست بنائے اور اگر تیری گلی چھوڑ دے تو پھر کہاں جائے ؎

اگر از تو برکنم دل بہ کجا برم نگارا زدرِ تو باز گردم کہ کند قبول مارا؟

(اے محبوب اگر میں اپنا دل تجھ سے پھیر لوں تو کہاں لے جاؤں کہ کوئی دوسرا محبوب نہیں ہے۔ اور اگر تیرے دروازے سے لوٹ جاؤں تو پھر کون مجھے قبول کرے گا؟)۔ دنیا میں جس نے اپنے آپ کو توبہ کی آگ میں نہ جھونک دیا یقینی اُسے آتشِ دوزخ میں جھلسنا پڑے گا۔ تم کو جو بھی اپنا عیب و ہنر معلوم ہے اُسے آج ہی توبہ کی آگ میں جلا کر خاک کر دو تاکہ یہ فتویٰ تمھاری لشپت پناہی کرے اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَہٗ (جس نے گناہوں سے توبہ کر لی وہ ایسا ہو گیا جیسے اُس نے کوئی گناہ کیا ہی نہیں) پھر سوزِ دل سے یہ کہو ؎

الٰہی رحم کن کالودگانیم بخونِ دل جگر پالودگانیم
رواجے نہ تو اندر سکۂ ما کہ مشتے سرب وسیم اندودگانیم
یکے بر روزگارِ ما بہ بخشائے کہ ما بر خویش ناخوشنودگانیم

(اے خداوند کریم ہم گناہوں میں آلودہ ہیں اور اپنے دل و جگر کے خون میں لتھڑے ہوئے ہیں تو ہمارے کھوٹے ہی سکے کو چلا دے کہ ہم اپنی چاندی میں سیسہ ملائے بیٹھے ہیں۔ ہمارے حال پر بخشش کی ایک نظر ڈال کہ ہم خود اپنے آپ سے رنجیدہ اور شرمندہ ہو رہے ہیں)۔ دین کی راہ میں جتنے کانٹے بھی آج ملیں سب چن چن کر پھینک دو۔ اگر ایسا نہ کرو گے تو یہی کانٹے کل تیر بن کر کلیجے میں چبھیں گے۔ تم نہیں دیکھتے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام خدا سے ہم کلامی کی بدولت اس مقام پر پہنچ گئے کہ فرمایا گیا کَلَّمَ اللّٰہُ مُوْسٰی تَکْلِیْمًا (موسیٰ نے خدا سے باتیں کیں) تو چوبیس ہزار چودہ کلمے بغیر کسی واسطے کے آپ کو سنائے گئے۔ آپ مارے شوق کے سر سے پاؤں تک کان ہی کان بن گئے۔ اور جیسے کان سے سنا جاتا ہے سارے جسم سے آپ سننے لگے۔ اور جس جس کلمے کو سنتے آپے سے باہر ہو جاتے اور جب ہوش سنبھالتے دل پر اس کا زخم لگایا جاتا وَقَتَلْتَ نَفْسًا، قِبْطِیًّ بِلَا وَحْیٍ (اے موسیٰ بغیر ہماری وحی کے تو نے ایک قبطی کو مار ڈالا)۔ اگر دوزخ کے ساتوں طبقوں کا عذاب اس وقت حضرت موسیٰ پر ڈال دیا جاتا تو اتنا شدید نہ ہوتا، جتنا کہ یہ طنز و طعنہ۔ اس نوازش و اکرام اور خلعتِ شاہانہ کے وقت اُس

واقعہ کی یاد آپ کی راہ میں کانٹے سے کم نہ تھی۔ اور وہ کانٹا آنکھوں میں چبھنے لگتا۔ تم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قصہ بھی سنا ہوگا۔ تلوار کھینچ کر آرہے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ جب تک میرے دم میں دم ہے کسی کی مجال نہیں کہ لات وعزیٰ کو برا بھلا کہہ سکے۔ قسم ہے لات وعزیٰ کی میں ابھی جاکر محمدؐ کا سر کاٹ لاتا ہوں۔ یہاں تک کہ وہ تیغ کشی اپنا کام کر کے رہی یعنی آپ جب بہتری کے عالم میں میدانِ ولایت میں جولانی فرماتے تھے تو آپ کے کانوں میں یہ آواز گونجتی تھی کہ ارے تم تو وہی عمر ہو کہ تلوار لے کر رسول اللہؐ کا سر مبارک کاٹنے آئے تھے تاکہ لاالٰہ الااللہ کی مملکت برباد ہو جائے تو آپ اس قدر منفعل اور خجل ہوتے تھے کہ زمین پھٹ جائے اور اس میں سما جائیں۔ اور جب جب یہ بات دُہرائی جاتی تو آپ کو کچھ نہ سوجھتا اضطراب میں مکے سے باہر نکل آتے، زمین پر ماتھا رگڑتے، منھ پر خاک ملتے اور کہا کرتے تھے، یا خدا عمر کو اُٹھا لے تاکہ وہ اپنی آنکھوں سے اپنے ہی ظلم وستم کو نہ دیکھے۔ اب ہم تم سر پہ خاک اُڑایا کریں کہ ساری عمر بت پرستی میں گزار دی۔ اور ہمارے روزے اور نماز پر لعنت ہے کہ خدا کے دربار میں کیا مقبول ہوگی جب کہ کسی کتے کے آگے رکھ دیں تو وہ بھی سونگھ کر چھوڑ دے رباعی

اے فسق وفساد کارِ ہر روزۂ ما	وے پر زحرام کاسہ وکوزۂ ما
می خندند روزگار ومی گرید عمر	بر طاعت وبر نماز وبر روزۂ ما

(برائی اور بدکاری ہمارا روز کا مشغلہ ہے۔ اور ہمارا پیالہ اور کوزہ حرام کی کمائی سے بھرا ہے۔ ہماری بندگی، نماز اور روزے پہ زمانہ ہنس رہا ہے لیکن ہماری زندگی رو رہی ہے)۔ والسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

چوسٹھواں مکتوب

تقوے کے بیان میں

بھائی شمس الدین تم کو معلوم ہونا چاہیئے کہ نیک بختیِ جاودانی اور دولتِ دو جہانی کا دروازہ تقوے ہے۔ جتنی منزلیں عالم لاالٰہ الااللہ میں آراستہ کی گئی ہیں اور جتنے درجے جنت الفردوس میں بنائے گئے ہیں سب کے سب متقیوں کے لیے سجائے گئے ہیں اور انھیں کے

ناموں سے وہ نامزد ہیں۔ سنو! متقی وہی شخص کہا جائے گا جو اپنی قید و بلا سے نکل کر آزاد ہو چکا ہو۔ کیونکہ وہ آدمی جو اپنی ہستی کے پھندوں اور نفس کی خواہشات سے بالکل کنارہ کش نہ ہو گیا ہو وہ دوزخ کی یادگار ہے وَاِنْ مِّنْکُمْ اِلَّا وَارِدُھَا (تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو یہاں سے نہ گزرے)۔ ساری مخلوق دوزخ میں ٹھونس دی جائے گی تاکہ سرکشوں اور نافرمانوں سے وہ اپنی قسمت کا حصہ لے لے۔ اس کے بعد وہاں سے متقیوں کو نکال لیا جائے گا اور خود پرست اور نفس کے پجاری اوندھے منہ قعرِ دوزخ میں ڈھکیل دیے جائیں گے ثُمَّ نُنَجِّی الَّذِیْنَ اتَّقَوْا (پھر وہ باہر لائے جائیں گے جو متقی ہیں) اس آیت کا یہی فتویٰ ہے۔ اے بھائی! یہ حضرات متقی دوزخ کے ساتوں طبقات سے اس آسانی سے گزر جائیں گے جس طرح پانی میں مچھلی تیرا کرتی ہے۔ ان کی ہیبت و شکوہ سے دوزخ خود لرزہ براندام ہے۔ کیونکہ یہ لوگ ہمت کے بادشاہ ہیں۔ انھیں لوگوں کا طغرائے امتیاز ہے اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ (اللہ پرہیز گاروں کو دوست رکھتا ہے)۔ جس طرح دوزخ میں ان کی گنجائش نہیں اسی طرح بہشت میں بھی یہ نہیں سما سکتے۔ اگر تم کہو کہ پھر آخر ان کا کون سا مقام ہے۔ تو وہ فضا جس کا نام فضائے ربوبیت ہے یہیں متقیوں کا ٹھکانا ہوگا۔ جیسا کہا گیا ہے۔ قطعہ

ما چو فردا شہیم در ہمہ مصر — چہ غم امروز گر بزندانیم

تو چہ دانی کہ ماچہ مرغانیم — ہر نفس زیر لب چہ می خوانیم

گر بصورت گدائے این کوئیم — تو بہ معنی نگر کہ سلطانیم

گرچہ خود مفلسیم در ظاہر — تو بہ باطن نگر کہ ما کانیم

(جبکہ ہم کل ہی مصر کے تخت پر بادشاہ بن کر بیٹھنے والے ہیں تو اس کی کیا پڑا کہ آج قید خانہ میں ہیں۔ تم نہیں جان سکتے کہ ہم کس باغ کی چڑیاں ہیں اور کیا راگ الاپ رہے ہیں۔ گو بظاہر مفلس و قلاش ہیں مگر حقیقۃً بادشاہ ہیں۔ اگرچہ صورۃً کوڑی کوڑی کے لیے محتاج ہیں۔ مگر باطن میں ہم جواہرات کی کان ہیں)۔ کیا تم نے قرآن شریف میں یہ آیت نہیں پڑھی۔ یَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِیْنَ اِلَی الرَّحْمٰنِ وَفْدًا (متقی لوگ شاہی وفد کی صورت میں خدا کے سامنے پیش کیے جائیں گے)۔ تم یہ سمجھو کہ بہشت کے سوا اُن کی اور کوئی جگہ نہیں۔ اور تم نے سنا نہیں

کہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب و احباب کو کون سا شربت پلا دیا ہے۔

حَاکِیًا عَنِ اللّٰہِ تعالیٰ۔ عَدَدْتُ لِعِبَادِیَ الصَّالِحِیْنَ مَا لَا عَیْنٌ رَأَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ۔ یہ حدیث قدسی بلا واسطہ جبریل علیہ السلام کے خداوند تعالےٰ سے سنی (ہم نے اپنے صالح بندوں کے لیے ایسی ایسی نعمتیں مقرر کی ہیں جنھیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا نہ کسی بشر کے دل میں اس کا خیال گزرا)۔ یہ اس کی نمائش ہے کہ ہم بہشت کی نعمتیں اور دوزخ کی مصیبتیں اٹھالیں تو ہماری خدائی میں ذرّہ برابر کمی نہ آئے گی اور نہ احکامِ الوہیت میں کسی طرح کا نقصان آئے گا۔

زہے ساحت کہ گر عالم نہ بودے ۔۔۔ ہر موے از انجا کم نہ بودے

نہ ہرگز کبریائیش را بدایت ۔۔۔ نہ ملکش را سر انجام و نہایت

(اس کی کبریائی کا ملک اتنا وسیع ہے کہ اگر یہ دنیا نہ بھی ہوتی تو بال برابر بھی اُس کے ملک میں کمی نہ آتی اُس کی کبریائی کی کوئی ابتدا اور اس کے ملک کی کوئی انتہا نہیں)۔ اس بودی عقل سے قرآن پاک کے کنہیات کا سمجھنا ناممکن ہے۔ ہاں، قرآن پاک کی اعانت سے کچھ تھوڑا سمجھ بوجھ سکتے ہو۔ قولہٗ تعالےٰ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ (کسی کو ان انعامات کا علم نہیں جو اُن سے ہم نے چھپا لیا ہے)۔ سنو، دین کے راستے میں کوئی ہجرت اس سے بڑھ کر نہیں کہ کوئی شخص اپنے آپ سے ہجرت کر جائے تاکہ ساری کائنات عالم سے علیٰحدہ ہو بیٹھے۔ کیونکہ خود جہان کو اس آدمی سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ جو آپ ہی درماندہ ہو رہا ہو، جب عنایت و توفیق خداوندی نے اس کی امداد فرمائی تو وہ اپنے آپ سے چھٹکارا پا چکا۔ اب آفرینش و جہان کی راتیں سہانی بسر ہوں۔ کیونکہ مرد نے اُسے خیر باد کہہ کر اپنی راہ اختیار کرلی۔ جیساکہ کہا ہے اِنْ تَعَلَّقْتَ بِذَرَّةٍ اَوْ تَعَلَّقَتْ بِكَ ذَرَّةٌ فَاَنْتَ فِیْ حِبَالِہَا (اگر کسی ذرّہ کا تعلق تیرے ساتھ یا تیرا تعلق کسی ذرّہ کے ساتھ ہے تو گویا تو اس کا رہن ہے)۔ اور اس وقت تک اس کا بندہ اور غلام رہے گا جب تک اُسے جھاڑ کر آزاد نہ ہو جائے تقوے کی شکل نہیں دیکھ سکتا۔ کیونکہ تقوے کی یہی عادت رہی ہے کہ وہ چاہتا ہے کہ تیری ہستی سراپا اسی کی ہو رہے۔ جیساکہ کہا ہے ؂

دلبر جانانت اگر آرد دست ۔۔۔ در گزر از خود رہ بسیار نیست

(اگر تیرا محبوب تیرا ہاتھ تھام لے تو اپنی ہستی قربان کر دے۔ یہ کوئی دور دراز راستہ نہیں ہے)۔

واللہ یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ تجھے جاہ وحشم اور دنیا کے ناز ونعم بھی ملیں اور اس کے ساتھ ساتھ تو تقویٰ بھی چاہے۔ سن رکھ کیا فرماتا ہے اَنَا اَغْنَی الْاَغْنِیَاءِ عَنِ الشِّرْکِ (میں شرکا سے مطلق بے پرواہوں) وہ کسی طرح بھی شرکت قبول نہیں کرتا۔ ایک بزرگ نے کہا ہے ؎

آن کس کہ بیار من ہمی در نگرد گو منگر کہ عشق شرکت نپذیرد

(جو کوئی میرے محبوب پر نظر ڈالے اس سے کہہ دے کہ مت دیکھ کیونکہ عشق شرکت قبول نہیں کرتا)۔ تقویٰ ایک بہت وسیع ملک ہے۔ یہاں جھگڑے لڑائی کی گنجائش کہاں۔ دین کی سلطنت بڑی غیرت مند واقع ہوئی ہے، یہ کسی کی شرکت نہیں چاہتی۔ میاں صاحب یہی بھاری بوجھ جو سر پر لاد رکھا ہے تقویٰ کی راہ میں روڑا بنا ہوا ہے۔ جب تک یہ چٹان چکنا چور نہ ہولے گی متقیوں کے تقوے کے بارے میں تم کو ایک لفظ اپنی زبان سے نکالنا درست نہیں۔ اپنے آپ سے جتنا لگاؤ ہوتا جائے گا بدبختی وناکامی کا یہ سنگ راہ اور زیادہ اٹل بنتا رہے گا۔ اپنے سے آشنائی کے معنی اس سے بیگانگی کے ہیں۔ اور اگر اپنے سے بیگانہ ہوئے تو اس سے آشنا ہو گئے۔ جو شخص اسی سنگ راہ کے اردگرد پھر کر رہ گیا وہ خواہ خرقہ پوش ہو، جبہ ودستار باندھ کر مصلے پر بیٹھا رہتا ہو، یا تلوار باندھنے والا کوئی مسلح سپاہی ہو، دونوں کے درجے برابر ہیں۔ بدبختی کا یہ بھاری پتھر کسی پختہ پیر کی مدد کے بغیر پاش پاش ہو کر اپنی جگہ سے نہیں ٹل سکتا۔ اور یہ ہولناک وخونخوار بیابان اس کی رہبری کئے بغیر طے کر لینا دشوار وناممکن ہے۔ اسی لیے کہا ہے۔ قطعہ

زنہار تانہ آئی بے مردے اندرین رہ زیرا کہ این بیابان خونخوار می نماید
گرمرد رہ نۂ تو بر بوے گل چہ پوئی رو باز گرد کاین رہ پرخار می نماید

(دیکھو خبردار بغیر کسی رہبر کے اس راہ میں قدم نہ رکھنا۔ کیونکہ اس میں بڑے بڑے خونخوار جنگل ہیں جبکہ تم نابلد ہو تو پھولوں کی مہک پر کیا دوڑ پڑتے ہو۔ جاؤ لوٹ جاؤ یہ راستہ کانٹوں سے بھرا پڑا ہے)

سنو، تقویٰ کے یہ معنی ہیں کہ ناچیز سے ناچیز مخلوق کی طرف بھی تم حقارت وتوہین کی نظر نہ اٹھاؤ۔ اگر کہیں راہ میں چیونٹی آجائے تو بچا کر قدم آگے بڑھاؤ۔ حدیثوں میں مذکور ہے کہ ایک دن حضرت علی کرم اللہ وجہہ کہیں تشریف لے جا رہے تھے ایک چیونٹی پر آپ کا پاؤں پڑ گیا اور وہ زخمی ہو گئی۔ اس کی تکلیف کا اثر آپ کے قلب پر ہوا۔ انھوں نے دیکھا کہ وہ درد کی وجہ سے ہاتھ پاؤں

ٹپک رہی ہے۔ آپ غمگین ہو گئے اور اس کے پاس بیٹھ کر رونے لگے۔ آپ اس قدر لرزہ براندام ہوئے گویا آپ کے بدن میں طاقت ہی نہیں ہے۔ چیونٹی ہاتھ پاؤں مار کر بل میں چلی گئی لیکن آپ کے دل میں اس کا بڑا دکھ رہا۔ آپ وہاں سے اُٹھ کر چلے آئے۔ رات کے وقت آپ نے حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ حضور خشمگیں ہیں اور ڈانٹ رہے ہیں کہ "اے علی تم نہیں سنتے کہ آج ساتوں آسمان میں تمھارے ظلم وستم کی داستان گونج رہی ہے جس چیونٹی پر تم نے پاؤں رکھ دیا تھا وہ اپنی قوم کی سردار اور صدیقانِ بارگاہ میں سے ایک تھی۔ وہ جس دن سے پیدا ہوئی پل بھر بھی خدا کی تسبیح وتہلیل سے غافل نہ ہوئی۔ مگر اس وقت کہ تم نے اُسے کچل دیا" حضرت کی یہ باتیں سن کر آپ کانپ اُٹھے اور فرمایا کہ یا رسول اللہ ہم کیا کریں اور اب اس کا کیا چارہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ "اے علی، گھبراؤ نہیں۔ اس چیونٹی نے خدا سے تمھاری معذرت چاہی ہے اور کہا ہے کہ اے پروردگار، تو نے ہر کام میں قصد اور بلا قصد کو معتبر فرمایا ہے۔ علی سے یہ حرکت قصداً نہیں بلکہ بلا قصد سرزد ہوئی ہے اس سے درگذر کر اور میں بخشایش چاہتی ہوں تو ان کو بخش دے۔ چونکہ تم میرے دربار کے شجاع کہلاتے ہو اس لیے چیونٹی نے شفاعت کی اور تمھاری رہائی کا احسان رکھا جب یہ قصور معاف ہوا۔ اے علی اگر وہ تمھاری سفارش نہ کرتی تو بارگاہِ خداوندی میں تمھاری بڑی رسوائی ہوتی۔" تم نہیں جانتے ایسا کیوں ہے؟ یہ اس لیے ہے کہ اپنے حقوق سے تو چشم پوشی کی جا سکتی ہے لیکن دوستوں کے حق کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ہوش سنبھال کر بیٹھو کائناتِ عالم کا کوئی ذرہ نہیں جس نے یہ باتیں نہ سنی ہوں۔ جیسا کہ کہا گیا ہے ؎

ہر چہ تو بینی ز سفید و سیاہ بر سرِ کار یست دریں بارگاہ

(تم اس کارخانۂ خداوندی میں سفید وسیاہ جو کچھ بھی دیکھتے ہو وہ خدائی سلطنت کے کسی نہ کسی کام میں لگا ہوا ہے۔ ؎

نگہ کن ذرہ ذرہ گشتہ پویاں بہ حمدش نکتۂ توحید گویاں

(دیکھو آفرینش کا ذرہ ذرہ گردش کر رہا ہے اور اس کی حمد میں توحید کا ایک نکتہ بیان کر رہا ہے)۔ تا کہ تم سمجھو کہ مخلوقات کے ساتھ پروردگارِ عالم کے ہزاروں اسرار پوشیدہ ہیں۔ اور ایسے ایسے

کام سپرد کیے گئے ہیں جہاں عقل کی رسائی نہیں۔ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ (اور کوئی بھی ایسی چیز نہیں جو اُس کی حمد وثنا نہ کرتی ہو) یہی جملہ کافی گواہ ہے۔ اسی راز کو کسی نے کہا ہے ؎

ہزاراں قطرہ زین وادی برآیند | بدین درگہ بہ زانو اندر آیند
بہ عجزِ خویش می گویند کہ اے پاک | توئی معروف وعارف ماعرفناک

(اس وادی کے ہزاروں قطرے اس درگاہ میں سر کے بل آتے ہیں اور عجز وانکسار کے ساتھ کہتے ہیں کہ اے پاک پروردگار تو ہی عارف ہے اور تو ہی معروف ہم تجھے نہیں پہچان سکتے) تمھاری خوش نصیب نگاہیں کبھی اس پر پڑی ہیں کہ وَمَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا ھُوَ۔ (تیرے رب کے لشکر کو سوائے اس کے اور کوئی نہیں جانتا)۔ اگر نظر سے جہالت کے پردے اُٹھ جائیں تو سارے جہان کو اُس کی اطاعت و بندگی میں کمر بستہ پاؤ گے اور ہر تاریکی اور نادانی کے گوشے سے باہر نکل آؤ گے تو جملہ مخلوقاتِ عالم کو اُس کی تلاش میں سرگرداں دیکھو گے۔ اسی موقع کے لیے حضرت نظامی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے ؎

معرفت از آدمیان بردہ اند | آدمیان راز میان بردہ اند

(معرفت آدمیوں سے لے لی ہے، اور آدمیوں کو درمیان سے اُٹھا دیا ہے) جب حضور سرورِ کائنات ان اسرار سے باخبر ہوئے تو ہمیشہ آپ یہی چاہتے تھے اور دعا کرتے تھے اَرِنَا الْاَشْیَاءَ کَمَا ھِیَ (اے اللہ مجھے ہر شے کو اسی طرح دکھا جیسی حقیقت میں وہ ہیں)۔ تاکہ بغیر کسی دقت کے یہ اسرار کے موتی پالوں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے۔ اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اِتِّبَاعَہٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اِجْتِنَابَہٗ (خداوندا مجھے حق کو حق دکھلا اور حق کی اتباع کی توفیق دے۔ اور باطل کو باطل دکھلا اور اُس سے بچنے کی طاقت عطا فرما)۔ اسی کی طرف یہ اشارا ہے جو کہا گیا۔ اِذَا اَرَادَ اللّٰہُ بِعَبْدٍ خَیْرًا بَصَّرَہٗ بِعُیُوْبِ نَفْسِہٖ (جب خدا کسی بندے کے ساتھ نیکی کرنا چاہتا ہے تو اس کے عیب اس پر ظاہر کر دیتا ہے) کہتا ہے اگر نگاہوں کے سامنے بتخانہ آجائے تو اس کو چھوڑ کر آگے بڑھ جاؤ۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ وہ زمین جس پر شراب خانہ تھا تھوڑے دنوں کے بعد اسی زمین پہ مسجد تعمیر ہو گئی۔ یہی حق ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ دل ہی بدل دیا جاتا ہے اور وہ بتخانہ سے مسجد وکعبہ بن جاتا ہے۔ مگر یہ بتخانہ عظمت میں اس سے کہیں زیادہ ہے کہ مشرق سے مغرب تک کعبہ ہی کعبہ بنا ہوا دکھائی دے۔ اگر کبھی کہا جائے کہ تمھاری دعائیں مقبول

ہوا کرتی ہیں اور تم مستجاب الدعوات بنا دیے گئے ہو۔ تو تم کہو کہ اے خدا میں یہ نہیں چاہتا، بلکہ مجھ کو میری ہی نظر سے اٹھا دے۔ جب تمھاری نگاہوں سے تمھیں اٹھا دیا گیا تو سارے کاموں کے نیک ہونے کی امید بندھ گئی۔ جب تک تم اپنی نظر سے اپنی ہستی کو دیکھتے رہو گے خود پرست کہے جاؤ گے شیطان کیا تھا خود پرست ہی تو تھا۔ صورۃً کچھ ہی ہو، فرشتہ خواہ انسان، زمین یا آسمان، دوزخ یا بہشت، خود پرست وہی کہلاتا ہے جو اپنی ہستی و شخصیت سے گزر نہ گیا ہو۔ اسی کی طرف اشارتاً کہا ہے۔ قطعہ

گرچہ حجاب تو بروں از حد ہست ہیچ حجاب تو چو پندار نیست

پردۂ پندار بسوز و بدان در دو جہانت بہ ازیں کار نیست

(اگرچہ تیری آنکھوں پر ہزاروں پردے پڑے ہوئے ہیں۔ لیکن کبر و نخوت و خود بینی سے بڑھ کر کوئی حجاب نہیں۔ اس خود بینی کو جلا دے کیونکہ دونوں جہاں میں تیرے لیے کوئی کام اس سے بہتر نہیں) سنو محبت وہ چیز ہے جو دونوں جہاں کی عزت و آبرو مٹا دیتی ہے۔ عبودیت کی دنیا میں تو بہشت و دوزخ کی قدر ہوتی ہے۔ مگر محبت کے جہان میں دونوں عالم کی قدر و منزلت ایک ذرّے کے برابر بھی نہیں۔ حضرت آدم کو بہشت کی نعمتیں عطا کی گئیں۔ مگر دیکھا کہ انھوں نے کیا کیا۔ آپ نے گیہوں کے ایک دانے کے عوض میں بہشت اور نعمائے بہشت کی لذتوں کو فروخت کر دیا۔ اور بلند ہمتی سے محنت و مشقت کا گھر پسند فرمایا۔ ؎

نمی خواہیم جز زلف تو زنجیر زہے دیوانۂ عاقل کہ مائیم

(ہم ایسے عقلمند دیوانے ہیں کہ تیری زلفوں کے سوا کوئی زنجیر پسند نہیں کرتے) حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی کہ "اے داؤد میرا ذکر، ذکر کرنے والوں کے لیے، میری بہشت بندگی بجا لانے والوں کے لیے، میری زیارت میرے مشتاقوں کے لیے اور میں خاص عاشقوں کیلیے ہوں۔ اے بھائی! عذاب و ثواب کی باتیں اور بہشت و دوزخ کے نام محبت و عشق کے دفتر سے اس طرح قلم زد کر دیے گئے ہیں کہ ان کے نشان نہ آج مل سکتے ہیں نہ کل ہی۔ مگر یہ باتیں ہر شخص کے دماغ میں نہیں سما سکتیں۔ اور اس شربت کی مٹھاس ہر ایک کام و دہن کے لائق نہیں۔ یہی راز ہے جو کہا گیا ہے۔ ؎

ہر نفسے حوصلۂ باز نیست ہر شکمے حاملۂ راز نیست

(ہر ایک کو باز کی ہمت اور بلند پروازی حاصل نہیں ہوتی اور ہر ایک دل اسرارِ الٰہی کا حامل نہیں ہوتا۔ والسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پینسٹھواں مکتوب

صدق کے بیان میں

بھائی شمس الدین اللہ تم کو بزرگی عطا فرمائے۔ دیکھو حضرت خواجہ ذوالنون مصری نے فرمایا ہے اَلصِّدْقُ سَیْفُ اللّٰہِ فِیْ اَرْضِہٖ مَا وُضِعَ عَلٰی شَیْءٍ اِلَّا قَطَعَہٗ (سچائی زمین پر خدا کی تلوار ہے۔ جس پر پڑتی ہے کاٹ کر چھوڑتی ہے) صدق کا مطلب مسبب کے مسبب (یعنی سبب بنانے والے کو دیکھنا ہے نہ کہ سبب کا ثابت کرنا۔ سبب ثابت کرنے سے صدق کا حکم باقی نہیں رہتا۔ اس لیے کہ ایمان کی حقیقت ہی یہ ہے کہ خدا کے سوا کچھ نہ چاہے۔ جیسا کہ کہا ہے اِعْبُدُوا اللّٰہَ وَلَا تُشْرِکُوْا بِہٖ شَیْئًا (خدا ہی کی پرستش کرو اور کسی چیز کو بھی اس کا شریک نہ بناؤ) جس نے یہ دعویٰ کیا کہ مجھ کو صدقِ ایمان حاصل ہے اُس نے مان لیا کہ بجز خدا اُسے کسی سے کوئی تعلق اور سروکار نہیں۔ اس کے دعوے کی سچائی کی یہی دلیل ہے کہ اگر خدا کے سوا کوئی چیز دیکھے تو اس سے آنکھیں پھیر لے۔ اگر ایسا نہ کرے گا تو وہ اپنے دعوے میں سراسر جھوٹا ہوگا۔ اسی معنی میں کہا ہے۔ رباعی

دل راطلبِ وصل، بلا را سپر است جان در دمِ قہرِ ہجرِ او، پرخطر است

بیرون ز وصال و ہجر کارے دگر است ہمت چو بلند شد ہمہ دردِ سر است

(دل میں اُس کے وصل کی خواہش ہونا بلاؤں کے لیے سپر ہے۔ اس کی جدائی کا عذاب جان کیلیے بڑا ہی خطرناک ہے اس کے وصال و فراق سے کہیں بڑھ کر ایک دوسرا ہی کام ہے۔ جب ہمت بلند ہو جاتی ہے تو یہ باتیں دردِ سر معلوم ہوتی ہیں) ایک دفعہ حضرت ذوالنون مصری بیت المقدس سے بغداد آرہے تھے راستے میں دُور سے ایک آدمی نظر آیا۔ ان کا جی چاہا کہ اس سے بات کریں جب قریب پہنچے تو دیکھا ایک بوڑھی عورت جبہ پہنے اور عصا لیے چلی آرہی ہے۔ آپ نے پوچھا بڑی بی

تم کہاں سے آرہی ہو؟" وہ بولیں "اللہ کے یہاں سے!" آپ نے کہا "گھر کہاں ہے؟" بولیں "اللہ کے یہاں!" پھر پوچھا۔ "کہاں کا ارادہ ہے؟" جواب دیا "اللہ کے یہاں کا!" آپ نے اُن کو ایک اشرفی دینی چاہی۔ اُس نے ہاتھ ہلاکر منہ کیا۔ اور کہا۔ "اے ذوالنون یہ کیا حالت ہے جس میں تم مبتلا ہو۔ میں تو سارا کام خدا ہی کے لیے کرتی ہوں، اور غیر خدا سے کوئی چیز نہیں لیتی۔ نہ اس کے سوا کسی کو پوچھتی ہوں۔ نہ اُس کے سوا کچھ لے سکتی ہوں۔" اتنا کہہ کر غائب ہوگئی۔ مرید کی ہمت ایسی ہونی چاہیے۔ اسی راز کے متعلق کہا گیا ہے ؎

همت ازانجا کہ نظر ہا کند خوار مدارش کہ اثر ہا کند

(ہمت جس جگہ سے بھی نظر کرتی ہے اس کو معمولی نہ سمجھو وہ اپنا اثر ضرور دکھاتی ہے) جس نے کہا میں اسی کے لیے کام کرتا ہوں یہ اس کی صداقت اور ہمت کی دلیل ہے۔ کیونکہ لوگوں کے معاملے دو طرح پر ہوا کرتے ہیں۔ ایک یہ کہ جو کچھ کرتا ہے یہ سمجھ کر کرتا ہے کہ اُسی کے لیے کرتا ہوں۔ مگر وہ سارے دھندے اپنے لیے کرتا ہے۔ اگرچہ اس کی دلی خواہش کا اس میں دخل نہ ہو۔ اس جہان میں اس کا ثواب اس کو ملے گا۔ دوسرے یہ کہ وہ اس جہان اور اس جہان کے ثواب عذاب اور تمام عالموں سے قطعی الگ ہوں۔ جو کچھ کریں محض فرمانِ الٰہی کی عظمت اور محبت کے جذبے کے ماتحت بجالائیں۔ یہی ہے جو کہا گیا ہے۔ قطعہ

دنیاست بلاخانہ وعقبیٰ ہوس آباد ماحاصلِ این ہر دو بیک جو نہ ستانیم
این فتنہ بہ دنیا شد آن غرہ بہ عقبیٰ ما فارغ ازین ہر دو نہ اینیم نہ آنیم

(دنیا بلاؤں کی جگہ ہے اور عقبیٰ حرص وہوس کی منزل ہم ان دونوں میں سے کسی کو ایک جو کے بدلے بھی نہیں خریدتے۔ یہ دنیا کا فتنہ ہے اور وہ عقبیٰ کا غرور۔ ہم ان دونوں سے آزاد ہیں نہ اہلِ دنیا ہیں اور نہ اہلِ عقبیٰ) کہتے ہیں کہ طاعت کی وجہ سے طاعت کرنے والے کو اس سے کہیں زیادہ انعام وحصہ ملتا ہے جتنا کہ گناہگار کو گناہ سے کیونکہ گناہ کے لطف اور مزے تو تھوڑی ہی دیر میں ختم ہو جاتے ہیں۔ مگر طاعت کی راحتیں ہمیشہ قائم رہتی ہیں۔ مخلوق کی طاعت ومجاہدہ سے اللہ تعالیٰ کا کوئی فائدہ نہیں۔ اور نہ اس کو چھوڑنے سے اس کا کوئی نقصان یا گھاٹا ہے۔ اگر ساری دنیا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ کی صداقت برتنے لگے تو اسی کی بہبودی وسعادت ہے۔

اور اگر تمام جہان والے فرعون کے کذب کی پیروی کریں تو اس میں انھیں کا نقصان ہے۔ اس خوانِ پرنعمت پر صدق خالص کی جگہ مقرر ہو چکی ہے کہ اَھْلُ الْقُرْاٰنِ اَھْلُ اللّٰہِ خَاصَّۃً (اہلِ قرآن خاص اللہ والے ہیں)۔ اُس کی پرورش اور غذا قرآن پاک کے نعمت خانے سے ہوا کرتی ہے اَھْلُ الْجَنَّۃِ خَاصَّۃً (خاص جنت والے ہیں) جنت کے خواہاں تو دوسرے لوگ ہیں۔ لیکن اَھْلُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ یعنی توحید والوں کی پاک روحیں اس اصل سے وجود میں آئی ہیں وَنَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ (میں نے اس میں اپنی روح پھونک دی)۔ اس گروہ کی روزی عالم قرآن سے ملا کرتی ہے جس کسی کو قرآن کے دسترخوان پر بٹھایا گیا وہ اس جہان کی کدورتیں جو فتنہ وفساد کی جڑ ہیں برداشت نہیں کر سکتا۔ آخر تنگ آکر موت کی تمنا کرے اور منتظر رہے گا کہ یہ مبارک گھڑی کب آتی ہے۔ کس دن حضرتِ عزرائیل کرم فرماتے ہیں تاکہ یہ کدورتیں رفع دفع ہو کر غم ودرد کی طلب کی جھلک نظر آنے لگے اور قیامت تک محبوب کے مشاہدۂ جمال میں محو رہیں۔ طریقت کے پیشواؤں نے اس کی پہلی شناخت یہ بتائی ہے کہ موت کا عاشق بن جائے گا۔ اور اس انتظار میں تڑپا کرے گا کہ جناب عزرائیلؑ کے قدم کدھر سے آتے ہیں تاکہ ان کا استقبال تپاک کے ساتھ کیا جائے۔ ایسے حضرات کے پاس ملک الموت اس لیے آتے ہیں تاکہ اس کم بخت روڑے کو جس کا نام نفس ہے راستے سے ہٹا دیں جان نکالنا ان کا کام نہیں۔ کیونکہ وہ مرنے والا تو یہ بشارت رکھتا ہے کہ اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ (اللہ ہی جانوں کو موت دیتا ہے)۔ جب حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دَقَّ عَظْمِیْ وَاشْتَدَّ شَوْقِیْٓ اِلٰی لِقَاءِ رَبِّیْ (دردِ محبت سے میری ہڈیاں گھل گئیں، اور میرے پروردگار کے دیدار کا شوق بھڑک اٹھا، تو حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور کہنے لگے: "سرکار، ذرا اپنا شوق ابھی کچھ روز دبائے رکھیے۔ مجھے اس کام کے لیے ربیع الاول میں حکم دیا گیا ہے۔ حضورؐ کے اضطراب وشوق کی وجہ سے میں عدول حکمی کیسے کر سکتا ہوں۔ اسی موقع کی مناسبت سے کہا گیا ہے۔

طرفہ سروکار یست کہ بر وعدہ معشوق صابر نتوان بود و تقاضا نتوان کرد

(عجب معاملہ آپڑا ہے کہ محبوب کے وعدے پر نہ صبر کرنے کی طاقت ہے اور نہ تقاضا کیا جا سکتا ہے)۔ اے بھائی سچ ہے کہ زمانے میں کوئی دکھ دردِ لقائے جمالِ باری تعالیٰ کی تمنا کے

درد وغم سے بڑھ کر نہیں۔ جیسا کہ ایک آرزو مند نے کہا ہے۔ قطعہ

منم وہزار حسرت کہ در آرزوے روت | ہمہ عمر در غمت رفت و زفت ہیچ کارم
اگرم تو دست گیری بپزیر انیست دولت | واگرنہ رستخیزی زہمہ جہان بر آرم

(مجھے نہایت حسرت و افسوس ہے کہ تیرے دیدار کی تمنا میں میری ساری زندگی گذر گئی، اور کچھ بھی کام نہ نکلا۔ اگر تو مدد کرے اور مجھ کو قبول کرلے تو یہ بڑی دولت ہے۔ نہیں تو زمانے میں قیامت اُٹھا کر ہی دم لوں گا)۔ یہ وہ درد ہے کہ اگر ذرہ بھر بھی جہان میں اپنی چمک دکھائے تو روے زمین پر کسی بیماری کا نام ونشان باقی نہ رہے۔ استاد ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ میں اپنی ارادت کے ابتدائی دنوں میں ایک ویران شہر میں گھوم رہا تھا۔ جیسا کہ نئے نئے مریدوں اور مبتدیوں کی عادت ہوتی ہے، میں بھی ایک ٹوٹی پھوٹی مسجد میں گیا۔ یہاں ایک بوڑھے شخص کو دیکھا کہ خون کے آنسو رو رہا ہے، مسجد کی زمین اس کے لہو سے بھیگ گئی ہے۔ میں نے کہا یَا شَیْخُ اُرْفُقْ بِنَفْسِكَ (اے شیخ! اپنے آپ پر رحم کیجیے) آخر آپ پر کون سی مصیبت پڑی ہے۔ وہ بولے اب مجھ میں طاقت باقی نہیں رہی اور خدا کی طلب وتمنا میں زندگی بھی ختم ہوگئی۔ اسی راز کو کسی دل جلے نے یوں کہا ہے۔ ؎

مردم در آرزوے روت روزے نہ دید روت | حاجی براہ رفتہ وز کعبہ باز ماندہ

(لوگ تیری تمنا میں گھلتے رہے لیکن کسی دن تیری صورت نہ دیکھی۔ حاجی نے راستے کی ہزار مشکلیں جھیلیں لیکن کعبۂ حقیقی سے محروم رہا) حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات کے وقت یہ دعا کی اَللّٰهُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی سَکَرَاتِ الْمَوْتِ (اے اللہ موت کی سختیوں کے وقت میری مدد فرما) میری جان نکالنا ملک الموت کا کام نہیں۔ اے خدا تو اعانت فرما تاکہ میں اس جان کے بکھیڑوں سے چھوٹ جاؤں۔ ؎

جانان فداے دوستی تست جانِ من | عاشق بہ دوست زندہ بود جان چہ حاجت است

(اے محبوب میری جان تیری محبت پر قربان ہے۔ عاشق تو دوست کی بدولت زندہ رہتا ہے اُسے جان کی کیا ضرورت ہے)۔ اے بھائی! مدتیں گذر چکیں کہ یہ کہا گیا ہے کہ دوسروں کے قصے سننا سواے دردِ سر مول لینے کے کچھ نہیں۔ کسی بھوکے کے سامنے مزے دار کھانے کی

تعریف کرنا حسرت و درد کے سوا اور کیا ہے۔ اگر تم سے ہو سکتا ہو تو قدم آگے بڑھاؤ۔ جان پر مصیبت اٹھاؤ، اور سر کی بازی لگا دو۔ اسی لیے کہا ہے۔ ؎

از گفتگو نیاید وصلش بسے محال است ‌‌‌‌ ‌ بحرِ محیط ہرگز در ناودان نہ گنجد

(اس کا وصل باتوں سے حاصل نہیں ہوتا یہ بہت دشوار بلکہ محال ہے۔ بھلا کہیں بحر ناپید اکنار کوزے یا کسی نالی میں سما سکتا ہے) جس دل میں عشق اور موت کی دھن سمائی اُس پر سعادت کے دروازے کھل گئے اور نام و نمود کے بندوں کے لیے یہ راہ بند کر دی گئی۔ یہ موت کے ڈر سے گھلے جاتے ہیں۔ ایک بڑے میاں تھے جنھیں لوگ سید الاوتاد کہا کرتے تھے ان کا نام کُلَیب تھا۔ عربی زبان میں سگ کی تصغیر کلیب ہے۔ بدن بگڑا ہوا تھا اس پر تنگی معاش اتنی سخت تھی کہ شام سے صبح اور صبح سے شام ہو جاتی لیکن ایک لقمہ بھی ان کو میسر نہ ہوتا۔ خیر نساج رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ میں ایک دن ان کے حجرے کے آس پاس پھر رہا تھا۔ ان کی مناجات کی آواز میرے کانوں میں آئی۔ وہ کہہ رہے تھے اِلٰھِی ھٰذَا اِسْمِیْ کُلَیْبٌ وَھٰذَا جِسْمِیْ مَجْذُوْمٌ وَھٰذَا قِلَّتِیْ وَمَعَ ھٰذَا اَیْنَ جِبْرِیْلُ حَتّٰی یَرٰی مُبَارِزَتِیْ (خداوندا میرا نام کتے کا پلاّ ہے، میں کوڑھ کی بیماری میں مبتلا ہوں، فقر و فاقہ کی مصیبت ہے۔ کہاں ہیں جبریل کہ وہ میری ان بلاؤں کے ساتھ جد و جہد کو دیکھیں۔ ؎

عرش روانے کہ ز تن رستہ اند ‌‌‌‌ ‌ شہپر جبریلؑ فرو بستہ اند

(جن کی عرشی روحیں جسم کی قید سے آزاد ہو چکی ہیں اُن کی پرواز نے جبریلؑ کے پر باندھ دیے ہیں۔

اے بھائی! خدا اکیلا ہے وَالْمُؤْمِنُ مُتَوَحِّدٌ (اور مومن بھی یگانہ ہے)۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات یکتا ہے اس لیے وہ چاہتا ہے کہ مومن بھی یگانہ ہو۔ اس امر پر کلمۂ شہادت دلیل ہے کہ اس کا آدھا جز لَآ اِلٰہَ برائت و علیحدگی چاہتا ہے۔ اور دوسرا اِلَّا اللہ دوستی اور گرویدگی کا مستحق ہے جس قدر غیر حق سے علیحدگی ہوگی اتنی ہی حق کے ساتھ محبت اور وابستگی ہونا ضروری ہے۔ کسی نے اس طرح فریاد و فغاں کی ہے ؎

کو آتشے کہ بروے این خرقہ را بسوزم ‌‌‌‌ ‌ کین خرقہ در برِ من زنّار می نماید

(وہ آگ کہاں کہ اپنی اس گدڑی کو اس میں جلا ڈالوں۔ کیونکہ یہ خرقہ میرے بدن پر زنار معلوم ہوتا ہے

جو شخص اپنے مومن ہونے کا دعویٰ کرتا ہے، اُس کو اپنے اسرار میں غور کی نظر سے دیکھنا چاہیے۔ اگر غیرِ حق سے وہ گریزاں ہے تو اس کا دعویٰ صحیح ہے۔ اور اگر غیرِ حق کی طرف اس کے اسرار مائل ہیں اور جو چیز حق تک پہنچانے والی ہے اس سے علیحدگی اور دُوری ہے تو اس کو اپنے ایمان کا ماتم کرنا چاہیے۔ اس کے دل سے نورِ ایمان چھین لیا گیا ہے۔ جیسا کہ کہا ہے ۔

ہنوز از کافِ کفر خود خبر نیست حقائقہائے ایمان را چہ دانی

(ابھی تو تجھے اپنے کفر کے کاف کی بھی خبر نہیں ہے تو ایمان کی حقیقتوں کو کیا جان سکتا ہے)۔

چنانچہ کسی بزرگ نے یہ کہا ہے کہ ساری دنیا محبت اور عاشقی کی دعوے دار ہے۔ مگر ان کے دعوے کو جب غور سے دیکھتے ہیں تو ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سب خود اپنے ہی معشوق بنے ہوئے ہیں عاشقی سے ان کو دُور کا بھی واسطہ نہیں۔ کیونکہ جو شخص محبت کا مدعی ہوا اُس کے دعوے کی سچائی اس سے معلوم ہوگی کہ وہ اپنی مرادوں سے دامن جھاڑ کر باہر نکل آیا ہے یا نہیں۔ اگر مراد کی طلب اب بھی باقی ہے تو یہ محبوبی نہیں تو اور کیا ہے۔ اس کو محب نہیں کہا جاسکتا۔ اس کا دعویٰ سراسر جھوٹا اور لغو ہے۔ اسی سے ظاہر ہوگیا کہ اس وقت تک محبت کا دعویٰ صحیح نہیں۔ جب تک کہ محب کو محبوب کے سوا کونین کے ایک ذرے کی بھی ہوس باقی ہے۔ اربابِ نظر نے اس آیت کے متعلق کہا ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا (اے وہ لوگ جو ایمان لا چکے ہو، ایمان لاؤ) مومنوں کو پھر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ دوسرا ایمان پہلے ایمان کے علاوہ ہے۔ پہلا ایمان اللہ کی تصدیق اور اقرار ہے۔ اس اقرار و تصدیق کی حقیقت غیرِ خدا کی طرف نظر نہ کرنا ہے۔ پھر بھی اگر غیرِ حق پر آنکھ ڈالی تو پہلے قول و قرار سے ہٹ گیا۔ بندوں کی آنکھیں دیکھنے سے کب تک بند رہ سکتی ہیں۔ اس لیے فرمان ہوا کہ ایمان دوبارہ تازہ کرو۔ جب دیکھتے ہو تو ان نظر آنے والی اشیاء کو نہ دیکھو بلکہ ان کے صانع و خالق کو دیکھو۔ یہاں تک کہ کسی طرح کا خطرہ اور خدشہ دل میں پیدا نہ ہو، ورنہ دوبارہ ایمان لانا ہوگا۔ ایمان تازہ کرنے کے معنی یہ ہیں کہ جب جب غیرِ خدا کا خیال آئے، اُس سے اعراض کر کے حق کی طرف رجوع کرے۔ اے بھائی اس سے بڑھ کر اور کوئی خوش نصیبی ہوسکتی ہے کہ وہ کہے "اے مٹی کے پتلے تو دل کی صفائی کے ساتھ میرا ہو جا۔ اے پانی کے ناچیز قطرے سوا میرے کسی سے دل نہ لگا۔ اے خاک کے ٹھیکرے میرے وصال کے محل میں پاؤں رکھ۔"

اس پیکرِ آب و گل کو اتنی بڑی دولت ملتی ہے کہ اپنے فضل و کرم سے حکم فرماتا ہے کہ دن رات میں پانچ مرتبہ میرے وصال کی خلوت میں داخل ہو کر معراجِ صلوٰۃ حاصل کیا کر۔ اور عالم میں پکار کر کہا کہ قُسِمَتِ الصَّلٰوۃُ بَیْنِیْ وَبَیْنَ عَبْدِیْ نماز بانٹ دی گئی ہے میرے اور میرے بندے کے درمیان۔ اسی لیے کہا ہے۔

این آبرو بس مرا کہ بندت خوانند خاکِ سرِ کوئے آستانت دانند

(میری یہ آبرو کہاں کہ مجھ کو تیرا بندہ پکاریں۔ یہی عزت میرے لیے بہت ہے کہ تیری گلی کی خاک جانیں)

موسیٰ علیہ السلام جو دربار کے کلیم تھے چالیس دنوں تک انھیں سخت انتظار میں رکھا گیا۔ مگر ہماری (امتِ محمدیہ کی) باری آئی تو ساقی لطف و کرم نے یہ کہہ کر ساغرِ وصل پلا دیا کہ اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْقُلُوْبِ (نماز دلوں کی معراج ہے)۔ اس سے یہ نہ سمجھو کہ اس امت کو پیغمبروں پر فضیلت دی گئی ہے۔ لیکن تم نے سنا ہوگا مَنْ کَانَ اَضْعَفُ فَالرَّبُّ بِہٖ اَلْطَفُ۔ جو زیادہ عاجز و ناتوان ہے اس پر خدا زیادہ مہربان ہے۔ اسی لیے کہا ہے۔

دَورِ تو زین دائرہ بیرون ترست از دو جہان قدرِ تو افزون ترست

(تیری گردش دائرۂ کون و مکان سے باہر ہے۔ دونوں جہان سے تیری قدر و منزلت بہت زیادہ ہے)۔ والسلام۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

چھیاسٹھواں مکتوب ۶۶

حضرت آدم علیہ السلام کے نسب کے بیان میں

بھائی شمس الدین۔ تم کو معلوم ہو کہ اس راہ کے آدمی کو حضرت آدمؑ کی اولاد کہلانے کا اُس وقت حق پہنچتا ہے جب وہ عالمِ دل میں پہنچ جائے۔ جب اس مقام میں پہنچ گیا تو عالمِ گردش ختم ہو گیا۔ اب یہاں سے روش شروع ہوتی ہے۔ یہاں جس طرح وہ خود بدل جاتا ہے اسی طرح جو کچھ اُس کو مل چکا ہے وہ بھی بدل جاتا ہے۔ چیزوں میں تصرف کرنے کی قوت اس کو حاصل ہو جاتی ہے۔ تم نے سنا ہوگا کہ فلاں فقیر کی بوتلوں میں شراب شربت بن گئی، اور ارنڈ کا پھل انجیر وہ اسی مقام میں تھا۔

اگر وہ چاہے کہ حکومت کے مال میں دست اندازی کرے تو اس کے لیے کوئی روک ٹوک نہیں۔ بعض مشائخ ایسے گزرے ہیں جن کا بیت المال اسی طرح جاری تھا۔ شریعت کا فتویٰ ہے کہ اگر پورب سے پچھم تک ساری زمین خون سے بھر جائے تو اس وقت بھی مومن سوائے حلال کے حرام چیز نہیں کھا سکتا جب تک دل کے عالم میں نہیں پہنچتا ایمان کی حقیقت ظاہر نہ ہوگی۔ جیسا کہ یہ حدیث نقل کی ہے: لَوْ کَانَتِ الدُّنْیَا بِرْکَۃُ الدَّمِ لَا یَشْرِبُ الْمُؤْمِنُ اِلَّا الْحَلَالَ (اگر ساری دنیا خون کا حوض بن جائے تو مؤمن سوائے حلال کے اور کچھ نہیں پی سکتا) شریعت میں اس کی اصل ملتی ہے۔ اس سے یہ مطلب آسانی سے سمجھ میں آجائے گا کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کسی جوان نے آکر پوچھا کہ رمضان کے دنوں میں بیوی کا بوسہ لیا جاسکتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا "جائز نہیں ہے"۔ اس کے کچھ دیر کے بعد ایک بوڑھا شخص آیا۔ اور اُس نے یہی دریافت کیا۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا "ہاں جائز ہے"۔ حضورؐ کے اصحاب نے متعجب ہو کر کہا یارسول اللہ یہ کیا ہوا؟ ایک کو منع کیا، اور دوسرے سے فرمایا جائز ہے۔ آپؐ نے فرمایا "ہاں وہ پہلا شخص جوان تھا، آتش شوق بھڑک اٹھنے کا خوف تھا۔ وہ دوسرا بوڑھا تھا اس کے ہیجانِ نفس کا کوئی گمان نہیں ہو سکتا تھا"۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ ہر آدمی کے لیے شریعت کا حکم ایک نہیں ہوا کرتا۔ یوں سمجھو کہ ایک شخص کرامت کے زور سے دریا پر چلتا پھرتا ہے۔ اگر کوئی دوسرا ایسا کرے تو ڈوب مرے۔ اور جو کوئی اس کی پیروی کیے اور خزانۂ شاہی میں تصرف کر بیٹھے مگر اس راہ سے نابلد ہو تو وہ اپنی ہلاکت کی کوشش کرتا ہے۔ ہاں آشنائے راہ کی ہدایت و اجازت سے البتہ قدم رکھ سکتا ہے۔ جب صاحبانِ دل اس مقام میں پہنچ جاتے ہیں تو ان کا عضو عضو سر سے پاؤں تک دل ہی دل بن جاتا ہے۔ اور ان کا کوئی عمل ضایع نہیں جاتا۔ یہی لوگ عالمِ دل کے مسند نشین کہے جاتے ہیں یہیں سے یہ بات نکلتی ہے کہ جب حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم سر مبارک جھاڑتے تھے تو اصحاب موے مبارک آپس میں بانٹ لیتے تھے۔ اور جو کپڑا زیب تن فرماتے تھے حضورؐ کے جسمِ مطہر کا اثر اس میں آجاتا تھا۔ اس لیے آپ نے ایک منافق کو اُس کے لڑکے کی خاطر سے جو مسلمان ہو چکا تھا ایک کرتا مرحمت فرمایا۔ اُس نے اپنے باپ کی قبر میں رکھ دیا۔ صحابہؓ نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا "کیا اس سے مرنے والے منافق کو کوئی فائدہ ہوگا؟" آپؐ نے فرمایا "جب تک اس کا ایک دھاگا بھی

باقی ہے اس پر کوئی عذاب نہ ہوگا۔ اسی کو دیکھ کر مریدان پیروں کے خرقے تبرک سمجھ کر آپس میں بانٹ لیتے ہیں تاکہ ہر شخص اس سے فائدہ اُٹھائے۔ ان مردانِ خدا کے سوا کسی اور کے کپڑے تقسیم کرنا ایک رسم بن گئی ہے جس کا کوئی فائدہ نہیں۔ جب مردانِ راہ کی گردش ختم ہو چکتی ہے تو وہ دل کے عالم میں داخل ہوتے ہیں اور امام و مقتدا بن جاتے ہیں اور انھیں کو زیبا ہے کہ لوگوں کو حق کی طرف بلائیں۔ اور جو اس منزل تک نہیں پہنچا اسے اس کا حق نہیں کہ اس طرح کی باتیں کرے۔ اس لیے جب امیرالمومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ بصرہ تشریف لائے تو یہاں حضرت خواجہ حسن بصری جو یگانۂ روزگار تھے آپ نے ان کو ان باتوں سے روک دیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ جو کچھ سرزد ہوتا ہے عالم دل سے اس کا نزول ہوتا ہے۔ اس کا حق آپ ہی کو تھا۔ اے بھائی! اگر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں فرمایا اِنَّكَ لَتَهْدِیْۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (بیشک تو ہی سیدھی راہ دکھا سکتا ہے)۔ پیروں کے حق میں یہ نوازش ہوئی مِمَّنْ خَلَقْنَاۤ اُمَّةٌ یَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ (ہم نے بعض امتیں ایسی پیدا کی ہیں جو حق کی طرف راستہ دکھاتی ہیں)۔ اگر تم کہو کہ ہم کیونکر سمجھ سکتے ہیں کہ مدعی کذّاب ہے یا ازلی عنایتوں کا حامل؟ اس کا یہی جواب ہے کہ جس طالبِ راہ کی روش درست ہوتی ہے اُس کے دل میں ایک طرح کی روشنی پیدا ہو جاتی ہے جس کی تابش سے وہ طغرائے شاہی دیکھ لیتا ہے اور مدعیوں کی طرف نہیں جھکتا۔ تم دیکھتے نہیں کہ اگر ہزاروں قسم کے جانور ایک جگہ جمع ہوں اور طرح طرح کے چارے اور دانے اُن کے سامنے ڈال دیے جائیں تو ہر ایک کا منھ اور معدہ آپ ہی سمجھ جائے گا کہ اس کی کیا غذا ہے۔ دوسروں کے کھانے کی طرف وہ توجہ نہ کرے گا۔ قرآن مجید نے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ (ہر شخص اپنا مشرب خوب جانتا ہے)۔ مردانِ خدا کی جوتیاں جھاڑو اور انھیں سے مانگو۔ مدعیوں سے کچھ ہونے کا نہیں۔ یہ لوگ اس کام کے لائق ہی نہیں۔ مدعی کون ہے؟ وہی جو بغیر جانے بوجھے راہِ خدا میں چل کھڑا ہونے کا دعوےٰ کرے، اور ایک قدم چلا نہ ہو۔ دیکھا بھی نہ ہو۔ اسی طرف اشارہ کیا ہے جو کہا ہے۔ وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِی الْاَرْضِ یُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ۔ (اگر تو اُن کی پیروی کرے گا جو دنیا میں بہت ہیں تو وہ خدا کے راستے سے تجھے گمراہ کر دیں گے) جب گمراہ کرنے والے زیادہ ہوئے تو ہدایت کرنے والے یقینی کم ہوں گے۔ طالب کا دل اس روشنی سے جو اُسے

ازل میں دی گئی ہے خود پہچان لے گا۔ اور اس کی صداقت ایک مرکز پر قائم ہو جائے گی۔ اور اپنے حوصلہ طلب کے موافق فیض واثر لینا شروع کر دے گی۔ اور پیر عمل و تصرف کرنے لگے گا۔ یہ سمجھو کہ وہ مردہ ہے اُس کا پیر غسل دیتا ہے تاکہ وہ آلودگیوں سے پاک و صاف ہو جائے اب جبکہ پاک ہو چکا تو اس کی گردش ختم ہو گئی۔ پھر یہاں سے سلوک کی راہ شروع ہوتی ہے۔ جس کا نام روش ہے۔ وَاللّٰہُ طَیِّبٌ لَا یَقْبَلُ اِلَّا الطَّیِّبَ (اللہ پاک ہے اور پاک لوگوں کو قبول کرتا ہے)۔ اے بھائی! یہ بھی کوئی طاعت ہے جس کو تم طاعت سمجھتے ہو۔ جیسے تمھارا نماز پڑھنا، روزے رکھنا، صدقہ دینا یا ماں باپ اور شہر والوں کی خدمت کرنا تمھاری عادت ہو گئی ہو۔ کیونکہ فرمان تو یہ ہے وَاِنْ تُطِیْعُوْہُ تَھْتَدُوْا (اگر خدا کی بندگی کرو گے تو ہدایت پاؤ گے) یہ نہیں کہا گیا وَاِنْ تُطِیْعُوْا عَادَتَکُمْ تَھْتَدُوْا (اگر تم اپنی عادت کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پاؤ گے)۔ تو کسی صاحب دل کے فرمان سے جو طاعت بجا لاؤ گے اسی کا پھل ہدایت ہے وَمَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ (جس نے رسولؐ کی اطاعت کی اُس نے خدا کی اطاعت کی)، اس کی یہی کافی دلیل ہے۔ اگر غور کرو تو معلوم ہو جائے گا کہ اگر ایک رکعت نماز کسی صاحب دل کے حکم سے پڑھی جائے تو ان ہزار رکعتوں سے جو اپنی خواہش وعادت سے پڑھی جائے کہیں بہتر ہے۔ اور ایک دن کا روزہ جو ان کے حکم سے رکھا جائے ان ہزار روزوں سے کہیں اچھا ہے جو اپنے جی سے رکھا گیا ہو۔ اور اسی طرح ایک روپیہ خیرات دینا اُن ہزار روپوں کے صدقہ کرنے سے افضل ہے جو اپنی عادت کی وجہ سے دیے گئے ہوں۔ اے بھائی! اسی دُھن میں لگے رہو کہ عادت کس طرح چھوٹ سکتی، اور دین کیسے طلب کیا جا سکتا ہے۔ مگر یہ باتیں بغیر مردان راہ کی کفش برداری کے پیدا نہیں ہو سکتیں، کیونکہ پیران طریقت چونکہ جانتے ہیں، وقت آنے پر گھات میں لگے رہتے ہیں اور روزانہ ایک قوم کو شیطان کے پھندوں سے باہر نکالا کرتے ہیں تاکہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مریدوں کے دلوں میں اپنا قدم جمائے۔ ان کو معلوم ہے کہ یہ شخص کس حال میں پیدا ہوا۔ اور اس وقت کتنے پانی میں ہے۔ ماں باپ سے جلد جلد جو سیکھ لیا ہے وہیں کا وہیں ہے۔ اگر بیس تیس چالیس پچاس سال، یہاں تک کہ زندگی کے آخری دن بھی آجائیں اس کی شکل وصورت میں کسی طرح کی تبدیلی نہ ہوگی۔ جیسا پہلے دن تھا اب بھی بالکل ویسا ہی نظر آئے گا۔ دنیا کی رسم وعادت والے دوسرے ہیں۔

اور مردانِ خدا دوسرے لوگ ہیں۔ جو شخص اپنی عادت کا بندہ ہو، غفلت کے سوا اس کا کوئی کام نہ ہو اور خواہشِ نفس کو اپنا معبود جانتا ہو، بھلا وہ کیسے ان کی برابری کرسکتا ہے جنھوں نے خدا کی راہ میں پہلا قدم رکھتے ہی زنارِ کفر کو توڑ کر پھینک دیا، دنیا اور آخرت نچھاور کر دی۔ اور پکار اُٹھے۔ رباعی۔

دیدیم نہاد گیتی و اصلِ جہان وز علتِ عار برگذشتیم آسان

وان نورِ سیاہ را ز لا برتر دان زان نیز گذشتیم نہ این ماند نہ آن

ہم نے دنیا کی حقیقت سمجھ لی اور ہیچ سمجھ کر چھوڑ دیا۔ اگرچہ وہ نورِ سیاہ لا الٰہ سے برتر ہے لیکن ہم نے اُسے بھی چھوڑ دیا۔ اب نہ یہ رہ گیا نہ وہ) کسی کی طرف توجہ نہ کی۔ یعنی اِلَّا اللّٰہ کی منزل میں جا کر دم لیا۔ تم سے جہاں تک ہو سکے طلب کی راہ پر قائم رہو۔ ممکن ہے کہ تم کو طلب اپنا جلوہ دکھا دے۔ اگر کسی دن اپنے چہرے سے طلب پردہ گرا دے تو تم، تم نہ رہ جاؤ گے۔ تمھاری یہ ساری خودی نیست و نابود ہو کر رہ جائے گی۔ یہاں تک کہ تم کو اس کی بھی تمیز نہ ہوگی کہ تم کبھی طالب بھی تھے یا نہیں۔ اسی کے متعلق ایک بزرگ نے کہا ہے کہ "جس طلب میں طالب کو اس کی خبر ہو کہ وہ طالب ہے تو سمجھو کہ طلب کی حقیقت سے وہ ابھی کوسوں دُور ہے"۔ تم دیکھتے نہیں کہ جب مستی بے انتہا بڑھ جاتی ہے تو خود مستانے کو اس کی مطلق خبر نہیں ہوتی کہ وہ مست ہے۔ افسوس جس کو اتنی تمیز بھی باقی رہ گئی ہو کہ وہ جانے کہ "میں مست ہوں۔ اور دوسرے لوگ ہوش میں ہیں"۔ وہ مستی کے کمال مدارج تک نہیں پہنچا ہے۔ کیونکہ کمال مستی کی شان یہ ہے کہ اس شخص کی ہستی اور تمیز بالکل کھو جائے۔ اگر اس سے پوچھا جائے "کیا تو مست ہے؟ تو کچھ نہ بولے۔ اور اگر جواب دے تو یہ ابتک ممتاز نہیں، بلکہ اس میں تمیز باقی ہے۔ تم نے سنا نہیں جو کہا گیا ہے ؎

مارا غمِ عشق تو چنان در پے جست کز ہستی ما نماند جز صورتِ ہست

(تیرے غمِ عشق نے ہماری رگ و پے میں ایسا گھر بنایا ہے کہ سوائے صورتِ ہستی کے ہماری ہستی ہی باقی نہ رہی)۔ جب طلب کی حقیقت دکھائی دینے لگتی ہے تو طالب باقی نہیں رہتا مَنْ طَلَبَ وَجَدَ (جس نے ڈھونڈا اس نے پا لیا)۔ اسی طلب کی ضرورت ہے۔ جب مرید یہاں تک پہنچتا ہے تو آگے اس کا کوئی کام باقی نہیں رہتا۔ خود طلب راہبر بن جاتی ہے۔ اسی جگہ

کسی دل جلے نے کہا ہے ؎

عشق آن کند ہر آنچہ بباید تو صبر کن شاگرد باش عشق ترا اوستاد بس

(عشق وہی کرتا ہے جو کرنا چاہیئے تو صبر کر۔ تو عشق کا شاگرد ہو جا یہی اُستاد تیرے لیے کافی ہے)۔ اور مَنْ طَلَبَ غَیْرِی لَمْ یَجِدْنِیْ (جس نے کسی دوسرے کی خواہش کی وہ ہم کو نہیں پا سکتا) اس کو کبھی نہ بھولنا چاہیے۔ جب تک تیرے دل میں کسی دوسرے کی جگہ ہے اس وقت تک تو طالب نہیں کہا جا سکتا۔ ظاہر ہے کہ تیری ہستی کی بساط ہی کیا۔ بھلا مطلوب اتنی تنگ جگہ میں کیونکر سما سکے گا۔ یُحِبُّوْنَہٗ کا دعویٰ اس وقت صادق ہوگا جب ہر طرف سے ساری توجہ ہٹا کر یُحِبُّھُمْ کی لذت میں تو محو ہو جائے گا۔ دیکھو یُحِبُّھُمْ کہنا اسی ذات کے لیے زیبا ہے کیونکہ وہ ہزاروں لاکھوں محبوب رکھتا ہے اور ہر ایک تک پہنچتا ہے۔ لیکن تمھارا وجود محض چھوٹا موٹا اور تنگ ہے۔ آفتاب ساری دنیا کو گھیرے ہوئے ہے پورب پچھم ہندوستان ترکستان ہر جگہ چمکتا ہے۔ کیونکہ اس کا چہرہ بہت بڑا اور کشادہ ہے۔ اس کی تابانی ہر جگہ قائم ہے۔ مگر تمھارے وجود کا گھر جب تک پوری طرح اس کے سامنے نہ آئے گا اُس کی ایک کرن سے بھی تم فائدہ نہیں اُٹھا سکتے۔ اس لیے ضروری ہے کہ تمھارا خانۂ وجود بالکل اس کے مقابل آجائے تاکہ پوری طرح سورج سے طاقت حاصل کر سکے۔ ہزاروں ہزار عالم اپنے اپنے حصے لیا کرتے ہیں مگر آفتاب کی گرمی اور روشنی میں ذرہ برابر بھی کمی نہیں ہوتی۔ وَمِنْ اٰیَاتِہِ الشَّمْسُ (اُس کی نشانیوں میں سے ایک آفتاب بھی ہے)۔ اس کو ذرا غور و فکر سے پڑھنا۔ اور ایک نکتہ یاد رکھنا۔ وہ یہ کہ کسی ایسی چیز کو پیار کرنا جو خود دوست نہیں بلکہ دوست کی تابع اور ضمن ہے کمال محبت کے لیے کوئی ہرج نہیں ہے جیسا کہا ہے ؎

اُحِبُّ بِحُبِّہَا طَلَعَاتُ نَجْدٍ وَمَا شَغَفِیْ بِہَا لَوْلَا ھَوَاھَا

(میں لیلیٰ کی محبت میں نجد کے میدانوں اور ٹیلوں سے پیار کرتا ہوں۔ اگر اس کی محبت نہ ہوتی تو مجھے ان سے کوئی واسطہ نہ ہوتا)۔ یہاں تک نوبت پہنچتی ہے کہ اپنے دشمنوں سے محبت کرنے لگتا ہے۔ اور ان میں گھل مل جاتا ہے۔ کسی نے کہا ہے ؎

اَجِدُ مَلَامَۃً فِیْ ھَوَاكَ لَذِیْذَۃً حُبًّا لِذِکْرِكَ فَلْیَلُمْنِی اللُّوَّمُ !

(تیرے عشق میں لوگوں کی ملامتیں مجھے اچھی لگتی اور مزا دیتی ہیں۔ کیونکہ ملامت کرنے والے تیری محبت کے ذکر کے ساتھ ملامت کرتے ہیں)۔ محبت میں شرکت اسے نہیں کہتے یہ تو دوست کی محبت کے آثار ہیں۔ مجنوں کا عشق اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ رنگوں میں کالا رنگ اُس کو سب سے زیادہ پسند تھا۔ چنانچہ خود کہتا ہے ؎

اُحِبُّ بِحُبِّهَا السَّوْدَاءَ حَتّٰی اُحِبُّ بِحُبِّهَا سُوْدَ الْكِلَابِ

(لیلیٰ کی محبت کی وجہ سے میں کالے رنگ کو پسند کرتا ہوں۔ اور اسی کی محبت میں کتے کا کالا رنگ مجھے پیارا لگتا ہے)۔ اے بھائی! محبت کا عالم عجیب عالم ہے یہیں دشمنوں سے دوستی ہو جاتی ہے۔ ایک جماعت کافروں سے جہاد کرنے جارہی تھی حضرت ابوالعباس قصار رضی اللہ عنہ نے اُن سے کہا "میری ڈاڑھی اس کافر کے تلوؤں کی خاک پر تصدق جو اُس کے لیے مارا جائے۔ جب خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيْلًا لَا تَّخَذْتُ اَبَا بَكْرٍ خَلِيْلًا وَّلٰكِنَّ صَاحِبُكُمْ خَلِيْلُ الرَّحْمَانِ (اگر میں کسی کو دوست بناتا تو یقینی ابوبکرؓ کو بناتا مگر تمہارا ساتھی (محمدؐ) تو خدا کو دوست بنا چکا ہے)۔ اس جگہ کسی کو حق نہیں کہ وہ کہے "آخر آپ بال بچوں سے کیوں ملتے جلتے تھے"۔ کیونکہ معلوم ہے کہ حضورؐ سے جب پوچھا گیا مَنْ اَحَبُّ النِّسَاءِ اِلَيْكَ قَالَ عَائِشَةُ (بیویوں میں آپ کی چہیتی کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا عائشہ) فَقِيْلَ مِنَ الرِّجَالِ فَقَالَ اَبُوْ بَكْرٍ (جب پوچھا گیا۔ اور مردوں میں؟ فرمایا۔ ابوبکر)۔ آخر ان کی محبت تو حضورؐ کے دل میں جاگزیں تھی۔ وَلٰكِنَّ صَاحِبُكُمْ خَلِيْلُ الرَّحْمٰنِ (مگر محمدؐ تو خدا کو دوست بنا چکا ہے)، اسی طرح آپؐ حضرت ابراہیم کو بھی بہت مانتے تھے۔ یہاں تک کہ اُن کی وفات کے غم میں آپؐ روئے بھی۔ اور حضرت امام حسن اور امام حسین علیہما السلام کے بارے میں فرمایا اَوْلَادُنَا اَكْبَادُنَا (ہماری اولاد ہمارے کلیجے کے ٹکڑے ہیں۔ تو یہ کیا ہوا؟ مبتدی کے دل میں ابتداءً اس طرح کے شکوک پیدا ہوا کرتے ہیں۔ مگر اہل بصیرت کے یہاں کوئی مشکل ہی نہیں۔ اے بھائی! فرض کرو کہ ایک آدمی علم کا عاشق ہے اور رات دن طلب علم کے سوا اس کا کوئی کام نہیں، تو یہ دوات قلم روشنائی اور کاغذ کو دوست رکھتا ہے تو یہ کہنا بے معنی ہے کہ یہ علم کا عاشقِ کامل نہیں ہے۔ یہ تو ٹھیک ہے کہ بذاتہٖ محبوب تو ایک ہی

ہوتا ہے۔ مگر دوسری چیزوں سے جنھیں محبوب کے لگاؤ کے سبب پیار کرتا اور محبت رکھتا ہے۔ تو کسی نقصان و ضرر کا احتمال نہیں۔ اگر آدمی خدا کو دوست رکھتا ہے۔ پیغمبروں اور استاد سے بھی محبت کرتا ہے۔ یہ بالکل عقل کے مطابق ہے کہ جو شے دوست کی طرف منسوب ہے وہ بھی دوست ہے سارا عالم اسی کا بنایا ہوا ہے۔ جہان اور جہان والے اسی کے مصنوعات اور حرف ہیں۔ اگر ایک قدم آگے بڑھادو تو بول اُٹھوگے "یقینی سب کچھ خود وہی ہے" کسی صاحب بصیرت نے کہا ہے ؎

دوئی رانیست رہ در حضرتِ تو	ہمہ عالم توئی و قدرتِ تو
وجودِ کون ظلِ حضرتِ تست	ہمہ آثار صنع و قدرتِ تست

(تیری) بارگاہ میں دوئی کی گنجائش کہاں؟ سارا عالم تجھ سے اور تیری قدرت سے بھرا ہے۔ دونوں جہان کا وجود تیرا سایۂ دربار ہے۔ یہ سب کچھ تیری صنعت و قدرت کے آثار ہیں)۔ مگر محبوب کی اگر اس بات میں رضامندی ہے کہ فلاں خط جو ہم نے اپنے ہاتھ سے لکھا ہے اُسے جلا ڈال: تو عاشق کا فرض ہے کہ فوراً جلا ڈالے۔ یہاں کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس نے محبوب کے حرفوں کی توہین کی ہے۔ کیونکہ اس کی خوشنودی اسی امر میں تھی۔ وَهٰذِهٖ مَنْزِلَةٌ عَظِيْمَةٌ۔ یہ بڑی زبردست منزل ہے۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم نے اُس کی راہ میں کافروں کو پکڑ لیا اور ان سے جہاد کیا تو اُس کے احکام بجالائے اور اُس کی رضا کی طلب ان کا مقصد تھا کیونکہ محبوب کی سلطنت میں عاشق کی مجال نہیں کہ ذرا بھی دست اندازی کر سکے۔ والسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سرسٹھواں مکتوب ۶۷

نیک گمان رکھنے کے بیان میں

بھائی شمس الدین تمھیں معلوم ہو کہ یہ اللہ والے لوگ اوروں کے اعتبار سے خداوند کریم سے بہت ہی اچھا گمان رکھتے ہیں۔ خواجہ یحییٰ معاذ رازی فرماتے ہیں جب کسی کا گمان خدائے بزرگ و برتر کی طرف اچھا نہ ہوگا۔ اس کی آنکھیں اللہ کے راستے کے لیے روشن نہ ہوں گی۔ یہ اس کے مطابق ہے جو حضرت پیغمبر صلّی اللہ علیہ وسلم نے حدیث قدسی بیان فرمائی ہے۔ حَاكِيًا عَنِ

اللہ تعالیٰ۔ اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ فَلْیَظُنَّ مَا یَشَاءُ اَیْ اَنَا عَالِمٌ بِظَنِّ عَبْدِیْ فَاَجَازَہٗ عَلٰی وِفْقِ الْمَعْلُوْمِ (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اپنے بندے کے گمان کے قریب ہوں جیسا وہ میرے ساتھ گمان کرتا ہے جیسا وہ چاہتا ہے۔ یعنی میں اپنے بندے کے گمان کو جانتا ہوں۔ اور معلوم کی موافقت پر میں نے اُس کو اجازت دے دی ہے) حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے میں کہا گیا ہے کہ آپ نے حضرت زلیخا سے یہی کہا کہ تھا، اشوہر میرے حق میں اچھا گمان رکھتا ہے۔ اُس نے کہا ہے عَسٰۤی اَنْ یَّنْفَعَنَا (شاید اس کی ذات سے ہم کو نفع پہنچے) بھلا میں اس کے خلاف کیونکر کرسکتا ہوں تو جب مخلوق کسی کافر کے حسنِ ظن کے خلاف نہیں کرتی تو بدرجۂ اتم یہ ماننا پڑے گا کہ خداوندِ برتر مومنوں کے نیک گمان کے خلاف نہ کرے گا۔ اسی راز کو یوں بیان کیا ہے۔ قطعہ

اے کریمے کہ از خزانۂ غیب	گبر و ترسا وظیفہ خور داری
دوستاں را کجا کنی محروم	تو کہ با دشمناں نظر داری

(اے ایسے بخشش کرنے والے کہ کافر اور مشرک کو بھی اپنے نامعلوم خزانے سے روزی دیتا ہے تو اپنے دوستوں کو کیسے محروم کرے گا جب کہ دشمنوں پر ۔ ۔ ۔ ایسی عنایت کی نظر رکھتا ہے)۔ کسی شخص کے متعلق اچھا گمان رکھنا خدا کی نوازش و عنایت کی دلیل ہے۔ اسی طرح کسی کے حق میں بد گمانی کو اس کے برعکس سمجھو۔ تو جو کوئی کسی کو چشمِ عنایت و کرم سے دیکھے گا وہ یقینی بڑا دوست ہوگا۔ اور یہی خواجہ یحییٰ معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ جو شخص خداوند عزوجل کی طرف اچھا گمان نہیں رکھتا خدا کی طرف اس کی آنکھیں روشن نہیں ہوتیں۔ اسی لیے کہتے ہیں کہ جو بھی جیسا گمان کرے گا اُس کے ساتھ خدا بھی اسی کے لائق گمان کرے گا۔ جب اُس کی طرف بدگمانی کرے تو خدا بھی اس کے ساتھ برائی کرے گا۔ اور خدا کی طرف سے جس پر برائی نازل ہوگی ہرگز اُس کی آنکھیں روشن نہیں ہوسکتیں۔ اس لیے فرماتے ہیں کہ بندہ جیسا گمان کرے گا خدائے بزرگ و برتر بھی اسی کے مطابق کرے گا۔ اگر برا گمان کیا تو خدا بھی اس کے ساتھ برائی کرے گا۔ اور جس کے ساتھ خدا نے برائی کی اس کی آنکھیں روشن نہیں ہوسکتیں۔ اور اس کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ برا گمان دشمنوں کے ساتھ کیا جاتا ہے اور اچھا گمان نیک دوستوں کے ساتھ ہوا کرتا ہے اور آنکھوں میں روشنی دشمنوں سے نہیں بلکہ دوستوں سے ہوا کرتی ہے۔ بدگمانی کسی پہلی عداوت کو

ظاہر کرتی ہے۔ اسی طرح حسنِ ظن پہلی دوستی اور محبت کی نشانی ہے۔ یہاں پر ایک بہت باریک نکتہ ہے جس سے بہتیرے لوگ مغالطے میں پڑ جاتے ہیں۔ وہ نکتہ آرزو اور رجا کے فرق کو سمجھنا ہے وہ حسنِ ظن جو سابقہ محبت کی علامت ہے اور رجا، ان دونوں کی اصل وحقیقت ہے۔ لیکن آرزو کی کوئی اصلیت وحقیقت نہیں۔ اِن دونوں، یعنی آرزو اور رجا کی مثال یوں سمجھو کہ ایک شخص کھیتی کرنے کے لیے زمین درست کرتا ہے، ہل چلاتا ہے، نگہبانی کرتا ہے، بیج ڈالتا ہے اور مشقتیں جھیلتا ہے اور کاشتکاری کے جملہ سامان ٹھیک کرنے کے بعد امید رکھتا ہے کہ خدا کے فضل وکرم سے کھیت لہلہائے گا اور غلہ پیدا ہوگا اسی کا نام رجا اور گمانِ نیک ہے۔ لیکن ایک دوسرا شخص گرہستی کا کوئی کام نہیں کرتا۔ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا ہے۔ کھیت یوں ہی بغیر جوتے پڑتی پڑا ہوا ہے۔ اور فصل کاٹنے کے وقت کہتا ہے کہ "میں خدا کے فضل سے امید رکھتا ہوں کہ پیداوار گھر لاؤں گا۔" اس آرزو کو جب کوئی بھی صاحبِ عقل سنے گا تو کبھی پسند نہ کرے گا۔ اور کہے گا کہ اس کو غلہ حاصل ہونے کی امید کیوں ہے؟ تو ایسے شخص کی محض آرزو بغیر کسی محنت ومشقت کے کوئی اصلیت وحقیقت نہیں رکھتی۔ اسی طرح جب بندہ خدا کی عبادت میں جد وجہد کرے۔ جیسا اُس نے فرمایا ہے وہ بجالائے منہیاتِ شرعیہ سے کنارہ کش رہے اس کے بعد کہے کہ "میں امید رکھتا ہوں کہ جو کچھ میں بجالایا ہوں اُسے خداوندکریم اپنے فضل وکرم سے قبول فرمائے گا۔ میرے گناہ اور میری کوتاہیوں کو معاف کرے گا اور ثواب بخشے گا۔" گمانِ نیک اس کو کہتے ہیں۔ اور اس امید کی حقیقت واصلیت ہے مگر جو کوئی غفلت میں پڑا رہے، عبادت چھوڑ کر گناہ کرتا رہے، قہرِ خداوندی کا کچھ خوف نہ کرے اور اللہ کے وعدے اور وعید پر دھیان نہ دے اور یہ کہے کہ "میں امید کرتا ہوں کہ مجھے خدا بہشت مرحمت فرمائے گا اور عذابِ دوزخ سے نجات دے گا۔" یہ محض آرزو ہی آرزو ہے جس کی کوئی اصلیت وحقیقت نہیں۔ اور یہ لاحاصل ہے۔ اس غافل نے اسی کو رجا اور گمانِ نیک سمجھا ہے۔ اس کی یہ بہت بڑی خطا ہے۔ حضور سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا "عاقل وہ ہے جو اپنے نفس کے ساتھ محاسبہ کرتا رہے اور مرنے کے لیے درستیِ اعمال اختیار کرے۔ اور احمق وہ ہے جو اپنے نفس اور خواہشات کے پیچھے دوڑتا رہے اس پر بھی خدا سے مغفرت کی امید رکھے۔" ان باتوں کے جاننے کے بعد تم سمجھو کہ

یہ لوگ اپنے آپ کو ساری مخلوقات سے حقیر و ذلیل ترسمجھتے ہیں لَا یَرَوْنَهَا اَهْلًا لِشَیْءٍ مِّنَ الْخَیْرِ لَا دِیْنًا وَّلَا دُنْیًا۔ (وہ اپنے آپ کو کسی خیر و صلاح کا اہل نہیں پاتے، وہ دنیاوی ہو یا دینی)۔ کیونکہ ان لوگوں نے دیکھا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے نبوت کی بزرگی کے باوجود فرمایا وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ (میں اپنے کو نفس سے پاک نہیں سمجھتا۔ کیونکہ یہ بُرائی کی طرف لے جاتا ہے)۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام کے نفس کا یہ حال ہے جو پیغمبر تھے تو دوسروں کے نفس کا کیا ذکر۔ اسی لیے کہا ہے۔ ؎

تا ترا نفسے و شیطانے بود در تو فرعونے و ہامانے بود

(جب تک تجھ میں نفسانیت اور شیطنت ہے جان لے کہ تیرے دماغ میں فرعونیت اور ہامانیت ہے)۔

اگر با نفس میری وائے بر تو بسے گرید ز سر تا پائے بر تو

(اگر تو نفس کو لے کر اس دنیا سے گیا تو تیرے اوپر افسوس ہے۔ کیونکہ سر سے پیر تک تیرے تمام اعضا تیرے اوپر روتے رہیں گے)۔ اس گروہ کا نفس کے ساتھ یہ برتاؤ ہوتا ہے کہ یہ جب دنیا کو خیرباد کہتے ہیں تو اپنے نفس کی ایک مراد بھی پوری نہیں ہونے دیتے۔ اگر ان کا نفس اچھے کام یعنی طاعت و عبادت کے لیے بھی کہے تو یہ اس سے مطمئن نہیں ہوتے۔ کیونکہ نفس تو درحقیقت دشمن ہے تو دشمن کی باتوں پر جس کو یقین و اطمینان ہوگا وہ بہت جلد ہلاک ہو جائے گا مومن کا نفس دشمن اور خداوند بزرگ و برتر اس کا دوست ہے۔ دشمن کے ساتھ بدگمانی کی ضرورت ہے۔ اور دوستوں کے ساتھ نیک ہی گمان ہوا کرتا ہے۔ اس کے سوا چارہ نہیں جس کسی کو دوست کی ضرورت ہے بھلا وہ کسی دشمن کی صحبت کیوں اختیار کرے گا۔ کیونکہ دشمن سے ملنے جلنے کا مطلب یہ ہے کہ دوست سے قطع تعلق کیا اور رسم و راہ بند کر دی۔ بزرگوں نے کہا ہے۔ ؎

دو ہمدم را کہ باہم شان حساب است اگر موئے میان باشد حجاب است

(دو دوستوں کے درمیان اگر محبت ہے تو ان کے بیچ میں اگر ایک بال بھی حجاب بن جاتا ہے)۔ عارفوں کے لیے سوائے خدا کے سوچنا گناہ، بجز خدا کسی چیز کی خواہش شرک اور کسی دوسرے کی صحبت کفر ہے۔ زنا سے زانی اس طرح نہیں بھاگتا جتنا ان باتوں سے یہ لوگ دُور بھاگتے ہیں۔ ان کے نزدیک گناہ اور ظلم یہی ہے نہ وہ کہ جیسا ہم لوگ کیا کرتے ہیں۔ قِیْلَ لِخَلِیْلٍ کَیْفَ حَالُكَ

مَعَ الْمَوْلٰی فَقَالَ مَاجَفَوْتُہٗ مُنْذُ عَرَفْتُہٗ فَقِیْلَ لَہٗ مَتٰی عَرَفْتَہٗ فَقَالَ مُنْذُ سَمَّوْنِیْ مَجْنُوْنًا۔ (غلبان سے پوچھا گیا۔ خدا کے ساتھ تمھارا کیا حال ہے؟ انھوں نے کہا جب سے میں نے اُسے پہچانا ہے پھر کوئی جفا نہیں کی۔ پھر کہا گیا، تم نے خدا کو کب پہچانا؟ جواب دیا جب سے لوگوں نے میرا نام دیوانہ رکھا۔ یہ عجب الٹی بات ہے۔ جو دل اور جان سے خدا کا ہو رہا وہ دیوانہ کہلاتا ہے اور جس کے دل میں کونین کے مقابلے میں خدا کی جگہ نہ ہو وہ عاقل کہلاتا ہے ؎

نمی خواہیم بجز زلفِ تو زنجیر زہے دیوانۂ عاقل کہ مائیم

(اے محبوب تیری زلف کے سوا ہم اور کوئی زنجیر نہیں چاہتے۔ ہم بھی کیا خوب عقلمند دیوانے ہیں)۔
اس کو طریقۂ ملامتیہ کہتے ہیں اور اس گروہ کے لوگ ملامتی پکارے جاتے ہیں۔ کیونکہ برابر یہ دیکھا جاتا ہے کہ جاہ و منزلت اور دولت و اقبال آدمی کی رہزنی اس طرح کرتے ہیں کہ اگر ہزار بت بھی ہوں تو اس طرح نہیں لوٹتے۔ موحد پر یہی دولت و عزت ڈاکہ ڈالتی ہے۔ اسی مطلب کی یہ حکایت حضرت سلطان العارفین بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے ہے۔ آپ کسی شہر میں تشریف لائے لوگوں نے خیر مقدم کیا اور اعزاز و اکرام سے پیش آئے۔ آپ جس قدر لوگوں سے قریب ہوئے اسی قدر خدا سے اپنے آپ کو دُور دیکھا۔ آپ بے چین ہو کر شہر سے نکل بھاگے۔ آپ کے ساتھ شہر والے بھی باہر نکل آئے۔ آپ نے یہ نظارہ دیکھ کر اپنے خادم ابو عبد اللہ دویلی سے کہا۔ "دیکھو، اس ہجوم کو ہم اپنے پاس سے کیونکر بھگاتے ہیں؟" خادم نے کہا میں دیکھتا رہا کہ کیا کرتے ہیں۔ آپ نے دو رکعت نماز پڑھی اور کھڑے ہو کر لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ سب یہ سمجھے کہ اب کچھ دُعا کریں گے۔ آپ نے فرمایا۔ اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ (میں ہی اللہ ہوں۔ بجز میرے کوئی معبود نہیں۔ تم لوگ میری پرستش کرو)۔ سب نے بیک زبان کہا کہ بایزید کافر ہو گیا۔ خدائی کا دعویٰ کرتا ہے۔ سب لوگ ان کو تنہا چھوڑ کر لوٹ آئے۔ حالانکہ آپ نے خدائی کا دعوےٰ نہیں کیا تھا، بلکہ قرآن مجید کی ایک آیت تلاوت فرمائی تھی۔ پھر خادم کی طرف منھ پھیر کر فرمایا "اے لڑکے تو نے دیکھا۔ میں نے قرآن پاک کی ایک آیت پڑھ کر اتنی بلاؤں سے چھٹکارا حاصل کیا۔ اسی راز کو کہا ہے مرجامی ؎

ہل تا بد رند پوستیم ہمہ پاک از بہر تو اے یارِ عزیز چالاک

در عشق یگانہ باشم از خلق چہ باک — معشوق مرا و بر سر عالم خاک

(اے ہوشیار دوست مجھے چھوڑ دے تاکہ تیری محبت کے الزام میں لوگ میری کھال نوچ ڈالیں اور میں اس قید سے آزاد ہو جاؤں۔ اگر میں عشق میں یگانہ ہو جاؤں تو مجھے مخلوق سے کوئی ڈر نہیں معشوق میرا ہوا ہیں سارے جہان کے سر پر خاک ڈال دوں)۔ غیر حق کی صحبت شرک ہے اور سوائے حق کے کسی پر نگاہ کرنا حجاب ہے۔ موحّد تنہا ہوتا ہے۔ لوگ تو اس کو دیکھتے ہیں۔ مگر وہ غیر کو نہیں دیکھتا۔ اس کا ڈر سب پر غالب ہوتا ہے۔ اُس کی رجا سب رجاؤں پر، اس کی جلالت سب جلالتوں پر، اُس کی سلطانی سب سلطانوں پر، اُس کی قدرت سب قدرتوں پر، اس کا قہر سب قہروں پر، اور دو [illegible] باتیں بھی اسی طرح بالاتر ہوا کرتی ہیں حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرف اشارہ کیا ہے جو فرمایا ہے لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ لَا یَسَعُنِیْ فِیْہِ مَلَکٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِیٌّ مُرْسَلٌ (اللہ تعالیٰ کی معیت میں میرے لیے ایک ایسا وقت بھی ہوتا ہے جہاں کوئی مقرب فرشتہ یا کوئی نبیِ مرسل دم نہیں مار سکتا) خدا کے ساتھ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ سِرّ اچھوتا اور منفرد تھا۔ اس گھڑی آپ کے سوا ہر ایک کا راستہ بند تھا۔ یہ کمالِ انفرادیت حضورؐ ہی کو حاصل تھا۔ ہر شخص کو یہ مقام اور درجہ حاصل نہیں ہوتا۔ اپنی اپنی صلاحیت اور قابلیت کے مطابق ہر شخص کو جگہ ملتی ہے جب بندے کی نظر کمال حاصل کر لیتی ہے تو یہ جہان اور اس کے جیسے ہزاروں عالم کا اس کو ذرہ برابر بھی خطرہ نہیں ہوتا۔ اسی طرف اشارہ کیا ہے جو یہ کہا ہے۔ ؎

اگر روشن شود آئینۂ دل — درے بکشاید اندر سینۂ دل

درے کان راچو بر دل برکشاید — فلکہا پردہ داری رانہ شاید

درے کز وے برآید ہرچہ خواہی — چہ رازِ دین چہ اسرارِ الٰہی

(اگر تیرے دل کا آئینہ روشن ہو جائے تو سینے میں ایک دروازہ کھل جائے گا۔ جب ایسا دروازہ دل پر کھول دیا جائے تو ساتوں آسمان بھی اس پر پردہ نہیں ڈال سکتے۔ یہ وہ دروازہ ہے کہ جو کچھ تو چاہے گا اس سے برآمد ہو گا۔ وہ دین کے سربستہ راز ہوں یا اسرارِ الٰہی)۔

تم اس جگہ سے معلوم کرو کہ مشاہدۂ توحید کا دعویٰ تو بہت لوگ کرتے ہیں مگر وہ خود حجاب میں

پڑے ہوئے ہیں۔ اور ان کو اس کی خبر نہیں۔ سنو، جو شخص خدا سے باخبر ہے اور توحید کا مشاہدہ اس کو حاصل ہے اُس کو غیرِ خدا کا نہ کوئی خوف ہوگا نہ کسی سے کوئی اُمید، نہ غیرِ حق پر اس کی نظر پڑے گی نہ سوائے خدا کے کسی سے صحبت ہوگی۔ یہی راز ہے جو کسی نے کہا ہے۔ رباعی

تنہا ز ہمہ جہان من، و تنہا تو — یا من بمیان رسول آیم یا تو
خورشید را نخواہم کہ برآید بر تو — تو آئی بر من سایہ نیاید یا تو

(میں ساری دنیا سے کنارہ کش ہو کر تنہا رہ گیا ہوں اور تو بھی واحد و تنہا ہے۔ میرے اور تیرے درمیان کسی رسول کی گنجائش نہیں اس لیے یا میں رسول بن کر درمیان میں آؤں، یا تو۔ تیرا رشک گوارا نہیں کرتا کہ تیرے اوپر سورج کی روشنی پڑے۔ ہاں تو اس طرح میرے سامنے جلوہ افروز ہو کہ تیرا سایہ بھی تیرے ساتھ نہ ہو)۔ اور وہ جو غلبان مجنون نے کہا کہ جب میں نے اس کو پہچان لیا تو پھر کوئی جفا نہیں کی"۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ جب میں نے دیکھا کہ مجھے اُس نے اپنی معرفت عنایت فرمائی تو میں نے غیر کو دیکھنا یا اُس کے ساتھ مشغول ہونا جفا سمجھا اس مشغولیت کو جفائے مشغولی کہتے ہیں۔ یہ گناہ کے حکم میں نہیں ہے۔ یعنی جب اُس نے اپنی مہربانی سے میری آنکھوں سے پردہ اُٹھا دیا تا کہ اس کا جلوہ دیکھوں، اب اگر میں اُس کے غیر پر نظر ڈالوں تو گویا میں خود بیچ میں پردہ ڈال دوں۔ یہ سراسر جفا ہے کہ وہ پردہ اُٹھائے اور میں پردہ ڈالوں۔ اور یہ روزمرہ دیکھنے میں آتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی سے باتیں کرے اور وہ اس کی طرف متوجہ نہ ہو یعنی غور سے اس کی باتیں نہ سنے تو بات کرنے والا کہتا ہے کہ میاں کیا ظلم کرتے ہو کہ میری بات بھی دھیان سے نہیں سنتے۔ اسی طرح اگر ایک دوست اپنے دوست کو دیکھ رہا ہو اور وہ دوست کسی دوسری طرف توجہ کرے تو وہ کہتا ہے کہ یہ کیا ستم ہے "من بتو مشغول و تو با عمرو زید" (میں تو تجھ سے مخاطب ہوں اور تو دوسروں کی طرف متوجہ ہے)۔ اسی معنی کو اصمعی رحمۃ اللہ علیہ اپنی ایک حکایت میں بیان کرتے ہیں کہ ایک حسینہ کو دیکھ کر میرا دل اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ میں نے اس سے کہا کہ میری مٹی تیری مٹی کے ساتھ متحد ہو گئی ہے۔ یعنی میرا دل تجھ پر فریفتہ ہو گیا ہے"۔ اس نے کہا۔ اگر تیری مٹی میری مٹی سے مشغول ہے تو میری مٹی تیری مٹی کا حصہ ہے (یعنی میں تیری ہوں)، مگر میری ایک بہن ایسی ہے کہ اگر تو اُسے دیکھ لے تو میرا حسن و جمال بھول جائے"۔ میں نے پوچھا وہ کہاں ہے؟

اُس نے کہا "تیرے پیچھے ہے۔" میں نے منہ پھیر کر اپنے پیچھے دیکھا۔ اُس نے جھپٹ کر میری پیٹھ پر ہاتھ مارا اور کہا "اے جھوٹے مکّار اگر تیری مٹّی میری مٹی کے ساتھ مشغول تھی تو مجھے چھوڑ کر دوسرے کی طرف کیوں دیکھا"؟ اہلِ معرفت کے نزدیک جفا اس کا نام ہے۔ اور یہ جو کہا کہ جب سے میں نے اُسے پہچانا ہے لوگ مجھے دیوانہ کہنے لگے ہیں۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ جس کو جتنی معرفت حاصل ہوتی ہے اتنا ہی وہ مخلوق سے کنارہ کش ہو جاتا ہے اس لیے لوگ اُسے دیوانہ سمجھتے ہیں۔ عارف کی یہی صفت ہے کہ لوگ جتنا اُس سے ملنا چاہتے ہیں وہ اُن سے دُور بھاگتا ہے۔ اور جس قدر لوگ اس سے محبت کرتے ہیں اُسے وحشت ہوتی ہے۔ اس کی صفت، اس کا فعل و عمل اور حال و قال مخلوق کی ضد اور مخالف ہوتا ہے اس لیے سب اُسے دیوانہ کہتے ہیں۔ اس کی ایک تاویل اور ہے اور وہ یہ ہے کہ کہا ہے اَکْثَرُ اَھْلُ الْجَنَّۃِ بُلْہٌ (اکثر جنتی لوگ بے وقوف معلوم ہوتے ہیں)۔ دیکھتے نہیں کہ جو شخص لوگوں سے دُور بھاگتا ہے اور اہلِ دنیا کی طرف نظر نہیں کرتا لوگ اُسے احمق کہتے ہیں۔ اور یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں کیونکہ جس طرح دیوانہ عقلمندوں کے نزدیک پاگل ہوتا ہے اسی طرح دیوانے عقلمندوں کو پاگل سمجھتے ہیں۔ ایک عزیز نے ان کی صفت اس طرح بیان کی ہے۔ قطعہ

آنان کہ ہمیشہ در نماز اند — پندار کہ محرمانِ راز اند

بر ہیچ کسے نیازِ شان نے — الّا کہ بہ ذکرِ بے نیاز اند

در بوتۂ فقر می بسوزند — با اندوہ خویش می بساز اند

یک بار بریدہ از دو عالم — وز دونِ خدا در احتراز اند

(جو لوگ ہمیشہ نماز میں مستغرق ہیں سمجھ لو کہ یہی واقفِ اسرارِ الٰہی ہیں۔ اُن کی نیازمندی کسی اور کے ساتھ نہیں ہوتی۔ مگر یہ کہ وہ ہمیشہ خدائے بے نیاز کے ذکر میں محو رہتے ہیں۔ وہ فقر کی بھٹی میں جلتے رہتے ہیں اور اپنے رنج و غم میں مگن رہتے ہیں انھوں نے دونوں جہان سے ترکِ تعلق کر لیا ہے اور غیرِ حق سے بالکل الگ تھلگ رہتے ہیں) بعض کتابوں میں نازل ہوا ہے خَلَقْتُ جَمِیْعَ الْعَالَمِ لَکُمْ وَخَلَقْتُکُمْ لِیْ (میں نے سارا جہان تمھارے لیے پیدا کیا اور تم کو اپنے لیے)۔ ایک دن ایک دیندار آدمی آئینہ دیکھتا تھا اور حیرت کے ساتھ سوچ رہا تھا کہ مجھ کو

پیدا کرنے میں خدا کی کون سی حکمت تھی؟ آئینہ سے ندا آئی اور اُس نے سنی حِکمَتِیْ فِیْ خَلْقِكَ مَحَبَّتِیْ (تجھے پیدا کرنے میں میری حکمت وہ محبت ہے جو تیرے دل میں ہے)۔ یہ ایک راز ہے جو سب کی نظر سے پوشیدہ ہے تاکہ حاسدوں کی نظر اُس پر نہ پڑے۔ اے بھائی! اگر وہ تم کو بادشاہی نہ دیتا تو تم سے اُس کی معرفت درست نہ ہوتی۔ کیونکہ بادشاہوں کو بادشاہوں کے سوا کوئی دوسرا نہیں پہچان سکتا۔ قرآنِ پاک سے سنو ثُمَّ جَعَلْنٰکُمْ خَلٰٓئِفَ وَجَعَلَکُمْ مُلُوْکًا (پھر ہم نے تم کو خلیفہ بنایا اور تمھیں بادشاہی دی)۔ حضرت خواجہ نظامی علیہ الرحمۃ نے اسی معنی کی طرف اشارہ کیا ہے ؎

خاکِ تو آمیختۂ رنجہا است | در دلِ این خاک بسے گنجہا است
خاکِ تو آن روز کہ می بیختند | از پئے معجونِ دل آمیختند
ما کہ زصاحب خبرانِ دلیم | گوہرے ام گرچہ زکانِ گلیم
بر فلک آے ار طلبِ دل کنی | تا تو درین خاک چہ حاصل کنی

(اے خاک کے پتلے انسان، بہت سے رنج وغم ملا کر تیرا خمیر گوندھا گیا ہے اور اس آب و گل میں بہت سے خزانے رکھ دیے ہیں۔ اُس روز تیری خاک کو اس لیے چھانا تھا کہ معجون دل میں اس کو ملایا جائے۔ ہم لوگ عالمِ دل سے باخبر اور واقف ہیں۔ اگرچہ ہم مٹی کی کان سے برآمد ہوئے ہیں لیکن ایک بیش بہا اور انمول موتی ہیں۔ اگر تجھے عالمِ دل کی طلب ہے تو آسمان کی طرف پرواز کر۔ اور دیکھ کہ تو اپنے عالمِ خاک سے کیا دولت حاصل کر سکتا ہے)۔ والسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اڑسٹھواں مکتوب ۶۸

عالمِ آخرت کے متعلقات میں

میرے عزیز بھائی شمس الدین خدا تم کو نیک بختی کی راہ دکھائے۔ جانو کہ آخرت کی راہ پر چلنے والے دو گروہ ہیں۔ سعید و شقی۔ اور ہر گروہ کے لیے اپنا ایک راستہ اور قدم ہے کہ وہ اپنے مقررہ راستے پر چلتے ہیں۔ اور ایک ایک منزل ہے کہ وہ اُس کی سیر کرتے ہیں اور ہر ایک کا ایک ایک منتہا ہے کہ خود اپنی رفتار سے وہاں تک پہنچتے ہیں۔ پس جانو کہ وہ جو سعید کہے جاتے ہیں

وہ بھی دو گروہ ہیں۔ خواص و عوام۔ عوام تو مخالفتِ نفس اور ترک لذات وشہوات کے راستے سے احکامِ شریعت کے مطابق عبادت اور سنت کی اتباع کرتے ہوئے بہشت اور اس کے درجات تک پہنچتے ہیں۔ اور خواص یُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ (وہ ان کو دوست رکھتا ہے اور یہ اس کو دوست رکھتے ہیں) طریقت کی راہ پر گامزن ہو کر فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ (ط) (متقی لوگ اپنے بادشاہ بڑی قدرت والے کے پاس مسندِ صدق پر رونق افروز ہوں گے) اور مقامِ عندیت اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ (ڈر والے باغوں اور نہروں میں اتریں گے)۔

منکر چہ شوی زحالِ درویشان نے ہر چہ ترا نیست کسے را نبود

(فقیروں کی حالت پر جو خدا کی نوازشیں ہیں تو اس کے ماننے سے کیوں انکار کرتا ہے۔ ایسا تو نہیں ہے کہ جو دولت تجھے نہیں ملی وہ کسی کو نہ ملی ہوگی)۔ اور شقی بھی دو گروہ ہیں۔ ایک شقی اور دوسرا اشقیٰ۔ شقی اس امت کے بعض وہ گنہگار ہیں جو اپنے نفس کی خواہشات پر قائم رہے اور احکامِ خداوندی کی مخالفت پر اصرار کرتے رہے اور لذات وشہواتِ نفسانی وحیوانی میں مگن رہے۔ وہ گناہ کے راستے پر چل کر طبقاتِ جہنم میں داخل ہوتے ہیں۔ اور اشقیٰ کافروں کی صفت ہے کہ وہ ہر طرح دنیا ہی کے طالب رہے اور اس نعمتوں میں زندگی بسر کرتے رہے۔ وہ مدت العمر لذات وشہواتِ نفسانی وحیوانی میں مست رہ کر دین و آخرت کے کام سے بے خبر رہے اور فانی نعمتوں کے ساتھ کھیلتے رہے۔ دنیا بھی پوری طرح ہاتھ نہ آئی اور آخرت بھی برباد ہوئی۔ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ (جس نے دنیاوی کھیتی کا ارادہ کیا ہم اس کو عطا کر دیتے ہیں اور آخرت کی نعمتوں میں اُس کا کوئی حصہ نہیں ہوتا) اور وہ جو شقی کا گروہ ہے وہ ایمان کا ایک حصہ رکھتے ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ زبان سے اقرار کرتے ہیں اگرچہ ارکان و اعمالِ شرعیہ بجا نہیں لاتے بالضرور اللہ تعالیٰ کی وعید کے مطابق دوزخ میں جائیں گے اور عذاب کی تکلیف کا مزا چکھیں گے مگر آخر کار اس دولت کی برکت سے کہ زبان سے اقرار کرتے ہیں عذاب سے نجات پائیں گے۔ حدیث صحیح میں وارد ہے کہ ایک گروہ کو دوزخ سے باہر نکالیں گے۔ وہ کوئلے کی طرح جلے ہوئے ہوں گے۔ اُن کو نہرِ حیات میں غوطہ دیا جائے گا تو ان کے بدن پر گوشت پوست پیدا ہو جائے گا جب وہاں سے لائیں گے تو ان کے چہرے چاند

کی طرح چمکتے ہوئے ہوں گے۔ ان کی پیشانی پر لکھا ہوگا۔ هٰؤُلَاءِ عُتَقَاءُ اللّٰهِ مِنَ النَّارِ
یہ لوگ دوزخ سے اللہ کے آزاد کیے ہوئے ہیں۔ لیکن گروہِ اشقی ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے
ان کی کبھی نجات نہ ہوگی۔ کیونکہ ان میں کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے نور کا کوئی نشان و اثر نہ ہوگا،
جس کی بدولت خلاصی کی امید ہوتی ہے اس لیے وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ اور دوزخیوں کے
ہر گروہ کے لیے طبقاتِ جہنم میں ایک ایک مقام جداگانہ ہوگا۔ جیسا منافقوں کے حق میں فرمایا
گیا ہے اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ۔ منافقین دوزخ کے سب سے نچلے
طبقے میں ہوں گے۔ ایک کے کفر و نفاق سے دوسرے کے کفر و نفاق تک تھوڑا تھوڑا فرق ہوتا
ہے۔ کیونکہ ہر ایک کا طریقہ اور منزل جداگانہ ہے۔ کافروں میں بھی مقلد اور محقق ہیں! اور جس طرح
محقق کے ایمان کو مقلد کے ایمان پر فضیلت ہے، اس طرح محقق کافر کا عذاب مقلد کافر کے
عذاب سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے۔ کفر تقلیدی وہ ہے جو ماں باپ سے ملا۔ اِنَّا وَجَدْنَا اٰبَآءَنَا[1]
عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ۔ انھوں نے جو کچھ ماں باپ اور ملک کے لوگوں کو
کرتے دیکھا وہی کیا۔ ایسے لوگ دوزخ کے طبقۂ اوّل میں رکھے جائیں گے۔ اور کفر تحقیقی وہ ہے
کہ جو کچھ ماں باپ سے پایا اور ان کو کرتے ہوئے دیکھا اسی پر بس نہیں کیا بلکہ محنت اور کوشش
کر کے دلائل ڈھونڈنے لگے اور مدتوں اس کی تحصیل میں کتابیں دیکھیں اور اس علم کی ریاضت
و مجاہدے میں عمر گنوا دی۔ نفس کی صفائی کی کوشش کی اس لیے کہ غور و فکر کر کے عقلی دلائل و
براہین حاصل کریں جس کے ذریعہ شک و شبہ پیدا کیا جا سکے اور صانع کے وجود کی نفی ہو سکے یا صانع
کے ثبوت کی دلیلیں کمزور کر دیں اور کہیں کہ صانع مختار نہیں ہے اور اس کو جزویات کا کوئی علم
نہیں ہے۔ اور اسی طرح کے بہت سے کفریات ہیں جو ہر ایک گروہ بکا کرتا ہے۔ ان کی نگاہ اور
دلوں میں شیطان بسا ہوا ہے جب ہی تو یہ دعوے کرتے ہیں کہ جو کوئی یہ علم و اعتقاد نہیں رکھتا، وہ
علم و معرفت میں ناقص ہے۔ یہاں تک کہ کہہ بیٹھتے ہیں کہ انبیاء فلاسفر تھے انھوں نے جو کچھ کہا ہے
اپنی حکمت سے کہا ہے۔ اسی قسم کے شبہے اور فاسد خیالات سامنے لا کھڑا کرتے ہیں اور اسی مہلک
اور فتنہ انگیز علم کی تحصیل میں مشغول رہتے ہیں۔ اسی کا نام "علم حصولِ دین" رکھا ہے۔ تاکہ کوئی شخص

[1] ترجمہ:۔ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک مذہب پر پایا ہے اور ہم انھیں کے نقشِ قدم پر چل رہے ہیں۔

ان کے عقیدے کی خباثت سے باخبر نہ ہونے پائے اور جاہل و بے بصیرت لوگ ان کی تقلید میں کفریات قبول کریں۔ اور دائرۂ اسلام سے کلیۃً خارج ہو جائیں۔ ایسی ایسی آفتیں بہت ہیں خدا ان سے پناہ دے۔ اے بھائی! اگر گنہگاروں کو طاعت نصیب نہیں تو گناہ تو ہے سنو، اس میں ایک راز پوشیدہ ہے۔ خواجہ یحییٰ معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے لَوْلَآ اَنَّ الْعَفْوَ مِنْ اَحَبِّ الْاَشْیَاءِ اِلَیْہِ مَا ابْتَلٰٓی اٰدَمَ بِالذَّنْبِ وَھُوَ اَکْرَمُ الْخَلْقِ اِلَیْہِ (اگر خدا کے نزدیک عفو گناہ ہر چیز سے زیادہ پیارا نہ ہوتا تو آدم علیہ السلام کو گیہوں کھانے میں مبتلا نہ کرتا جبکہ وہ اُس کے نزدیک تمام مخلوق سے زیادہ عزیز تھے)۔ دیکھتے نہیں کہ بادشاہ کا خاص غلام فرش کے کنارے کھڑا رہتا ہے اور ندیمان و ارکانِ دولت تختِ شاہی کے آس پاس بیٹھا کرتے ہیں مگر اس غلام کی دُوری میں سو ہزار لطیفے ایسے پوشیدہ ہوتے ہیں جو ارکانِ سلطنت اور درباریوں کے اس قرب میں نہیں۔ اس غلام کی دُوری گمراہی کی دُوری نہیں ہے بلکہ ثبوتِ قُرب کی دُوری ہے۔ ہزاروں قرب کا راز اس ظاہری دُوری میں پوشیدہ ہے اور لاکھوں بعد کے اسرار ظاہری نزدیکی میں چھپے ہوئے ہیں تاکہ حیرت پر حیرت بڑھتی رہے۔ تم دیکھتے ہو کہ شاخ کسی درخت کی مسجد میں ہوتی ہے اور اُس کی جڑ کلیسا و بتخانہ میں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ شمشیر برہنہ چلے آرہے ہیں اور غیب سے آواز آتی ہے طَرِّقُوْا لِعَبْدِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (خداوند دو جہاں کے بندے کو آنے کا راستہ دو)۔ بھلا حیرت کی کوئی انتہا ہے ایک عارف نے کہا ہے۔ قطعہ

اے بر آبِ زندگانی آتشے بر افروختہ	واندران ایمان و کفر عاشقان را سوختہ
گہ بقہر از جعد مشکین تیغہا افراختہ	گہ بلطف از لعلِ نوشین شمعہا افروختہ
یوسفِ عشقت بیک ساعت بچاہ انداختہ	ہر چہ در صد سال از دے عقلِ ما اندوختہ

(تو نے چشمۂ آبِ زندگانی کے پاس الاؤ جلا رکھا ہے اور اس دہکتی آگ میں عاشقوں کے کفر و ایمان کو جلا کر راکھ کر دیا ہے۔ کبھی اپنے غصے میں زلفِ مشکیں سے تلواریں نکالتا ہے کبھی از راہِ عنایت اپنے میٹھے لبوں سے شمعیں روشن کرتا ہے۔ تیرے یوسفِ عشق نے کنوئیں میں وہ سب ایک ساعت میں ڈبو دیا۔ جو ہماری عقل نے سیکڑوں برسوں میں جمع کیا تھا۔ والسلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انھتّرواں مکتوب ۶۹

اسباب کے تعلق اور اس کے ترک میں

میرے عزیز بھائی شمس الدین اللہ تعالیٰ تم کو عزت دے۔ جانو کہ گروہِ صوفیہ کا حال اسباب کے ساتھ تعلق رکھنے اور اسباب سے کنارہ کشی اختیار کرنے میں مختلف ہے۔ بعض ان میں ایسے ہیں جن کا دل فتوحاتِ غیبی پر مطمئن ہے وہ کسی سببِ ظاہر پر مائل نہیں ہوتے نہ روزی کے لیے کوئی کسب کرتے ہیں نہ کسی کے سامنے دستِ سوال پھیلاتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کا حال ان کے ترکِ اسباب پر حکم کرتا ہے۔ اور صریح توحید ان پر کھل جاتی ہے۔ اور انھیں یقین کامل ہو جاتا ہے کہ خداوند تعالیٰ ہی رزّاق اور حقیقی کفیل ہے۔ اس لیے رزق کا غم اور اس کے حصول کی فکر ان کے دل سے زائل ہو جاتی ہے جس کسی کا یہ حال ہے اس کو خدا کی طرف سے تونگری حاصل ہے حضرت خواجہ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کوئی کسب نہیں کرتے۔ پھر پیٹ کا دھندا کیسے چلتا ہے؟ آپ نے فرمایا میرا خدا جو کتّے اور سُور تک کو روزی دیتا ہے وہ بایزید کو بھوکا نہ رکھے گا۔ اور یہ جو بزرگوں میں سے کسی نے کہا ہے کہ فقیر وہ ہے جس کو اپنے خدا سے بھی کوئی طلب و حاجت نہ ہو۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ اس کے متعلق وہ صدق و یقین رکھتا ہے اور خوب جانتا ہے کہ اگر وہ نہ مانگے گا تب بھی اللہ تعالیٰ اس کی روزی اس کو بالضرور پہنچائے گا۔ اسی موقع کے لیے کہا گیا ہے۔ ؎

روزیِ تو باز نہ گردد ز در　　　کارِ خدا کن غمِ روزی مخور

(تیری روزی تیرے گھر سے واپس نہیں لوٹ سکتی۔ تو خدا کا کام کیے جا روزی کا غم نہ کر)۔

کسب و ہنر کی اصلیت حضرت آدم علیہ السلام سے منسوب ہے۔ آپ نے کھیتی باڑی خود کی اور اپنی اولاد کو سکھائی۔ کیا تم نہیں جانتے کہ حضرت شعیب علیہ السلام سوداگر تھے اور مویشیوں کے مالک تھے۔ موسیٰ علیہ السلام آپ کے یہاں گلہ بانی کا کام کرتے تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام زرہ بنایا کرتے تھے۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام چھوارے کی پتیوں سے تھیلا بُنتے تھے۔

اور جو کی دو روٹیوں میں بیچ دیتے تھے۔ ایک روٹی فقیروں کو خیرات کرتے اور ایک سے خود روزہ افطار کرتے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے یہاں اتنے مویشی تھے کہ چار ہزار زر خرید غلام ان کی چرواہی اور رکھوالی کرتے تھے۔ اکابر صحابہؓ کی تجارت بھی معروف و مشہور ہے۔ جیسے امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ۔ اگر ایسا ہوتا کہ کسبِ معیشت سے توکل کو نقصان پہنچتا تو انبیاء علیہم السلام اس سے کوسوں دُور رہتے۔ چونکہ یہ لوگ بہ اعتبار دوسروں کے توکل کے مقام میں کہیں بلند و برتر ہیں۔ ورنہ حضرت سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے یاران واصحاب کو کسب کرنے سے روک دیتے تاکہ ان کے توکل کو نقصان نہ پہنچے۔ اور ایسے لوگوں پر تو کسب کرنا فرض ہے جن پر کسی کا کھانا کپڑا واجب ہو۔ حدیث میں آیا ہے کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل وعیال کے لیے ایک سال کا اناج رکھ دیا کرتے تھے۔ لیکن کہا گیا ہے کہ کسب اس طرح اختیار کرے کہ خدا سے اُس کی نظر نہ ہٹنے پائے۔ اگر کوئی شخص اپنے نفس کو اس حال میں دیکھے کہ اگر میں کسب نہ کروں گا تو میرا نفس خدا سے پھر جائے گا اور مخلوق کا دروازہ کھٹکھٹائے گا تو اُس پر نماز کی طرح کسب کرنا فرض ہے۔ پھر اگر کسی کو کسب کرنے سے کسب ہی پر بھروسا ہو جائے تو اُسے کسب کو ترک کر دینا بہتر ہے۔ ہر موقع پر اپنی حالت کو دیکھتا رہے اور ظاہر و باطن میں اسی کی رعایت مدِ نظر رکھے کہ اگر ترکِ کسب سے خدا سے روگردانی کا خطرہ ہو تو کسب کرنا بہتر ہے۔ اور اگر ترکِ کسب ہی خدا تک پہنچا دیتا ہے اور کسب راندۂ درگاہ بناتا ہے تو ترکِ کسب ہی اولیٰ اور بہتر ہوگا۔ حضرت خواجہ جنید رحمۃ اللہ علیہ سے نقل ہے کہ آپ نے فرمایا شریعت کی رُو سے کسب کرنے کا اطلاق نوافل کی طرح ہے، اس معنی میں نہیں کہ کسب کرنے سے روزی حاصل ہوتی ہے یا اُس سے منافع حاصل کرنے کی امید کرتا ہے۔ اس کا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ روزی کی طلب ایک مباح چیز ہے جیسے نفل روزہ یا نفل نماز وغیرہ کہ ان کا کرنا نہ کرنے سے بہتر ہے لیکن منفعت کی ان سے امید کرنا شرک ہے۔ جیسے نماز روزہ کہ جتنا بھی کیا جائے اچھا ہے لیکن ان سے نجات کی امید کرنا نہ چاہیے کیونکہ خدا کے سوا بندہ کسی دوسری چیز سے اپنی نجات وابستہ کرے تو شرک ہے۔ عبادت و بندگی، خدا کی عظمت و جلال اور اپنی محبت کی صداقت کے لیے بجالانا چاہیے۔ جیسا کہ کہا ہے ؎

لَوْ كَانَ حُبُّكَ صَادِقاً لَاَطَعْتَهٗ اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ يُحِبُّ مُطِيْعٌ

(جب کہ تیری محبت سچی ہے تو میں اس کی پرستش کرتا ہوں۔ کیونکہ محبت کرنے والا جس کی محبت کرتا ہے اُس کا فرمان بردار ہوتا ہے) لیکن اس کے باوجود نجات کو خدا کی بخشش اور کرم سمجھنا چاہیے نہ کہ اپنی خدمت و عبادت کا نتیجہ۔ کسب کو بھی اسی طرح جانو۔ کسب اختیار کرو لیکن روزی کو کسب پر منحصر نہ سمجھو بلکہ خدا کی طرف سے عطا و کرم جانو کہ اُس نے اپنی بخشش کا دروازہ تم پر کھول دیا۔ جس طرح اُس نے تم کو بندگی کرنے کی توفیق عنایت فرمائی۔ ان میں بعض ایسے لوگ ہیں جو فاقے سے تنگ آکر سوال کے حاجتمند ہوتے ہیں۔ کہا ہے کہ اگر درویش اپنی کوشش اور طاقت کو کچھ عرصہ تک قائم رکھے تو اس کی ضروریات پوری ہونے لگتی ہیں۔ اور اگر خدا سے طلب کرے لیکن عنایت کا دروازہ اس پر نہ کھولا جائے اور تقدیر الٰہی اس پر ظاہر نہ ہو اور اپنے فرائض و نوافل کی مشغولیت میں اتنا وقت نہ پائے کہ کسب اختیار کرے اس وقت جائز ہے کہ لوگوں سے سوال کرے کیونکہ ایسی صورت میں صلحا اور بزرگوں نے سوال کیا ہے۔ حضرت خواجہ ابوسعید خرازی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل ہے کہ فاقہ کے وقت آپ سوال کرتے تھے۔ اور کہتے تھے ثَمَّ شَیْئًا لِلّٰہِ (خدا کے لیے کچھ ہے)۔ اور خواجہ ابوحفص حداد جو خواجہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہما کے استاد تھے مغرب اور عشا کے درمیان گھر سے باہر نکلتے اور دو ایک آدمی سے اپنی ضرورت کے مطابق سوال کرتے تھے، وہ بھی ایک دو روز کے بعد، جب تک اسی پر گذر بسر کرتے۔ حضرت ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق مشہور ہے کہ ایک زمانہ تک بصرہ کی جامع مسجد میں معتکف رہے۔ تین دن راتوں میں ایک رات افطار کرتے اور جس رات افطار کرتے دروازے دروازے پھر کر بھیک مانگتے تھے۔

حضرت خواجہ سفیان رحمۃ اللہ علیہ سے نقل ہے کہ حجاز سے یمن تک سفر کرتے اور راستے میں لوگوں سے مانگا کرتے تھے۔ جن جن بزرگوں کا اس مکتوب میں ہم نے ذکر کیا ہے ان کے حدود و آداب کو ملحوظِ خاطر رکھیں اور اس سے آگے قدم نہ بڑھائیں۔ جب فقیر اپنے نفس کو علم کے ذریعہ ریاضت و سیاست میں لے آتا ہے تو خداوند تعالیٰ اس کو ایک علم اور ایک بصیرت عطا فرماتا ہے کہ اُس کی روشنی میں سبب اختیار کرتا ہے یا سبب کو ترک کر دیتا ہے۔ اور فقیر کے لیے ضروری ہے کہ حتی الامکان سوال نہ کرے۔ کیونکہ اس میں رغبت و رہبانیت کا بڑا خطرہ ہوتا ہے۔

الغرض مشائخین رضوان اللہ علیہم نے تین وجہوں سے سوال کرنا جائز رکھا ہے۔ ایک تو فراغتِ دل کے لیے جو نہایت ضروری چیز ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ہمارے نزدیک اس گروہ کی کوئی قدر و قیمت نہیں جو دن رات انتظار ہی کرتے گذار دے جیسے اور کوئی کام کرنے کی ان کو حاجت ہی نہیں۔ ہمارے احتیاجات میں دربارِ خداوندی سے طلب کرنے کے لیے روٹی کے مشغلے سے بڑھ کر اور کوئی اضطراری مسئلہ نہیں۔ اسی لیے خواجہ بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے خواجہ شقیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید سے جو آپ کی زیارت کے لیے آئے تھے ان کے پیر کا حال پوچھا۔ اُنھوں نے کہا وہ تو خلق اللہ سے کنارہ کش ہو کر طریق توکل اختیار کیے بیٹھے ہیں۔ خواجہ بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے سن کر فرمایا۔ تم جب یہاں سے واپس جاؤ تو ان سے کہنا کہ بھائی، تم دو روٹیوں سے اللہ تعالےٰ کا امتحان نہ لو، بلکہ جب بھوک لگے تو اپنے ہم جنسوں سے دو روٹیاں مانگ لیا کرو اور توکل کا پلندا بالائے طاق رکھ دو تاکہ یہ ملک اور یہ شہر اس کارنامہ کی نحوست سے زمین میں نہ دھنسا دیا جائے۔

دوسرے نفس کو کچلنے کے لیے در در بھیک مانگیں تاکہ ذلت و خواری نصیب ہو اور اپنی قدر و قیمت معلوم ہو جائے کہ لوگ ان کو کس نظر سے دیکھتے ہیں۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جب خواجہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ خواجہ جنید رحمۃ اللہ علیہ سے ملے تو حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ اے ابابکر تجھے بڑا گھمنڈ اور غرور اس بات کا ہے کہ تو خلیفہ وقت کے حاجب الحجاب کا لڑکا اور امیر زادہ ہے۔ تیرا کوئی کام نہیں بن سکتا جب تک تو بازار کی دوڑ نہ لگائے اور دکان دکان پھر کر بھیک نہ مانگے۔ جب کہیں تجھ کو اپنی قیمت معلوم ہوگی۔ انھوں نے ایسا ہی کیا کیونکہ ان کی طلب صادق تھی۔ رفتہ رفتہ اُن کی دریوزہ گری کی آمدنی کم ہوتی گئی۔ ایک برس کے بعد تو یہاں تک نوبت پہنچی کہ پورے بازار میں چکر لگاتے، روتے گڑگڑاتے لیکن ایک دمڑی چھدام بھی کوئی نہ دیتا۔ آپ واپس آکر حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے حال بیان فرماتے۔ آپ سن کر فرماتے۔ ہاں، اب تو نے مخلوق کے نزدیک اپنی قیمت جان لی کہ تو ایک دمڑی کے لائق بھی نہیں ہے۔ یہ بھی ریاضتِ نفس کی ایک خاص قسم ہے۔ تیسری قسم یہ ہے کہ مخلوق سے سوال کریں یہ سمجھ کر کہ ساری دولت خدا کی ہے اور وہی ہر شے کا مالک ہے اور تمام خلق اس کی وکیل ہے۔ تو جس چیز کی حاجت اپنے نفس کے لیے دیکھتے ہیں، اُس کے وکیل سے مانگتے ہیں۔ لیکن اپنا روئے سخن خدا ہی کی طرف رکھتے ہیں۔ مشاہدہ معروف ہے کہ اپنا

حصّہ اس کے وکیل سے طلب کرنا زیادہ قرینِ ادب و احترام ہے بہ نسبت اس کے کہ بلا واسطہ مولیٰ سے مانگیں۔ پس مخلوق سے سوال کرنا خدا سے حضوری اور توجہ کی علامت ہے نہ کہ حق سے دُوری یا اعراض۔ خواجہ یحییٰ معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی نے اپنی ماں سے کہا کہ "مجھ کو فلاں چیز کی ضرورت ہے۔" ماں نے کہا "خدا سے مانگ۔" اس نے کہا اے مادرِ مہربان مجھے شرم آتی ہے کہ میں اپنے نفس کی ضرورت خدا سے طلب کروں۔ جو کچھ آپ عنایت کریں گی وہ بھی تو اسی کا ہے۔ پس سوال کرنے کے آداب یہ ہیں کہ سوال پورا ہونے پر اس سے زیادہ خوش نہ ہوں جتنا کہ سوال نہ پورا ہونے پر۔ مخلوق کو درمیان میں نہ دیکھے بلکہ اپنی نظر بہر حال خدا پر رکھے۔ اور یہ بھی ضروری ہے کہ سوائے اس شخص کے کہ جس کے مال پر حلال ہونے کا یقین ہو اور کسی سے اپنی ضرورت بیان نہ کرے۔ اور اس کا بھی خیال رہے کہ اس بھیک کے پیسوں سے شان و شوکت اور شادی نکاح کا سامان نہ کرے اور اپنی ملک سمجھ کر جمع نہ کرے۔ یہ صرف وقت گذاری کے لیے ہے اور کل کی فکر نہ کرے اور اپنی بزرگی و پارسائی کا ڈھنڈورا نہ پیٹے تا کہ لوگ متاثر ہو کر اسے کچھ دیا کریں۔ صوفیوں میں سے ایک بزرگ کسی جنگل سے کوفے کے بازار میں آئے فاقہ مست اور جنگل کی سختیاں جھیلے ہوئے۔ ہاتھ پر ایک چڑیا بٹھائے ہوئے کہتے تھے "اس چڑیا کے لیے مجھ کو کچھ دو! لوگوں نے کہا یہ کیسا سوال ہے؟ انھوں نے کہا کہ میرے لیے یہ بہت مشکل ہے کہ میں کہوں کہ خدا کے لیے مجھ کو کچھ دو۔ اس حقیر دنیا کے لیے حقیر ہی چیز کا وسیلہ اور شفیع لاتے ہیں۔ اس لیے اس چڑیا کا واسطہ دے کر مانگتا ہوں۔ سبب اختیار کرنے اور سبب کو ترک کرنے کے متعلق یہ احکام تھے جو اس مکتوب میں لکھے جا سکے۔ والسلام۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سترّواں مکتوب

اس گروہ کی صحبت کے بیان میں

میرے بزرگ بھائی شمس الدین۔ خدا تم کو اپنے صدیقوں کی صحبت نصیب کرے۔ سنو مرید کے لیے صحبت بھی ایک بڑی اہم چیز ہے۔ اور طبیعتوں میں صحبت کی غیر معمولی تاثیر ہوا کرتی ہے

یہاں تک کہ باز جو ایک پرندہ ہے آدمی کی صحبت میں دانا ہو جاتا ہے۔ اور طوطا بولنے لگتا ہے۔ تربیت سے گھوڑے انسان کی صحبت میں رہ کر حیوانیت چھوڑ دیتے اور آدمی کی عادتیں اختیار کر لیتے ہیں۔ اس کی مثالیں بہت ہیں۔ اور صحبت کا اثر ہر شخص کے دیکھنے اور مشاہدے میں آتا ہے۔ اور یہ سب صحبت ہی کا اثر ہے کہ ان کی اصلی عادت اور فطری طبیعت مغلوب ہو جاتی ہے۔ مشائخ رضوان اللہ علیہم اجمعین پہلے ایک دوسرے سے حق صحبت طلب کرتے اور مریدوں کو اس کے لیے تاکید فرماتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کے یہاں صحبت فرضیت کا درجہ رکھتی ہے۔ اور ان سب کی اصل بنیاد یہی ہے کہ نفس سرکش عادات کا تابع ہوتا ہے اس کو اسی سے آرام اور سکون حاصل ہوتا ہے۔ یہ جس گروہ کی صحبت اختیار کرے گا انھیں کے افعال کو اپنائے گا حق و باطل کی ساری ارادتیں اس میں مرکب ہیں۔ جو جو معاملے اور ارادت یہ دیکھتا ہے وہ اس میں پرورش پاتی رہتی ہیں اور اسی کا غلبہ ہوتا جاتا ہے۔ حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اَلْمَرْءُ عَلٰی دِیْنِ خَلِیْلِہٖ فَلْیَنْظُرْ اَحَدُکُمْ مَعَ مَنْ یُّخَالِلُ (آدمی وہی دین اور راستہ اختیار کرتا ہے جو اُس کے دوست کا ہوتا ہے۔ پس دیکھو کہ وہ کس کے ساتھ صحبت اور دوستی کرتا ہے)۔ اگر نیک لوگوں کی صحبت میں رہتا ہے تو وہ خود اگرچہ بُرا ہے لیکن اُن کی صحبت اُسے اچھا بنا دے گی۔ اور اگر بُروں میں بیٹھا کرتا ہے تو خود اگرچہ اچھا ہے، لیکن اُن کی صحبت اُسے بُرا بنا دے گی۔ کیونکہ جو چیز اُن میں ہوگی اسی کا حاصل کرنا اُس کی خوشنودی ہے۔ تو چونکہ یہ لوگ بُرے قماش کے ہیں اُسے بُرائی سے خوشی حاصل ہوگی۔ اگرچہ بذاتِ خود یہ نیک تھا لیکن بُرا بن جائے گا۔ قصّہ ہے کہ ایک شخص کعبہ کا طواف کر رہا تھا۔ اور کہتا جاتا تھا اَللّٰھُمَّ اَصْلِحْ اَخْوَانِیْ (اے اللہ میرے بھائیوں کو صلح بنا دے) لوگوں نے اُس سے پوچھا کہ اس متبرک مقام میں تم اپنے لیے نہیں مگر اپنے بھائیوں کے لیے دعا مانگتے ہو تو اُس نے کہا میرے چند بھائی ہیں۔ جب میں لوٹ کر اُن کے پاس جاؤں گا اگر ان کو نیک احوال میں پاؤں گا اُن کی نیکیوں کی برکت سے صالح ہو جاؤں گا۔ اور اگر انھیں بدحال اور خراب پاؤں گا تو اُن کی خرابی سے میں بھی بُرا ہو جاؤں گا۔ چونکہ مصلحوں کی صحبت سے میں نیک اور صالح ہو جانے کا فائدہ اُٹھا سکتا ہوں اس لیے اپنے بھائیوں کے لیے دعا کرتا ہوں تاکہ بھائیوں سے میرا کام نکلے۔ حضرت مالک بن دینار رضی اللہ عنہ نے کہا ہے، جس بھائی اور دوست کی صحبت سے تجھے اس جہان کا

کوئی فائدہ حاصل نہ ہو اُس کے ساتھ نہ رہا کر۔ ایسے شخص کی صحبت ہمیشہ تجھ پر حرام ہے۔ اس کی شرح اس طرح بیان کی گئی ہے کہ عام طور سے، اپنے سے بڑے یا اپنے سے چھوٹے درجہ کے لوگوں کی صحبت ہوا کرتی ہے۔ اگر اپنے سے بڑے کی صحبت اختیار کی تو خود فائدہ اُٹھایا۔ اور اگر اپنے سے کم تر کی صحبت میں رہا تو اُن کو تو نے فائدہ پہنچایا۔ اگر تو نے اُن سے سیکھا، یا انھوں نے تجھ سے سیکھا تو دینی فائدہ حاصل کیا حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اَكْثِرُوْا مِنَ الْاِخْوَانِ فَاِنَّ رَبَّكُمْ حَيٌّ كَرِيْمٌ يَسْتَحْيِيْ اَنْ يُّعَذِّبَ عَبْدَهٗ بَيْنَ اِخْوَانِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (بہت زیادہ بھائی بناؤ، حفظ آداب اور اُن کے نیک معاملے کیلیے، کیونکہ خداوند تعالیٰ حی اور کریم ہے۔ وہ اپنے کرم کی وجہ سے پسند نہیں فرماتا کہ قیامت کے دن بھائیوں کے سامنے اُس کو عذاب دیا جائے)۔ مگر چاہیے کہ خدا کے لیے صحبت ہو، حصول مراد دنیاوی یا خواہش نفس کیلیے نہ ہو۔ کہا گیا ہے کہ تنہا رہنا مرید کو ہلاکت و تباہی میں ڈالتا ہے پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ اَلشَّيْطَانُ مَعَ الْوَاحِدِ وَهُوَ مِنَ الْاِثْنَيْنِ اَبْعَدُ (شیطان اکیلے آدمی کے ساتھ رہتا ہے اور جہاں دو ہوں، اُن سے دُور ہو جاتا ہے)۔ اور خداوند عزوجل نے ارشاد فرمایا مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ (تم میں راز کی باتیں کرنے والے تین آدمی جہاں ہوں گے وہاں چوتھا خداوند تعالیٰ ہوگا۔ الغرض مرید کے لیے اکیلے رہنے سے زیادہ دشوار اور کوئی چیز نہیں نقل ہے کہ خواجہ جنید رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید کو وسواس سما گیا کہ میں کمال کے درجے تک پہنچ گیا ہوں اب ترک صحبت سے مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ خلوت میں تنہا بیٹھ گئے۔ جب رات ہوئی تو ایک جماعت نے آ کر ان سے کہا "یہ گھوڑا حاضر ہے اس پر بیٹھئے اور بہشت کی سیر کو چلیے"۔ وہ سوار ہو کر روانہ ہوے اور ایک سرسبز و شاداب مقام میں پہنچے۔ یہاں حسین و جمیل آدمی لذیذ کھانے لیے کھڑے تھے اور نہریں جاری تھیں صبح تک یہ وہاں رہے، پھر نیند آگئی۔ جب سو کر اُٹھے تو خود کو اپنے عبادت خانے میں پایا۔ کچھ دنوں تک یہی واقعہ ہوتا رہا۔ ان حضرت کے دماغ میں جوانی کے جوش و تکبر نے اثر کیا۔ اور یہ بھی لگے دعویٰ کرنے کہ میرا حال ایسا ایسا ہے۔ روزانہ بہشت کی سیر ہوا کرتی ہے۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کو جب یہ خبر پہنچی تو آپ اُن کے حجرے میں تشریف لائے اور حالت پوچھی۔ انھوں نے اپنا سارا واقعہ بیان کر دیا۔ آپ نے سن کر فرمایا۔ آج جب تم وہاں پہنچو تو تین مرتبہ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ کہنا۔ جب رات آئی، انھیں حسب سابق جنت میں لے گئے۔ اگرچہ ان کے دل میں حضرت خواجہ جنید رحمۃ اللہ علیہ کے

ارشاد کے بجالانے سے انکار پیدا ہو رہا تھا، لیکن تھوڑی دیر کے بعد محض تجربے کے خیال سے انھوں نے لاحول پڑھی۔ پھر کیا تھا، وہ جماعت چیختی چلاتی تتر بتر ہوگئی اور انھوں نے خود کو ایک گھوڑے پر بیٹھا پایا اور مردار کی ہڈیاں اپنے قریب پڑی ہوئی دیکھیں، اپنی خطاؤں کا اعتراف کر کے توبہ کی اور پھر سے صحبت میں داخل ہوگئے۔ اب معلوم ہوگیا ہوگا کہ مرید کے لیے تنہائی بڑی آفت ہے۔ ان بزرگوں کی صحبت کی شرط یہ ہے کہ جس کے لیے یہ جو درجہ سمجھتے ہیں اُسی کا حکم دیتے ہیں۔ جیسا کہ بوڑھوں کی خدمت کرنا (باپ کے مرتبے پر سمجھنا)، برابر والوں کے ساتھ ہنسی خوشی زندگی بسر کرنا (بھائی سمجھنا) اور چھوٹوں کے ساتھ شفقت و محبت کا اظہار کرنا (اپنے بچوں کی طرح سمجھنا)۔ جوانوں کو بوڑھوں کے سامنے بجز ضرورت کے باتیں نہ کرنا چاہیے۔ اور جب بات کرنے کی ضرورت ہو تو اتنی دیر صبر کرے کہ وہ اپنی بات ختم کرلیں۔ اس کے بعد ان سے اجازت لے کر نہایت ادب سے اُن کے قریب بیٹھ جائے اور نرم آواز میں بات کرے۔ اور جوانوں کو بوڑھوں پر کوئی اعتراض نہ کرنا چاہیے۔ اور ان کے مقابلہ پر آنا اور باز پرس نہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ جب بوڑھوں کو کسی پر جلال آتا ہے تو اُس کا دین، اور دنیا رخصت ہو جاتی ہے لیکن ان سے درخواست کرنا جائز ہے۔ اسی طرح جوانوں کو بوڑھوں کے سامنے مسند پر نہ بیٹھنا چاہیے بلکہ ان کی خدمت میں مشغول رہنا چاہیے۔ اور بھائی چارے کی صحبت کی شرط یہ ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ ایثار و قربانی کو ملحوظ رکھتے ہوئے زندگی بسر کریں اور دوسروں کو اپنے مال میں تصرف کا حق دیں۔ اور اس گروہ کے لوگ اپنی چیزیں کسی کو عاریۃً (اُدھار) نہیں دیتے اور نہ لیتے ہیں۔ بلکہ جو چیز کسی کو دیتے ہیں واپس نہیں لیتے۔ مشائخین رضوان اللہ علیہم کا کہنا ہے۔ اَلْفَقِیْرُ لَا یُعِیْرُ وَلَا یَسْتَعِیْرُ (فقیر نہ اُدھار لیتا ہے اور نہ اُدھار دیتا ہے)۔ اور کسی پر حکم نہ چلائے، لیکن اگر کوئی اُس پر حکم کرے تو جان و دل سے بجالائے۔ اور کسی سے کام کرنے کو نہ کہے جب تک کہ وہ بلا توقف بجالانے کا عادی نہ ہو۔ اور جس کسی کے ساتھ رہن سہن رکھے اُس کے مذاق طبیعت کے موافق ہی زندگی بسر کرے اور مخالفت درمیان میں نہ آنے دے، بجز ان امور کے جن کو شریعت نے منع کیا ہے۔ اور جو شخص مذہب کا مخالف یا ناجنس ہو اگرچہ وہ رشتہ دار اور قرابت پیشہ ہی کیوں نہ ہو اُس کی صحبت میں نہ بیٹھا کرے۔ بلکہ جس کو دین و مذہب او دیانت و تقویٰ میں ظاہراً و باطناً استوار دیکھے اُس کی صحبت اختیار کرے۔ نوجوان اَمردوں کے ساتھ رہنے کو منع کیا گیا ہے، کیونکہ

اس سے بڑے بڑے فتنے پیدا ہو جاتے ہیں۔ بعض بزرگوں نے کہا ہے کہ بچوں میں بزرگوں کی صحبت کی رغبت علم کی توفیق اور ذکاوت پیدا کرتی ہے۔ اور بزرگوں میں لڑکوں کے ساتھ رہنے کی خواہش بے شرمی اور حماقت لاتی ہے۔ یہ گروہ اپنی اصطلاح میں ابتدائی صحبت کو معرفت، پھر مودت پھر الفت، پھر عشرت، پھر صحبت اور آخر میں اخوت کہتے ہیں۔ جب ان شرائط کے ساتھ صحبت درست ہو جاتی ہے تو ان کے حالات بلند و برتر ہو جاتے ہیں۔ تم نہیں دیکھتے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم بزرگ ترین خلق ہیں۔ علم و فقہ، عبادت و زہد اور توکل و رضا میں ان کی برابری کون کر سکتا ہے ان لوگوں کو صحبت کے سوا اور کسی چیز کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ صحبت (رسولؐ) ہی بہترین احوال ہے۔ اور اس گروہ کے آداب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب آپس میں گفتگو کرتے ہیں تو کبھی نہیں کہتے هٰذَا لِیْ وَهٰذَا لَكَ۔ (یہ میرا ہے اور یہ تیرا ہے) وَلَوْ كَانَ كَذَا لَمْ يَكُنْ كَذَا (اگر ایسا ہوتا تو ایسا نہ ہوتا) وَلَعَلَّ وَعَسٰى (کاش ایسا ہوتا کاش ایسا نہ ہوتا) وَلَوْ فَعَلْتَ (اگر تو ایسا کرتا) وَلِمَ لَا تَفْعَلُ (اور تو نے ایسا کیوں نہیں کیا)۔ کیونکہ یہ سب طور طریقے عوام کے ہیں۔ ابراہیم بن شیبانؒ کہتے ہیں کہ میں اس کی صحبت نہیں کرتا جو یہ کہے کہ هٰذَا نَعْلِی (یہ میری نعلین ہے)۔ علم والوں کا قول ہے کہ خداوند کریم نے جائز نہ رکھا کہ مخلوقات میں سے کوئی شخص نَحْنُ (ہم)، وَاَنَا (میں) وَاِنِّی (بیشک میں)۔ وَلِیْ (میرے لیے) وَعِنْدِیْ (اور میرے پاس) کہے۔ نہیں دیکھتے کہ جس وقت ملائکہ نے نَحْنُ نُسَبِّحُ (ہم تیری ہی تسبیح کرتے ہیں) کہا۔ اُدھر سے حکم ہوا ہمیں تمہاری تسبیح کی حاجت نہیں۔ اُسْجُدُوْا لِاٰدَمَ (آدم کو سجدہ کرو) شیطان بول اٹھا خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ (تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے)۔ اس شوخی کی برداشت کہاں، فرمان نازل ہوا وَاِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِیْ (ہم تجھ پر لعنت بھیجتے ہیں)۔ فرعون نے کہا۔ اَلَيْسَ لِیْ مُلْكُ مِصْرَ (کیا مصر کی مملکت میری نہیں ہے)۔ وَاَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى (اور میں تمہارا بلند پروردگار ہوں)۔ اس کی یہ باتیں بھی جائز نہ سمجھیں۔ عذاب ٹوٹا اور دریا میں ڈبو دیا گیا۔ قارون بولا عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِیْ (میں صاحب علم ہوں)۔ جائز نہ سمجھا گیا اور زمین کو حکم ہوا اور وہ اس کو نگل گئی۔ جب ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ آیا ارشاد ہوا۔ اے محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) تم ان لوگوں کی طرح نہیں ہو قُلْ اِنِّیْٓ اَنَا النَّذِيْرُ الْمُبِيْنُ (کہہ دو میں کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں) جیسا کہ میں کہتا ہوں اِنِّیْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا (میں اللہ ہوں میرے سوا اور کوئی معبود نہیں)۔

اے بھائی! اگر تم چاہتے ہو کہ گلستانِ غیب کے درختوں پر بیٹھو اور باغِ لطف و کرم کی نہروں سے آبِ حیات نوش کرو اور ساتوں آسمان کو رَوند کر اپنے تلووں کی خاک بنادو تو دم بھر کے لیے اس بیابانِ فانی میں مشاہدۂ دارِ بقا کی خاطر ان پانچوں حواس کی کھڑکیاں بند کردو اور اس عالمِ فنا اور دارِ مصائب سے بوریا بستر اُٹھاؤ اور صدفِ بحری کی طرح معرفت کے موتی کے لیے غیر اللہ سے اندھے بہرے بن کر بیٹھ رہو۔ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ عارف کون لوگ ہیں اور ان کی پہچان کیا ہے۔ آپ نے جواب دیا صُمٌّ بُکْمٌ عُمْیٌ (گونگے، بہرے اور اندھے)۔ کہا گیا یہ تو کفار کی صفت ہے۔ ھٰذَا صِفَۃُ الْکَافِرِیْنَ۔ آپ نے فرمایا اَلْکَافِرُ صُمٌّ عَنْ سَمَاعِ الْحَقِّ وَبُکْمٌ عَنْ قَوْلِ الْحَقِّ وَعُمْیٌ عَنْ رُؤْیَۃِ الْحَقِّ (کافر حق بات سننے سے بہرا ہے اور حق بات کہنے سے گونگا ہے اور رویتِ حق سے اندھا ہے۔ یہاں تو ایسے پاک باز کی ضرورت ہے جو اس عالمِ کون و فساد شیطانوں کے پھندے سے رنج و محنت کے ساتھ عالمِ پاک کی طرف روانہ ہو جائے۔ اور جیسے ایک چڑیا پنجرے سے نکل کر اُڑ جاتی ہے اپنا قدم اپنے دل پر رکھے، دل کو تفکر کے کاندھوں پر سوار کرے، تفکر کو مقامِ سِرّ میں پہنچائے اور سِرّ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرے جیسے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قدم میں مسجدِ اقصیٰ تک طے کیا، اور ایک ہی گام میں ساتوں آسمانوں کی منزلیں طے کرتے ہوئے سدرۃ المنتہیٰ پر تشریف لے گیے اور مشاہدے کی دولت حاصل کی اور دونوں جہان سے آزاد ہو کر اپنے محبوب کے ساتھ آرام و راحت سے لطف اندوز ہوئے۔ والسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اکہتّرواں مکتوب ۷۱

خدمت کے بیان میں

بھائی شمس الدین۔ اللہ تعالیٰ تمھیں اولیاء کی خدمت میں بزرگی نصیب کرے۔ سنو مرید کا ایک بڑا کام خدمت کرنا ہے۔ خدمت کرنے میں بڑے بڑے فوائد ہیں۔ اور کچھ ایسی خاصیتیں ہیں جو اور کسی عبادت میں نہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ نفسِ سرکش مرجاتا ہے اور بڑائی کا

گھمنڈ دماغ سے نکل جاتا ہے عاجزی اور تواضع آجاتی ہے۔ اچھے اخلاق، تہذیب اور آداب آجاتے ہیں۔ سنّت اور طریقت کے علوم سکھاتی ہے۔ نفس کی گرانی اور ظلمت دُور ہو کر روح سبک اور لطیف ہو جاتی ہے۔ آدمی کا ظاہر و باطن صاف اور روشن ہو جاتا ہے۔ یہ سب فائدے خدمت ہی کے لیے مخصوص ہیں۔ ایک بزرگ سے پوچھا گیا خدا تک پہنچنے کے لیے کتنے راستے ہیں؟ جواب دیا کہ موجوداتِ عالم کا ہر ذرّہ خدا تک پہنچنے کا ایک راستہ ہے، مگر کوئی راہ نزدیک تر اور بہتر خلقِ خدا کو راحت اور آرام پہنچانے سے بڑھ کر نہیں ہے۔ اور ہم تو اسی راستے پر چل کر اس منزل تک پہنچے ہیں۔ اور اپنے مریدوں کو بھی اسی کی وصیت کرتے ہیں۔ انھیں بزرگوں کا کہا ہوا ہے کہ اس گروہ کے ورد و وظائف اور عبادتیں اتنی ہیں جو بیان نہیں کی جا سکتیں۔ مگر کوئی عبادت افضل اور مفید تر خدمتِ خلق سے نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ حضورؐ سے پوچھا گیا اَیُّ صَدَقَۃٍ اَفْضَلُ۔ قَالَ خِدْمَۃُ عَبْدٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَوْظِلُّ فُسْطَاطٍ اَوْطُرُوْقَۃُ فَحْلٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ (کون سا صدقہ زیادہ افضل ہے؟ فرمایا بندے کی خدمت کرنا خدا کی راہ میں، یا سایے کی غرض سے خدا کے راستے میں شامیانے لگانا، خیمے نصب کرنا۔ یا خدا کی راہ میں اونٹ یا کشتی دینا) ایک اور دوسری جگہ ارشاد ہوا اَلسَّاعِیْ عَلَی الْاَرْمِلَۃِ وَالْمَسَاکِیْنِ کَالْمُجَاھِدِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَوْکَالَّذِیْ یَصُوْمُ النَّھَارَ وَیَقُوْمُ اللَّیْلَ (بیوہ عورتوں کے کام میں دوڑنا اور غریبوں مسکینوں کی خدمت بجا لانا ایک مجاہد کی طرح ہے راہِ خدا میں۔ یا اُن لوگوں کی طرح ہے جو دن کو روزہ رکھتے اور راتوں کو عبادت کرتے ہیں) مگر خدمت کے لیے شرطیں ہیں۔ وہ یہ کہ اپنی آرزو اور اپنا تصرف بالکل چھوڑ دے اور قوم و جماعت کا جو مقصد ہو ویسا ہی کرے۔ مسافر یا مقیم جو بھی ہوں اُن کی طبیعت کے رجحان کے مطابق کام کرے تاکہ انھیں فراغتِ دل حاصل ہو اور بے فکر ہو کر اپنے اوقات ورد و وظائف میں گذاریں اور فارغ البال ہو کر اپنے معمولات میں مشغول رہ سکیں ان کو جو کچھ مجاہدہ اور ریاضت سے حاصل ہو گا اُس کو اسی خدمت سے وہی سب فائدے ہوں گے۔ کہ مَنْ دَلَّ عَلٰی خَیْرٍ فَلَہٗ مِثْلُ اَجْرِ فَاعِلِہٖ (جس نے کسی اچھے کام کے لیے مدد کی تو اُس کا اجر بھی اُس کام کے کرنے والے کے برابر ملے گا) یہ خانقاہیں، مسافر خانے اور اوقاف اسی کام کے لیے بنائے گئے ہیں۔ دوسری شرط یہ ہے کہ خود کو مالک و مختار نہ سمجھے۔ جو کچھ اس کے پاس ہے، یہ سمجھے کہ وہ انھیں

لوگوں کا ہے۔ یہاں تک کہ اپنی ذات مال مراد اور اپنی خواہشات کو ان کے لیے لٹا دے اپنے ہر کام پر ان کی ضرورتوں کو مقدم سمجھے۔ اُن سے کوئی چیز دریغ نہ رکھے۔ البتہ جو چیزیں کہ خدا نے حرام کردی ہیں۔ اور جس جس چیز کی اس سے درخواست کریں فوراً بجالائے۔ اگرچہ اس کے لیے مزدوری کرنا پڑے تو مزدوری کرنے سے بھی جان نہ چرائے تاکہ ان کا کام پورا ہو جائے۔ اور اُن کے ساتھ اس کا برتاؤ ایسا ہو جیسا ایک غلام اپنے مالک کے ساتھ کرتا ہے۔ اگر وہ سختی بھی کریں تو اُس کی برداشت واجب سمجھے اور ہمیشہ ان کے رمز واشارے کی باتوں کا لحاظ رکھے۔ اگر کوئی خرابی بھی دیکھے تو بغیر اُن کی تحریک کے درست کردے۔ اور یہ شرط بھی ہے کہ جو جو کام خلق اللہ کے لیے نیک دلی اور ہنسی خوشی کے ساتھ کرے تاکہ توفیقِ خیر کا مستحق ہو۔ اور ان کاموں کی انجام دہی پر شکر حق بجالائے اور جو کچھ اس سے ممکن ہو جماعت وملت کے لیے نیکیاں کرتا جائے۔ اور اگر کوئی دقیقہ فروگذاشت ہو جائے تو پشیمان ہو اور تاوان ادا کرے۔ خدمتیں بے شمار ہیں اور مقصود یہ ہے کہ جوان افراد کسی طرح بھی خدمت سے جان نہ چرائیں۔ شیخ ابوالعباس قصاب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے جو مرید ایک کام کرنے کے واسطے کھڑا ہوگا اُس کے لیے یہ کام نماز نفل کی سو رکعتوں سے زیادہ مفید وبہتر ہے۔ یہ لوگ ہر ایک شخص کی خدمت اور پیروں کی صحبت اور ملیت وریاضت وتربیت کا زیادہ سے زیادہ اعتبار کرتے ہیں اور نسبت ونسب کا کوئی خیال نہیں کرتے البتہ آلِ اطہارِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے مستثنیٰ ہیں اور مشائخ زادے بھی۔ کیونکہ یہ نسب کے اعتبار سے لائقِ احترام ہیں۔ جیسا کہا ہے نَسَبُ الرَّجُلِ دِیْنُہٗ وَحَسَبُہٗ تَقْوَاہُ (نسب آدمی کا دین اور پرہیزگاری اس کا مشرب ہے)۔ جیسا کہ صاحب مال پر واجب ہے کہ زکوٰۃ نکال کر فقرا کو دے۔ اور علماء کے لیے لازم ہے کہ طلبا کو پڑھائیں، علم سکھائیں اور اپنے علم کی زکوٰۃ دیں۔ اسی طرح راہِ طریقت میں مبتدی مرید پر واجب ہے کہ اپنی خدمت کے ذریعہ غیروں کو راحت وآرام پہنچائے۔ مسلمان بھائیوں کی امداد اور اپنے سے بڑوں کی خدمت انجام دے۔ خدمت کرنے کا صلہ، ثمرہ اور فائدہ اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب خدمت بے غرض، بے منت اور بے ریا ہو۔ پس جو مرید خود خدمت نہیں کرتا بلکہ دوسروں سے خدمت لینے کی آرزو کرتا ہے وہ کاہل ہو جاتا ہے اور لوگوں کے دلوں پر گراں گذرتا ہے اور بوجھ بن جاتا ہے۔ دل کی یہ گرانی اور بوجھ

جان کے لیے تپ ہے اس لیے لوگ اس سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔ اور یہ اُس کے حق میں سراسر نقصان اور خرابی کا باعث ہے۔ اور کاربر آری کی امید کم ہو جاتی ہے۔ حضرت پیغمبر مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ اور امت کی تعلیم کی غرض سے نہایت لطیف پیرایے میں اس کو سمجھایا ہے کہ کسی وقت ایک کٹورا دودھ کا حضورؐ کے پاس لایا گیا آپ نے اُٹھ کر اپنے دستِ مبارک میں لیا اور فقرا و صحابہؓ میں تقسیم فرما دیا۔ اور جو کچھ بچ رہا خود پی لیا۔ لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہؐ حضورؐ نے اپنے سے شروع کیوں نہ فرمایا۔ آپ نے جواب دیا کہ ایسا نہیں چاہیے کہ سَاقِی الْقَوْمِ اٰخِرُهُمْ شُرْبًا (قوم کو پلانے والا خود آخر میں پیتا ہے)۔ اس گروہ میں مشہور ہے جو زیادہ خدمت کرتا ہے وہ زیادہ بزرگ اور پیارا ہوتا ہے، دلوں میں خوش آیند اور نگاہیں اُس کی طرف مائل رہتی ہیں کہ سَیِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُهُمْ (قوم کا سردار وہی ہے جو اُن کی خدمت کرتا ہے)۔ عرب کے ایک بزرگ سے پوچھا گیا بِمَ سُدْتَ قَالَ خَدَمْتُ فَسُدْتُ (تم کیسے سردار بن گئے؟ انھوں نے کہا میں نے لوگوں کی خدمت کی اور سردار ہو گیا)۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جو منصب خلافت پایا اور اتنی بڑی دولت ملی وہ ہمیشہ خدمت میں کمر بستہ رہنے کی وجہ سے حاصل ہوئی۔ ابتدا میں ہر ایک بزرگ کے ساتھ یہی ہوا کیا ہے کہ وہ ہر وقت خدمت کے لیے ایک پاؤں پر کھڑے رہے ہیں یہاں تک کہ آخر میں خود مخدوم ہو گئے۔ خدمت کے ثمرے اتنے ہیں کہ بیان نہیں کیے جا سکتے۔ تم سے جہاں تک ہو سکے غنیمت سمجھو اور امیدوار رہو۔ اے بھائی احکامِ خداوندی انسان کے فہم و ادراک سے بالاتر ہیں۔ کنعان حضرت نوح علیہ السلام کا فرزند تھا۔ وہ کشتی میں نہیں بٹھایا گیا اور شیطانِ ملعون کے لیے راستہ ہو جائے یہ جائز ہے کہ یہ باتیں بادشاہ سے تو نہ کہی جائیں مگر ایک پاسبان سے بیان کی جائیں۔ تم نہیں دیکھتے کہ فرعون سے تو نہ کہا لیکن اسی گھر میں ایک بڑھیا سے کہہ دیا۔ اس کی نگاہیں جو تمھاری طرف اُٹھا کرتی ہیں اور اتنی مہربانیوں اور کرم کی بوچھار ہوتی رہتی ہے وہ اپنے علمِ پاک کی رُو سے نظر کرتا ہے تمھارے گندے اعمال کی رُو سے نہیں ہے۔ اہلِ سنت کا مذہب کہتا ہے کہ خدا کی نوازش و کرم کی کوئی حد نہیں۔ سارا عالم اُٹھا مگر کوئی اُس کے انعام و اکرام کے اسرار تک نہ پہنچا کہ آخر اس خاک کے پتلے پر اتنا کرم کیوں ہے؟ کل جب

قیامت آئے گی سب لوگ حشر کے میدان میں بلائے جائیں گے۔ غیب سے ایک آواز سنائی دے گی کہ سب خاک ہو جاؤ۔ فرشتوں کو حکم ہو گا کہ تم عرش کے گرد جمع ہو جاؤ۔ تمھیں حلۂ بہشتی سے کوئی کام نہیں اور نہ دوزخ کی بیڑیوں سے کوئی سروکار۔ تم مقامِ معلوم سے دیکھتے رہو کہ اس مشتِ خاک کے ساتھ ہمارے کیا کیا معاملے ہیں؟ اسی معنی کو دیکھ کر کہا ہے کہ اگر یہ خاکی نہ ہوتا تو یہ باتیں بھی نہ ہوتیں اور نہ یہ سوز و گداز و درد و تپش ہوتی بہشت اتنی نعمتوں اور کرامتوں کے ساتھ اس خاکی پر نچھاور اور غلمان و حوروں کو لیے ہوئے رضوان اُس کے جشن وصال کے شادیانے گاتا ہے۔ اور یہ جو تم نے سنا کہ ازل میں یہ خاکی اُس وقت بھی موجود تھا۔ یہاں تک کہ خاک پیدا کی اور اپنی نوازش و کرم سے اس خاکی کا کل سامان مہیا کیا۔ ابھی پینے والا نہ تھا کہ شراب بنائی۔ سر نہ تھا مگر اُس کے لیے تاج آراستہ کیا۔ چلنے والا پاؤں نہ تھا مگر راستہ صاف اور ستھرا کر دیا۔ دل نہ تھا مگر نگاہیں اُس پر اُٹھا دیں۔ گناہوں کا وجود نہ تھا مگر رحمت و مغفرت کے خزانے بھر دیے اور طاعت و بندگی کا کہیں نام و نشان نہ تھا مگر گلزارِ فردوس کو دلکش بہاروں سے آراستہ کر دیا۔ اَلْعِنَايَةُ قَبْلَ الْمَاءِ وَالطِّيْنِ (کرم و نوازش کا یہ سارا اہتمام خمیر گوندھنے سے پیشتر ہی کر دیا گیا)۔ والسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بہتروال مکتوب ۷۲

بری عادتوں کو نیک اور بہتر بنانے کے بیان میں

بھائی شمس الدین۔ تم خدا کی بندگی بجا لانے میں ہمیشہ قائم رہو۔ خط لکھنے والے کی طرف سے تمھیں معلوم ہو کہ اخلاق کو پاکیزہ کرنے اور بُری عادتوں کو نیک اور پسندیدہ بنانے کے لیے تم سے جہاں تک ہو سکے کوشش بلیغ کرتے رہو اور اس کو بہت بڑا کام سمجھو۔ کیونکہ اس کے ترک و غفلت کے سبب سخت بلاؤں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس سے خدا کی پناہ۔ اور یہ وہ ہے کہ دنیا میں جتنے درندے وحشی جانور اور حیوانات ہیں ان کی ہر صفت انسان میں موجود ہے جو صفت غالب ہو گی قیامت میں اسی صفت کی بنا پر اس کا معاملہ ہو گا۔ یعنی اُس کی شکل و صورت اسی طرح کی

بنادی جائے گی۔ اگر کسی شخص میں غصہ و غضب کی صفت غالب ہے تو قیامت کے دن اس کا حشر کتوں کی صورت میں ہوگا۔ اگر کسی میں بُری شہوت اور ہوسِ بد کا غلبہ ہے تو اس کا حشر سور کی شکل میں کیا جائے گا۔ اگر کسی کے سر میں تکبر و نخوت کا عنصر غالب ہے تو قیامت کے دن اس کا حشر چیتے کی صورت میں ہوگا۔ چاپلوسی اور مکر کی صفت والا لومڑی کی صورت میں محشور ہوگا۔ ہر صفت کو اسی پر قیاس کرلو۔

حدیث شریف میں ہے کہ کل قیامت کے دن حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام آذر کو دیکھیں گے کہ اُسے دوزخ کی طرف لیے جارہے ہیں۔ آپ کہیں گے اے خداوندِ پاک اس سے بڑھ کر بھی کوئی فضیحت ہوسکتی ہے کہ میں عرصاتِ محشر میں کھڑا ہوں اور میرے باپ کو دوزخ میں لے جارہے ہیں۔ میں نے تو دنیا میں دعا کی تھی وَلَا تُخْزِنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ (قیامت کے دن تو مجھے غمگین نہ کرنا) اسی وقت آذر کی انسانی صورت مسخ ہوکر کفتار[1] کی شکل بن جائے گی۔ کیونکہ دنیا میں کفتار کی صفت اس میں غالب تھی۔ پھر حضرت خلیل اللہ سے پوچھا جائے گا، بھلا تم کو کفتار سے کیا واسطہ اور کون سی قرابت داری یا کام ہوسکتا ہے؟ اے بھائی! یوں جنھیں آج تم انسانی شکل وصورت میں دیکھ رہے ہو کل قیامت کے دن انھیں کو درندے اور وحشی جانوروں کی صورت میں کھڑا دیکھو گے۔ اور سگِ اصحاب کہف کو صفت وسیرت کے لحاظ سے اس کی کلبی ہیئت بدل کر آدمیوں کی صف میں کھڑا کردیں گے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ کوہِ اُحد کو حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا اُحُدٌ جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهُ (اُحد وہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اُسے چاہتے ہیں) عرصۂ حشر میں اس کا سنگی چولا اتار کر انسان کی صورت میں صدیقوں کی صف کے درمیان کھڑا کریں گے۔ چونکہ اس میں صدیقوں کی صفت کا غلبہ تھا اس لیے انھیں کی صورت دی گئی۔ یہاں پر اگر کوئی اعتراض کرے کہ کوہ اُحد تو جماد (پتھر) ہے اور پتھر میں محبت وعداوت کی صفت درست نہیں کیونکہ محبت وعداوت کی تمیز کرنے کے لیے ذی روح ہونا لازم ہے۔ اس کا یہ جواب ہے کہ اُحُدٌ جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهُ یہ قول ایک صاحبِ دل یعنی حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ اور اہلِ دل پتھر اور غیر ذی روح کی باتیں اس طرح سنتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ دوسروں کو اس کی مطلق خبر نہیں ہوتی (جس کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے اُس کو چراغ کی روشنی سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا) کہا جاتا ہے کہ کشف والے ہر چیز کی تسبیح

[1] کفتار لومڑی اور کتے کے درمیان ایک جانور ہے جو کتے کا شکار کرتا ہے اسے ہونڈار کہتے ہیں یا بجو اور دائن بھی۔

سنا کرتے ہیں اگرچہ پتھر ہی کی زبان سے کیوں نہ ہو اور یُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (آسمان وزمین میں جتنی چیزیں ہیں سب خدا کی تسبیح کرتی ہیں)۔ وہ لوگ اس تسبیح کی سماعت کرتے ہیں۔ اسی کو کہا ہے۔

پیشِ تو این سنگ ریزہ ساکت است　　پیشِ ما حقا فصیح و ناطق است

(تیرے نزدیک یہ سنگ ریزے خاموش ہیں۔ مگر خدا کی قسم ہم ان کی گفتگو سنا کرتے ہیں)۔ عصمت الانبیاء میں، حضرت سلیمان علیہ السلام کے ذکر میں بیان کیا گیا ہے کہ کل عالم اپنے سارے متعلقات کے ساتھ اپنے پیدا کرنے والے پر فریفتہ اور اسی کا طالب و عاشق ہے۔ اسی معنی کے لحاظ سے کہا گیا ہے۔ مثنوی۔

صد ہزاراں راز در مورے نہند　　در دلش از عشق خود شورے نہند

ذرہ ذرہ عاشق اند اندر ہوا　　پُر شدہ از پرتوِ عشقِ خدا

جملہ ذرات پیدا و نہان　　نقطۂ عشق ہست در ہر دو جہان

(ایک حقیر چیونٹی میں ہزاروں راز کی باتیں بھری پڑی ہیں۔ اُس کے دل میں اپنے عشق و محبت کا سوز و گداز رکھ دیا ہے۔ فضا کے ذرے اسی کی محبت کا دم بھرتے ہیں۔ اور عشقِ خداوندی کے پرتو سے پُر ہیں۔ ظاہر اور باطن میں جتنے بھی ذرے ہیں وہ دونوں جہان میں عشق کے مرکز ہیں)۔

اتنا بڑا مشکل کام سامنے ہے اور اُس کی ہولناکی کو دیکھتے ہوئے بھی اربابِ بصیرت کے سوا کوئی متوجہ نہیں ہوتا۔ غافل نہ رہنا چاہیے۔ آہستہ آہستہ اس کی عادت ڈالو کہ ان صفتوں میں سے کچھ تو کم ہو جائے۔ اگر خدا نے یہ توفیق دی کہ اس کی برائیاں کلیتہً دفع ہو جائیں تو یہ بڑا ہی عظیم الشان کارنامہ ہے۔ اگر کوئی معلوم کرنا چاہتا ہو کہ قیامت کے دن کس صفت و صورت پر اس کا حشر ہوگا تو اُسے اپنی ذات کے اندر خود ہی غور و خوض کرنا چاہیے کہ اس میں کس صفت کا غلبہ پایا جاتا ہے۔ کل وہی پیش آنے والا ہے۔ اور اتنا جاننا کوئی مشکل امر نہیں ہے جس طرح اگر کوئی معلوم کرنا چاہے کہ اس سے خداوند تعالےٰ خوش ہے یا نہیں؟ تو وہ اپنے اعمال پر نظر کرے۔ اگر طاعت ہی طاعت نظر آئے تو سمجھے کہ خوش ہے۔ کیونکہ طاعت خوشنودی کی علامت ہے۔ اور اگر معصیت ہی معصیت نظر آئے تو جانے کہ اللہ تعالےٰ اس سے خوش نہیں ہے۔ کیونکہ ناخوشی کی علامت معصیت ہے۔ اور اگر طاعت و معصیت دونوں پائی جائیں تو جس کا غلبہ ہوگا اسی کا حکم کیا جائے گا۔ اب ٹال مٹول کا موقع نہیں ہے۔ آج کے علاوہ ہمیں دوسرا دن نصیب نہ ہوگا۔ جب یہاں کچھ نہ ہو سکا، تو

اُس عالم میں کون سا کام ہو سکے گا۔ ؎

بہ غفلت می گذاری روزگارے | مگر در گور خواہی کرد کارے

(سارا وقت غفلت میں گذار رہا ہے تو کیا یہ سمجھ رکھا ہے کہ قبر میں جاکر کوئی کام کرے گا)۔
اگر کسی میں یہ صفاتِ خبیثہ رہ گئے اور صفاتِ محمودہ میں تبدیل نہ ہو سکے تو اگر کل بہشت میں بھی داخل ہوگا اور بہشت کی تمام نعمتیں اُس کے سامنے لائی جائیں گی تو بھی وہ صفات نہ بدلیں گی کیونکہ جو صفت وہاں ہوگی وہ تبدیل ہونے والی نہ ہوگی۔ اور یہ ایک ایسا شخص ہوگا جس کو اپنے اوپر کوئی اختیار نہ ہوگا۔ اور اپنی دولت نہ پا سکے گا۔ اس لیے لازم ہے کہ اسی عالم میں اُن سے پھر جائے۔ اگر یہاں نہ پھر سکا تو اس جہان میں بھی نہ پھر سکے گا۔ چونکہ صفاتِ مذمومہ اب تک باقی ہیں اس لیے وہ ہمیشہ عاجز ہی رہے گا۔ بہشت کی نعمتیں اُس پر مباح ہوں گی لیکن یہ نہ ہوگا کہ وہاں کے کام انجام دے سکے جو کل ہمارے اور تمھارے ساتھ معاملہ ہونے والا ہے۔ حور و قصور، مرغ کے کباب اور آبِ زلال کی نہریں تو ہوں گی مگر وہ کہاں جو دلوں کا مطلوب، جانوں کا مقصود، صدیقوں کا قبلہ اور اُس راہ کے چلنے والوں کا کعبہ ہے۔ پس جس نے یہ دولت کھو دی اُس نے کیا پایا؟ اور جس نے یہ دولت پائی اُس نے کچھ نہیں کھویا۔ دیکھو ایامِ بیض اور دوسرے موسموں کے روزے فوت نہ ہونے پائیں۔ اور سفر و حضر میں سستی اور نیند کے غلبہ کے وقت کثرت سے نہانا اور وضو کرنا اس کا علاج ہے۔ اے بھائی فرشتوں کو حکم ہوا خاک کی طرف جھکو اور آدمیوں سے کہا گیا پتھر کی طرف دیکھو۔ جانتے ہو یہ کیا راز ہے؟ یہ اعمال کا مرتبہ اور قیمت دکھانا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا اُنْظُرْ اِلَی الْجَبَلِ (پہاڑ کی طرف دیکھو) کیونکہ اَلطُّوْرُ حَجَرٌ وَّاَنْتَ مَدَرٌ (طور پتھر ہے اور تو مٹی کا ڈھیلا ہے)۔ پتھر مٹی کے ڈھیلے کے لائق ہے اور مٹی کا ڈھیلا پتھر کے لائق۔ وہ جو کل قیامت میں دیدار کی نعمت عطا فرمائے گا محض عطا و بخشش کی وجہ سے ہوگا صلاحیت و قابلیت کی وجہ سے نہیں ورنہ سچ تو یہ ہے کہ کوئی آنکھ اس کے دیدار کے لائق نہیں ہے۔ کوئی کان اُس کا کلام سننے کے قابل نہیں ہے۔ کوئی عقل اس کی معرفت کی اہل نہیں اور نہ کوئی قدم اس کی راہ میں چلنے کی طاقت رکھتا ہے۔

رباعی

چشمم کہ ہمی بخواہد آن دیدارت | گوشم کہ ہمی بخواہد آن گفتارت
بین ہمت ہر دو را کہ گردند بلند | ہر چند کہ نیستند شان سزاوارت

(میری آنکھیں تجھے دیکھنا چاہتی ہیں۔ کانوں کو تیری باتیں سننے کی ہوس ہے۔ ان دونوں کے حوصلے کی بلند پروازی تو دیکھو۔ اگرچہ یہ اس قابل ہی نہیں ہیں)۔ جو شخص اس کا طلبگار ہے وہ جب تک اپنے کو بے قدری کی ترازو میں نہیں تول لیتا اور نالائقی کی نگاہوں سے خود کو نہیں دیکھ چکتا اُس کی طلب ہی صحیح اور درست نہیں ہوتی۔ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے میری ذلت و خواری کے مقابلے میں یہودیوں کی ذلت کا کوئی وجود نہیں۔ ابو سلیمان دارانی نے فرمایا، جس نے اپنے نفس پر نظر کی یا اپنے قول، عمل اور حال کی کوئی قیمت سمجھی وہ اس بات کی لذت کبھی نہیں چکھ سکتا۔ ایک بزرگ نے فرمایا کہ میں کعبہ کا طواف کر رہا تھا کسی نے پیچھے سے آکر مجھے کھینچ لیا۔ جب میں نے پھر کر دیکھا تو وہ حضرت خواجہ فضیل عیاض رحمۃ اللہ علیہ تھے انھوں نے مجھ سے کہا کہ اگر تم یہ خیال کرتے ہو کہ اس موسم اور اس مقام میں من و تو بھی کوئی چیز ہے تو ہلاکت کا سخت خطرہ ہے۔ والسلام۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تہتّرواں مکتوب ۷۳

مرتبہ اور منصب کی لالچ اور نماز عاشورہ کے بیان میں

میرے عزیز بھائی شمس الدین۔ معلوم ہو کہ تعلق کے ساتھ کوئی کام کرنا اور صدیقوں کے مدارج کی امید رکھنا اصحاب دین کی شان نہیں۔ تم جو کچھ بھی کرو اس میں ذرہ برابر بھی لالچ کا دخل نہ ہونا چاہیے۔ نیت خالص کے معنی یہی ہیں کہ عبودیت کا اظہار کیا جائے جس میں حرص و طمع کی شمولیت نہ ہو۔ کیونکہ طمع دوسری چیز ہے اور اظہار عبودیت ایک دوسری چیز۔ غور کرنے سے اس کی باریکی تمھاری ..... سمجھ میں آئے گی۔ مگر ہائے ہم اور تم تو یہ غرض رکھتے ہیں کہ خدا کے دربار میں کون سی رشوت پیش کریں، چلو بندگی ہی سہی۔ (واہ واہ! عشق نہ ہوا تجارت ہوئی کہ محبوب کو خوش کرتے اور کام نکالنے کے لیے رشوت دے دی) ع زہے عشق او بر شوت دوست خواہی داشت جانان را۔ (وہ عشق بھی کیا خوب عشق ہے کہ محبوب کو رشوت دے کر اپنا دوست بنا لیا جائے)۔ اے بھائی! اس راہ میں لالچ کا خیال دل سے نکال دو۔ کسی شخص کے لیے خدا پر کوئی چیز واجب نہیں۔

آج جو مخلوق کو اس نے اتنی نعمتیں دے کر مالا مال کر دیا ہے، بالکل مفت دیا ہے۔ اور کل قیامت کے دن جو کچھ عنایت فرمائے گا وہ بھی مفت بغیر کسی معاوضے کے ہوگا۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ یہ جو کل تمھارے سامنے خطبہ پڑھا جائے گا جَزَآءً بِمَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ (یہ اُن کے اعمال کا عوض ہے جو وہ دنیا میں کرتے تھے) یہ محض اس لیے کہا جائے گا کہ اس کی عطا سے تمھارا دل چھوٹا نہ ہو جائے کیونکہ آدمی جو کچھ اپنی محنت مزدوری کی کمائی کھاتا ہے اس کو اس میں زیادہ مزا ملتا ہے باعتبار اس کے کہ کسی کا مفت دیا ہوا کھائے۔ مگر اس بادشاہِ بے نیاز بزرگ و برتر نے تمھیں جو کچھ عنایت فرمایا ہے بغیر کسی علت و سبب کے دیا ہے۔ تمھارے لیے بہتر یہی ہے کہ اپنی درماندگی اور بیچارگی کو دیکھتے ہوئے جو بھی کرو اس کو محض اظہارِ بندگی کی نیت سے کرو۔ ذرا بھی اس میں طمع کا دخل نہ ہو۔ اُس نے جس چیز کے لیے تم کو حکم دیا ہے، تم کو چاہا ہے نہ کہ اس چیز کو۔ اس لیے تم پر بھی لازم ہے کہ اس دربار میں جو کچھ لے جاؤ پاک صاف کر کے اُس کے لیے لے جاؤ، نہ کہ بہشت کی امید اور دوزخ کے خوف دھر اس سے اس کو آلودہ کر دو۔ ؎

مارا نہ غمِ دوزخ و نے حرصِ بہشت ست   بردار زرخ پردہ کہ مشتاقِ لقائیم

(ہم کو نہ دوزخ کا غم ہے اور نہ بہشت کی لالچ۔ اپنے چہرے سے نقاب اُٹھا دے کہ ہم تو بس تیرے دیدار کے مشتاق ہیں) یہاں طمع کی جڑ کاٹ ڈالنا ہی بہت بڑا کام ہے۔ یہ ہمارے تمھارے بس کی بات نہیں اور نہ ڈینگ ہانکنے والوں کا یہ کام ہے۔ ہم تم سے تو دوزخ کے خوف اور بہشت کی لالچ سے بھی بندگی ادا نہیں ہوتی کیونکہ پیدائشی بدنصیب ہیں۔ اپنی بیتی کسی نے یوں کہی ہے ؎

بدبخت اگر بر لبِ دریا باشد   لب خشک چو ساحل بر دریا باشد

(اگر کوئی محروم القسمت دریا کے کنارے بھی چلا جائے تو ساحلِ دریا کی طرح پیاسا ہی رہے گا) یہ حضراتِ انبیاء اور اولیا کا شیوہ ہے ہمارا تمھارا نصیب سوائے ایمان کے اور کچھ نہیں۔ خدا کرے کسی دن اُن کے گھوڑوں کی سُم کا غبار ہمارے سروں پر اُڑ کر آ پڑے کہ ہم بدبختوں کے لیے ابدی خوش نصیبی کا ذریعہ بن جائے۔ اور اگر کوئی شخص بساطِ شریعتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور دینِ الٰہی پر قدم رکھے اور خدائے بزرگ و برتر سے طمع و ناز بھی کرے تو وہ مغرور ہے لیکن شریعت کی راہ میں عین اخلاص کے ساتھ مستقیم ہونے اور رنج و خوشی میں اللہ تعالیٰ کے

کل احکام بجالانے اور حقِ اوامر و نواہی بجالانے اور ترکِ منہیات کو دینداری کی ترازو میں تولنے کے بعد اجازت ہے کہ پدرِ ملت حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے اس قول کی پیروی کرے وَالَّذِیْٓ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓئَتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ (میں خدا سے طمع رکھتا ہوں کہ قیامت کے دن میری خطائیں معاف فرمادے)۔ اور ابتدائے خلت میں آپ کا فرمانا یہ تھا وَاجْنُبْنِیْ وَبَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ (مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچا)۔ اور آخر خلت کے عہد میں آپ کا قول وہ تھا وَالَّذِیْٓ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓئَتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ لیکن جو شخص عنفوانِ شباب کی رنگ رلیوں اور فسق و فجور و لہو لعب میں مبتلا رہا، دین وملتِ اسلام کا کوئی حق ادا نہ کیا وہ یہ چاہے کہ میں پدرِ ملتِ اسلام حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کی پیروی کروں کوئی ٹھیک بات نہیں۔ اگر کسی کو خواہش ہو کہ اُس کے اعمال برج عبادت کی بلندی پر پہنچائے جائیں۔ اور اُس کی کوئی قیمت لگائی جائے تو اُس سے صاف کہہ دو کہ نیت کے ہاتھ میں دل کی لگام سونپ دے۔ علمائے اسلام نے یہیں سے کہا ہے اَلنِّیَّۃُ عَمَلُ الْقَلْبِ (نیت ہی دل کا عمل ہے) جب تک اعمال کو نیت کی سند نہیں ملتی انسان اُس وقت تک عادت کے عالم سے عبادت کے خزانے تک نہیں پہنچ سکتا۔ اور طاعت مقبول نہیں ہوتی۔ جو عمل کہ نیت کے نور سے روشن نہیں اُسے عادت کے مکان میں بند کر دیتے ہیں اور وہ مردوں کے اعمال کی صف میں داخل نہیں کیا جاسکتا۔ نیت عبادات میں اہلِ سعادت کے ایمان کا ایک رکن ہے اور بندے کے پاس خدا کی امانت سمجھی جاتی ہے اور اس میں یہ راز ہے کہ نیت کے ذریعہ دین کے سوا جو کچھ بھی ہے دل سے پاک وصاف کر دے تاکہ بغیر زحمتِ عادت اور اغیار کی وحشت و آفت کے عبودیت کی کمر کس کر توحید کا عہد جو ازل میں باندھ چکا ہے پورا کر سکے۔ ؎

اگر عہدِ ازل را آشنائی ازان حضرت چرا گیری جدائی
بہ معنی باز جان را آشنا کن سزائے قربِ دستِ پادشا کن

(ازل میں جس بات کا عہد کر چکا ہے، اگر وہ تجھ کو یاد ہے تو اُس کے دربار سے کیوں جدائی اختیار کرتا ہے۔ اپنے جان و دل کو پھر معنی کے ساتھ آشنا کر تاکہ بادشاہ کے دائیں بازو میں قریب بیٹھنے کے لائق ہو جائے)۔ بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ بظاہر زبان پر تسبیح و

تہلیل کے الفاظ جاری کر کے سمجھتے ہیں کہ ہم ذاکروں کی صف میں داخل ہو گئے اور عبادت کی راہ میں استقامت حاصل کر لی۔ یہ اہلِ عبادت کے لیے بڑا مغالطہ ہے۔ کیونکہ زبان تو فرع اور شاخ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کے نہ ہونے سے دین کی عزت و وقار میں کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ زبان کا ذکر و وظیفہ جو عادت والوں کی ایک رسم بن گئی ہے اُن کی تسبیح و تہلیل ریا اور دکھاوے سے زیادہ نہیں۔ اس پر یہ طمع کہ اصحاب اخلاص کی فضیلت کی برابری کریں۔

اے بھائی! جو چیز خلوصِ نیت سے نہ کی جائے گی اُس سے قیامت تک خسارہ ہی خسارہ ہوگا۔ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ (اور کوئی حکم ان کو نہیں دیا گیا سوائے اس کے کہ اللہ کی بندگی خلوص دل سے کریں)۔ کردار میں خلوص نہیں ہم رسم و عادت کے سوا کچھ نہیں جانتے اور اپنی کور باطنی سے سمجھ رہے ہیں کہ ہماری یہی پونجی عبادت کا خزانہ ہے یہ بدبختی کی نشانی اور بدقسمتی کی بیڑی ہے۔ ؎

اگر صد قرن می گردی چو گوے	نمی دانم کہ خواہی یافت بوئے
بہ پنداری کہ بردی روز گارت	تو دین راکیستی بادین چہ کارت
چہ دانی بیش ازین دولت گدا را	کہ جانے بر فشاند بادشا را

(اگر تو ہزاروں برس تک گیند کی طرح لڑھکتا پھرے تو میرے خیال میں اس کی مہک تک تیرے دماغ میں نہ پہنچے گی۔ تو سمجھتا ہے کہ میں اپنا کام کر کے سبک دوش ہو گیا۔ ارے تو ہے کون اور تجھے دین سے سروکار ہی کیا۔ فقیر کے لیے اس سے بڑھ کر اور کیا دولت ہو سکتی ہے کہ بادشاہ پر اپنی جان نچھاور کر دے)۔ دل کا سِر چاہیے جو تجھ سے عبادت کرا سکے۔ البتہ اس وقت عبادت کرنے والا سمجھا جا سکے گا۔ لیکن غفلت اور رسم و عادت کی طرح جو کچھ کرے گا وہ ادھورا سدھورا کسی کام کا نہ ہوگا۔ جو ذکر بغیر سوزِ دل کے زبان پر لایا جائے شریعت کے دربار میں اُس کو آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھا جاتا۔ بھلا ایسا ذکر بھی ذکر کہلانے کے لائق ہے۔ اگر کوئی شخص کلمۂ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ جو آستانۂ توحید کا داروغہ ہے، ایسے ادا کرے جیسے بازاری زبان میں خرید و فروخت کرتے ہیں یا اہلِ غفلت سے گفتگو کرتے ہیں تو اس سے مقصدِ توحید حاصل نہیں ہوتا اسی طرح جو شخص محض باتوں سے بغیر باطنی توجہ کے خدا کی بندگی کا دعوے کرے تو اُس کو قیامت کے دن دشمنانِ دین کی

صف میں ڈال دیا جائے گا۔ اور دوزخ کے طبقہ اسفل میں اس کی جگہ ہوگی۔ یہی راز ہے جو کہا ہے ؎

شرفؔ زنار و تسبیحت یکے شد — تو خواہی خواجہ شو خواہی غلامے

(اے شرفؔ تیری زنار و تسبیح ایک ہوگئی۔ اب تجھے اختیار ہے چاہے مالک بن یا غلام)۔ اے عبادت کا جھوٹا دعوی کرنے والے! تیرے اوپر افسوس ہے کہ اپنے بیکار سر پر علم کی دستار باندھ رکھی ہے اور مارے فخر کے جہان میں نہیں سماتا۔ ذرا ٹھنڈے دل سے غور کر کہ تو دوستوں کی صف میں جگہ پانے کا حق دار ہے یا دشمنوں کے زمرے میں داخل کیے جانے کے لائق ہے اے عادت و رسم کے تابع تو نے غرور کا تاج سر پر رکھ چھوڑا ہے اور اس رسمیہ عبادت پر نازاں ہے اور اپنی پاک باطنی کے دامن کو لوگوں سے بچائے رکھتا ہے تاکہ اُن کی صحبت سے آلودہ نہ ہو جائے۔ ذرا ہوش سنبھال، عقل کے ناخن لے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ نکبت و ادبار کا یہ لباس اپنے ساتھ قبر میں نہ لے جائے۔ ارے کسی کی جوتیاں اُٹھایا کر تاکہ اس خدمت کی برکت سے زنارِ رسم اور عادتِ کفر تیری گردن سے ٹوٹ جائے۔ رباعی :-

تا زاغ صفت بہ جیفہ در بالائی — کے چون شاہین تو در خورِ شاہی

چون صعوہ اگر غذاے بازے گردی — بازے گردی کہ دستِ شہ را شائی

(تو جب تک کوے کی طرح گندگی میں آلودہ ہے، شاہین کی طرح بادشاہ کی توجہ کے لائق نہیں ہو سکتا۔ اور اگر ایک چڑیا کی طرح کسی باز کی غذا ہو جائے تو ایک ایسا باز ہو جائے گا جسے بادشاہ اپنے ہاتھوں پر بٹھاتا ہے)۔ لیکن اگر کسی کا نقطۂ دل اس کلمہ کی عزت کے ساتھ آشنا ہو گیا تو آٹھوں بہشت اُس کے پاؤں کی خاک بن جانے کی مشتاق اور آرزومند ہوں گی اور اس سے زیادہ بیتاب ہوں گی جتنا ایک پیاسا پانی کے لیے بیتاب ہوتا ہے۔ تجھے حقِ مسلمانی کا واسطہ۔ اگر تو نے ایک مرتبہ بھی یہ کلمہ بہ دل سے کہا ہے تو دیکھ کہیں ایسا نہ ہو کہ تو اُسے آٹھوں بہشت کے عوض میں بیچ ڈالے کیونکہ اس کی قیمت اس سے زیادہ ہے۔ اگر تو بیچ دے گا تو بڑا نقصان اُٹھائے گا۔ دیکھ کہیں گھر کے مالک ہی کو گھر کے عوض فروخت نہ کر ڈالے۔ ؎

چو جانان آمد از جان کم نیاید — ہمہ این جوئے تو کان کم نیاید

یکے را خواہ تا در رہ نہ مانی　　فلک رُو باش تا در چہ نہ مانی

چو تو ہستی مرا دیگر ہمہ ہست　　ہمہ دستم دہد چوں تو دہی دست

(جب محبوب آتا ہے تو کم سے کم جان سی شے اُس پر قربان کرنا ضروری ہوتا ہے۔ بس اسی کو تلاش کر اور اس سے کم کوئی دوسری چیز تلاش کرنے کے لائق نہیں ہوتی۔ بس تو اسی ایک کا ہو رہ تاکہ راستے میں پڑا نہ رہ جائے۔ آسمان کی طرف اُڑتا چلا جا تاکہ کسی کنویں میں نہ گر پڑے۔ جب تو میرا ہو گیا تو ساری چیزیں میری ہو گئیں۔ جب تو نے سہارا دیا تو سب میری آؤ بھگت کرنے لگے) اگر اس کلمے کو اس کے سوا کسی دوسرے کے لیے کہا تو اخلاص کے ساتھ تو نے نہیں کہا۔ اب چاہے تو بہشت میں رہے یا دوزخ میں۔ اگر بہشت کے لیے کہا ہے تو خود پرست ہے۔ خدا پرستی تو اس کی صحیح ہوتی ہے کہ جو خود کو خدا کے حکم پر رکھے نہ یہ کہ خدا کو اپنے لیے رِجَالٌ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللهِ (مرد وہ ہیں جنھیں اُن کی خرید و فروخت اللہ کی یاد سے باز نہیں رکھتی)۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میری درگاہ خرید و فروخت کی جگہ نہیں ہے۔ جب تم بازار جاتے ہو تو اس ارادے سے جاتے ہو کہ جو چیز تمھارے پاس نہیں ہے وہ خرید کر لاؤ گے۔ لیکن جب میرے دربار میں آؤ تو اس ارادے سے آؤ کہ جو کچھ بھی تمھارے پاس ہے لٹا دو اور مفلس و قلاش ہو کر واپس لوٹ جاؤ۔ کسی صاحب نظر نے کہا ہے۔ قطعہ

نیست جز نیستی رہِ عاشق　　تا کہ ہستی بیابد از درگاہ

در شہادت ببیں کہ زین معنی　　لا نخست آمد آنگہ اِلّا اللہ

(عاشقوں کے لیے نیستی کے سوا اور کوئی راستہ نہیں تاکہ وہ محبوب کی درگاہ سے ہستی جاوید پائے۔ اسی لیے کلمہ شہادت میں پہلے لا آیا ہے اور اس کے بعد اِلّا اللہ)۔ خواجہ احمد خضرویہ رحمۃ اللہ علیہ نے خدا کو خواب میں دیکھا۔ اُس نے فرمایا یَا اَحْمَدُ كُلُّ النَّاسِ يَطْلُبُوْنَ مِنِّيْ اِلَّا اَبَا يَزِيْدَ فَاِنَّهٗ يَطْلُبُنِيْ (اے احمد، سب لوگ مجھ سے مانگتے ہیں مگر بایزید مجھ سے مجھ کو مانگتا ہے)۔ بعض لوگوں کو اس میں شک و شبہ ہوتا ہے۔ وہ کہتے ہیں اس طرح خدا کو خواب میں دیکھنا جائز نہیں ہے۔ لیکن یہاں تو صدیقوں کا حال بیان کیا جا رہا ہے، ہماری تمھاری بات نہیں ہے۔ صدیقوں کا خواب ہی دوسرا ہوتا ہے اور ہم تم جو خواب دیکھتے ہیں وہ کچھ اور ہے جو اس عالم

کون و فساد کی حد سے آگے نہیں بڑھتا۔ صدیقوں کا خواب دنیا و آخرت کی پستی میں نہیں اترتا۔ جب تک آدمی اس دنیا میں ہے اُس کے لیے یہ باتیں نہ خواب میں جائز ہیں نہ بیداری میں۔ مگر جب بشری صفتیں انسان میں نہ رہیں اور وہ ان سے بالکل خالی ہوگیا تو دنیا سے نکل کر عالمِ آخرت میں جا پہنچا۔ اب وہاں جس جس چیز سے اس کو سابقہ پڑے گا اس میں اختلاف کی مجال نہیں۔ اور یہ جائز ہے کہ خدا اپنے کسی دوست کو خواب دکھائے اور اس خواب میں اُس کو اُس سے چھین لے اور دنیا و آخرت سے باہر لے جائے اور وہ دولت جس کا ہم نے ذکر کیا ہے اُس پر کھول دے۔ تمھیں چاہیے کہ تم اس حقیقت پر ایمان لاؤ اور مردانِ خدا کے احوال میں کوئی تصرف نہ کرو۔ ایک بزرگ نے کہا ہے (رباعی):

آن کس کہ بہ وصفِ عشق مذکور بود
وانکہ بوفائے عہد مشہور بود
نزدیکِ خرد وجودِ پاکیزۂ اُو
در مرتبہ از جہانِ ما دُور بود

(جو شخص صفتِ عشق کے ساتھ ذکر کیا جائے اور اپنے عہد کی وفاداری میں بھی مشہور ہو تو عقل کے نزدیک اُس کا پاکیزہ وجود مرتبے میں ہمارے جہان سے دُور ہوتا ہے)۔

دشمنوں کے خوش کرنے کے لیے عاشورۂ محرم کے دن چار رکعتیں ادا کرے۔ پہلی رکعت میں الحمد کے بعد سورۂ اخلاص گیارہ مرتبہ، دوسری رکعت میں الحمد کے بعد قل یاایہا الکٰفرون تین مرتبہ اور سورۂ اخلاص گیارہ مرتبہ، تیسری رکعت میں الحمد کے بعد الھٰکم التکاثر تین مرتبہ اور سورۂ اخلاص گیارہ مرتبہ، چوتھی رکعت میں الحمد کے بعد آیۃ الکرسی تین بار اور سورۂ اخلاص پچیس مرتبہ۔ جس نے یہ نماز پڑھی اُس کو خداوند تعالیٰ قبر کی سختیوں سے بچائے گا اور اُس کے دشمن اُس سے خوش رہیں گے۔ اس نماز کے بہت فضائل ہیں۔ یہاں مختصر طور سے چند فائدے بیان کیے جاتے ہیں۔ یہ نماز سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔

سال میں چھ روز پڑھنے کو کہا گیا ہے۔ عاشورہ کے دن، ترویہ (آٹھویں ذی الحجہ) کے دن، عرفہ کے دن، عید اضحیٰ، پندرھویں شعبان اور رمضان کے آخری جمعہ کے دن۔ اور یہی منقول ہے کہ جو شخص ہر صبح تین مرتبہ سُبحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمدِہٖ سُبحَانَ اللّٰہِ العَظِیمِ وَبِحَمدِہٖ وَلَاحَولَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ العَلِیِّ العَظِیمِ پڑھے، خدا عقبیٰ کے جملہ مقاصد پورے کرے گا اور اس روز شیطان کا کچھ بس نہ چل سکے گا۔ والسلام!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

چوہترواں مکتوب

دنیا کی مذمت اور قضا نمازوں کے کفارہ کے بیان میں

میرے بھائی شمس الدین معلوم ہو کہ پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے مردود و ملعون ہے بجز اس کے کہ جو کچھ خدا کے لیے ہو۔ تو دنیا میں جتنی چیزیں ہیں، وہ تین حصے میں تقسیم کی جا سکتی ہیں، ایک وہ جو ظاہراً اور باطناً بالکل دنیا ہی کے لیے ہوں وہ کبھی خدا کے لیے نہیں ہو سکتیں وہ محض معصیت ہی معصیت ہیں۔ کیونکہ اس میں نیت وارادہ یہی تھا کہ وہ خدا کے لیے نہیں کی جاتی جیس طرح دنیاوی عیش و عشرت وغیرہ جو لذتِ نفس کے لیے ہیں۔ یہ غفلت کے بیج، اور گناہوں کا سرمایہ ہیں۔ دوسری وہ جو ظاہراً و باطناً تو خدا کے لیے ہوں مگر ان کی نیت اور قصد حصولِ دنیا کے لیے ہو۔ اور وہ تین طرح کی ہیں فکر اور ذکر اور شہواتِ نفسانی کی مخالفت۔ کہ یہ تینوں بہبودیِ آخرت کا سبب اور خوشنودیِ حق تعالےٰ کے لیے ہے۔ اگرچہ دنیا ہی میں ہیں۔ لیکن اگر فکر سے علم کا حاصل کرنا اس غرض سے ہو کہ اس سے قبولیتِ خلایق اور عزت و مرتبہ حاصل ہو اور ذکر کا یہ مقصد ہو کہ لوگ پارسا سمجھ کر احترام کریں اور مخالفتِ شہوات کی یہ غرض ہو کہ لوگ پارسا اور زاہد و عابد جانیں، یہ بہت ہی بُرا اور مردود ہے اگرچہ صورتاً معلوم ہوتا ہے کہ یہ خدا کے لیے ہے۔ تیسری وہ جو صورتاً تو دنیا کے لیے ہوں لیکن نیت اور قصد دنیا کا نہ ہو بلکہ خدا کے لیے ہو۔ جیسے کھانا کھانا عبادت کی غرض سے اور نکاح کرنا اس نیت سے کہ اولاد ہو اور کلمہ گویوں کی تعداد بڑھے اور خدا سے تھوڑا مال طلب کرنا اس نیت سے کہ اطمینان اور فراغتِ دل سے بغیر کسی تردد کے خلق سے بے نیاز ہو کر طاعت و عبادت بجالائے۔ شریعت کا فتویٰ یہ ہے کہ جو شخص شان و شوکت اور تفاخر اور سربلندی کے لیے دولت طلب کرے گا وہ بروزِ قیامت اللہ تعالیٰ کو اپنے ساتھ غصہ اور جلال میں دیکھے گا۔ اور اگر اس نیت سے مال چاہتا ہے کہ خلق سے بے نیاز ہو کر طاعت میں مشغول ہو تو قیامت کے دن چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکے گا۔ کہنے کا یہ مطلب ہے دنیا وہ ہے جس سے نفس کو فوراً ہی لذت اور خوشی حاصل ہو اور آخرت کو اس کی کوئی ضرورت نہ ہو۔ اور جو

آخرت کی حاجت کے لیے کیا جائے دنیا سے اُس کا کوئی لگاؤ نہیں۔ کیونکہ اس کی غرض ہی آخرت ہے۔ جیسے حجاج کی راہ میں اونٹ اور گھوڑوں کے لیے چارا فراہم کرنا منجملہ برکات حج ہے۔ اب تم سمجھ لو کہ دنیا کے لیے تین درجے ہیں۔ بقدر ضرورت کھانے کپڑے اور سکونت کے واسطے ایک گھر کی حاجت ہے۔ اس کے علاوہ ضرورت سے زیادہ، زینت و آرایش شان و شکوہ میں داخل ہے اور اس کی کوئی انتہا نہیں جس نے اپنی مختصر سی حاجت پر بسر کی وہ پرسشِ عقبیٰ سے آزاد ہو گیا اور جو شان و شوکت کے لیے سرگردان رہا، اُس نے دوزخ میں اپنا گھر بنا لیا۔ اس کے لیے کوئی حد مقرر نہیں ہے ۔

ترا با مالِ دنیا دین نیاید چنان کت آن نیاید این نیاید

(دنیاوی دولت کے ساتھ دین کا سرمایہ تجھے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس کی حرص و ہوس بے سود ہے۔ نہ یہ تجھ کو حاصل ہو گا نہ وہ)۔ اور جس کسی نے ضرورت کے مطابق اختصار کیا وہ بھی خطرے سے خالی نہیں کیونکہ تنعم اور عیش و عشرت میں یہ بھی داخل ہے۔ اسی لیے بزرگانِ دین نے مقدارِ ضرورت میں بھی بڑی حد تک اختصار سے کام لیا ہے اس منزل کے میر کارواں اور امام حضرت خواجہ اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ آپ نے دنیاوی ضرورتیں اتنی کم کر دی تھیں کہ انھیں لوگ دیوانہ کہتے تھے۔ اور ایسا بھی ہوتا تھا کہ برس برس دو دو برس اُن پر لوگوں کی نظر بھی نہ پڑتی تھی۔ کیونکہ نمازِ فجر کی اذان کے وقت گھر سے باہر نکل جاتے اور عشا کے بعد واپس آتے تھے۔ آپ کا کھانا یہی چھوہارے کی گٹھلیاں تھیں جنھیں راہ میں چن چن کر رکھ لیا کرتے تھے۔ اور ان کا لباس کوڑے کرکٹ سے اُٹھائے ہوئے چیتھڑے تھے جنھیں دھو کر پاک کر لیا کرتے تھے۔ آپ جدھر سے گذرتے لڑکے دیوانہ سمجھ کر پتھر مارا کرتے تھے (رباعی)۔

آنہا کہ بر آسمانِ ہفتم ماہ اند بر تختۂ شطرنجِ ملامت شاہ اند

وانہا کہ ز سِرِّ این سخن آگاہ اند دیوانۂ خلق اند و خود در راہ اند

(وہ لوگ جو ساتویں آسمان پر چاند کی طرح چمک رہے ہیں وہی ملامت کی شطرنج کی بساط کے بادشاہ بنے ہوئے ہیں۔ جو لوگ اللہ تعالےٰ کے اسرار سے باخبر ہوتے ہیں ان کا یہ حال ہے کہ راستے میں مارے مارے پھرتے ہیں اور لوگ دیوانہ سمجھ کر پتھر مارتے ہیں۔ جو لوگ دنیا کے

جھمیلے اور بکھیڑے جانتے پہچانتے ہیں ان کا یہی طور طریقہ رہا ہے۔ انبیاء اور اولیاء کی یہی روش ہے۔ اگر ان کی برابری نہیں کر سکتے تو کم سے کم اتنا تو ہو کہ ضرورت کی مقدار بہت مختصر کر دو کہ عیش وتنعم کی حد تک نہ پہنچے تاکہ خطرۂ عظیم میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔ گریہ وزاری کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے رہو مناجات

خدایا رحمتت دریائے عام است	وزانجا قطرۂ مارا تمام است
اگر آلایش خلق گنہگار	بدان دریا فروشوئی بیک بار
نہ گردد تیرہ آن دریا زمانے	ولے روشن شود کار جہانے

(اے خدا تیری رحمت ایک ناپیدا کنار سمندر ہے۔ اس کا تو ایک قطرہ بھی ہمارے لیے کافی ہے۔ اگر سارے جہان کے گنہگاروں کی گندگی ایک ہی بار اس میں دھو دی جائے تو یہ سمندر ذرہ برابر بھی اس سے متغیر نہ ہوگا بلکہ ساری دنیا کا مقصد حاصل ہو جائے گا)۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ جب وہ کسی کو صدیق کے مرتبے پر پہنچانا چاہتا ہے تو آخرت کو اُس کے باطن کا دیوان مقرر کر دیتا ہے اور اندیشۂ آخرت اور امید کی کوتاہی اُس کے دل پر مسلط ہو جاتی ہے یہاں تک کہ ہر وقت اُس کا دل دنیا سے بیزار اور آخرت کی فکر میں ہوشیار رہتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بانس کے چھلکوں کی ایک جھونپڑی بنائی تھی اس لیے کہ جب بارش ہوتی تھی تو کوئی ایسی جگہ نہ تھی جہاں پناہ مل سکے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا، یارسول اللہ! اگر اجازت ہو تو حضور کے لیے مٹی کی ایک کوٹھری بنا دی جائے؟۔ آپ نے فرمایا دَعْنِیْ یَا ابْنَ اَبِیْ قُحَافَۃَ عَرِیْشٌ کَعَرِیْشِ عِیْسٰی اَلْاَمْرُ اَهْوَنُ مِمَّا تَظُنُّوْنَ (اے ابوبکرؓ مجھے ان باتوں سے رنجیدہ نہ کرو۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں آئے اور چلے گئے وہ جہاں رہے اُن کے پاس اس سے زیادہ اور کچھ نہ تھا جو میرے پاس ہے۔ اگر عیسیٰ جو میری امت کے نقیب ہیں دنیا میں اُن کے لیے کوئی پناہ گاہ نہ تھی تو میں کہ سردارِ دوعالم ہوں میرے لیے اولیٰ تر یہ ہے کہ ایسا نہ کروں۔ کام اس سے بھی زیادہ آسان اور ہلکا ہے جتنا کہ تم سمجھتے ہو۔ ہماری خوشی تو یہی رنج وغم ہے۔ یہی راز ہے جو کسی صاحبِ دل نے کہا ہے ؎

جہانے خاک بر فرقِ کسے باد	کہ آن کس نیست در اندوہ تو شاد

چو غم از تست کوہِ شادمانی ہست   اگر مرگ ہست از تو زندگانی ہست

(سارے جہان کی خاک اُس کے سر پر ہے جو تیرے غم سے خوش نہیں ہے جب تیری طرف سے رنج وغم نصیب ہو تو وہ غم نہیں بلکہ خوشی کا ایک پہاڑ ہے۔ اور اگر تجھ سے موت ملے تو وہی ہماری زندگی ہے)۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن گھر میں تشریف لائے اور پوچھا هَلْ عِنْدَكُمْ مِنْ غَذَاءٍ (تمھارے پاس کچھ کھانے کو ہے کہ افطار کروں؟ جواب ملا کہ گھر کے مالک آپ ہیں۔ اگر آپ نے کچھ لا کر دیا ہے تو مانگئے۔ آپ ہنسے اور فرمایا مَرْحَبًا بِشِعَارِ الصَّالِحِيْنَ۔ واہ واہ! صالحین کی روش کے کیا کہنے! خدا کرے محمدؐ کا گھر ہمیشہ یوں ہی رہے (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ سبحان اللہ! کیا عجیب بات ہے۔ شبِ معراج تو سارے جہان کی دولت وسعادت آپ پر نچھاور کردی گئی۔ اور گھر میں کھانے کے لیے ایک دانہ نہیں ؎

ہمہ جانہائے صدیقان پر از خوں است   کہ می داند کہ سرّ کار او چوں ہست

(صدیقوں کے کلیجے خون ہوکر رہ گئے ہیں۔ کون جانتا ہے کہ اُس کے کاموں کا بھید کیا ہے)۔ ایک مرتبہ چند دن گزر چکے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ بھی نہ کھایا تھا۔ آپ مسجد میں آکر بیٹھ گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، ایسے باادب مرید کہ دنیا میں ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغامبر آئے مگر ان میں سے کسی کو آپ کے ایسا کوئی مرید نہ مل سکا، مسجد میں آئے اور مؤدب ہوکر بیٹھ گئے۔ پھر حضرت عمر خطاب رضی اللہ عنہ بھی آئے اور بیٹھ گئے۔ جب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے معلوم کیا کہ یہ لوگ بھی اسی علت میں گھر سے نکل کر آئے ہیں، تو فرمایا قُوْمُوْا بِنَا اِلَیْهِ (تم سب میرے ساتھ اس کے گھر چلو) چنانچہ سب کے سب حضرت ابوالہیثم انصاری کے گھر پہنچے اور فرمایا اے ابوالہیثم تم کو خبر ہے کہ ہم یہاں کس لیے آئے ہیں؟ انھوں نے کہا "فرمائیے یارسول اللہ" آپؐ نے فرمایا "تم نے مجھ سے کہا تھا، کہ میں نے آپ کے لیے کھجوروں کا خوشہ رکھا ہے۔ تو لاؤ ہم سب کھائیں۔ یہ سن کر ابوالہیثم مارے خوشی کے حضورؐ کے قدموں میں بچھ گئے۔ اور فوراً خوشۂ خرما لاکر پیش کیا۔ جب سب لوگ کھجوریں کھا چکے، حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے ابوبکر وعمر تم نے جو کچھ کھایا وہ تمھیں پسند آیا"۔ انھوں نے کہا، "ہاں، یارسول اللہ!" آپؐ نے فرمایا "وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ اَللّٰهُ لَیَسْئَلُکُمَا عَمَّا اَکَلْتُمَا وَشَرِبْتُمَا (اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں

میری جان ہے، جو کچھ تم کھاتے ہو اللہ تعالیٰ اُس کے متعلق تم سے سوال کرے گا۔ تم جب تک اس کا جواب نہ دے دوگے میدانِ قیامت سے تمھارا گذر نہ ہوگا۔ ضرورت کے وقت حضراتِ صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما کے سروں پر بھی نصیحت کی یہ تلوار ماری گئی ہے (تو عیش و تنعم کا کیا ذکر) یہی ہے جو کہا ہے ؎

غریزانے کہ مردِ کار بودند | ز نفسِ خویش چون بیزار بودند
نہ نان دادند نفسِ مشتہی را | نہ برخوردند یک نان فربہی را

(جو بلند مرتبہ لوگ ہوئے ہیں وہ اس طرح اپنے نفس سے بیزار رہے ہیں کہ انھوں نے بھوک کے وقت بھی نفس کو روٹی نہیں دی اور کبھی فربہی کی غرض سے لقمہ نہیں کھایا)۔ اے بھائی۔ جو چیز قبر کے آگے تمھارا ساتھ نہ دے وہ ہو یا نہ ہو اُس کی قدر ہی کیا۔ اور وہ گھر جو موت کے ہاتھوں خراب اور برباد ہونے والا ہے اس میں مال و دولت ہو یا سانپ اور بچھو، دونوں برابر ہیں۔ جہاں تک ہو سکے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے ہاتھ پاؤں مارتے رہو۔ اور آخرت کے رنج و فکر میں جلتے رہو تاکہ جب موت آئے تو نقصان میں نہ پڑ جاؤ اور اپنے کو درماندہ نہ پاؤ۔ مناجات

خداوندا منم بے چارہ ماندہ | درین فکرت دلے صد پارہ ماندہ
ز ما ببریدہ ہم بیگانہ ہم خویش | چو طفلان ما، ورا ہے سخت در پیش
ہمہ بے چارہ ایم و ماندہ بر جائے | برین بے چارگیِ ما بہ بخشائے

(اے خدائے پاک ہم بہت بے کس اور بے بس لوگ ہیں۔ اسی اندیشے میں ہمارے دل ٹکڑے ٹکڑے ہو رہے ہیں۔ ہم سے یگانے اور بیگانے کٹ کر جُدا ہو چکے۔ ہم بچوں کی طرح ناآزمودہ کار ہیں اور راستہ نہایت سخت و دشوار ہمارے سامنے ہے۔ اے اللہ! ہم بہت ہی بے سہارے اور مجبور ہیں۔ ہماری اس بیچارگی پر رحم فرما۔ ہم کو بخش دے)۔ خواجہ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ متقیوں کے بادشاہ اور اہلِ شریعت کے پیشوا تھے۔ وہ اپنے زمانے میں ایسے تھے کہ ولید مسلم کہتے ہیں کہ "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور عرض کیا یا نبی اللہ میں خدا کا دین اور آپؐ کی سنت کس سے سیکھوں اور کس کا طریقہ اختیار کروں؟ آپؐ نے فرمایا عَلَیْکُمْ بِسُفْیَانِ الثَّوْرِیِّ فَاِنَّہٗ عَلَی الْجَادَۃِ (تمھارے لیے سفیان ثوری کافی ہے۔ کیونکہ وہ صحیح راستے پر ہے)۔ حضرت سفیان ثوری

رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص تمام اہلِ آسمان اور ساکنانِ زمین کی طاعتوں کے برابر عبادت کرے اور دنیا کی محبت اُس کے دل میں ہو، اُس کو آفتابِ قیامت کی جھلسا دینے والی دھوپ میں ایک ہیبت ناک برج پر لے جائیں گے اور منادی پکار کر کہیں گے یَآ اَھْلَ الْقِیَامَۃِ ھٰذَا رَجُلٌ اَحَبَّ مَآ اَبْغَضَ اللّٰہُ (اے قیامت والو! یہ وہ آدمی ہے کہ خدا نے جس چیز کو مردود کیا تھا یہ اُس کو دوست رکھتا تھا)۔ اے بھائی! آخرت کے غم سے صدیقوں کا پتا پانی ہوا جاتا ہے اور مٹھی بھر خواہشات کے بندوں کو اس کی خبر نہیں۔ کسی دل جلے نے کہا ہے رباعی:۔

جانِ ہمہ عاقلانِ عالم ریش ہست زان یک منزل کہ جملہ را در پیش ہست

از تیغِ اجل بریدہ در طشتِ فنا زین غم سرِ صد ہزار زیرک بیش ہست

(دنیا بھر کے خردمندوں کی جانیں زخمی ہو رہی ہیں، اُس ایک منزل سے، جو سب کے سامنے آنے والی ہے اس غم میں، موت کی تلوار سے فنا کے طشت میں ہزاروں عقل مندوں کے سر کٹ کر تڑپ رہے ہیں)۔

اگر نمازیں قضا ہو گئی ہوں اور اُن کی تعداد معلوم نہ ہو تو جمعہ کے دن جس وقت بھی چاہے ایک سلام سے چار رکعتیں پڑھے اور یوں نیت کرے۔ نَوَیْتُ اَنْ اُصَلِّیَ لِلّٰہِ تَعَالٰی اَرْبَعَ رَکَعَاتٍ صَلٰوۃِ النَّفْلِ تَکْفِیْرًا لِلصَّلٰوۃِ الْقَضَاءِ الَّتِیْ فَاتَتْ مِنِّیْ فِیْ جَمِیْعِ عُمْرِیْ مُتَوَجِّھًا اِلٰی جِھَۃِ الْکَعْبَۃِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ ایک بار آیۃ الکرسی ایک بار اِنَّآ اَعْطَیْنَا پندرہ ۱۵ بار پڑھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ یہ دو سو ۲۰۰ برس کی قضا نماز کا کفارہ ہے۔ اور حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضور سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے سنا ہے کہ یہ چار سو ۴۰۰ برس کی قضا نماز کا کفارہ ہے۔ اور حضرت مولائے کائنات علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے سیدِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ یہ سات سو برس کی قضا شدہ نمازوں کا کفارہ ہے۔ اعداد کا اختلاف وحی کے اختلاف کی بنا پر ہے۔ اصحابؓ نے پوچھا یا رسول اللہ ہماری اور دوسرے لوگوں کی عمریں تو ستر اسی یا سو برس تک ہوا کرتی ہے اتنی صفتوں کا مطلب کیا ہے؟ حضورؐ نے فرمایا اُس کے ماں باپ اقربا اور اولاد کی نمازوں کا کفارہ ہوتی ہے۔ اس نماز کے ادا کرنے کے بعد یہ دعا پڑھے اور حضرت سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم پر سو مرتبہ درود بھیجے۔ دعا یہ ہے۔ اَللّٰھُمَّ یَا سَابِقَ الْفَوْتِ وَیَا

سَامِعَ الصَّوْتِ وَیَا مُحْیِ الْعِظَامِ بَعْدَ الْمَوْتِ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ خَرَجًا وَّ مَخْرَجًا مِّمَّا اَنَا فِیْہِ اِنَّکَ تَعْلَمُ وَلَآ اَعْلَمُ وَاَنْتَ تَقْدِرُ وَلَآ اَقْدِرُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ یَا رَاحِمَ الْعَطَایَا وَیَا غَافِرَ الْخَطَایَا سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّنَا وَرَبُّ الْمَلٰٓئِکَۃِ وَالرُّوْحِ رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَتَجَاوَزْ عَمَّا تَعْلَمُ فَاِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیُّ الْاَعْظَمُ یَا سَاتِرَ الْعُیُوْبِ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ یَآ اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔ والسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پچھتّرواں مکتوب ۷۵

ترکِ دنیا کے بیان میں

میرے عزیز بھائی شمس الدین، خدا تمھیں زاہدوں کی بزرگی عطا فرمائے۔ اچھی طرح سمجھ لو کہ عبادت درست نہیں ہو سکتی جب تک دنیا کا خیال نہ چھوڑ دے۔ کیونکہ جب تمھارا ظاہر دنیا طلبی میں مشغول اور تمھارا باطن ارادت کی طرف مائل ہو تو کوئی عبادت کیونکر بجا لا سکتے ہو۔ دل تو خدا نے ایک ہی دیا ہے۔ جب ایک کام میں مشغول ہو تو دوسرا کام نہیں کر سکتا۔ دنیا اور آخرت کی مثال پورب اور پچھم کی طرح ہے۔ جب ایک سے قریب ہو گے تو یقیناً دوسرے سے دُور ہو جاؤ گے۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے چاہا کہ کسی طرح دنیا اور عقبیٰ کو ایک ساتھ جمع کر دوں اور عبادت اور تجارت کو ایک مقام پر ملا دوں۔ لیکن ہزار کوششوں کے باوجود بھی ایسا نہ ہو سکا۔ آخر وہ دنیا کو چھوڑ کر آخرت اور تجارت کو خیرباد کہہ کر عبادت کی طرف متوجہ ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اگر دنیا و عقبیٰ کسی کو ایک ساتھ جمع ہو سکتی تو وہ شخص میں ہی ہو سکتا تھا۔ کیونکہ خدا نے مجھے اتنی طاقت دی تھی۔ اعمال کی قیمت دنیا کو ترک کر دینے سے بڑھ جاتی ہے۔ جیسا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس عالم نے دنیا ترک کر دی ہو اُس کی دو رکعت نماز تمام عابدوں کی قیامت تک کی عبادت سے خدا کے نزدیک زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہے۔ جب دنیا چھوڑنے سے عبادت کا یہ مرتبہ ہو جاتا ہے تو ہر ایک طالب عبادت کا فرض ہے کہ دنیا کو چھوڑ دے۔ مگر یہ جاننا چاہیے کہ دنیا میں زہد کے معنی کیا ہیں۔

تو سنو، ہمارے علما کے نزدیک زہد کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ زہد ہے جو بندے کی قدرت میں ہے۔ دوسرا وہ جو بندے کے اختیار سے باہر ہے جس کو بندہ کر سکتا ہے وہ تین چیزیں ہیں۔ دنیا میں اس چیز کی طلب ترک کر دینا جو اُس کو حاصل نہیں ہے۔ اپنی ذات سے ایسی چیزوں کو دُور کر دینا جن کا تعلق دنیا سے ہے۔ اپنے باطن سے دنیاوی خواہشات کا ترک کر دینا۔ لیکن وہ زہد جو قدرت سے باہر ہے وہ یہ ہے کہ زاہد کے دل پر دنیا کا خیال سرد پڑ جائے اور اُس کی کوئی کشش باقی نہ رہے۔ جب بندہ زہدِ مقدور بجا لاتا ہے یعنی جو میسر نہیں وہ نہیں مانگتا اور جو پاس ہے اُسے دُور کر دیتا ہے اور اپنے دل سے اُس کی خواہش بھی نکال دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے فضل اور اُس کے کرم سے زہدِ غیر مقدور بھی اُسے حاصل ہو جاتا ہے یعنی اُس کا دل دنیا سے پھر جاتا ہے۔ بعض بزرگوں کے نزدیک اسی کو زہدِ حقیقی کہتے ہیں۔ اس امر میں مشکل ترین کام دل سے دنیاوی خواہشات کا دُور کر دینا ہے۔ تم بہت سے تارکِ دنیا لوگوں کو دیکھو گے کہ وہ دیکھنے میں تو تارکِ دنیا نظر آتے ہیں لیکن اُن کے باطن میں دنیا کی محبت ہوتی ہے۔ تو بڑی مہم سر کرنا یہی ہے کہ دنیا کی خواہش ہی دل سے نکل جائے۔ اصل کام یہی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جب بندہ ان دو چیزوں پر قائم ہو جاتا ہے یعنی جو اُس کے پاس نہیں ہے وہ نہیں مانگتا اور جو ہے اُسے دُور کر دیتا ہے تو خداوند تعالیٰ اس کو توفیق عنایت کرتا ہے کہ دنیا کی طلب بھی اس کے دل سے نکل جاتی ہے۔ اگر کوئی شخص ساری دنیا کی ملکیت سے ہاتھ اُٹھا لے تو بھی زہد کے مقام پر نہیں پہنچ سکتا جب تک اس کی طلب سے اپنے دل کو خالی نہ کر دے۔ کیونکہ طلب میں رغبت پائی جاتی ہے اور رغبت و زہد آپس میں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ وَالضِّدَّانِ لَا يَجْتَمِعَانِ (دو ضد ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے)۔ دوسرے یہ کہ زہد کے امام انبیاء علیہم السلام ہوئے ہیں۔ ساری دنیا کی ملکیت حضرت مہتر سلیمان علیہ السلام کو دی گئی تھی پھر بھی بے شک و شبہ آپ زاہد تھے۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ باوجود ملک و دولت کے دل میں طلب نہ رکھنا افضل و بہتر ہے اُس خالی ہاتھ سے کہ اُس کے دل میں طلب باقی ہو۔ اگر تم سوال کرو کہ زہد کا حکم دنیا میں فرض ہے یا نفل؟ تو سنو، زہد حلال میں ہوتا ہے یا حرام میں، حرام میں فرض ہوتا ہے اور حلال میں نفل۔ جو لوگ عبادتوں میں استقامت حاصل کر چکے ہیں اُن کے نزدیک زہد حرام مُردار کھانے کے برابر ہے جو اشد ضرورت کے وقت مصلحتِ وقت کے

اندازے سے کھا سکتے ہیں۔ اور حلال چیزوں میں زہد، یہ تو خاص ابدالوں کا حصہ ہے۔ کیونکہ ان کے یہاں حلال بھی مُردار کا درجہ رکھتا ہے۔ ضرورت کے وقت بس اسی قدر کھا سکتے ہیں کہ بغیر اتنا کھائے چارہ نہیں۔ اگر اتنی طاقت نہ رکھتے ہوں تو طلب کی اجازت دی جاتی ہے لیکن طلب میں یہی نیت ہو کہ اس کے ذریعہ عبادت کی طاقت حاصل ہو۔ اور بغیر کسی فکر و تردد کے بندگی بجا لا سکے۔ خواہشِ نفس، لذت و راحت اور آرام کو اس میں کوئی دخل نہ ہو۔ جب تمھاری طلب کی یہ نیت ہوگی جو کہی گئی تو یہ دنیا طلبی نہیں بلکہ خیر طلبی ہوگی، کہ مَا یُسْتَعَانُ بِالْعِبَادَةِ فَهُوَ عِبَادَةٌ۔ جو چیز عبادت میں مددگار ہو وہ بھی عبادت میں داخل ہے۔ یہ فیصلہ شدہ مسئلہ ہے۔ اس سے زہد میں کوئی ہرج نہیں ہوتا۔ اور زہد کے دائرے سے خارج نہیں کرتا۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ زہد تمام نیکیوں کی بنیاد ہے اور حالاتِ پسندیدہ اور مقاماتِ محمودہ اس کے بغیر حاصل نہیں ہوتے۔ مرید کی پہلی منزل یہی ہے، کہ جڑ کو مضبوط کرے۔ جب تک جڑ مضبوط نہ ہوگی دوسرے مقامات بھی درست نہ ہوں گے۔ کیونکہ اَلْبِنَاءُ عَلَى الْفَاسِدِ فَاسِدٌ (خراب بنیاد پر تعمیر بھی خراب ہوگی)۔ بزرگوں کے ایک گروہ کا کہنا ہے کہ دنیا میں جس کا نام زاہد مشہور ہو گیا اُس نے ہزاروں نیک نامیاں پائیں۔ اور جس کے نام کے ساتھ رغبت منسوب ہو گئی اُس نے ہزاروں ناپسندیدہ نام اختیار کر لیے۔ اسی لیے امام نصیر آبادی علیہ الرحمۃ نے کہا ہے کہ زاہد دنیا میں مسافر ہوتا ہے اور عارف عقبیٰ میں مسافر ہوتا ہے۔ خواجہ امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے۔ آپ نے کہا زہد کے تین طریقے ہیں۔ ایک حرام چیزوں کا چھوڑ دینا یہ عوام کا زہد ہے۔ دوسرے وہ حلال جو فضولیات میں داخل ہیں ان کا ترک کرنا یہ خواص کا زہد ہے تیسرے اُن چیزوں کا ترک کرنا جو بندے کے دھیان کو خدا سے ہٹا کر دوسری طرف مشغول کرے یہ عارفوں کا زہد ہے۔ اس تقسیم سے شعرا کی نظمیں اور مشائخ کے کلماتِ مدح و ذم اچھی طرح سمجھ میں آجاتے ہیں۔ اور کوئی غلطی واقع نہیں ہوتی۔ خواجہ فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے تمام برائیوں کو ایک خانے میں رکھا جس کی کنجی دنیا کی محبت ہے اور تمام نیکیوں کو اس خانے میں جمع کر دیا جس کی کنجی ترکِ دنیا ہے۔ یاد رکھو اے بھائی! جب تک تم حسد سے بھرے ہوئے جسم اور اپنی ناپائدار ہستی کے گرد نہ پھرو گے بات نہیں بنے گی۔ کیونکہ ریشم کا کیڑا جب اپنے چاروں طرف گھوم کر ریشم کا کویا بناتا ہے اور سانس بند کر کے اس کے اندر قید ہو جاتا ہے اور جان کی

بازی لگا دیتا ہے تب کہیں جا کر رشیم پیدا ہوتا ہے ذرا تم بھی تو اپنے نفس کی اندھیری کوٹھری سے باہر آؤ، امید وخوف کے کعبہ کا طواف کرو اور زہد وترکِ جاہ کی منزل میں بیٹھ جاؤ، تاکہ کل جب قیامت کے میدان میں معرفت کے انوار لے کر سامنے آؤ تو دوزخ کو بھی برداشت کی طاقت نہ ہو اور تم سے فریاد کرنے لگے جُزْ یَا مُؤْمِنُ فَاِنَّ نُوْرَكَ اِطْفَاءُ لَهَبِیْ (اے مؤمن جلدی سے گذر جا، کیونکہ تیرا نور میرے شعلوں کی لپک کو ٹھنڈا کر رہا ہے)۔ یعنی اے مؤمن سلامتی کے ساتھ آگے بڑھ جا۔ مجھے خوف ہے کہ تیرے ایمان کی روشنی میری ہستی کو نہ مٹا دے اور مجھ میں ذرہ برابر بھی سوزش باقی نہ رہ جائے۔ بھائی، تم اپنے گناہوں کو کیا دیکھتے ہو، اور اس آب وخاک کی کمتری وحقارت پر کیوں نظر ڈالتے ہو؟ دیکھنے کی چیز تو یہ ہے کہ وہ خود یہ دولت تمھارے ساتھ ہے۔ تم لاکھ چاہو کہ تم سے کوئی گناہ سرزد نہ ہو مگر یہ بات تمھارے بس کی نہیں۔ کیونکہ تم ہی وہ مخلوق ہو کہ گناہ کرو۔ اور وہ وہی ذات ہے جو بخشش کرے۔ جس میں جو صفت ہوتی ہے وہی ظاہر ہوتی ہے۔ دیکھو خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے بندے اگر تیرا پیشہ معصیت کرنا ہے تو میری صفت بخشش اور مغفرت ہے جب تو اپنا کام نہیں چھوڑتا میں اپنی صفت سے کیونکر باز آجاؤں۔ نَبِّئْ عِبَادِیْ اَنِّیْ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ (میرے بندوں کو پیغام پہنچا دو کہ میں بخشش اور رحمت کرنے والا ہوں)۔ اس کے تو یہ معنی ہوئے کہ اگر تو گناہوں میں آلودہ ہے تو میرا ہے اور اگر مطیع وفرمانبردار ہے تو میں تیرا ہوں۔ اور جانتے ہو کہ گناہ کے وقت جو تم کو جاہل کہا گیا اس کے کیا معنی ہیں؟ یہ کہ تم کو جاہل بنا کر تمھاری بخشش کرے۔ جیسا کہ آدم علیہ السلام کو کہا اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا۔ (وہ بڑا ظالم اور جاہل تھا) اور یہ جو شہادت کے وقت تم کو عالم کہا، جانتے ہو کیوں؟ اس لیے کہ تم کو قبول کرے۔ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ (اللہ، اُس کے فرشتوں اور علم والوں نے گواہی دی کہ اُس کے سوا اور کوئی معبود نہیں) اور طاعت وعبادت کے وقت جو ضعیف کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ عاجز ومجبور سمجھ کر تمھارے قصور معاف کر دے۔ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا (انسان بہت کمزور پیدا کیا گیا ہے)۔ والسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

چھیتّرواں مکتوب ۷۶

میرے بھائی شمس الدین، اللہ تعالےٰ تم کو سلامت رکھے۔ سنو، نیک بختی اور بدبختی اللہ تعالےٰ نے دو خزانے بنائے ہیں۔ ایک کی کنجی بندگی ہے اور دوسرے کی معصیت جس کو ازل میں خوش نصیب بنایا ہے کہ اَلسَّعِیْدُ مَنْ سَعَدَ فِیْ بَطْنِ اُمِّہٖ (جو نیک بخت ہے وہ ماں کے پیٹ ہی میں نیک بخت ہو چکا) نیک بختی کے خزانے کی کنجی جو طاعت ہے اُس کے ہاتھ میں دے دی۔ اور وہ جس کو ازل میں شقی و بدبخت بنایا ہے کہ اَلشَّقِیُّ مَنْ شَقِیَ فِیْ بَطْنِ اُمِّہٖ (بدنصیب وہ ہے جو ماں کے پیٹ ہی میں بدبخت بنا دیا گیا ہے) شقاوت کی کنجی جو معصیت ہے اُس کے سپرد کر دی۔ آج ہر شخص کو اپنے ہاتھ پر نظر کرنا چاہیے کہ کون سی کنجی اس کے ہاتھ میں ہے۔ اسی کو حکم اور سنتِ الٰہی کا جاری ہونا کہتے ہیں کہ سعید و شقی آج پیدا و ظاہر ہے لیکن علمائے آخرت کی نگاہیں پہلے ہی ان کو دیکھ چکی ہیں برخلاف علمائے دنیا کے کہ وہ نہیں دیکھتیں۔ جس نے کہا ہے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ ؎

دیبا دانیم و برد رازی دانیم ما عشقِ حقیقی از مجازی دانیم

(ہم ریشمی شال اور رازی کی پرانی چادر کو جانتے ہیں ہم عشق مجازی سے عشق حقیقی کو پہچانتے ہیں)۔ بندے کے لیے ساری عزت و دولت و نعمت خدا کی طاعت و بندگی میں ہے اور تمام عذاب و ذلت و نقصان گناہگاری میں ہے۔ اعزاز و اکرام و قربتِ الٰہی طاعت میں اور دوزخ کے تمام عذاب معصیت میں ہیں جس کسی کو پچھاڑا ہے معصیت کی راہ سے پچھاڑا ہے اور جس کو سراہا ہے طاعت کی راہ سے سراہا ہے۔ مقامِ قدس کے اس معتکف کو جس نے سات لاکھ برس تسبیح و تقدیس میں گذارے تھے صرف ایک سجدہ نہ کرنے پر ایسا گرایا کہ پھر نہ اُٹھ سکا۔ اور سگِ اصحاب کہف کو جو ناپاک اور نجس تھا، صدیقوں کے ساتھ چند قدم چلنے پر ایسا اُٹھایا کہ پھر کبھی نہ گر سکا۔ یہ کیا ہے؟ ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ (یہ خداوند بزرگ و دانا کی قدرت ہے)۔ ؎

قومے بہ فلک رسید قومے بہ مغاک فریاد ز تہدید تو با مشتے خاک

(ایک قوم اتنی بلند ہوئی کہ آسمان تک پہنچی اور دوسری قعرِ مذلت میں گری۔ اس مشت خاک کے ساتھ

جو تیری کار فرمائی ہے ہم تجھ ہی سے اس کی فریاد کرتے ہیں) سبحان اللہ! اس سے زیادہ حیرت انگیز بات اور کیا ہو گی کہ تمام عالموں کا علم اوندھ گیا اور کسی کو اس بات کا بھید نہ ملا اور تمام عقل والوں کی عقلیں جاتی رہیں اور کسی کو اس رمز سے آگاہی نہ ہوئی۔ اس کی رُوح پر خدا کی رحمت کا نزول ہو جس نے یہ کہا ہے ؎

عشقم کہ در دو کون، مکانم پدید نیست | عنقائے مغربم کہ نشانم پدید نیست
ز ابرو و غمزہ ہر دو جہاں صید کردہ ام | منگر بدین کہ تیر و کمانم پدید نیست
چون آفتاب در رخ ہر ذرہ ظاہرم | از غایت ظہور عیانم پدید نیست
گویم بہر زبان و بہر گوش بشنوم | وین طرفہ تر کہ گوش و زبانم پدید نیست
چون ہر چہ ہست در ہمہ عالم ہمیں منم | مانند در دو عالم از آنم پدید نیست

(میں وہ عشق ہوں کہ دونوں جہاں میں کہیں میرا مکان ظاہر نہیں ہے۔ میں وہ عنقائے مغرب ہوں کہ کہیں بھی میرا نشان ظاہر نہیں ہوتا۔ میں اپنے عشوہ و ناز سے دونوں عالم کو شکار کرتا ہوں۔ یہ مت دیکھو کہ میرے تیر و کمان کہیں نظر نہیں آتے۔ میں آفتاب کی طرح ہر ذرّے کے آئینے میں ظاہر ہوں مگر جلوے کی بے حد تابناکی سے میرا ظہور بھی کوئی دیکھ نہیں سکتا۔ میں ہر زبان سے بولتا ہوں اور ہر کان سے سنتا ہوں اور مزے کی بات یہ ہے کہ میری زبان میرے کان کسی کو دکھائی نہیں دیتے۔ جو کچھ بھی سارے جہان میں نظر آتا ہے وہ میں ہی میں ہوں۔ دونوں جہان میں میری طرح اور کوئی ظاہر نہیں ہے) عجیب راز اور مشکل بھید ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو کہا گیہوں نہ کھاؤ اور حکم کیا جا چکا تھا کہ کھاؤ شیطان کو کہا سجدہ کر اور حکم ہو چکا تھا کہ نہ کرے۔ پورب والوں کو پچھم اور پچھم والوں کو پورب میں ڈال دیا۔ جہاں کہیں پہنچے یہی سنا کہ تم کو بغیر طلب کے چارہ نہیں ہے۔ لیکن پا لینے کا کوئی راستہ ہی نہیں ہے۔ اے بھائی، عالم الوہیت کا کوئی راز پہلے ظاہر نہیں کیا گیا۔ لیکن منتظران راہ اور مقیمانِ درگاہ بول اُٹھے لَا عِلْمَ لَنَا۔ ہم کچھ نہیں جانتے۔ پھر یہ بے چارہ آب و گل کیا کہے۔ سب کے قدم رُک گئے اور عقلیں حیران رہ گئیں اور سارے وہم کٹ کر رہ گئے۔ اس سے زیادہ اور کچھ نہ بتایا۔ اِنِّیْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (ہم وہ جانتے ہیں جو تم نہیں جانتے)۔ اور فرمایا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمھاری نبوت پاک، تمھارا عہد متبرک، تمھاری حشمت بزرگ و برتر اور تمھارا خطاب کریم ہے۔ لیکن ہم وہی خداوند کریم ہیں کہ جو چاہیں کریں۔ مدتیں گزر گئیں کہ ہم نے زبانوں پر مہر لگا دی۔

اور کہہ دیا لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ (جو کچھ وہ کرتا ہے اس کے متعلق کوئی سوال نہیں کیا جا سکتا)۔ اُس کی درگاہِ عظمت و جلال سبھوں کے ایمان وطاعت سے پاک و بے نیاز ہے اور اُس کا عالی دربار سبھوں کے کفر و معصیت سے بے پرواہ ہے۔ وہاں طاعت و معصیت دونوں برابر ہیں۔ خواجہ سنائی رحمۃ اللہ علیہ و الغفران نے کہا ہے ؎

بے نیازیش را چہ کفر و چہ دین	بے زبانیش را چہ شک چہ یقین
گرگ و یوسف زتست خورد و بزرگ	ورنہ از او یکے ہست یوسف و گرگ

(اُس کی بے نیازی کے سامنے کیا کفر ہے اور کیا دین۔ اس کی خاموشی کے آگے کیا شک ہے اور کیا یقین۔ یوسف اور بھیڑیا تمھارے نزدیک کمتر اور برتر ہیں۔ ورنہ اُس کے نزدیک یوسف اور بھیڑیا دونوں برابر ہیں)۔ علم کو اطاعت کا رہنما بنایا اور جہالت کو معصیت کی بنیاد قرار دی ایمان وطاعت علم سے پیدا ہوئے اور کفر و معصیت جہالت سے۔ پس جس طرح علم سے کفر اور معصیت ممکن نہیں اسی طرح جہالت سے ایمان وطاعت محال ہے۔ مقصد یہ کہ طاعت و بندگی سعادت کی کنجی اور معصیت شقاوت کی کنجی ہے۔ اس لیے چھوٹی سے چھوٹی طاعت کو بھی نہ چھوڑنا چاہیے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ رضائے خداوندی اسی میں ہو۔ اور چھوٹے سے چھوٹا گناہ بھی نہ کرنا چاہیے ہو سکتا ہے کہ قہرِ الٰہی اسی میں ہو۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ تین چیزیں تین چیزوں میں پوشیدہ ہیں۔ ایک رضائے خداوندی طاعت میں؛ دوسرے قہر و غضب معصیت میں، تیسرے ولایت مومنوں میں۔ پس جس مؤمن کو دیکھو اپنے سے اچھا سمجھو اور یہ گمان کرو کہ یہ دوستوں میں سے ہے ممکن ہے ولایت یہیں ہو۔ بندگی کے یہی گر ہیں۔ مگر روزِ ازل جس کو جو لباس پہنا دیا گیا ہے ناممکن ہے کہ اس کے بدن سے کوئی اتار سکے۔ لَا تَبْدِیْلَ لِکَلِمَاتِ اللّٰہِ (خدا کا کلام بدل نہیں سکتا) ایک قوم نے دن رات ریاضت و مجاہدے میں ساگ اور پتے کھا کر گذارے اَلطَّلَبُ رَدٌّ وَالطَّرِیْقُ سَدٌّ (طلب رد کر دی گئی اور راستہ بند کر دیا گیا) اُن کو سنا دیا گیا۔ اور ایک دوسری قوم جو بُت کدے میں معتکف ہو کر لات و عزا کو اپنا معبود بنائے سجدہ کرتی رہی ان کو حضرت رب العزت کی طرف سے برابر یہ بشارت دی گئی اَنَا لَکُمْ شِئْتُمْ اَمْ اَبَیْتُمْ وَاَنْتُمْ لِیْ شِئْتُمْ اَمْ اَبَیْتُمْ (ہم تمھارے لیے ہیں تم چاہو یا نہ چاہو۔ اور تم ہمارے لیے ہو، تم چاہو یا نہ چاہو)۔ اے بھائی! اگر گناہ ہی گناہ ہے

اور طاعت نہیں ہے تو وہاں عفو و مغفرت سامنے کھڑی ہے۔ جب فرشتوں نے کہا تھا کہ تجعل فیھا من یفسد فیھا (کیا تو انھیں اپنا خلیفہ بنائے گا جو زمین میں فساد برپا کریں گے) تو خداوند ذوالجلال نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ فساد نہ کریں گے۔ بلکہ کہا تو یہ کہا اِنّی اَعلَمُ مَالَا تَعلَمُونَ (ہم وہ سب کچھ جانتے ہیں جو تم نہیں جانتے)۔ اگر وہ نالائق ہیں تو ہم انھیں لائق بنادیں گے۔ اگر دور ہیں تو قریب بلالیں گے۔ اگر ذلیل ہیں تو عزیز کردیں گے۔ تمھاری نظر اُن کے شر و فساد پر پڑتی ہے تو ہم اُن کے دلوں کو دیکھتے ہیں۔ اگر تم کو اپنی پاک دامنی پر غرّہ ہے تو انھیں ہماری رحمت پر ناز ہے۔ تمھیں اپنی عصمت سے کیا خوشی حاصل ہوگی اگر ہم قبول نہ کریں۔ اور انھیں اپنی معصیت سے کیا نقصان ہوگا جبکہ ہماری بخشش و رحمت اُن کی پشت پناہ ہے۔ اور یہ باتیں تو ہم ہی جان سکتے ہیں، تم نہیں جانتے۔ وہ لطفِ ازل کے نوازے ہوئے ہیں اور کیفِ ابد سے سرشار ہیں۔ اور یہ وقتی نقصان جو ازل اور ابد کے درمیان واقع ہوا کوئی مزاحمت نہیں کرتا۔ جانتے ہو کہ معصیت کیا ہے؟ تمھارے خوبصورت چہرے کا تل ہے تاکہ نگاہِ بدبیناں اسی تل پر پڑے اور تمھارے حسنِ رخسار کو نظر نہ لگے۔ پس یقین جانو کہ ہم لوگ اُس کے لطف و کرم کے نوازے اور سرفراز کیے ہوئے ہیں۔ ہم بے نظیر مخلوق ہیں اور وہ بے مثل خالق۔ ہمارے لیے تو مثل و نظیر ہونا جائز بھی ہے لیکن اُس کے لیے نہ مثل ممکن ہے نہ نظیر۔ وہ اُس کی قدرت کے اعتبار سے ہے اور یہ اُس کی محبت کے اعتبار سے۔ یعنی وہ اپنی قدرت سے ہماری جیسی ہزار مخلوق پیدا کرسکتا ہے لیکن محبت و غیرت کے لحاظ سے پیدا نہیں کی۔ پس یہ بات قدرت میں جائز ہے لیکن غیرت و محبت میں جائز نہیں ہے۔

ایک شخص کے ایک لڑکا تھا جو بے حد پیارا تھا۔ اس سے لوگوں نے پوچھا کہ تم اپنے لڑکے کو کتنا چاہتے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ مجھے اس کی اتنی محبت ہے کہ اس کو دیکھتے ہوئے میں کبھی یہ تمنا نہیں کرتا کہ اب کوئی اور لڑکا میرے یہاں پیدا ہو۔ کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ کوئی دوسرا اُس کی محبت میں شریک ہو جائے اور محبت تقسیم ہو جائے۔ والسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ستتّرواں مکتوب

اسرارِ قضا و قدر کے بیان میں

اے بھائی شمس الدین! سنو، اصحاب صدق یُسْئَلُ الصَّادِقِیْنَ عَنْ صِدْقِہِمْ (صدّیقوں سے ان کے صدق کے بارے میں پوچھا جائے گا) کے خوف سے لرزاں ہیں۔ اور اہلِ طاعت وَالْمُخْلِصُوْنَ عَلٰی خَطَرٍ عَظِیْمٍ (اور مخلصین بڑے خطرے میں ہیں) کے تیر سے زخمی۔ عابد و زاہد اور عارف و عالم اس کی تیغِ بے نیازی کی ہیبت سے سرگردان و پریشان ہیں۔ اِنَّ اللّٰہَ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعَالَمِیْنَ (بیشک اللہ دونوں جہان سے بے پرواہے)۔ ؎

این کار ازان فتاد مشکل　　معشوق غنی و ما گدائیم

(یہ کام اور بھی سخت مشکل اس لیے ہو گیا ہے کہ معشوق بے نیاز اور ہم مفلس اور فقیر ہیں)۔

بھائی تم اور ہم دوزخ کے ایندھن اور فرعون و نمرود کے ساتھ ایک ہی زنجیر میں جکڑے ہوئے ہیں۔ بزرگوں کا کہنا ہے کہ غفلت دلوں پر وہ کام کرتی ہے کہ دوزخ بھی کافروں کے ساتھ نہیں کرتی۔ اے بھائی، دنیا، قرار و آرام کی جگہ نہیں۔ آب و گل کی ایک مورتی بنا کر مشیئت کے سامنے اندوہ و بلا کے میدان میں ڈال دی گئی ہے۔ اگر اس نے پیٹ بھر کر کھایا تو مست ہے بھوکا رہا تو دیوانہ، سو رہا تو مُردار ہے اور جاگتا ہے تو حیران۔ عاجزی اور ناتوانی اس کی صفتِ لازم بن گئی ہے۔ اگر معرفت کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے تو جواب ملتا ہے وَمَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ (اُنھوں نے اللہ تعالےٰ کا حق قدر ادا نہیں کیا)۔ اگر عبادت میں مشغول ہوتا ہے تو کہا جاتا ہے وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ (اس کے سوا اُن کو اور کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ خدا کی بندگی کرو تو نہایت اخلاص کے ساتھ) اور اگر ان دونوں کو چھوڑ کر کنارے بیٹھ جاتا ہے تو کہتے ہیں وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ (ہم نے جنات اور انسان کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ ہماری عبادت کریں)۔ اگر غافل ہو کر بیٹھ رہتا ہے تو ڈراتے ہیں اِنَّ رَبَّکَ لَشَدِیْدُ الْعِقَابِ (جان لو، کہ تمھارے پروردگار کی پکڑ بہت سخت ہے)۔ اور اگر کسی کو شفیع بناتا ہے تو فرماتے ہیں لَا یَتَکَلَّمُوْنَ اِلَّا

مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا (کوئی بول نہیں سکتا مگر وہ جس کو خدا نے حکم دیا، اور اس نے ٹھیک بات کہی)۔ اور اگر اپنی یا غیر کی طرف نظر کی تو کہتے ہیں لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ (اگر تو نے کسی کو شریک گردانا تو تیرے اعمال سوخت کر دیے جائیں گے)۔ اور اگر چاہے کہ اپنے دل ہی میں کوئی سودا کرے، تو کہا جاتا ہے وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ (البتہ تمھارے اوپر ہر وقت محافظ مقرر ہیں)۔ اگر چاہے کہ دل ہی دل میں کوئی منصوبہ باندھے تو کہا جاتا ہے يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى (وہ دلوں کے چھپے ہوئے رازوں کو جانتا ہے)۔ اور اگر بھاگ کر کسی گوشے میں چھپ جاتا ہے تو کہا جاتا ہے اَيْنَ الْمَفَرُّ (کہیں فرار کی جگہ بھی ہے)۔ اور اگر بھاگ جاتا ہے تو بلا کر کہتے ہیں وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ (اور اسی طرف سب کی بازگشت ہے)۔ اور اگر سب کو چھوڑ کر بے کار بیٹھ جاتا ہے تو کہا جاتا ہے وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (جنھوں نے ہمارے لیے جدوجہد کی ہم انھیں اپنا راستہ دکھا دیتے ہیں) اور اگر کوشش و محنت کرتا ہے تو کہتے ہیں يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاءُ (وہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت کے لیے چھانٹ لیتا ہے)۔ اور اگر کوئی ناامید ہو جاتا ہے تو کہتے ہیں لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ (خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہو)۔ اور اگر پُرامید ہو کر بے خوف ہو جاتا ہے تو کہتے ہیں اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ (کیا وہ لوگ اللہ کی تدبیر (چال) سے محفوظ ہیں)۔ اور اگر فریاد کرتا ہے تو کہتے ہیں لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ (یہ نہیں پوچھا جا سکتا کہ ایسا کیوں کیا)۔ رباعی

آرند یکے و دیگرے بربایند ‌ ‌ ‌ بر ہیچ کس این راز ہمی نہ کشایند

ما راز قضا جز این قدر ننمایند ‌ ‌ ‌ پیمانہ توئی بادہ بتو پیمایند

(ایک کو مقبول کرتے ہیں اور دوسرے کو مردود بنا دیتے ہیں اور کسی پر اس کا راز ظاہر نہیں کرتے۔ قضا و قدر کی طرف سے ہمیں اس کے سوا اور کچھ نہیں بتایا جاتا کہ تو ہی پیمانہ اور تجھی سے اپنی معرفت کی شراب کو ناپتے ہیں)۔ عارفوں کا قول ہے دَخَلْنَا الدُّنْيَا فِيْهَا مُضْطَرِّيْنَ وَبَقِيْنَا فِيْهَا مُتَحَيِّرِيْنَ وَخَرَجْنَا مِنْهَا كَارِهِيْنَ (ہم بے قراری کی حالت میں دنیا میں داخل ہوئے۔ یہاں حیرانی کے ساتھ زندگی گذاری اور کراہت کے ساتھ یہاں سے چلے گئے)۔ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم جب ایک رات آرام فرما کر بیدار ہوئے تو آپ نے ستّرہ موئے مبارک

سفید ہو گئے تھے۔ اصحابؓ نے عرض کیا یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ایسا کیوں ہوا؟ آپؐ نے فرمایا۔ رات سورۂ ہُود نازل ہوئی ہے اور یہ اس خطاب کی وجہ سے ہے کہ فرمایا فَاسْتَقِمْ كَمَا اُمِرْتَ (جو کچھ کہا گیا ہے اُس پر قائم ہو جاؤ)۔ اے بھائی! راہ خطرناک، منزل بہت دُور، محبوب ومطلوب کے مقام کی کوئی حد و نہایت نہیں، انسان کا جسم کمزور، دل بے سہارا، جانِ عاشق اور سر شوریدہ و مشتاق۔ کیا کرے ؎

جز جان و جگر نیست شکارِ غورِ تو زاں نست کہ ہر سرے ندارد سرِ تو

(جان و جگر کے سوا اور کوئی شکار تیرے لائق نہیں یہی وجہ ہے کہ ہر کسی کا دماغ تیرے سودا کا متحمل نہیں ہو سکتا)۔ کتنی طاعتوں کے انبار کو جاں کنی کے وقت وَ قَدِمْنَا اِلٰی مَا عَمِلُوْا (اُن کے اعمال کی جزا ہم نے پہلے ہی دے دی ہے)، کی یادِ بے نیازی کے جھونکوں سے اُڑا کر برباد کر دیا اور کتنے آباد سینوں کو سکراتِ موت کے وقت وَبَدَا لَهُمْ مِنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوا يَحْتَسِبُوْنَ (انھیں خدا کی طرف سے وہ کچھ ظاہر ہوا جس کا انھیں گمان تک نہ تھا) سے خراب و ویران کر کے رکھ دیا۔ کتنوں کے چہرے قبر میں قبلے کی طرف سے پھیر دیے۔ اور کتنے آشناؤں کو پہلی ہی رات میں بیگانہ بنا دیا۔ ایک کو کہا نَمْ كَنَوْمَةِ الْعَرُوْسِ (دُلہن کی طرح میٹھی نیند سو جا)۔ دوسرے سے کہا نَمْ كَنَوْمَةِ الْمَنْحُوْسِ (منحوس کی طرح سو جا)۔ ایک راندۂ درگاہ آتا ہے جو کسی طاعت سے بھی مقبولِ بارگاہ نہیں ہو سکتا۔ ؎

مَنْ لَمْ يَكُنْ لِلْوِصَالِ اَهْلًا فَكُلُّ اَحْسَانِهٖ ذُنُوْبٌ

(جو شخص وصال کی اہلیت نہیں رکھتا اُس کے کل احسان گناہ ہی گناہ ہیں)۔ اور ایک مقبولِ بارگاہ ایسا آتا ہے جو کسی معصیت سے نہیں ڈرتا۔ ؎

فِیْ وَجْهِهٖ شَافِعٌ يَمْحُوْا اَسَاتَهٗ مِنَ الْقُلُوْبِ وَيَأْتِیْ بِالْمَعَاذِيْرِ

(اُس کے چہرے میں ایک شفاعت کرنے والی چیز ہے جو اُس کی برائیوں کو دلوں سے مٹا دیتی ہے۔ اور وہ عذر و معذرت کرتا ہوا آتا ہے)۔ آذر کے صلب سے ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو دیکھو۔ وَيُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَيِّتِ (مردے سے زندہ پیدا کرتا ہے) پڑھو۔ اور حضرت نوح علیہ السلام کے گھرانے سے کنعان پر نظر ڈالو وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَیِّ (اور زندے سے مردہ پیدا کرتا ہے)۔

اس کو جانو اور سمجھو۔ حضرت آدمؑ کی ثابت قدمی دیکھو کہ لغزش کا نقصان بھول نہ سکے اور شیطان کی محرومیت دیکھو کہ طاعت کا ثبوت کوئی فائدہ نہ پہنچا سکا۔ چنانچہ جو لوگ بلائے گئے ہیں ان کے لیے لَهُمُ الْبُشْرٰى (ان کو بشارت ہے) کا مژدہ ساتھ ساتھ ہے۔ اور جو راندے گئے اُن کی راہ میں لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ (آج مجرموں کو کوئی بشارت نہیں ہے) کا خطاب ہے۔ جس طرح سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ (اُن کی پیشانیوں پر سجدوں کے نشان ہیں). کا بیان ہے۔ اسی طرح يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمَاهُمْ (گنہگار اپنی پیشانیوں سے پہچانے جائیں گے)۔ رباعی

غافل منشین زخویش چون بے خبرے حاصل کن ازین جہان فانی ہنرے
خود بنشیند غبار و شک برخیزد کاسپ ہست بزیر رانت یا لاشہ خرے

(بے خبروں اور نادانوں کی طرح غافل مت بیٹھ۔ اس مٹ جانے والی دنیا سے کوئی ہنر حاصل کر۔ گرد و غبار خود ہی بیٹھ جائے گا اور شک و شبہ باقی نہ رہے گا کہ جس سواری پر تو سوار ہے وہ گھوڑا ہے یا مردار گدھا)۔ تم سے جہاں تک ہو سکے شکستہ دل اور خراب حال رہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خدا سے گفتگو کرتے وقت کہا یَا رَبِّ اَیْنَ اَطْلُبُكَ قَالَ عِنْدَ الْمُنْكَسِرَةِ قُلُوْبُهُمْ لِاَجْلِیْ (اے پروردگار، میں تجھے کہاں ڈھونڈوں؟ جواب ملا اُس دل میں جو میری قضا کی چوٹ سے ٹوٹا ہوا ہے)۔ آپ نے کہا، خداوندا مجھ سے زیادہ شکستہ دل اور ناامید کوئی اور نہ ہوگا۔ ارشاد ہوا میں بھی وہیں ہوں جہاں تو ہے۔ آدمی کے ہاتھ میں جب تک ڈھال ہوتی ہے وہ اپنی زندگی سے ہاتھ نہیں دھوتا۔ جب سپر پھینک دی، گھوڑے کی کوچیں کاٹ ڈالیں اور تلوار کھینچ کر زمین پر اُتر آیا۔ البتہ اُس وقت کہا جا سکتا ہے کہ یہ جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ ایک بزرگ کہتے ہیں میں ایک فقیر کی عیادت کو گیا اور کہا لَيْسَ بِصَادِقٍ فِيْ حُبِّهٖ مَنْ لَّمْ يَصْبِرْ عَلٰى ضَرْبِهٖ (جو کوئی معشوق کی محبت میں اُس کے جور و جفا پر صبر نہیں کرتا وہ محبت میں سچا نہیں ہے)۔ اُس نے سر اُٹھا کر کہا لَيْسَ بِصَادِقٍ فِيْ حُبِّهٖ مَنْ لَّمْ يَتَلَذَّذْ بِضَرْبِهٖ (جو کوئی معشوق کے جور و جفا میں لذت نہ پائے، وہ محبت میں سچا نہیں ہے۔ عراق کے مشائخ نے کہا ہے۔" وہ شخص معرفت کی سرحد میں قدم نہیں رکھ سکتا جس کے نزدیک منع و عطا (دینا اور نہ دینا) برابر نہ ہو جائے۔

جب حضرت امام شبلی نے یہ سنا تو فرمایا یہ غلط ہے۔ آدمی اُس وقت عارف ہوتا ہے جب اُس کے نزدیک منع کو عطا پر فوقیت حاصل ہو جاتی ہے۔ کیونکہ منع، خصوصیت کے ساتھ مرادِ حق ہے، اور بخشش و عطا بندے کی مراد سے تعلق رکھتی ہے۔ اور حقیقتہً عارف وہی ہے جو اپنی مراد میں اللہ کی مراد پر قربان کر دے۔ والسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اٹھتّرواں مکتوب ۷۸

خوف اور رجا کے بیان میں

میرے بھائی شمس الدین، اللہ تمھیں سلامت رکھے۔ سلام اور دعا کے بعد معلوم ہو کہ مرید کیلئے خوف اور امید ایسا ہی ضروری ہے جیسا پھلوں کے لیے سایہ اور دھوپ۔ اگر ہمیشہ سایہ ہی ہوتا تو پھل نہ پکتے اور اگر ہمیشہ دھوپ ہی ہوتی تو وہ جل جاتے۔ جب تک یہ دونوں جمع نہ ہو جائیں باغ جہاں میوۂ مقصود سے بار آور نہیں ہوتا۔ اسی طرح مرید کے لیے پیر کی نوازش ولطف کا سایہ اور اس کے آفتابِ قہر کی گرمی، زمانے میں اُس کو پختہ کر دیتی ہے۔ کبھی بغیر سبب کے، نوازشیں کہتی ہیں کہ یہاں آجا۔ کیونکہ یہاں کتّوں کے پاؤں کی گرد سے دوستوں کی آنکھوں کا سرمہ بنایا جاتا ہے اور وَكَلْبُهُم بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيدِ (اُن کا کتّا چوکھٹ پر پاؤں پھیلائے ہوئے ہے)۔ کی خلعت سے قیامت تک نوازتے ہیں۔ اور کبھی وہ قہر و جلال جو بغیر کسی سبب کے ہوتا ہے ڈانٹ دیتا ہے اَلْحَذَرْ اَلْحَذَرْ (دُور ہو۔ دُور ہو)۔ وہ معلّم الملکوت جو سات لاکھ برس تک معتکفِ درگاہ رہ چکا تھا اُس کے بدن سے ملکوتی پوشاک اتار پھینکی۔ اور وَاِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيْ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ (اور تجھ پر قیامت تک میری لعنت ہے) کا داغ اُس کی پیشانی پر لگا دیا۔ حضرت عمرؓ جو ایک بیگانے تھے اُن کو بت خانے سے اُٹھا کر لاتے ہیں اور کہتے ہیں اَنَا لَكَ شِئْتَ اَمْ اَبَيْتَ۔ وَاَنْتَ لِيْ شِئْتَ اَمْ اَبَيْتَ (میں تیرے لیے ہوں تو چاہے یا انکار کرے۔ اور تو میرے لیے ہے تو چاہے یا انکار کرے)۔ اور کبھی اُس بلعم باعور کو جو یگانۂ روزگار تھا اور اسمِ اعظم کی خلعت رکھتا تھا مسجد سے باہر نکال کر کتّوں کے طویلے میں باندھ دیتے ہیں اور کہتے ہیں فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ

یَلْهَثْ (اس کی مثال ایک کتے کی ہے کہ جب اُس پر بوجھ لادا جاتا ہے تو ہانپتا ہے اور نہیں لادا
جاتا تو بھی ہانپتا ہے)۔ کبھی ہزاروں رنج وبلا کی چکیاں مرید کے سینے پر رکھ کر مردُود کر دیا کرتے ہیں۔
اور کبھی خلوتِ قدس کے لاکھوں رہنے والوں کو اُن کے استقبال کے لیے بھیجتے اور پُرتپاک خیر مقدم
کر کے بلاتے ہیں۔ کبھی پہاڑ برابر نعمتیں بخشتے اور کبھی ایک ایک تنکے کا حساب لیتے ہیں کبھی بہشت
میں صدارت کی مسند پر بٹھاتے ہیں اور کبھی نکال باہر کرتے ہیں۔ اور در پر پڑے رہنے کی بھی اجازت
نہیں دیتے۔ اسی طرح کبھی اُس کو اُس کی حقیقت سے آگاہ کرتے ہیں اور کبھی اُسے اپنے آپ سے بےخود
اور مدہوش کر دیتے ہیں۔ جب اُس پر اپنی حقیقت کھل جاتی ہے تو پکار اُٹھتا ہے "اے خدا! مجھے کتوں
ہی کی جگہ کے لیے قبول فرما۔ اور جب اُسے بےخود بناتے ہیں تو وہ اَنَا الْحق! اور سُبْحَانِیْ کی رٹ لگاتا
ہے۔ یہ دونوں باتیں ہی ٹھیک ہیں۔ جہاں تک آب و گل کا تعلق ہے کتّے کے سوا اور کیا قدر ہو سکتی
ہے۔ اور جہاں وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ (میں نے اُس میں اپنی رُوح پھونک دی) کا تعلق ہے وہاں
اَنَا الْحق اور سُبْحَانِیْ کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ یہاں علم وعقل اوندھے ہو گئے ہیں اور پیر و مرید
حیران و ششدر ہیں۔ اس جگہ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ (جو ارادہ کرتا ہے وہی کرتا ہے)۔ یَفْعَلُ اللّٰہُ
مَا یَشَآءُ وَیَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ (اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو ارادہ کرتا ہے اسی کا حکم دیتا ہے) کا
عمل اور دَور دَورہ ہے۔ یہاں گرانا اُٹھانا، راندنا بلانا، کبھی نوازش وکرم اور کبھی خشم اور بےرخی
تم جانتے ہو کیا ہے؟ ملک ومال کی بلاؤں کو اُکھاڑ پھینکنا ہے اور شرابِ لطف پلا کر مست کر دینا ہے
اور زمانے کی گردش میں سختیاں جھیل کر پختہ کرنا ہے۔ جیسا کہ وہ پھل، اگر رجا ہی رجا ہو گی تو سستی اور
کاہلی کے سبب خام رہ جائے گا اور اگر سر تا پا خوف ہی خوف ہو گا تو نا امیدی کی بھٹی میں جل کر راکھ ہو
جائے گا۔ اس لیے ضرورت ہے کہ خوف ورجا برابر قوام کر کے معجون بنایا جائے تاکہ مرید کی بیماری کا
علاج ہو سکے۔ کہا جاتا ہے کہ مرید کے لیے خوف ورجا پرندوں کے دو شہپر کی حیثیت رکھتے ہیں۔
اگر دونوں پر برابر ہیں تو سیدھا اُڑے گا اور اگر ایک کم اور ایک زیادہ ہو گا تو ٹیڑھا اُڑے گا۔
اور اگر صرف ایک ہی پر ہو گا اور دوسرا نہ ہو گا تو یقیناً وہ پرندہ مر جائے گا۔ مشائخ کی کتابوں میں
ہے کہ رجا اتنی ہونی چاہیے کہ اگر دنیا بھر کے گناہ اور نافرمانی تنہا ایک شخص میں ہوں اور وہ یہ آواز
سنے کہ "بہشت میں ایک شخص کے سوا دوسرا نہ جائے گا" تو وہ یقین کر لے کہ وہ میں ہی ہوں۔ اور خوف بھی

اتنا ہو کہ اگر سارے جہان والوں کی طاعت و عبادت کسی ایک شخص میں ہو اور وہ یہ آواز سنے کہ "دوزخ میں بجز ایک آدمی کے دوسرا نہ جائے گا" تو وہ یقین کرلے کہ وہ آدمی میں ہی ہوں۔

مگر مرید کے لیے رجا پر خوف کا غلبہ زیادہ اچھا ہے۔ سالکانِ طریقت پر خوف اتنا طاری رہا ہے کہ اگر کوئی صاحب نظر دیکھتا تو کہتا کہ یہ تو رحمتِ حق سے بالکل ناامید ہو چکے ہیں ہم تو یہی جانتے ہیں کہ مریدوں میں یہ باتیں جتنی دیر میں اپنے مجاہدہ و خلوت نشینی سے حاصل ہوتی ہیں اُس سے کہیں زیادہ جلد اس گروہ کی خدمت سے میسر ہو جاتی ہیں۔ اصحاب کہف کی کہانی ہر عقلمند کے لیے اس پر گواہ ہے۔ وہ محض ایک کتا تھا جو مردانِ حق کی خدمت میں رہ کر چند قدم چلا انسانی شرف نصیب ہوا۔ ؎

سگِ اصحابِ کہف روزے چند پئے نیکاں گرفت مردم شد

(اصحاب کہف کا کتا چند روز نیکوں کی صحبت میں رہا آدمی بن گیا)۔ بعض صحابہؓ میں سے شروع شروع بتوں کے سجدہ کے لیے جھکے اور زنار باندھ کر غفلت و بیگانگی میں عمر کا حصہ بسر کیا اور یکایک انھیں حضرتِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی دولت مل گئی چند دن اس آستانے پر جبہہ سائی کا شرف حاصل ہوا، پھر کیا تھا مرید سے مراد اور بیگانہ سے یگانہ بن گئے ہر ایک خلیفۂ اسلام اور مقتدائے دین بن گیا۔ یہ تو اس دنیا کا حال ہے جب کل آئے گا تو ان میں سے ہر ایک کا چمکتا ہوا چہرہ سورج اور چاند کی طرح تم چمکتا ہوا دیکھو گے۔ نقل ہے کہ جب اہلِ بہشت جنت میں داخل ہو چکیں گے اور حور و قصور کے ساتھ شراب طہور کا جشن مناتے ہوں گے اُس وقت اچانک ایک بجلی کی کوند نظر آئے گی جس کی چمک دیکھ کر جملہ ساکنانِ خلد بریں سجدے میں گر جائیں گے اور پکار اُٹھیں گے اَلْجَبَّارُ اَطْلَعَ عَلَیْنَا (ہم پر خداوند تعالےٰ نے تجلّی فرمائی ہے)۔ کہا جائے گا افسوس اے ناواقفو! ایسا نہیں ہے بلکہ حضرت امیر المومنین عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ ابھی ابھی ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں تشریف لے گئے ہیں۔ یہ چمک آپ کی چادر کے ایک کونے کی تھی۔ اسی سے سمجھ لو کہ اس گروہ کی صحبت اور خدمت کیا چیز ہے۔ ؎

شرف خواہی بہ گردِ مقبلان گرد کہ زود از مقبلان مقبل شود مرد

(اگر تو بزرگی چاہتا ہے تو برگزیدہ لوگوں کے آستانے کا چکر کاٹ، کیونکہ بزرگوں کی صحبت سے آدمی جلد برگزیدہ ہو جاتا ہے)۔ تم جو کچھ کرو اگرچہ وہ تھوڑا ہی سہی لیکن خلوصِ دل اور صداقت سے کرو خلوص تو وہ ہے کہ اس راہ میں خلق اللہ کا خیال ہی نہ آئے (کہ لوگ دیکھیں) اور صداقت یہ ہے کہ اپنے آپ کو بھی بھلا دو۔ جب تم اس مقام تک پہنچ گئے، اور یہ خونخوار بیابان طے کر چکے تو تمھارے ساتھ ریا و عُجب کا کوئی واسطہ اور سروکار نہ رہا۔ جب یہ دونوں حجاب اُٹھ گئے تو تمھارے لیے اُس درگاہِ مقدس میں کوئی روک ٹوک اور پردہ کہاں۔ مُکَاشِفَةٌ فِیْ مُکَاشِفَةٍ۔ نُوْرٌ فِیْ نُوْرٍ (مکاشفہ میں مکاشفہ اور نور میں نور نظر آئے گا۔ پردہ تو نامحرم کے لیے ہے۔ جب تم محرم ہو گئے تو حجاب اُٹھ گیا۔ محرم وہی ہے جس نے اپنی ذات سے بیگانگی کی نجاست اور ناپاکی کو غسل دے کر پاک کیا ہو۔ کیونکہ تمھارا قرب اپنے سے دُور ہو جانے میں ہے۔ اور قرب کا ادنیٰ اور معمولی نشان مراقبہ اور محافظت ہے۔ درحقیقت جس راہ رَو نے ذرہ بھر بھی اپنے آپ کو کسی محل، مرتبہ یا مقام کے لائق سمجھا اور اپنے اوپر نظر ڈالی وہ عالمِ بُعد اور مکر میں ہے نہ کہ قرب میں۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ فرشتوں نے بہت خوش ہو کر اپنے اعمال دیکھے اور بول اُٹھے۔ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ (ہم تیری حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں) شہنشاہِ فرامین اور حاکمِ امورِ عالم ارادہ سے باہر نکلا اور حکم دیا اُسْجُدُوْا لِاٰدَمَ (اس مشتِ خاک آدمؑ کو سجدہ کرو) تاکہ تمھاری تسبیح کی قدر و قیمت تمھاری آنکھوں سے گر جائے۔ والسلام۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اُناسیواں مکتوب ۷۹

رُوح کے بیان میں

میرے بھائی شمس الدین سنو، رُوح کے متعلق لوگوں میں اختلاف ہے۔ ایک گروہ اس کو جسم اور دوسرا جوہر کہتا ہے، کوئی عرض، کوئی قدیم، کوئی حادث سمجھتا ہے۔ مذہب ترسا اور بعض فلاسفہ کے یہاں قدیم ہے۔ لیکن سنت والجماعت کا یہ مذہب اور عقیدہ ہے کہ ہم اُسے

صرف روح کہیں ماہیت و کیفیت کے متعلق اپنی زبان سے کچھ نہ کہیں۔ حضرت خواجہ جنید رحمۃ اللہ علیہ نے اسی لیے فرمایا ہے اَلرُّوْحُ شَیْءٌ اِسْتَاثَرَہُ اللّٰہُ بِعِلْمِہٖ وَلَمْ یَطَّلِعْ عَلَیْہِ اَحَدٌ مِنْ خَلْقِہٖ وَلَا یَجُوْزُ الْعِبَارَۃُ عَنْہُ بِاَکْثَرَ مِنْ مَوْجُوْدٍ لِقَوْلِہٖ تَعَالیٰ یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ ۔ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ ۔ (روح ایک ایسی چیز ہے جس کو اللہ تعالےٰ نے اپنے علم میں چھپا لیا ہے اور مخلوق میں سے کوئی بھی اس کی حقیقت سے خبردار نہیں اور موجودات میں سے کسی چیز سے اس کی تعبیر کرنا جائز نہیں ہے جیسا کہ خدا خود فرماتا ہے "لوگ روح کے بارے میں تم سے سوال کرتے ہیں تم کہہ دو کہ روح امر رب ہے") مذہب یہی کہتا ہے جو خواجہ علیہ الرحمہ نے کہا ہے۔ ائمہ اور فقہا کا اعتقاد بھی یہی ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اس کی ہستی کی خبر یوں دی ہے کہ یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ ۔ (لوگ آپ سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں) تو یہ کہہ کر اس کی قدامت کی نفی کر دی کہ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ (تو فرما دیجیے کہ روح اپنے رب کا ایک امر ہے) کیونکہ امر کے تحت سوائے مخلوق اور محدث کے اور کوئی نہیں آتا۔ تو خدا نے جو فرما دیا ہے ہم اسی کا اقرار کرتے ہیں۔ اور یہ نہیں کہتے کہ وہ کیا ہے، کہاں ہے؟ کیونکہ خدا نے ہمیں اس کی کیفیت اور ماہیت سے مطلع نہیں کیا۔ بزرگوں نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ خداوند تعالےٰ نے جملہ مخلوقات میں سے ایک مخلوق کو جس کو روح کہا جاتا ہے ہم پر ظاہر نہیں کیا کہ وہ کیا ہے؟ کہاں ہے؟ یہاں تک کہ خلق اس کی شناخت سے عاجز ہو گئی۔ یہ اس لیے کہ مصنوع کو صانع کے تبلائے بغیر ہم نہیں جان سکتے، تو صانع کو جب تک خود صانع نہ بتائے ہم کیونکر جان سکتے اور پہچان سکتے ہیں۔ قطعہ

بشنو ایں خطاب را ساختہ شو جواب را ذرہ مر آفتاب را گشتہ عظیم آیتے

جملہ ملوک راہ دین جملہ ملائک امین سجدہ کناں کہ اے صنم بہر خدائے رحمتے

(یہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ یہ خطاب سن اور جواب کے لیے تیار ہو جا۔ ذرہ آفتاب کے یے ایک بہت بڑی نشانی ہے۔ دین کے راستے کے سلاطین وپیشوا اور تمام معتمد فرشتے سجدہ کر رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ اے صنم خدا کے لیے ہمارے اوپر رحمت فرما) دوسرے بزرگ کہتے ہیں ؎

تنت زندہ بجان و جان نہ مانی تو از جان زندہ و جان را ندانی

زہے صنعِ نہان و آشکارا کہ کس را جز خموشی نیست چارا

(تیرا بدن رُوح سے زندہ اور متحرک ہے لیکن تو خود جان نہیں ہو جاتا۔ جان ہی سے تو زندہ اور چل پھر رہا ہے لیکن تو جان کو نہیں جانتا۔ سبحان اللہ! یہ پوشیدہ اور ظاہر صنعتیں کہ خموشی کے سوا کسی کو کوئی چارہ نہیں)۔ وَسُئِلَ اَبُوْبَکْرُ الْقَحْطِیُّ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ عَنِ الرُّوْحِ فَقَالَ لَمْ یَدْخُلْ تَحْتَ ذُلِّ کُنْ (ابوبکر قحطی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ رُوح کیا ہے؟ آپ نے کہا کہ روح کُن کے ماتحت نہیں پیدا ہوئی)۔ تو کہنے والے کے نزدیک اس کا یہ مقصد ہوا کہ رُوح کچھ نہیں ہے مگر زندہ کرنا اور جان ڈالنا۔ یعنی خداوند عزوجل نے جسم کو زندہ کر دیا وہ زندہ ہو گیا۔ وَالْاِحْیَاءُ صِفَۃُ الْمُحْیِیْ (زندہ کرنا اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے) وَالتَّخْلِیْقُ صِفَۃُ الْخَالِقِ (جس طرح پیدا کرنا خالق کی ایک صفت ہے)۔ اور اس کی یہ دلیل دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ (روح امرِ خداوند ہے) امرِ خدا خدا کا کلام ہے اور خدا کا کلام غیر مخلوق ہے۔ یہ ایسا ہے گویا کہنے والا کہہ رہا ہے کہ بدن جو زندہ ہوا ہے وہ خدائے عزوجل کے قول سے زندہ ہوا ہے یعنی کُنْ حَیًّا (زندہ ہو جا) وہ زندہ ہو گیا۔ اس کے سوا روح کی بدن میں کوئی حقیقت نہیں ہے۔ لیکن بزرگوں نے کہا ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے۔ بلکہ صحیح یہ ہے کہ ایک حقیقت ہے روح، جو مخلوق جسم میں پیدا کی گئی ہے۔ مگر یہ جو کہا لَمْ یَدْخُلْ تَحْتَ ذُلِّ کُنْ (وہ کن کے ماتحت نہیں آئی ہے) یہ اس کی قدامت کی طرف اشارہ ہے کیونکہ اشیاء کی دو قسمیں ہیں۔ محدث یا قدیم۔ محدث (فانی) کن تحت میں داخل ہیں۔ اور قدیم (باقی) کن کے تحت میں نہیں آتیں۔ اس لیے روح کو قدیم کہا۔ کیونکہ موجوداتِ عالم میں جو شے محدث نہیں وہ قدیم ہو گی۔ اور یہ باطل ہے۔ کیونکہ جس رُوح سے جسم میں جان آتی ہے وہ جسم کی صفت ہے۔ کیونکہ یہ جائز نہیں کہ کوئی ذات ایسی صفت کے ساتھ موصوف ہو جو اُس کے غیر میں پائی جاتی ہو۔ تو درست ہو گیا کہ روح اس زندہ جسم کی صفت ہے اور جسم محدث ہے تو محال ہے کہ محدث کی صفت قدیم ہو جس طرح ذاتِ قدیم کی صفتِ محدث محال ہے۔ لیکن یہ جو کہا لَیْسَ اِلَّا الْاِحْیَاءُ وَالْاِحْیَاءُ صِفَۃُ الْمُحْیِیْ کَالتَّخْلِیْقُ صِفَۃُ الْخَالِقِ (نہیں ہے مگر زندہ کرنا۔ اور زندہ کرنا زندہ کرنے والے کی صفت ہے جس طرح پیدا کرنا خالق کی صفت ہے)۔

یہ صحیح استدلال نہیں۔ کیونکہ اگر یہ دلیل رُوح کے ساتھ قائم کی جائے تو کیا وجہ ہے اور صفات پر قائم نہ کی جائے۔ یہاں تک کہ کہیں جو چیز ساکن ہے اپنے سکون سے ساکن نہیں بلکہ مسکّن کی تسکین سے ساکن ہے۔ اور متحرک اپنی حرکت سے متحرک نہیں بلکہ محرک کی تحریک سے متحرک ہے۔ اسی طرح خواب و بیداری، تندرستی اور بیماری جو مخلوقات کی صفتیں ہیں اسی پر قیاس کی جائیں گی اور کہنا پڑے گا کہ یہ سب کُن کے تحت میں نہیں ہیں۔ اور یہ درست نہیں تو وہ بھی درست نہیں۔ اور وہ جو خداوند کریم کے قول سے استدلال کیا قُلِ الرُّوحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ (کہدو روح امر رب ہے) اور اس کا امر اس کا کلام ہے، اس کا کلام مخلوق نہیں۔ یہ استدلال خطا واقع ہوا ہے۔ کیونکہ خدا نے قُلِ الرُّوحُ اَمْرِ رَبِّیْ (کہدو کہ رُوح امر رب ہے) نہیں کہا جس سے رُوح کا امر و کلام حق ہونا ثابت ہوتا بلکہ (مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ (امر رب سے ہے) کہنے سے روح کا ثبوت ہو گیا۔ یعنی روح میرے امر میں سے ہے یہ دلیل ہے کہ رُوح بنفسہٖ امر نہیں بلکہ امر کے ماسوا ہے۔ اگر اس دلیل سے یہ ثابت ہو جائے کہ روح غیر مخلوق ہے تو لازم آئے گا کہ تمام چیزیں غیر مخلوق ہوں۔ کیونکہ جس طرح رُوح اس کے امر سے ہے اسی طرح ہر شے اُس کے امر سے ہے کہ وہ امرِ تکوین ہے۔ کائناتِ عالم میں عرش سے تحت الثریٰ اور ازل سے ابد تک ہر شے کُن فیکون کے تحت میں ہے۔ محدثات کی یہی صفت ہے کہ اُس نے کُنْ فَیَکُوْن (کہا ہو جا اور وہ ہو گئی) ساری کی ساری محدث ہیں قدیم نہیں تو محال ہے کہ رُوح قدیم ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر و بیشتر حضرات اس گروہ کو ضال اور گمراہ کہتے ہیں اور اُس کے کفر پر گواہی دیتے ہیں جو رُوح کو قدیم کہتا ہے۔ قوم ترسا کو بھی اس سے موقع مل گیا اور وہ کہنے لگے کہ خود اسلام کا ایک طبقہ ہمارا ہم نوا ہے اور رُوح کو قدیم کہتا ہے۔ اور اس طائفے پر لعن وطعن کرنے لگے۔ حالانکہ کسی گروہ نے ایسا نہیں کہا ہے۔ وہ الفاظ جو ابوبکر قحطی کے ہم نے دُہرائے، ایک گروہ نے اپنی کتاب میں لکھ کر اس سے دلیل قائم کی ہے خدا جانے اُن بزرگ کے وہ الفاظ ہیں بھی یا نہیں؟ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان ملحدوں نے اپنے مذہب کی تقویت اور اہلِ اسلام کی بُرائی ظاہر کرنے کے لیے اپنی طرف سے الٹی سیدھی بات جوڑ دی ہو۔ اور اگر تھوڑی دیر کے لیے ابوبکر قحطی کے وہ الفاظ و اعتقاد صحیح مان لیے جائیں تو محض ایک شخص کی خطا سے سارا گروہ گمراہ اور ضال نہیں کہا جا سکتا۔ یا ہم نے جو بیان کیا ہے کہ ان الفاظ سے ان کی یہ مراد نہیں کہ رُوح قدیم ہے۔ لیکن رُوح معنی امر ہے محی (زندہ کرنے والے کی طرف سے۔ یہ حی کی صفت نہیں

اس کے یہ مطلب تو نہیں کہ رُوح کو قدیم کہہ دیا۔ ہاں، اُن بزرگ کے استدلال میں خطا واقع ہوئی ہے اور اگر مجتہد کو استدلال میں خطا واقع ہو تو وہ کافر نہیں ہو جاتا۔ اور جب وہ کافر نہیں تو اُس کی خطا سے سارا گروہ کیونکر کافر ہوگا۔ حالانکہ سبھی کا خیال ہے کہ اس استدلال میں انھوں نے خطا کی ہے۔ اگر اس وجہ سے طائفہ ضال کہے جانے کا مستحق ہے تو دنیا میں کسی محقق کا وجود ناممکن ہے۔ کیونکہ اہلِ حق کا کوئی ایسا گروہ نہیں ہے جس نے اجتہاد میں خطا نہ کی ہو۔ اور جب انھیں کوئی کافر نہیں کہہ سکتا تو یہاں بھی یہی سمجھنا چاہیے۔ حقیقت کا بہت بڑا جاننے والا خدا ہی ہے۔ صاحب تعرف رحمۃ اللہ علیہ نے روح، نفس، قلب اور دنیا کی ایک تعریف کی ہے جس پر اہل اسلام کا اعتقاد ہے اور اُس کو ایک بنیاد پر قائم کیا ہے اس میں سے ہم یہاں تھوڑا سا بیان کرتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ روح، قلب، نفس اور دنیا یہ وہ چار چیزیں ہیں کہ خداوندِ پاک نے قرآن شریف میں ان کا ذکر کیا ہے۔ اور اِن چاروں کے وجود کو شریعت بھی مانتی ہے۔ اور اِنھیں چاروں کے وجود پر خلق کا اجماع ہے۔ لیکن قرآن، شریعت اور خلق نے جو کچھ کہا ہے وہ ان کی تاثیرات افعال اور صفات کے متعلق کہا ہے کہیں ان کی حقیقت و ماہیت بیان نہیں کی۔ خواجہ عطار رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ؎

جان بلندی داشت تن پستی زخاک مجمع شد خاکِ پست و جانِ پاک

چون بلند و پست باہم یار شد آدمی اعجوبۂ اسرار شد

(جان بلند و برتر تھی اور جسم مٹی کی وجہ سے پستی کی طرف مائل تھا۔ پھر جسم کے ساتھ جان ملائی گئی۔ اور جب یہ دونوں بلندی و پستی کی آمیزش سے باہم یار ہو گئے تو انسان اسرارِ خداوندی کا ایک اعجوبۂ بے مثال ہو گیا)

لیک کس واقف نہ شد ز اسرارِ اُو نیست کارِ ہر گدائے کارِ اُو

(لیکن اُس کے اسرار سے کوئی واقف نہ ہوا۔ ہر شخص کا کام بھی نہیں کہ وہ ان باتوں کو سمجھ سکے

چند گوئی جز خموشی راہ نیست زانکہ ہرگز زہرۂ یک آہ نیست

کہاں تک کہے گا۔ سوائے چپ رہنے کے کوئی چارہ نہیں ہے کیونکہ کسی کا اتنا بھی کلیجہ نہیں کہ ایک آہ بھی کر سکے۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ اگر رُوح کی ماہیت کے متعلق عقل دوڑانا جائز ہوتا تو اس کے

لیے سب سے افضل و اَولیٰ شخصیت پیغامبر علیہ السلام کی تھی جب حضورؐ سے روح کے متعلق پوچھا گیا تو آپ عقل سے جواب دیتے۔ کیونکہ آپ کی عقل وفہم موحّد و ملحد اور ساری مخلوق سے کامل ترین تھی، تاکہ موحدین کی جماعت حضورؐ کو رسول جانے کیونکہ یقیناً رسول عاقل ترین ہوتا ہے اور ملحدین کا گروہ آپ کو ابو جعفر حکیم کہے۔ کیونکہ حکیم کامل العقل ہوتا ہے تو حضورؐ کے کامل العقل اور اکمل ترین فہم و فراست پر سب کا اتفاق ہے۔ اس کے باوجود آپؐ نے رُوح کے متعلق سوال کا جواب عقلاً نہیں دیا۔ بلکہ توقف فرمایا یہاں تک کہ جواب (امر) کا حکم آیا جس نے روح کا وجود ثابت کیا کیفیت و ماہیت بیان نہیں کی۔ حضور کے کمالِ عقل نے واجب کر دیا کہ روح کی کیفیت و ماہیت کے اظہار میں خاموشی اختیار کی جائے۔ اور ہماری پست عقلوں کے لیے تو اور بھی اَولیٰ تر ہے کہ اس وجوب کی تعمیل کرے۔ ہم لوگ شریعت کے بندے ہیں احکامِ شریعت پر سر جھکا دیں۔ جس طرح شریعت نے روح ثابت کی اور کیفیت و ماہیت میں خاموش رہی۔ ہم بھی خاموش رہیں ؎

خواجہ ام القصہ کہ در بندِ ماست   گرچہ خدا نیست خداوندِ ماست

(ہمارا مالک ہمیشہ ہماری فکر میں ہے۔ اگرچہ وہ خدا نہیں ہے لیکن ہمارا آقا اور سرپرست ضرور ہے)

این مگو چون در اشارت نایدت   دم مزن چون در عبارت نایدت

(جب وہ اشارے میں نہیں آسکتا تو یہ اور وُہ مت کہہ۔ اور جب وہ کسی عبارت و بیان میں آہی نہیں سکتا تو زبان مت کھول)۔ مشائخ رضوان اللہ علیہم اجمعین کہتے ہیں کہ بعض بزرگوں نے روح کو دیکھا ہے اور ہر ایک نے جدا گانہ صورت میں اس کا مشاہدہ کیا ہے۔ اور یہ جائز ہے۔ جیسا کہ ہم نے کہا کہ وہ موجود ہے تو دیکھنے کے قابل بھی ہو سکتی ہے۔ کیونکہ خداوند تعالےٰ کا دیدار جائز ہے۔ اس لیے کہ وہ موجود ہے تو رُوح جو اس کی مصنوع ہے اور موجود بھی ہے تو وہ بھی مشاہدے کے لائق ہو سکتی ہے۔ کیونکہ مصنوع صانع سے زیادہ لطیف نہیں ہو سکتا جب وہاں رویت جائز ہے تو یہاں بھی جائز ہو گی۔ اگر خدا چاہے کہ بندے کو اپنا جلوہ دکھائے تو دکھا دیتا ہے۔ جس طرح بھی وہ چاہے اس میں کسی زبان کو چون وچرا کرنے کی مجال نہیں۔ جیسا کسی نے کہا ہے۔ ؎

ستانی زبان از رقیبانِ راز		کہ تا رازِ سلطان نگویند باز
کرا زہرۂ آنکہ از بیمِ تو		کشاید زبان جز بہ تسلیمِ تو

(رقیبانِ راز سے اپنی زبان کو روک لے تاکہ وہ بادشاہ کے راز کو افشا نہ کر دیں۔ کس کو مجال ہے کہ تیرے خوف سے رضا و تسلیم کے سوا زبان کھول سکے۔ اے بھائی، یہاں حیرت ہی حیرت ہے اور سارا علم و عقل سرگرداں ہے۔ جب وہ چاہتا ہے کہ ہزاروں عاشقانِ صادق کی جانوں اور دلوں کو برباد کر دے تو سلطانِ بے نیازی کو اشارہ کر دیتا ہے۔ اور جب چاہتا ہے کہ ہزاروں دل جلے عاشقوں کے جگر کو کباب کرے مشیئت کے چہرے سے غرت کے آنچل کا گوشہ چمکا دیتا ہے۔ پھر بھلا کون ہے جو اُس کی شرابِ محبت سے مستانہ نہیں اور کون ہے جو اُس کی عظمت و جلال کے سامنے سرنگوں نہیں اور کون ہے جو اس کی شرابِ غرت سے مخمور نہیں۔ اور کون ہے جو اُس کے قہر کی تلوار سے دل فگار نہیں۔ ؎

عشق بازی ساختی دست از دل و دیدہ بشوی		این خود امروز ہست لیکن باش تا فردا شود

(جب تو نے عشق بازی کی ہے تو دیدہ و دل سے ہاتھ دھو ڈال۔ آج تیرا یہ حال ہے ذرا ٹھہر جا اور دیکھ کہ کل کیا ہوتا ہے)۔ یہ کام بھی عجیب ہے۔ حضرت موسیٰؑ سے کہا لَنْ تَرَانِی (تو مجھے نہیں دیکھ سکتا)۔ پھر فرمایا اُنْظُرْ اِلَی الْجَبَلِ (پہاڑ کی طرف دیکھ)۔ پھر ارشاد ہوا اِذْهَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ (فرعون کے پاس جا)۔ دیکھو، اہلِ عشق و محبت کے ساتھ اُس کی بزرگی و برتری کیا کیا کرتی ہے؛ بیان کرتے ہیں کہ جب مہتر موسیٰ علیہ السلام اس مقام پر پہنچے اور اُن کے ساتھ وہ واقعات پیش آچکے تو چاہا کہ اپنے بال بچوں کے پاس لوٹ آئیں خطاب ہوا وَقَعْتَ فَاسْتَمْسِكْ جب جال میں پھنس چکے اور ہمارے نام پر دل تصدق کر دیا اور ہمارے راستے میں سر رکھ دیا تو دل کو غم و اندوہ کے سپرد کر دو۔ اور جان کو خطرے میں ڈال دو۔ قطعہ۔

دل بر اندہ وقف باید کرد جان را بر خطر		ہر کرا در عشق بت رُویان دلے یکتا بود
از دل و جان و دو دیدہ وامقے باید شدن		ہر کرا در دل مرادِ صحبتِ عذرا بود

(جو حسینوں کی محبت میں دل یکتا رکھتا ہو اُسے چاہیے کہ دل کو غم و اندوہ کیلیے وقف کر دے اور جان خطرے میں ڈال دے۔ اور جس عذرا کا وصال مقصود ہو اُس کو چاہیے کہ جان و دل سے وامق بن جائے۔ والسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسیّ واں مکتوب ۸۰

دل کے بیان میں

بھائی شمس الدین، اللہ تعالےٰ تمھارے قلب کو روشن فرمائے۔ سنو، دل ایک شاہی خزانے کی حیثیت رکھتا ہے۔ مگر غور سے دیکھو کہ اس خزانے میں تم کیا رکھتے ہو؟ اگر اس میں جواہرات بھرے ہیں تو بیشک یہ خزانہ کہا جاسکتا ہے۔ اور اگر اس میں کوڑا کرکٹ ہے تو یہ گھاس پھوس کا انبار ہے۔ یہیں سے بزرگوں نے کہا ہے کہ ایک خزانہ تو بہشت میں ہے جس کو نعمت کہتے ہیں۔ اور ایک خزانہ عارفوں کے دل میں ہے اس کا نام محبت ہے۔ رب العزۃ کی قسم کہ ہزاروں ہزار بہشت محبت کے خزانے کے ایک موتی کے برابر بھی قیمت نہیں رکھتے۔ بہشت کے خزانے کا محافظ ایک فرشتہ ہے جس کا نام رضوان ہے۔ اور محبت کے خزانے کا نگہبان خود حضرت خداوند جل وعلا ہے اب سمجھ لو کہ تمھاری وہی قیمت ہے، کہ تم جس چیز کے طلبگار ہو۔ اگر تمھارا مطلوب کوئی کتا ہو تو تمھاری قیمت کتے ہی کے برابر ہو گی۔ اسی طرح دوسری چیزوں کو سمجھو۔ اور سگِ اصحاب کہف بھی اس کی ایک نظیر ہے۔ چونکہ اس کا مطلوب حق تھا اُس کی قیمت بھی وہی ہوئی۔ خود خداوند تعالےٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيدِ (اُن کا کتا چوکھٹ پر پاؤں پھیلائے ہوئے ہے)۔ اور بلعم باعور کا مطلوب چونکہ بجز حرص وہوا کے اور کچھ نہ تھا اس لیے اس کی قیمت بھی وہی لگی۔ تو یہ قوم نہ آسمانی ہے نہ زمینی، نہ شرقی نہ غربی، نہ عرشی نہ فرشی، نہ آدم نہ آدم کی اولاد۔ بلکہ اپنی طلب کے فرزند ہیں۔ اسی مطلب کا راز ہے جو کہا ہے اَلْفَقِيْرُ اِبْنُ وَقْتِهٖ (فقیر اپنے وقت کا فرزند ہوتا ہے۔ اب تم اپنے دل کے خزانے کو دیکھ کر خود سمجھ لو کہ تمھاری کیا قیمت ہوسکتی ہے لیکن جو دل خدا کے ساتھ اٹکا ہوا ہے اپنی قیمت کے تحت نہیں آتا۔ جو کچھ نمرود اور فرعون کو بغیر طلب کے دیا گیا اگر تم زمین پر ماتھا رگڑ رگڑ کر بھی مانگو تو ہرگز نہ ملے گا۔ اس لیے نہیں کہ یہ بہت بڑی چیز ہے، بلکہ محض اس لیے کہ وہ چیز قابلِ قدر ومنزلت ہی نہیں۔ اور یہاں تمھاری غیرت کا خیال ہے۔ ایک سائل نے کسی بادشاہ کو دیکھ کر سوال کیا "ایک درم عطا کر" اُس نے کہا یہ بخشش میری شانِ کرم کے لائق نہیں"۔ اُس نے کہا "ایک ہزار درم عنایت فرمائیے"۔ بادشاہ نے کہا۔

تیرا منھ اس عنایت کے قابل نہیں۔ کسی شخص نے خدا سے ایک لڑکا مانگا۔ مخنث لڑکا پیدا ہوا۔ اُس نے کہا۔ اے خدا، میں نے تجھ سے لڑکا مانگا تو نے مخنث دیا۔ غیب سے آواز آئی، میں تو دینا جانتا ہوں، مگر تو لینا نہیں جانتا۔" جس کو سوال کرنے کا طریقہ معلوم نہیں اُس کو ندامت ہی اٹھانی پڑتی ہے۔ جو کوئی بہشت کی طمع سے خدا کی پرستش کرتا ہے وہ اپنی لالچ کا بندہ ہے۔ اور جو کوئی دوزخ کے خوف سے اُس کو پوجتا ہے وہ دوزخ کا بندہ ہے۔ اور جو کوئی کسی چیز سے ڈرتا ہے وہ اس چیز کا بندہ ہے۔ تمھاری حقیقت وہی ہے جو تمھارے سینے میں ہے۔ آدمی وہیں رہتا ہے جہاں اس کا باطن ہوتا ہے۔ مرد کا ظاہر اُس کے باطن کی تلوار ہے۔ جو کچھ اندر ہے باہر اُس کا پوست ہے۔ اگر اندر مجازی تو باہر بھی مجازی ہے۔ اگر اس کا باطن گرفتارِ حق ہے تو اُس مرد کو مردِ حق کہتے ہیں۔ تم کو تمھاری مراد پر باندھ دیا ہے۔ تمھارا اختیار تمھاری قید ہے۔ تم کو جب حکم دیتے ہیں تو نیچے اترنے کا حکم دیتے ہیں۔ نہ کہ شکار پر ٹوٹ پڑنے کا۔ کیونکہ گدھ بڑا شکاری ہوتا ہے اور پرواز میں باز سے زیادہ قوی بازو رکھتا ہے۔ لیکن جب اُترتا ہے تو مردار پر۔ اور باز زندے پر جھپٹتا ہے۔ تو جو کچھ دنیا میں ہے مردار ہے اور جو آخرت میں ہے وہ زندہ ہے۔ اور اس گروہ کی باتیں ان دونوں ہی سے ماورا ہیں۔ جیسا کہ تم نے سنا ہے ؎

ما را بجز این جہان جہانے دگر ہست　　جز دوزخ و فردوس مکانے دگر ہست

(ہمارے لیے اس جہان کے سوا ایک دوسری ہی دنیا ہے۔ دوزخ اور بہشت کے علاوہ ایک دوسرا ہی مکان ہے)۔ اسی لیے بزرگانِ دین نے بہشت و دوزخ کی طرف کبھی توجہ نہیں کی۔ چنانچہ حضرت عبداللہ مبارک رضی اللہ کی نقل ہے کہ ایک دن گھر سے باہر نکل کر رو رہے تھے۔ لوگوں نے پوچھا آپ جیسے مقتدائے طریقت پر کیا حادثہ گذرا؟ آپ نے فرمایا کہ رات میں نے بڑی دلیری کے ساتھ ایک گناہ کیا ہے۔ اب اس کی خجالت و ندامت اُٹھا رہا ہوں۔ پوچھا گیا، وہ کیا تھا؟ آپ نے کہا، میں نے خدا سے گناہوں کی آمرزش چاہی تھی۔ مجھ کو ان فضولیات سے کیا کام؟ میں بندہ ہوں اور مجھے تو بس بندگی ہی سے سروکار ہے۔ ایک دفعہ امام جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کو بخار آ گیا۔ آپ نے دعا کی اَللّٰھُمَّ اشْفِنِیْ (اے اللہ مجھے صحت عنایت کر) ایک آوازِ غیبی سنی اَتَدْخُلُ بَیْنِیْ وَبَیْنَكَ (اپنے اور میرے درمیان تم خود

آتے ہو؟ میں نہیں جانتا کہ تمھارے ساتھ کیا کیا جائے؟ - یہ ہماری نہیں ان لوگوں کی بات ہے۔ ہماری اطاعت تو یہی ہے کہ دوزخ سے ڈرتے رہیں۔ اور بہشت کی امید رکھیں۔ اور دعا مانگا کریں کہ اس کے عذاب سے رہائی حاصل ہو۔ اور وہاں رسائی نصیب ہو۔ حضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الْجَنَّۃَ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنَ النَّارِ۔ (اے اللہ، میں تجھ سے جنت کا سوال کرتا ہوں اور دوزخ سے تیری پناہ مانگتا ہوں) کم از کم اتنا تو ہو کہ اگر عالمِ حقیقت تک نہ پہنچ سکیں تو اس دعا کے وسیلے سے دوزخ سے چھوٹ جائیں اور جنت میں داخل ہوں۔ اگر فراغت نہ پاؤ تو پل بھر ہی سہی ایسا دل حاصل کرو جس میں نہ پانے کا درد ہو یا پانے کی خوشی۔ ابوالقاسم نصرآبادی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ مشائخِ گذشتہ کے پاس جو کچھ تھا اُس میں سے آپ کے پاس بھی کوئی چیز ہے؟ کہا ہاں، اُس کا دردِ نایافت ہے۔ اور اگر تم کہو کہ ہمارے کاموں پر غور کرو۔ تو ہم پوچھیں گے کہ وہ کام کیا ہے؟ عملِ شیطانی ہے یا عملِ رحمانی؟ اگر روزانہ صبح اُٹھ کر بازار جاتے ہو اور رات گئے گھر واپس آتے ہو، تو یہود و ترسا سب یہی کرتے ہیں۔ اگر نماز پڑھتے ہو اس لیے کہ خداوند تعالیٰ دولت و نعمت میں زیادتی کرے اور فریضۂ حج اس لیے ادا کرتے ہو کہ لوگ تمھیں حاجی کہیں اور اسی طرح دوسرے کام ہیں تو تم ہمیشہ اسم و رسم میں مبتلا ہو اور تمھارا اصل مقصد تم سے چھپ گیا ہے۔ اے میرے عزیز از جان یہ جوانمردوں کی باتیں ہیں مخنثوں اور آلودہ لوگوں کی باتیں نہیں۔ یہ پاک لوگوں کا راستہ ہے ہمارے ایسے نجس اور ناپاک لوگوں کا نہیں۔ اس شراب میں دولت مندوں کا حصّہ ہے ہم بدبختوں اور بدنصیبوں کا نہیں والسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اکیاسیواں مکتوب ۸۱

نفس کے بیان میں

میرے بھائی شمس الدین اللہ تعالیٰ تمھیں عزت عطا فرمائے! سنو نفس کی حقیقت و ماہیت کے متعلق لوگوں میں اختلاف ہے اور ان کے اقوال آپس میں ایک دوسرے کی

ضد ہیں۔ لیکن اس گروہ کے محققین کے دو قول ہیں۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ نفس کا وجود جسم میں بذاتہٖ روح کی طرح ہے۔ اور دوسرا کہتا ہے کہ نفس ذات نہیں بلکہ قالب کی صفت ہے جس طرح حیات صفت ہے۔ اور اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ بُرے اخلاق اور ناپسندیدہ کاموں کا وہی سبب ہے اور یہ دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک معاصی اور دوسرے بُرے اخلاق جیسے کبر وحسد، بخل اور غصہ وغیرہ۔ اور ریاضت کے ذریعہ ان ناپسندیدہ اوصاف کو اپنی ذات سے دُور کیا جا سکتا ہے جس طرح توبہ کے ذریعہ معصیت کو۔ کیونکہ معاصی افعالِ ظاہر ہیں اور توبہ اوصافِ باطن سے ظاہر ہوتی ہے۔ یعنی جو ناپسندیدہ اوصاف باطن میں پیدا ہوتے ہیں وہ ظاہر کے صفاتِ حمیدہ سے پاک وصاف ہو جاتے ہیں اور جو ظاہر میں پیدا ہوتے ہیں وہ باطن کے اوصافِ ستودہ سے پاک ہو جاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ قالب کے اندر نفس اور روح دونوں لطیفے ہیں، جس طرح عالم میں شیاطین، ملائکہ، بہشت اور دوزخ ہیں کہ ایک محلِ خیر ہے اور دوسرا محلِ شر۔ اور شر سے سلامت رہنا بغیر ریاضت کے ممکن نہیں۔ جیسا کسی محقق نے کہا ہے ؎

قدرِ دل و مایۂ جان یافتن جز بہ ریاضت نہ تواں یافتن
گر نفسے نفس بہ فرمانِ تست شرک میا در کہ بہشت آنِ تست

(دل کی قیمت اور جان کا سرمایہ بغیر ریاضت کے نہیں پا سکتے۔ اگر دم بھر یہ نفس تیرے حکم کے تابع ہو جائے تو یقین جان کہ بہشت تیری ملکیت ہے)۔ اور انسانیت کی حقیقت کے بارے میں بھی لوگوں کا اختلاف ہے کہ کس چیز پر انسانیت کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس کا جاننا ہر طالب پر فرض ہے۔ کیونکہ جس کو اپنی ذات کی خبر نہیں اُس کو دوسروں کی کیا خبر ہو گی کہ مَنْ جَھِلَ نَفْسَہٗ فَھُوَ بِالْغَیْرِ اَجْھَلُ (جس کو اپنی ذات کا علم نہیں وہ دوسروں کی ذات کے علم سے اور بھی زیادہ جاہل ہو گا)۔ اور شریعت کا فتویٰ اس پر ہے کہ مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ اَیْ مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ بِالْفَنَاءِ فَقَدْ رَبَّہٗ بِالْبَقَاءِ (جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اُس نے اپنے پروردگار کو پہچان لیا۔ یعنی جس نے فنا کے ذریعہ اپنے نفس کو پہچان لیا اُس نے بقا کی صفت کے ساتھ اپنے رب کو پہچان لیا)۔ اور بعض نے کہا ہے مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ بِالذُّلِّ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ بِالْعِزِّ

(جس نے ذلت وخواری کے ذریعہ اپنے نفس کو پہچانا اُس نے اللہ تعالیٰ کی صفتِ عظمت و عزت کو پہچانا)۔ اور یہی کہا ہے مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ بِالْعُبُوْدِيَّةِ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ بِالرُّبُوْبِيَّةِ (جس نے اپنے نفس کو بندگی کے ذریعہ پہچانا اُس نے اپنے پروردگار کی صفتِ ربوبیت کو پہچانا) تو جس نے اپنے آپ کو نہ پہچانا وہ ہر شے کی شناخت سے محجوب ومحروم رہ گیا۔ اور ان سب کا حاصل انسانیت کی شناخت ہے۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ انسان بجز روح کے اور کچھ نہیں ہے مگر یہ غلط ہے کیونکہ رُوح قالب میں پوشیدہ ہے انسان اُس کو نہیں کہتے۔ اور ایک گروہ کہتا ہے کہ انسان کا اطلاق روح اور جسم دونوں پر ہوتا ہے جیسے دو رنگوں کا گھوڑا اسپید وسیاہ جس کو ابلق کہتے ہیں۔ اس دلیل کی بنا پر کہ خداوند تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی خاکِ بے جان کو انسان کہا ہے اُس وقت تک اس میں جان نہیں ڈالی گئی تھی۔ هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا۔ زمانے میں انسان پر ایک ایسا وقت بھی آیا ہے کہ وہ کوئی شئے مذکور، یعنی قابلِ ذکر نہ تھا)۔ اور ایک گروہ جو تصوف کا دعوے دار ہے یہ کہتا ہے کہ انسان کھانے اور پینے والا نہیں ہے۔ اس میں کوئی تغیر وتبدل واقع نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ سِرِّ خداوندی ہے۔ اور یہ جسم اس کا طلسم ہے۔ جیسا کہا ہے مثنوی

گنج در قعر ست وکشتی در طلسم	بشکنند آخر طلسم گنجِ جسم
گنج یابی چون طلسم از پیش رفت	جان شود پیدا چو جسم از پیش رفت
بعد ازان جانت طلسم دیگر ست	غیب را جانِ تو جسمِ دیگر ست
لب بدوز از عرش واز کرسی مپرس	گرچہ یک ذرہ ہمی پرسی مپرس
کس نداند کنہ یک ذرہ تمام	چند پرسی چند گوئی والسلام

(گہرائی میں خزانہ اور طلسمات میں کشتی ہے۔ آخر ایک دن جسم کے خزانے کا جادو ٹوٹ جائے گا جب طلسم ہٹ گیا تو تجھے ایک خزانہ مل جائے گا جب یہ جسم نہ ہوگا تو خود جان ظاہر ہو جائے گی۔ پھر تیری جان بھی ایک طلسمِ دیگر ہے جو عالمِ غیب میں ایک دوسرا جسم رکھتی ہے۔ عرش اور کرسی سے کچھ نہ پوچھو اور بالکل خاموش ہو جاؤ یہاں تک کہ اگر ذرہ برابر پوچھنا چاہتے ہو تو نہ پوچھو۔ کیونکہ اس راز کا ایک ذرہ بھی کوئی از روئے حقیقت نہیں جانتا۔ کب تک کہتے سنتے رہو گے۔ والسلام)۔

اور ایک گروہ کہتا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے ہماری تخلیق میں ہر مادے کی ترکیب سے کام لیا ہے

اور اس مرکب کا نام انسان رکھا ہے اور اپنے کلام پاک میں ارشاد فرمایا ہے۔ اور خدا کا قول ہر ایک قائل کے قول سے زیادہ سچا ہے۔ یہاں سے وہاں تک عالم خاک میں جتنی صورتیں مخصوص ہیں؛ سب میں انسان پوشیدہ ہے۔ اب سمجھو کہ انسانِ کامل کی ترکیب محققوں کے نزدیک تین چیزوں سے ہوتی ہے۔ روح، نفس اور جسم۔ اور انسان کل عالم کا نمونہ ہے۔ اور عالم دونوں جہان کا نام ہے۔ اور یہ دونوں جہان انسان کے نشان ہیں۔ یہ عالم آب وخاک وباد وآتش جس کی ترکیب بلغم، خون، صفرا اور سودا سے ہے اور اس جہان کے نشان، بہشت، دوزخ اور عرصات۔ جان چونکہ لطیف ہے وہ بہشت کی جگہ پر ہے اور نفس آفت ووحشت کی وجہ سے دوزخ کی جگہ پر۔ اور جسم بجائے عرصات ہے۔ تو مؤمن کی روح دنیا میں بہشت کی خواہش کرتی ہے کیونکہ دنیا میں بھی اس کا نمونہ ہے۔ اور نفس دوزخ چاہتا ہے کیونکہ وہ دنیا میں دوزخ کا نمونہ ہے۔ خواجہ عطار رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ مثنوی۔

در چنیں بحرے کہ بحرِ اعظم است	عالم از ذرّہ و ذرّہ عالم است
کارِ عالم حیرت ست و غیرت است	حیرت اندر حیرت اندر حیرت است
پیشوایانے کہ رہ بین آمدند	گاہ بے گاہ از پئے این آمدند
جانِ خود را عینِ حسرت یافتند	ہمرہِ جان عجز و حیرت یافتند
در رہِ او پا و سر گم کردہ	پردہ، در پردہ، در پردہ
عقلِ تو چون در سرِ موئے بسوخت	ہر دو لب باید ز پرسیدن بدوخت
کشتہ حیرت شدم یک بارگی	می ندانم چارہ جز بے چارگی

دتخلیق کے ایسے سمندر میں جو ایک بحرِ اعظم ہے دنیا ایک ذرّہ کے برابر ہے اور اُس کا ایک ذرہ دنیا کے برابر۔ اس دنیا کا ہر کام حیرت وغیرت ہے۔ بلکہ حیرت میں حیرت اور حیرت کے اندر حیرت ہے۔ جو رہنما کہ آزمودہ کار آئے۔ وقتاً فوقتاً اسی کام کے لیے آئے۔ اپنی جان کو عینِ حسرت پایا۔ اور جان کے ساتھ حیرت اور عاجزی بھی پائی۔ اس کے راستے میں سرتاپا کھو گئے۔ ایک پردہ، پردے میں پردہ اور پھر پردے میں پردہ۔ تیری عقل ایک بال ہی کی تحقیق میں جل کر رہ گئی۔ تو چاہیے کہ اور کچھ پوچھنے سے اپنے ہونٹ سی لے۔ میں بھی تو دفعتہً حیرت سے کشتہ ہو گیا اور اب

اب سوائے بے چارگی کے اور کوئی چارہ نہیں۔ حضرت شیخ بو علی سیاہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل ہے۔ آپ نے کہا۔ میں نے نفس کو سُور کی شکل میں دیکھا ہے۔ کسی نے اس کا بال پکڑ کر مجھ کو دیا میں نے اُسے ایک درخت سے باندھ دیا، اور مار ڈالنے کا ارادہ کیا۔ اُس نے کہا۔ اے بو علی کیوں تنگ اور پر مصیبت لیتے ہو۔ کیونکہ میں تو خدائی لشکر ہوں تم مجھے مٹا نہیں سکتے۔ خواجہ محمد نوری رحمۃ اللہ علیہ سے نقل ہے۔ آپ نے کہا کہ میں نے ایک دن نفس کو لومڑی کے بچے کی شکل میں دیکھا جو میرے حلق سے نکل پڑا تھا: میں نے یہ سمجھ کر کہ یہ نفس ہے، اپنے پاؤں کے نیچے کچلنے لگا۔ وہ اور بھی مضبوط اور قوی ہوتا گیا۔ میں نے کہا کہ دوسرے تو چوٹیں کھانے سے مرجاتے ہیں اور تو زندہ اور مضبوط ہوتا ہے! وہ بولا میری پیدائش اُلٹی ہے۔ دوسروں کو جس بات سے تکلیف اور رنج پہنچتا ہے مجھے اس سے راحت و آرام ملتا ہے شیخ ابو العباس رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ میں ایک روز جب گھر آیا تو ایک زرد رنگ کا کتا دیکھا جب میں نے اُس کے بھگانے کا قصد کیا تو میرے دامن میں گھس کر غائب ہو گیا۔ شیخ ابو القاسم گرگانی قدس سرہٗ نے کہا کہ میں نے اس کو ایک سانپ کی شکل میں دیکھا ہے۔ ایک دوسرے درویش نے کہا کہ میں نے ایک چوہے کی صورت میں دیکھا اور پوچھا تو کون ہے؟ اُس نے کہا، میں غافلوں کے لیے موت ہوں اور دوستوں کی نجات کا سبب ہوں۔ میرا وجود سراسر آفت ہے۔ اگر میں ان کے ساتھ نہ رہوں تو یہ اپنی پاکیوں پر مغرور اور اعمال پر نازاں ہو جائیں۔ کیونکہ جب طہارت و صفائی، اسرارِ نورِ ولایت اور طاعت میں استقامت دیکھتے ہیں تو ان میں فخر و غرور اور سربلندی ظاہر ہوتی ہے۔ پھر جب مجھ پر نظر پڑتی ہے کہ دونوں پہلوؤں کے درمیان ایک یہ خیر بھی ہے تو ایک ایک کر کے ساری باتیں ختم ہو جاتی ہیں۔ یہ سب اس بات کی دلیل ہے کہ نفس بذاتہٖ ایک وجود ہے صفت نہیں۔ نفس میں بھی صفتیں ہیں، اور ان صفتوں کو ہم ظاہراً دیکھا کرتے ہیں۔ اس کی شناخت کا طریقہ معلوم ہو چکا، تو ریاضت کے ذریعہ اس کی تربیت کر سکتے ہیں۔ لیکن اس کی ماہیت فنا نہیں ہو سکتی جب اس کی پہچان صحیح ہو گئی اور اُس پر طالب کا قبضہ اور تسلط ہو گیا تو اب اُس کے باقی رہنے سے کسی طرح کا خوف و خطر نہیں۔ جیسا کہا گیا ہے اَلنَّفْسُ کَلْبٌ نَبَّاحٌ وَ اِمْسَاکُ الْکَلْبِ بَعْدَ الرِّیَاضَۃِ مُبَاحٌ۔ (نفس بھونکنے اور کاٹنے والا کتا ہے جب وہ ریاضت سے مطیع ہو جائے تو اس کا رکھنا مُبَاحٌ)۔ یہ ہولناک خیگل بجز خداوند تعالےٰ کے فضل و کرم اور پیر مشفق

کے ظلِ عاطفت کے بغیر سر نہیں ہو سکتا۔ مثنوی۔

مَرَو بے دانشے در راہ گمراہ | کہ راہ دور و تاریک ست بر چاہ
چراغِ علم و دانش پیش خود دار | دگرنہ در چہ افتی سرنگوں سار

(رہبر کے بغیر راستے میں بھٹکتا مت پھر۔ کیونکہ راستہ دُور، اندھیرا اور کنوئیں پر واقع ہے۔ علم اور عقل کا چراغ پاس رکھ ورنہ اوندھے منہ کنوئیں میں گر پڑے گا) حضرت نظامی نے بھی اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ مثنوی۔

سرمکش از خدمتِ روشن دلان | دست مدار از کمرِ مقبلان
خار کہ ہم صحبتِ گل کند | غالیہ در دامنِ سنبل کند
داغ بلندان طلب اے ہوشمند | تا شوی از داغِ بلندان بلند
از پئے آن گشت فلک تاج سر | کز پئے خدمت ہمہ تن شد کمر

(روشن دلوں کی خدمت سے منھ نہ پھیر۔ اقبال مندوں کے دامن سے ہاتھ نہ چھڑا۔ جو کانٹا پھولوں کی صحبت اختیار کرتا ہے وہ بھی سنبل کی طرح مہکتا ہے۔ اے عقل والے، بلند مرتبہ لوگوں کی نسبت کا داغ حاصل کر تا کہ بلند لوگوں کی نسبت سے تو بھی بلند ہو جائے۔ اسی لیے آسمان لوگوں کے سر کا تاج ہے کیونکہ خدمت کرنے کی دُھن میں سراپا کمر بن گیا ہے)۔ اے بھائی، اپنی جان کی سلامتی سے ہاتھ دھو ڈال تا کہ زہر میں بجھائی ہوئی تلوار تیرے ہی سر پر پڑے تو مزبلوں کے کتوں کے ساتھ رہا کر تا کہ لوگ تجھے بُرا کہیں مگر تو ان میں خوش خوش سر کو سجدے میں جھکائے اسرارِ جلوہ ہائے شہود میں محو رہ۔ ؎

چو دریا باش و کشتی را رہا کن | تو عالم باش و عالم را جدا کن

(تو خود ہی دریا بن جا اور کشتی کا سہارا چھوڑ دے۔ تو خود ہی عالم ہو جا اور دنیا کو ترک کر دے)۔ کسی بزرگ کے زمانے میں ایک فقیر نے ساری رات نماز پڑھتے گزار دی۔ صبح اُن بزرگ کے پاس گیا کہ وہ اُس کی تعریف کریں گے۔ پوچھا "اے حضرت آپ مجھ کو کیسا پاتے ہیں؟" انھوں نے کہا "تو یہودیوں کی طرح معلوم ہوتا ہے۔" فقیر اُٹھ گیا اور یوں شور و فریاد کرنے لگا ؎

ہرگز از عشق بتان روزِ کسے نیک نہ شد | من بد روز بدین روز کجا افتادم

(حسینوں کے عشق و محبت میں کسی نے اچھے دن نہ دیکھے۔ میں کم بخت اس بُرے دن میں کہاں آپڑا۔ ایک صاحب بصیرت نے کہا ہے۔ قطعہ

ہر کہ خود را نہ کرد خوار امروز ہمچو فرعون خوار خواہد بود
ہر کہ او پست و مستِ عشق نہ شد تا ابد پُر خمار خواہد بود

(جس نے آج اپنے آپ کو ذلیل و خوار نہ کیا وہ کل فرعون کی طرح ذلیل و خوار ہوگا۔ جو شخص عشق میں پست اور مست نہ ہوا وہ قیامت تک خمار کی تکلیف میں مبتلا رہے گا)۔ وہ خاطر مدارات جو حضرت خواجۂ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معراج کی رات میں کی گئی جنگِ احد کے دن کی تکلیف اور پریشانی سے کم نہیں ہوگی۔ اور وہ لَعَمْرُكَ یَا مُحَمَّدُ کا تاج دندانِ مبارک کی شہادت اور عارض مقدس کی خون آلودگی سے کم نہ ہوگا۔ کسی دل جلے نے کہا ہے قطعہ

ملامت بیہدہ ست افتادگان را بر سر کویت کسے کان روئے بیند از بلا آزاد کے ماند
خرابی ہاست اندر جانم از دستِ خیالِ تو چو سلطان تیغ خود برداشت شہر آباد کے ماند

(جو بیچارے تیری گلی میں پڑے ہوئے ہیں اُن کو ملامت کرنا بیکار ہے جس نے یہ چہرہ دیکھ لیا وہ بلاؤں سے کیونکر آزاد رہ سکتا ہے۔ تمھاری یاد کے ہاتھوں میری جان کی یہ ساری خرابیاں ہیں۔ کیونکہ جب بادشاہ خود ہی تلوار کھینچ لے تو بھلا شہر کیونکر آباد رہ سکتا ہے۔ والسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بیاسیواں مکتوب ۸۲

خواہش کے بیان میں

بھائی شمس الدین اللہ تعالیٰ تمھیں بزرگی عطا کرے۔ سنو، خواہش نفس کی صفتوں میں سے ایک صفت ہے۔ واصلانِ حق کے لیے یہ حجاب ہے اور مریدوں کے لیے راستہ روک دینے والی ہے۔ طالبانِ راہ کے لیے یہ ٹھہرنے کی جگہ نہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ سب طالبانِ راہ کے خلاف مامور کیے گئے ہیں تاکہ اچھے کاموں سے روک رکھیں جیسا کہ کہا ہے۔ مَنْ رَكِبَهَا هَلَكَ وَمَنْ خَالَفَهَا مَلَكَ (جس نے خواہشات کی پیروی کی ہلاک ہوگیا

اور جس نے اس کی مخالفت کی مراد پائی)۔ جیسا کہ کہا ہے۔ مثنوی

سرز ہوا تافتن از سروری ست ترکِ ہوا قوتِ پیغمبری است

توسنِ طبع تو چون رام شود سکۂ اخلاص بنامت شود

(خواہش سے منھ پھیر لینا سرداری کی باتیں ہیں۔ خواہش کا ترک کرنا پیغمبری کی طاقت ہے)۔

جب تیری طبیعت کا گھوڑا تیرا فرمانبردار ہو جائے تو اخلاص کا سکہ تیرے نام ہو جائے گا)۔

خواہش کی دو قسمیں۔ ایک لذت و شہوت کی خواہش۔ دوسرے مرتبہ، عہدہ اور ریاست کی خواہش۔ جس کو لذت و شہوت کی خواہش ہو وہ میخانے میں مقیم ہوتا ہے اور دوسرے لوگ اس کے فتنہ و شر سے محفوظ رہتے ہیں۔ مگر جس کو ریاست و منصب کی خواہش ہوتی ہے وہ عبادت گاہوں، خانقاہوں اور دائروں میں رہتا ہے اور مخلوق کے لیے فتنہ ہوتا ہے۔ خود بھی گمراہ ہوتا ہے اور مخلوق کو گمراہ کرتا ہے۔ تو جس کے تمام افعال خواہش کے مطابق ہوں اور نفس کی رضامندی ہی اس کا مقصود ہو، وہ اگر آسمان پر بھی پہنچ جائے تو وہ خدا سے دُور ہی رہے گا۔ ؎

چون ترا صد بت بود در زیرِ دلق چون نمائی خویشتن صوفی بہ خلق

(جب تیری گدڑی میں سیکڑوں بت چھپے ہوئے ہیں تو خود کو لوگوں کے سامنے صوفی کیوں ظاہر کرتا ہے)۔ اور جو کوئی خواہش سے دُور ہو گا اور نفس کی متابعت سے کنارہ کشی اختیار کرے گا وہ اگر بت خانے میں بھی ہو گا تو خدا کے ساتھ ہو گا۔ ؎

ہر کہ این سگ را کند بندِ گران خاکِ او بہتر ز خونِ دیگران

(جس نے اس کتے کو بھاری زنجیر میں جکڑ دیا، اُس کی خاک دوسروں کے خون سے بہتر ہے)۔

خواجہ ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ میں نے ایک دن سنا کہ روم کا ایک راہب ساٹھ برس سے رہبانیت کے طریقہ پر قائم ہے۔ مجھ کو تعجب ہوا کہ رہبانیت کی شرط تو چالیس سال سے زیادہ نہیں ہے۔ وہ کس مقصد کو لے کر اب تک دَیر میں ٹھہرا ہوا ہے۔ میں نے اُس سے ملنے کا ارادہ کیا۔ جب اُس کے پاس پہنچا تو اُس نے کھڑکی کھولی اور کہا "اے ابراہیم تم جس کام کے لیے آئے ہو میں جانتا ہوں۔ میں یہاں رہبانی کے لیے نہیں بیٹھا ہوں بلکہ

میرے پاس شوریدہ خواہشات رکھنے والا ایک کتا ہے اُس کو یہاں بند کر کے اُس کی نگہبانی کر رہا ہوں تا کہ اس کی شرارت مخلوق تک نہ پہنچے ورنہ میں وہ نہیں جیسا تم نے مجھے سمجھا ہے۔" ؎

کافرست این نفسِ بے فرمان چنین کشتنِ وے کے بود آسان چنین

(یہ نفس کافر سخت نافرمان ہے۔ اس کا مار ڈالنا کوئی آسان کام نہیں ہے)۔ خواجہ ابراہیم کہتے ہیں، اُس کی یہ باتیں سن کر میں نے کہا "خداوند تو ایسا قادرِ مطلق ہے کہ عین گمراہی میں بندے کو سیدھا راستہ دکھاتا ہے اور یہ درجہ عنایت فرماتا ہے۔" اُس نے مجھ سے کہا "اے ابراہیم تو کب تک آدمیوں کو ڈھونڈا کرے گا۔ جا اپنے آپ کو تلاش کر۔ اور جب پا جائے تو خود اپنا نگہبان بن جا۔" یہی ہوائے نفس روزانہ الوہیت کے تین سو ساٹھ لباس پہن کر سامنے آتی ہے اور بندوں کو گمراہی کی طرف بلاتی ہے۔ اَفَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰهُ (کیا تم نے ان لوگوں کو دیکھا جو اپنی خواہشات کو اپنا معبود بنا لیتے ہیں)۔ یہی راز ہے کہ عزیزوں کے دل اس میں خون ہو کر رہ گئے ہیں۔ ؎

صد ہزاران دل بمرد از غم ہمی این سگِ کافر نمی میرد دمی

(ہزاروں دل اس غم سے کشتہ ہو گئے مگر یہ کافر و خونخوار کتا ایک ساعت بھی نہ مرا) ترکِ خواہش بندے کو امیر بنا دیتی ہے۔ اور خواہش کی پیروی امیر کو اسیر بنا دیتی ہے۔ جس طرح زلیخا نے اپنی خواہش کی پیروی کی امیر تھی اسیر ہو گئی۔ اور مہتر یوسف علیہ السلام نے خواہش کو ترک کیا، اسیر تھے امیر ہو گئے۔ ؎

ہر کہ این سگ را بمردی کرد بند در دو عالم شیر آرد در کمند

(جس نے اپنی بہادری سے اس کتے کو قید کر لیا وہ دونوں جہان میں شیر کا شکار کر سکتا ہے)۔ حضرت خواجہ جنید رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا مَا الْوُصُوْلُ قَالَ تَرْكُ ارْتِكَابِ الْهَوَاءِ۔ (وصول کیا ہے؟ کہا، خواہش کی پیروی چھوڑ دینا)۔ جو کوئی چاہتا ہو کہ خدا کے قرب کی بزرگی حاصل کرے، اس سے کہو کہ وہ اپنی خواہش کے خلاف کرتا رہے۔ کیونکہ بندے کی کوئی عبادت خواہش کی مخالفت سے بڑھ کر نہیں۔ کیونکہ ناخن سے پہاڑ کھودنا آسان ہے مگر خواہش کی مخالفت

کرنا بہت مشکل ہے۔ خواجہ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا، میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ ہوا میں اڑتا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تو نے یہ درجہ کیسے پایا۔ اُس نے کہا میں نے اپنی ہوا (خواہش) کو لات ماری اور ہوا میں اُڑنے لگا۔ خواجہ محمد بن فضیل بلخی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل ہے کہ آپ نے کہا کہ مجھے تعجب ہے کہ لوگ اپنی خواہش کے ماتحت اس کے گھر جاتے ہیں تاکہ زیارت کریں۔ کیوں اپنی خواہش کو لات نہیں مارتے کہ اُس کے پاس پہنچ جائیں اور اس کے دیدار سے مشرف ہوں۔ دَعْ نَفْسَكَ وَتَعَالَ (اپنی خواہش کو چھوڑ اور چلا آ) اسی معنی کا راز ہے۔ اب سنو، شیطان کو مجال نہیں کہ بندوں کے دل میں کوئی فتنہ و شر پیدا کر سکے جب تک خود اُسے معصیت و شہوت کی خواہش نہ ہو۔ مگر جب خواہش ظاہر ہونے لگتی ہے تو شیطان اُس کو پکڑ لیتا، سراہتا اور اُس کے دل میں جلوہ گری کرتا ہے۔ اسی کو وسواس کہتے ہیں۔ اس کی ابتدا خواہش ہی سے ہوا کرتی ہے۔ وَالْبَادِیْ اَظْلَمُ (ابتدا کرنے والا ہی بڑا ظالم ہوتا ہے)۔ اور خداوند تعالیٰ کے قول کا یہی مطلب ہے کہ جس وقت شیطان نے کہا ہم تمام آدمیوں کو گمراہ کردیں گے تو فرمایا اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطَانٌ (تجھ کو میرے بندوں پر کوئی اختیار اور طاقت نہیں ہے)۔ تو شیطان حقیقۃً نفس و خواہش کا غلام ہوتا ہے۔ اسی معنی کا راز ہے جو کہا ہے ؎

گر تو حق را بندۂ بت گر مباش گر تو مردِ این رہی آذر مباش

(اگر تو خدا کا بندہ ہے تو بت ساز نہ بن۔ اور اگر تو اس راستے کا مرد ہے تو آذر کی صفت اختیار نہ کر)۔ یہیں سے ہے جو بعض مشائخ رضوان اللہ علیہم سے پوچھا گیا کہ اسلام کیا ہے فَقَالُوْا ذَبْحُ النُّفُوْسِ بِسُیُوْفِ الْمُخَالِفَةِ (جواب دیا مخالفت کی تلواروں سے نفسوں کو ذبح کر دینا)۔ خواجہ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا مِفْتَاحُ الْعِبَادَةِ اَلْفِکْرَةُ وَعَلَامَةُ الْاِصَابَةِ مُخَالِفَةُ النَّفْسِ وَالْهَوَاءِ (عبادتوں کی کنجی فکر ہے اور مقام رسیدہ ہونے کی علامت نفس اور خواہش کی مخالفت ہے) یہیں سے کہا گیا ہے مُخَالِفَةُ النَّفْسِ رَأْسُ الْعِبَادَةِ۔ نفس کی مخالفت سب عبادتوں کی سرتاج ہے) حضرت خواجہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے اَسَاسُ الْکُفْرِ قِیَامُكَ عَلٰی مُرَادِ نَفْسِكَ (اپنے نفس کی مرادوں پر قائم رہنا کفر کی بنیاد ہے)۔ پس مرید طالب کو چاہیے کہ اپنے دن رات اسی کام میں گزارے کہ جب اُس کے حواس میں خواہش کا اثر ظاہر ہو اُس کو وہیں کاٹ دے اور گریہ و زاری کے ساتھ خدا سے دعا کرے کہ جب تو نے رکھا ہے تو اس کو کون دُور کر سکتا ہے۔ تاکہ اس کی فریاد سنی جائے۔

بھائی اب کیا کرنا ہے۔ سوزِ دل کے ساتھ دستِ نیاز اُٹھاؤ۔ اور بے چارگی اور زاری سے دعا مانگو۔ مثنوی۔

بندہ را زین بحر نا محرم بر آر	تو در افگندی مرا تو ہم بر آر
نفس من بگرفت سرتا پاے من	گر نہ گیری دستِ من اے وائے من
گم شدم در بحر حیرت ناگہان	زین ہمہ برگشتگی بازم رہان
پردہ بر گیر آخر و جانم مسوز	بیش اندر پردہ پنہانم مسوز
یا ازین آلودگی پاکم بکن	یا نہ در خونم کش وخاکم بکن
رہبرم شو زانکہ گمراہ آمدم	دولتم دہ زانکہ بے گاہ آمدم

(بندے کو اس نا آشنا سمندر سے باہر نکال لے۔ تونے ڈبویا ہے تو اب تو ہی اس سے نکال۔ سر سے پیر تک مجھے نفس نے پکڑ لیا ہے۔ اگر تو میری مدد نہ کرے تو میرے لیے افسوس کا مقام ہے میں حیرت کے سمندر میں اچانک ڈوب گیا ہوں۔ مجھے ان پریشانیوں سے آزاد کر۔ اب تو پردہ اُٹھادے، میری جان کو نہ جلا۔ ہاں پردے میں چھپا کر اس سے زیادہ نہ جلا۔ یا تو ان آلائشوں سے مجھ کو پاک و صاف کر دے یا میرے ہی خون میں مجھے قتل کر دے اور خاک کا ڈھیر بنا دے میں گمراہ آیا ہوں مجھے راستہ دکھا دے۔ اگرچہ بے وقت آیا ہوں میرا حصہ مجھے عنایت کر)۔

خواجہ ابو علی سیاہ مزوری رحمۃ اللہ علیہ سے نقل ہے۔ آپ نے کہا کہ میں ایک دن حمام میں موے زیر ناف صاف کر رہا تھا میں نے اپنے دل میں کہا کہ اے علی یہ عضو شہوتوں کی جڑ ہے اور اسی نے تجھ کو اتنی آفتوں میں مبتلا کیا ہے اس کو کاٹ کر الگ کر دے تاکہ ہمیشہ کیلیے اس کے شر سے رہائی حاصل ہو۔ اسی وقت میرے کانوں میں آواز آئی اے علی تو میری ملک میں تصرف کرتا ہے۔ میری خلقت کے اعتبار سے کوئی عضو کسی عضو سے اولیٰ تر نہیں ہے۔ اپنی عزت کی قسم ہے اگر اس کو اپنے سے جدا کرے گا تو تیرے بال بال میں اتنا شر بھر دیں گے جتنا اس ایک عضو میں ہے۔

کشتۂ حیرت شدم یک بارگی	می ندانم چارہ از بے چارگی
مومن و کافر بہ خون آغشتہ اند	یا ہمہ سرگشتہ یا برگشتہ اند

(میں اچانک کشتۂ حیرت ہو گیا ہوں۔ اپنی بے چارگی سے اس کا کوئی علاج نہیں جانتا۔ مومن و کافر

سب کے سب خون میں لتھڑے ہوئے ہیں۔ یا سب کے سب متحیر ہیں یا گمراہ ہو گئے ہیں)۔ اے بھائی نفس کا برباد کر دینا بندے کے اختیار میں نہیں۔ کیونکہ وہ ایک سواری کی مانند ہے جو شریعت کا بوجھ اُٹھاتی ہے۔ لیکن اس کی صفات کا بدل دینا توفیقِ خداوندی سے کسی بندے کیلئے ممکن ہوتا ہے اور کسی صفت سے بندے کی مشارکت اُس کے ساتھ نہیں بجز اس کے جس کا اُس نے حکم کر دیا ہے اُس کی ملک میں کوئی تصرف نہیں کر سکتا۔ جب تک اس کی رضا نہ ہو بندہ اپنی جدوجہد سے کسی چیز سے باز نہیں رہ سکتا۔ اسی بھید کو یوں کہا ہے ؎

چون راست آید آخر با تو طریقِ خسرو او نامراد مسکین تو شوخ خود مرادی

(خسرو کا طور طریقہ آخر تیرے ساتھ کیونکر راست آسکتا ہے۔ کیونکہ وہ غریب نامراد مسکین ہے اور تو شوخ اور خود مراد ہے)۔ اس لیے سازگاری ناممکن ہے۔ کیونکہ تمام کوششیں دو موقعوں پر بیکار ہو جاتی ہیں۔ ایک یہ کہ اپنی جدوجہد سے تقدیرِ الٰہی کو بدل دے۔ دوسرے یہ کہ تقدیرِ الٰہی کے خلاف اپنے لیے کوئی چیز حاصل کر لے۔ اور یہ دونوں محال ہیں کیونکہ تقدیرِ الٰہی کسی کی کوشش سے نہیں بدلتی۔ امام شبلی رحمۃ اللہ علیہ ایک دفعہ بیمار پڑے طبیب نے اُن سے کہا پرہیز کرنا ضروری ہے۔ آپ نے فرمایا، کس چیز سے؟ کیا اُس چیز سے جو میری روزی مقدر ہو چکی ہے یا اُس چیز سے جو میری روزی نہیں ہے اگر میری روزی سے پرہیز کرنے کو کہتے ہو تو یہ ممکن نہیں ہے میں کیونکر پرہیز کر سکتا ہوں۔ اگر اس چیز سے پرہیز بتاتے ہو جو میری روزی ہی نہیں ہے تو وہ آپ ہی مجھے نہ ملے گی۔ پھر بتاؤ میں کس چیز سے پرہیز کروں۔ طبیب حیران رہ گیا۔ یہی ہے جو کہا ہے ؎

نالہ زفلک پر شد و آن زخم نہ پیدا بے چارہ طبیبان ہمہ درماندہ ز دردم

(میرے نالے سے آسمان بھر گیا اور کوئی زخم نظر نہ آیا۔ بیچارے طبیب میرے درد کے علاج سے عاجز آگئے)۔ حدیث میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے آدم علیہ السلام سے کہا۔ "آپ کے لیے طرح طرح کی نعمتوں کا دستر خوان سجا کر پیش کیا گیا، اس پر بھی آپ نے گیہوں کی طرف ہی ہاتھ بڑھایا۔ یہ کیا بات تھی؟" حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا۔ "تم نے توریت میں پڑھا ہوگا کہ میری پیدائش سے پیشتر ہی میرے متعلق یہ معاملہ لکھ دیا تھا۔ تم مجھ پر ملامت کرتے ہو؟" پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا۔ " پھر یہ رَبَّنَا ظَلَمْنَا (اے میرے پروردگار میں نے ظلم کیا) کیوں کہا؟" آپ نے کہا دشمن نے

شکست کھانے کے بعد بحث و حجت کے ذریعہ بری الذمّہ ہونے کی کوشش کی۔ مگر میں نے درگاہِ رب العزۃ میں عاجزی کو وسیلہ بنایا اور رَبَّنَا ظَلَمْنَا کہا۔ کیونکہ وہاں کسی کی حجت نہیں چلتی"۔ ایک بزرگ سے کسی نے کہا کہ "ہمارے سر پر گناہ تھوپ دیا ہے اور پھر سزا دیتا ہے"۔ انھوں نے کہا "ہاں ایسا ہی کیا ہے لیکن کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں"۔ ؎

ترا با حکمتِ یزداں چہ کار است | مزن دم ور نہ جائے تو بدار است
ترا خاموشی و صبر است راہے | نہ خواہی یافت بہ زین دستگاہے

(تجھے حکمتِ خداوندی کی حقیقتوں سے کیا کام۔ بس خاموش ہی رہ ورنہ دار پر لٹکا دیا جائے گا۔ تیرے لیے خاموشی اور صبر کے سوا دوسرا راستہ نہیں۔ اس سے بہتر تجھے کوئی پناہ نہ ملے گی)۔ نقل ہے کہ سلطان محمود غازی نے ایک قیمتی موتی وزیر کو دیا اور کہا اسے توڑ ڈال: وزیر نے کہا۔ "اس کی قیمت تو شاہی خزانے کے برابر ہے اسے نہ توڑنا چاہیے"۔ پھر بادشاہ نے ایاز کو توڑنے کے لیے دیا۔ اُس نے فوراً ہی پتھر سے چکنا چور کر دیا۔ شاہ نے کہا "اسے کیوں توڑ دیا؟" اُس نے کہا "میں نے خطا کی، برا کیا، اچھا نہیں کیا"۔ سلطان نے وزیر سے کہا۔ "دربارِ شاہی کے آداب ایاز سے سیکھو۔ کہ نہ فرمانِ شاہی میں اعتراض، نہ کلام میں کوئی چون و چرا۔ یہی ہے جو کہا ہے ؎

عذر بہ آن را کہ خطائے رسید | کادم ازان توبہ بجائے رسید

(اگر کوئی گناہ سرزد ہو تو عذر کرنا ہی بہتر ہے۔ کیونکہ آدم علیہ السلام توبہ ہی سے اپنے مقام پر پہنچے ہیں) والسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تراسیواں مکتوب ۸۳

نفس کی ریاضت کے بیان میں

میرے بھائی شمس الدین، خدا انھیں متقیوں کی بزرگی عطا فرمائے۔ سنو، آدمی کی طبیعت سرکش واقع ہوئی ہے۔ بری صفتوں اور خراب اخلاق سے اس کی طینت مرکب ہے۔ جیسا کہ آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبویؐ میں آیا ہے۔ جب نفسِ امارہ کے تسلط کی شرارتوں کا اثر انسان کے احوال پر غلبہ کرتا ہے تو یہ گمراہیوں اور خسارے میں پڑ کر ایمان کی روشنی سے محروم رہ جاتا ہے۔ اور

درگاہِ رب العزۃ سے دُور ہو جاتا ہے۔ کیونکہ نفسِ امارہ دل کا دشمن اور دین کا مخالف ہے۔ یہ ہمیشہ اپنی ہی تدبیر میں لگا رہتا ہے۔ اور احکامِ شرع کی بجاآوری اور اُس کی پیروی سے سرکشی کرتا ہے۔ آدمی کے لیے نفس کی آفت کفر کے فتنوں سے کہیں زیادہ بدتر ہے اور شیطان کی شرارت و مکر سے بھی بڑھ چڑھ کر ہے۔ کیونکہ آدمی سے اس کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اسی لیے کہتے ہیں کہ آدمی کا بڑا دشمن اور سخت ترین بلا یہی نفس ہے۔ اسی لیے اس کی دوا علاج بھی مشکل اور بہت دشوار ہے۔ کیونکہ یہ اندرونی دشمن ہے۔ اور جب گھر کے اندر ہی چور ہوتا ہے تو اس کو دفع کرنا آسان نہیں ہوتا۔ دوسری دقت یہ ہے کہ نفس ایک ایسا دشمن ہے جو آدمی کو محبوب اور پیارا ہوتا ہے۔ اور محبوب کی عیب بینی سے آدمی اندھا ہوتا ہے۔ اس لیے یہ نفس کی جو کچھ تباہ کاریاں دیکھتا ہے اُن کو نیکی اور بھلائی سمجھتا ہے۔ اور جب ایسا ہوتا ہے تو آدمی اس نفس کے ہاتھوں جلد ہی تباہی اور ہلاکت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اور اُسے اِن باتوں کی خبر تک نہیں ہوتی۔ اے بھائی، جب تم ذرا ٹھنڈے دل سے غور کروگے تو تمھیں معلوم ہو گا کہ یہ سارے فتنے فساد، تباہی و بربادی، خواری و ہلاکت، معصیت و آفت جو مخلوق کو اولِ آفرینش سے پیش آئی ہیں اور قیامت تک پیش آئیں گی وہ اسی نفس کی بدولت ہیں غرض جو شخص بھی بلاؤں میں مبتلا ہوا اسی نفس کی وجہ سے ہوا۔ اگر ہوائے نفس گمراہ نہ کرتی تو فتنہ و ضلالت اور معصیت کا وجود قیامت تک نہ پایا جاتا۔ اور ساری مخلوق امن و سلامتی میں دن گزارتی۔ تو جب اتنا بڑا دشمن بغل میں ہو تو عقلمند کے لیے ضرور ہے کہ اسے دبا کر زیر کرے اور اس سے چھٹکارا پانے کی جدوجہد کرتا رہے۔ لیکن یکبارگی اس پر دھاوا بول دینا ممکن نہیں جیسا اور دشمنوں کے ساتھ ہوتا ہے، اور دفعتہً اس کو زیر کرنا دشوار ہے۔ کیونکہ نفس طالب کی سواری اور آلہ ہے اس لیے یکبارگی اس کا چھوڑ دینا دشوار ہے اور ایسا کرنے میں ضرر اور نقصان کا احتمال ہے۔ اس لیے مرید کو میانہ روی اختیار کرنے کی ضرورت ہے اور وہ اس طرح کہ اس کی پرورش کرو اور قوت دیتے ہوئے اس پر کاموں کا بوجھ ڈالو کہ وہ متحمل ہو سکے اور اس حد تک کمزور کرو اور سختی سے کام لو کہ تمھارے حکم سے گریز نہ کرے۔ اس کے علاوہ جو طریقے ہیں وہ غلط ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبد اللہ مسعود رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ سخت ریاضت اور مجاہدۂ شاقہ کی وجہ سے نہایت کمزور ہو گئے تھے اور ہاتھ پاؤں ہلانے سے بھی عاجز تھے! اُن کی

آنکھیں حلقے میں دھنس گئی تھیں۔ جب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حال دیکھا تو پسند نہ فرمایا اور کہا یَا عَبْدَ اللّٰہِ اِنَّ لِنَفْسِکَ عَلَیْکَ حَقًّا (اے عبد اللہ، تمھارے اوپر تمھارے نفس کا بھی حق ہے) اس سختی سے ہاتھ کھینچ لو۔ اگر نفس کے ہلاک کرنے کا ارادہ کروگے تو پکڑے جاؤگے اور گنہگار ہوگے۔" اس سے معلوم ہوا کہ ریاضت اور مجاہدۂ نفس کے لیے علم کی ضرورت ہے تاکہ ایسا طریقہ اختیار کیا جائے کہ نفس ہلاک بھی نہ ہو، نہ تم پر غالب ہوسکے اور نہ تمھاری نافرمانی کرسکے۔ پس میانہ روی کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے منھ میں تقوے کی لگام ڈالو اور پرہیزگاری اختیار کرو۔ اگر تم یہ خیال کرتے ہو کہ نفس ایک نافرمان، سرکش اور موذی جانور ہے تم کس طرح اس کے منھ میں لگام دوگے۔ تو جانو کہ اس میں حیلے کی ضرورت ہے۔ پہلے اس کو ذرا نرم کرو تاکہ لگام لینے کے قابل ہوجائے۔ اس راستے کے عاملوں نے کہا ہے کہ نفس کو نرم کرنے کی تین چیزیں ہیں۔ ایک یہ کہ نفس کو خواہشوں اور لذتوں سے روک دو۔ کیونکہ جب چوپائے دانہ گھاس نہیں پاتے تو نرم ہوجاتے ہیں۔ عالموں میں سے کسی نے کہا ہے کہ نفس کی سرکشی اور جہالت اس حد تک ہوتی ہے کہ جب وہ چاہتا ہے کہ گناہ کرے اور عذاب مول لے، اور تم اس وقت خدا، رسول، جملہ انبیا، کتاب اور سلفِ صالحین کو شفیع بنا کر سامنے لاؤ اور موت قبر، قیامت، بہشت اور دوزخ سب اس کے سامنے رکھ دو، تو بھی وہ ہرگز باز نہ آئے گا اور گناہ سے پیچھے نہ ہٹے گا، نہ خواہشوں سے دست بردار ہوگا۔ لیکن جب دانہ پانی روک دیا جائے گا تو ساری شرارتیں غائب ہوجائیں گی۔ دوسرے یہ کہ عبادت کا بھاری بوجھ اُس پر لاد دو کیونکہ جب خچر پر زیادہ بھاری بوجھ لاد دیا جاتا ہے تو وہ سیدھا ہوجاتا ہے خاص کر ایسی حالت میں کہ دانہ پانی کی مار اس پر پڑ چکی ہو۔ تیسرے یہ کہ خداوند تعالیٰ سے امداد مانگو اور اس کی بارگاہ میں پناہ ڈھونڈو۔ بغیر اس کے اس کی شرارتوں سے چھٹکارا ممکن نہیں۔ اگر ان تینوں چیزوں پر قائم رہوگے تو تمھارا نفسِ سرکش تمھارا فرمانبردار ہوجائے گا اور لگام قبول کرلے گا۔ جب ایسی حالت دیکھو تو جلدی کرو۔ اور تقویٰ کی لگام اس کے منھ میں ڈال دو اور اس کی شرارت سے بے فکر ہوجاؤ۔ اگر تم پوچھو کہ تقویٰ کیا ہے جس کی لگام بنائیں؟ تو سنو، تقوے ایک بہت بڑا خزانہ اور ایک وسیع ملک ہے جس میں دنیا اور آخرت کی تمام چیزیں جمع کرکے

رکھ دی گئی ہیں۔ اور اسی کے تحت ایک خصلت رکھی ہے جس کا نام تقویٰ ہے۔ قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ توریت میں ہے کہ اے بنی آدم تقویٰ اختیار کر اور جہاں چاہے آرام کی نیند سو رہ۔ یہ ایسی خصلت ہے کہ تمام نیکیوں کی جامع ہے اور جملہ مہمات کے لیے کافی ہے۔ بندے کو تمام درجات اور کرامات پر پہنچا دیتی ہے۔ اور یہ ایک ایسی اصل ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے۔ اب سنو، تفسیر زاہدی میں ہے کہ تقوےٰ کی دو قسمیں ہیں۔ اصل اور فرع۔ اصل تو کفر سے توبہ کر کے ایمان لانا ہے۔ اور فرع گناہوں کو چھوڑ کر طاعت و بندگی کرنا۔ اور مشائخ نے کہا ہے، کہ تقوےٰ کی تین منزلیں ہیں۔ ایک شرک سے تقویٰ، دوسرے بدعات سے تقویٰ، تیسرے معاصی سے تقویٰ۔ پس تقوے کے یہ معنی ہوئے کہ دین میں جن جن باتوں سے ضرر و نقصان کا ڈر ہے اُن سے پرہیز کرنا۔ تم نہیں دیکھتے کہ پرہیز کرنے والے بیمار کو بھی متقی کہتے ہیں۔ کیونکہ کھانے پینے کی چیزوں اور ایسے پھل وغیرہ سے جو اس کے لیے نقصان پہنچانے والے ہیں، پرہیز کرتا ہے۔ وہ چیزیں جن سے دین میں نقصان کا خوف ہے اُن کی دو قسمیں ہیں۔ ایک محض حرام و معصیت اور دوسرے حلال چیزوں میں زیادتی اور فضولی کرنا۔ اور یہ بہت ہوتا ہے کہ حلال چیزوں میں زیادتی آدمی کو حرام اور گناہ کی طرف لے جاتی ہے۔ تو جو شخص چاہے کہ دین میں نقصان لانے والی باتوں سے امن میں رہے، اُس کے لیے ضروری ہے کہ محض حرام اور معصیت سے پرہیز کے علاوہ حلال فضول سے بھی اپنا دامن بچائے رکھے۔ پس جامع و مانع تقویٰ اُن چیزوں سے پرہیز کرنا ہے جو معصیت ہیں اور دین کو نقصان پہنچانے والی ہیں اور فضول حلال سے بھی دامن بچانا ہے۔ اس کام میں غفلت نہ کرنی چاہیے۔ فرصت کو غنیمت جانیں۔ آیندہ ممکن ہے کہ ہم تقویٰ کرنا چاہیں اور نہ کر سکیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا ہے، دنیا تین دن کی ہے۔ ایک وہ کل جو گزر چکا جس سے تجھے کچھ ہاتھ نہ آیا۔ دوسرے وہ کل جو آنے والا ہے۔ اس کے متعلق نہیں معلوم تو اُسے پائے گا، یا نہ پائے گا۔ تیسرا وہ دن ہے جس میں تو اس وقت ہے۔ اور لے دے کے یہی تیرے ہاتھ ہے اس کو غنیمت جان۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا ہے دنیا تین ساعت سے زیادہ نہیں ہے۔ ایک ساعت گزر چکی جس سے تو نے کچھ حاصل نہ کیا۔ دوسری ساعت کا یقین نہیں کہ پائے گا یا نہ پائے گا۔ تیسری ساعت وہ کہ تو اس میں ہے، تو درحقیقت تیری عمر یہی ایک ساعت ہے۔

اور ایک محقق بزرگ نے کہا ہے، دنیا تین سانس کے برابر ہے۔ ایک سانس تو گزر چکی اور معلوم ہے اس میں جو کچھ تو نے کیا دھرا ہے۔ دوسری سانس کا حال معلوم ہی نہیں کہ آئے گی یا نہ آئے گی تیسری سانس وہ جو تو نے لی ہے۔ اکثر لوگوں کو دیکھا ہے کہ ایک سانس کے بعد دوسری سانس نہیں لے سکے اور مر گئے ہیں۔ پس تم نہ ایک دن کے مالک ہو نہ ایک ساعت کے پس یہی ایک سانس تمھاری ہے۔ تو ہوش سنبھالو، اُٹھ بیٹھو اور جلدی کرو اور اسی سانس میں توبہ اور بندگی کر لو۔ ممکن ہے دوسری سانس نہ آئے اور خاتمہ ہو جائے۔ اور رزق و روزی کا غم نہ کرو، ممکن ہے کہ جب تمھیں رزق کی حاجت ہو اس وقت تم زندہ ہی نہ رہو۔ یاد رکھو، وہ آدمی تباہ ہو جاتا ہے جو ایک دن یا ایک ساعت کا غم کرتا ہے جبکہ وہ دوسری ہی سانس میں مر جائے گا۔ اور وہ یاد کرو جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسامہ رضی اللہ عنہ کے متعلق ارشاد فرمایا ہے کہ اسامہ دراز امید ہے کہ ایک مہینے کے وعدے پر لونڈی خریدی ہے۔ خدا کی قسم میں زمین پر قدم رکھنے کے بعد گمان نہیں کرتا کہ قدم اُٹھاؤں گا یا نہ اُٹھاؤں گا۔ لقمہ منھ میں لے کر یقین نہیں کرتا کہ اسے حلق سے اُتار سکوں گا۔ پس مرید کو چاہیے کہ اس پر قائم ہو جائے اور رات دن اسی کو یاد کرتا رہے۔ بالضرور اس کی امیدیں مختصر ہو جائیں گی اور اپنے نفس کو بندگی میں تیزی، توبہ میں جلدی، دنیا میں زہد اور استعدادِ مرگ میں مشغول ہونے والا دیکھے گا۔ والسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

چوراسیواں مکتوب ۸۴

نفس کی سیاست اور مجاہدے کے بیان میں

میرے بھائی شمس الدین، اللہ تعالیٰ تمھیں نفس کی مخالفت کی توفیق عطا فرمائے۔

سنو، نفس کی محنت و مشقت اور اس کی سرزنش ہر مذہب اور ہر دین میں پسندیدہ سمجھی گئی ہے اور دنیا کی تمام اقوام، وہ حق ہوں یا باطل، اور جملہ محققوں نے مجاہدے کو ثابت کیا ہے۔ اور مشاہدے کا ایک سبب گردانا ہے کہ اَلْمُشَاهِدَاتُ مَوَارِيْثُ الْمُجَاهِدَاتِ (مشاہدات مجاہدات کی میراث ہیں)۔ اور اس کی اصل خدا کا وہ کلام ہے وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ

سُبُلَنَا (جنھوں نے ہماری تمنّا میں مجاہدہ کیا ہم اُن کو اپنا راستہ دکھا دیتے ہیں) جو مجاہدہ کرتا ہے اُسے مشاہدہ نصیب ہوتا ہے۔ اور یہ پیغمبروں کا آنا، شریعتوں کا جاری ہونا، آسمانی کتابوں کا نزول اور جملہ احکام کا تکلّف سب مجاہدہ ہی ہے۔ طبیعتوں کے بدل جانے اور عجیب و غریب صفتوں کے پیدا ہونے سے مجاہدے کا اثر ظاہر ہوتا ہے۔ اور آئے دن کا مشاہدہ اس کی دلیل ہے۔ اس کا انکار مشاہدہ کا انکار ہے اور اس سے برتری ظاہر ہے۔ تم نہیں دیکھتے کہ ریاضت سے گھوڑوں کو ایسا سدھاتے ہیں کہ حیوانی صفات چھوڑ کر آدمیت اختیار کر لیتا ہے اور اس کی صفتیں بدل جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ زمین سے کوڑا اٹھا کر سوار کو دیتا ہے۔ اور گیند گھماتا ہے۔ اسی طرح ناسمجھ عجمی بچوں کو محنت و ریاضت سے عربی زبان بنا دیتے ہیں اور ان کا طبعی کلام بدل دیتے ہیں۔ بعض وحشی جانوروں اور پرندوں کو ایسا رام کر لیتے ہیں کہ جب چھوڑتے ہیں چلا جاتا ہے اور بلاتے ہیں چلا آتا ہے اور ایسا گھل مل جاتا ہے کہ اس قید و بند کو آزادی سے کہیں زیادہ عزیز سمجھتا ہے۔ ایک ناپاک کتے کو مجاہدہ و تعلیم سے اس مرتبے پر پہنچا دیتے ہیں کہ اُس کا مارا ہوا شکار مومن کے مارے ہوئے شکار کی طرح حلال اور پاک ہوتا ہے۔ الغرض ہر شریعت کا دار و مدار مجاہدے پر ہے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی قربت میں ہونے کے باوجود، عاقبت سے مامون اور لباس عصمت سے آراستہ ہونے کے بعد بھی کس قدر مجاہدہ کیا ہے۔ طویل بھوک مسلسل روزے، راتوں کی بیداری اس درجہ اختیار کی کہ فرمانِ خداوندی آیا۔ "اے محمدؐ! ہم نے تمھارے پاس قرآن اس لیے نہیں بھیجا ہے کہ تم اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دو" حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت پیغمبر علیہ السلام مسجد کی عمارت بنانے کے لیے اینٹیں اُٹھا رہے تھے اور ہم دیکھ رہے تھے کہ اس سے حضور اقدس کو تکلیف ہو رہی ہے۔ میں نے عرض کیا "یا رسول اللہ! یہ اینٹیں ہمیں دیجیے آپ کے بدلے ہم اٹھائیں گے۔ آپ نے فرمایا یَا اَبَا هُرَیْرَةَ خُذْ غَیْرَهَا فَاِنَّهٗ لَا عَیْشَ اِلَّا عَیْشُ الْاٰخِرَةِ (اے ابوہریرہؓ تم دوسری اینٹیں اُٹھاؤ۔ یہاں کوئی آرام نہیں ہے۔ آرام تو آخرت میں ہے)۔ ان تمام باتوں کا ماحصل یہ ہے کہ مجاہدہ اور ریاضت بالاتفاق پسندیدہ ہے۔ لیکن مجاہدہ کا دیکھنا (یعنی اس کا اعتبار کرنا) ایک آفت ہے۔ کیونکہ مجاہدہ بندے کا فعل ہے

اور مشاہدہ عنایت خداوندی ہے۔ جب تک عنایت و نوازش حق نہ ہو بندے کے کسی کام کی کوئی قیمت نہیں۔ جہاں تک ممکن ہو اپنے فعل کی طرف منسوب نہ کرو اور کسی صفت میں نفس کے تابع نہ ہو جاؤ۔ یہی تمہارا وجود اور ہستی تمہارا حجاب ہے۔ اگر ایک فعل سے محجوب ہو گئے تو دوسرے کام کیلئے آمادہ ہو جاؤ گے۔ اور جب تم بلکہ اپنے ہی حجاب میں مبتلا رہو گے تو تمہاری انا بھی کلیتہً فانی نہ ہو گی۔ اور تم بقاو مشاہدہ حاصل کرنے کے لائق نہ ہو سکو گے۔ یہاں ایک نکتہ یاد رکھو، اور وہ یہ ہے کہ نفس کا مجاہدہ نفس کے صفات ذمیمہ کو فنا کرنے کے لیے ہوتا ہے نفس کو فنا کرنے کے لیے نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس کی انانیت کی اصل فنا نہیں ہو سکتی۔ لیکن جب صاحب مجاہدہ نفس پر قابض و مالک ہو جاتا ہے اور اُسے اپنا محکوم بنا لیتا ہے تو اس کی بقا سے کوئی خوف نہیں ہوتا۔ اب سنو بھائی! خالی پیٹ رہنے کو اس راستے میں بڑی شرافت حاصل ہے اور ہر گروہ کے نزدیک قابل تعریف ہے۔ جیسا کہ ظاہر ہے کہ بھوکے کی طبیعت تیز تر اور اس کی سمجھ صاف تر اور صحت بہتر ہو جاتی ہے۔ حضرت ابو العباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میری بندگی اور معصیت دو حالتوں سے متعلق ہے۔ جب میں سیر ہو کر کھا لیتا ہوں تو تمام گناہوں کو اپنے اندر پاتا ہوں۔ اور جب نہیں کھاتا تو تمام عبادات کی اصل اپنی ذات میں محسوس کرتا ہوں۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ مرید کے لیے پیٹ کی اصلاح مشکل ترین کام ہے۔ کیونکہ اس کا نقصان بہت اور اثر قوی تر ہوتا ہے۔ اس لیے کہ یہی سارے گناہوں کا سرچشمہ اور مخزن ہے۔ پس تمہارے لیے پیٹ کی اصلاح لازم ہے۔ انسان میں گناہگاری اور پاکدامنی اور بدن میں قوت و ضعف پیٹ سے پیدا ہوتی ہے اس لیے اول پیٹ کو حرام اور شبہ کی چیزوں سے اور اس کے بعد ضرورت سے زیادہ حلال سے بھی پرہیز کرنا چاہیے۔ اگر تم چاہتے ہو کہ کچھ کام سرانجام دو تو یاد رکھو کہ حرام اور مشتبہ چیزوں کا کھانے والا مردودِ بارگاہ ہوتا ہے اور عبادت کی توفیق اُسے نصیب نہیں ہوتی۔ حضرت یحییٰ معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "عبادت اللہ تعالیٰ کا خزانہ ہے اس کی کنجی دعا ہے اور اس کنجی کے دندانے حلال روزی ہے جب کنجی میں دندانے نہ ہوں گے تو قفل نہ کھل سکے گا۔ اور جب خزانے کا دروازہ نہ کھلے گا تو وہ عبادت جو اس خزانے میں ہے کیونکر ہاتھ آئے گی۔ دوسرے یہ کہ حرام اور مشتبہ چیزوں کا کھانے والا نیکی کے کاموں سے محروم ہو جاتا ہے۔ اور اگر اتفاقاً نیکی کرتا بھی ہے تو قبول نہیں ہوتی بلکہ اُس کے

منہ پر ماردی جاتی ہے اور یہ کارِ خیر اس کے لیے زحمت بن جاتا ہے۔ لیکن حلال چیزوں میں زیادتی کرنا بھی عابدوں کے لیے آفت اور مجاہدوں کے لیے بلا ہے۔ کیونکہ زیادہ کھانا دل کو سخت کرتا اور اُس کے نور کو بجھا دیتا اور علم و عقل کو کم کرتا ہے۔ کیونکہ پُرخوری سے طبیعت مضمحل ہو جاتی ہے۔ خواجہ سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: "اگر تم چاہتے ہو کہ دینی یا دنیاوی ضرورتوں میں مشغول ہو تو جب تک اُس سے فارغ نہ ہو جاؤ کچھ نہ کھاؤ۔ کیونکہ غذا عقل کو باطل کرتی ہے اور زیادہ کھانا تمام اعضا کے لیے فتنہ و فساد کا باعث ہے۔" ابو جعفر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ "پیٹ ایسا عضو ہے کہ اگر وہ خالی ہے تو تمام اعضا گناہوں سے سیر ہوں گے اور اگر وہ سیر ہوگا تو تمام اعضا گناہوں کے بھوکے ہوں گے۔" اس کا یہ مطلب ہوا کہ آدمی کے قول و فعل اس کے کھانے پینے پر منحصر ہوتے ہیں۔ اگر حرام اور مشتبہ چیزیں پیٹ میں جائیں گی تو اقوال و افعال بھی حرام اور مکروہ سرزد ہوں گے۔ اگر حلال غذا اُس ضرورت سے زیادہ استعمال ہوں گی تو افعال و اقوال بھی فضول برآمد ہوں گے۔ گویا کھانا پینا قول و فعل کے لیے تخم کی حیثیت رکھتا ہے۔ جو اس سے پیدا ہوتے ہیں۔ یحییٰ پیغامبر علیہ السلام نے شیطان کو دیکھا کہ تو بڑے اس کے ہاتھ میں ہیں۔ آپ نے پوچھا "یہ کیا ہے؟" اُس نے جواب دیا "یہ بھوک اور خواہشیں ہیں کہ میں اسی کے ذریعہ آدمیوں کا شکار کرتا ہوں۔" آپ نے فرمایا "کیا مجھے بھی اس سے شکار کرسکتے ہو؟" اُس نے کہا "نہیں، مگر ایک رات جب تم نے شکم سیر ہو کر کھانا کھایا تھا اور گرانی کے سبب میں نے تم کو نماز ادا کرنے سے روک دیا تھا۔" حضرت یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اس کے بعد میں اب کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھاؤں گا۔ ابلیس نے یہ سن کر کہا اس کے بعد میں اب کسی کو یہ نصیحت نہ کروں گا۔ اے بھائی، یہ حال اس شخص کا ہے جس نے تمام عمر میں صرف ایک رات شکم سیر ہو کر کھانا کھایا تھا۔ پھر ہمارا کیا حال ہوگا کہ زندگی بھر میں کسی رات بھوکے نہ رہے اس پر یہ فضول ہوس کہ عبادت بجا لائیں۔ لوگوں نے کہا ہے کہ سکراتِ موت کی سختی زندگی کی لذتوں کے برابر ہوتی ہے۔ جس کو اپنی زندگی میں زیادہ لذت حاصل ہوتی ہے موت کی سختی بھی اسی اندازے سے اُس پر زیادہ ہوتی ہے۔ حاصل کلام بھوک کے فائدے بے حد و بے حساب ہیں اور شکم پُری کی آفتیں بے تعداد و بے شمار۔ بیشک کام ایک مشکل کام ہے اور لقمے کی باتیں سخت اور خوفناک ہیں۔ جیسا کہ ابھی تم نے سنا۔ اب اگر تم سوال کرو کہ صلہ لینا اور فتوحات کا قبول کرنا

یا اُس کے ردّ و قبول میں بحث و انکار کرنا واجب ہے یا نہیں ؟ تو کہا گیا ہے کہ اگر آدمی کا ظاہر صلاح و تقوےٰ سے آراستہ ہے۔ یعنی اگر دینے والا نکوکار نظر آتا ہے تو صلہ و صدقات قبول کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور بحث و تجسّس ضروری نہیں۔ اور یہ کہنا کہ زمانہ خراب ہے (یعنی لوگ آجکل کسب حلال میں احتیاط سے کام نہیں لیتے) تو یہ مسلمانوں کے ساتھ بدگمانی کرنا ہے اور ہمیں ان کے ساتھ نیک گمان کرنے کا حکم دیا گیا ہے تو اس سے جانو کہ اصل دو چیزیں ہیں۔ ایک حکمِ شریعت ظاہر اور دوسرے حقِ تقویٰ۔ تو شریعت کا حکم یہ ہے کہ جب کوئی ایسا آدمی جس کا ظاہر نیک ہے، تمھیں کوئی چیز دے تو لے لو اور یہ نہ پوچھو کہ تم نے کیسے اور کہاں سے حاصل کی ؟ لیکن اگر تم کو اس بات کا یقین ہو کہ یہ چیز غصب یا حرام محض ہے تو قبول نہ کرو۔ اور حکمِ تقویٰ یہ ہے کہ جب تک پوچھ نہ لو اور یقین نہ ہو جائے کہ اس میں کوئی شبہ نہیں ہے مت لو اور اُسے واپس کر دو۔ اگر کوئی کہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تقویٰ مخالفِ شریعت ہے تو اس کا یہ جواب ہے کہ شریعت کی بنیاد نرمی و آسانی پر اور تقوے کی بنیاد سختی اور دشواری پر رکھی گئی ہے۔ کہا گیا ہے کہ متقیوں کا کام خود اپنی سختیوں اور بندشوں کی بنا پر ہوتا ہے جو وہ اپنے اوپر خود عائد کر لیتے ہیں۔ اس کے باوجود تقویٰ شریعت کا مخالف نہیں ہے اور دونوں اپنی اصل میں ایک ہی ہیں۔ لیکن جانو کہ شریعت کے احکام دو قسم کے ہیں، ایک جائز اور دوسرے افضل۔ جائز کو حکمِ شریعت اور افضل کو حکمِ تقوے کہتے ہیں۔ اس لیے دونوں اپنی حقیقت میں ایک ہی ہیں۔ اگرچہ بظاہر ایک دوسرے کے مخالف نظر آتے ہیں۔

اے بھائی! یہ راہ مجردوں کی راہ اور یہ کام بلند ہمتوں کا کام ہے۔ یہاں پاک بازی اور جاں نثاری کی ضرورت ہے۔ نقل ہے کہ شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے کہا کہ یہاں ایک شخص مقام استاد نامی رہتا ہے۔ آپ اپنے مریدوں کی ایک جماعت کے ساتھ وہاں تشریف لے گئے دیکھا کہ ایک شخص چٹائی لپیٹے زمین پر بیٹھا ہے۔ آپ نے پوچھا مقام استاد تم ہی ہو؟ جواب دیا ہاں، لوگ ایسا ہی کہتے ہیں۔ شیخ نے کہا "استادی میں نامور کیسے ہوئے ؟ اُس نے کہا راستبازی اور پاکبازی کی وجہ سے۔ اسی مقام پر کسی نے کہا ہے۔ رباعی

گرچہ بعمل ز سر فرازان مائیم | وز علم ز خلق بے نیازان مائیم
آگندہ کعبتین بازان مائیم | خاکِ کفِ پائے پاکبازان مائیم

(اگرچہ اپنے عمل کی وجہ سے ہم سربلند ہوگئے اور علم کی وجہ سے خلق سے بے نیاز ہیں۔ لیکن اس میدان کے کھلاڑیوں کے سامنے سرافگندہ ہیں اور پاکبازوں کے تلووں کی خاک ہیں) اے بھائی مَنْ کَانَ اَضْعَفُ فَالرَّبُّ بِہٖ اَلْطَفُ (جو شخص جتنا کمزور اور ضعیف ہوتا ہے خدا اُتنا ہی اُس پر زیادہ مہربان ہوتا ہے)۔ وہ تمام ربوں کا رب ضعیفوں اور کمزوروں کا کام اس طرح بنا دیتا ہے کہ مقربانِ درگاہ حیران رہ جاتے ہیں۔ ہزاروں مقرب اور مقدس ہستیاں رکوع اور سجود کے سمندر میں غوطے لگاتی ہیں اور کوئی اُن کی بات تک نہیں پوچھتا۔ اور یہاں ایک فقیر دبے لوا جب سو کر اُٹھتا ہے اور کہتا ہے ہائے بہت دیر تک سوتے رہے اور عمرِ عزیز ضائع کردی۔ تو وہ ربُ الارباب قرآن مجید میں آسمان والوں اور زمین والوں پر ان الفاظ میں ان کی تعریف کرتا ہے۔ تَتَجَافٰی جُنُوْبُھُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ (اُن کی پسلیاں اور پہلو ہر وقت زمین سے لگے ہوئے ہیں)۔ اور ایک حقیر کتا اُس کے دوستوں کے پیچھے چند قدم چلا تو اس کے پاؤں کی خاک مقربانِ بارگاہ کی آنکھوں کے لیے سرمہ بنادی گئی اور قرآن مجید میں قیامت تک اُس کو یہ خطاب مرحمت ہوا وَکَلْبُھُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَیْہِ بِالْوَصِیْدِ (اور ان کا کتا ہاتھ پاؤں پھیلائے ان کی چوکھٹ پر پڑا ہے) والسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پچاسیواں مکتوب ۸۵

نفس کو جدا کرنے کے بیان میں

بھائی شمس الدین۔ معلوم ہو کہ خوش بختانِ طریقت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اَوَّلُ دَرَجَۃِ الْعَبْدِ فِی الْمَعْرِفَۃِ ھَجْرٌ اَنَّہٗ لِنَفْسِہٖ (پہلا درجہ معرفت میں بندے کا اپنے نفس سے دُور ہوجانا ہے)۔ یعنی خدائے عزوجل کی پہچان اپنی ذات سے بیزاری ہے۔ جب تک اپنے سے بیزاری کو نہ پہچانو گے خدا کی آشنائی کا مرتبہ نہ پاؤ گے۔ تمام لوگوں کی نظر اپنے اوپر اس لیے پڑتی ہے کہ خود ان کا وجود معرفت کے راستے میں رکاوٹ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مردانِ راہِ حق سارا غصہ اپنے اوپر اتارتے ہیں اور جو تلوار اٹھاتے ہیں اپنے اوپر اٹھاتے ہیں۔

تاکہ اس کم بخت اُلکاؤ کو دور کر دیں اور دل بارگاہِ معرفت تک پہنچ سکے یا راہِ طلب میں خاکستر ہو جائے۔ مثنوی۔

زہے عزت کہ چندان بے نیازی است — کہ چندین عقل وجان آنجا بازی است
زہے غیرت کہ گر بر عالم افتد — بیک ساعت دو عالم برہم افتد
زہے رحمت کہ گر یک ذرہ ابلیس — بیابد گوے بر باید ز ادریس

(اللہ اللہ رب العزۃ کی شانِ بے نیازی کا کیا کہنا کہ جہان بے شمار عقلیں اور جانیں کھیل بن کر رہ گئی ہیں۔ اسکی غیرت بھی کیا خوب ہے کہ اگر اس کا ایک شمہ عالم پر پڑ جائے تو دونوں جہان نیست و نابود ہو جائیں۔ اور اسکی رحمت وہ ہے کہ اگر اس کا ایک ذرہ بھی ابلیس کو مل جائے تو وہ حضرت ادریس علیہ السلام سے بھی بازی لے جائے۔ اَلْمَعْرِفَةُ اَلْفَوْزُ بِالْقُدُسِ وَالْفَلَاحُ بِالْاُنْسِ (معرفت بارگاہِ قدس میں کامیابی اور محبت میں فلاح و نجات ہے)۔ اتنی بڑی دولت ایسی بدبخت رکاوٹ کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اَلضِّدَّانِ لَا يَجْتَمِعَانِ (دو ضد ایک جگہ جمع نہیں ہوتے)۔ یہ آب و گل کا کام نہیں ہے۔ اور نہ عالم کون و فساد کی دولت ہے۔ یہ ازلی نعمت اور ابدی صفات کی بارگاہ ہے۔ اگر تمام مخلوقات سرکشی پر اتر آئیں تو اس کے آستانے کو ذلت کی گرد تک نہ پہنچے گی۔ اور اگر تمام سرکش صدیق و صالح بن جائیں تو اس کے دربار کا استغنا کچھ زیادہ نہ ہو جائے گا۔ ایک بزرگ نے کہا ہے۔

زہے ساحت کہ گر عالم نہ بودے — بسر موے از انجا کم نہ بودے
زہے وحدت کہ موے در نہ گنجد — دران وحدت جہان موے نہ سنجد
زہے حیرت کہ جان راہست بر تو — کنون عاجز شد و دل بست بر تو

(اللہ اکبر! کتنی بڑی وسعت ہے کہ اگر یہ سارا عالم نہ ہوتا تو اس کی بارگاہ میں ایک بال بھر کمی نہ ہوتی۔ وحدت بھی کیسی کہ ایک بال کی بھی سمائی نہیں۔ اس کی وحدت میں یہ جہان بال کے برابر بھی نہیں ہے۔ اللہ اللہ! جان کو تیری معرفت میں کس درجہ حیرت ہے کہ آخر عاجز ہو گئی اور اور تجھ سے دل کو وابستہ کر لیا)۔ یہ تو کسی جوہر یگانہ و یکتا ہی کا کام ہے نہ اس آب و خاک کا۔ نہ عابدوں اور زاہدوں کا، بلکہ یہ ننگے بھوکوں اور دکھیاروں کا کام ہے۔ جن کی زبانوں پر

یہی وظیفہ رہتا ہے۔ قطعہ

قلندری و خراباتی از پئے تو شدم — حدیثِ عشق تو دیدم کہ پارسائی نیست
چنین کہ از درِ ہمت گدائے کوئے تو شد — کہ ہیچ سلطنتے خوشتر از گدائی نیست

(تیرے لیے ہم ملامتی اور خراباتی بن بیٹھے کیونکہ تیرے عشق و محبت کی گفتگو کو پارسائی سے کوئی واسطہ نہیں۔ ہم اسی لیے ہمت سے کام لے کر تیری گلی کے فقیر بن گئے ہیں کہ کوئی بادشاہت تیری فقیری سے بہتر نہیں ہے) قطعہ

در راہِ تو بمیرم ارچہ ترا نہ بینم — بارے خلاص یابم از ننگِ زندگانی
زانجا کہ رفتۂ تو نفرستی از سلامے — بر دست باد بارے از خاکِ رہ نشانی

(مانا کہ میں تجھے نہ دیکھ سکوں گا لیکن تیرے راستے میں مر تو جاؤں گا اور آخر اس بے غیرتی کی زندگی سے نجات پاؤں گا۔ اے محبوب تو جہاں گیا ہے وہاں سے کوئی سلام بھی نہ بھیجا۔ کاش ہمارے ہاتھوں میں نشانی کے طور پر تیرے راستے کی خاک ہی رہ جائے) جیسا کہ حضرت سلطان العارفین قدس اللہ سرہٗ نے فرمایا ہے وَجَدْتُ هٰذِهِ الْمَعْرِفَةَ بِبَطْنٍ جَائِعٍ وَبَدَنٍ عَارٍ۔ (میں نے بھوکوں پیٹ اور ننگے بدن رہ کر یہ معرفت حاصل کی ہے)۔ فاقہ مستی اور عریانی بارگاہ آشنائی کی کنجی ہے۔ بس یہی صفات حاصل کرو کیونکہ یہی عزیز اور دروازۂ معرفت کی کلید ہیں۔ اور آپ ہی یہ فرماتے ہیں۔ اَلْمَحْجُوْبُوْنَ عَنِ اللّٰهِ ثَلٰثَةٌ اَلزَّاهِدُوْنَ بِزُهْدِهِمْ وَالْعَابِدُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَالْعُلَمَاءُ بِعِلْمِهِمْ (تین گروہ اللہ تعالیٰ سے حجاب میں مبتلا ہیں۔ زاہد اپنے زہد کے حجاب میں، عابد اپنی عبادت کے حجاب میں اور عالم اپنے علم کے حجاب میں)۔ یہ کلام ایک سمندر ہے کہ اس کے عجائب و غرائب کبھی ختم ہونے والے نہیں۔ اگر تمھارے دل میں ذرہ برابر بھی یہ خیال باقی ہے کہ دنیا میں مجھ سے بہتر کوئی نہیں ہے تو تم متکبر کہلاؤ گے۔ دیکھو، خبردار کبھی دعوے کی ٹوپی سر پر نہ رکھنا، ورنہ دُور پھینک دیے جاؤ گے اور غرور پر کمر بستہ رہو گے۔ یاد رکھو معرفت کی گفتگو کرنا متکبروں کا کام نہیں ہے۔ مَادَامَ الْعَبْدُ يَظُنُّ اَنَّ فِيْ جَمِيْعِ الْخَلْقِ مَنْ هُوَ شَرٌّ مِنِّيْ فَهُوَ مُتَكَبِّرٌ۔ (بندہ جب تک یہ گمان کرتا ہے کہ تمام مخلوق میں کوئی مجھ سے بُرا بھی ہے تو وہ متکبر ہے اور حجاب میں پڑا ہوا ہے۔ ایک بزرگ نے فرمایا ہے۔ مثنوی

چو علمت ہست باعلمت عمل کن | پس از علم و عمل اسرار حل کن
ترا با علم دین یک ذرہ کردار | بسے بہ زانکہ علم دین بہ خروار
برو کارے بکن کاین کار خام ہست | زعلم دین ترا حرفے تمام ہست

(جب تجھے علم حاصل ہے تو اپنے علم پر عمل کر اور علم و عمل کے ذریعہ اسرارِ خداوندی حل کر لے۔ تیرے لیے علم دین کے ساتھ ایک ذرہ کردار اس علم دین سے ہزار گونہ بہتر ہے جو گدھے کا بوجھ ہو۔ جا کوئی کام سرانجام دے۔ یہ جو کچھ تو کر رہا ہے خامکاری ہے۔ اگر تو صحیح عمل سے کام لے تو علم دین کا ایک حرف تیرے لیے کافی ہے)۔ یحییٰ معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں حضرت خواجہ بایزید بسطامی قدس اللہ سرہُ العزیز کی خدمت میں گیا دیکھا کہ وہ ایک چمڑا سر سے لپیٹے اور سیاہ پرانی رسی سے باندھے تکبیر کہہ رہے ہیں۔ میں نے کہا۔ "اے برہان الموحدین کیا ملک میں کوئی سانحہ پیش آیا ہے جو آپ تکبیر کہہ رہے ہیں؟" انھوں نے کہا "اے یحییٰ، اگر تم یہ راز جاننا چاہتے ہو تو روم چلے جاؤ۔ جب میں روم میں پہنچا تو ایک بڑا حصار دیکھا جہاں لوگوں کا ہجوم تھا اور دشمنانِ دین کی جلی بھنی بے شمار لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ میں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ "اس شہر کے رہنے والوں نے مسلمانوں سے جنگ کی تھی۔ قریب تھا کہ لشکرِ اسلام کو شکست ہو جائے کہ اچانک بسطام کی طرف سے تکبیر کی آواز آئی اور اُس کے پیچھے ایک آگ ظاہر ہوئی اور اس حصار میں لگ گئی اور یہ سب جل کر راکھ ہو گئے"۔ پھر میں واپس بسطام آیا اور حضرت بایزید کو دیکھا کہ آپ پاؤں کی دو انگلیوں پر بیٹھے ہیں اور حیرانی اور درد کے ساتھ مناجات کر رہے ہیں۔ نمازِ عشا تک ان کا یہی حال تھا۔ جب فارغ ہوئے تو میری طرف دیکھ کر فرمایا۔ "اے یحییٰ، بارگاہِ ربوبیت میں تیس ہزار مقامات پر میرا گزر ہوا ہے اور میں نے ہر مقام پر حضرت رب العزۃ سے مناجات کی ہے۔ آخر مجھ سے پوچھا گیا۔ اے بایزید تیری مراد کیا ہے؟ میں نے کہا اُرِیْدُ اَنْ لَّآ اُرِیْدُ (میری مراد یہ ہے کہ میری کوئی مراد نہ ہو) میری مراد بے مرادی ہے، اور میرا چاہنا کچھ نہ چاہنا ہے"

زبان بماند بنامت ہنوز سیری نیست | دریغ عاشقِ مسکین کہ یک زبان دارد

(تیرا نام رٹتے رٹتے زبان گھس گئی لیکن سیری نہ ہوئی۔ افسوس کہ اس غریب عاشق کے منہ میں ایک ہی زبان ہے)۔ حضرت یحییٰؒ نے کہا۔ "آپ نے یہ کیوں نہیں کہا کہ اپنی معرفت مجھے

عنایت فرما۔" انھوں نے کہا " اَغَارُ عَلَیہِ اَنْ اَکُوْنَ ذَالِکَ۔ (مجھ کو غیرت اجازت نہیں دیتی کہ معرفت میں غور وفکر کروں) اور یہ کس قدر بری بات ہے کہ قدیم کی صفت حادث کی صفت سے مل جائے۔ اس جگہ لوگوں نے کہا ہے کہ حضرت بایزید نے اَغَارُ عَلَیہِ کہہ کر حضرت یحییٰ کا راستہ روک دیا تاکہ وہ اُن کے پیچھے نہ لگ جائیں۔ ان بزرگوں کا یہی طریقہ ہے کہ اپنی روش ظاہر نہیں کرتے تاکہ راہرووں کی غیرت وزحمت سے محفوظ رہیں۔ ؎

تو گر با حق بہ شب در راز گوئی	دگر روز آن بہ فخر و ناز گوئی
ریا و عُجب کوہِ آتشین است	نمی دانی کہ کوہِ دوزخ این است

(اگر تو ساری رات اللہ تعالےٰ کے ساتھ راز و نیاز میں مشغول رہا اور دوسرے دن فخر و ناز کے ساتھ لوگوں سے کہتا پھرا تو یقیناً یہی ریا وعُجب کا آتشین پہاڑ ہے۔ تو نہیں جانتا کہ دوزخ کا آتشیں پہاڑ یہی ہے)۔ پیروں میں سے ایک پیر فرماتے ہیں کہ میں دس سال تک آنسو روتا رہا، دس سال خون اور دس سال پیپ رویا کیا۔ اب دس برس سے برابر ہنس رہا ہوں۔ اُس پیر نے اس طرح راستہ گم کر دیا تھا۔ اور اپنے دین کی حسرت وغم میں روتا تھا۔ اور نادان لوگ اس پر عشق کا الزام رکھتے تھے۔ ؎

از پئے عشق ہمہ طعنہ زنان بےخبراند	اے مسلمان ہمہ فریاد ازین بےخبران

(عشق کا طعنہ دینے والے سب بے خبر ہیں۔ اے مسلمانو! میں اِن بے خبروں سے عاجز ہوں اور فریاد کرتا ہوں)۔ معرفت وحقیقت کی گفتگو میں لوگوں کو سخت مغالطہ ہوا ہے۔ ان میں اکثر وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ وہ نہیں جانتے۔ کیونکہ تمام جاننے والوں کا جاننا یہ ہے کہ ان کو اپنے نہ جاننے کا علم ہو جائے۔ اور تمام پہچاننے والوں کی انتہا یہ ہے کہ وہ پہچان لیں کہ اُس کو نہیں پہچان سکتے۔ جمالِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کے مرتبے کی قسم کہ ہم نے جو کچھ جانا ہے اس سے توبہ کرتے ہیں۔ ؎

جہان از تو پُر و تو در جہان نے	ہمہ در تو گم و تو درمیان نے
جہان پُر نامِ تو و زتو نشان نے	شدہ بینندہ عقل و تو عیان نے
جہانِ عقل وجان حیران بماندہ	تو در پردہ چنان پنہان بماندہ
زعجزِ خویش می گوئیم اے پاک	توئی معروف وعارف ما عرفناک

(تجھ سے سارا جہان بھرا ہوا ہے مگر تو جہان میں نہیں۔ تجھ میں سب گم ہیں مگر تو بیچ میں نہیں ہے۔ تیرے نام سے سارا عالم پُر ہے لیکن تیرا کہیں نشان نہیں۔ عقلیں دیکھنے والی ہیں لیکن تو ظاہر نہیں ہوتا۔ جان وعقل کا سارا جہان متحیر ہو گیا ہے کہ تو پردے میں کیسا چھپ گیا۔ اے پاک ذات ہم اپنی عاجزی کا اقرار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تو ہی معروف ہے اور تو ہی عارف ہم نے تجھے نہیں پہچانا۔ اے بھائی" بڑے تعجب کی بات ہے کہ تمام دلیریاں اور بہادریاں جب معرفت کے کوچے میں پہنچتی ہیں تو برباد عشق ہو جاتی ہیں۔ اور تمام علوم کے سمندر جب قدرت کی موج تک پہنچتے ہیں تو قطرہ بن جاتے ہیں۔ تمام عزتیں اور شرافتیں جو طلب کا ارادہ کرتی ہیں سراسر ذلت بن جاتی ہیں۔ اور تمام دعوے جو اُس کی پاکی کلام تک پہنچتے ہیں شکست خوردہ ہو جاتے ہیں۔ اگر مخلوق کی عاجزی کی تمہید مقصود نہ ہوتی تو کون کہتا مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ (اللہ کی قدرِ معرفت کا حق کسی نے ادا نہیں کیا) سارے جہان کے خداشناسوں کو جنازے پر رکھتے ہیں تب کسی ایک آشنا کو چنتے ہیں۔ یہ وہی راز ہے جسے خواجہ جنید رحمۃ اللہ علیہ یوں فرماتے ہیں کہ "میرے ساتھ ہزاروں مریدانِ صادق کو صدق کے راستے میں پھانسی دے کر مقامِ معرفت کے قریب قہر کے دریا میں ڈبو دیا جب کہیں جا کر ہم ارادت کے آسمان پر سورج بن کر چمکے ہیں۔" اور خواجہ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا "آپ مرنے سے پہلے کیا چاہتے ہیں؟" آپ نے کہا اُرِیْدُ اَنْ اَعْرِفَهٗ قَبْلَ مَوْتِیْ بِلَحْظَةٍ (میری تمنا ہے کہ مرنے سے پہلے دم بھر کیلئے اس کی معرفت کی دولت مجھے نصیب ہو جائے)۔ کسی دل جلے نے کہا ہے ؎

چون می کُشی رہا کن تا پائے تو ببوسم بلاے یہ سینۂ من این آرزو نماند

(جب تو مجھے مار ڈالنا ہی چاہتا ہے تو ذرا مجھے آزاد کر دے تاکہ میں تیرے پاؤں چوم لوں تاکہ میرے دل میں یہ آرزو باقی نہ رہ جائے)۔ اسی جگہ لوگوں نے کہا ہے کہ سالکانِ طریقت جب دنیا سے سفر کرتے ہیں تو زیادہ تر اپنا دردِ جگر ساتھ لے جاتے ہیں۔ اور اِن باتوں کے غمگین کبھی اپنے ماتم کی بساط تہ نہیں کرتے۔ لوگ آتے ہیں اور جاتے ہیں آسمان والوں کو آسمان پر اور زمین والوں کو زمین پر پہنچاتے ہیں لیکن اس حسرت کے ماتمی لباس کو غمگینوں کے بدن سے نہیں اتارتے۔ جیسا کسی دردمند نے کہا ہے۔ قطعہ۔

در ہر دلے کہ در نہ رود دلبرے بسوز آتش بہ خانۂ کہ نہ شد میہمان درون
مُردم بر آستان و نہ رفتم درون کنون خاکم مگر کہ باد برد ز آستان درون

(جس دل میں دلبر ہی نہ آئے اُسے جلا ڈال۔ اس گھر میں آگ لگ جانا ہی بہتر ہے جس میں مہمان نہ آئے۔ میں دروازے ہی پر مر گیا اور اندر نہ جا سکا۔ کاش ہوا ہی میری خاک کو اندر پہنچا دے)۔

سفیان عینیہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کَوْ بَکیَ الْمَحْزُوْنُ مِنْ اُمَّۃِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَرَحِمَ اللّٰہُ الْاُمَّۃَ بِبُکَائِہٖ (اگر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں سے کوئی شخص روتا ہے اضطرار کی حالت میں تو اللہ تعالیٰ اُس کے رونے کی وجہ سے ساری امت پر رحمت فرماتا ہے۔

اَوْحَی اللّٰہُ تَعَالٰی اِلٰی مُوْسیٰ بْنِ عِمْرَانَ عَلَیْہِ السَّلَامُ مَحْزُوْنٌ مِنْ اُمَّۃِ اَحْمَدَ یَقُوْلُ یَا رَبِّ اَقُوْلُ لَبَّیْکَ لَبَّیْکَ (اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی کی کہ امتِ احمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی غمگین جب "یارب" کہتا ہے تو ہم "لبیک لبیک" کہتے ہیں)، ہر زمانے میں صاحبِ غم واندوہ ایک ہی شخص ہوتا ہے اور دوسرے اُس کی پناہ میں زندگی گزارتے ہیں خواجہ وکیع بن جرّاح رضی اللہ عنہ کہتے ہیں لَمَّا مَاتَ الْفُضَیْلُ ذَھَبَ الْحُزْنُ مِنَ الْاَرْضِ (جب فضیل [ابراہیم ادہم] نے انتقال کیا تو دنیا سے حزن جاتا رہا) اپنے زمانے میں غم و اندوہ کی سلطنت کے فرماں روا خواجہ فضیل ہی تھے جب وہ نہ رہے تو گویا غم بھی دنیا سے رخصت ہو گیا۔ مشائخ رضوان اللہ علیہم کے کلمات میں ہے۔ صَاحِبُ الْحُزْنِ یَقْطَعُ مِنَ الطَّرِیْقِ فِیْ شَھْرٍ مَالَا یَقْطَعُ مَنْ فَقَدَ حُزْنَہٗ بِسِنِیْنَ۔ (صاحبِ غم ایک مہینے میں اتنا راستہ طے کرتا ہے کہ غم سے عاری انسان برسوں میں طے نہیں کر سکتا)۔ دوسروں کو بڑے مجاہدے کی ضرورت ہے جب کہیں دین کے راستے میں ایک قدم بڑھا سکتے ہیں۔ اور ممکن ہے کہ اس پر بھی نہ بڑھا سکیں۔ لیکن وہ شخص جو غم واندوہ کی باتوں میں ڈوبا ہوا ہے، پہلا قدم اس کا بساطِ صدق پر ہوتا ہے اور میخانۂ محبت کا پہلا جام اسی کو ملتا ہے۔ ؎

من بہ گرمائے قیامت خونِ خورم بریاد دوست جوئے شیر آن را نما کو تشنۂ کوثر بود

(میں تو قیامت کی گرمی میں محبوب کو یاد کرتا اور خونِ جگر پیتا ہوں۔ یہ دودھ کی نہر اس کو دکھلا جو کوثر کا پیاسا ہو)۔ اسی راز کے معنی میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فتویٰ ہے:

اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ کُلَّ قَلْبٍ حَزِیْنٍ۔ (ہر ایک غمگین دل والے کو اللہ دوست رکھتا ہے)۔ توریت میں ہے اِذَا اَحَبَّ اللّٰهُ عَبْدًا نَصَبَ فِیْ قَلْبِهٖ نَائِحَةً وَاِذَا اَبْغَضَ اللّٰهُ عَبْدًا نَصَبَ فِیْ قَلْبِهٖ مِزْمَارًا (جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو دوست رکھتا ہے تو اس کے دل میں حزن وملال ڈال دیتا ہے اور جس بندے سے غصہ اور عداوت کرتا ہے اس کے دل میں طرب و خوشی پیدا کر دیتا ہے)۔ خداوند تعالیٰ جب مخلوق پر احسان کرتا ہے تو یہ احسان کرتا ہے کہ اپنے دوستوں کے دلوں کو بغیر گریہ و زاری کے نہیں چھوڑتا۔ اور اپنے دشمنوں کو طرب و خوشی سے خالی نہیں رکھتا۔ کسی کے دل میں اتنا رنج وغم نہیں تھا جتنا سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ مبارک میں تھا۔ وَکَیْفَ یَتَلَذَّذُ مَنْ یَتَجَدَّدُ عَلَیْهِ الْمَصَائِبُ فِیْ کُلِّ وَقْتٍ (جس کو ہر لحظہ نئی مصیبت غیب سے پہنچتی ہو وہ کیسے خوش رہ سکتا ہے) قطعہ

تو اے پسر کہ ازین سو سواری گذری	مرا بکش چو برائے شکاری گذری
تو مستِ خوابِ چہ دانی کہ تا چہ می گذرد	دران دلے کہ بہ شبہائے تاری گذری

(اے لڑکے تو سوار ہو کر اس طرف سے گزرتا ہے۔ اگر شکار کے لیے جاتا ہے تو مجھے قتل کر۔ تو مستِ خواب کیا جانے کہ جس دل میں تو تاریک راتوں میں گزرتا ہے اُس پر کیا مصیبت ٹوٹتی ہے)۔ حضرت خواجہ جنید رحمۃ اللہ علیہ اپنے پیر خواجہ سری سقطی قدس اللہ سرہٗ العزیز کو نزع کی حالت میں پنکھا جھل رہے تھے۔ آپ نے آنکھ کھول کر دیکھا اور کہا۔ کَیْفَ یَسْتَلِذُّ بِنَسِیْمِ الْمِرْوَحَةِ مَنْ فِیْ نَفْسِهٖ کَبِدٌ یَحْتَرِقُ (اس آدمی کو پنکھے کی ہوا سے کیا راحت مل سکتی ہے جس کے سینے میں اس کا کلیجہ پھنک رہا ہو)۔ اے فرزند تو مجھے پنکھا جھل رہا ہے اور میرے جگر میں آگ لگا کر جلا رہے ہیں۔ اور ایسی آگ کہ اگر اس کا ایک شرارہ پہاڑ پر پہنچ جائے تو وہ راکھ ہو جائے یہ تیرے پنکھے کی ہوا کیا فائدہ پہنچا سکتی ہے۔ قطعہ

مرا این تشنگی از بہر آبِ دیگر ست ارنے	نمی بینی کہ در ہر دیدہ دریائے دگر دارم
طبیبا خویش را زحمت مدہ چون بہ نخواہم شد	کہ من اندر بر شوریدہ سودائے دگر دارم

(میری یہ پیاس تو کسی دوسرے ہی پانی کے لیے ہے۔ نہیں تو کیا تم نہیں دیکھتے کہ میری دونوں آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا بہہ رہا ہے۔ اے طبیبو، میرے علاج کی زحمت گوارا نہ کرو میں اچھا نہ ہوں گا۔

کیونکہ میں اپنے سرِ شوریدہ میں ایک دوسرا ہی سودا رکھتا ہوں۔ اے بھائی، اب دل خوش رکھو اگرچہ گناہ بے حد و بے حساب ہیں اور عبادت و بندگی کچھ بھی نہیں ہے لیکن لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ (خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہو) کے فتویٰ نے تمام گناہگاروں کو اپنی پناہ میں گھیر لیا ہے۔ اور فرمان وَلَا تَايْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ (اللہ کی بخشش اور کرم سے مایوس نہ ہو) نے سارے مفلسوں کو اپنی رحمت کے سایے میں جگہ دے دی ہے جب وہ بخشش کر ہی چکا ہے تو ناامید نہیں ہو سکتے اور جب وہ بخشش ہی کرنے والا ہے تو اُس سے مایوس نہیں ہو سکتے ہیں۔ اے بھائی جب وہ بخشنے ہی والا ہے تو اپنی رحمت سے گناہگاروں کی ناامیدی کیونکر جائز رکھے گا۔ اور جب وہ بخشنے والا ہے تو اپنے خزانۂ رحمت سے مفلسوں کو ناکام نہ چھوڑے گا۔ اے بھائی شکستہ دل نہ ہو۔ تم اس وقت کتنے ہی مفلس کیوں نہ ہو جب تمھارے رخسار و چہرہ کو اس نے اپنے حسن کے زیور سے آراستہ کیا ہے اور خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِهٖ (حضرت آدمؑ کو اپنی صورت پر پیدا کیا) کا تاج تمھارے سر پر رکھا۔ تو اس کا جمال تمھارا جمال اور اُس کا کمال تمھارا کمال ہے۔ اگر تم خرابات کی ہوا سے آلودہ ہو گئے تو جانتے ہو کہ ملاءِ اعلیٰ کے فرشتوں کو قدس کے مصلے پر کیوں بٹھایا ہے۔ اس لیے کہ اپنے استغفار کے پانی سے ان دھبّوں کو دھو ڈالیں۔ اور اگر کبھی خواہشات کے بازار میں گناہوں سے ملوث ہو جاؤ تو اس کا ازلی کرم اور ابدی مہربانی عالم میں پکار کر کہتی ہے فَاَیْنَ بِوَجْہٍ مَلِیْحٍ ذُنُوْبُ لَسْتَ کَاَحَدٍ کُمْ (ایسے خوبصورت چہرے کے لیے گناہ کا دھبہ کہاں ہے۔ تم جیسا تو کوئی نہیں ہے)۔ اسی معنی کا راز ہے کہ ایک دن سلطان محمود غازی رحمۃ اللہ علیہ نے الضاف کی غرض سے اپنے لشکر میں ڈھنڈورا پٹوایا کہ "جس کسی سے کوئی بے ادبی سرزد ہو گی، ہم اُسے قانوناً گرفتار کر کے پھانسی پر لٹکا دیں گے"۔ لیکن اس کے بعد ہی عنایت و مہربانی کا وقت آیا اور منادی کو واپس بلا کر حکم دیا کہ یہ بھی اعلان کرنا کہ ہمارا دوست ایاز اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔ کیونکہ وہ ہماری محبت میں بے خود ہے اور ہماری پناہ میں ہے۔ اگرچہ غلام کی صورت میں ہے لیکن بادشاہ۔

قطعہ

اے کردہ محو نیست بہ احسان گناہ ما ۔۔۔ پس کردہ از سرادق غرت پناہ ما

ایمن شود ز عدلِ تو جانہا اگر شود ۔۔۔ در موعدِ قضائے تو حکمت گواہِ ما

(اے وہ ذات جس نے اپنے احسان سے ہمارے گناہ مٹا دیے اور عزت کے خیموں میں ہمیں پناہ دی۔ اگر ہماری جانیں تیری قضا کی گرفت میں آ بھی جائیں تو تیرے عدل سے محفوظ رہیں گی۔ تیری حکمت و رحمت ہمارے اس دعوے کی گواہ ہے)۔ والسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

چھیاسیواں مکتوب ۸۶

اپنے ساتھ موافقت کرنے کے بیان میں

عزیز بھائی شمس الدین، اللہ تعالیٰ تمھیں طالبوں کی بزرگی کے ساتھ نوازے۔

سنو جس نے اپنے ساتھ موافقت کی اور اپنی خودی کو قبول کر لیا، وہ اگرچہ صورتاً زندہ ہے لیکن حقیقت میں مردہ ہے۔ اور جس کی زندگی خدا کے ساتھ ہے وہ اگرچہ صورتاً مردہ ہی کیوں نہ ہو حقیقتاً زندہ ہے۔ کیونکہ موت جسم کی موت اور عدم جسم کا عدم نہیں ہے۔ موت جس طرح صورت پر واقع ہوتی ہے اسی طرح معنی پر بھی واقع ہوتی ہے۔ مخلوق بشریت کے دریا میں ڈوبی ہوئی ہے اور انبیا علیہم السلام ان کا ہاتھ پکڑ کے بشریت کے دریا سے باہر نکالتے ہیں تو یہ توحید کے دریا میں اس طرح غرق ہو جاتے ہیں کہ کوئی ان کا نشان بھی نہیں پاتا۔ اے بھائی، جب توحید کا سورج نکل آئے گا تو لامحالہ تمھاری ہستی کا چراغ خجلتِ عدم میں غائب ہو جائے گا۔ اور اس وقت تمھارا وجود ہوگا نہ ہونے کے برابر اور تمھارا عدم ہوگا موجود ہونے کی صورت میں۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ عین آفتاب کے سامنے چراغ کی کوئی حیثیت نہیں۔ سارا فروغ آفتاب کا ہے۔

اب چونکہ چراغ کے وجود کا کوئی فائدہ (یعنی نور) ظاہر نہیں ہوتا اس لیے اس کا وجود عدم، اور ہونا نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے۔ اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ عدم اور وجود آپس میں ایک دوسرے کی ضد ہیں اور کسی چیز کا ایک ہی وقت میں موجود اور معدوم ہونا محال ہے تو اس کا یہ جواب ہے کہ یہ تضاد عینِ ذات میں نہیں ہے بلکہ صفات میں ہے کیونکہ عین ذات میں تبدیلی ممکن نہیں البتہ صفات بدلتے رہتے ہیں اور خلقت نہیں بدلتی۔ جیسے آفتاب کی گرمی پانی کو گرم کر دیتی ہے تو پانی کی صفت بدل جاتی ہے لیکن پانی اپنی ذات میں نہیں بدلتا۔ پانی ویسا ہی موجود ہے، آفتاب کی تپش نے اس کے

صفات بدل دیے ہیں۔ اس میں اجتماعِ ضدین کا احتمال نہیں۔ اللہ تعالےٰ نے دشمنانِ دین کی صفت میں فرمایا ہے اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَاءٍ وَمَا یَشْعُرُوْنَ (وہ مردہ ہیں زندہ نہیں، مگر وہ اس بات کو نہیں سمجھتے)۔ یعنی یہ بیگانے صورت کے اعتبار سے تو زندہ ہیں لیکن زندگی کے معنی کے اعتبار سے مردہ۔ کیونکہ زندگی کی حقیقت یہ ہے کہ ذات اپنی زندگی سے خود فائدہ حاصل کرے مگر ان کو اپنی زندگی سے کوئی فائدہ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کل قیامت میں اپنی موت کی آرزو کریں گے۔ اور اپنے وجود کی مصیبت میں مبتلا رہیں گے۔ اور اپنے دوستوں کے حق میں فرمایا وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْیَاءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ (جو لوگ خدا کی راہ میں شہید ہو گئے اُن کو مردہ شمار نہ کرو، بلکہ وہ اپنے پروردگار کے پاس زندہ ہیں)۔ یہ ایسے شخص کے لیے ہے جو اس کے راستے میں اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر موت سے بے نیاز چل کھڑا ہو اُس کے لیے عِنْدَ رَبِّھِمْ کی خصوصیت ہے۔ جو شخص اپنی جان کے ساتھ اس راستے میں اترتا ہے اسے بہشت میں رضوان کے سپرد کیا جاتا ہے کہ یہ تیرا مہمان ہے۔ اور جو شخص پہلے ہی بے جان ہو کر (یعنی اپنی خودی کو ترک کرکے) اس راستے میں اترتا ہے اور عشق کے پاؤں سے منزل طے کرتا ہے اُس کے لیے کوئی واسطہ درمیان میں نہیں ہوتا۔ (یعنی بغیر بہشت و رضوان کے خدا کا قرب حاصل کرتا ہے) یہی وہ گروہِ دوستان ہے جو بغیر وجود کے موجود ہے۔ اور دشمن موجود ہیں مگر بغیر وجود کے موجود ہیں۔ اس کے لیے شرط یہی ہے کہ تم سارے عالم سے الگ تھلگ ہو جاؤ، اپنی خودی سے نکل آؤ، اور اپنے اوپر چار تکبیریں[1] پڑھ لو اور نفس کے کتے کو نکال باہر کرو۔ تاکہ تم کو دوست بنا کر مخلوق کے سامنے پیش کریں۔ جیسا اصحابِ کہف کے ساتھ کیا۔ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَیْھِمْ لَوَلَّیْتَ مِنْھُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْھُمْ رُعْبًا۔ (اگر تو ان کے پاس جائے تو پیچھے بھاگ جائے اور تیرے اوپر ان کا رعب چھا جائے)۔ مُردوں کو تو سیاست میں گرفتار نہیں کیا جاتا۔ لیکن تو نے ان میں اتنی ہیبت رکھ دی کہ حضرت سلطان الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ اگر تم اُن کو دیکھو تو اُن کی ہیبت سے واپس لوٹ آؤ۔ وہاں سے دھوپ بھی کترا کر گذرتی ہے اور ان کے کتے کی بھی رعایت ملحوظ رکھتی ہے جو دوستانِ خدا کی چوکھٹ پر سر رکھے سو رہا ہے۔ دیکھو ذرا، وہ آرام کی نیند سو رہے ہیں اور زمین و آسمان اور عالمِ ملکوت کے فرشتے ان کی خدمت و حفاظت کے لیے کمربستہ ہیں۔ جب اُن کو

---

[1] چار تکبیریں جیسے نمازِ جنازہ میں پڑھی جاتی ہیں۔

اُن کی ہستی سے چھین لیا تو یہ مرتبہ عطا کیا کہ موجودات اور مخلوقات دنگ ہو کر رہ گئے۔ پس جو شخص اپنے آپ سے بھاگتا ہے اور خودی کو ترک کرتا ہے وہ خدا کی پناہ میں آجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن پر یہی احسان کرتا ہے جیسا اصحابِ کہف کے ساتھ کیا۔ اگر تم بھی اسی طرح اُس کے دربار میں آجاؤ تو تمھارے ساتھ بھی یہی کرے گا جو ان کے ساتھ کیا۔ وہ مرید جو طالب ہے اُس کو حضرت عیسیٰ پیغمبر علیہ السلام کی طرح ہونا چاہیے کہ اُن کو کسی جگہ قرار نہ تھا۔ ہمیشہ عالم کی سیاحت ہی کرتے رہے۔ لوگوں نے پوچھا "آپ اتنی سیاحت کیوں کرتے ہیں؟" آپ نے کہا۔ "شاید کسی صدیق نے اس جگہ پاؤں رکھا ہو اور اس جگہ کی خاک ہماری شفاعت کرے۔ اگر تمام صدیقوں کا درد ایک جگہ جمع کرو تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درد کے برابر نہ ہوگا۔ اور اس راہ کی نیازمندی کو نہ پائے گا۔ اے بھائی، مدت ہوئی کہ یہ ندا کی جا چکی ہے خَزَائِنُنَا مَمْلُوٌّ مِنَ الطَّاعَاتِ فَعَلَيْكَ بِذَرَّةٍ مِنَ الْافْتِقَادِ (ہمارے خزانے بندگی سے بھرے ہوئے ہیں۔ اگر تجھ سے ہوسکے تو ذرہ برابر نیاز حاصل کر) کہتے ہیں کہ نیاز ایک درخت ہے جو آدمؑ اور آدمیوں کے باغِ زندگی میں پیدا ہوا ہے۔ فرشتوں کو بڑا فخر تھا جو یہ کہا اَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ (کیا تو اس کو اپنا خلیفہ بنائے گا جو زمین میں فساد برپا کریں گے اور خونریزی کریں گے۔ ہم تو فقط تیری تسبیح حمد کے ساتھ کرتے ہیں)۔ اور آدمؑ کو عجز و نیاز تھا کہ اس نے کہا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا (اے پروردگار ہم نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا)۔ نقل ہے کہ ایک دن حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کہیں جا رہے تھے ایک چیونٹی نے چیونٹیوں سے کہا اُدْخُلُوْا مَسَاكِنَكُمْ (اپنے بلوں میں چلی جاؤ)۔ ایسا نہ ہو کہ سلیمان پیغمبر علیہ السلام کی قوم تمھارے اوپر پاؤں رکھ دے اور تم ہلاک ہو جاؤ۔ سلیمان علیہ السلام نے یہ بات سن لی اور ہوا کو حکم دیا کہ ہمارا تخت یہاں اتار دے کہ ایک نیازمندانہ آواز ہمارے کانوں میں آئی ہے۔ بزرگانِ طریقت میں سے ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ حدیث میں ہے کہ سلیمان علیہ السلام چالیس دن تک اس چیونٹی کے بل کے پاس بیٹھے رہے اور سب کو رخصت کر دیا اور کہا کہ مجھے اس چیونٹی سے ضروری کام ہے۔ اس وقت سلیمان علیہ السلام اپنے تمام کاموں سے فارغ تھے اور چیونٹی بھی فارغ تھی جب ایک فارغ اطمینان سے دوسرے فارغ کے پاس بیٹھا۔ آپس میں رنج و خوشی کی خوب خوب باتیں ہوئیں۔ انھوں نے اپنے کاموں کی قدر جانی کیونکہ وہ زندہ تھے۔ لیکن ہم لوگ تو مردہ ہیں۔ اور زندوں کا کام

مردے انجام نہیں دے سکتے۔ اگر کسی کو ان باتوں سے تعجب ہو کہ چیونٹیاں تو مکلف نہیں اور ان کے ساتھ کوئی حساب اور سزا وجزا کا بکھیڑا نہیں ہے۔ ان کو ان باتوں سے کیا سروکار؟ ذرا ہُدہُد اور سلیمان علیہ السلام، اور کتے اور اصحاب کہف پر نظر ڈالو جو فضول بکواس کرنے والوں کی آنکھوں میں خاک ڈالنے کے لیے کافی ہیں۔ والسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ستاسیواں مکتوب ۸۷

قدموں کے فرق اور کفایت مہمات کی دعا میں

میرے عزیز بھائی شمس الدین، معلوم ہو کہ دین کی راہ میں لوگوں کے قدموں کے درمیان بہت بڑا فرق ہوتا ہے۔ نیز ایک قدم سے دوسرے قدم تک، ایک سانس سے دوسری سانس تک اور ایک راز سے دوسرے راز تک اتنا فرق ہوتا ہے جتنا عرش سے تحت الثریٰ تک۔ اگرچہ اپنی خلقت اور صورت میں سب آدمی برابر ہیں۔ مگر شریعت کا فتویٰ یہ ہے اَلنَّاسُ مَعَادِنُ كَمَعَادِنِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ (آدمی کان ہیں جیسے سونے اور چاندی کی کانیں)۔ اگرچہ بہ ظاہر سب کانیں ایک ہی طرح کی ہوتی ہیں۔ لیکن اپنے معنی میں بڑا فرق رکھتی ہیں۔ نہیں دیکھتے کہ ایک کان سے سونا، ایک سے چاندی، ایک سے لوہا اور ایک سے جواہرات نکلتے ہیں۔ یہ جتنے لوگ ہیں اور جو اس سے پہلے ہو چکے ہیں اور جو آیندہ ہوں گے سب ہی اسرار الٰہی کے صدف ہیں۔ ہر ایک جسم میں ایک راز ہے اور ہر قالب میں اللہ تعالیٰ کا حسن ہے اور ہر دل میں دینی مشاہدات کی خواہش وارادہ ہے اور ہر جان میں خدا کی ایک شان ہے جس کو فرشتوں اور انسانوں کی عقلیں سمجھ نہیں سکتیں۔ خواجہ عطار رحمۃ اللہ علیہ نے اسی معنی کو ظاہر کیا ہے مثنوی۔

نبات و معدن و حیوان و افلاک — میانِ آب و باد و آتش و خاک
ہمہ در عشق می گردند از حال — چہ در وقت و چہ در ماہ و چہ در سال
اگر چشمِ دلت گردد برین باز — بر دن گیرد ز یک یک ذرہ صد راز
ہمہ ذراتِ عالم را دریں کوئے — نہ بیند یک نفس جز در روش روئے

کہ داند کین چہ اسرارِ نہان است سخن این است نورِ عقل و جان است

(نباتات، معدنیات، حیوانات، آسمان، عناصر آب و آتش، خاک و باد، یہ سب کے سب ہر وقت، ہر مہینے، ہر سال اُس کے عشق میں گردش کرتے اور اپنی حالت بدلتے رہتے ہیں۔ اگر تمھارے دل کی آنکھیں ان پر کھل جائیں تو ہر ذرّے میں سیکڑوں راز پوشیدہ نظر آئیں۔ یہاں تمام ذراتِ عالم کو ہر وقت گردش اور روش میں دیکھتے ہیں۔ کون جانے اِن میں کیا کیا راز پوشیدہ ہیں۔ یہی بات ہے جو عقل و جان کو روشنی بخشتی ہے)۔ لیکن وہ لوگ جو آسمانِ ارادت کے آفتاب، درگاہِ حق کے مقبولِ ازلی اور مملکتِ اسلام کے سالار ہیں ان کے مرکبِ دولت کی گرد جس کے سر پر پڑ گئی وہ ہمیشہ کے لیے عزیز ہو گیا۔ اگر تبخانے میں پہنچ گئی تو تبخانہ مسجد بن گیا۔ قطعہ

دوش می گفتند پیرے در خرابات آمدہ است آب چشمش با صراحی در مناجات آمدہ است

مے عسل گردد بہ دستش بتکدہ مسجد شود یارب این مقبل چنین صاحب کرامات آمدہ است

(کل رات لوگ کہہ رہے تھے کہ میخانے میں ایک پیر آیا ہے جس کی آنکھوں کی چمک صراحی کے ساتھ مل کر مناجات کرتی ہے۔ اس کے ہاتھوں میں شراب شہد بن جاتی ہے اور اُس کے قدموں سے تبخانہ مسجد ہو جاتا ہے۔ اللہ اللہ یہ کیسا صاحبِ کرامات اور مقبول بندہ آیا ہو ا ہے) ان کے حق میں پروردگارِ عالم کی یہی سنت جاری ہے کہ ان کو بولنے اور سننے کی زحمت نہیں ہوتی اور راہِ دین کی غیرت کی وجہ سے ان کے دل کا نقطہ سیاست میں قہر کی تلوار ہوتا ہے۔ اس لیے جس کا تعلق آفرنیش سے ہے وہ ان کے دل کے دولت خانے سے باہر نہیں جا سکتا۔ اُن کو ازلی غیرت و غرت اپنی پناہ میں رکھتی ہے تاکہ اُن کے حسن و جمال کو نظرِ بد نہ لگ جائے۔ وَتَرَاهُمْ يَنظُرُونَ إِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ۔ (اور تم دیکھتے ہو کہ وہ تمھاری طرف دیکھ رہے ہیں مگر وہ کچھ نہیں دیکھتے)۔ اسی بھید کے معنی ہیں کہ عالمِ حقیقت میں ان کو نزاعُ القبائل کہتے ہیں۔ حضرت سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت اور سننِ نبویؐ کی قدر یہی لوگ جانتے اور پہچانتے ہیں۔ اور انبیاء علیہم السلام کے وارث اور قائم مقام ہونے کے لائق یہی لوگ ہیں۔ احکامِ شریعت بیان کرنا ایسے ہی صدیقوں کا کام ہے کہ فتوے صادر کریں۔ اور خدا اور بندوں کے درمیان ایسے ہی مقربانِ بارگاہ کے واسطے کی ضرورت ہے

تاکہ خدا کا کلام سنائیں۔ وَمِمَّنْ خَلَقْنَا اُمَّةٌ یَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ (اور ہم نے ایک امت ایسی بھی پیدا کی ہے جو اللہ تعالیٰ کا راستہ دکھاتی ہے۔ ان کی تربیت واجازت اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّهِمْ اِقْتَدَیْتُمْ اِهْتَدَیْتُمْ (میرے اصحاب ستاروں کی طرح ہیں تم نے ان میں سے کسی کی بھی پیروی کی تو تم ہدایت پاؤ گے)۔ ثابت ہے۔ اور پیروں اور مریدوں کا یہی حال ہے۔

آن راکہ دلیل رہ رخے چو مہ نیست — از خود بخود آمدن رہے کوتہ نیست

(جس کا رہنما کوئی چاند سی شکل والا نہیں ہے۔ خود بخود منزل پر پہنچ جانا بہت دشوار ہے اور راستہ بہت طویل ہو جاتا ہے)۔ اے بھائی، کیا کیا جائے۔ پردۂ غیب سے سب صدیق ہی نہیں نکلا کرتے اور مادرِ گیتی سے سب بادشاہ ہی پیدا نہیں ہوتے۔ ہزاروں پاک جانیں طلب کی بھٹی میں پگھلائی جاتی ہیں جب کسی بت کے سامنے سے کسی صدیق کو چن لیتے ہیں۔ اور حجرۂ عبادت کے ہزارہا اعتکاف کرنے والوں کو محراب طاعت سے باہر کھینچ کر دوزخ میں ڈال دیتے ہیں، جب کہیں کسی میخوار خراباتی کی آنکھیں جلوۂ توحید سے آشنا ہوتی ہیں۔ لیکن ہم کو تم کو اِن پاک لوگوں کی باتوں سے کیا سروکار؟ یہ دولت جو عطا کی گئی ہمارے تمھارے نصیب میں کہاں؟ ہمارا تمھارا درد تو وہ ہے جس کو خسرو رحمۃ اللہ علیہ والغفران نے یوں کہا ہے۔

سگان در کوے تو شب گرد و خسرو را دران رہ نے — طفیلِ آن سگان بارے مرا ہم بار بایستے

(راتوں کو تیری گلی میں کتے چکر لگاتے ہیں۔ لیکن خسرو کیلئے کوئی راہ نہیں۔ اپنی گلی کے کتوں کے صدقے میں کسی دن مجھے بھی آنے کی اجازت دے)۔ ایک دن حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک مرید کو حضرت بایزید قدس سرہٗ کی تلاش میں بھیجا کہ جا کر اُن کی خبر لائے۔ مرید جب بسطام پہنچا اور بایزیدؒ کے مکان پر آیا تو ان کو صحنِ مکان میں بیٹھا دیکھا۔ پہچان نہ سکا کہ یہی بایزید ہیں۔ آپ نے پوچھا "کیا چاہیے؟" اُس نے کہا "میں بایزید سے ملنا چاہتا ہوں۔" آپ نے فرمایا اَیْنَ اَبُوْیَزِیْدُ وَاَنَا فِیْ طَلَبِ اَبُوْیَزِیْدُ مُنْذُ سِنِیْنَ۔ (ابویزید کہاں ہے؟ میں خود ابویزید کو سالہا سال سے تلاش کر رہا ہوں)۔ تم کس بایزید کو چاہتے ہو؟ میں ابویزید کے عشق میں برسوں سے مبتلا ہوں۔ ابھی تک میں نے اس کو نہیں پایا۔" مرید نے اپنے دل میں سوچا یہ دیوانہ ہے اور کچھ نہیں جانتا کہ کیا کہتا ہے۔ آخر مصر میں واپس آیا اور حضرت ذوالنون سے سارا ماجرا کہہ سنایا

آپ یہ سن کر رونے لگے اور بولے اَخِیْ اَبَا یَزِیْدُ قَدْ ذَھَبَ فِی الذَّاھِبِیْنَ اِلَی اللّٰہِ۔ میرا بھائی بایزید مشتاقوں کے قافلے کے ساتھ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے عالم میں پہنچ گیا۔ اور مجھے یہاں اکیلا چھوڑ دیا۔ یہ اُن مردانِ خدا کی باتیں ہیں جن کو اس دنیا میں لائے اور پھر واپس لے گئے۔ لیکن نہ ان کو یہاں آنے کی خبر ہوئی نہ یہاں سے جانا معلوم ہوا۔ شیخ ابوالحسن خرقانی قدس سرہٗ نے کہا کہ جنید رحمۃ اللہ علیہ دنیا میں ہوشیار آئے اور مست ہو کر یہاں سے گئے۔ اور شبلی رحمۃ اللہ علیہ مست ہی آئے اور مست ہی گئے۔ ان لوگوں کا کیا کہنا۔ لَوْ سُئِلَا مَا عَلِمَا ذٰلِکَ اگر ان دونوں جنید و شبلی رحمۃ اللہ علیہما سے قیامت کے دن پوچھا جائے کہ کیونکر آئے اور کیونکر گئے؟ تو ان کو نہ اپنے آنے کی خبر ہے نہ جانے کی۔ اسی وقت ایک فرشتہ غیب نے ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کو ندا کی صَدَّقْتَ لَوْ سُئِلَا مَا عَلِمَا ذٰلِکَ۔ اے شیخ آپ نے سچ فرمایا اگر ان سے پوچھا جائے تو یہ خود نہیں جانتے۔ سچ ہے جو شخص صرف خدا ہی کو جانتا ہے اُسے دوسری چیزوں کی کوئی خبر نہیں ہوتی۔ رباعی

عشاقِ تو از الست مست آمدہ اند سرمست زبادۂ الست آمدہ اند
مے نوشند و پندِ مے نمی نیوشند کایشان ز ازل بادہ پرست آمدہ اند

(تیرے عشاق روزِ الست ہی سے مست آئے ہیں۔ یہ شرابِ الست سے مخمور ہو کر آئے ہیں۔ شراب پیتے ہیں اور شراب کی نصیحت نہیں سنتے۔ کیونکہ ازل سے شرابی بن کر آئے ہیں)۔ اب اِن ایمان والے صدیقوں کا حال سنو۔ اور اپنی ناقص عقل سے ان کے متعلق رائے زنی نہ کرو۔ کیونکہ یہ وہ بزرگانِ دین ہیں کہ دنیا کا نظم و نسق انھیں کے قدموں کے نیچے ہے اور دین کا استحکام اِن کے قبضۂ اختیار میں ہے۔ مغربی اور مشرقی دنیا ان کے حکم و فرمان کے تابع ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب حضرت ہلالؓ کو (جو حضرت مغیرہؓ کے غلام تھے)۔ دیکھتے تو تپاک کے ساتھ تشریف لاتے اور کہتے کہ میرے لیے دعا کرو۔ وہ دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتے اور آپؐ آمین فرماتے۔ ایک دن صبح کے وقت آپؐ تشریف فرما تھے، اصحاب کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا۔ قُوْمُوْا بِنَآ اِلَیْہِ۔ آؤ اٹھو، اس وقت کائنات کو ہلالؓ کی مصیبت کی پوشاک پہنائی گئی ہے۔ سب لوگ روانہ ہوئے اور حضرت مغیرہؓ کے گھر پہنچے۔ حضرت مغیرہؓ کو خبر نہ تھی کہ حضرت ہلالؓ کو

فرمانِ قضا پہنچ چکا ہے۔ اس لیے کہ ان کے گھر میں ہلالؓ سے زیادہ اور کوئی حقیر و ذلیل نہ تھا۔ اور گھر کے لوگوں کو اُن کی زندگی اور موت کی کچھ خبر نہ تھی۔ جب مغیرہؓ باہر آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن صدیقوں کے ساتھ کھڑے دیکھا تو پاؤں پر گر پڑے اور آپ کے قدم مبارک کو بوسہ دیا۔ حضورؐ نے فرمایا مَاحَدَثَ فِی دَارِكَ (آج تمھارے گھر میں کیا حادثہ ہو گیا ہے؟) اُنھوں نے کہا مَاحَدَثَ فِی دَارِیَ الْخَیْرُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ (یارسولؐ اللہ میرے گھر میں کوئی واقعہ نہیں ہوا سب خیریت ہے) پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تیرے گھر کے لوگوں میں سے ایک عزیز ترین ہستی نے انتقال کیا، اور تجھے اس کی خبر نہیں۔ حضرت مغیرہ کو سخت تعجب ہوا اور کہا یارسول اللہ ہمیں کبھی ایسا گمان بھی نہ ہوا کہ ہلال رضی اللہ عنہ کا اتنا بڑا مرتبہ ہو گا۔ تعجب کی بات ہے کہ سات آسمانوں میں ہلالؓ کی عظمت کا یہ مرتبہ کہ سعادت و نیک بختی کا تاج اُن کے سر پر رکھا جاتا ہے اور زمین میں سوائے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کوئی اُن کو نہیں پہچانتا۔ اس سے اندازہ کرو کہ یہ بے تاب و بے چین لوگوں کی باتیں ہیں۔ اگر کوئی شخص کسی کام میں مشہور ہو گیا تو اُس کی فلاح سے ہاتھ دھو ڈالنا چاہیئے۔ کیونکہ شَرُّ النَّاسِ مَنْ یُشَارُ اِلَیْہِ بِالْاَصَابِعِ (جسے انگلی سے اشارہ کیا جائے وہ اچھا آدمی نہیں ہے)۔ جو مخلوق میں انگشت نما ہو وہ ان باتوں کے کہنے کے لائق نہیں ہے۔ اگر بادشاہ کا طریقہ مخلوق کے ایمان کے لیے ضروری نہ ہوتا تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اس مقام "اَنَا ابْنُ امْرَاَۃٍ مِنْ قُرَیْشٍ کَانَتْ تَاْکُلُ الْقَدِیْدَ (میں اس خاتون کا فرزند ہوں جو سکھایا ہوا گوشت کھاتی تھیں) سے، اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ وَلَا فَخْرَ (میں بنی آدم کا سردار ہوں اور اس پہ مجھے فخر نہیں ہے) کے مقام پر تشریف نہ لاتے۔ بادشاہِ حقیقی کی سنت یہی ہے کہ جب کسی کے سینے میں اسرار کی بساط بچھاتے ہیں تو رسم و رواج کے شیدائیوں کی آنکھوں میں سلائی پھیر دیتے ہیں تاکہ وہ لوگ جنھوں نے بشریت کی ناپاکی سے اپنا منہ نہیں دھولیا ہے وہ اُسے نہ دیکھ سکیں۔ حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی جانتے تھے کہ ہلالؓ کی شخصیت کیا ہے کیونکہ ان کے ان مراتب کا سرچشمہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذاتِ مبارک تھی جب تک حضرت ہلالؓ کا وصال نہ ہوا کسی کو ان کے حال کی خبر نہ ہوئی اور نہ حضورؐ نے کسی پر ظاہر فرمایا کیونکہ پردہ دری کرنا حضورؐ کا شیوہ نہ تھا۔ یقیناً کوئی منزل و مقام

گوشہ نشینی وگمنامی سے بڑھ کر آراستہ اور سلامت نہیں ہے۔ حضرت ہلالؓ تو اس درجہ بے نام ونمود اور غیر معروف تھے کہ خود اس گھر کے مالک کو معلوم نہ ہو سکا۔ پھر حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یَا مُغِیْرَۃُ اَیْنَ مَکَانُہُ الَّذِیْ یَکُوْنُ فِیْہِ (اے مغیرہؓ جگہ کہاں ہے جہاں وہ رہتے تھے، ہمیں وہاں لے چلو؛ حضرت مغیرہ آپؐ کو چوپایوں کے طویلے میں لے گئے جہاں آپؐ نے ہلال رضی اللہ عنہ کو چوپایوں کے پاؤں کے نیچے پڑے ہوئے دیکھا اور آپ کی روح پرواز کر چکی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آگے تشریف لائے اور ان کے سر مبارک کو اُٹھا کر اپنے زانوئے مبارک پر رکھ لیا وَاغْرَوْرَقَتْ عَیْنَاہُ (اور آپ کی آنکھیں آنسوؤں میں ڈوب گئیں اور فرمایا" اے ہلال، بظاہر تم اس فرش خاک پر پڑے ہوئے ہو مگر تمھاری حقیقت کا جوہر دربارِ خداوندی میں ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کسی اور کی تعزیت میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا غمگین نہ دیکھا تھا۔ اور اپنے کو اس روز سے زیادہ حسرت زدہ نہ پایا تھا۔ اسوقت تمام صدیقوں اور سردارانِ قریش کی یہ تمنا تھی کہ کاش ہماری جانیں خاک ہو جاتیں اور حضرتِ ہلالؓ اُس پر اپنا قدم رکھتے۔ یا ہماری کھالوں سے حضرت ہلال کی جوتیاں بنادی جاتیں۔ آخر میں حضرتِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اِنَّ لِلّٰہِ فِیْ کُلِّ زَمَانٍ سَبْعَۃُ اَعْبُدٍ بِہِمْ یُنْصَرُوْنَ وَبِہِمْ یُمْطَرُوْنَ وَبِہِمْ یُرْزَقُوْنَ لَنْ یَّنَالُوْا بِکَثْرَۃِ صَلوٰۃٍ وَّلَا بِصَوْمٍ وَّلَا بِصَدَقَۃٍ وَّاِنَّمَا نَالُوْا بِسَلَامَۃِ الْقُلُوْبِ وَسَخَاوَۃِ الْاَنْفُسِ وَکَانَ ھِلَالٌ مِّنْ اَفْضَلِہِمْ (ہر زمانے میں خدا کے سات بندے ہوتے ہیں کہ ان کی دعاؤں سے مخلوق کی مدد کی جاتی ہے۔ ان کے طفیل آسمان سے بارش ہوتی ہے۔ انھیں کی برکتوں سے لوگوں کو رزق ملتا ہے۔ اور یہ مرتبہ انھیں نماز روزے کی کثرت اور زیادہ صدقہ دینے کی وجہ سے نہیں بلکہ دل کی سلامتی اور نفس کی سخاوت کی وجہ سے ملتا ہے۔ اور حضرت ہلالؓ ان سے افضل تھے) پھر فرمایا وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَوْ تَاَبَّیٰ عَلَی اللّٰہِ بِزَوَالِ الدُّنْیَا لَاَزَالَھَا مِنْ مَّکَانِہَا (اور اس خدائے پاک کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ اگر یہ ہلالؓ خدا کو قسم دیتے کہ دنیا کو نیست ونابود کر دے تو دنیا اپنی جگہ پر معدوم ہو جاتی)۔ جو منکر بدبخت ہے اس سے کہو کہ ملتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہی ہے۔ اگر تم ان کے دین کی پیروی کرتے ہو تو اس پر ایمان لاؤ۔ ورنہ

اسلام کا عہد نامہ واپس کردو۔

اگر کسی کو کوئی مشکل پیش آجائے اور اُس کے حل کرنے کی کوئی تدبیر نہ ہو تو نہایت خلوصِ دل سے یہ دعا پڑھے۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِصِدْقِ اَبِیْ بَکْرٍ وَخِلَافَتِہٖ وَبِعَدْلِ عُمَرَ وَصَلَابَتِہٖ وَبِحَیَاءِ عُثْمَانَ وَسَخَاوَتِہٖ وَبِعِلْمِ عَلِیٍّ وَشُجَاعَتِہٖ وَ وَبِسَخَاوَتِ الْحَسَنِ وَرُتْبَتِہٖ وَبِشَہَادَۃِ الْحُسَیْنِ وَغُرْبَتِہٖ اَنْ تَقْضِیَ حَاجَتِیْ یَا قَاضِیَ الْحَاجَاتِ والسلام۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اٹھاسیواں مکتوب ۸۸

غفلت کے بیان میں

عزیز بھائی شمس الدین۔ معلوم ہو کہ ہر مذہب و ملت میں غفلت بُری چیز ہے۔ بندہ جب تک غافل نہیں ہوتا گناہوں میں مبتلا نہیں ہوتا۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ اہلِ غفلت کی زندگی ایک تاوان ہے۔ حدیث میں ہے کہ جب کوئی شخص بہ نیتِ گناہ زمین پر قدم رکھتا ہے تو زمین کے تمام ذرّے روتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے بدعہد و بے وفا ہم کو خدا نے اس لیے پیدا کیا ہے کہ ہم بندگی کا بوجھ اُٹھائیں، گناہوں کا بوجھ اُٹھانے کے لیے نہیں۔ ہم وہ ہیں کہ ہم سے آدم صفی اللہ نوح نبی اللہ، موسیٰ کلیم اللہ، عیسیٰ روح اللہ، ابراہیم خلیل اللہ اور محمد رسول اللہ وحبیب اللہ علیہم الصلوٰۃ والسلام جیسی عظیم الشان ہستیاں پیدا ہوئیں، کہ سات آسمانوں اور زمین کی مسندِ صدارت اُن کے نام پر آراستہ کی گئی۔ اللہ تعالےٰ نے مجھے پیدا کیا تو اپنی نوازشِ قدیم سے مجھے سرفراز فرمایا۔ وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰھَا فَنِعْمَ الْمَاھِدُوْنَ (اور ہم ہی نے زمین کو بچھایا ہے تو ہم کتنے اچھے بچھانے والے ہیں)۔ اللہ تعالےٰ تو مجھ کو اس ناز و نعمت سے جلوہ فرماتا ہے اور تو میرے سینے پر اپنے گناہ آلودہ پاؤں رکھتا ہے یاد رکھ مرنے کے بعد میرے اندر ہی تیرا ٹھکانا ہوگا۔ آج میرے اوپر اتنا ہی بوجھ ڈال جتنا مرنے کے بعد تو اُٹھا سکے۔ جو غفلتیں تو میرے ساتھ برتے گا اُن کا بدلہ تجھ سے اُس وقت لوں گی جب تو میرے پیٹ میں رکھا جائے گا۔ ورنہ آج ایسا کام کر کہ کل تجھے عاجزی، مجبوری اور شرمندگی نہ اُٹھانی پڑے۔ یہی ہے جو کسی نے کہا ہے ؎

چو دنیا کشت زارِ آن جہان ست — بکار این تخم کاکنون وقت کارست
اگر بیرون شوی ناکشتہ دانہ — تو خواہی بود رسوائے زمانہ

(جب دنیا عالمِ آخرت کی کھیتی ہے تو یہاں بیج بو دے۔ یہی کاشتکاری کا وقت ہے۔ اگر تو بغیر دانہ بوئے یہاں سے چلا جائے گا تو سارے زمانے میں رسوا اور شرمندہ ہوگا)۔ کہا جاتا ہے کہ اگر دین کی راہ میں کوئی غفلت کرتا ہے تو وہ لعین (شیطان) کہتا ہے، تو مجھے نہیں پہچانتا؛ میری معلمی کی سند ساتوں آسمانوں کے گنبد پر بچھائی گئی تھی اور وہاں میرے ہی نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔ اتنی دولتوں اور سرمایوں کے باوجود جو میں پا چکا تھا، شریعت کے دروازے پر غوائی (شیطان) پکارا جاتا ہوں۔ تیرے لیے دو ہی راستے ہیں یا اخلاص کا تاج سر پر رکھ اور سلامت گزر جا یا معصیت ولعنت سے رشتہ جوڑ کہ تو اس کام کا مرد نہیں ہے

چو نشناسی برموئے ز اسرار — زنادانی چہ گردی گردِ این کار

(جب تو بال برابر بھی اسرار سے واقف نہیں ہے تو نادانی کے ساتھ اس کام کے قریب کیوں آتا ہے)۔ وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ (ان میں سے جن کو تو گمراہ کر سکے اپنی آواز سے گمراہ کر دے اور ان پر اپنے سوار و پیادے مقرر کر دے اور ان کے مال و اولاد میں شریک ہو جا) قرآن کریم میں اس اختیار و مدد کے ساتھ اُسے اجازت دی گئی ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں ہے کہ جو آوازیں شریعت کے خلاف ہیں شیطان کی آوازیں ہیں۔ اور جس مال میں ایک درم کے برابر بھی حرام ہے اور وہ بچہ جو نامشروع طریقہ پر پیدا ہوا اس میں شیطان کی شرکت ہوتی ہے۔ کہتے ہیں کہ آستانِ شریعت پر اسے دربان بنا کر بٹھا دیا گیا ہے اور اُس نے اپنے سوار و پیادے غافلوں پر چھوڑ رکھے ہیں تاکہ اگر کوئی منہ دھوئے بغیر بے باکانہ اس بساط پر قدم رکھے تو اس کے پاؤں کاٹ ڈالیں۔ وہ بڑے فخر و ناز سے کہتا ہے ؎

معشوق مرا گفت نشیں بر درِ من — مگذار درون ہر کہ نہ دارد سرِ من

(میرے معشوق نے مجھے حکم دیا ہے کہ میرے دروازے پر بیٹھ اور جس کو میرے ساتھ خلوص کا واسطہ نہ ہو اُسے اندر مت آنے دے)۔ نقل کرتے ہیں کہ دن حضرت آدم علیہ السلام نے شیطان کو

دیکھ کر کہا" فَعَلْتَ بِیْ کَذَا اَوْ کَذَا" (میرے ساتھ تو نے ایسا ایسا کیا)۔ وہ بولا "اے آدم میں نے تو تمہارے ساتھ ایسا ایسا کیا، مگر میرے ساتھ ایسا ایسا کس نے کیا؟" ؎

می بین دمپرس حالتم را　　　　می کن بہ قضا حوالتم را

(دیکھے جاؤ اور میری حالت مت پوچھو۔ میری سرگزشت کو قسمت کے حوالے کردو) اے بھائی ازل سے ابد تک گناہوں سے پاک ہونا تو فرشتوں کا کام ہے۔ اور تمام عمر گناہوں میں اور مخالفت میں غرق رہنا شیطان کا شیوہ ہے۔ اور بحکم توبہ بطریقِ بندگی گناہوں سے باز آجانا آدمؑ اور آدمیوں کا کام ہے۔ جس نے توبہ کے ذریعہ پچھلے گناہوں کو معاف کرالیا ہے اُس نے حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ رشتہ جوڑ لیا۔ اور جس نے گناہوں سے توبہ نہ کی اُس نے اپنا رشتہ شیطان سے قائم رکھا۔ لیکن لوگوں نے کہا ہے کہ تمام عمر بندگی میں مشغول رہنا انسان کے لیے ممکن نہیں ہے۔ اس لیے کہ ابتداءً ناقص و بے عقل پیدا کیا ہے اور شہوت کو پہلے ہی اس پر مسلط کر دیا ہے۔ جو شیطان کی آلۂ کار ہے۔ اور عقل جو شہوت کی دشمن اور فرشتوں کے جوہر کا نور ہے اس کے بعد پیدا کی گئی ہے۔ جب شہوت نے غالب ہو کر دل کے قلعہ کو گھیر لیا اور نفس اس کا مطیع ہو کر اس سے الفت کرنے لگا تو عقل ضرورۃً پیدا کی گئی اور توبہ و مجاہدے کی طرف رجوع ہوئی تاکہ قلعۂ دل کو فتح کرے اور شہواتِ نفسانی و وساوس شیطانی کے تصرف سے بچالے۔ ؎

تو این دم در دہانِ شیر اسیری　　　　چہ دانی زانکہ این دم شیر گیری

(تم اس وقت شیر کے منہ میں جا پھنسے ہو۔ تم کیا جانو کہ تم شیر کے شکاری ہو) یہیں سے معلوم ہوتا ہے کہ توبہ انسان کیلئے ضروری اور مریدوں کا پہلا قدم ہے اور یہ قدم بغیر کسی پیر پختہ اور راہ رفتہ کی مدد کے حاصل نہیں ہوتا۔ مگر شاذ و نادر جس کو خدا چاہے۔ اور یہی راز ہے جب فرشتوں نے کہا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا (کیا تو زمین میں اس کو اپنا خلیفہ بنائے گا جو اس میں فساد برپا کرے گا) تو کہا گیا اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (بیشک ہم جانتے ہیں جو تم نہیں جانتے) یہ کہا کہ گناہ نہیں کریں گے۔ ہم جانتے ہیں کہ جب وہ گناہ کی آلودگی میں ملوث ہو جائیں گے تو دریائے توبہ ان کے سامنے ہوگا جس میں نہا دھو کر وہ پاک و صاف ہو جائیں گے۔ اسی طرف اشارہ ہے

جو حضرت عمر خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا ہے۔ کوئی آدمی نہیں جو گنہگار نہ ہو۔ لیکن گناہگاروں میں بہتر وہ لوگ ہیں جنھوں نے توبہ کرلی۔ اے بھائی اِن سات آسمانوں اور زمین میں کسی کے لیے دولت و اقبال کا ایسا تخت آراستہ نہیں کیا گیا جیسا کہ حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے۔ اس پر بھی بارگاہِ خداوندی کے عدل کا خوف آپؐ کے دلِ مبارک پر اس قدر غالب تھا کہ اگر اُس کا ایک ذرّہ سات آسمان و زمین پر تقسیم کردیا جائے تو سارے عالم میں ذرہ برابر خوشی و شادمانی باقی نہ رہ جائے۔ وَکَانَ مُتَوَاصِلُ الْحُزْنِ وَدَائِمُ الْفِکْرِ (آپؐ مسلسل حزین و غمگین اور ہمیشہ فکر میں غرق رہا کرتے تھے)۔ ہر حال میں حضورؐ کا نقطۂ دل خوفِ الٰہی سے خون رہتا اور ہفت آسمان اور زمین کے لوگوں کا غم کھاتے، لیکن داہنی طرف حضرتِ صدّیق اور بائیں طرف حضرتِ فاروؓق کو بھی اس کی خبر نہ ہوتی۔ دولتِ اسلام میں یہ ایک بہت بڑی حقیقت ہے کہ جس کو جتنی زیادہ عصمت ملی ہے اتنا ہی اس کے دل میں خوف زیادہ ہوتا ہے۔ اور جس کی پیشانی پر بدبختی کا داغ نمایاں ہوتا ہے اس پر امن و خوشی ہر لحظہ بڑھتی جاتی ہے۔ اسی کو یہاں بیان کیا ہے ؎

نہ زیبد مردِ خود بین پادشا را انیسِ مذنبین باید خدا را

درین رہ نیست خود بینی خجستہ تنے لاغر دلے باید شکستہ

(مغرور و خود بین انسان شاہی دربار کے لائق نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ گناہگاروں کے غمخوار کو پسند فرماتا ہے۔ اس راستے میں خود بینی اچھی نہیں ہے۔ یہاں تو لاغر جسم اور ٹوٹا ہوا دل چاہیے۔ آسمان و زمین کی آرائش حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت کے طفیل میں کی گئی ہیں اور اس سلطنتِ کائنات میں آپ ہی کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا ہے۔ آپ کی ابتدا اور انتہا کو مغفرت کے عنوان پر قائم کردیا ہے، اور آپ مامون العاقبت بنائے گئے ہیں۔ اتنی نوازشوں کے باوجود بھی آپ کے دلِ مبارک سے پل بھر کے لیے خوف و ہراس کم نہ ہوتا۔ جب تبلیغ رسالت سے آپؐ فارغ ہوتے اور اپنے دل کے خلوت خانے میں تشریف فرما ہوتے تو ہستی کا دروازہ بند کر دیتے کمرِ عصمت کو کھولتے اور نبوت کا تاج سر سے اُتار دیتے، زبانِ عذر بے چارگی کھولتے اور فرماتے۔ اِلٰہِیْ ذَنْبِیْ عَظِیْمٌ وَلَا یَغْفِرُ الذَّنْبَ الْعَظِیْمَ اِلَّا الرَّبُّ الْعَظِیْمُ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنْ عُتَقَائِکَ وَطُلَقَائِکَ وَمُحَرَّرِیْکَ مِنَ النَّارِ (اے اللہ! میرے گناہ عظیم ہیں اور عظیم گناہوں کو

سوائے ربِ عظیم کے اور کوئی معاف نہیں کرسکتا۔ اے اللہ مجھے رہا ہونے والوں، چھوٹ جانے والوں اور آزاد کیے ہوئے لوگوں میں شامل فرما جو آگ سے بچا لیے گئے ہیں)۔ جس وقت آپؐ یہ دعا فرماتے آپ کے دلی اندوہ کی چوٹیں سوائے بارگاہ عزت لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے کوئی برداشت نہ کرسکتا تھا۔ کہتے ہیں کہ جب حضورؐ کی ایسی حالت ہوتی تھی تو تمام درختوں سے غم کی کونپلیں نکلتی تھیں آسمان سے مصیبت کا طوفان برستا تھا، زمین کو آپ پر رحم آتا، عرشِ مجید آپ کے درد پر حیران رہ جاتا، آسمان کے مقربان اور زمین کے صدیقان اپنی نجات سے مایوس ہو جاتے اور اپنی رہائی سے ہاتھ دھو بیٹھتے۔ اور کائناتِ عالم کا ہر ذرہ ماتمی لباس پہن لیتا اور دہائی دیتا کہ یہ کیا ہو گیا ہے۔ تو ان کو جواب دیا جاتا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرتِ ربّ العزۃ سے عذرِ تقصیر فرما رہے ہیں۔ اور اپنی معصومیت کے پاک دامن کو عدل کے داغ سے بچانے کے لیے خدا کی امان چاہتے ہیں۔ اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے ؎

جگر خون می شود از یاد مارا زاستغنائے حق فریاد مارا

زاستغنا اگر فرمان درآید ہمہ امید معصومان سرآید

(ہمارا کلیجا اسے یاد کر کے خون ہو جاتا ہے اور ہم اللہ تعالیٰ کے استغنا سے فریاد کرتے ہیں۔ اگر اس کے دربارِ استغنا سے عدل کا فرمان جاری ہو جائے تو سارے معصوموں کی امیدیں خاک میں مل جائیں)۔ اِنَّ اللّٰہَ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ (بے شک اللہ ربّ العزۃ دونوں جہان سے مستغنی اور بے نیاز ہے)۔ عرصہ ہوا کہ خدا نے صدیقوں اور معصوموں کے دلوں پر اپنی سیاست جاری فرما دی ہے۔ کہتے ہیں کہ جملہ انبیا اور اولیا میں سے کوئی اس بار کو اٹھانے کی قوت نہ رکھتا تھا جو سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم برداشت فرماتے تھے۔ اگر حضورؐ کے غم و رنج کا شائبہ بھی قیامت میں ظاہر ہو جائے اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ یا موسیٰ کلیم اللہ علیہما الصلوٰۃ والسلام چاہیں کہ اس تک پہنچ جائیں تو بغیر آپؐ کی عصمت کی امداد کے نہیں پہنچ سکتے۔ اس کے باوجود آپ ہمیشہ یہی دعا فرماتے تھے اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنْ عُتَقَآئِکَ وَطُلَقَآئِکَ وَمُحَرَّرِیْکَ مِنَ النَّارِ۔ اے اللہ میرے دل و دیدہ کو اپنے انصاف کی آگ میں نہ جلا اور میری گردن میں آزادی کا طوق ڈال دے۔ اور یہ جو فرمایا کرتے تھے۔ مَآ اُوْذِیَ نَبِیٌّ مِثْلَ مَآ اُوْذِیْتُ (کوئی نبی ایسی اذیت میں

نہیں ڈالا گیا جتنی میں نے اذیت اُٹھائی ہے) یہ بات ہی بات نہیں ہے۔ بلکہ آپ نے یہ فرمایا ہے کہ اتنی بلا و محنت جو میرے اوپر ڈالی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مجھے اہلِ ہفت آسمان و زمین پر مقدم فرمایا ہے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ حضرت آدمؑ کی ساری ذریّت کو میرے دامنِ شفاعت سے باندھ دیا ہے۔ اور یہ جو فرمایا ہے وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ (اور اللہ تم کو وہ کچھ عنایت کرے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے)۔ یہ معنی ہیں کہ ہر ایک راہ کی راہ پر خود ہم کو چلنا ہوگا، اور تمام مجرموں کی معافی ہم کو مانگنی پڑے گی۔ اور ہر نکمے اور کاہل کا کام ہمیں پورا کرنا ہوگا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ کبھی ہم کو قاب قوسین کی وسعتوں میں پہنچایا گیا اور کبھی ابو جہل کی جفاؤں کا نشانہ بننے کیلئے بھیجا گیا۔ کبھی شاہد اور مبشر کا لقب دیا گیا اور کبھی شاعر مجنون اور ساحر کے آوازے سنوائے گئے۔ کبھی لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْأَفْلَاكَ (اگر تمھاری قدر و منزلت منظور نہ ہوتی تو ہم عالم کو پیدا نہ کرتے) کے خطاب سے نوازا گیا اور کبھی وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ نَذِيرًا۔ (اگر ہم چاہیں تو تمھاری طرح ہر ہر گاؤں میں ایک پیغمبر بھیج دیں)۔ فرما دیا گیا۔ کبھی تمام خزانوں کی کنجیاں میرے حجرے کے دروازے پر ڈال دی گئیں۔ اور کبھی ایک مٹھی جَو کے لیے ابو شحمہ یہودی کے دروازے پر لے جایا گیا۔ اے بھائی، حضرت رسولِ خدا مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ وہ راستہ ہے جس میں قہر نوازش و کرم کے ساتھ اور عنایت و مہربانی قہر کے ساتھ ملی جلی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے میں جس طرح منبر آراستہ کیا گیا ہے، اسی طرح سُولی بھی نصب کی گئی ہے۔ خواجہ عطار رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرف اشارہ کیا ہے مثنوی

بباید داشت گردن زیر فرمان	کہ جز صبر و خموشی نیست درمان
ہمہ جز خامشی راہے نہ داریم	کہ یک تن زہرۂ آہے نہ داریم
کہ دارد زہرہ در وادیِ تسلیم	کہ بادے بگذراند برلب از بیم
چنان گم کردہ اند این سرپئے راز	کہ سرموے نہ بیند ہیچ کس باز
ہزاران معنیے لشکگا فتم من،	طریق این رہ خموشی یافتم من

(اُس کے فرمان کے آگے سر جھکا دینا چاہیے۔ کیونکہ سوائے صبر اور خاموشی کے کوئی چارہ نہیں ہے۔ سوائے خاموشی کے ہمارے سامنے کوئی راستہ نہیں ہے۔ کیونکہ ذرا بھی آہ کرنے کی مجال نہیں ہے۔

تسلیم و رضا کی خاموش وادی میں کس کی ہمت ہے کہ اپنے منھ سے اُف تک نکال سکے۔ اس راز کی جستجو میں ایسے گم ہو کر رہ گئے ہیں کہ کوئی ان کا ایک بال بھی نہیں دیکھ سکتا ہیں نے ہزاروں معنی کھول کر رکھ دیے ہیں لیکن اس راستے میں صرف خاموشی ہی کو بہتر طریقہ پایا ہے) اے بھائی یہ خاکی انسان فقر و نیازمندی کی وہ کان ہے جس کے کارناموں پر ساکنانِ ملاءِ اعلیٰ سخت متعجب اور حیران ہیں۔ حضرت آدمؑ سے عشق بازی تو کوئی تعجب کی بات نہیں، اچنبھا اُن کے فرزندوں پر ہے کہ غم و اندوہ کی موجوں میں کود جاتے ہیں اور رنج و بلا کے طوفان میں غوطے لگاتے ہیں۔ اور زبانِ لطف و کرم، فضل و عنایت کے ممبر سے اس کا جواب دیتی ہے۔ "یہ کوئی تعجب کا مقام نہیں کیونکہ یہ لوگ بط کے بچے ہیں۔ اور بط کے بچوں کو تیرنا نہیں سکھایا جاتا۔ جیسا کسی نے کہا ہے ؎

بچۂ بط اگرچہ دینہ بود　　آبِ دریاش تا بسینہ بود

(بط کا بچہ خواہ ایک ہی دن کا کیوں نہ ہو دریا کا پانی اُس کے سینے ہی تک رہے گا) اے بھائی یہ خاکی پتلا جس ساغر میں شراب پیتا ہے اُسے کوئی منھ تک نہیں لگا سکتا۔ خاص و عام فرشتوں کے پیالے بھی اس سے بڑھ چڑھ کر نہیں ہیں جن کے حق میں فرمایا بَلْ عِبَادٌ مُّکْرَمُوْنَ (وہ تو ایسے بندے ہیں جن پر کرم کیا گیا ہے)۔ لیکن شرابِ یُحِبُّهُمْ کا چھلکتا جام اٹھارہ ہزار مخلوقات میں سوائے آدم زاد کے اور کسی کو پینا نصیب نہ ہوا۔ ہاں ہاں، یہ اس شراب کا ذکر نہیں ہے جو ہر ایک پی سکے اور نہ یہ وہ بادشاہی ہے جو ہر جگہ اُتر آئے۔ نہ یہ وہ تاج ہے جو ہر ایک کے سر پر رکھ دیا جائے اور نہ یہ وہ ہوائے بہار ہے جو ہر گلستاں میں لہرا جائے۔ ایک عارف نے اسی طرف اشارہ کیا ہے ؎

اے کفر چہ چیزی کہ مغان از تو بلافند　　اسمِ تو پرستند، زعینِ تو معافند

یک موئے بتو راہ نیابند زغیرت　　آنانکہ در اسلام ہمی موے شگافند

(اے کفر تیری کیا بات ہے کہ رندانِ الست تجھ پر فخر کرتے ہیں۔ تیرے نام کی پرستش کرتے ہیں اور عینِ کفر سے معاف کر دیے گئے ہیں۔ وہ لوگ بھی جو اسلام میں بال کی کھال نکالتے ہیں غیرت کی وجہ سے بال برابر بھی تجھ تک رسائی نہ پا سکے)۔ والسلام۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نواسیواں مکتوب ۸۹

نہ پانے کی حسرت اور جمعہ کی دعاؤں کے بیان میں

عزیز بھائی شمس الدین۔ معلوم ہو کہ اگر پچاس بار ننگے سر اور ننگے پاؤں شوق و ولولے کے ساتھ مشرق سے مغرب تک سفر کرو اور اپنے وطن سے مکہ اور مدینہ جاؤ، اتنا مفید نہیں جتنا نہ پانے کی حسرت مفید ہے۔ اس بات پر ایک لمحہ غور کرو۔ خدا کی قسم کوئی درد اتنا پیارا نہیں جتنا اپنی حسرتوں کے روزنامچہ کا مطالعہ کرنا۔ اور وہ کون ایسا آدمی ہے جس کو یہ درد میسر نہیں۔ چاہے ساری زمین و آسمان کا سالک ہی کیوں نہ ہو۔ اسی معنی کو خواجہ عطارؒ نے یوں کہا ہے مثنوی

بسے سودائے این تقویم پختیم ۔۔۔ کنون از خامکاری نیم پختیم

بسے اندوہِ گوناگون بخوردیم ۔۔۔ بسے برخاک خفتہ خون بخوردیم

بسے چون عنکبوتان خانہ رُفتیم ۔۔۔ بسے ہمچون مگس افسانہ گفتیم

گہے زنارِ ترسایان بہ بستیم ۔۔۔ گہے در دیرِ ترسایان نشستیم

بسے این درد را درمان بہ جُستیم ۔۔۔ کنون از گریہ دست از جان بہ شُستیم

بسے گفتیم و دل آرام نگرفت ۔۔۔ بسے رفتیم در رہ انجام نگرفت

(ہم نے بہت کچھ اس علم کا سودا پکایا مگر اب تک اپنی خامکاری کی وجہ سے کچے اور نیم پختہ ہی رہے ہم نے کئی طرح کے بڑے بڑے غم اُٹھائے، برسوں خاک پر پڑے ہوئے خونِ جگر پیتے رہے۔ ہم نے مکڑیوں کی طرح بہت کچھ جالا تنا اور مکھیوں کی طرح بھنبھناتے اور افسانہ کہتے رہے۔ کبھی یہودیوں کی زنار گلے میں ڈالی اور کبھی بتخانوں میں دھونی رما کر بیٹھے۔ ہم نے بہت کچھ اس درد کا علاج ڈھونڈا لیکن اپنے ہی آنسوں میں اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ ہم نے بہت کچھ کہا لیکن دل کو آرام نصیب نہ ہوا۔ اور بڑے بڑے راستے طے کیے لیکن منزل پر نہ پہنچ سکے)۔

اے بھائی، اس دنیا میں جسے حسرتوں کا روزنامچہ دے دیا گیا ہے اُس کے حق میں اِقْرَأْ کِتَابَكَ (اپنا اعمال نامہ پڑھتے رہو) کا خطاب نقد حال ہے۔ جس کے سینے میں نہ پانے کا

درد ڈال دیا ہے ہزار قیامتیں اُس کے دل پر ٹوٹا کرتی ہیں۔ اور جس کی ہمت کو قیامت خیز تجلیوں کے سپرد کر دیا ہے اُسے موت کا مزا چکھا دیا ہے۔ جس کی ظاہری آلودگیوں کو باطن کی پاکیزگیوں میں مشغول کر دیا ہے اُسے دنیا سے نکال کر آخرت میں پہنچا دیا ہے۔ وہ جب تک اس زمان و مکان کی قید میں رہے آزادی کی یہ دولت نہ دیکھ سکے۔ جو انھوں نے عالمِ رسالتِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم میں دیکھی۔ اگر ان بزرگوں کے سروں پر چڑیاں بیٹھ جاتیں تو ان چڑیوں کو خبر نہ ہوتی کہ کسی جاندار پر بیٹھی ہیں یا کسی بے جان پتھر پر۔ جانتے ہو ایسا کیوں تھا؟ یہ آخرت والے کُشتہ ہو چکے تھے محض جسم کے اعتبار سے اس دنیا میں تھے اُن کا دل آخرت میں لگا ہوا تھا اُن کی زندگی اسی درد و افسوس اور شوق و تمنا میں گزرتی تھی کہ کب وہ وقت آئے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کسی جہاد میں تشریف لے جائیں اور ہم اپنی جانیں دشمنانِ دین کی تلواروں کے سامنے رکھ دیں تاکہ جس طرح باطنی طور پر ہم آخرت میں ہیں ظاہری طریقہ سے بھی آخرت میں پہنچ جائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مکہ سے باہر میدان میں نکل آتے، زمین پر لوٹتے اور گریہ وزاری کے ساتھ اپنی موت چاہتے اور کہتے "الٰہی، جس چیز کی مجھے حاجت ہے، میں خلق سے ناامید ہوں اور جہاں تک خلق کی ضرورتوں کا مجھ سے تعلق ہے وہ مجھ سے ناامید ہیں۔ اس لیے مجھے ان کے ساتھ اور ان کو میرے ساتھ وابستہ نہ رکھ۔ میری جان لے لے تاکہ میں اپنی قید اور اپنے عہد سے چھوٹ جاؤں"۔ اور حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ جن کی شجاعت و بہادری پر اسلام کی ناموری کو فخر و ناز تھا مناجات کے درمیان اپنی ریشِ مبارک پر ہاتھ پھیرتے اور بہ صد شوق دعا کرتے "خدایا، کسی بدبخت کو میرے اوپر کیوں مسلط نہیں کر دیتا کہ میری داڑھی کو میرے ہی خون میں رنگ دے تاکہ میں اپنی شجاعت و جوانمردی کے نام و نمود سے چھوٹ جاؤں۔ قطعہ

هر کسے را که در جهان دردیست | درد او را بنزدِ او دار وست
دار وئے دردِ دردمندان چیست | نظرہِ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُو ست

(جس کسی کو دنیا میں درد ہے تو اس درد کی دوا بھی اُسی کے پاس ہے۔ دردمندوں کے درد کی دوا کیا ہے؟ لا الٰہ الا ھُو کی ایک نظر!)۔ حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص تھا جس کی یہ تمنا تھی کہ موت آنے سے پہلے ہی وہ مرجائے اور جب عزرائیلؑ اس کی روح قبض کرنے آئیں

تو اُسے بے جان دیکھ کر حیران رہ جائیں۔ اس کو خطاب کیا گیا کہ یہ بندہ میری اتنی آرزو اور تمنا رکھتا تھا کہ انتظار کی طاقت نہ تھی۔ قرآنِ پاک کی زبان سے سنو۔ یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً۔ (اے نفسِ مطمئنہ راضی بہ رضا ہو کر اپنے پروردگار کی طرف رجوع ہو جا) اے رُوح، تو قالب میں بند ہو کر رہ گئی ہے، اور اے قالب تونے روح کے ساتھ رشتہ جوڑ لیا ہے۔ لو، اب سفر تمام ہو گیا۔ ہر شخص اپنے وطن کی طرف لوٹ رہا ہے۔ کیونکہ نیا چاند وہی بہتر ہے جو اپنے آسمان سے نکل آئے۔ ؎

ہر چند عزیز بودہ جائے دگر بازآئی کہ مہ بر آسمان نیکو تر

(دوسری جگہ تو کتنا ہی عزیز کیوں نہ رہا ہو، اب واپس لوٹ آ۔ کیونکہ چاند آسمان ہی پر بھلا معلوم ہوتا ہے)۔ کام خدا کی مہربانیوں کا مشاہدہ کرنا، زمانہ خلوت کا زمانہ اور یہ وقت مصالحت کا وقت ہے۔ پیچھے رہ جانا اچھا نہیں۔ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً۔ ہم تجھ سے خوش اور تو ہم سے خوش۔ اسی راز کو اس میں بیان کیا گیا ہے رباعی۔

نوروز زبساطِ شادی افگندہ بدشت بلبل بہ گلِ شگفتہ تر عاشق گشت
آمد گہ آنکہ عہدہا تازہ کنیم بُد آنچہ بُد اے صنم گذشت آنچہ گذشت

(نوروز کا دن آگیا، صحرا میں شادمانی کا فرش بچھا دیا گیا۔ بلبل خوب کھلے ہوئے پھولوں پر فریفتہ ہو گئی۔ اب وہ وقت آگیا ہے کہ ہم اپنے عہد و پیمان کو از سرِ نو تازہ کریں۔ اے میرے محبوب جو ہوا وہ ہو چکا۔ اور جو گزر گیا وہ گزر گیا)۔ اس بارگاہ کے اکثر جوانمرد جب اس دنیا سے باہر جاتے ہیں تو حسرتِ نایافت سے جو دردِ جگران کو حاصل ہوتا ہے اُسے اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ دردِ نایافت مجبوروں اور عاجزوں کے لیے یافت کی مسرتوں سے بڑھ کر ہے رباعی

آن را کہ بقائے او از و می باشد حیران شدہ در لقائے او می باشد
پیوستہ توجہ بہ دلِ خستہ او در کعبہ و بتخانہ بدو می باشد

(انسان کی زندگی جس کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے وہ حیران و پریشان اسی کو تکا کرتا ہے۔ اُس کے ٹوٹے ہوئے دل کی پوری توجہ کعبہ میں ہو یا بتخانے میں ہمیشہ اسی کی طرف رہتی ہے)۔

خیبر کی فتح کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ دوستوں میں سے ایک آدمی ایک بکری کے

بچے کا کان پکڑ کر کھینچے لا رہا ہے۔ آپؐ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی طرف دیکھ کر فرمایا "اے ابن عمرؓ اس بکری کے بچے کو اس آدمی کی قید میں مجبور دیکھتے ہو؟" انھوں نے کہا "ہاں، یا رسول اللہ دیکھتا ہوں۔" آپؐ نے فرمایا "میری امت میں ایسے آزاد مرد بھی ہوں گے جو میدانِ قیامت میں آئیں گے اور ان کے مضبوط ہاتھوں میں دوزخ کے ساتوں طبقے اس بکری کے بچے سے کہیں زیادہ مجبور و مقید ہوں گے جو اس مرد کے ہاتھ میں ہے۔ دوزخ کا کام تو ان ہوا پرستوں کو جلانا ہے جن کے گوشت و پوست لقمۂ حرام سے پیدا ہوئے ہیں۔ صدیقوں اور متقیوں کے سامنے دوزخ کی کیا مجال کہ ذرا بھی ہل سکے۔ ان بزرگوں کا حال جو تم سنتے ہو، یہ نہ پیغمبر تھے نہ فرشتے، بلکہ ہمارے ہی جیسے آدمی تھے۔ خدائی باتوں کی آرزومندی نے ان کا دامن پکڑا اور اس کی تمنا میں انھوں نے اپنی نیازمندی پیش کی اور اپنے دعوے کو دلیلوں سے ثابت کیا۔ تم بھی ایسا ہی کرو۔ اگر تم چاندی سونا نہیں رکھتے کہ اس کے نام پر لٹاؤ تو زندگی تو رکھتے ہو کہ قربان کرو اور کوئی چیز تمھیں روک نہ سکے۔ اور اپنے عہد کو پورا کرنے کے لیے مستعد ہو جاؤ جو تم نے دین کے راستے میں کیا ہے تاکہ کوئی شخص تمھارے اوپر دعوے نہ کر سکے۔ اور دین کے راستے میں تمھارے سامنے جو حجاب ہیں اُن کو اُٹھا دو۔ عرصہ ہوا کہ بتایا جا چکا ہے کہ یہ وہ راستہ ہے جس میں خود کو ہلاک کیے بغیر منزل تک نہیں پہنچ سکتے۔ دین کی راہ میں نفس کا ہلاک کرنا ہی منزل ہے۔ پہلے ہی اپنے کو ہلاک کرنے کیلیے تیار ہو جاؤ تب اس راستے میں قدم رکھو۔ ورنہ اپنی زحمت کو دین داروں کے حلقے سے باہر نکال لو تاکہ مردانِ خدا کے لیے راستہ صاف ہو جائے۔ مثنوی

زخود بگذر قدم در راہِ دین زن	بت ست این نفسِ کافر بر زمین زن
تو گر مردِ رہی در رہ فرو شو	قدم در نہ فدائے راہ او شو
گرت گویند سر در راہِ ما باز	زہے شادی تو دستار از سر انداز

(پہلے اپنی خودی کو چھوڑ تب اس راستے میں قدم رکھ۔ تیرا یہ نفسِ کافر ہی بت ہے اس کو زمین پر دے مار۔ اگر تو اس راستے کا مرد ہے تو اسی راستے میں گم ہو جا۔ اور قدم رکھا ہے تو اُس کے راستے میں اپنی جان فدا کر دے۔ اگر تجھ سے کہیں کہ میرے راستے میں سر دھڑ کی بازی لگا دے تو یہ بڑی خوشی کا مقام ہے فوراً اپنی دستار سر سے اتار کر پھینک دے)۔ اب اگر تو دیکھے کہ اس راستے کا

تو مردِ میدان نہیں ہے تو لازم ہے کہ اس راستے کے کسی مرد کا دامن تھام لے اور اُسی کا ہو جا کیونکہ ہر شخص ماں کے پیٹ سے بادشاہ نہیں پیدا ہوتا۔ ہر زمانے میں بادشاہ ایک ہی ہوتا ہے باقی سب لوگ اسی کے سایۂ عاطفت میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ اے بھائی دین کا غم اٹھانا کوئی معمولی بات نہیں۔ تم نے سنا ہو گا کہ روے زمین پر جتنے بھی جن و انس، وحشی جانور اور چرند و پرند تھے سب حضرت سلیمان علیہ السلام کے مطیع و فرمانبردار تھے۔ اس پر بھی اُن کا یہ حال تھا کہ دین کی طلب میں چلتے رہتے اور جو کچھ ان کے پاس تھا دین کے لیے تھا۔ یہ نہ سمجھنا کہ دنیا سلیمان علیہ السلام کے عیش و تنعم کے لیے تھی۔ ہرگز نہیں۔ دنیا اُن کے دین کی خدمت کے لیے تھی۔ اور ان دونوں باتوں میں بڑا فرق ہے صحبت اور چیز ہے اور خدمت اور چیز۔ بڑے آگ کے دریا سے گذرنا پڑتا ہے جب کہیں خدمت سے صحبت نصیب ہوتی ہے۔ جب اس چیونٹی کی آواز سنی تو ہوا کو حکم دیا کہ اُن کے تخت کو وہاں اتار دے اور چالیس رات دن اُس چیونٹی کی صحبت اختیار کی اور اُس سے صمدیت کے اسرار سنتے رہے۔ اس سے تم کو جاننا چاہیے کہ خداوند سبحانہ، وتعالےٰ نے اپنی مخلوقات کے ساتھ ایسے اسرار پوشیدہ فرمائے ہیں کہ ہر شخص کو ان کی خبر نہیں۔ اور اگر کسی کو اس میں شبہ ہو تو قرآنِ پاک کی زبان سے سنو یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ (زمین و آسمان میں جتنی چیزیں ہیں سب اللہ کی تسبیح کرتی ہیں)۔ اور سنو وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ (اور کوئی چیز ایسی نہیں جو حمد کے ساتھ اس کی تسبیح نہ کرتی ہو)۔ خود مدعی نے بھی یہ ضرور پڑھا ہو گا۔ وَمَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّکَ اِلَّا ھُوَ۔ (تمھارے پروردگار کے لشکر کو سوائے اُس کے اور کوئی نہیں جانتا)۔ نقل ہے کہ داؤد علیہ السلام محراب میں نماز ادا کر رہے تھے۔ ایک چیونٹی سامنے سے گزری۔ آپ نے ہاتھ اُٹھایا کہ اس کو سجدے کی جگہ سے ہٹا دیں۔ اس چیونٹی نے فریاد کی کہ اے داؤدؑ یہ کیا زیادتی ہے؟ کیا میری بندگی بارگاہِ خداوندی میں تمھاری عبادت سے کم ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام رونے لگے اور کہا "خداوندا مخلوقاتِ عالم کے ساتھ کیا سرمایہ لیکر زندگی بسر کروں؟" حکم ہوا، تقوے کو اپنا شعار بناؤ تاکہ کوئی شخص تم سے رنجیدہ نہ ہو۔ مخلوق کے گوشت و پوست اور ظاہری صورت پر نظر نہ ڈالو بلکہ اُن کی خلقت کے اسرار کو دیکھو۔ اگر ہم ایک چیونٹی کو حکم دیں کہ اپنے سیاہ لباس سے باہر آجا، تو اس چیونٹی کے سینے سے توحید کے وہ اسرار ظاہر ہوں کہ کائنات موحدین مارے شرم کے

سر جھکا لیں۔ یہی راز تھا کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعا میں فرماتے اَرِنَا الْاَشْیَآءَ کَمَا ھِیَ (اپنی مخلوقات کو مجھے اس طرح دکھلا جیسی وہ فی الحقیقت ہیں)۔ ایک رات حضرت موسیٰ علیہ السلام پروردگار کی مناجات میں ایسے بیخود و سرشار ہوئے کہ دوسرے دن تک اس کا سرور و خمار باقی رہا۔ آپ کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ کسی مخلوق کو یہ دولت نصیب نہ ہوئی ہوگی جو کل رات مجھے نصیب ہوئی۔ اُسی وقت جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور کہا "اے موسیٰ اس بیابان میں کوئی ایسا بھی ہے جو صدیقوں کے دردِ دل کا علاج کرے؟" موسیٰ علیہ السلام ایک جگہ پہنچے اور ایک مینڈک کو پانی میں ٹرٹر کرتے ہوئے پایا۔ جب اُس نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا تو بولا "اے موسیٰ، میں تو دیر سے تمھارا انتظار کر رہا ہوں کہ تمھارے دل میں جو غرور اور پندار پیدا ہوا ہے اُسے نکال دوں۔ دیکھو، ہرگز ہرگز اپنی یکتائی کا دعویٰ نہ کرنا۔ کل رات اللہ تعالیٰ کے دربار سے جو تحفہ تمھارے پاس آیا تھا وہ میں نے ہی تم تک پہنچایا تھا۔ پہلے وہ مجھے عنایت کیا گیا ہے اس کے بعد تم کو ملا ہے۔ یاد رکھو، اب کبھی ایسا خیال اپنے دل میں نہ لانا۔ ہاں، اے بھائی، اس کے دربار کی یہی شان ہے کہ کسی کو دوزخ میں ڈال کر ادب سکھلاتے ہیں، کسی کو چیونٹی کے ذریعہ سے اور کسی کو مینڈک کے ذریعہ سے۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے اُس مینڈک کی مہربانیاں دیکھیں تو جان لیا کہ یہ خدا کی طرف سے میرے اوپر مقرر کیا گیا ہے۔ اپنے سر سے تاجِ سربلندی اُتار دیا اور کہا "اے گماشتۂ حق، اپنی ہمت سے میری امداد کر اور میرے دردِ غم کی یہ کہانی بارگاہِ رب العزت میں عرض کر دے۔ جیسا کہ کہا ہے مثنوی

زہے عزت کہ جان حیران بماند | خرد انگشت در دندان بماند
درے مسدود شد نتوان کشادن | کہ انگشتے برو نتوان نہادن
نہ آن کو می رود، زین راز آگاہ | نہ آن کامد خبر دار از ین راہ
چنان گم کردہ اند این سر پیے راز | کہ سر موے نہ بیند ہیچ کس باز

(اس کی کیا عزت و شان ہے کہ جان حیرت میں پڑ گئی ہے۔ عقل و خرد انگشت بدندان رہ گئے ہیں۔ جو دروازہ بند ہو گیا وہ کھل نہیں سکتا۔ اُس پر تو انگلی رکھ دینا بھی محال ہے۔ ہر وہ شخص جو اس راستے پر چلتا ہے اس راز سے واقف نہیں اور نہ ہر آنے والا اس راستے سے آگاہ ہوتا ہے۔ راز کو پوشیدہ رکھنے کے لیے راز داروں کو ایسا چھپا لیا ہے کہ کوئی اُن کا ایک بال بھی نہیں دیکھ سکتا)

حدیث شریف میں وارد ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر سو مرتبہ درود بھیجے گا، خداوند تعالیٰ اُس کی سو حاجتیں پوری کرے گا۔ ستر دنیا کی اور تیس آخرت کی۔ یا تیس دنیا کی اور ستر آخرت کی۔ اور درود اس طرح پڑھے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَحَبِیْبِكَ وَنَبِیِّكَ وَرَسُوْلِكَ الْاُمِّیِّ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ ۔ اور بزرگانِ دین کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ جو شخص جمعرات (شبِ جمعہ) کو دو رکعت نماز ادا کرے، جو سورۃ جی چاہے ملا کر پڑھے۔ جب نماز سے فارغ ہو تو ایک ہزار ایک مرتبہ اِن کلمات کو پڑھے اللہ تعالیٰ اُس کی تمام مشکلات کو آسان فرمائے گا۔ کلمات یہ ہیں:۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ وَتَوَکَّلْتُ عَلَی الْحَیِّ الْقَدِیْمِ ۔ جب ایک ہزار ایک مرتبہ پڑھ چکے تو حضرت خواجہ معروف کرخیؒ اور حضرت خواجہ حبیب عجمیؒ کو شفیع لائے۔ جو حاجتیں اس کی ہوں گی اللہ تعالیٰ سب پوری کرے گا۔ اور چاہیے کہ درود مذکور ہر شب جمعہ کو برابر پڑھتا رہے اور کبھی ناغہ نہ کرے تو اس کے فوائد و ثمرات بہت ہیں۔ والسلام۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نوّیواں مکتوب ۹۰

علاج دل، نماز، جمعہ کے دن کی دعا اور نیکبختی حاصل کرنے میں

میرے بھائی شمس الدین۔ معلوم ہو کہ جو معاملات قرآن کریم کی روشنی میں جائز نظر نہ آئیں وہ بے سود اور لاحاصل ہیں۔ اور وہ خواہشیں جن پر نبوت کا فتویٰ نہیں محض باطل ہے اور وہ دلیل (رہنما) جو دین کے راستے سے الگ ہے مطلق ضلالت و گمراہی ہے اور جو امداد دین کے راستے میں دین کے سوا چاہو وہ مردود ہے۔ مَنْ اَدْخَلَ فِیْ دِیْنِنَا مَا لَیْسَ مِنَّا فَھُوَ مَرْدُوْدٌ ۔ (جس نے ہمارے دین میں وہ بات داخل کی جس کا ثبوت ہم سے نہیں ہے تو وہ مردود ہے)۔ تمہارے معاملات میں جب تک خلوص نہ ہو عالم قرآن سے وہ جائز نہیں ہوتا۔ خلوص کا مقام درد بھرا دل ہے۔ اور جہاں کہیں اخلاص کی خوشبو پائی جاتی ہے قرآن کریم خوشخبری دینا شروع کرتا ہے۔ خواہ وہ جنات کے حق میں ہو یا انسان کے۔ فَقَالُوْا

اِنّا سَمِعْنا قُرْاٰناً عَجَباً یَّھْدِیْٓ اِلَی الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِہٖ (انھوں نے کہا ہم نے قرآن کو سنا عجیب کلام ہے جو سیدھے راستے کی ہدایت کرتا ہے اور ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں) طالب زخمِ دل کا مرہم قرآن ہے وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا ھُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ (اور ہم قرآن سے وہ انوار نازل کرتے ہیں جو مومنین کے لیے شفا اور رحمت ہے)۔ سالکانِ دین کا رہبر قرآن پاک ہی ہے یَھْدِیْٓ اِلَی الرُّشْدِ (سیدھا راستہ دکھاتا ہے)۔ اور جب قرآن کی رہبری کسی پر ظاہر ہوگئی تو اگر کوہ قاف بھی اس کے سینے کا پیوند ہو تو جھکنے پر مجبور ہو جائے۔ وَلَوْ اَنْزَلْنَا ھٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعاً مُّتَصَدِّعاً مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰہِ (اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر اُتارتے تو تم یقینی دیکھتے کہ وہ خدا کے خوف سے پاش پاش ہو جاتا۔ پس جس کام کی اجازت قرآن نہیں دیتا وہ راہِ دین نہیں مطلق نابینائی ہے۔ بُرجِ قدیم سے جو آفتاب طلوع ہوتا ہے وہ پہلے آسمانِ دل پر چمکتا ہے۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِکْرٰی لِمَنْ کَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَی السَّمْعَ وَھُوَ شَھِیْدٌ (البتہ اس قرآنِ کریم میں دل اور کان رکھنے والوں کے لیے اللہ کا ذکر ہے اور وہ اس کے گواہ ہیں)۔ ایک بزرگ نے فرمایا ہے قطعہ

چون رہبرِ شرع بر در آید	معشوق مراد در بر آید
ہر رہرو شرع را ز معشوق	تاجے ز قبول بر سر آید

(جب شریعت کا راستہ دکھلانے والا دروازے پر آتا ہے تو مراد کا معشوق مل جاتا ہے۔ شریعت کے راستے پر ہر چلنے والے کے سر پر معشوق کی طرف سے قبولیت کا تاج پہنا دیا جاتا ہے)۔

اس راستے کے مرد روحوں کے مالک ہوتے ہیں ان کی باتیں سراسر زندگی ہوتی ہیں۔ اور مخلوقات کی زندگی اُن کے غم واندوہ کی پاکیزگی اور صفائی پر منحصر ہوتی ہے۔ اور ان کے حزن وملال کی ہمت پر عالم کا قرار و قیام موقوف ہوتا ہے۔ اور دنیا والوں کی رافت و راحت ان کے درختِ محبت کے پھل ہوتے ہیں۔ ان کے اعمال کی کوئی علت نہیں ہوتی۔ ان کی حالتیں اپنے مقام سے واپس نہیں لوٹتیں۔ ان کے کلام وقول کا کوئی ردّ نہیں ہوتا۔ ان کے علم کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ ہاں جب تک اسم و رسم کا اطلاق جن چیزوں پر ہوتا ہے اپنی تیغ انکار سے ان کا سر نہ اُڑادو، اور جو کچھ تم کو معلوم ہے اُس سے خالی نہ ہو جاؤ تمھارے دل کی گہرائی سے حکمت کے چشمے کبھی

نہیں پہونچیں گے۔ اور علمِ حقیقت کا لطف تم کو حاصل نہیں ہو گا۔ خواجہ عطارؒ فرماتے ہیں۔ ؎

دل پر نور را دریائے دین کن حدیثِ وحی ربّ العالمین کن

دمے در عالمِ قدسی قدم زن بگیر آن حلقہ را بر درِ حرم زن

چو عیسیٰ در سخن شیرین زبان شو صدف را بشکن و گوہر فشان شو

(اپنے روشن دل کو دین کا دریا بنا دے اور صرف وہی بات منہ سے نکال جو پروردگارِ عالم نے وحی فرمائی ہے۔ ذرا عالمِ قدسی میں قدم رکھو اور اس زنجیر کو حرم کے دروازے پر توڑ دو گفتگو کرنے میں عیسیٰ علیہ السلام کی طرح شیریں زبان بنو اور اپنے دل کے سیپ کو توڑ کر اس سے موتی بکھیر دو) جس دل کی آنکھ آج روشن نہ ہوئی کل کبھی نہ ہو گی۔ قرآن مجید سے سنو مَنْ کَانَ فِیْ هٰذِهٖ اَعْمٰی فَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰی۔ (جو آج معرفتِ حق سے نابینا ہے وہ آخرت میں بھی خدا کے دیدار سے نابینا رہے گا)۔ ایک بزرگ نے فرمایا ہے ؎

اگر عہدِ ازل را آشنائی ازان حضرت چرا گیری جدائی

بہ معنی باز جان را آشنا کن سزائے قربِ دستِ پادشا کن

(اگر روزِ ازل کا عہد و اقرار تجھے یاد ہے تو اس کے دربار سے دُور کیوں ہوتا ہے اپنی جان کو اپنے ہی باطن سے آشنا کر اور بادشاہ کے ہاتھ کے قریب پہنچنے کے لائق ہو جا)۔ اے بھائی، جس دن دلوں کے پرکھنے والے دلوں کو کسوٹی پر گھسیں گے جو کچھ سینوں میں ہے میدان میں آجائے گا۔ اور تحقیق کرنے والوں کو دلوں پر مقرر کر دیا جائے گا تاکہ ہر ایک کے باطن سے تمام چیزیں نکال کر محفلِ قیامت میں پیش کر دیں۔ یہ لوگ جانچ پرتال کے بعد کہیں گے "بارِ خدایا، ہم نے کسی جگہ ذرہ برابر بھی عہد کی وفاداری نہیں پائی ارشاد ہو گا خَابَ مَنْ لَا عَهْدَ لَهٗ (جس سینے میں ہمارے دین کی وفا کا عہد نہیں ہے وہ ہمارے پاس آنے سے روک دیا جائے)۔ اور اس طرح روک دیا جائے کہ کبھی ہمارے پاس نہ پھٹکنے دیا جائے۔ جیسا کسی نے کہا ہے ؎

نقدِ تو چون ترا بر انگیزند جملہ در گردنِ تو آویزند

بوتہ خود گویدت چو بادودی کہ زری یا مس زر اندودی

(جب قیامت میں تم کو اُٹھائیں گے تو تمھارے اعمال کا سرمایہ تمھاری گردن میں لٹکا دیں گے. جب تمھارے سونے کو گھریا میں پگھلایا جائے گا تو اُس کا دھواں خود بتا دے گا کہ تم خالص سونا ہو، یا تانبا ملا ہوا ہے)۔ اُس کا کھانا پینا وہی ہوگا کہ اُس کے دل اور آنکھ پر ہر لحظہ یہی داغ دیا جائے گا، کہ اے بے وفا ہمارے ساتھ ایسا ہی کرنا چاہیے تھا اور ہمارا عہد اسی طرح نبھانا چاہیے تھا؟ خیر، اگرچہ تو نے ہمارا بندہ بننے کی کوشش نہیں کی تو ہم تو تیرے پروردگار ہیں اگرچہ تو نے عہد شکنی کی مگر ہم اپنی صفتِ قدامت کے ساتھ اپنی وفا پر قائم ہیں۔ اگر تو اپنے برے اعمال سے رنجیدہ نہیں ہے مگر ہم اپنی صفتِ خداوندی سے خوش کرنے والے اور صفتِ قدم سے نوازنے والے ہیں۔ رباعی.

مردم چو بہ بیخودی ہمی شاد بود   واندر نظرِ دلش ستم داد بود

اندر نظرِ شاہ کند بے فرمانی   بے شرم کسے کہ آدمی زاد بود

(جو شخص اپنی غفلت میں شاد و خوش رہتا ہے اُس کے دل کی آنکھوں میں اپنا ظلم و ستم انصاف نظر آتا ہے۔ وہ بادشاہ کی آنکھوں کے سامنے نافرمانی کرتا ہے اُس سے زیادہ بے شرم اور کون ہوگا کہ آدمی زاد ہو کر ایسا کرتا ہے)۔ اے بھائی، اب اُٹھ بیٹھو، ٹھہرنے کی جگہ نہیں ہے اور بداخلاقی کرنے کا موقع نہیں ہے۔ اس ذلت کی مصیبت میں خود پرستی عزت نہیں ہے اور تقدیر کی شاہراہ پر سجدۂ تسلیم بجا لانے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ اور ہر شخص کو ہوا و ہوس کے پیچھے چلنے میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اور کسی کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنے میں ہرگز کوئی نقصان نہیں ہے۔ مناجات.

خدایا نورِ دل ہمراہِ ما کن   محمدؐ را شفاعت خواہِ ما کن

دل و جان را فدائے راہِ او کن   بہ تقوی روے در درگاہِ او کن

بہ عقبیٰ دم بوقتِ پاکِ او زن   بہ دنیا دست در فتراکِ او زن

(یا الٰہا میرے دل کو نور سے منور کر دے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میرا شفیع بنا دے میرے دل و جان کو اُن کے نقشِ قدم پر قربان کر دے۔ پرہیز گاری کے ساتھ میرا منھ ان کے دربار کی طرف پھیر دے۔ عقبیٰ میں ان کا نام لینے کی توفیق دے۔ دنیا میں بھی اُن کا دامن ہمارے ہاتھ میں رکھ).

حاصل کلام ہر وہ معاملہ جو بغیر علم کے ہے باطل ہے اور ہر وہ ریاضت و مجاہدہ جو فتوائے شریعت کے خلاف ہے ضلالت و گمراہی ہے اور شیطان کا دین و مذہب ہے۔ یاد رکھو نیک بختیوں کے تمام دروازے معرفت کے حق میں علم ہی سے پہچانے جاسکتے ہیں۔ دین و سلطنت کی عظمت کے اسرار، اسلام اور دعوتِ انبیاءؑ کی عزت، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور نشانیوں کی شناخت معصوموں کی پاک دامنی کے مرتبے، مقربانِ بارگاہِ الٰہی کے مختلف درجات، ذریتِ آدم کی فطرت کے راز، معیوب لوگوں کے عیبوں کے بھید، ایمان والوں کے حقوق، شریعت کی تعظیم، احکامات کی بجاآوری اور منہیات سے پرہیز، یہ تمام باتیں علم ہی کے ذریعہ پہچانی جاسکتی ہیں۔ اور علم ہی کے میدان میں پائی جاسکتی ہیں۔ جب تک انسان اپنی جہالت کے بیابان سے باہر نہیں نکلتا اور علم کے سبزہ زار میں قدم نہیں رکھتا ایمان کی یہ سعادتیں اُس میں ظاہر نہیں ہوتیں۔ دیکھو، بارگاہِ خداوندی میں صفتِ جہالت سے بڑھ کر کوئی ذلیل اور دشمن نہیں اور درگاہِ خداوندی تک پہنچنے کا علم کے راستے سے نزدیک تر اور کوئی راستہ نہیں ہے وَالْعِلْمُ بَابُ اللّٰہِ الْاَقْرَبُ وَالْجَھْلُ اَعْظَمُ حِجَابًا بَیْنَکَ وَبَیْنَ اللّٰہِ (اور علم اللہ تعالےٰ کا قریب ترین دروازہ ہے اور جہالت تمھارے اور اللہ تعالےٰ کے درمیان سب سے بڑا حجاب ہے) جس طرح علم دین تمام سعادتوں کا میدان ہے اُسی طرح جہالت تمام گمراہیوں کی وادی ہے۔ بدبختیاں اور شقاوتیں جہالت کی اسی وادی میں پھولتی پھلتی ہیں۔ اور یہ جہالت وہ وادی ہے جس میں غلبۂ کفر، بنیادِ ایمان کی تخریب، احکامِ شریعت کو اوچھا اور ہلکا سمجھنا، شیطان کی دوستی، پیغمبروں اور صدیقوں کی اتباع سے بیزاری اور بیگانگی، اور ان کی طرح ہزاروں بدبختیاں پیدا ہوتی ہیں اور ان کے پودے نشو و نما پاتے ہیں۔

خواجہ عطار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ مثنوی۔

زکونین ار شوی پاک و مجرد	نہ یابی راہ جز نورِ محمدؐ
اگر راہِ محمدؐ را چو خاکی	دو عالم خاک گردندت زپاکی
دگر نہ فلسفی، گو دور می باش	زعقل وزیر کی مہجور می باش
بہ عقل ار نقش این دیوار بندی	میانِ گبرگان زنار بندی

(اگر دونوں جہان سے تو کنارہ بھی کرلے تو بغیر نورِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی راستہ نہ پائے گا۔

اگر تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے کی خاک ہو جائے، تو تیری پاکی کے مقابلے میں دونوں جہان خاک ہو جائیں۔ اور اگر تو فلسفی ہے تو دُور ہو جا اور اپنی عقل و خرد کے پردوں میں مہجور پڑا رہ۔ اگر اس دیوارِ معرفت پر اپنی عقل و سمجھ سے گل بوٹے بنائے گا تو آتش پرست ہو کر زنّار باندھے گا)۔ نقل ہے کہ جب شیطان کی پیشانی پر لعنت کا داغ ظاہر ہوا تو آدم علیہ السلام نے کہا کہ دولت والوں سے جھگڑا کرنا مبارک نہیں ہوتا۔ اور عالم کے کاموں میں جاہل کا حسد کرنا زیب نہیں دیتا۔ اب شقاوت و بدبختی کا جھنڈا لے کر عالم میں پھرتا رہ اور میرے فرزندوں میں سے جس کا قدم علم کے میدان اور طلب کے راستے میں نہیں ہے اُس کو اپنے جال میں پھنسا لے تاکہ میرے برگزیدہ فرزند اُس کی زحمت سے بچ جائیں۔ اَلنَّاسُ اِثْنَانِ عَالِمٌ وَّ مُتَعَلِّمٌ وَ سَائِرُ النَّاسِ هَمَجٌ لَاخَیْرَ فِیْهِمْ۔ (فرمایا اہلِ حق دنیا میں دو قسم پر ہیں یا وہ ہیں جو منزل پر پہنچ چکے ہیں (یعنی عالم) یا وہ لوگ ہیں جو راستے میں ہیں اور چل رہے ہیں (یعنی متعلم) تاکہ منزل پر پہنچ جائیں۔ باقی جتنے لوگ ہیں وہ ہمج ہیں ان میں کوئی بھلائی نہیں)۔ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّیْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ (ہوشیار ہو جاؤ شیطان کا گروہ ہمیشہ گھاٹے میں ہے) وہ سب ابلیس کے پیادے اور سوار ہیں۔ اے بھائی، وہ فرمار ہے ہیں وَجَاهِدُوْا فِی اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ۔ (خدا کی راہ جہاد کا حق ادا کرو)۔ تم اپنے نفس کے کوچے میں قدم نہ رکھو کیونکہ وہاں خود بینی کا داروغہ تمھیں پکڑ لے گا۔ ہماری گلی میں آجاؤ۔ تم ہمارے عزیز ہو۔ تم گرے پڑے تھے ہم نے تمھیں اُٹھایا۔ تم کم ہمت تھے، ہم نے تم کو نوازا۔ اگر تم اپنی گلی میں قدم رکھو تو زحمت و تکلیف سے تمھیں ہرگز نجات نہ ملے گی۔ اگر تم یہی چاہتے ہو کہ اپنی ہی گلی میں پڑے رہو تو یاد رکھو اپنی ساری پونجی گنوا دو گے اور کوئی نفع ہاتھ نہ آئے گا۔ کسی دل جلے نے کہا ہے۔ رباعی

با عشق جمالِ ما اگر ہم نفسی	یک حرف بس ست اگر بدین در تو کسی
تا با تو توئی تست در ما نہ رسی	در ما تو گہے رسی کہ از خود بہ رُسی

(اگر تو ہمارے حسن و جمال کا عاشق ہے تو تیرے لیے بس یہی ایک بات کافی ہے اگر تو سمجھ دار ہے۔ جب تک تیری خودی تیرے ساتھ ہے ہمارے دروازے پر نہیں پہنچ سکتا۔ ہمارے دروازے پر تو اس وقت پہنچے گا جب اپنی خودی سے چھوٹ جائے گا)۔ اے بھائی اپنی خواہشوں کو مجاہدے کی لیساطِ

علم کی تلوار سے ذبح کردے اور نفسِ پُر فضول کا سر حکمِ شریعت کے مطابق ریاضت کی چھری سے کاٹ ڈال۔ حرص و آرزو سے بھرے ہوئے پیٹ کو بھوک اور فاقے کے خنجر سے پارہ پارہ کردے۔ اور مسلمانی کا لباس پہن۔ خدا کی قسم خود پرستی سے کسی نے بھی فائدہ نہیں اُٹھایا۔ اور آج تک کسی کو خدا پرستی سے کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ تمھارے نزدیک جان سے بڑھ کر اور کوئی چیز پیاری نہیں۔ اگر اِن باتوں کو بڑی اور اہم چیز سمجھتے ہو تو پہلا قدم اپنی جان پر رکھ دو اور مرنے سے نہ ڈرو۔ بس پھر زندگی ہی زندگی ہے۔ رباعی

موقوف اگر بجان بمانی مانی زیرا کہ چو در عالمِ جانی جانی
این نکتہ اگر نیک بدانی دانی ہر چیز کہ در جستنِ آنی آنی

(اگر تو اپنی جان پر اپنی زندگی کو موقوف سمجھے گا کہ زندگی سے عاجز رہ جائے گا۔ کیونکہ جب تو عالمِ جان (یعنی عالمِ ملکوت) میں پہنچے گا تو خود ہی جان بن جائے گا۔ اگر تو اس نکتہ کو اچھی طرح جان لے گا تو اس حقیقت کو جان سکے گا کہ تو جس کی جستجو میں ہے خود وُہی ہے)۔ طلب میں کمال طلب یہ ہے کہ مطلوب کی ہستی کو مسلم اور برقرار رکھے اور اپنی ہستی کی زحمت کو راستے سے ہٹا دے۔ کسی کھوئے ہوئے نے کہا ہے۔ ؎

لطفے بکن از راہ وجودم بردار تا زحمتِ من زراہِ تو گم گردد

(مہربانی کر میرے وجود کو اپنے راستے سے ہٹا دے تاکہ میری زحمت سے تیرا راستہ پاک ہو جائے)۔

کل قیامت کے دن اُس کے حسن و جمال کے دیوانے دانتوں میں انگلی دبائے بہشت میں داخل ہوں گے اور چٹکی بجاتے دوزخ میں قدم رکھیں گے۔ بہشت میں ان کا ذکر القہار الجبار ہوگا۔ اور دوزخ میں الحنّان المنّان ہوگا۔ کیونکہ انھوں نے دیکھ لیا ہے کہ اُس کا قہر نعمتوں سے حجاب میں ڈال دیتا ہے اور اُس کی رحمت جلانے والی آگ کو گلزار بنا دیتی ہے۔ جیسا کہ ظاہر میں دیکھ لیا ہے کہ اس جہان کی نعمتوں میں اہلِ نعمت سے چھپا لیا ہے۔ یہاں تک کہ غلبۂ نعمت میں نعمت عطا کرنے والے سے محجوب ہو گئے ہیں۔ اور یہ بھی ملاحظہ کر لیا ہے کہ عین دہکتے انگاروں میں حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کو اپنے دربار کا مشاہدہ کرا دیا۔ اور وہ آگ اُن پر گلستان بن گئی۔ اس سے معلوم ہوگیا کہ نعمت بغیر دوست کے ہلاکت و مصیبت ہے اور دوزخ کی آگ دوست کے ساتھ

جنت الفردوس ہے۔ رباعی :۔

زان بادہ نہ خوردہ ام کہ ہشیار شوم — وان مست نیم کہ باز بیدار شوم
یک جام تجلی جلالِ تو بسم — کز لذتِ آن غریقِ دیدار شوم

(میں نے وہ شراب نہیں پی ہے کہ پھر کبھی ہوش میں آؤں۔ اور وہ مست نہیں ہوں کہ پھر بیدار ہو جاؤں۔ تیرے جلال کی تجلی کا ایک جام میرے لیے کافی ہے کہ اس کی لذت سے دیدار میں غرق ہو جاؤں)۔

جمعہ کے دن چاشت کے وقت چار رکعت نماز ادا کرے۔ ہر جمعہ یا ہر مہینے یا ہر برس میں ایک مرتبہ۔ لیکن چاہیے کہ جمعہ کے دن غسل اور یہ نماز و دعا ترک نہ کرے۔ ہر رکعت میں فاتحہ ایک مرتبہ آیتہ الکرسی دس مرتبہ قل یاایہا الکافرون دس مرتبہ قل ہو اللہ احد دس مرتبہ قل اعوذ برب الفلق دس مرتبہ قل اعوذ برب الناس دس مرتبہ پڑھے۔ اور سلام پھیرنے کے بعد ستر مرتبہ استغفر اللہ اور ستر مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ پڑھے۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ جو کوئی اس نماز کو پڑھتا رہے گا وہ کبھی مفلس اور بدنصیب نہ ہوگا اور دین و دنیا کی بھلائیاں اور نعمتیں پائے گا۔ اگر آسمان و زمین کی ساری مخلوق اس نماز کا ثواب لکھنا چاہیں تو نہ لکھ سکیں۔ اور ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ جو شخص جمعہ کی نماز سے پہلے غسل کرے اور نیا یا دھلا ہوا پاک و صاف کپڑا پہنے۔ اور نماز جمعہ ادا کرنے کے بعد کسی سے بات نہ کرے اور سو مرتبہ یہ دعا پڑھ کے سجدے میں سر رکھے اور دینی و دنیاوی مرادیں مانگے انشاء اللہ ضرور پائے گا۔ دعا یہ ہے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ يَآ اَللّٰهُ يَا رَحْمٰنُ يَا رَحِيْمُ يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ يَا حَنَّانُ يَا مَنَّانُ يَا قَدِيْمُ يَا دَآئِمُ يَا فَرْدُ يَا وِتْرُ يَا اَحَدُ يَا صَمَدُ يَا لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ يَا نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرِ بِرَحْمَتِكَ يَآ اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ۔

والسلام۔

—:o:—

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اکیانویواں مکتوب ۹۱

لباس کے بیان میں

بھائی شمس الدین اللہ تمھیں اپنے دوستوں کی خلعت سے آراستہ فرمائے۔ سنو!

مشائخ نے خود بھی خرقہ پہنا ہے اور مریدوں کو بھی خرقہ سے آراستہ فرمایا ہے تاکہ عام لوگوں سے ان کی شناخت ہو سکے۔ اور تمام مخلوق ان کی نگہبان ہو جائے کہ اگر اپنی روش کے خلاف قدم اُٹھائیں تو اُن کو ملامت کریں۔ اور اگر چاہیں کہ اس لباس میں کوئی گناہ کریں تو شرما جائیں۔ بہرحال خرقہ اولیاء اللہ کی زینت اور اس کا پہننا مسنون ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صوف پہنے ہوئے وفات فرمائی ہے جس میں بارہ پیوند لگے ہوئے تھے جن میں بعض چمڑے کے تھے۔

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ نے بھی ایک صوف پہنے ہوئے انتقال فرمایا جس میں تیرہ پیوند تھے جن میں بعض چمڑے کا تھا۔ لوگوں نے شیخ ابو علی سیاح رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ مرقعہ کا پہننا کس کو زیبا ہے۔ آپ نے کہا کہ جو شخص مملکتِ خداوندی کے ہر واقعے سے ایسا باخبر ہو کہ دنیا میں کوئی حال اور حکم ایسا جاری نہ ہو جس کی اُسے خبر نہ کی جائے۔ لیکن صاف رنگ اور تکلف سے سیے گئے ہوں تاکہ لوگ انھیں مفلس و غریب نہ سمجھیں کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالےٰ تونگر صورت فقیر کو دوست رکھتا ہے۔ اور رنگوں میں کبودی (نیلا) یا عودی (خاکی) رنگ اختیار کریں کیونکہ وہ غمزدوں اور مصیبت میں گرفتاروں کا لباس ہے۔ یہ گہرا اور پکا رنگ ہے۔ دوسرے رنگ چند دنوں میں ملگجے ہو جاتے ہیں۔ ان کو دھونے میں معمولات اور اوراد و وظائف میں خلل پڑتا ہے نیز اس وجہ سے بھی کہ اگر زندگی کا ادنیٰ سرمایہ بھی غفلت میں ضایع ہوتا ہے تو وہ اُسے ایک مصیبت سمجھتے ہیں اور یہ مصیبت زدوں کا رنگ اختیار کرتے ہیں۔ عودی اور کبودی رنگ جلدی میلا نہیں ہوتا۔ اور دوسرے رنگ خود آرائی پیدا کرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ خاکی اور نیلا لباس غمگین اور شکستہ دل رکھتا ہے۔ کھردرے اور موٹے کپڑے میں بہت سی باریکیاں ہیں، ایک

یہ موٹے کپڑے میں سختی ہوتی ہے جو پہنتا ہے وہ اپنے نفس کو سختی اور درشتی کا عادی بناتا ہے۔ اور اس کی سلائی کی درزیں بھی موٹی اور تکلیف دہ ہوتی ہیں اس لیے اس کا باطن گرم اور بیتاب ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور میں اُسے سرگرم اور بیتاب رکھتا ہے۔ وہ کسی جگہ راحت و آرام نہیں پاتا۔ اور کسی ناکامی و نامرادی کے سبب کوئی رنج و تکلیف محسوس نہیں کرتا۔ دوسرے یہ کہ مشائخ متقدمین رضی کی سنت بھی ہے۔ مگر سفید لباس اُس کے لائق ہے جس نے اپنی زندگی کا لباس ریاضت و انابت کے صابون سے دھو کر پاک و صاف کر لیا ہو اور اپنے دل کی کتاب کو ماسوا کے نقوش اور خواہشاتِ نفسانی سے مزکیٰ اور مصفیٰ بنا لیا ہو۔ اور کبودی لباس اس کو چاہیے جس نے نفس کو مقہور کیا ہو اور مجاہدہ کی تلوار سے اُس کی گردن کاٹ دی ہو اور ماتم میں بیٹھ گیا ہو۔ اور عودی لباس اُس کو زیبا ہے جو بارگاہ حق تعالیٰ میں اتنا مشغول و مستغرق رہتا ہو کہ کپڑا دھونے کا اُسے موقع نہ ملے۔ اور نیلگوں آسمانی لباس اُس کے لائق ہے جو اپنی بلند ہمتی سے، عالمِ سفلی سے گزر کر عالمِ علوی میں پہنچ چکا ہو اور آسمان ہمت ہو چکا ہو۔ اور صوف (یعنی اون) کا لباس اُس کو چاہیے جو صوفی ہو چکا ہو اور دین و دنیا کی ہر طلب سے باز آگیا ہو اور تمام آداب و سنت بجا لا چکا ہو۔ اور نمدے کا لباس پہننا اُس کو مناسب ہے جو مقامِ بشریت سے گزر چکا ہو اور تصرفِ انسانی اس میں مطلق باقی نہ رہ گئے ہوں۔ کیونکہ اس لباس میں کاتنے والے بننے والے اور سینے والے کا کوئی تصرف شامل نہیں ہوتا اور اپنے نفس کو پاؤں کے نیچے خوب رُوند کر مسل چکا ہو کیونکہ نمدہ بُنا نہیں جاتا بلکہ پاؤں سے مل دَل کر جمایا جاتا ہے۔ اور کالے رنگ کا کپڑا اس کے شایاں ہے جو اللہ تعالیٰ کے راستے کے تمام منازل و مقامات کو طے کر چکا ہو اور آخر میں اِنَّ اِلٰی رَبِّکَ الْمُنْتَھٰی (بیشک تیرے رب تک اس کی انتہا ہے) جس مقام کی طرف اشارہ ہے وہ وہاں تک پہنچ چکا ہو۔ اُس کے اور حق تعالیٰ کے درمیان کوئی حجاب باقی نہ رہ گیا ہو جیسا کہ کہا گیا ہے ع دانی زپسِ سیاہ رنگے نبود۔ (کالے رنگ کے بعد کوئی رنگ نہیں ہوتا)۔ اَلْفَقْرُ سَوَادُ الْوَجْہِ (فقر چہرے کی سیاہی ہے) اس جگہ اگر غور کرو تو معلوم ہو جاتا ہے کہ خواجہ سنائیؒ نے کیا فرمایا ہے۔ مثنوی

این ہمہ رنگہائے پر نیرنگ — خم وحدت کند ہمہ یک رنگ

یا سیہ باش چوں تو نگریزد — کہ سیہ ہیچ رنگ نہ پذیرد

تپشے آتشے کہ دل جُو لیست
طالبش سوختہ سیہ رو لیست

زنگے زشت یا بلا جُوئی
خوش دلی یافت در سیہ روئی

رازِ دل گر ہمی نہ خواہی فاش
با سیہ روئی دو عالم باش

(تمام مختلف رنگوں کو وحدت کا مٹکا ایک رنگ بنا دیتا ہے۔ کالا ہی رنگ اختیار کر کیونکہ اُڑتا نہیں ہے اور نہ اس پر کوئی دوسرا رنگ چڑھتا ہے۔ اس آگ میں جیسے دل ڈھونڈتا ہے اس کا چاہنے والا جھلس کر سیاہ رو ہو جاتا ہے۔ بدصورت اور بلاکش حبشی اپنی سیاہ روئی میں خوش دلی اور شادمانی حاصل کرتا ہے۔ اگر تو چاہتا ہے کہ رازِ دل فاش نہ ہو تو دونوں جہان کی روسیاہی اختیار کر) اور وہ کپڑا جسے فوطہ کہا جاتا ہے (یہ بغیر سلا ہوتا ہے۔ جیسے لُنگی، چادر، رومال، دستار وغیرہ) یہ ایسے شخص کے لائق ہے جو اپنے باطن کو ہر وقت حاضر رکھے اور ہمیشہ ذاکر و شاغل رہے۔ جیسا کہ فوطہ بننے والے کو کامل حضوری ہوتی ہے اور مطلق غفلت نہیں ہوتی کہ تار الجھ جائے اور کپڑا خراب ہو جائے۔ اس کے پہننے والے کے لیے ضرور ہے کہ دنیا کی چیزوں کی طرف سے آنکھیں بند کرے۔ اور ہزار میخی (گدڑی) خرقہ اس لیے ہے کہ مضبوط ہوتا ہے اور بہت عرصے میں پھٹتا ہے اور پھٹتا بھی ہے تو بالکل ناکارہ نہیں ہو جاتا اور ایک زمانے تک دوسرے لباس کی ضرورت نہیں ہوتی اور اکثر مشائخ نے ہزار میخی گدڑی پہنی ہے۔ اس کے پہننے میں ایک ریاضت بھی ہے کہ بوجھ اٹھانا بہت دشوار ہوتا ہے۔ جیسا کہ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا لباس جو اٹھارہ درم وزنی تھا خلافت کے وقت اٹھارہ من ہو گیا تھا۔ اور شیخ ابو سعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ کا ایک لباس اُن کی ابتدائی حالت سے انتہائی حالت تک بیس من کا ہو گیا تھا۔ یہ کپڑا اُس کے واسطے ہے جو اپنے نفس کو ہزار ناکامیوں کی چوٹوں سے مار چکا ہو اور مجاہدے کی محنت سے چور کر دیا ہو۔ اور اپنا جامۂ ہستی نامرادی کی سوئی سے سی چکا ہو۔ اور لباس مرقع و ملمع جو رنگ برنگ کے مختلف ٹکڑوں سے سیا جاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ اپنا لباس سفید و سیاہ رنگ برنگ کے ٹکڑوں کو دھو کر سی رہی تھیں کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور دریافت فرمایا "اے عائشہ یہ کیا ہے؟" انھوں نے جواب دیا کہ "پیوندی لباس سی رہی ہوں!" آپ نے فرمایا "بہت خوب! اے عائشہ، ہر رنگ کا ٹکڑا جوڑنا، کوئی رنگ چھوڑ نہ دینا۔

حاصل کلام یہ مرقع اور ملمع اس کو زیبا ہے جو اپنے نفس کی پراگندگیوں کو دل کی جمعیت سے بدل چکا ہو اور تمام مقامات طے کر چکا ہو اور ہر منزل و مقام سے پورا فائدہ اُٹھایا ہو اور حالات کے انوار کی جھلک سے اُس کی آنکھیں منور ہو چکی ہوں ۔ اور لباس میں جیب لگانا بھی سنت ہے اور زیادہ تر بائیں طرف ، اس لیے جیب لگائی جاتی ہے کہ دایاں ہاتھ آسانی سے پہنچ سکے ۔ قرآنِ مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا اُدْخِلْ یَدَكَ فِی جَیْبِكَ تَخْرُجْ بَیْضَاءَ (اپنا ہاتھ اپنے جیب میں ڈالو اور روشنی نکالو) ۔ اس گروہ کے لوگ جو کپڑا سیتے ہیں اس میں جیب ضرور لگاتے ہیں اس میں یہ فائدہ بھی ہے کہ کنگھی وغیرہ ضرورت کی چیزیں رکھی جا سکتی ہیں ۔ اسی طرح لبانچہ اور فرجی (وہ لباس جو دوسرے کپڑوں پر پہنا جاتا ہے) پہننا بھی سنت ہے ۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے یہ لباس بہت پہنا ہے ۔ فرجی پہننا اُس کے شایاں ہے جس نے اپنے وجود کے لباس کو چاک کر دیا ہو اور اپنی ہستی کو پاؤں سے روند کر دنیاوی تعلقات اور آخرت کی نعمتوں سے سبکدوش ہو چکا ہو ۔ اور خدا کی راہ میں دونوں کو ترک کر دیا ہو ۔ اور دُہرا کپڑا پہننا مشائخ اور علمائے سلف کی سنت ہے ۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ دُہرا خرقہ پہننا بہت اچھا ہے ۔ چوڑی اور کشادہ آستین رکھنا بھی صحابہؓ اور مشائخ قدیم کی سنت ہے تاکہ وضو کرنے اور دوسرے کاموں کے وقت اوپر چڑھانے میں آسانی ہو ۔ اور جانماز یا کوئی دوسری چیز ضرورت کے وقت آستین میں رکھ سکیں ۔ اور آستین و دامن میں مغزی (گوٹ) لگانا بھی سنّت ہے ۔ اور یہ اس شخص کو جائز ہے جس نے اپنا ظاہر و باطن یکساں بنا لیا ہو اور بشری تردّدات اُس تک نہ پہنچ سکتے ہوں ۔ اور نفس و شیطان کے مکر اور غضب خداوندی سے مامون و مصئون ہو چکا ہو ۔ اور دستار کے نیچے ٹوپی پہننا سنّت ہے ۔ اور دُہری ٹوپی اس لیے پہنتے ہیں تاکہ پسینے میں بھیگ کر چکنی نہ ہو جائے ۔ لیکن مروّجہ ٹوپی جو تاج کی مانند بڑی سی ہوتی ہے ، وہ پہن سکتا ہے جو بغیر دستار کے پہنے اور تمام قیدوں اور بندشوں سے آزاد و یگانہ ہو ، رشتے ناتے سے طاق ، خلق کی تعریف و مذمت سے بے پروا اور ردّ و قبول سے فارغ و بے نیاز ہو ۔ اور سر پر پگڑی باندھنا سنت ہے ، چاہیے کہ اس کا شملہ سر کے پیچھے گردن پر لٹکائیں ۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک حصّہ آگے کی طرف اور ایک حصّہ پیچھے کی طرف لٹکایا جائے ۔ اور کہتے ہیں کہ دستار پیچھے کی طرف لٹکانا اُس کو چاہیے جس نے دنیاوی خواہشوں اور

آرزوؤں کو پس پشت ڈال دیا ہو، اور سامنے سے ہٹا دیا ہو۔ یہ مشائخ کے سوا اور کسی کو نہ چاہیے لیکن طرۂ دستار آگے رکھنا اُس کے واسطے ہے جو اپنا مطلوب و مقصود حاصل کر چکا ہو اور مطمئن ہو لیکن چرمی لباس پہننا ہمارے مطالعہ میں نہیں آیا ہے اس لیے نہیں لکھا گیا جب اتنی باتیں معلوم ہو چکیں تو اب جاننا چاہیے کہ جوانوں کو، جب تک کسی پیر کے ہاتھ سے خرقہ نہ پہن چکے ہوں، نیلگوں یا صوفیانہ ملبوس پہننا اور نیلے سجادہ پر بیٹھنا یا نماز پڑھنا نہ چاہیے۔ اور کہتے ہیں کہ جوانوں کو خرقہ پہننے سے پہلے کوئی لباس فوطہ، گلیم یا لنگی سے بہتر نہیں ہے۔ لیکن وہ شیخ جو مرید کو خرقہ پہناتا ہے، ایسا مستقیم الحال ہونا چاہیے جو راہِ طریقت کی اونچ نیچ سے گزر چکا ہو اور احوال کی لذتیں چکھ چکا ہو۔ جلال کا قہر اور جمال کا لطف اُٹھا چکا ہو اور اس مرید کے باطنی احوال سے خبردار ہو کہ وہ اپنی انتہا میں کہاں تک پہنچے گا۔ پلٹ جائے گا یا واقعۃً منزل تک رسائی حاصل کرے گا۔ کیونکہ مشائخ دلوں کے طبیب ہوتے ہیں۔ جب تک معالج بیمار کے مرض سے واقف نہ ہوگا علاج نہ کر سکے گا بلکہ اپنی طلب پر ہلاک کر دے گا۔ اور جبکہ اس کی غذا، جو مفید ہے، اور پرہیز، جس میں اُس کے لیے نقصان و خطر ہے، نہ جانے گا تو بیماری کے خلاف علاج کرے گا۔ اسی لیے شریعت کا فتویٰ ہے اَلشَّیْخُ فِیْ قَوْمِہٖ کَالنَّبِیِّ فِیْ اُمَّتِہٖ (شیخ اپنی قوم میں ایسا ہے جیسا نبی اپنی اُمت میں)۔ مرقع پہننے کی شرط گویا کفن پہننا ہے یعنی حیات کی لذتوں اور زندگی کی راحتوں سے امید منقطع کر لے اور اپنی تمام عمر کو خدا کی بندگی کے لیے وقف کر دے اور اپنی خواہشات سے قطعی کنارہ کش ہو جائے۔ اس وقت پیر اُس کو خرقہ پہنانے کے لیے پسند کرے گا۔ اس گروہ کے لباس کی یہی کیفیت و ہیئت ہے جو اس مکتوب میں بیان کی گئی۔ مگر ایک جماعت نے لباس کے متعلق کوئی تکلف نہیں رکھا۔ اگر خداوند کریم نے اُنھیں عبا عطا کی عبا پہن لی اور قبا دی، قبا پہن لی۔ اور اگر برہنہ رکھا تو برہنہ رہے۔ اے بھائی، جس طرح دشمنوں کی عبادتیں محبوب و مقبول نہیں ہوتیں اسی طرح دوستوں کی ذلتیں شمار نہیں کی جاتیں جیسا کہ آدم علیہ السلام اور ابلیس کا قصہ ہے۔ اگر تم پوچھو کہ وَعَصٰۤی اٰدَمُ رَبَّہٗ (آدمؑ نے اپنے رب کی نافرمانی کی) کیا ہے؟ تو عصٰی اٰدمُ کو نہ دیکھو۔ بلکہ ان کے تاجِ بزرگی ثُمَّ اجْتَبٰہُ رَبُّہٗ (اُس کے رب نے اُس کو برگزیدہ بنا لیا) پر نظر رکھو۔ اے بھائی، حضرتِ آدمؑ نے جنت کے درختوں کے پتوں سے ایک خرقہ بنایا تھا اور زمین کے سفر کا ارادہ

رکھتے تھے اس سفر کے لیے ایک عصا کی ضرورت تھی۔ اِس عصیٰ کو اُن کا عصا بنایا کیونکہ فقیر کو عصا اور مرقع ضرور چاہیے۔ اے بھائی، ربوبیت کے اسرار اس جگہ نظر آتے ہیں جہاں عقل و وہم کے پر وبال گر جاتے ہیں۔ اسی موقع کے لیے کہا ہے۔ مثنوی :-

اے خرد در راہ تو طفلے بہ شیر | گم شدہ در جستجویت عقل پیر

اے خرد سرگشتہ اندر راہ تو | عقل را سر رشتہ گم در راہ تو

(تیرے راستے میں عقل و خرد ایک شیر خوار بچہ ہے۔ تیری جستجو میں کہن اور پیرانہ سالہ عقلیں کھو گئیں اور سخت حیران و پریشان ہیں، کیا کریں ڈورے کا سرا ہی الجھ کر گم ہو گیا ہے)۔ آدم کی ذات اسرارِ غیب کی امانت دار ہے۔ ورنہ اس مشتِ خاک میں یہ لیاقت و اہلیت کہاں کہ ملائکۂ قدس اُسے سجدہ کریں۔ اور وہ مردودِ بارگاہ جس نے سر نہ جھکایا اُس پر تا قیامت لعنت کی بوچھار ہوتی رہے۔ یہی راز ہے جو کہا ہے۔ مثنوی۔

عرش و عالم جز طلسمے بیش نیست | اوست بس این جملہ اسمے بیش نیست

در نگر این عالم و آن عالم اوست | غیر او گر ہست آن ہم اوست

اے دریغا ہیچ کس را نیست تاب | دیدہ ہا کور و جہان پر آفتاب

(عرش اور دنیا و مافیہا سوائے ایک طلسم کے کچھ بھی نہیں۔ بس وہی ایک ذات ہے اور ساری اشیا نام ہی نام ہیں۔ غور کرو اور دیکھو یہ عالم اور وہ عالم بس وہی ہے۔ اُس کے سوا اگر کسی چیز پر نظر پڑتی ہے تو وہ بھی وہی ہے۔ افسوس کسی کو دیدار کی طاقت نہیں۔ نگاہیں اندھی ہیں اور جہان آفتاب سے بھرا ہوا ہے)۔ والسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بانویوان مکتوب

ملامت کے بیان میں

عزیز بھائی شمس الدین اللہ تعالےٰ تمھیں اپنے دوستوں کی پیروی سے بزرگی عطا فرمائے۔ جانو کہ راستہ چلنے والوں کا گروہ ملامت اختیار کرتا ہے اور اہلِ حق خاص کر مخلوق

کی لعن طعن سنا کرتے ہیں۔ اس امت کے بزرگوں کا دنیا میں یہی شیوہ رہا ہے اور سنتِ الٰہی بھی اپنے دوستوں اور طالبوں کے ساتھ اسی طرح جاری رہی ہے کہ جو کوئی اُن کی بات کرتا ہے وہ سارے جہان کو اُن کا ملامت کرنے والا بنا دیتا ہے۔ ملامت تین طرح کی ہوتی ہے ایک وہ کہ دین کی راہ میں راستبازی کے ساتھ چلتا ہے۔ یہ اس طرح ہے کہ ایک شخص اپنا کام کرتا ہے اور دین داری کی راہ میں مستقیم ہے اور معاملوں کو محفوظ رکھتا ہے اور اس کام میں لوگ اس کو ملامت کرتے ہیں۔ اور وہ ہر حال میں اپنے کام سے کام رکھتا ہے۔ اور جس نام سے اُس کو پکارتے ہیں اُس کے لیے سب یکساں ہوتا ہے۔ جیساکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم، جو محبانِ خدا کے امام اور ایمان والوں کے پیشوا تھے، جب تک وحی نہ آئی تھی اور آپ نے تبلیغ کا کام شروع نہ کیا تھا سب کے نزدیک بڑے نیک نام، بزرگ اور محمد امین کہے جاتے تھے۔ پھر جب آپ نے خدا کی دوستی کا لباس پہنا اور وحی آنے لگی تو لوگوں نے زبانِ ملامت دراز کی کسی نے کاہن کسی نے شاعر کسی نے کاذب اور کسی نے مجنون و دیوانہ کہنا شروع کیا لیکن حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کی طرف ذرا بھی دھیان نہیں دیا۔ دوسری ملامتِ قصدی ہے۔ یہ اس طرح ہے۔ اور وہ اس طرح ہے کہ کسی شخص کو لوگوں میں بہت زیادہ عزت و وقار اور ہر دل عزیزی حاصل ہو اور وہ اُن کے درمیان نشانہ بن جائے اور چاہے کہ اُن سے فارغ ہو کر خدا کے کام میں مشغول ہو اس لیے وہ قصداً اور بہ تکلف خلق کی ملامت کا راستہ اختیار کرتا ہے جس کو شریعت ناجائز نہیں ٹھیراتی۔ اور کوئی دینی نقصان نہیں ہوتا۔ جیساکہ روایت کی جاتی ہے کہ امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ایک دن اپنے کھجوروں کے باغ سے لکڑیوں کا گٹھا سر پر رکھے ہوئے آرہے تھے، یہ آپ کی خلافت کا زمانہ تھا۔ اُس وقت آپ کے پاس چار سو زر خرید غلام تھے۔ لوگوں نے پوچھا یا امیر المومنین خلافت کے دنوں میں آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟ حالانکہ آپ کے پاس اتنے غلام ہیں! آپ نے فرمایا اُجَرِّبُ نَفْسِیْ (میں اپنے نفس کا تجربہ کر رہا ہوں) تاکہ خلق اللہ میں اُس کا اعزاز و وقار کسی کام سے باز نہ رکھے۔ خواجہ بایزید بسطامی قدس سرہٗ کے متعلق مشہور ہے کہ آپ حجاز سے کسی شہر میں آرہے تھے۔ شہر میں آپ کے آنے کی شہرت ہوئی، لوگ جوق جوق آپ کے استقبال کے لیے شہر سے باہر نکل آئے اور عزت و احترام

کے ساتھ آپ کو شہر میں لائے اُن کی اس آؤ بھگت سے آپ کے معمولات میں ہرج واقع ہوا۔ یہ رمضان شریف کا مہینہ تھا۔ جب بازار میں پہنچے تو جیب سے ایک روٹی نکال کر کھانے لگے ان کی یہ حرکت دیکھ کر ساری مخلوق برگشتہ ہوگئی اور وہ تنہا رہ گئے۔ مرید جو اُن کے ساتھ تھا اس سے کہنے لگے۔ تم نے دیکھا کہ میں نے ایک شرعی مسئلے پر عمل کیا اور سب مجھے چھوڑ کر کنارہ کش ہو گئے۔

ملامت کی تیسری قسم احکام و اوامر کا چھوڑ دینا ہے۔ یہ اس طرح کہ کسی شخص کو کفر و ضلالت گھیر لے اور وہ بغیر عذر، احکام شریعت کو ترک کرنے پر آمادہ ہو جائے اور کہنے لگے کہ ہم نے ملامتیہ طریقہ اختیار کیا ہے۔ تو یہ کھلم کھلا ضلالت و گمراہی ہے اور بہت بڑی آفت ہے جیسا اس زمانے میں دیکھا جاتا ہے۔ ان کا اصل مقصد لوگوں کے رد کرنے سے یہی ہوتا ہے کہ مخلوق اور زیادہ اُن کی طرف توجہ کرے اور ان کو قبولیت حاصل ہو۔ بزرگوں کا قول ہے اَلْمَلَامَۃُ تَرْکُ السَّلَامَۃِ (ملامت کے معنی سلامتی سے دُور ہو جانا ہے)۔ جب کوئی شخص قصداً اپنی سلامتی اور راحت و آرام کو ترک کر دیتا ہے اور بلا و مصیبت جھیلنے کے لیے کمربستہ ہو جاتا ہے تو وہ اپنی عافیت و آرام اور آسائش و راحت سے کنارہ کش ہو جاتا ہے۔ مخلوق اس سے ناامید ہو کر آمد و رفت بند کر تی ہے اور وہ بالکل فارغ ہو کر خدا کے ساتھ مشغول ہو جاتے ہیں۔ تمام مخلوق کی آنکھیں سلامتی پر لگی رہتی ہیں لیکن ملامتی اپنا منھ سلامتی سے پھیر لیتا ہے تاکہ ان کی ہمتِ عالی ساری مخلوق کے خلاف ہو کر صرف خالق کے لیے مخصوص ہو جائے۔ اور عشق و محبت والوں کے لیے ملامت کے راستے میں کئی مشرب ہیں جن کو یہی لوگ سمجھتے ہیں اور کہا کرتے ہیں اَلْمَلَامَۃُ رَوْضَۃُ الْعَاشِقِیْنَ وَنُزْھَۃُ الْمُحِبِّیْنَ وَرَاحَۃُ الْمُشْتَاقِیْنَ وَسُرُوْرُ الْمُرِیْدِیْنَ۔ (ملامت کا راستہ عاشقوں کے لیے باغ، دوستوں کے لیے فرحت، مشتاقوں کے لیے راحت اور مریدوں کے لیے شادمانی ہے) کیونکہ ملامت میں قبولیت کے آثار اور قربِ خداوندی کی نشانیاں نظر آتی ہیں۔ جیسا کہ سارا زمانہ قبولیتِ خلق سے خوش و خرم ہوتا ہے یہ گروہ لوگوں میں مردود ہونے اور دُھتکارے جانے سے مسرور و شادمان ہوتا ہے۔ تم اس وقت اگرچہ ہیچ اور مفلس ہو مگر امیدوار رہو۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ خرابات میں وہ تجلیاں نظر آجائیں جو کعبہ میں نہ ہوں۔ فرعون کے جادوگروں نے عین کافری اور ساحری کے زمانے میں توحید کا نور پایا۔ پس عاجزی اور بے چارگی اختیار کرو اور اپنی بڑائی کو

مٹا ڈالو۔ کیونکہ کبریائی اور ہستی خدائے ذوالجلال کی صفت ہے۔ اس خاکی انسان کے لیے عاجزی اور بے چارگی سے بہتر اور کوئی لباس نہیں۔ جو کوئی دو دو مرتبہ پیشاب کے راستے سے گزرا ہو اس کو غرور کرنا ہرگز روا نہیں ہے اور نہ غفلت کے نشے میں اپنی ہستی کا ثابت کرنا جائز ہے۔ بادشاہ کے دربار میں نوکروں اور غلاموں کے لیے تواضع اور انکساری سے بڑھ کر اور کوئی پوشاک نہیں ہے اسی حقیقت کو اس طرح بیان کیا ہے۔ رباعی:-

در حضرتِ شاہ عافیت خواہی بہ — وز دور نظارۂ شہنشاہی بہ

قصہ چہ کنم دراز کوتاہی بہ — در بیشۂ شیر شرزہ روباہی بہ

(بادشاہوں کے دربار میں بہتر عافیت چاہتا ہو تو دُور ہی سے شہنشاہ کا نظارہ کرنا بہتر ہے تو مختصر سیدھی بات ایک یہ ہے کہ شیروں کے جنگل میں لومڑی ہی بن کر رہنا بہتر ہے) خاک کو تو بوجھ اُٹھانے والا ہونا چاہیے نہ کہ سر اُٹھانے والا۔ ہاں، یہ خاکی بوجھ اٹھانے کے لیے پیدا کیا گیا ہے سرکشی اور نافرمانی کے لیے نہیں۔ اے بھائی سنو، اگر کوئی بادشاہ کسی بیکس غریب کو راستے میں پکڑ کر یہ کہے کہ آ تو میرا ہے اور میں تیرا ہوں تو اس فقیر و مسکین کو چاہیے کہ اپنی ہستی و مرتبہ کو فراموش نہ کرے۔ اُس بندے پر اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہو جو اپنے مرتبے کو پہچانے کہ آدمی ایک مشتِ خاک ہے اور اس کے علاوہ جو کچھ بھی ہے وہ خداوندِ پاک کا لطف و کرم و احسان ہے۔ تم کو اُس نے محض اپنی عطا و بخشش سے نوازا ہے تمھارا کوئی حق نہیں تھا۔ جو کچھ دیا اپنے فضل و کرم سے دیا طاعت و عبادت سے نہیں۔ اور جو کچھ عطا کیا اپنی شانِ خداوندی سے عطا کیا تمھاری گدائی اور دریوزہ گری سے نہیں۔ اَلْعِنَایَۃُ قَبْلَ الْمَآءِ وَالطِّیْنِ (عنایت پانی اور مٹی کے خمیرمایہ سے پہلے اپنا کام کر چکی تھی)۔ ابھی آدم علیہ السلام سے لغزش ہوئی بھی نہ تھی کہ خیاطِ لطف و کرم اُن کے جسم کے لیے توبہ کی خلعت اور صفوت کا لباس سی چکا تھا۔ والسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترانویواں مکتوب ۹۳

سماع کے بیان میں

عزیز بھائی شمس الدین اللہ تعالےٰ تمھیں بزرگی عطا فرمائے۔ معلوم کرو کہ دل اور دماغ اسرارِ خداوندی کے خزانے اور جواہرِ معانی کی کانیں ہیں۔ اور ان اسرار و معانی کا دل میں پوشیدہ ہونا اس طرح ہے۔ جیسے پتھر اور لوہے میں آگ پوشیدہ ہوتی ہے، اور سماع اس آگ کا پیدا کرنے والا ہے جو اس لوہے اور پتھر میں پوشیدہ ہے۔ پس سماع سے وہی چیز ظاہر ہوتی ہے جو اس دل میں چھپی ہوئی ہے، جس طرح گھڑے اور صراحی سے وہی چیز نکلتی ہے جو اس میں موجود ہوتی ہے پس یہاں سمجھنا چاہیئے کہ جس دل میں خداوند عزوجل کی محبت زیادہ ہوگی اور وہ اُس کے دیدار کا مشتاق ہوگا اُس کے حق میں "سماع" شوق کا بھڑکانے والا اور عشق و محبت کو اُبھارنے والا ہے۔ اور اُس آگ کو ظاہر کرتا ہے جو سینے کے تہہ خانے میں دبی ہوئی ہے۔ اور مکاشفات و ملاطفات کے ذریعہ وہ احوالِ شریفہ ظاہر ہو جائیں گے جن کا کوئی اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ پس جانو کہ جس کو یہ دولت نصیب ہے اور اس نعمت کا لطف حاصل کرنے والا ہے تو اس کے احوالِ شریفہ کو صوفیوں کی زبان میں وجد کہا جاتا ہے۔ اس صورت میں سماع کا سننا حلال ہی نہیں بلکہ مستحب ہے اور واجب ہو جاتا ہے۔ یہ وہ قدم ہے کہ اٹھتا ہے تو عالمِ منزل میں ہے مگر جب اس مقام کے سالک کے سماع میں پہنچتا ہے تو وجد بزرگی ہو جاتا ہے کیونکہ وہ صاحبِ سماع اپنی فطرتِ بشری سے بدل چکا ہے جو چیز اُس کو ملتی ہے وہ بھی لہو و لعب بدل جاتی ہے۔ اسی لیے پیرانِ طریقت نے فرمایا ہے کہ ان کے سامنے رندانہ اشعار شراب و کباب کے متعلق گائے جاتے ہیں لیکن وہ اس کے دوسرے معنی لیتے ہیں۔ لفظ وصال سے دیدارِ الٰہی، فراق سے حجابِ خداوندی اور چشم سے نظرِ لطف اور خدا کی مہربانیاں مراد لیتے ہیں جیسا کہ قرآن کریم کا انداز ہے وَلِتُصْنَعَ عَلٰی عَیْنِیْ۔ اَیْ عَلٰی عِلْمِیْ وَبَصَرِیْ (اور وہ بنایا گیا میری آنکھوں کے سامنے یعنی میرے علم اور میری بصارت کے سامنے) زلف سے قربِ خداوندی کے معنی سمجھتے ہیں لِیُقَرِّبُوْنَا اِلَی اللّٰہِ زُلْفٰی (تاکہ وہ ہمارے لیے قربِ خداوندی کا وسیلہ ہو جائیں) اور ہو سکتا ہے کہ زلف سے

الوہیت کی اشکال کا سلسلہ مراد لیں۔ جیسا کہ کہا ہے۔ قطعہ :-

گفتم بشمارم سر یک حلقۂ زلفش | تا بو کہ بہ تفصیلش سر حملہ بر آرم
خندید بمن ہر سر زلف مشکینش | یک پیچ بہ پیچید و غلط کردہ شمارم

(میں نے چاہا کہ اُس کی زلف کے گھونگر کا ایک سرا شمار کروں تاکہ اس کے اجمال سے تفصیل کا مشاہدہ کر سکوں۔ میرے اِس ارادے پر اُس کی زلفِ مشکیں کا ایک ایک بال ہنسنے لگا اور ایک ایسا پیچ ڈال دیا کہ میں گنتا وِ ناسب بھول گیا) یعنی اگر کوئی چاہے کہ اپنے تصرف و کوشش سے بارگاہِ الوہیت کے عجائبات کا ایک تارِ مو بھی شناخت کر سکے تو اس میں ایک شکن ایسی پڑ جاتی ہے کہ سارا اندازہ و شمار غلط ہو جاتا ہے اور عقلیں مدہوش ہو کر رہ جاتی ہیں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ زلف سے کفر کی ظلمت مراد لیں اور چہرے کی چمک سے ایمان کا نور مطالعہ کریں۔ جیسا کہ کہا ہے ؎

بلکِ رخت کہ بود دلم زلفِ تو ربود | ہندو نگر کہ حقِ مسلماں فرو گرفت

(میرا دل تیرے رخسار کی ملکیت تھا جسے تیری زلف لے گئی۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ مسلمان کا حق ایک ہندو لے اُڑا) ؎

زنگِ زلفِ تو سیہ کردہ است روے روزگار | نورِ رویت محو کردہ ظلمتِ شب را بروز

(تیری کالی کالی زلفوں نے دن کو بھی تاریک کر دیا ہے۔ اور تیرے رخسار کی چمک نے اندھیری رات کو روشن کر کے دن بنا دیا ہے)۔ اور لفظ کفر سے اپنی ہستی اور اپنے اعمال کا چھپا لینا مراد لیتے ہیں اور ارتداد سے اپنی خودی سے پھر جانا سمجھتے ہیں جیسا کہ ایک بزرگ نے کسی کو یہ شعر کہتے ہوئے سنا ؎

کافر نہ شوی عشق نہ زید ار تو نیست | مرتد نہ شوی قلندری کارِ تو نیست

(تو جب تک کافر نہ ہو جائے عشق تجھ کو قبول نہیں کرے گا۔ اور جب تک مرتد نہ ہو جائے قلندری کے قابل نہ ہو گا)۔ یہ سن کر اُس بزرگ نے ایک چیخ ماری اور بیہوش ہو کر گر پڑے جب ہوش میں آئے تو لوگوں نے اس کیفیت کا سبب پوچھا۔ انھوں نے کہا کہ لغت میں کفر کے معنی چھپ جانے کے ہیں اور کافر پوشیدہ ہوتا ہے۔ کسان جو بیج کو زمین میں چھپا دیتا ہے اُسے کافر کہتے ہیں۔ پس شعر کے یہ معنی ہوئے کہ جب تک تیرا وجود اور تیرے پُر خلوص اعمال تجھ سے اور تمام مخلوق سے پوشیدہ نہ ہو جائیں تیرے عشق و محبت کا دعویٰ درست نہ ہو گا۔ اور جب تک اپنے آپ اور اپنے نفس سے بیزار نہیں ہو جائے

قلندری کا دم مارنا صحیح نہیں ہے۔ اور جب مستی و شراب کی باتیں سنتے ہیں جیسے ؎

گر مے دو ہزار رطل پر پیمائی تا خود نہ خوری نباشدت زیبائی

(اگر تو دو ہزار رطل (پیمانہ) ناپتا چلا جائے تو کیا ہوتا ہے، جب تک خود نہ پیے تجھے کیف و سرور حاصل نہیں ہو سکتا)۔ اس کا یہ مطلب سمجھتے ہیں کہ دین کا کام محض علم اور گفتگو سے نہیں سنورتا بلکہ ذوقِ دل سے آراستہ ہوتا ہے۔ اگر عشق و محبت اور زہد و تقویٰ کی ہزار باتیں کیا کرے اور کتابیں تصنیف کر ڈالے کوئی فائدہ نہیں ہوتا جب تک وہ باتیں تجھ میں پیدا نہ ہو جائیں۔ اور جب خراباتی اشعار سنتے ہیں جیسے ؎

ہر کو بخرابات نہ شد بے دین است زیرا کہ خرابات اصولِ دین است

(جو شخص میخانے میں نہ گیا ہو وہ بے دین ہے۔ کیونکہ شراب خانہ ہی تو دین کی بنیاد ہے) اس شعر سے یہ معنی سمجھتے ہیں کہ یہ صفاتِ بشری جو زندگی کی آبادیاں سمجھی جاتی ہیں جب تک خراب اور ویران نہ ہو جائیں اُس وقت تک وہ صفتیں جو انسان کے جوہر میں پوشیدہ ہیں ظاہر نہیں ہو سکتیں۔ اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ عربی زبان کا کوئی شعر سُن کر اس کے ایسے معنی سمجھتے ہیں جو درحقیقت اس کے معنی نہیں ہوتے اور اُس سے اُن پر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے جیسے کہ کسی نے کہا ع

مَا زَارَنِيْ فِي النَّوْمِ اِلَّا خَيَالُكُمْ

(ہم سوائے تمہارے خیال کے خواب میں بھی کچھ اور نہیں دیکھتے)۔ ایک صوفی کو یہ سن کر حال آگیا۔ لوگوں نے پوچھا یہ کیسا حال ہے کہ آپ خود اس کا مطلب نہیں سمجھتے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے انھوں نے کہا میں کیوں نہیں جانتا۔ وہ کہہ رہا ہے کہ ہم زار اور درماندہ ہیں اور خطرے میں گھرے ہوئے ہیں۔ ایک بزرگ کسی بازار سے گزر رہے تھے، ایک ککڑی بیچنے والا کہہ رہا تھا۔ خِيَارُ عَشَرَةٌ بِحَبَّةٍ (ایک پیسے کی دس ککڑیاں) یہ سن کر اُن کو وجد آگیا۔ لوگوں نے اُن سے پوچھا تو انھوں نے جواب دیا اِذَا كَانَ خِيَارُ النَّاسِ عَشَرَةٌ بِحَبَّةٍ فَمَا قِيْمَةُ شَرَارِهِمْ۔ (جب دس نیک انسانوں کی قیمت ایک پیسہ ہے تو بُرے انسانوں کی کیا قیمت ہوگی)۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شعر ایک ہو مگر ہر شخص اپنے مرتبے اور حال کے اعتبار سے مختلف معنی سمجھے۔ جیسا کہ ایک لونڈی دجلۂ بغداد کے کنارے گھڑا بھر رہی تھی اور گنگناتی جاتی تھی ؎

سُبْحَانَ رَبِّ السَّمَاءِ اِنَّ الْمُحِبَّ لَفِي الْعَنَاءِ

(پاک ہے آسمان کا پروردگار بیشک عشاق رنج و مصیبت میں گرفتار ہیں۔) ایک شخص کو حال آگیا اور کہا تو سچ کہتی ہے اور دوسرے کو بھی وجد آگیا اور کہا تو جھوٹ کہتی ہے۔ یہ دونوں اپنی اپنی باتوں میں سچے ہیں۔ کیونکہ جس نے کہا سچ کہتی ہے اُس نے عاشق کو رنج و بلا و مصیبت میں دیکھا۔ اور جس نے کہا تو جھوٹ کہتی ہے اُس نے عشق میں دوست کے وصال کی راحت و لذت کو دیکھا۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ محض آواز سن کر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ اس میں الفاظ اور معنی و مطلب کو کوئی دخل نہیں ہوتا۔ تم نے عرب کے اونٹوں کے افسانے تو سنے ہوں گے کہ صرف ساربان کے گانے کی آواز پر ایسے مست ہو جاتے ہیں کہ بھاری بوجھ کے ساتھ اتنا تیز دوڑتے ہیں کہ جب اپنی منزل پر پہنچتے ہیں اور ساربان خاموش ہو جاتا ہے تو فوراً گر پڑتے ہیں اور ہلاک ہو جاتے ہیں۔ تو اس گروہ کے لیے سماع کا سننا بھی اسی طرح ہے جس چیز کا اُن پر غلبہ ہوتا ہے وہی سنتے ہیں اور سمجھتے ہیں اور وہی دیکھتے ہیں۔ اس بات کا انکار کرنا مشاہدات کا انکار کرنا ہے۔ جو شخص عشق کی آگ میں (خواہ وہ حق ہو یا باطل) جل چکا ہو وہ اس بات کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہے۔ اب اس جگہ ایک نکتہ یاد رکھنا ضروری ہے تاکہ سماع کی آفت و بلا سے تم محفوظ رہو۔ اور وہ یہ ہے کہ جتنی بُری صفتیں اور متغیر ہونے والی حالتیں ہیں وہ اپنی ذات اور نفس سے متعلق کریں اور جو کچھ صفاتِ جمال و جلال اور بخشش و کرامت ہیں اور تمام صفاتِ کمالیہ کو حق سبحانہٗ و تعالیٰ شانہٗ سے متعلق کریں۔ اگر ایسا نہ ہو تو کفر کا خوف ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حق تعالیٰ کی دوستی کے لیے سماع کا خطرہ بہت زیادہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ یہ شعر سن کر ؎

زاوّل بہ منت میل بُد آن میل کجاست وامروز ملول بودن از بہر چراست

(پہلے تیری توجہ جو میری طرف تھی وہ اب کیا ہوئی اور آج تو مجھ سے کیوں رنجیدہ ہو گیا ہے) جس کو پہلے قوی ہدایت حاصل ہے یکایک کمزور ہو جائے گی۔ کیونکہ جب یہ شعر سنے گا تو خیال کرے گا کہ اللہ تعالیٰ کے ہم پر جو انعام و اکرام تھے اب بند ہو گئے ہیں اور اس تغیر کو اللہ تعالیٰ کے حق میں جانے گا تو کفر ہو گا۔ نہیں، بلکہ یوں سمجھنا چاہیے کہ کسی تغیر کو اللہ تعالیٰ کی ذات میں کوئی راستہ نہیں ہے، اور یہ تغیر و منع و حجاب و ملال اُس کی طرف سے نہیں ہے۔ اُس کی بارگاہ ہر شخص کے لیے کھلی ہوئی ہے۔ آفتاب کی روشنی کی طرح کوئی اُس سے محروم نہیں ہے لیکن اگر کوئی شخص دیوار کے سایے میں رہنے کی وجہ سے حجاب میں آگیا تو یہ تغیر خود اس شخص میں واقع ہوا ہے نہ کہ آفتاب میں۔ جیسا کہ کہا ہے۔ ؎

آفتاب برآمد اے نگاریں دیر است / بر بندہ اگر نہ تابد از ادبار است

(دیر ہوئی کہ آفتاب طلوع ہو چکا ہے اگر کسی شخص پر اُس کی روشنی نہ پڑے تو خود اس کی بدبختی ہے)۔
تو چاہیے کہ حجاب کو اپنی نحوست یا کسی جرم وخطا پر محمول کرے جو کبھی اُس سے سرزد ہوئی ہو نہ کہ نعوذ باللہ خدا کی طرف۔ کیونکہ وہ ان سب سے پاک ومبرا ہے۔ اور کند طبیعت والا ناپاک بدبخت سماع کی لذت سے متعجب ہوتا ہے۔ وہ سننے والوں کی کیفیت ذوق ووجد وحال واضطراب اور چہروں کا رنگ بدل جانے کا اُسے یقین نہیں ہوتا۔ اس کا تعجب کرنا ایسا ہے جیسا کہ جانور مغز بادام یا اُس کے حلوے کے مزے پر تعجب کریں۔ یا نامرد کو جماع کی لذت کا یقین نہ آئے یا کوئی جاہل واحمق خدا کی معرفت کی لذت، اُس کے جلال کی معرفت وعظمت اور اُس کی صناعی کے عجائبات دیکھ کر متحیر ومتعجب ہو ایسا شخص انسانیت سے خارج ہے اور اُس کے انکار کا وبال اُسی کی گردن پر ہوگا۔ کیونکہ اگر کوئی نابینا سبزہ زار وآب رواں کے پرلطف نظاروں سے محروم ہونے کی وجہ سے انکار کرتا ہے تو کوئی تعجب نہیں، اس لیے کہ اس کو آنکھیں نہیں ملی ہیں جو ایسے فرحت بخش مناظر کو دیکھ سکیں۔ اسی طرح اگر کوئی طفل نادان حکمرانی کی لذت اور بادشاہی نعمت وراحت سے انکار کرے تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ کیونکہ اس کا دل کھیل کود میں لگا ہوا ہے اُسے بادشاہت کے لطف ومزے سے کیا واسطہ؟
اگر کسی شخص کے دل پر کسی ایسے شخص کی محبت وعشق کا غلبہ ہو جس کو دیکھنا شرعاً حرام یا ناجائز ہے تو ایسا آدمی جب سماع اختیار کرے گا تو اُس کے معانی ومطالب کو اسی حرام وناجائز کی طرف لے جائے گا۔ اس لیے ایسے شخص کے حق میں سماع حرام ہوگا۔ کیونکہ یہ اُس کے فکر وتصور کو ایسے افعال واشکال کی طرف متحرک کریگا جو ممنوع اور ناجائز ہے۔ جو چیز حرام کی طرف حرکت دینے یا بلانے والی ہو وہ بھی حرام ہو جاتی ہے اور اس امر میں کسی کو اختلاف نہیں ہے۔ لیکن ایسے شخص کے لیے جس کے دل میں خدا کی محبت کا غلبہ نہیں ہے کہ اس کو سماع محبوب ہو اور نہ اُس میں ہوائے نفس غالب ہے کہ سماع ناجائز ہو ایسے لوگوں کے لیے سماع مباح ہوتا ہے جیسا کہ اور دوسری چیزیں مباح ہوتی ہیں۔۔ الغرض سماع کی تین قسمیں ہیں حلال حرام اور مباح۔ کسی بزرگ سے سماع کے متعلق پوچھا گیا۔ فَقَالَ مُسْتَحَبٌّ لِاَهْلِ الْحَقَائِقِ وَمُبَاحٌ لِاَهْلِ النُّسُكِ وَالْوَرَعِ وَمَكْرُوْهٌ لِاَهْلِ النُّفُوْسِ وَالْحُظُوْظِ (انھوں نے کہا کہ سماع اہل حقیقت ومعرفت کیلیے مستحب ہے اور اہل نسک وورع یعنی زاہد وپرہیزگار کے لیے مباح ہے اور اہل نفس وشہوت کیلیے مکروہ ہے)۔ اور اس پر

مشائخین کا اجماع ہے کہ قرآنِ کریم کو اچھی آواز اور خوش الحانی سے پڑھنا چاہیے بشرطیکہ اپنی حد میں ہو اور معنی میں کوئی خلل نہ آجائے۔ لیکن قصائد و اشعار کے متعلق جب حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا ھُوَ الْکَلَامُ فَحَسَنُہٗ حَسَنٌ وَ قَبِیْحُہٗ قَبِیْحٌ (وہ کلام ہے، اگر اچھا ہے تو اچھا ہے۔ اور بُرا ہے تو بُرا ہے) یعنی جس کا سننا حلال ہے جیسا کہ حکمت اور پند و نصائح کی باتیں آیاتِ الٰہی کے استدلال، خدا کی مہربانیوں اور نعمتوں کا ذکر اور متقی و صلحائے امت کی تعریفیں نظم میں ہوں یا نثر میں سب حلال ہیں۔ جس کلام کا سننا حرام کیا گیا ہے وہ کسی کی غیبت، گالی گلوچ کی بُرائی اور ہجو کرنا یا کفریہ کلمات بکنا نثر میں ہو یا نظم میں سب حرام ہیں۔ اور ایسے اشعار جن میں شہروں، مقامات و منازل، ایامِ گزشتہ اور امم ماضی کا بیان ہو مباح ہیں۔ اور جن میں خال و خط، زلف و لب قد و قامت چشم و ابرو کے حسن و خوبی کی صفت ہو اور اس طرح کی نظمیں جس کو عام لوگوں کا مذاق پسند کرتا ہے۔ مکروہ ہیں۔ یہ کراہیت نظم اور نثر دونوں کے لیے ہے۔ مگر وہ علمائے ربانی جو صاحبِ تمیز اور ریاضت و مجاہدہ کرنے والے الہام اور غیر الہام کو سمجھتے ہیں، جیسا قسمِ اول میں ہم نے بیان کیا ہے اُن کے لیے ہر طرح کا شعر سننا مباح ہے حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضوان اللہ علیہم نے سنا ہے بلکہ صحابۂ کرامؓ نے کہا بھی ہے اور سنا بھی ہے۔ یہاں پر لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ بعض ہر قسم کے اشعار سننے کو حرام کہتے ہیں حالانکہ رات دن مسلمان بھائیوں کی غیبت کیا کرتے ہیں۔ اور ایک جماعت ہر قسم کے اشعار سننے کو حلال کہتی ہے اور رات دن لغو اور بیہودہ اشعار سنا کرتی ہے۔ اور دونوں اپنے اپنے طریقوں پر دلیلیں قائم کرتے ہیں۔

اب اس جگہ سمجھنا چاہیے کہ جو مسئلہ مختلف فیہ ہو اور وجوہات پر محمول کیا جاتا ہو اُس پر اطلاق کے ساتھ جواب قائم کرنا خطا ہے۔ صاحب کشف المحجوب رحمۃ اللہ علیہ جو اپنے زمانے کے مقتدا تھے، انھوں نے لکھا ہے کہ جب میں مَرْو میں تھا، وہاں ائمۂ حدیث میں سے ایک محدث جو مشہور و معروف تھے، انھوں نے مجھ سے کہا کہ میں نے سماع کے مباح ہونے کے متعلق ایک کتاب لکھی ہے۔ میں نے کہا کہ دین میں ایک بڑی مصیبت واقع ہو گئی ہے۔ خواجہ، کیا لہو و لعب اور تمام فسق و فجور کو حلال کر دیا ہے؟ انھوں نے کہا اگر تمھارے نزدیک حلال نہیں ہے تو خود کیوں سنتے ہو؟ میں نے کہا اس کا حکم وجوہات پر موقوف ہے کوئی مطلق حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ اگر دل میں اس کی تاثیر حلال ہو تو سماع حلال ہے۔ اور اگر تاثیر اس کی حرام ہو تو سماع بھی حرام ہے۔ اگر تاثیر مباح ہو تو سماع بھی مباح ہوگا۔ جس چیز کا ظاہر حکم حرام و فسق ہو

مگر باطن میں اس کے اثرات روشن ہوں تو یہ ایک وجہ ہوگی حلّت کے وجوہ میں سے۔ اس لیے ایک ہی چیز پر اطلاق کرنا محال ہوگا۔ اب رہا رقص کرنا، تو سنو! حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے تین وجوہ بتلائے ہیں۔ اور کہا ہے کہ رقص کا حکم اس کے محرک پر محمول کیا جاتا ہے۔ اگر محرک محمود ہے اور رقص اُس کو بھڑکاتا اور اُبھارتا ہے تو رقص بھی محمود ہے۔ اور اگر رقص کا محرک مذموم ہے اور رقص اس کی بُرائی کو اُبھارتا ہے تو رقص بھی مذموم ہوگا۔ اور اگر محرک مباح ہے تو رقص بھی مباح ہوگا۔ اور کہا ہے روایت ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے ایسے موقعوں پر جب ان کو کوئی خاص چیز ملتی تھی تو اس کے سرور اور خوشی میں رقص کیا ہے۔ اور بعض صالحین نے بغیر اظہارِ وجد وحال، درویشوں کی موافقت میں موزونیت کے ساتھ رقص کیا ہے اور موزونیت اس لیے اختیار کی ہے کہ یہ بات ظاہر کردیں کہ ہم پر وجد وحال کی کیفیت طاری نہیں ہے اِحتِرَازًا عَنِ الْکِذْب (جھوٹ سے بچنے کے لیے) اس کے باوجود کہتے ہیں کہ رقص کی عادت ڈالنا اہلِ اقتدا کے لائق نہیں ہے کیونکہ یہ اکثر حالتوں میں لہو ولعب میں شمار کی جاتی ہے۔ اور جو چیز بظاہر لہو ولعب نظر آئے مقتدایانِ قوم کو اس سے پرہیز کرنا چاہیے تاکہ لوگوں کی نظر میں حقیر نہ ہوں اور لوگ ان کی پیروی ترک نہ کردیں۔ بہرحال کھیل کود شرعاً اور عقلاً مناسب و مستحسن نہیں ہیں۔ پس محال ہے کہ بزرگ و برتر حضرات اسے اختیار کریں۔ لیکن جب سماع میں دل پر بیقراری اور دماغ پر خفقانی اثرات غالب ہو جائیں اور اضطراب قوتِ برداشت سے باہر ہو جائے تو رسم و ترتیب کا لحاظ اُٹھ جاتا ہے اور اس وقت یہ مضطربانہ حرکات نہ رقص ہوتی ہیں نہ اُچھل کود اور نہ دل بہلاوا۔ بلکہ وہ ایک جاں کنی کا عالم ہوتا ہے اور نہایت سخت ہوتا ہے۔ پس وہ شخص جو ان مضطربانہ حرکات کو رقص سمجھتا ہے راہِ ثواب سے کوسوں دُور ہوتا ہے۔ یہ تو ایک ایسی حالت ہے جو زبان سے بیان نہیں کی جاسکتی جس نے چکھا ہی نہیں ہے وہ کیا جان سکتا ہے۔ تو اس گروہ سے ایسی حرکتیں جو سرزد ہوتی ہیں وہ ان کی حالت کا اضطراب ہے، رقص نہیں۔ اگر کسی کو شک و شبہ یا اعتراض ہو سکتا ہے تو رقص میں ہوسکتا ہے اضطراب میں نہیں۔ چنانچہ اشعار کا سننا اور حالت کا طاری ہونا احادیث سے ثابت ہے ان میں سے ایک صحیح حدیث یہاں بیان کی جاتی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہا "یارسول اللہ! آپ کو بشارت ہو کہ آپ کی امت کے درویش و فقیر امیروں کے

اعتبار سے پانچ سو سال پیشتر بہشت میں داخل ہوں گے"۔ یہ خوش خبری سن کر حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہو گئے اور فرمایا "یہاں کوئی ہے کہ شعر سنائے"؟ ایک بدوی نے کہا "ہاں، ہے یارسول اللہ" آپ نے فرمایا "ھَاتِ ھَاتِ" (آؤ آؤ) اُس نے یہ شعر پڑھے:

لَقَدْ لَسَعَتْ حَیَّةُ الْھَوٰی کَبِدِی فَلَا طَبِیْبَ لَھَا وَلَا رَاقِیْ

اِلَّا الْحَبِیْبُ الَّذِیْ شَغَفْتُ بِہٖ فَعِنْدَہٗ رُقْیَتِیْ وَتِرْیَاقِیْ

(میرے کلیجے پر محبت کے سانپ نے ڈس لیا ہے۔ اس کے لیے نہ کوئی طبیب ہے، اور نہ جھاڑ پھونک والا۔ مگر ہاں وہ محبوب جو مہربانی فرمائے، اُسی کے پاس اس کا منتر اور تریاق ہے)۔ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تواجد فرمایا اور جتنے اصحاب وہاں تھے سب وجد کرنے لگے یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ردائے مبارک دوشِ مبارک سے گر پڑی۔ جب اس حال سے فارغ ہوئے معاویہ بن ابی سفیان نے کہا "کتنی اچھی ہے آپ کی یہ بازی یارسول اللہ" آپ نے فرمایا مَہْ یَا مُعَاوِیَۃُ لَیْسَ بِکَرِیْمٍ مَنْ لَّمْ یَھْتَزَّ عِنْدَ سَمَاعِ ذِکْرِ الْحَبِیْبِ (دُور ہو اے معاویہ وہ شخص کریم (یعنی سخی و بامروت) نہیں ہے جو دوست کا ذکر سنے اور جھوم نہ اُٹھے)۔ پھر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ردائے مبارک کے چار سو ٹکڑے کر کے حاضرین میں تقسیم کر دیے گیے۔ اور تواجد میں تالیاں بجانے کے متعلق حضرت عتبۃ الغلام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے کسی سے کوئی شعر سنا اور ہاتھ پر ہاتھ اتنا مارا کہ انگلیوں سے خون کے قطرے ٹپکنے لگے۔ اور خواجہ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ سے نقل ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جب فقیر سماع میں ہاتھ پر ہاتھ مارتا ہے تو شہوات اُس کے ہاتھ سے خارج ہو جاتی ہیں۔ اور جب زمین پر پاؤں مارتا ہے تو پاؤں کے شہوات نکل جاتی ہیں۔ اور جب نعرہ مارتا ہے تو باطن کی شہوتیں باہر نکل جاتی ہیں۔ لیکن سماع میں نعرہ مارنا اُس وقت درست ہے جب باطن میں جذبات کا اتنا غلبہ ہو کہ اس پر قابو نہ پایا جا سکے۔ روایت کرتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی ایک جماعت میں قصہ کہہ رہے تھے، کسی نے نعرہ مارا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس پر ناراضگی کا اظہار کیا۔ حق سبحانہٗ وتعالےٰ نے مناجات کے وقت فرمایا بِحُبِّیْ صَاحُوْا وَبِحُبِّیْ نَاحُوْا وَبِوَجْدِیْ رَاحُوْا فَلِمَ تُنْکِرُ عَلٰی عِبَادِیْ (وہ میری محبت میں نعرہ مارتے ہیں، میری محبت میں روتے چلاتے ہیں اور میرے قرب سے راحت پاتے ہیں تم ان کو مت جھڑکا کرو)۔ شیخ عبدالرحمٰن سلمی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب السماع میں یہ روایتیں جمع کی ہیں۔ اب جانو کہ ان لوگوں میں

ذوق و شوق کے اعتبار سے ہر ایک کا ایک خاص مقام اور مرتبہ ہوتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی تائب سماع سنتا ہے تو حسرت و ندامت کی کیفیت زیادہ ہوتی ہے۔ مشتاق کو شوقِ دیدار زیادہ ہوتا ہے۔ مومن کا یقین کامل ہوتا ہے۔ مرید کو بیان کی تحقیق حاصل ہوتی ہے۔ محبت کرنے والے کو تعلقات سے علیحدگی ہوتی ہے فقیر کے لیے ناامیدی کی بنیاد قائم ہوتی ہے تمام چیزوں سے۔ لوگوں نے کہا ہے کہ سماع کی مثال سورج کی طرح ہے کہ ہر چیز پر اس کی روشنی یکساں پڑتی ہے لیکن ہر چیز اپنی استعداد اور ذوق و مشرب کے اعتبار سے فائدہ حاصل کرتی ہے۔ یہ کسی کو جلاتی، کسی کو چمکاتی، کسی کو بڑھاتی اور کسی کو پگھلاتی ہے۔ اگر کوئی کہے کہ ایسی بے خودی اور بے خبری کی حالت میں قوال کے تال و سُر پر رقص کرتے ہیں اور اُس کی آواز و نغمہ کو جانتے پہچانتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب انسان نفسانی قوتوں اور خیالات و خواطر سے بے خبر ہوتا ہے تو اس کا دل زیادہ روشن اور قوی ہو جاتا ہے۔ اور جب نفس کمزور اور دل روشن ہو جاتا ہے تو لامحالہ ضرب سماع اور قوال کے نغموں کو بہتر جانتا اور سمجھتا ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ جب ان لوگوں کا سماع سچا اور حق کے لیے ہے تو چاہیے تھا کہ مقرب لوگوں کی صحبت میں بیٹھتے اور قرآن مجید پڑھتے، نہ کہ قوالوں کے گیت اور راگ سنتے۔ کیونکہ قرآن کلام حق ہے اور اس کا سننا زیادہ بہتر ہے اس کا یہ جواب ہے کہ قرآن شریف کی قرأت سن کر بھی بہت ذوق و تواجد ہوتا ہے بلکہ اکثر آدمی اس کو سن کر بیہوش ہو جاتے اور بعض جان بھی دیدیتے ہیں۔ جیسا کہ کتابوں میں مسطور ہے۔ لیکن قاری کی جگہ قوال اور قرآن پاک کے عوض نغمے اس لیے سنتے ہیں کہ قرآن شریف کی آیتیں عشاق کے دلی جذبات سے کُلّی مناسبت نہیں رکھتیں۔ کیونکہ ان آیتوں میں کفار کے قصّے، معاملات کے احکام، دنیاوی امور کو سرانجام دینے کے طریقے اور دوسری بہت سی باتیں ہوتی ہیں۔ جب قاری ان آیات کو پڑھے گا کہ ماں کو میراث میں چھٹا حصّہ اور بہن کو آدھا حصہ ملے گا۔ یا یہ آیت پڑھے کہ شوہر کے مرنے پر بیوی کو چار مہینے دس دن عدت میں بیٹھنا چاہیے تو ایسے مضمون سے شوق و محبت کی آگ تیز نہ ہوگی ہاں البتہ ایسا شخص جس پر عشق کا غلبہ اس درجہ ہو کہ ہر چیز کے سننے سے اس کو تواجد حاصل ہو، خواہ وہ مضمون اس کے مقصد سے دُور ہی کیوں نہ ہو تو اُسے تواجد ہوگا۔ مگر ایسا بہت کم ہوتا ہے۔ اور دوسرا سبب یہ ہے کہ اکثر لوگوں کو قرآن یاد ہوتا ہے اور بہت پڑھا کرتے ہیں اور قاعدہ ہے کہ جو چیز زیادہ سنی جاتی ہے وہ اکثر حالات میں قرارِ دل ہو جاتی ہے۔ تم نہیں دیکھتے کہ زمانۂ رسول

صلی اللہ علیہ وسلم میں عرب آکر اول اول قرآن سنتے تھے تو روتے تھے اور ان پر حال طاری ہو جاتا تھا۔ چنانچہ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کُنَّا کَمَا کُنْتُمْ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُنَا۔ (ہم بھی تمہاری طرح تھے، اب ہمارے دل جم گئے۔ یعنی قرآن سنتے سنتے قرار و سکون آگیا۔ مگر سماع کے لیے تین شرطیں ہیں۔ ان کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ مکان، زمان، اخوان۔ مکان، چاہیے کہ مشائخ کی خانقاہ ہو یا کوئی پاک و صاف ہوادار کشادہ اور روشن مقام ہو۔ اخوان، چاہیے کہ فقرا و درویش اور یارانِ باتمیز صحبت یافتہ اور ریاضت کشیدہ ہوں اور زمان یہ کہ دل تمام اشغال سے فارغ اور خالی ہو۔ مگر سماع کا ادب یہ ہے کہ جب تک ضروری نہ ہو سماع نہ کرے اور اس کو عادت نہ بنائے اور ہر وقت سماع میں مشغول نہ رہے تاکہ اس کی تعظیم و احترام دل سے نہ نکل جائے۔ اور چاہیئے کہ حرکت کی حالت میں کسی سے موافقت کی امید نہ رکھے۔ اور اگر کوئی موافقت کرے تو منع نہ کرے۔ اگر کوئی تواجد میں ہے تو اُس کے حال پر تصرف (چھیڑ چھاڑ) نہ کرے، اور اس کو اس شعر کے لطف و ذوق سے نہ ہٹائے جس سے وہ تواجد کر رہا ہے، کیوں کہ بڑی پریشانی اور بے برکتی کا باعث ہوتا ہے۔ اور اگر قوال خوش الحانی سے گا رہا ہے تو اس کی تعریف نہ کرے کہ اچھا گاتا ہے۔ اور اگر اچھا نہیں گاتا یا ناموزوں شعر پڑھتا ہے تو نہ کہے کہ بہتر اور درست ادا کر۔ اور اُس سے دل میں رنجیدہ نہ ہو اور شرم سے اُس کی طرف نہ دیکھے بلکہ خود صحیح اور درست سنتا رہے۔ اور اگر کسی جماعت پر سماع کی کیفیت طاری ہو اور تم کو اس سے کوئی حصہ نصیب ہو تو چاہیے کہ اپنی ہوشیاری میں اُن کی مستی اور بے خودی کو نیازمندی کے ساتھ دیکھتے رہو اور تعظیم بجالاؤ تاکہ اس کی برکتیں تمھیں بھی حاصل ہوں۔ اور اگر تم خود صاحب سماع نہ ہو تو چاہیے کہ کسی صاحب سماع اور صاحب قدم کے سایۂ دولت میں آجاؤ۔ دوسرا ادب یہ ہے کہ تمام حاضرینِ محفل سر کو جھکائے رہیں اور ایک دوسرے کو نہ دیکھیں۔ اور دورانِ سماع بات چیت نہ کریں، نہ پانی پئیں، نہ دائیں بائیں دیکھیں نہ ہاتھ پاؤں اور سر ہلائیں بلکہ نماز میں تشہد کی طرح با ادب بیٹھے رہیں۔ دل کو خداوند تعالیٰ کی طرف کلیۃً متوجہ رکھیں اور منتظر رہیں کہ سماع کے سبب غیب سے اُن کے دل پر سِرِ الٰہی منکشف کیا جائے۔ اور اگر کوئی وجد و حال کے غلبہ سے کھڑا ہو تو اس کی موافقت میں یہ لوگ بھی کھڑے ہو جائیں۔ اور اگر اُس کی دستار یا ٹوپی گر جائے تو اٹھا کر رکھ لیں۔ یہ سب باتیں اگرچہ بدعت ہیں اور صحابہ و تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ثابت نہیں ہیں۔ لیکن ہر بدعت

ممنوع نہیں ہے۔ بہت سی بدعتیں اچھی ہوتی ہیں۔ جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جماعت کے ساتھ تراویح امیرالمومنین عمر رضی اللہ عنہ نے مقرر کی ہے اور یہ اچھی بدعت ہے۔ بدعتِ مذمومہ تو وہ ہوتی ہے جو سنت کی مخالف ہو۔ لیکن ایسے حسن اخلاق سے لوگوں کے دل کو خوش کرنا جس سے احکامِ شرعی میں کوئی نقص وخلل واقع نہ ہو محمود و مستحسن ہے۔ ہر قوم کی ایک عادت ہوتی ہے۔ ان کی اخلاقی عادات کی مخالفت کرنا بے تمیزی ہے۔ شریعت کا فتویٰ تو یہ ہے کہ خَالِقُوا النَّاسَ بِاَخْلَاقِهِمْ (لوگوں کے ساتھ ان کے اخلاق کے موافق اخلاق برتو)۔ اس برتاؤ سے قوم خوش ہو گی اور مخالفت سے متوحش ہو جائے گی۔ اس لیے ان کی موافقت کرنا سنت ہے۔ لیکن صحابہ رضی اللہ عنہم جو حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر کھڑے نہ ہوتے تھے تو اس طرح کھڑا ہونا وہ کراہیت سمجھتے تھے۔ کیونکہ عرب کی عادت دوسری ہے اور عجم کی عادت دوسری۔ پس ذکرِ سماع اور اُس کے احکام کے متعلق اس مکتوب میں جتنا کچھ لکھا گیا بہت کافی ہے۔ والسلام۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

چورانویواں مکتوب ۹۴

مخلوق سے کنارہ کشی اور گوشہ نشینی کے بیان میں

عزیز بھائی شمس الدین۔ اللہ تعالےٰ تمھیں فرمانبرداروں کی بزرگی عطا فرمائے۔ جانو کہ گوشہ نشینی اختیار کرنا اور مخلوق سے علیحدہ رہنا ایک مہم ہے تاکہ اطمینان کے ساتھ عبادت کرنے کا موقع ملے۔ جیسا کہ یہ حکایت بیان کی جاتی ہے کہ مشائخ میں سے ایک بزرگ نے فرمایا کہ میں ایک جماعت کے پاس پہنچا جو تیر اندازی کی مشق کر رہے تھے۔ لیکن ایک شخص اُن سے دُور تنہا بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے چاہا کہ اس سے باتیں کروں۔ اُس نے کہا "میرے نزدیک باتیں کرنے کی بجائے خدا کا ذکر اچھا ہے"۔ میں نے کہا تم تنہا کیوں بیٹھے ہو؟ اُس نے کہا "میرے ساتھ میرا پروردگار ہے اور دو فرشتے"۔ اور اٹھ کر چلا گیا۔ اس طرح لوگوں سے میل ملاپ آدمی کو عبادت سے روک دیتا ہے۔ اور یہی نہیں بلکہ آدمی کو ہلاکت معصیت میں ڈال دیتا ہے۔ حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ سے حکایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ میں نے مخلوق سے پانچ چیزیں طلب کیں لیکن نہ پائیں۔ میں نے لوگوں سے طاعت و زہد طلب کیا لیکن وہ اس پر آمادہ نہ ہوئے

میںؑ نے لوگوں سے کہا آؤ میری نیک کاموں میں مدد کرو! کسی نے نہ کی۔ میںؑ نے لوگوں سے کہا جب میں نیک کام کروں تو تم مجھ سے راضی رہو، نہ رہے۔ میںؑ نے کہا مجھے میرے کاموں سے منع نہ کرو۔ نہ مانے۔ میںؑ نے کہا مجھے ان کاموں کی طرف نہ بلاؤ جس میں خدا کی رضا نہیں ہے اور اگر میں وہ کام نہ کروں تو مجھ سے دشمنی نہ کرو، مگر وہ کرتے رہے۔ پس میں نے ان کو ترک کردیا۔ اور اپنے آپ میں مشغول ہو گیا۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے گوشہ نشینی کی تعریف فرمائی ہے اور عزلت پسندوں کو سراہا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ یہ لوگ خدا کے ساتھ رہتے ہیں۔ اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ آپؐ ہماری اور تمھاری مصلحتوں کے زیادہ جاننے والے اور ہم سے زیادہ ہماری بہتری چاہنے والے تھے۔ تو جب ایسا زمانہ آجائے جیسا حضور نے فرمایا ہے اور اس کی نشانیاں بتائی ہیں تو آپؐ کا فرمان بجالاؤ اور آپؐ کی نصیحتوں پر عمل کرو۔ اگر ایسا نہ کرو تو اپنی ہلاکت و بربادی کے لیے تیار ہو جاؤ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ارشاد فرمایا ہے وہ یہ ہے: حضرت عبداللہ بن عمرو عاص رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا۔ آپؐ فتنوں کا تذکرہ فرما رہے تھے۔ آپؐ نے فرمایا "جب تم دیکھو کہ لوگ اپنے قول و قرار اور وعدوں سے پھر جائیں اور امانتوں میں خیانت کرنے لگیں"۔ میں نے عرض کیا "یا رسول اللہ ﷺ میں اس وقت کیا کروں؟" فرمایا۔ "اپنے گھر میں پڑے رہو، اپنی زبان کو قابو میں رکھو، جو کچھ جانتے ہو اُس پر عمل کرو، جو نہیں جانتے اُسے چھوڑ دو۔ تمھیں اپنے کام سے کام ہونا چاہیے۔ دوسرے کے کام سے واسطہ نہ رکھو"۔ حدیث میں آیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ وہ زمانہ ہرج ہوگا۔ اصحابؓ نے پوچھا "یا رسول اللہ ہرج کیا ہے؟ وہ زمانہ جس میں انسان اپنے دوستوں اور ساتھیوں سے بھی بے خوف اور مطمئن نہ رہ سکے۔ اور ایک دوسری حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حارث بن عمیرؓ سے کہ اگر تمھاری عمر طویل ہو تو تمھارے سامنے ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ خطیب اور واعظ زیادہ ہوں گے عمل کرنے والے کم۔ سائل زیادہ ہوں گے اور دینے والے کم۔ وہ زمانہ علم کی ڈینگ مارنے والا ہوگا۔ میں نے کہا کب آئے گا وہ زمانہ یا رسول اللہ ﷺ؟ آپؐ نے فرمایا۔ "اُس وقت جب لوگ نماز قضا کریں گے، رشوتیں قبول کریں گے اور دین کو دنیا کے تھوڑے داموں پر بیچ دیں گے۔ اے نیک بخت اس زمانے سے دُور رہنا۔ تو اے بھائی جو کچھ اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے اپنے اِس زمانے میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو۔ اب غور کرو کہ تم کو کیا کرنا چاہیے۔

اس کے علاوہ اسلافِ صالحین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اپنے زمانہ اور اہلِ زمانہ سے دُور رہنے پر اجماع ہے۔ انھوں نے خود گوشہ نشینی اختیار کی ہے اور اپنے مریدوں کو اس کا حکم دیا ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ لوگ نہایت ہی دانا و بینا ہوئے ہیں۔ اور اُن کے بعد کا زمانہ بہتر نہیں رہا ہی بلکہ اس سے بہت زیادہ خراب و تباہ ہو گیا ہے اور بدتر ہوتا جا رہا ہے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے۔ وہ فرماتے تھے "اس خداوند رب العزۃ کی قسم کہ سوائے اس کے اور کوئی دوسرا خدا نہیں ہے۔ ہمارے زمانے میں گوشہ نشینی حلال ہو گئی ہے۔ تو اگر سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں گوشہ نشینی حلال تھی تو ہمارے زمانے میں چاہیے کہ واجب اور فرض ہو۔ نیز حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے ایک اور روایت کی گئی ہے کہ آپ نے عُبّاد خواص رحمۃ اللہ علیہ کو تحریر فرمایا تھا کہ تم ایسے زمانے میں آپڑے ہو کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین اُس سے پناہ مانگتے تھے کہ وہ یہ زمانہ نہ دیکھیں۔ حالانکہ ان کو وہ علم تھا جو ہم کو نہیں ہے۔ اُن کو مدد دینے والے تھے ہمارا کوئی ایسا مددگار نہیں ہے اور انھیں وہ قوتیں حاصل تھیں جو ہم کو نہیں ہیں۔ تو اس زمانے میں ہمارا کیا حال ہوگا، کہ ہم تھوڑا علم، تھوڑا صبر اور تھوڑی طاقت والے ہیں اور ہمارے مددگار بھی کم ہیں۔ اور خواجہ فضیل عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ یہ وہ زمانہ ہے جس میں زبان کو روکنا اور کسی جگہ چھپ کر بیٹھ جانا چاہیے اور اپنے دل کا علاج کرنا چاہیے۔ جو نہیں جانتے وہ نہ کہیں اور جو جانتے ہیں اُسے بھول جائیں۔ اور حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ دنیا میں روزہ رکھو اور آخرت میں افطار کرو، لوگوں سے اس طرح بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہیں۔ اور عبید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ میں نے کسی دانشمند کو نہیں دیکھا جس نے مجھے یہ وصیت نہ کی ہو کہ "اگر تم پسند کرتے ہو کہ تمھیں کوئی نہ پہچانے تو سمجھو کہ تمھارا خاص کام خدائے تعالیٰ کے نزدیک ہے۔ دوسرے یہ کہ عبادات سے تمھیں جو برکات حاصل ہوتی ہیں لوگ تم سے مل کر اُسے باطل کر دیتے ہیں۔ کیونکہ ان کی وجہ سے تم کو ریا، تصنع اور نام و نمود کا سامنا ہوتا ہے۔ اور حضرت خواجہ یحییٰ معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ لوگوں سے بہت ملنا جلنا ریا و نمود کی بساط ہے اور تمام زاہدانِ گزشتہ اس سے ڈرتے رہے ہیں اور لوگوں سے ملنا جلنا ترک کیا ہے۔ اور روایت کرتے ہیں کہ ہرم ابن حیان نے حضرت خواجہ اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ سے کہا "اے اویسؓ آؤ ہم دونوں ایک ہی جگہ رہا کریں تاکہ

ایک سے دوسرے کو فائدہ پہنچے۔ حضرت خواجہ اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ پیٹھ پیچھے ایک دوسرے کے لیے دعا کرنا ملاقات کرنے سے بہتر ہے۔ اس لیے کہ زیارت و ملاقات رسم و ریا سے خارج نہیں ہوتیں۔ پس اہلِ زہد و ریاضت کا ایک دوسرے کی ملاقات کے متعلق یہ خیال واحتیاط ہے تو خود غرض اہلِ رعنیت و بطالت بلکہ اہلِ شر و جہالت کی ملاقات کا کیا ذکر وہ تو اس زمانے میں قطعاً باطل ہو گئی ہے۔ الا ماشاء اللہ! آج کل کے عوام تباہ و برباد ہو چکے ہیں۔ وہ تم کو عبادات سے روک دیں گے۔ اول تو تم عبادات کر ہی نہ سکو گے اور اگر کچھ کرو گے تو وہ اُسے باطل کر دیں گے۔ اس لیے اس زمانے میں گوشہ نشینی واجب ہے اور لوگوں سے بھاگنا اور زمانہ کی تباہی سے خدا کی بارگاہ میں پناہ مانگنا ضروری۔ اے بھائی ہمیشہ اپنی شکستگی میں مگن رہو اور رنج و غم کے ساغر اور حسرت و اندوہ کے جام چڑھاتے رہو اور ایک لحظہ اپنی مصیبت سے فارغ نہ بیٹھو۔ بھلا کسی کا کیا منھ ہے کہ یہاں شاد و خرم رہ سکے جبکہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کونین کے مقصود تھے اپنے وجود کی دردناکی سے یہ فریاد کرتے تھے یَالَیْتَ رَبَّ مُحَمَّدٍ لَمْ یَخْلُقْ مُحَمَّداً (اے کاش محمدؐ کا پروردگار محمدؐ کو پیدا نہ کرتا)۔ ایک شخص حضرت عبداللہ مسعودؓ کے پاس آیا اور بولا: یَا لَیْتَنِیْ اَکُوْنُ مِنْ اَصْحَابِ الْیَمِیْنِ (اے کاش کہ میں اصحاب یمین میں ہوتا) حضرت عبداللہ مسعودؓ نے فرمایا۔ یَا لَیْتَنِیْ کُنْتُ اِذَا مِتُّ لَمْ اُبْعَثْ (اے کاش میں مرنے کے بعد دوبارہ پیدا نہ کیا جاتا) اور صفحۂ ہستی سے میرا نام و نشان مٹ جاتا۔ اور کبھی خاک سے سر نہ اُٹھاتا۔ ایک شخص وہ ہے جو عبادت کرتا ہے اور ثواب کی لالچ رکھتا ہے۔ ایک وہ ہے جو گناہ کرتا ہے اور بخشش کی امید رکھتا ہے۔ اور ایک وہ ہے جو اپنے وجود سے شرماتا ہے اور دونوں جہاں میں منھ دکھانے کی ہمت نہیں کرتا۔ تمھارے لیے ضروری ہے کہ اپنی تعریف و تطہیر سے دُور رہو اور اپنے کو مردودوں اور بدبختوں میں شمار کرو۔ وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا وَمِنْ عَلَامَۃِ الْمُنَافِقِ اَنْ یُّحِبَّ الْمَدْحَ وَیَکْرَہُ الذَّمَّ (منافق کی پہچان یہ ہے کہ اپنی جھوٹی تعریف سے خوش ہو اور سچی مذمت سے ناراض ہو جائے)۔ والسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پنچانویواں مکتوب ۹۵

خلق سے جدا ہونے کے بیان میں

عزیز بھائی شمس الدین۔ اللہ تعالیٰ تمھیں اپنے تقویٰ کی بزرگی عطا فرمائے معلوم ہو کہ خلق سے کنارہ کشی اور لوگوں سے علیحدگی دو قسم کی ہے۔ ایک وہ آدمی جس کی لوگوں کو کوئی ضرورت ہی نہیں ہوتی نہ علمی مباحث میں اور نہ احکامات کے بیان میں۔ ایسے آدمی کو چاہیے کہ لوگوں سے بالکل علیحدہ ہو جائے اور سوائے جماعت ونمازِ جمعہ وعیدین اور فریضۂ حج اور علمی اور ضروری مجالس کے لوگوں سے میل جول نہ رکھے اور اپنے کو چھپالے اور اس طرح بیگانہ ہو جائے کہ نہ وہ کسی کو پہچانے اور نہ کوئی اُسے پہچان سکے۔ لیکن اگر وہ شخص چاہے کہ لوگوں سے اس طرح قطع تعلق کرے کہ دین و دنیا کے کسی کام میں شریک نہ ہو اور اپنی خاص مصلحتوں کی بنا پر جن کو وہ خود ہی جانتا ہے جمعہ اور جماعت وغیرہ میں بھی (جن کا ذکر اوپر کیا گیا) ترک کر کے گوشہ نشین ہو جائے تو اُس کے لیے جائز نہ ہوگا، بجز اس کے کہ ان دو باتوں میں سے ایک اختیار کرے۔ ایک یہ کہ کسی ایسی جگہ قیام کرے جہاں جمعہ اور جماعت واجب نہ ہو، جیسے کوہستان اور جزیرے۔ اور شاید اسی وجہ سے اکثر بزرگوں نے آبادی سے دُور ایسی جگہوں پر سکونت اختیار کی ہے۔ اور دوسرے یہ کہ وہ فی الحقیقت اس بات کو جانتا ہو کہ وہ نقصانات ومضرات جو جمعہ وجماعت میں لوگوں سے ملنے جلنے کی وجہ سے ظاہر ہوں گے وہ جمعہ اور جماعت کے ثواب سے زیادہ ہیں۔ پس جب ثواب کے اعتبار سے گناہ زیادہ نظر آئیں بالضرور اس کی اجازت ہوگی کہ جمعہ اور جماعت کو ترک کرے۔ نقل ہے کہ مکّہ میں ایک صاحب علم بزرگ تھے وہ جماعت وجمعہ کے لیے مسجدِ حرام میں حاضر نہ ہوتے اور بظاہر کوئی عذر مانع بھی نہ تھا۔ لوگوں نے اس کا سبب پوچھا تو کہا کہ لوگوں کے میل جول سے جو گناہ ہوتا ہے وہ جمعہ وجماعت کے ثواب سے زیادہ ہے۔ لیکن درمیانہ طریقِ کار جو بزرگوں نے کہا ہے یہ ہے کہ جمعہ جماعت اور نیک کاموں میں لوگوں سے میل جول کرے اور اس کے علاوہ سب سے الگ تھلگ رہے۔ اور جو آدمی شہر میں رہ کر جمعہ اور جماعت میں شریک نہ ہو یہ بڑی جرأت کا کام ہے یہ بڑی دقیق نظری اور علمِ کامل سے تعلق رکھتا ہے۔

ہر شخص کے لیے جائز نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ ایک ایسا آدمی جو علم میں مقتدا ہو اور دین کے کاموں میں لوگ اُس کے محتاج ہوں اور حقوق کے بیان یا بدعتوں کو رد کرنے یا دین کی طرف اپنے قول و فعل کے ذریعہ دعوت مقصود ہو تو ایسے شخص کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ لوگوں سے بالکل علیحدگی اختیار کرے بلکہ ضروری ہے کہ وہ لوگوں کے درمیان میں رہے اور بندگانِ خدا کو نصیحت کرے، اور احکامِ آخرت بیان کرے۔ روایت ہے کہ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب بدعتیں ظاہر ہوں اور عالم خاموش رہے تو ایسے عالم پر خدا کی لعنت ہے۔ اُس کے لیے گوشہ نشینی جائز نہیں بلکہ لوگوں کے درمیان مل جل کر رہنا لازم ہے۔ روایت ہے کہ استاد ابوبکر فورک رحمۃ اللہ علیہ نے ارادہ کیا کہ لوگوں سے علیحدہ ہو کر گوشہ نشینی اختیار کریں اور خدا کی عبادت میں مشغول ہوں۔ آپ کوہسار سے گزر رہے تھے کہ ایک آواز سنی "اے ابوبکر تجھے خداوند تعالےٰ نے مخلوق پر اپنا دوست بنایا ہے تو بندگانِ خدا سے کیوں کنارہ کش ہوتا ہے"۔ تو آپ اپنے ارادے سے باز آئے اور لوگوں کے درمیان زندگی گزارنے لگے۔ نقل کرتے ہیں کہ استاد ابوبکر اسحق رحمۃ اللہ علیہ نے لبنان کی پہاڑیوں میں رہنے والے عابدوں سے فرمایا "اے گھاس پات کے کھانے والو! تم نے امتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو گمراہوں کے ہاتھ میں چھوڑ دیا ہے اور یہاں گھاس کھانے میں مشغول ہو"۔ انھوں نے کہا "ہم لوگوں کو عام مخلوق کی صحبت برداشت کرنے کی طاقت نہیں ہے۔ اللہ تعالےٰ نے آپ کو یہ قوت دی ہے آپ پر واجب ہے کہ آپ ان کو نصیحت کریں"۔ تو ایسا شخص اگر لوگوں کے ساتھ رہ کر حق خدمت ادا کرے تب بھی آخرت کے لیے نیکیوں کا ذخیرہ کرنے کا محتاج ہے۔ جیسا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔ "اگر میں راتوں کو سویا کروں تو گویا میں نے اپنے آپ کو ضایع کر دیا۔ اور اگر دن کے وقت سو جاؤں تو گویا میں نے رعایا کو ضایع کر دیا"۔ اور اس طرح کی زندگی بسر کرنا کہ جسم (یعنی ہاتھ پاؤں) مخلوق کے ساتھ ہو اور دل اُس سے دُور رہ کر خدا میں مشغول رہے یہ بہت دشوار ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ جب دنیا میں فتنہ و فساد کی آندھیاں چلنے لگیں اور دین کے کام ایسی غفلت میں پڑ جائیں کہ عالم کو لوگ تلاش نہ کریں اور تلاش بھی کریں تو اس سے دین کا فائدہ حاصل کرنا مقصود نہ ہو تو اس وقت عالِم معذور ہوگا اور گوشہ نشینی جائز ہوگی۔ وہ لوگوں سے کنارہ کش ہو کر اپنے علم کو دفن کر سکتا ہے۔ یہ ہے گوشہ نشینی اور لوگوں سے علیحدہ ہو جانے کا بیان۔ اس کو اچھی طرح سمجھ لو۔

اس کے بڑے بڑے فائدے ہیں اور ضرر و نقصان بھی بہت زیادہ ہے۔ اگر کوئی کہے کہ پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تمھیں جماعت کے ساتھ رہنا ضروری ہے کیونکہ جماعت پر خدا کی رحمت ہے۔ اور شیطان آدمی کے لیے بھیڑیا ہے تنہا رہنے والے کو اُٹھا لے جاتا ہے۔ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ شیطان اکیلے آدمی کے ساتھ رہتا ہے اور جہاں دو آدمی ہوں شیطان اُن سے دُور بھاگتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے لیکن فتنہ و فساد کے دنوں میں گوشہ نشینی اور لوگوں سے دُور رہنے کا بھی حکم دیا ہے۔ اور آپ کے اقوال میں تناقص (یعنی ایک دوسرے سے نقص اور مخالفت) نہیں ہے۔ اور یہ جو فرمایا کہ جمعہ اور جماعت میں لوگوں سے جدا نہ ہو تو ہم خود کہہ چکے ہیں کہ گوشہ نشینی کا حق یہ ہے کہ تمام نیکیوں میں لوگوں کے ساتھ شریک ہو اور باقی اُن سے خلا ملا اور دوسرے کاموں میں اُن کی آفتوں سے بچنے کے لیے پرہیز اختیار کرے۔ نیز فرمایا ہے کہ زمانہ، فتنہ و فساد کے علاوہ جماعت کے ساتھ رہنا تمھارے لیے لازم ہے۔ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ کمزور طبیعت انسان کو تنہا نہیں رہنا چاہیے۔ لیکن مضبوط دل اور صاحب بصیرت انسان جب ایسے فتنہ فساد کے زمانے کو دیکھے جس کی نشانیاں رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرما دی ہیں اور اپنی امت کو پرہیز کرنے کا حکم دیا ہے، گوشہ نشینی اختیار کرنا زیادہ بہتر ہے اُسے چاہیے کہ جمعہ اور جماعت کے علاوہ گھر سے باہر نہ نکلے اور تمام نیک کاموں میں شریک ہوا کرے تاکہ اس کے ثواب سے بھی محروم نہ رہے کہ جماعت کا ثواب بہت زیادہ ہے اگرچہ لوگ اس کی وجہ سے تباہ و برباد بھی ہوئے ہیں۔ ابدالوں کے حالات سے روایت کی جاتی ہے کہ وہ جمعہ اور جماعت میں حاضر ہوتے ہیں۔ اور اگر کوئی کہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری امت کے رہبان (تارک الدنیا) وہ لوگ ہیں جو مسجد میں جا کر بیٹھ جاتے ہیں۔ تو اس کا مقصد بھی لوگوں سے دُور رہنے کی ممانعت ہے۔ اس کا جواب بھی فتنہ و فساد کے زمانے کے سوا ہے۔ اور کوئی ہرج نہیں ہے اگر مسجدوں میں بیٹھ جائیں مگر لوگوں سے میل جول نہ رکھیں۔ اور اگر رکھیں تو اس طرح کہ تن بدن ان کے ساتھ مگر دل ان سے جدا رہے۔ گوشہ نشینی کا اصل مقصد یہی ہے نہ کہ تن بدن سے دُور رہنا۔ اے بھائی اگر کوئی چیز زیادہ قیمتی ہے اور تم غریب مفلس ہو کہ خرید نہیں سکتے، پھر بھی اس کی آرزو اور خواہش کرنا تو مباح ہے۔ .... اگر گھر کے اندر آب پاشی کریں تو سبزی اور گھاس نہ اُگے گی مگر ٹھنڈک تو ہو جائے گی۔ اور اگر کوئی دروازہ کھل جائے تو کیا عجب؟

غریب نانبائی محنت و مصیبت جھیلتا ہے، کپڑے سیاہ کرتا ہے اور تنور کی آگ میں جلتا ہے لیکن روٹیاں کوئی دوسرا کھاتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اَرِنِیْ کہا اور تیغ لَنْ تَرَانِیْ کا مزا چکھا اور پتھر کے ٹکڑے کو یہ دولت و خلعت ملی۔ فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ (جب اُس کے پروردگار نے پہاڑ پر تجلی فرمائی) اگر تم نہیں پاتے تو تمھارے لیے اس کا حکم نہیں ہے۔ رنجیدہ نہ ہو، اپنا دل خوش رکھو۔ موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ جو تم نے چاہا تھا اگر تم کو دے دیا جاتا تو ہمارے جمال میں کوئی کمی نہ ہو جاتی اور نہ ہمارے جلال میں کوئی نقصان ہوتا۔ لیکن بیچارہ پہاڑ تمھارے غم میں مبتلا ہو جاتا۔ مگر نہیں تو تمھارے ساتھ اب بھی سرو کار باقی ہے ؎

آسان آسان ترا نہ بگذارم من بازلف ولبِ تو کارہا دارم من

(میں تجھے آسانی سے نہیں چھوڑ سکتا۔ کیونکہ تیری زلف و لب سے مجھے بہتیرے کام ہیں)۔ اے بھائی! اگر حضرتِ آدم علیہ السلام کو گیہوں کے بہانے نہ پکڑتے تو اُن کے جلال کے لیے کوئی نقصان نہ تھا۔ اور اگر موسیٰ علیہ السلام کو دیدار کراتے اور جلوہ دکھا دیتے تو اُس کی شانِ جمال میں کوئی کمی واقع نہ ہوتی لیکن کمالِ حسن و جمال کا یہی تقاضا ہے کہ ہزاروں عاشق نالہ و فغاں میں مصروف اور قہرِ جدائی کی زنجیروں میں مقید رہیں تاکہ حسن و جمال کی عزت ظاہر ہو۔ جس رات تمھارے سر میں درد ہو اس درد کی جان و دل سے خدمت کرو۔ کیونکہ جو درد سر اُس کی طرف سے ہو وہ سرسری نہیں ہوتا۔ نقل کرتے ہیں کہ حضرت عزیر علیہ السلام کو وحی بھیجی گئی کہ اے عزیر اگر میری قدرت و مشیئت سے تم کو زردآلو ملے تو تم اس کی طرف حقارت سے نہ دیکھو، یہ دیکھو کہ روزی تقسیم کرنے کے وقت تم مجھے یاد تھے ؎

نامِ دلم اے نگار در دفتر تست شاد ہست بہ اینکہ بارے از لشکر تست

(اے محبوب تیرے دفتر میں میرا نام ہے۔ میں خوش ہوں کہ آخر میں تیرا ہی لشکری ہوں)۔ والسلام

—:—

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

چھیانواں مکتوب

چلہ کا بیان

عزیز بھائی شمس الدین معلوم ہو کہ چلے میں بیٹھنے سے اس قوم کی کوئی خاص غرض ایسی نہیں ہے جو بغیر چلے کے حاصل نہ ہو سکے لیکن چونکہ دوسری مشغولیتوں سے ان کے اصل کام میں خلل پڑتا ہے اس لیے چلّہ کر کے پابند ہو جانے کو اچھا سمجھتے ہیں تاکہ ان کے تمام اوقات چلے کے حکم میں منضبط ہو جائیں کہ یہ ہر وقت ہمت کے ساتھ چلے کی صفات سے متصف رہیں، اس لیے کہ یہ چلّہ خداوند تعالےٰ کے ذکر و عبادت کے لیے مخصوص ہے۔ جیسا کہ شریعت کا فتویٰ ہے مَنْ اَخْلَصَ لِلّٰہِ اَرْبَعِیْنَ صَبَاحًا ظَہَرَتْ یَنَابِیْعُ الْحِکْمَۃِ مِنْ قَلْبِہٖ عَلٰی لِسَانِہٖ (جو شخص چالیس رات دن اللہ تعالےٰ کے لیے مخصوص کر دے حکمت کے چشمے اُس کے دل سے اُس کی زبان پر جاری ہو جاتے ہیں)۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصّے میں اللہ تعالےٰ نے خاص طور سے مباحات کی زیادتی اور دنیاوی کاموں سے انقطاع کے لیے حکم فرمایا ہے۔ وَوٰعَدْنَا مُوْسٰی ثَلٰثِیْنَ لَیْلَۃً وَّاَتْمَمْنٰہَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِیْقَاتُ رَبِّہٖ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَۃً (ہم نے موسیٰ سے تیس رات دن کا وعدہ کیا پھر ہم نے دس دن اور بڑھا کر اُس کو پورا کر دیا۔ پس انھوں نے اپنے پروردگار کا حکم چلہ کر کے پورا کیا) اور یہ ایک مہینہ ذلیقعدہ کا اور دس دن ذی الحجہ کے تھے۔ اس کا قصہ مشہور و معروف ہے۔ اور سنو موسیٰ علیہ السلام کا روزہ ایسا نہیں تھا کہ دن کو روزہ رکھتے اور شام کو افطار کرتے بلکہ چالیس رات دن بغیر کچھ کھائے پیے گزار دیے۔ اس دلیل سے معدہ کو غذا سے خالی رکھنا ایک بڑا مجاہدہ ہے اور تزکیہ کی یہی اصل ہے۔

اسی چلّے کی بدولت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالےٰ سے ہمکلام ہونے کی استعداد حاصل ہوئی۔ جو کوئی خلوص دل سے دنیاوی کاروبار کو چھوڑ کر خدا کے ذکر میں مشغول ہو جائے اور اپنے نفس کو خالی پیٹ کے ساتھ باندھ دے تو اللہ تعالیٰ علوم من لدنی کا دروازہ اُس پر کھول دیتا ہے۔ لیکن چالیس دن کے تعیّن میں کیا حکمت ہے کسی کو معلوم نہیں۔ ہاں پیغمبروں کو اس کا علم ہوگا۔ کیونکہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے اپنے کمال لطف و مہربانی سے اُن کی تعریف فرمائی ہے۔ یا اولیاء اللہ میں سے وہ واقف ہوگا جس کو اللہ تعالےٰ نے اس کے علم کے لیے مخصوص کیا ہوگا۔ لیکن عوارف میں جو کچھ

لکھا ہوا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو خاک سے پھر اُن کی مٹّی کو اتنے عرصہ تک خمیر مایہ کیا۔ جیسا کہ خود صاحبِ شریعت پیغمبرِ خدا صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا ہے۔ اِنَّ اللہَ خَلَقَ طِیْنَۃَ اٰدَمَ بِیَدِہٖ اَرْبَعِیْنَ صَبَاحًا۔ (اللہ تعالےٰ نے آدمؑ کی مٹّی کو بغیرِ واسطہ اپنے دستِ قدرت سے چالیس دنوں تک خمیر کیا)۔ یہاں تک کہ آدم علیہ السلام میں دونوں جہان کے تعمیر کرنے کی صلاحیت پیدا ہوئی۔ جس طرح اُن سے بہشت کی آبادی مطلوب تھی دنیا کی آبادی بھی مطلوب تھی اس لیے ان کو خاک سے پیدا کیا۔ اور چالیس روز اس لیے اُن کی مٹّی خمیر کی گئی کہ چالیس دنوں کی مدت میں چالیس حجاب اُن سے دُور ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ کے دربار سے ہر ایک حجاب میں ایک خاص معنی پوشیدہ کیے گئے ہیں اور اسی سے دنیا تعمیر کرنے کی سازگاری حاصل ہوتی ہے، اور حضرتِ حق تعالےٰ جل شانہٗ کے مقامِ قرب تک پہنچنے میں دیر لگتی ہے۔ اگر دیر نہ ہو تو ان حجابات کے واسطے سے دنیا کی آبادی ممکن نہ ہو۔ پس مقامِ قرب سے دُور ہونے کی وجہ سے دنیا کی تعمیر کے لیے حکمت و خلافت و نیابت زمین میں قائم ہوئی۔ پس اللہ تعالےٰ کی عبادت کے لیے ہر کام سے کنارہ کشی اختیار کرنے اور سامانِ معاش سے منھ پھیر لینے سے وہ حجابات جو اُس کی ذات میں پوشیدہ ہیں ہر روز اُٹھتے جاتے ہیں اور جس قدر حجابات اُٹھتے جاتے ہیں اسی قدر کشش و ترقی حاصل ہوتی ہے۔ اور قربِ خداوندی کا مقام نصیب ہوتا ہے جو سارے علوم کا مرکز و مجمع ہے۔ پس جب چالیس دن پورے ہوتے ہیں تو تمام حجابات دُور ہو جاتے ہیں اور اُس پر علوم و معارف کی بارش ہونے لگتی ہے۔ اب معلوم کرو کہ چلّے کی صحت و تاثیر کی علامت اُس کے اخلاص و وفا کی شرائط پر منحصر ہے۔ اور اُس کی شرائط یہ ہیں کہ دنیا میں پوری پرہیزگاری اختیار کرے، سرائے غرور سے دُور رہے اور سرائے سرور میں قدم رکھے کیونکہ ظہورِ حکمت کے لیے دنیا میں زہد اختیار کرنا ضروری ہے۔ جو شخص دنیا میں پرہیز نہیں کرتا اُس پر حکمت ظاہر نہیں ہوتی جس کو چلّے کے بعد بھی حکمت ظاہر نہ ہو اُسے جاننا چاہیے کہ چلّے کی شرائط میں خلل واقع ہو گیا ہے۔ اب معلوم کرو کہ ایک گروہ نے خلوت گزینی اور چلّہ نشینی کے طریق میں غلطی کی ہے اور نقصان اُٹھایا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ وہ کسی پیشوائے کامل کی رہنمائی کے بغیر خلوت اختیار کرتے ہیں اور شیطان کے تصرف میں آ جاتے ہیں۔ وہ سن چکے ہوتے ہیں کہ مشائخ صوفیہ نے خلوت اور چلّہ نشینی اختیار کی ہے اور اس سے ان کو کمالات اور عجیب و غریب فوائد حاصل ہوئے ہیں اور مکاشفات کے دروازے کھل گئے ہیں تو یہ لوگ بھی

اسی ہوس اور غرض کو لے کر خلوت نشینی اختیار کرتے ہیں اور یہ بڑا فریب اور سخت گمراہی ہے۔ وہ یہ نہیں جانتے کہ ان بزرگوں نے اپنے دین کی سلامتی کے لیے خلوت و تنہائی اختیار کی ہے۔ وہ اس تنہائی میں اپنے نفس کے حالات کو تلاش کرتے ہیں اور خلوصِ نیت کے ساتھ اپنے اعمال کو اللہ تعالےٰ کے حضور میں پیش کرتے ہیں۔ پس یہ غلطی یہاں سے شروع ہوتی ہے کہ وہ بغیر کسی مقتدا اور پیر کامل کے سایے کی وساطت کے اپنی عقلِ خام سے اس راستے میں قدم رکھتے ہیں (اس لیے نقصان اٹھاتے ہیں) خواجہ عطار کی روح پر رحمتوں کی بارش ہو کہ اس معنی کی طرف خوب اشارہ کیا ہے مثنوی

گر تو اے دل طالبی در راہِ اُو | می نگر از پیش و پس آنگاہ رُو
سالکاں را بین بہ درگاہ آمدہ | جملہ پشتا پشت ہمراہ آمدہ
تو چہ دانی تا کدامی رہ رَوی | دز کدامی رہ بدان درگہ شوی
ہست با ہر ذرّہ درگاہے دگر | پس بہ ہر ذرہ بدو راہے دگر

(اے دل اگر تجھے اُس کے راستے کی تلاش ہے تو آگے پیچھے اچھی طرح دیکھ کر قدم اُٹھا۔ اس راہ کے چلنے والوں کو دیکھ کہ سب کے سب گروہ در گروہ ایک ساتھ اس کے دربار میں پہنچ رہے ہیں۔ تو کیا جانے کہ کس راستے پر چل رہا ہے اور کس راستے پر چل کر اُس کے دربار میں حاضر ہوگا۔ تجھے معلوم نہیں کہ ہر ہر ذرے میں اس کا ایک جداگانہ دربار ہے اور ہر ذرّے سے اُس کے دربار میں پہنچنے کا ایک نیا راستہ ہے)۔ بزرگوں کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھ سے استقامت چاہتا ہے اور تو خدا سے کرامت مانگتا ہے۔ اور صدیقوں پر جو کچھ اُن کے شوق اور صدقِ فراست کی وجہ سے ظاہر ہوتا ہے اور آیندہ پیش آنے والے حالات و واقعات اُن پر روشن ہو جاتے ہیں اور بعض لوگوں پر اس طرح کا انکشاف نہیں ہوتا تو اس میں ہرج یا عیب نہیں ہے بلکہ ہرج و عیب اس وقت ہے جب اُن کا حال استقامت سے پھر جائے۔ اور صدیقوں پر جو باتیں منکشف ہوتی ہیں وہ اُن کے یقین کی زیادتی کا سبب ہوتی ہیں اور ان کے مجاہدے کی سچائی اور اخلاقِ حمیدہ متخلّق ہونے کی دلیل ہوتی ہیں۔ اور اگر کسی ایسے شخص پر اس طرح کی باتیں ظاہر ہوں جو اوامر و احکام شریعت کا پابند نہیں ہے تو یہ اُس کے بُعد کو بڑھانے والی اور حماقت و غرور کا موجب ہوتی ہیں۔ اس کی وجہ سے وہ اپنی نگاہ میں لوگوں کو حقیر و مجبور سمجھتا ہے، اور یہاں تک نوبت پہنچتی ہے کہ اسلام کا حلقہ اس کی گردن سے نکل جاتا ہے اور

حدودِ احکام اور حرام و حلال سے انکار کرنے لگتا ہے۔ اور سمجھتا ہے کہ عبادت کا مقصد صرف یہ ہے کہ خدا کا ذکر کرے اس لیے سنّت کی پیروی ترک کر دیتا ہے اور الحاد و زندقہ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اور اسی فرقہ کی ایک جماعت ایک عرصہ خلوت و ریاضت میں مشغول رہ کر اس غرور میں مبتلا ہو جاتی ہے کہ وہ غیبی آواز سنتے ہیں اور جو خیال اُس کے دل میں گزرتا ہے اُسے خواب کی طرح دیکھتے ہیں تو یہ گمان کرنے لگتے ہیں کہ جس پر یہ حالات وارد ہوں وہ انتہا کو پہنچ گیا اور کامل ہو گیا۔ اب اُسے کسی چیز کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اسی کو وہ وصال کہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم نے اپنا وہ مقصد حاصل کر لیا ہے جس کے لیے عبادات اور ترکِ معصیت کی ضرورت تھی اب ہمارے لیے گناہ کا ارتکاب اور نماز و عبادات ترک کرنے میں کوئی نقصان نہیں ہے اور یہ شعر پڑھا کرتے ہیں۔ رباعی۔

در کوئے خرابات چہ درویش چہ شاہ	در راہِ یگانگی چہ طاعت چہ گناہ
بر کنگرۂ عرش چہ خورشید چہ ماہ	رخسارِ قلندری چہ روشن چہ سیاہ

(شراب خانے میں بادشاہ اور فقیر کی کوئی تمیز نہیں سب برابر ہیں۔ اور اتحاد و یگانگی کے راستے میں عبادت اور گناہ یکساں ہیں۔ عرش کی بلندی پر سورج اور چاند مساوی ہیں اور مست قلندر فقیر کا چہرہ سفید ہو یا سیاہ کوئی فرق نہیں ہوتا)۔ یہ نادان اتنے حقیر اور مفلس ہوتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی بات میں ان کی بزرگی اور شان کا پاس و لحاظ نہ کرے یا اُن کے پیٹھ پیچھے ان کے کسی عیب یا نقصان کا ذکر کرے تو تمام عمر اُن کے دشمن ہو جائیں گے باوجودے کہ اُن کو اپنے کمال کا دعوے ہوتا ہے اور ظاہر کرتے ہیں کہ غصہ اور غرور کی صفات سے وہ پاک و صاف ہو چکے ہیں بس یہ نادان اگر مردِ کامل ہو چکے ہوتے اور ریاضت و مجاہدہ سے ان کو پورا فائدہ ہوا ہوتا تو ایسی باتوں کی پروا نہ کرتے جب وہ خود ایسی صفتوں میں مقید ہیں تو انھیں کمال کا دعویٰ کرنا زیب نہیں دیتا۔ یا یہ کہ اگر کوئی شخص فی الواقع ایسا ہو گیا ہے کہ عداوت، غصہ اور شہوت کا شائبہ اس میں باقی نہیں رہ گیا ہے اور اس طرح کی باتیں زبان پر لاتا ہے تو مغرور ہے۔ کیونکہ کسی حالت میں اس کا درجہ انبیاء علیہم السلام کے درجہ سے آگے بڑھنے کی مجال نہیں رکھتا۔ اور پیغمبران علیہم السلام میں یہ صفت موجود تھی کہ وہ اپنی خطا و ذلّت پر گریہ وزاری کرتے تھے اور صدیق لوگ صغیرہ گناہوں سے بھی پرہیز کیا کرتے تھے۔

اور اس شک و شبہ میں کہ یہ کھانا جو بظاہر حلال سمجھا جاتا ہے کہیں مشتبہ نہ ہو اُس حلال غذا کو بھی چھوڑ دیتے تھے اور ہمیشہ تقویٰ اور پرہیز گاری کے راستے پر چلتے تھے۔ اور یہ لوگ اپنے کام کے خوف و خطر کی وجہ سے ہر وقت اپنی موت اور نیستی چاہتے تھے۔ لیکن یہ نادان و احمق لوگ ایسا سمجھتے ہیں کہ وہ شیطاں کے قابو سے باہر ہیں۔ اور ان کا مرتبہ پیغمبروں کے مرتبے سے زیادہ ہے (العیوذ باللہ!) اور جن باتوں سے پیغمبروں کو نقصان ہوتا تھا ان کو نہیں ہوتا۔ اور اگر وہ یہ کہتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جو کچھ کیا ہے خلق کی نصیحت اور فائدے کے لیے کیا ہے تو اُن کو جاننا چاہیے کہ اگر ایسا ہوتا تو صدقے کے ایک کھجور کو منھ میں چبا کر کیوں تھوک دیتے۔ اگر کھا جاتے تو اس سے خلق کو کیا نقصان پہنچ سکتا تھا جبکہ عام لوگوں کے لیے صدقہ حلال ہے۔ مگر بزرگانِ دین تو ابتدا ہی جانتے ہیں کہ جس کی خواہشاتِ نفسانی مغلوب و مقید نہیں ہیں وہ کچھ بھی نہیں ہیں۔ اے بھائی، آدمی کا نفس بڑا ہی مکار اور فریبی ہے۔ ہمیشہ جھوٹے دعوے کرتا اور ڈینگیں مارا کرتا ہے کہ ہمارے نفس کی خواہشات مغلوب ہو چکے ہیں تو اُس سے اس دعوے کی دلیل مانگنا چاہیے۔ یقیناً اُس کے پاس کوئی دلیل نہ ہوگی جب تک کہ اپنے حکم و ارادے سے قدم روک کر شریعت کے فرمان کے مطابق نہ چلے گا۔ اگر وہ پوری رغبت کے ساتھ شرعی احکامات پر کاربند ہے تو بیشک سچ کہتا ہے۔ اور اگر احکامِ شرعی میں رخصت اور تاویلیں تلاش کر کے اپنی خواہشات کی موافقت کرتا ہے تو وہ بدبخت ابھی تک نفس کی قید میں اسیر ہے۔ اگر اُس پر غصہ اور غضب غالب ہے تو وہ آدمی کی صورت میں کتا ہے، اگر پیٹ کا بندہ ہے تو جانور اور چوپایہ ہے، اگر شہواتِ نفسانی میں مقید ہے تو سُور ہے اور اگر لباس و آرائش اور شان و تجمل میں مبتلا ہے تو وہ مرد کی صورت میں عورت ہے۔ لیکن جس نے اپنے آپ کو شریعت کے احکام سے سنوارا اور آزمایا ہے اور اپنی لگام شریعت کے ہاتھ میں دیدی ہے جس طرف شریعت اُسے موڑتی ہے مُڑ جاتا ہے اُس وقت اس کی صفتیں مغلوب و مقید ہو جاتی ہیں۔ پس جو لوگ اربابِ بصیرت تھے انھوں نے اپنے کاموں کی حقیقت کو جیسی کہ ہے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے، اور اپنی آخری سانس تک تقوے کی لگام اپنے نفس سے ڈھیلی نہیں کی ہے اور اُسے سختی سے روک رکھا ہے۔ ایک بزرگ نے نزع کے عالم میں شیطان کو دیکھا۔ شیطان نے کہا "جاؤ، تم میرے ہاتھ سے بچ کر نکل گئے"۔ انھوں نے کہا "ابھی نہیں، ابھی تو ایک سانس باقی ہے"۔ پس صاحبانِ دین اور اربابِ علم و یقین نے اپنی

عاقبت کو اس نظر سے دیکھا ہے اور خطرات کو ایسے محسوس کیا ہے۔ اے مجبور و ناتواں یہ کام تیرے دست و بازو کے لائق نہیں۔ اگر ہو سکے تو زندگی کی باقی سانسوں کو کسی بزرگ کے جوتوں کے سایے میں گزار دے۔ اور یہ نہ کر سکے تو اپنی بھلائی سے ہاتھ دھو ڈال ؎

ہر کہ شد در کارِ صاحب دولتے نہ بُدش در راہ ہرگز خجلتے

تا نیفتد بر تو مردے را نظر از وجودِ خویش کے یابی خبر

(جو شخص کسی بزرگ صاحب دولت کے سایے میں آگیا اُس کو راستے میں کسی طرح کی شرمندگی کا سامنا نہ ہوگا۔ جب تک تیرے اوپر کسی مردِ کامل کی نظر نہیں پڑتی تو تجھے اپنے وجود کی بھی کوئی خبر نہیں ہو سکتی)۔ اے بھائی اس راستے میں صدیقوں کے پتے پانی ہو چکے ہیں اور کبر و غرور میں مبتلا لوگ غفلتوں کی مسند پر بیٹھ کر زمانے کی نیرنگیوں میں زندگی گزار رہے ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا "یا رسول اللہ میں نہیں جانتا کہ خدائے تعالیٰ نے ازل میں میرے متعلق بھی وہی جانا ہے جو ابلیس کے حق میں جانا ہے"۔ یہ حیرت سبھوں کو ہوئی ہے۔ جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِکَ (تو جانتا ہے جو کچھ میرے دل میں ہے اور میں نہیں جانتا جو کچھ تیرے دل میں ہے) کہا جاتا ہے کہ انبیاء اور صدیق لوگ ہر چند کہ بے خوف ہوتے ہیں اور انھیں عاقبت و خاتمت کی فکر لاحق نہیں ہوتی۔ پھر بھی عبادت میں کوتاہی اور تقصیر میں شرمندگی سے ضرور ڈرتے ہیں اور اس خیال سے کانپتے رہتے ہیں کہ اُن سے کوئی ایسی حرکت نہ ہو جائے کہ عتاب و ملامت کے مستحق ہو جائیں۔ کیونکہ مقام قرب میں عتاب و ملامت مقامِ بُعد کے اعتبار سے نہایت سخت اور دشوار تر ہوتی ہے اسی راز کو اس شعر میں بہت خوب بیان کیا ہے ؎

منم اندریں تفکر بہ تامل و تدبر شب و روز در تحیر کہ شود چگونہ حالم

(میں رات دن اسی ادھیڑ بُن اور سوچ بچار میں حیران و پریشان رہتا ہوں کہ میرا کیا حال ہوگا) اسی مقام پر کہا جاتا ہے کہ عارف کا پہلا درجہ حیرت سے شروع ہوتا ہے اور آخری درجہ بھی حیرت پر تمام ہوتا ہے پہلی حیرت شکرِ نعمت میں ہوتی ہے جیسا کہ کوئی شخص کسی پر نوازش و احسان اس درجہ کرے کہ وہ شرم کی وجہ سے حیران و سرگرداں ہو جائے۔ اور دوسری حیرت وہ ہوتی ہے کہ وہ بالیقین جان لیتا ہے کہ

میں خواہ کتنی ہی نیازمندی بجالاؤں میری نیازمندی وصال کا سبب ہرگز نہ ہوگی۔ اس لیے اول بھی حیرت ہوتی ہے اور آخر بھی حیرت ہوتی ہے۔ جیسا کسی حیران و سرگرداں حال نے کہا ہے ؎

بہ ثوابِ اہلِ جنت بعقابِ اہلِ دوزخ — من ازیں میاں ندانم کہ کیا کم از کدامان

(اہلِ جنت ثواب میں ہیں اور اہلِ دوزخ عذاب میں۔ ان دونوں کے درمیان میں کون ہوں اور کس میں ہوں، یہ میں نہیں جانتا)۔ والسلام:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ستانویواں مکتوب ۹۷

موت کے بیان میں

عزیز بھائی شمس الدین۔ معلوم ہو کہ آدمی تین قسم کے ہوتے ہیں ایک حریص لالچی، دوسرے تائب مبتدی۔ تیسرے عارف منتہی۔ حریص لالچی موت کو یاد نہیں کرتا۔ اور (کبھی) یاد کرتا بھی ہے تو اس لیے کہ اپنی دنیا کے چھوٹ جانے پر افسوس کرے اور دنیا ہی کی بھلائی میں مشغول رہے۔ ایسے شخص کو موت کی یاد بھی خدا سے دُور کر دیتی ہے۔ لیکن تائب مبتدی موت کو اس لیے یاد کرتا ہے کہ اُس کے دل میں خوف و خشیت پیدا ہو اور وہ پوری طرح توبہ پر استقامت حاصل کرے۔ اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ موت سے نفرت کرتا ہے اس لیے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اتمامِ توبہ، اصلاحِ اعمال اور توشۂ آخرت جمع کرنے سے پہلے ہی موت نہ آجائے۔ اور اس طرح موت سے نفرت کرنے میں وہ معذور و معاف ہے اور اس وعید کے حکم میں نہیں آتا کہ مَنْ کَرِہَ لِقَاءَ اللّٰہِ کَرِہَ اللّٰہُ لِقَائَہٗ (جس نے خدا کے دیدار سے کراہت کی اللہ تعالیٰ اس کو دیکھنا پسند نہیں فرماتا)۔ کیونکہ وہ خدا کے دیدار سے کراہت نہیں کرتا بلکہ اپنی تقصیر اور دیدارِ الٰہی کے فوت ہو جانے سے ڈرتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص اپنے محبوب کے دیدار میں اس لیے توقف کرتا ہے کہ دیدار کی استعداد حاصل کرنے میں مشغول ہو جاتا ہے تاکہ وہ ایسے بہتر طریقے سے دیدار کرے کہ اُس کے نزدیک پسندیدہ ہو۔ اس کو دیدار سے کراہت کرنے والا نہ جانیں بلکہ دیدار کی شرائط پورا کرنے میں ہمہ تن منہمک رہتا ہے۔ اگرچہ یہ شرائط بذاتِ خود دیدار نہیں مگر دیدار کے اسباب میں اس لیے یہی اُس کی دوستی کی علامت ہوتی ہے کہ وہ ہمیشہ اسی دُھن میں لگا رہتا ہے اور کسی دوسرے

کام کی طرف توجہ نہیں کرتا۔ لیکن عارف منتہی ہمیشہ ہر آن موت کو یاد کرتا ہے کیونکہ موت لقائے دوست کی وعدہ گاہ ہے اور عاشق کبھی دوست کی وعدہ گاہ کو فراموش نہیں کرتا۔ اور اپنی تمام حالتوں میں موت کو پسند کرتا بلکہ محبوب رکھتا اور اُس کے لیے بیقرار رہتا ہے تاکہ اس سرائے معاصی کی قید سے رہا ہو کر قرب وجوارِ دوست میں داخل ہو جائے۔ جیسا کہ حذیفہ رضی اللہ عنہ سے نقل ہے کہ انھوں نے خدا سے دعا کی "خداوندا! تو جانتا ہے کہ مجھے امیری سے غریبی زیادہ پسند ہے، اور تندرستی سے بیماری زیادہ عزیز ہے اور زندگی سے موت کو زیادہ دوست رکھتا ہوں تو میرے لیے موت کو آسان کر دے تاکہ تیرے دیدار کی دولت حاصل کر سکوں۔ اب معلوم ہو گیا کہ تائب مبتدی موت سے اکراہ کرنے اور اس کی آرزو سے بچنے میں معذور ہے۔ لیکن یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان دونوں میں بلند مرتبہ وہ ہے جو اپنی طرف سے کسی تصرف کو درمیان میں نہ لائے اور اپنا کام بس خدا پر چھوڑ دے۔ اپنے نفس کے لیے نہ زندگی اختیار کرے نہ موت مانگے یہی تسلیم ورضا کا مقام ہے اور یہی منتہی لوگوں کی حد ہے بہرحال موت کا ذکر نعمت کی لذتوں کو مکدر کرتا ہے اور جو چیزیں انسان کی لذتوں اور شہوتوں کو مکدر اور بے مزہ کرنے والی ہیں وہ نجات کا سبب ہوتی ہیں۔ اسی طرف اشارہ ہے جو یہ فرمایا ہے اَكْثِرُوْا ذِكْرَ هَادِمِ اللَّذَّاتِ (ہادم لذات یعنی موت کو زیادہ یاد کیا کرو) تاکہ تمھارے دل کا رجحان ان لذتوں کی طرف سے ہٹ جائے اور خداوند تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائے۔ حدیث شریف میں ہے کہ فرمایا لَوْ اَنَّ الْبَهَائِمَ تَعْلَمُ مِنَ الْمَوْتِ مَا تَعْلَمُوْنَ مَا اَكَلْتُمْ مِنْهَا سَمِيْنًا (اگر چوپائے موت کے متعلق اتنا جانتے جتنا تم جانتے ہو تو تم کسی فربہ جانور کا گوشت نہ کھا سکتے)۔ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا "یا رسول اللہ: شہدا کے ساتھ کس کا حشر ہو گا؟ آپ نے فرمایا نَعَمْ مَنْ يَّذْكُرُ الْمَوْتَ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ عِشْرِيْنَ مَرَّةً (ہاں، جو شخص دن رات میں بیس مرتبہ موت کو یاد کرتا ہے)۔ روایت ہے کہ فرمایا تُحْفَةُ الْمُؤْمِنِ الْمَوْتُ (مومن کا تحفہ موت ہے) کیونکہ دنیا مومن کا قید خانہ ہے کیونکہ جب تک وہ اس دنیا میں رہے ہمیشہ رنج ومصیبت میں مبتلا رہتا ہے اور موت اس قید سے رہائی ہے اور قید سے آزادی ایک تحفہ ہوتی ہے۔ اور یہ بھی فرمایا ہے اَلْمَوْتُ كَفَّارَةٌ لِكُلِّ مُسْلِمٍ (موت ہر مسلمان کے لیے کفارہ ہوتی ہے)۔ اس لیے وہی شخص موت کا طالب ہو گا جو حقیقت میں مسلمان ہے نہ کہ ہماری اور تمھاری طرح۔ مومن حقیقت میں وہ ہے کہ جس کے ہاتھ اور زبان سے

تمام مسلمان سلامت اور محفوظ رہیں اور مومنوں کے اخلاق اس کے کردار میں ثابت ہوں اور اس کا دامن گناہِ صغیرہ کے علاوہ گناہِ کبیرہ سے آلودہ نہ ہو۔ ایسے شخص کو موت پاک و صاف کردیتی ہے حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ موت نے دنیا کو ذلیل و رسوا کردیا ہے۔ اس نے کسی صاحبِ عقل و دانش کو شاد و خرم نہیں چھوڑا۔ ایک خردمند نے اپنے بھائیوں میں سے ایک شخص کو لکھا۔ "اسی جہان میں موت سے ڈرو قبل اس کے کہ دوسرے جہان میں جاؤ۔ کیونکہ اگر اس جگہ تم موت کی تمنا کروگے تو نہ پاؤگے۔ اور جب ابنِ سیرین رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے موت کا ذکر کرتے تو ان کے تمام اعضا ایسے شل ہوجاتے کہ وہ کوئی کام نہ کرسکتے۔ اور عمر بن عبدالعزیز ہر رات فقیہوں کو جمع کرتے اور مرگ و قیامت و آخرت کو یاد کرتے اور اس طرح روتے تھے جیسے ان کے سامنے جنازہ رکھا ہوا ہے۔ اور حضرت خواجہ ربیع تیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ دو باتوں نے مجھے دنیا کی لذتوں سے بیزار کردیا ہے ایک موت کی یاد، دوسرے دربارِ خداوندی میں کھڑے ہونے کا خیال۔ اور کعب احبار رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے "جس شخص نے موت کو پہچان لیا دنیا کے سارے غم اور مصیبتیں اس پر آسان ہوگئیں۔ اور مطرف رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی کہنے والا بصرہ کی مسجد میں مجھ سے کہہ رہا ہے کہ موت کا ذکر ڈرنے والوں کے دلوں کو ٹکڑے ٹکڑے کردیتا ہے۔ نقل کرتے ہیں کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سامنے موت کا ذکر کرتے تو ان کے جسمِ مبارک سے خون ٹپکنے لگتا۔ پس اے بھائی! رات دن میں کم سے کم بیس مرتبہ موت کو یاد کرنا اپنے اوپر لازم کرلو۔ اور جہاں تک ممکن ہو اس کی استعداد حاصل کرنے میں مشغول رہو اور ہر وقت منتظر رہو کہ کب آتی ہے۔ حکیم قعقاع نے کہا ہے کہ میں تیس سال سے موت کی تیاری کر رہا ہوں اگر ابھی آجائے تو میں کسی وجہ سے بھی ادنیٰ تاخیر پسند نہیں کروں گا۔ امام ثوری رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا کہ میں نے کوفہ کی مسجد میں ایک بوڑھے آدمی کو دیکھا وہ کہتا تھا کہ "میں اس مسجد میں تیس برس سے موت کا انتظار کر رہا ہوں کہ کب آتی ہے۔ اگر آجائے تو پھر کسی خیر کا انتظار نہ کروں گا۔ ذرا بھی دیر نہ ہونے دوں گا۔ میرا کسی پر یا کسی کا میرے اوپر کوئی حق نہیں ہے جس کا خیال آئے"۔ ایک بزرگ نے کسی کو خط لکھا کہ "دنیا خواب ہے اور آخرت بیداری ہے اور ان دونوں کے درمیان موت ہے۔ اور ہم خوابِ غفلت میں مبتلا ہیں"۔ اے بھائی! اگر

بندے کے سامنے کوئی غم واندوہ اور خوف وعذاب نہ ہو تو صرف موت اور سکراتِ موت کا خیال کافی ہے۔ کیونکہ اس کے تصور سے دنیا کی ساری لذتیں بے مزہ اور تمام خوشیاں بے لطف ہو جاتی ہیں۔ اور تمام غفلتیں، بیداری سے بدل جاتی ہیں۔ اور یہاں تک کہا گیا ہے کہ تلوار مارنے، آری سے کاٹنے اور ناخن سے گوشت کو جدا کرنے کی تکلیف سے بھی موت زیادہ سخت اور دشوار ہے۔ یہ اسی بنا پر ہے کہ حضرتِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اَللّٰھُمَّ ھَوِّنْ عَلٰی مُحَمَّدٍ سَکَرَاتَ الْمَوْتِ (خداوند محمدؐ پر سکراتِ موت کی سختیاں آسان فرمادے)۔ اسی طرح حضرت پیغمبر عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے فرمایا۔ "اے لوگو! خدا سے دعا کرو کہ مجھ پر موت کو آسان کردے۔ کیونکہ میں موت سے اس قدر ڈرتا ہوں کہ اس کا خوف مجھے موت کے عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے۔ نقل ہے کہ بنی اسرائیل کی ایک جماعت کسی قبرستان سے گزر رہی تھی۔ انھوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اِن مُردوں میں سے کسی ایک کو زندہ کردے تاکہ اس سے حالات پوچھیں۔ پس ایک مرد اپنی قبر سے باہر آیا۔ اُس کی پیشانی پر سجدے کا نشان تھا۔ اُس نے کہا "اے لوگو! تم مجھ سے کیا پوچھتے ہو۔ پچاس برس گزر چکے ہیں کہ میں نے موت کا مزا چکھا تھا۔ مگر ابھی تک موت کی کڑواہٹ میرے دل سے نہیں گئی ہے"۔ امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ "ہم کو معلوم ہوا ہے کہ مردہ موت کی تکلیف میں اس وقت تک مبتلا رہتا ہے جب تک کہ قیامت میں اپنی قبر سے نہ اُٹھایا جائے"۔ ایک شخص بیمار دل سے نزع کی حالت میں موت کی تکلیف پوچھا کرتے تھے کہ تم موت کو کیسا پاتے ہو! جب خود بیمار ہوئے اور نزع کی حالت طاری ہوئی تو لوگوں نے اُن سے پوچھا تم موت کو کیسا پاتے ہو؟ انھوں نے کہا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آسمان زمین پر پھٹ پڑا ہے اور مجھے سوئی کے ناکے سے نکالا جا رہا ہے"۔ روایت کرتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لَوْ اَنَّ شَعْرَۃً مِنْ شَعْرِ الْمَیِّتِ وُضِعَتْ عَلٰی اَھْلِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَمَاتُوْا بِاِذْنِ اللّٰہِ لِاَنَّ فِیْ کُلِّ شَعْرَۃٍ اَلَمُ الْمَوْتِ وَلَا یَقَعُ الْمَوْتُ عَلٰی شَیْءٍ اِلَّا مَاتَ (اگر مُردے کے بالوں میں سے ایک بال بھی آسمان اور زمین والوں پر رکھ دیا جائے تو حکمِ خداوندی سے سب کے سب مر جائیں۔ کیونکہ اس کے ہر بال میں موت ہوتی ہے۔ اور جس چیز پر موت واقع ہوتی تو وہ بالضرور مر جاتی ہے)۔ اور حدیث میں ہے لَوْ اَنَّ قَطْرَۃً مِنْ اَلَمِ الْمَوْتِ وُضِعَتْ عَلٰی جِبَالِ الْاَرْضِ کُلِّھَا لَذَابَتْ (اگر موت کی تکلیف کا ایک قطرہ زمین کے پہاڑوں پر

ٹپکا دیا جائے تو سب کے سب پگھل جائیں)۔ نقل ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی روح اللہ تعالےٰ کے دربار میں پہنچی تو پوچھا گیا "اے موسیٰؑ تم نے موت کو کیسا پایا؟" حالانکہ اللہ تعالےٰ خوب جاننے والا ہے موسیٰ علیہ السلام نے کہا۔ "میں نے اپنے نفس کو ایک چڑیا کی طرح پایا جو توے پر بھونی جا رہی ہو نہ مرتی ہے کہ قصہ پاک ہو اور نہ چھوڑی جاتی ہے کہ اُڑ جائے"۔ اب یہ معلوم کر کہ مرنے کے وقت مُردے کے ظاہری حال میں مستحب۔ یہ ہے کہ وہ سکون اور آرام کے ساتھ رہے۔ زبان سے کلمۂ شہادت پڑھتا رہے۔ اور خدا کے ساتھ دل میں نیک گمان رکھے۔ حدیث میں آیا ہے۔ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مرنے والوں میں تین باتوں کا خیال رکھو۔ اُس کی پیشانی بشاش ہو، آنکھوں سے آنسو جاری ہوں۔ اور ہونٹ خشک ہو جائیں تو یہ رحمتِ خداوندی ہے جو اُس پر نازل ہو رہی ہے۔ اور اگر گلا گھٹنے کی آواز پیدا ہو رہی ہے، رنگ سُرخ ہو گیا ہے اور ہونٹ سیاہ خاکستری ہو گئے ہیں تو یہ عذابِ الٰہی ہے جو اُس پر اتر رہا ہے۔ پھر بھی اس کی زبان پر کلمۂ شہادت کا جاری ہونا اچھی علامت ہے۔ اور روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَنْ مَاتَ وَهُوَ يَعْلَمُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ (جو شخص مر رہا ہے اور یہ جانتا ہے کہ خدا کے سوا اور کوئی معبود نہیں وہ جنت میں داخل ہوگا) نقل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے شخص کے پاس تشریف لے گئے جو مر رہا تھا۔ آپؐ نے اُس سے پوچھا "تیرا گمان خدا کے ساتھ کیسا ہے؟" اُس نے کہا کہ میں خدا سے امید رکھتا ہوں اور اپنے گناہوں سے ڈرتا ہوں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا لَا يَجْتَمِعَانِ فِيْ قَلْبِ عَبْدٍ فِيْ مِثْلِ هٰذَا الْوَقْتِ اِلَّا اَعْطَاهُ الَّذِيْ يَرْجُوْا وَاٰمَنَهُ الَّذِيْ يَخَافُ (ایسے وقت میں بندے کے دل میں یہ دو باتیں جمع نہیں ہو سکتیں کہ وہ اللہ تعالےٰ سے جو امید رکھتا ہے اُسے وہ پورا نہ کرے گا اور جس چیز سے وہ ڈرتا ہے اُس سے بے خوف کر دے گا۔ اے بھائی! آخر کار سب کے لیے یہی ایک راستہ ہے۔ فقیر ہو یا بادشاہ، شہنشاہوں کی سلطنت ہو یا فقیروں اور مسکینوں کا فقر و فاقہ سب اس مقام پر یکساں ہے مثنوی۔

اگر ملکت زماہی تا بہ ماہ ہست — سرانجامت بدین دروازہ راہ ست
چو بربندند ناگاہت زنخدان — ہمہ ملکِ جہان انجا زنخ دان
اگر افریدوں ور افراسیابی — درین دریا تو ہم یک قطرہ آبی

جہانے خلق در غرقاب خون اند — کہ می داند کہ زیرِ خاک چون اند

(اگر زمین سے آسمان تک تیری سلطنت ہے تو آخر کار تجھے اسی موت کے دروازے سے گزرنا ہے۔
جب اچانک موت تیرا گلا گھونٹے گی تو اس وقت تیری ساری سطوتِ شاہانہ برف کی طرح پگھل جائے
گی۔ اگر تو فریدوں کی حشمت اور افراسیاب کی شوکت رکھتا ہے تب بھی تیرا وجود اس سمندر میں پانی
کے ایک قطرے کی طرح ہے۔ سارے جہان کی مخلوق دریائے خون میں غرق ہے۔ کون جانتا ہے
کہ خاک کے نیچے ان پر کیا گزرتی ہے)۔ اگر تم کہو کہ کس حال میں خوف و رجا میں سے کوئی ایک حالت
غالب ہوتی ہے؛ تو جانو کہ جب بندہ قوی، تندرست اور صالح ہو تو خوف کا غلبہ بہتر ہے۔ اور
جب بیمار و ضعیف ہو خصوصاً سکراتِ موت کے وقت امید کا غالب ہونا اولیٰ و افضل ہے۔ علماء نے
کہا ہے کہ یہ اس لیے ہے کہ حق تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ میں شکستہ دلوں کے قریب ہوں جن کے دل
میرے خوف سے پارہ پارہ ہو چکے ہیں۔ اور موت و سکرات کے وقت امید زیادہ بہتر ہے کیونکہ
اس کا دل اپنے اُن گناہوں کے خوف سے شکستہ ہوتا ہے جو زندگی میں سرزد ہوئے ہیں۔ اور اگر تم کہو
کہ خداوندِ عزوجل کے ساتھ نیک گمان رکھنے کے متعلق احادیث موجود ہیں تو جانو کہ ایک گمانِ نیک
یہ بھی تو ہے کہ گناہوں سے پرہیز کرے، اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرے اور اس کی عبادت و فرمانبرداری
کی کوشش کرے۔ اب معلوم کرو کہ تمام امورات کی بازگشت ایک اصل و بنیاد پر ہے اور وہ ایک ایسا
نکتہ ہے جس نے کمریں توڑ دی، چہروں کو زرد اور دلوں کو پارہ پارہ کر دیا ہے اور آنکھوں سے خون
ٹپک پڑا ہے۔ اور وہ معرفت کے سلب ہو جانے کا خوف ہے۔ اور ڈرنے والوں کے خوف کی انتہا
اور غایت یہی ہے۔ اور ایک بزرگ نے فرمایا ہے کہ غم تین طرح کے ہیں۔ طاعت و عبادت کا خوف
کہ خدا جانے قبول ہوگی یا نہیں۔ گناہوں کا غم کہ بخشے جائیں گے یا نہیں اور معرفت کا خوف کہ کہیں
سلب نہ کر لی جائے۔ اور خاصانِ خدا کا کہنا ہے کہ غم صرف ایک ہے اور وہ معرفت کے سلب
ہو جانے کا غم ہے۔ اس کے علاوہ اور تمام غم آسان ہیں۔ اس لیے کہ وہ سب کسی نہ کسی طرح کاٹے
جا سکتے ہیں۔ پس تمام بزرگوں کی یہی دعا رہی ہے کہ اے بار خدا اور جو کچھ تو چاہے کر لیکن
اپنی معرفت سلب کر کے ہم کو اپنے سے جدا نہ کرنا ؂

از شوقِ لقائے ر دیتِ تو — جانہا ہمہ بے قرار گشتہ

وز خوفِ فراق قالبِ ما — در ناز و نعیم زار گشتہ

گلہائے مراد بے جمالت — در چشمِ امید خار گشتہ

(تیرے جلوۂ دیدار کے اشتیاق میں سب کی جانیں تڑپ رہی ہیں۔ تیری جدائی کے خوف سے میرا جسم ناز و نعمت میں رہتے ہوئے بھی لاغر ہو گیا ہے۔ تیرے حسن کی بہار کے بغیر میری مرادوں کے پھول میری پُرامید آنکھوں میں کانٹا ہو گئے ہیں)۔ والسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اٹھانویواں مکتوب ۹۸

وعدہ اور وعید کے بیان میں

میرے بھائی شمس الدین تمہیں معلوم ہو کہ اہلِ سنت و جماعت کا اس پر اتفاق ہے کہ وعیدِ مطلق (عذاب کا وعدہ) کافروں کے لیے اور وعدۂ مطلق (اجر و ثواب کا وعدہ) مومنوں کے حق میں ہے۔ پھر وہ مومن جو گنہگار ہے وہ کافر تو نہیں ہوتا کہ وعیدِ مطلق کی زد میں آئے اور محسن مطلق بھی نہیں ہوتا کہ وعدۂ مطلق کی امید کرے۔ اس میں لوگوں کا اختلاف ہے۔ معتزلہ کا قول یہ ہے کہ وہ اہلِ وعیدِ مطلق میں ہے۔ اگر دنیا سے گنہگار گیا تو ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔ لیکن اہلِ سنت و جماعت کا مذہب یہ ہے کہ اس کو ان میں سے کسی ایک پر مخصوص نہ کریں بلکہ موقوف رکھیں۔ اس کے لیے نہ وعدۂ مطلق ہے نہ وعیدِ مطلق۔ اس کا حکم مشیئتِ الٰہی کے ساتھ معلق ہے اگر چاہے تو اُس کو بخش دے۔ اور یہ اس کا فضل ہوگا۔ اور اگر چاہے عذاب کرے۔ یہ اس کا عدل ہوگا۔ لیکن مومن کے لیے کسی حال میں خلودِ جہنم نہیں خواہ وہ کتنا ہی گنہگار کیوں نہ ہو۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا جو مومن اس جہان سے گنہگار جاتا ہے تو اس کے ساتھ ان تین باتوں میں ایک کی جاتی ہے۔ یا اللہ تعالیٰ اُسے اپنی رحمت سے بخش دیتا ہے یا پیغمبران علیہم السلام کی شفاعت سے اُس کے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔ یا جتنا گناہ ہے اُتنا عذاب کیا جاتا ہے اور پھر آزاد کر دیا جاتا ہے۔ ع

گر گنہگاری در توبہ بست باز — توبہ کن چون در نہ خواہد شد فراز

صد فتوحت پیش باز آید ہے گر بدین درگہ بہ صدق آئی دمے

(اگر تو گناہوں میں ڈوبا ہوا ہے تو کوئی اندیشہ نہیں کیونکہ توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ جب تک یہ دروازہ بند نہیں ہوتا، توبہ کیے جا۔ اگر تو پل بھر کے لیے بھی اس دروازے میں داخل ہو جائے گا تو فتح و کامرانی ضرور تجھے حاصل ہو جائے گی)۔ اور اہل سنّت والجماعت کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ اگر خداوند بزرگ و برتر چاہے تو بندے کو صغیرہ و کبیرہ دونوں گناہوں میں عذاب کرے۔ اگر چاہے صغیرہ معاف کردے اور کبیرہ میں پکڑ لے۔ اگر چاہے کبیرہ معاف کردے اور صغیرہ میں پکڑ لے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک بندے کا گناہِ کبیرہ معاف کردے اور دوسرے کو گناہِ صغیرہ پر عذاب کرے۔ بہر حال یہ سمجھ لینا چاہیے کہ گناہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو وہ اس کی رحمت سے بڑا نہیں ہو سکتا اور گناہ کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو اگر وہ عدل وانصاف سے کام لے تو وہ چھوٹا نہیں رہے گا۔ بزرگوں نے فرمایا ہے جہاں فضل کی بارش ہو وہاں کبیرہ بھی کچھ نہیں۔ اور جہاں عدل ہو وہاں صغیرہ بھی کبیرہ ہو جاتا ہے۔ غرض یہ کہ فضل کے سامنے کبیرہ کبیرہ اور عدل کے سامنے صغیرہ صغیرہ نہیں رہ جاتا اسی راز کو یہاں بیان کیا ہے ؎

ور عدل کنی وائے بر سوائی ما گر فضل کنی یقین برستیم ہمہ

(اگر تو نے فضل کیا تو یقیناً ہم سب چھوٹ جائیں گے۔ اور اگر کہیں عدل سے کام لیا تو ہماری ذلت و رسوائی پر ہزار افسوس ہے)۔ اور ایک گروہ کا کہنا ہے کہ جس صغیرہ گناہ کو بندہ اپنے خیال میں صغیرہ سمجھ لے (اور پروا نہ کرے) وہ کبیرہ بن جاتا ہے اور جس گناہ کو بندہ کبیرہ جانتا ہے (اور خوف و خشیت میں مبتلا ہوتا ہے) وہ صغیرہ بن جاتا ہے۔ یہیں سے اس کی اصل ہے کہ بزرگوں نے کسی گناہ کو صغیرہ نہیں کہا ہے۔ الغرض اہلِ سنت کے نزدیک اگر کفر سے پرہیز کیا ہے تو سارے گناہ بخش دیے جا سکتے ہیں۔ اللہ تعالٰے نے فرمایا ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَاۗءُ (اللہ تعالیٰ شرک معاف نہ فرمائے گا اور شرک کے سوا جس گناہ کو چاہے معاف فرمائے گا)۔ یہی راز ہے جو یہاں بیان کیا ہے ؎

تو غرامت کردہ ما استادہ ایم باز آ آخر کہ در بکشادہ ایم
می کند این کار و رحمت می کند عشق بازی بین چہ حکمت می کند

گر ہمہ کس جز نمازی نیستے | حکمتش را عشق بازی نیستے
کارِ حکمت جز چنیں نبود تمام | لاجرم جودش چنیں آمد مدام

(تو واپس لوٹ آ کیونکہ ہم نے تیرے لیے دروازہ کھول دیا ہے۔ تو پشیمانی میں مبتلا ہے تو ہم تیرے گناہ معاف کرنے کو تیار ہیں۔ دیکھو عشق بازی کس حکمت سے کام کرتی ہے۔ پہلے یہ کام کرتی ہے (یعنی بندہ گناہ کرتا ہے) اور پھر وہی رحمت کرتی ہے۔ اگر تمام بندے صرف نمازی ہوتے تو اس کی حکمت کو عشق بازی کا موقع نہ ہوتا۔ حکمت کا کام سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ بالضرور اُس کی مہربانی ہمیشہ ایسی ہی رہے)۔ خداوندِ عزوجل نے بغیر کسی شرط کے مشرک کی مغفرت کی نفی کردی۔ اور شرک کے علاوہ جو گناہ ہے اُس کی مغفرت کو مشیئت سے متعلق کردیا۔ اور کبیرہ گناہ چونکہ شرک کے علاوہ ہے اس لیے چاہیے کہ صغیرہ کی طرح مشیئتِ مغفرت اُسے بھی گھیر لے تاکہ تعلیق کا پورا فائدہ حاصل ہو۔ اے بھائی امیدوار رہو، ہر چند کہ تم مفلس اور خالی ہاتھ ہو، پھر بھی مایوسی کی کوئی وجہ نہیں۔ کسی بزرگ نے کہا ہے ؎

گر درین درگہ نہ داری، ہیچ تو | ہیچ نیست افگندہ کم تر ہیچ تو
نے ہمہ زہدِ مسلّم می خرند | ہیچ بر درگاہِ او ہم می خرند

(اگر اس کے دربارِ کبریٰ میں تو بالکل خالی ہاتھ ہے اور تجھ سے زیادہ ناکارہ اور کوئی نہیں ہے تو یہ نہ سمجھ کہ وہ صرف زہد ہی کو خریدتے ہیں بلکہ ناکارہ بندے بھی اُس کے دربار میں خریدے جاتے ہیں)۔ اس آیت شریف کی شانِ نزول حضرتِ حمزہ رضی اللہ عنہ (جو حضورؐ کے چچا تھے) کے قاتل وحشی کے حق میں ہے۔ کسی شخص نے حضرت حمزہ کو شہید کرنے کے لیے کچھ مال دینے کا وعدہ کیا تھا مگر جب وحشی نے اُن کو قتل کردیا تو وہ اپنے وعدے سے پھر گیا۔ وحشی نے اپنے دل میں کہا کہ میں حضرتِ حمزہؓ کو زندہ تو نہیں کرسکتا، میں کیوں نہ اپنی ہی زندگی کی فکر کروں۔ اُس نے کسی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا اور کہلایا کہ میں نے یہ ظلم کیا ہے کیا میرے لیے صلح کی گنجایش ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہاں، اگر تو واپس لوٹ آئے (توبہ کرے) تو ضرور گنجایش ہے"۔ پھر وحشی نے کہلایا "میں اس کی ضمانت چاہتا ہوں"۔ حضورؐ نے فرمایا "میں ضمانت کرتا ہوں"۔ پھر بھی وحشی نے پیغام بھیجا "آپ کے لیے تو خدا کا یہ فرمان ہے لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ (آپ کو خود کسی

امر میں اختیار نہیں ہے) ضمانت تو اُس کی چاہیئے جس کے ہاتھ میں کچھ ہو۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ الخ۔ پھر بھی وحشی نے کہلا بھیجا "مغفرت کا حال تو اُس کی مشیئت پر موقوف ہے۔ میں نہیں جانتا کہ وہ مجھ کو بخشے گا یا نہ بخشے گا۔ میں اس سے بہتر شرط چاہتا ہوں تاکہ صلح کرلوں۔ پھر یہ آیت نازل ہوئی۔ وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَرَ وَلَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا یَزْنُوْنَ (اور وہ لوگ جنھوں نے کسی دوسرے معبود کو نہ پکارا اور کسی شخص کو بلا جرم و گناہ قتل نہیں کیا اور زنا کے مرتکب نہ ہوئے)۔ وحشی نے جواباً کہلایا میں نے یہ تینوں کام کیے ہیں۔ اور وہ مجھے نہیں بخشے گا تو میں کیوں آؤں۔ اگر اس سے بہتر کوئی بات ہو تو میں حاضر ہو جاؤں ورنہ اپنی جگہ قائم رہوں۔ جواب آیا اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا (مگر جس شخص نے توبہ کی اور عمل صالح کیا) اس نے پھر جواب کہلا بھیجا کہ یہ شرط مشکل ہے۔ میں یہ کرسکتا ہوں کہ ایمان لاؤں مگر عمل صالح کی ضمانت نہیں دے سکتا۔ کون جانتا ہے کہ میں کرسکوں گا یا نہیں۔ کوئی بات اس سے بہتر چاہتا ہوں اس پر خدا کا فرمان نازل ہوا قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰہِ، اِنَّ اللّٰہَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا، اِنَّہٗ ھُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ (کہدو! اے میرے بندو تم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے، تو خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔ اللہ تعالےٰ تمام گناہوں کو معاف کردے گا۔ یقیناً وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحمت کرنے والا ہے)۔ اس پر وحشی نے کہا ہاں، اب ہماری صلح ہے۔ اور دربارِ رسالت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گیا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی نَعْمَائِہٖ (خدا کی ان نعمتوں پر اس کا شکر اور تعریف واجب ہے)۔ اس سے معلوم ہوا کہ تمام گناہگاروں کی ساری خطائیں اُس کے دریائے فضل و کرم کے سامنے ایک قطرے سے زیادہ نہیں ہیں۔ جیسا کہ کہا ہے ؎

ہست چون دریائے فضلش بے دریغ — بردر او جرم ما یک اشک میغ
ہر کرا باشد چنان بخشایشے — کے تغیر آرد ش آلایشے

(جبکہ اُس کے فضل و کرم کا دریا بے حد و پایاں ہے تو اُس کے سامنے بندوں کے تمام گناہ بارش کی ایک بوند کے برابر ہیں۔ جس کے دربار میں بخشش کا یہ عالم ہے تو گناہوں کا میل کچیل اس میں کیا تبدیلی پیدا کرسکتا ہے)۔ اب جانو کہ جب اُس نے فرمایا اِنَّ اللّٰہَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا (بیشک اللہ سارے گناہ معاف کردے گا) تو مغفرت تمام گناہوں پر شامل ہو گئی اس میں کبیرہ و صغیرہ کی

کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اِنَّ اللّٰہَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا صَغِیْرُھَا وَکَبِیْرُھَا وَسِرُّھَا وَجَھْرُھَا (بیشک اللہ تعالیٰ تمام چھوٹے بڑے، پوشیدہ اور ظاہر گناہوں کو معاف کردے گا۔ اور یہ جو فرمایا کہ اِنَّہٗ ھُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ (وہ بیشک بخشش کرنے والا اور بڑی مہربانی کرنے والا ہے) اس کے یہ معنی ہیں کہ ہم تم کو اس لیے نہیں معاف کریں گے کہ تم معاف کیے جانے کے قابل ہو بلکہ اس لیے کہ ہماری صفت غفور اور رحیم ہے۔ ہم اپنی صفتوں کے مطابق کام کرتے ہیں تمھاری لیاقت کی بنا پر نہیں۔ اور پہلی آیت اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ الخ کا یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ جب تو نے شرک کیا تو میرا بدل قائم کیا۔ اور دوستی میں شرک وبدل کی شرط نہیں ہے۔ اور جب تو نے شرک نہ کیا تو کسی دوسرے کو میرا بدل نہ ٹھہرایا۔ اب جو تو نے گناہ کیا تو یہ بے ادبی اور گستاخی ہے اور دوستی میں بے ادبی اور گستاخی کو نظرانداز کردینے کی شرط ہوتی ہے۔ یعنی میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرمیں اسے نہیں چھوڑوں گا۔ ہاں گستاخیوں کو چھوڑدوں گا۔ فقہ میں اس کی ایک اصل ہے کہ جب وارث اور موروث کا دین ایک ہو تو کسی وجہ سے بھی موروث محروم نہ کیا جائے گا سوائے قتل کے یعنی اگر موروث نے وارث کو قتل کردیا ہے تو وراثت سے محروم ہوجائے گا۔ کیونکہ قتل سے اصل کی تخریب ہوتی ہے۔ اصل قائم رہے تو شاخیں بھی قائم رہتی ہیں۔ اسی طرح شرک سے اصلِ ایمان کی تخریب ہوجاتی ہے۔ اگر اصلِ ایمان قائم رہے تو مغفرت اُس پر واقع ہوتی ہے ایک دن شبلی رحمۃ اللہ علیہ کہیں جارہے تھے ایک آواز سنی۔ کوئی کہہ رہا تھا کُلُّ ذَنْبٍ لَکَ مَغْفُوْرٌ سِوَی الْاِعْرَاضِ عَنِّیْ (تیرے سارے گناہ بخش دیے گئے سوائے میرے ساتھ رُوگردانی کے) انھوں نے ایک آہ کی اور بیہوش ہوگئے جب ہوش آیا تو لوگوں نے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا کہ کہنے والے نے جب یہ کہا کہ "تیرے تمام گناہ بخش دیے گئے سوائے اس کے کہ تو مجھ سے منھ پھیر لے" تو میں نے خدا کا یہ کلام سماعت کیا اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ الخ۔ اس مقام پر خوف غالب رہتا ہے اور یہ لوگ خوف پر زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور جو بات کرتے ہیں اسی خوف و دہشت کے عالم میں کرتے ہیں۔ سننے والوں کو گمان ہوتا ہے کہ یہ لوگ اہلِ وعید ہیں مگر ایسا نہیں ہے۔ یہ اپنے چھوٹے گناہوں کو بھی بڑا سمجھتے ہیں۔ کیونکہ گناہ کو ہیچ سمجھنا فرمانِ حق کو خفیف جاننا ہے۔

اور گناہوں کو بُرا سمجھنا فرمانِ الٰہی کا اکرام واحترام کرنا ہے۔ یہ خدا کے لیے اپنے نفس کے دشمن ہوتے ہیں نہ کہ اپنے لیے خدا کے دشمن کیونکہ عارفوں کی صحبت نفس کے ساتھ نہیں ہوتی۔ انھیں حقوقِ نفس کی طلب کیونکر ہو سکتی ہے۔ خداوند عزوجل ان کا دوست ہے اور نفس ان کا دشمن ہے۔ دوست کے لیے دشمن سے لڑتے ہیں۔ دشمن کے لیے دوست سے لڑائی مول نہیں لیتے۔ پس جو شخص اپنے نفس کے ساتھ صلح کرتا ہے خداوند عزوجل سے لڑائی کرتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی صفائی اور پاکبازی کو دیکھتے ہوئے ان کا مطالبۂ حق ان کے نفس کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور وہ راستبازی جو ان کے اندر ہے اپنی تمام امیدیں دوسروں کے لیے اللہ تعالےٰ سے قائم کرتے ہیں۔ اور جتنا خوف ہے وہ اس طرح اپنے لیے سمجھتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے گویا تمام وعیدیں اُنھی کے لیے وارد ہوئی ہیں۔ اور تمام وعدے دوسروں کے لیے ہیں۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ بندے کا ایمان حقیقۃً اُس وقت کامل ہوتا ہے کہ اگر آسمان سے کوئی بلا نازل ہو تو سمجھے کہ یہ میرے شومیِ اعمال کی وجہ سے ہے۔ اور اگر اس کو کوئی نیکی اور بھلائی حاصل ہوتی ہے تو اُسے کسی دوسرے کے طفیل سمجھتا ہے۔ ان میں سے کسی نے کہا ہے۔ رباعی

ماگبرِ قدیم و نامسلمان ہستیم نام آورِ کفر و ننگِ ایمان ہستیم
شیطان چو بمارسد کُلہ اندازد در وسوسہ اوستادِ شیطان ہستیم

(ہم پرانے بت پرست اور کافر ہیں۔ ہم کفر میں مشہور اور ایمان کو رسوا کرنے والے ہیں، جب شیطان ہمارے پاس آتا ہے تو اپنے سر سے ٹوپی اُتار لیتا ہے۔ کیونکہ ہم وسوسہ پردازی میں شیطان کے بھی استاد ہیں)۔

حضرت خواجہ فضیل عیاض رحمۃ اللہ علیہ سے عرفات کے میدان میں عرفہ کی رات لوگوں نے پوچھا کہ آپ ان لوگوں (حجاج) کا حال کیسا دیکھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا "اگر میں ان کے درمیان نہ ہوتا تو سب کے سب بخش دیے جاتے۔ یعنی بدترین خلقِ خدا میں ہوں۔ اگر ان کی بخشش نہ ہو تو یہ میری شومی و بدبختی کی وجہ سے ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی کہ اپنی قوم میں ڈھونڈو کہ جو بنی اسرائیل میں سب سے بہتر ہو۔ انھوں نے ایک شخص کو تلاش کیا جو زہد و ریاضت سے آراستہ تھا۔ پھر خدا کا فرمان ہوا کہ اُس شخص سے کہو کہ بنی اسرائیل میں بدترین شخص کو تلاش کرے۔ اُس نے تین دنوں کی مہلت مانگی۔ چوتھے روز اپنی گردن میں رسّی باندھ کر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور کہا کہ میں بنی اسرائیل کے بدترین آدمی کو تلاش کر کے لایا ہوں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تم تو بنی اسرائیل میں سب سے زیادہ عابد

وزاہد ہو، ایسا کیوں کہتے ہو؟ اُس نے کہا "اس لیے کہ میں اپنے گناہوں کو یقین کے ساتھ جانتا ہوں، اور دوسرے کے گناہوں میں مجھے شک ہے۔ اور وہ شخص جس کے گناہوں کا یقین ہو وہ بدتر ہے اُس کے مقابلے میں جس کے گناہوں میں شک ہو۔" موسیٰ علیہ السلام پر پھر وحی نازل ہوئی "اے موسیٰ بنی اسرائیل میں وہی سب سے بہتر ہے۔ اس لیے نہیں کہ وہ سب سے زیادہ عبادت گزار ہے بلکہ اس لیے کہ وہ اپنے آپ کو بدترین خلق جانتا ہے۔" اور خواجہ سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ "میں روزانہ چند بار آئینہ دیکھتا ہوں اس خوف سے کہ کہیں میرا منہ سیاہ تو نہیں ہو گیا۔ اسی لیے کہا ہے ؎

گر تو بیش آئی زموے در نظر خویشتن را از بتے بینی بتر

مدح و ذمت گر تفاوت می کند بتگرے باشی کہ رو مےت می کند

(اگر تو بال برابر بھی اپنی نگاہوں میں بہتر نظر آتا ہے تو اپنے آپ کو ایک بت سے بھی بدتر سمجھ لے اگر تو اپنی تعریف اور مذمت میں فرق محسوس کرتا ہے تو ایک بت ساز ہے جو تیرا چہرہ بناتا ہے)۔

اے بھائی، بزرگوں نے کہا ہے کہ دنیا میں اخلاص کا نور اور نفاق کی ظلمت بندے کے چہرے سے ظاہر ہوتی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ (اُن کی پیشانی پر سجدہ کی علامت ظاہر ہوتی ہے) مگر جب تک دیکھنے والے کو وہ بصارت حاصل نہ ہو نہیں دیکھ سکتا۔ اگر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا نہ ہوتی جو آپ نے خدا سے کی کہ میری امت سے خسف (بستیوں کا زمین میں دھنس جانا) اور مسخ (چہروں کا بگڑ جانا) کو اُٹھا لے، تو اس امت میں بڑی رسوائی ظاہر ہوتی۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ اگلی امتوں میں یہ بلا تھی، مگر امتِ محمدیؐ اس سے محفوظ ہے۔ نیز خواجہ سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ میں نہیں چاہتا کہ کسی ایسی جگہ مروں جہاں لوگ مجھے جانتے ہوں، معلوم نہیں وہاں کی زمین میری لاش کو قبول کرے یا نہ کرے۔ اور میں رسوا ہو جاؤں۔ اُن کو اپنی ذات سے یہ بدگمانی تھی۔ کیونکہ وہ اپنے آپ کو بدترین مخلوق جانتے تھے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ اپنے متعلق ایسا گمان نہ کرتے۔ حالانکہ یہ اس امت کے اگلے بزرگوں میں سے ہیں۔ لیکن خداوند عزوجل نے اس امت کو ایسی رسوائیوں سے بچا لیا ہے۔ اسی راز کو یہاں ظاہر کیا ہے قطعہ

ز دردِ دین ہمہ پیرانِ رہ را محاسن ہا زخونِ دل خضاب است

ہمہ مردانِ دین را زین مصیبت جگرہا تشنہ و دلہا کباب است

(دین کے درد و اندیشے سے اس راہ کے پرانے چلنے والوں کی ڈاڑھیاں ان کے خونِ دل سے رنگی ہوئی ہیں۔ اس مصیبت سے مردانِ خدا کے جگر تشنہ اور دل جل کر کباب ہو رہے ہیں)۔

اے بھائی! اس عالمِ وجود میں اپنے کو مٹا کر نیست و نابود ہو جاؤ۔ کیونکہ ہست ہونے کا حق اُسی ذاتِ پاک کو ہے اور نیستی تمھارا حق ہے۔ آخر تم نے سنا ہوگا اَلْوُجُوْدُ بَیْنَ الْعَدَمَیْنِ عَدَمٌ (دو عدم کے درمیان جو وجود ہے وہ بھی عدم ہی ہے)۔ اپنی ہستی کا نام و نشان مٹا دو تاکہ کسی دن ہستی کا جلوہ نظر آئے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے ؎

تو مباش اصلا کمال این ست و بس   تو ز خود گم شو وصال این ست و بس

(جب تو مطلق باقی نہ رہ جائے تو سمجھ لے کہ یہ تیرا کمال ہے۔ اور جب تو اپنی خودی سے گم ہو جائے تو بس یہی وصال ہے)۔ اگر پروانوں کو اپنی ہستی کی ذرہ برابر بھی قدر و قیمت ہوتی تو اس طرح آگ کے شعلوں پر ٹوٹ کر نہ گرتے اور خاک نہ ہو جاتے۔ ساری دنیا کے عشاق اسی تمنا میں ایڑیاں رگڑتے ہیں کہ ان کو اس دنیا سے پروانوں یا دیوانوں کے ساتھ اُٹھائیں۔ اور کوئی ان کی بات پوچھنے کا روادار نہیں ہوتا۔ کسی نے کہا ہے ؎

عاشقان چون حلقہ بر در ماندہ اند   زانکہ نزدیکت کسے را راہ نیست

(تیرے دروازے پر تمام عشاق حلقہ باندھ کر پڑے ہوئے ہیں۔ اس لیے کہ تیرے پاس پھٹکنے تک کی کوئی راہ نہیں ہے)۔ عقلیں اُس کے جلال میں حیران ہیں اور فہم و خرد اس کے جمال و ادراک جبروت میں پریشان اور عاجز ہیں اور فکر و تدبیر اُس کے کاموں میں زیر و زبر ہو کر رہ گئی ہیں۔ اسی حقیقت کو یوں بیان کیا ہے رباعی۔

اے کبک ہزار باز و در بند از تو   اے آہوے شیر گیر تا چند از تو
بس کن کہ نیافت ہیچ پیوند از تو   خود را بہ غم و بلا در افگند از تو

(اے وہ، کہ تو ہزار بازو والے کبوتر کو شکار کرتا ہے۔ اے وہ کہ شیروں کو پکڑنے والے ہرن تیری قید میں ہیں۔ اب بس کر، کہ ان میں سے کسی نے تیرا قرب حاصل نہیں کیا اس لیے سب رنج و بلا میں مبتلا ہو گئے ہیں)۔ والسلام۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ننانویواں مکتوب ۹۹

دوزخ کے بیان میں

عزیز بھائی شمس الدین۔ معلوم ہو کہ تمھیں بتایا جاچکا ہے وَاِنْ مِّنْکُمْ اِلَّا وَارِدُھَا (تم میں سے ہر ایک اس میں اُترنے والا ہے)۔ یعنی آگ سب کی جائے ورود ہے۔ اور یہ آیت اس کے بعد ہی فرمائی ہے ثُمَّ نُنَجِّی الَّذِیْنَ اتَّقَوْا (پھر ان کو نجات ملے گی جنھوں نے پرہیزگاری اختیار کی)۔ پس ہمارا اس میں داخل ہونا بالیقین ہے اور اُس سے نجات پانا شک کے ساتھ ہے۔ اب دوزخ کی وادیوں اور طبقوں پر غور کرو اور دیکھو حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے اِنَّ فِیْ جَھَنَّمَ سَبْعِیْنَ اَلْفَ وَادٍ فِیْ کُلِّ وَادٍ سَبْعِیْنَ اَلْفَ شَعَبٍ وَفِیْ کُلِّ شَعَبٍ سَبْعِیْنَ اَلْفَ ثُعْبَانٍ وَ سَبْعِیْنَ اَلْفَ عَقْرَبٍ لَا یَنْتَھِی الْکَافِرُ وَالْمُنَافِقُ حَتّٰی یُوَاقِعَ ذٰلِکَ کُلَّہٗ (دوزخ میں ستر ہزار وادیاں ہیں اور ہر وادی میں ستر ہزار غار ہیں اور ہر غار میں ستر ہزار سانپ اور ستر ہزار بچھو ہیں۔ کفار اور منافقین کے عذاب کی انتہا نہ ہوگی جب تک کہ ان سبھوں سے نہ گزر لیں)۔ اور نقل ہے کہ آپؐ نے فرمایا نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ جُبِّ الْحُزْنِ اَوْ وَادِی الْحُزْنِ (ہم خدا کی پناہ مانگتے ہیں غم کے کنویں یا غم کی وادی سے)۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ غم کی وادی یا غم کا کنواں کیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وَادٍ فِیْ جَھَنَّمَ یَتَعَوَّذُ مِنْھَا جَھَنَّمُ کُلَّ یَوْمٍ سَبْعِیْنَ مَرَّۃً اَعَدَّ اللّٰہُ لِلْقُرَّاءِ الْمُرَائِیْنَ (دوزخ میں ایک وادی ہے جس سے دوزخ بھی ستر بار پناہ مانگتی ہے۔ اُس کو اللہ تعالیٰ نے دکھاوے کے عالموں اور قاریوں کے لیے بنایا ہے)۔ دوزخ کے طبقوں اور اُس کی وادیوں کا یہ حال ہے۔ اس کے شمار کا اندازہ دنیا کی آرزو اور اُس کی خواہشوں کی تعداد پر ہے۔ اور اس کے طبقات کی تعداد بدنِ انسان کے ساتوں بند کے مطابق ہے کہ آدمی انھیں جوارح کے ذریعہ گناہ کرتا ہے۔

بعض طبقے اوپر ہیں وہ جہنم کے عالی مقام ہیں اس کا نام جہنم ہے پھر سقر، پھر لظیٰ پھر حطمہ پھر سعیر پھر جحیم، پھر ہاویہ، یہ سب کے نیچے واقع ہے۔ اب ہاویہ کی گہرائیوں پر غور کرو، اس کی کوئی حد نہیں ہے جس طرح دنیاوی خواہشات کی کوئی حد نہیں ہوتی۔ اور جس طرح دنیا کی ایک خواہش ابھی پوری نہیں ہونے پاتی کہ اُس سے بڑھ چڑھ کر دوسری خواہش پیدا ہو جاتی ہے اسی طرح ہاویہ جہنم کا ایک عذاب ختم نہیں ہونے پاتا کہ دوسرا عذاب اس سے سخت تر سامنے آجاتا ہے اور ہاویہ کی گہرائی بڑھتی جاتی ہے۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر تھا۔ ہم سب نے ایک آواز سنی۔ حضورؐ نے فرمایا جانتے ہو یہ کیسی آواز ہے۔ میں نے کہا خدا اور اس کا رسولؐ ہی زیادہ جاننے والے ہیں۔ ارشاد فرمایا ھٰذَا حَجَرٌ اُرْسِلَ فِی جَھَنَّمَ مُنْذُ سَبْعِیْنَ عَامًا اَلْاٰنَ اِنْتَھٰی اِلٰی قَعْرِھَا (یہ ایک پتھر ہے جسے ستر برس پہلے جہنم میں ڈالا گیا تھا آج اِس وقت وہ اس کی تہ تک پہنچا ہے)۔ آگ میں جس قسم کا عذاب ایک شخص پر کیا جائے گا وہی عذاب اُس پر بار بار دُہرایا نہ جائے گا بلکہ ہر عذاب کی ایک حد مقرر ہو گی اس کے بعد دوسری قسم کا عذاب کیا جائے گا اور وہ اُس کے جرم و گناہ کے اندازے کے مطابق ہو گا۔ لیکن ادنیٰ درجہ کا عذاب بھی اتنا شدید ہو گا کہ اس کے مقابلے میں اگر ساری دنیا کی نعمت اور آرام پیش کیے جائیں تو سب ہیچ ہو جائیں۔ اور حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ اَدْنٰی اَھْلِ النَّارِ عَذَابًا اَنْ یَّنْعَلَ بِنَعْلَیْنِ مِنْ نَارٍ یَغْلِیْ دِمَاغُہٗ مِنْ حَرِّ نَعْلَیْہِ (دوزخ والوں کے لیے کمترین عذاب آگ کی دو جوتیاں پہنائی جائیں گی جن کی گرمی سے اس کا دماغ کھولتا ہو گا)۔ اب غور کرو کہ کم سے کم جو عذاب ہے اس کا یہ حال ہے تو جس پر سخت عذاب کیا جائے گا اُس کا کیا حال ہو گا۔ تم کو اگر آگ کی جلن اور اس کی گرمی میں شک و شبہ ہے تو ذرا اپنی انگلی آگ کے پاس لے جاؤ اور اندازہ کر لو۔ اگرچہ اس آگ کی گرمی دوزخ کی آگ کے مقابلے میں ہیچ ہے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے۔ اِنَّ نَارَ الدُّنْیَا غُسِلَتْ بِسَبْعِیْنَ مَاءً مِنْ مِیَاہِ الرَّحْمَۃِ حَتّٰی اَطَاقَھَا اَھْلُ الدُّنْیَا۔ (دنیا کی آگ دریائے رحمت کے پانی سے ستر مرتبہ دھوئی گئی ہے جب کہیں دنیا والوں کی برداشت تک ٹھنڈی ہو گئی ہے۔ بلکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے دوزخ کی آگ کی صفت اس طرح بیان فرمائی ہے۔ اَوْقَدَتْ تِلْکَ النَّارُ اَلْفَ سَنَۃٍ حَتّٰی اَحْمَرَّتْ ثُمَّ اَوْقَدَتْ

عَلَیْهَا اَلْفَ سَنَةٍ حَتّٰی اَبْیَضَّتْ ثُمَّ اُوْقِدَتْ عَلَیْهَا اَلْفَ سَنَةٍ حَتّٰی اَسْوَدَّتْ فَهِیَ سَوْدَاءُ مُظْلِمَةٌ (دوزخ کی آگ ہزار برس تک دہکائی گئی تو سرخ ہو گئی۔ پھر دوبارہ ہزار برس تک دہکائی گئی تو سفید ہو گئی۔ پھر سہ بارہ ہزار برس تک دہکائی گئی یہاں تک کہ سیاہ ہو گئی۔ پس دوزخ کی آگ کا رنگ بالکل سیاہ اور تاریک ہے)۔ اور روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِشْتَکَتِ النَّارُ اِلٰی رَبِّهَا فَقَالَتْ یَا رَبِّ اَکَلَ بَعْضِیْ بَعْضًا فَاَذِنَ لَهَا نَفَسَیْنِ نَفَسٌ فِی الشِّتَاءِ وَنَفَسٌ فِی الصَّیْفِ فَاَشَدُّ مَا تَجِدُوْنَهٗ فِی الصَّیْفِ مِنْ حَرِّهَا وَاَشَدُّ مَا تَجِدُوْنَهٗ فِی الشِّتَاءِ مِنْ زَمْهَرِیْرِهَا۔ (آگ نے اللہ تعالےٰ سے فریاد کی کہ اے میرے پروردگار میرے بعض حصّے نے میرے بعض حصّے کو کھا لیا ہے۔ تو اُس کو دو سانسوں کے چھوڑنے کی اجازت دی گئی ایک جاڑے میں اور دوسری گرمی میں۔ تم گرمیوں میں جو حدت و حرارت پاتے ہو وہ جہنم کی ایک گرم سانس ہے۔ اور جاڑے میں جو سردی پاتے ہو وہ زمہریر کی ایک ٹھنڈی سانس ہے)۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر مسجد میں سو ہزار آدمی ہوں یا اس سے بھی زیادہ ہوں اور اہلِ دوزخ میں سے کوئی ایک پھونک مار دے تو سب کے سب مر جائیں۔ حدیث میں ہے کہ دوزخ میں بختی نسل کے اونٹوں سے بھی زیادہ بڑے سانپ ہوں گے۔ جس کو کاٹیں گے وہ ان کے زہر کی تکلیف چالیس برس تک محسوس کرے گا۔ اور بچھو بھی اونٹ کے برابر ہوں گے۔ اُن کے ڈنک کا زہر بھی چالیس برس تک تکلیف دے گا۔ حضرت خواجہ حسن بصری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک مرد ہوگا جو سات ہزار سال کے بعد آگ سے باہر نکالا جائے گا۔ کاش کہ وہ شخص میں ہوتا۔ اور ایک دن آپ کو دیکھا گیا کہ ایک حجرے میں بیٹھے رو رہے ہیں۔ لوگوں نے پوچھا "آپ کیوں رو رہے ہیں؟" آپ نے کہا "مجھے اس بات کا خوف ہے کہ میں دوزخ میں ڈالا جاؤں اور آتشِ دوزخ بھی مجھے پاک نہ کر سکے۔ اسی جگہ کہا ہے۔ رباعی

اندر خورِ ما چو ہیچ پاکے نہ بود — در عالم ما حدیثِ خاکے نہ بود
روزِ رحمت نبر کہ در حضرتِ ما — از کشتنِ ہیچ پاک باکے نہ بود

(کوئی بھی پاک سے پاک ہمارے دربار کے لائق نہیں تو پھر کسی خاکی کا یہاں کیا پوچھنا۔

اُس دن رحمت کے بھروسے پر بے خوف نہ بیٹھے رہو۔ کیونکہ ہمارے دربار میں کسی پاک سے پاک کو بھی عذاب دینے میں کوئی خوف نہیں ہے)۔ جب حضرت خواجہ حسن بصری رضی اللہ عنہ کا یہ حال ہے تو ہم جیسے مشت خاک گنہگار اور خاکسار کیا چیز ہیں اور کس شمار و قطار میں ہیں۔ خواجہ احمدؒ عرب سے روایت ہی کہ ہم میں سے ہر کوئی دھوپ کے مقابلے میں سایہ کو اختیار کرتا ہے تو دوزخ کے مقابلے میں بہشت کو کیوں اختیار نہیں کرتا؟ اور حضرت عیسٰی علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا کہ بہت سے حسین و جمیل اور تندرست فصیح زبان ایسے ہوں گے جو دوزخ کے طبقوں میں چیختے چلاتے اور گریہ وزاری میں مصروف رہیں گے۔ اور حضرت داؤد علیہ السلام سے نقل ہے کہ آپ فرماتے تھے "خداوندا! میں تیری آگ کی گرمی کیونکر برداشت کروں گا جبکہ تیرے سورج کی گرمی برداشت نہیں کر سکتا۔ اور تیرے عذاب کی آواز کیونکر سنوں گا جبکہ تیری رحمت کی آواز سننے کی مجھ میں طاقت نہیں ہے"۔ ذرا ان ہستیوں کو خیال کرو اور دیکھو کہ وہ کتنے خوف و خشیت میں مبتلا رہے ہیں۔ اب جانو کہ اللہ تعالےٰ نے آگ کو بڑا ہولناک پیدا کیا ہے۔ اور اس میں داخل ہونے والوں کا ایک گروہ بھی پیدا کیا ہے۔ ان کی تعداد نہ بڑھے گی اور نہ گھٹے گی۔ یہ ایک ایسی بات ہے جو اللہ تعالےٰ کی مشیئت میں مقرر ہو چکی ہے اور اس قضاء و قدر سے قلم اُٹھا لیا گیا ہے۔ پس ہماری اور تمھاری اس غفلت پر سخت تعجب اور حیرت ہے کہ ہم کچھ نہیں جانتے کہ روزِ ازل ہمارے حق میں کیا فرمان جاری ہوا ہے۔ اگر تم کہو، کاش ہم کو معلوم ہو جاتا کہ ہمارا ٹھکانا کہاں ہے، ہم کہاں بھیجے جائیں گے اور ہمارے حق میں قضاء و قدر نے کیا لکھا ہے تو جانو کہ اس کی ایک علامت اور نشانی ہے۔ اگر تم اس علامت سے انسیت پیدا کرو تو اس کے ذریعہ سے تمھاری امیدیں صادق ہو جائیں گی۔ اور وہ علامت یہ ہے کہ اپنے حال اور اعمال کو دیکھو کہ جو شخص جس کام کے لیے پیدا کیا گیا ہے اُس کی انجام دہی بھی اُس پر آسان کر دی گئی ہے۔ پس اگر کارِ خیر کی راہیں تمھارے لیے کھول دی گئی ہیں اور اُن پر چلنا تمھارے لیے آسان ہے تو خوشیاں مناؤ کہ تم دوزخ کے عذاب سے دُور ہو۔ اور اگر ایسا ہے کہ کارِ خیر کا تم ارادہ ہی نہ کرو، اور ارادہ بھی کرو تو ایسی رکاوٹیں پیدا ہو جائیں جن کو تم

دُور نہیں کر سکتے۔ اور شریعت کی طرف بھی توجہ نہ کرو کہ اس کے ذریعہ رکاوٹوں کے دُور ہونے کا سامان مہیّا ہو جائے تو جان لو کہ یہ باتیں تمھارے لیے مقدر کر دی گئی ہیں جن کی طرف تمھاری طبیعت کا رُجحان ہے کیونکہ یہی عاقبت کی دلیل ہے۔ جیسے بارش نباتات کی روئیدگی کی، اور دھواں آگ کی دلیل ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ وَّاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ (یقیناً نیک لوگ جنت کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوں گے اور بدکردار لوگ دوزخ کی آگ میں جلیں گے)۔ اب اپنے نفس کا اس آیت کی ان دونوں حالتوں سے موازنہ کرو تاکہ اِن دو مقاموں میں سے تمھاری جائے قرار معلوم ہو جائے۔

حضرت خواجہ یحییٰ معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے۔ آپ کہتے تھے "میں نہیں جانتا کہ ان دو مصیبتوں میں سے کون سی مصیبت زیادہ سخت ہے۔ بہشت سے محروم ہونا یا دوزخ میں جانا۔ لیکن بہرحال جنت کی نعمتوں سے محروم ہونا دوزخ کی تکلیف برداشت کرنے سے زیادہ آسان ہے۔ اور ہمیشہ دوزخ میں رہنا زیادہ دشوار ہے بہ نسبت اس کے کہ کسی وقت اس سے رہائی اور عذاب سے چھٹکارا ممکن ہو۔ لیکن دوزخ کا ابدی عذاب تو بہت ہی دشوار ہے۔ کون سا دل اس کو برداشت کر سکتا ہے اور کون سا نفس اس پر صبر کر سکتا ہے۔ اِسی بنا پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ "دوزخ میں ہمیشہ رہنے کا خیال ڈرنے والوں کے دلوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے۔" دوزخ اور اُس کے عذاب کا یہ تھوڑا سا بیان ہے جو تم نے سُنا۔ یہاں ایک راز ہے اور وہ یہ ہے کہ جب موت اس دنیا کے حجاب کو اُٹھا دیتی ہے اور نفس اس دنیا کی کدورتوں سے آلودہ رہ جاتا ہے تو کلیۃً اس دنیا سے جدا نہیں ہوتا۔ اگرچہ اپنے مرتبے میں کم و بیش ہوتا ہے۔ جیسے کسی چیز پر زنگ بیٹھ جاتا ہے اور ایک ایسے آئینے کی طرح ہو جاتا ہے جس کو زنگ کی دبیز تہ نے تباہ و برباد کر دیا ہو۔ اس کی اصلاح اور صیقل و جلا کرنے کی بھی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو اپنے پروردگار سے ہمیشہ حجاب میں رہا کرتے ہیں نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْھَا۔ اور بعض لوگوں کا جوہر زنگ و کدورت کی اس حد تک نہیں پہنچتا کہ صاف ہونے اور جلا قبول کرنے کی صلاحیت مفقود ہو جائے تو اس کو دوزخ میں اِس لیے ڈالیں گے اور اُس وقت تک رکھیں گے کہ اس کا زنگ و میل دُور ہو جائے۔ اس کا آگ میں

ڈالا جانا محض تزکیہ اور صفائی کی ضرورت کے مطابق ہوگا اور اس سے ایک پل بھر بھی کمی کی کوئی گنجائش نہ ہوگی۔ اور یہ بات اکثر گنہگار مومن کے لیے ہوگی جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ سات ہزار سال میں کوئی نفس ایسا اس دنیا سے رحلت نہیں کرتا جس کے ساتھ اس دنیا کی تیرگی اور آلائش نہ باقی رہتی ہو، اگرچہ تھوڑی ہو۔ اب یہاں اس آیت کے اسرار سمجھنے کی کوشش کرو وَاِنْ مِّنْکُمْ اِلَّا وَارِدُھَا کَانَ عَلٰی رَبِّکَ حَتْمًا مَّقْضِیًّاہ (اور تم میں سے ہر ایک کے لیے اِس (دوزخ) میں سے گزرنا ضروری ہے۔ اور یہ بات تمھارے پروردگار نے لازمی مقدّر فرمادی ہے)۔ والسلام۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سواں مکتوب ۱۰۰

بہشت کے بیان میں

بھائی شمس الدین معلوم کرو کہ جب اس سرائے (دوزخ) کے درد، دُکھ اور رنج و غم جان چکے تو اس کے مقابلے میں ایک دوسری سرائے (جنت) بھی ہے۔ اب اس کی نعمتوں اور خوشیوں پر غور کرو۔ جو شخص ان میں سے کسی ایک سے دُور ہوگا لامحالہ دوسری جگہ پہنچے گا۔ پس امید اور خوف دونوں کو اپنے دل میں پیدا کرو۔ دوزخ کی ہولناکیوں کے خیال سے خوف ہوتا ہے اور جنّت کی نعمتوں کے خیال سے امید پیدا ہوتی ہے۔ تمھارا خوف ملک عظیم پانے کے لیے ہوتا ہے اور تمھاری امید، عذاب الیم سے رہائی پانے کے لیے ہوتی ہے۔ پس جب تم چاہو کہ بہشت کے اوصاف معلوم کرو تو خداوند جل وعلا کا یہ قول قرآن مجید میں پڑھو۔ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ جَنَّتَانِ (اور جو شخص اپنے پروردگار کے حضور میں کھڑے ہونے سے ڈرا اُس کے لیے دو باغ ہیں) سورہ رحمٰن کے آخر تک اور سورہ واقعہ وغیرہ۔ اور جب تم بہشت کی صفتوں اور اس کے حالات جان چکو تو اب ان کی تعداد معلوم کرو۔ پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ جَنَّتَانِ اَیْ جَنَّتَانِ مِنْ فِضَّۃٍ اٰنِیَتُھُمَا وَمَا فِیْھَا وَجَنَّتَانِ مِنْ ذَھَبٍ اٰنِیَتُھُمَا وَمَا فِیْھَا وَمَا بَیْنَ الْقَوْمِ وَبَیْنَ اَنْ یَّنْظُرُوْا اِلٰی رَبِّھِمْ اِلَّا رِدَاءُ الْکِبْرِیَاءِ

عَلٰی وُجُوهِهِمْ فِی جَنّٰتِ عَدْنٍ (اور جو شخص اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا اُس کے لیے دو جنتیں ہیں۔ یعنی دو جنتیں چاندی کی ہیں جن کے اندر تمام ساز وسامان چاندی کے ہیں۔ اور دو جنتیں سونے کی ہیں جن کے اندر تمام ساز وسامان سونے کے ہیں۔ اور خداوند رب العلمین اور اُن لوگوں کے درمیان جو اپنے پروردگار کو دیکھیں گے سوائے ردائے کبریائی کے اور کوئی پردہ حائل نہ ہوگا۔ یہ بہشتِ عدن کا ذکر ہے)۔ اب بہشت کے دروازوں کو دیکھو! وہ تعداد میں بہت ہیں۔ اور ان کا اندازہ اصولِ طاعت وعبادت کے لحاظ سے مقرر کیا گیا ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ مَنْ اَنْفَقَ زَوْجَیْنِ مِنْ مَّالِهٖ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ دُعِیَ مِنْ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ وَلِلْجَنَّةِ اَبْوَابٌ فَمَنْ کَانَ مِنْ اَهْلِ الصَّلٰوةِ دُعِیَ مِنْ بَابِ الصَّلٰوةِ۔ وَمَنْ کَانَ مِنْ اَهْلِ الصِّیَامِ دُعِیَ مِنْ بَابِ الصِّیَامِ وَهُوَ بَابُ الرَّیَّانِ۔ وَمَنْ کَانَ مِنْ اَهْلِ الصَّدَقَةِ دُعِیَ مِنْ بَابِ الصَّدَقَةِ وَمَنْ کَانَ مِنْ اَهْلِ الْجِهَادِ دُعِیَ مِنْ بَابِ الْجِهَادِ (جو کوئی خدا کی راہ میں اپنے مال میں سے دو حصہ مال خیرات کرے گا وہ بہشت کے ایک خاص دروازے سے بلایا جائے گا۔ اور جنت کے بہت سے دروازے ہیں۔ جو اہلِ نماز ہوگا وہ بابُ الصلوٰۃ سے، اور جو روزہ دار ہوگا وہ بابُ الصیام سے جس کا نام بابُ الریّان ہے، اور جو اہل صدقہ وخیرات ہوگا وہ باب الصدقہ سے اور جو صاحبِ جہاد ہوگا وہ باب الجہاد سے بلایا جائے گا)۔ حضرت امیر المؤمنین صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ آپ نے فرمایا وَسِیْقَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَی الْجَنَّةِ زُمَرًا (جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرے، وہ گروہ در گروہ جنت کی کی طرف ہنکائے جائیں گے)۔ جب بہشت کے دروازوں میں سے ایک دروازے کے پاس پہنچیں گے تو ایک درخت دیکھیں گے جس کے تنے سے دو چشمے بہہ رہے ہوں گے۔ ایک چشمہ سے اُن کو پانی پینے کا حکم دیا جائے گا۔ اور جب وہ اُس کا پانی پئیں گے تو ان کے دل کا تمام خوف ورنج دُور ہو جائے گا۔ پھر حکم کے مطابق دوسرے چشمے کے پاس جائیں گے اور اُس میں غسل کریں گے تو ان کے چہروں پر نعمت کی تازگی دوڑ جائے گی اور ایسے پاک و مطہر ہو جائیں گے کہ ان کے بال تک کبھی گرد آلود نہ ہوں گے نہ اُن کا سر میلا ہوگا، نہ بال

پریشان ہوں گے ایسا معلوم ہوگا کہ تیل مل کر سنوارے گئے ہیں۔ پھر بہشت میں داخل ہوں گے اور اُن سے کہا جائے گا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خَالِدِينَ (تم پر سلامتی ہو کہ تم دنیا میں پاک رہے۔ اب ہمیشہ کے لیے اس میں آجاؤ)۔ پھر بہشت کے غلمان (یعنی حسین و کم سن خدمت گار) اُنھیں دیکھ کر گھیر لیں گے، جیسے دنیا کے نوکر اور غلام اپنے مالک کے سفر سے واپس آنے پر گھیر لیتے ہیں۔ اور مبارک باد دیں گے کہ اللہ تعالےٰ نے تمھارے لیے یہ انعام واکرام کیے ہیں اور ایسے ایسے ساز و سامان بنائے ہیں۔ پھر ان غلاموں میں سے ایک غلام اس شخص کی منسوبہ اور معینہ حور عین سے جا کر کہے گا کہ میں نے فلاں شخص کو (اس کا نام جو دنیا میں تھا وہی لے گا) دیکھا ہے وہ آرہا ہے۔ وہ پوچھیں گی کیا تو نے اس کو دیکھا ہے؟۔ وہ کہے گا "ہاں میں نے دیکھا ہے اور وہ میرے پیچھے آہی رہا ہے"۔ یہ سن کر وہ خوشی کے مارے آپے سے باہر ہو جائے گی اور دروازے پر آکر کھڑی ہوگی۔ جب وہ شخص اپنے محل کے سامنے آئے گا اور اُس کی بنیاد کو دیکھے گا تو معلوم ہوگا کہ وہ ایک موتی کی چٹان ہے اور اُس پر سبز و سُرخ اور زرد رنگ کا محل ہے۔ پھر سر اُٹھا کر اُس کی چھت کو دیکھے گا، ایسا معلوم ہوگا کہ بجلی کی طرح روشن اور چمک دار ہے۔ لیکن وہ آگ نہ ہوگی۔ اللہ تعالےٰ اُس کے دیکھنے کی طاقت عطا فرمائے گا۔ ورنہ اُس کی چمک سے آنکھوں کی روشنی زائل ہو جاتی۔ پھر ادھر اُدھر نگاہیں پھیر کر اپنی بیویوں کو دیکھے گا۔ ہر طرف گلاس و صراحیاں رکھی ہوں گی۔ پُر تکلف بستر اور تکیے ایک دوسرے کے برابر لگے ہوں گے۔ ہر مقام پر فرش بچھے ہوں گے۔ پھر وہ مسند پر بیٹھ کر کہے گا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدَانَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ هَدَانَا اللّٰهُ (اُس خداوند کریم کی حمد و ثنا اور شکر جس نے ہم کو یہ راستہ دکھایا۔ اگر وہ ہماری ہدایت نہ فرماتا تو ہم اس قابل نہ تھے کہ ہدایت پاتے)۔ پھر ایک منادی آواز دے گا "تم ہمیشہ زندہ رہو اور کبھی تم کو موت نہ آئے۔ یہاں مقیم رہو اور کبھی یہاں سے نہ جاؤ۔ ہمیشہ تندرست رہو اور کبھی بیمار نہ ہو"۔

اب بہشت کی کھڑکیوں اور اُس کے مختلف درجات کی بلندیوں پر غور کرو۔ جس طرح یہاں لوگوں کے درمیان عبادات اور اخلاق میں فرق ہوتا ہے اسی طرح بہشت میں اُس کی مناسبت سے اجر و ثواب میں فرق ہوگا۔ اب اگر تم وہاں بہت اونچا درجہ چاہتے ہو تو کوشش کرو کہ عبادات

اور طاعتِ خداوندی کوئی تم سے سبقت نہ لے جائے (اگر کسی کو طاعت و عبادت میں اپنے سے زیادہ دیکھو تو ایسا رشک ہونا چاہیئے) جیسے تمھارا کوئی دوست یا ہمسایہ تمھارے مکان کے سامنے اونچا دروازہ یا تمھارے مکان سے زیادہ بلند مکان بناتا ہے تو تمھیں رشک ہوتا ہے۔ (اور اس تمنا میں کہ تمھارا مکان اس سے زیادہ اونچا ہوتا) تمھاری زندگی گراں ہو جاتی ہے۔ تمھاری بہتر حالت تو یہ ہے کہ تم بہشت میں اپنی جگہ بناؤ اور یہ گوارا نہ کرو کہ کوئی جماعت مرتبے میں تم سے آگے بڑھ جائے۔ کیونکہ وہاں کی ایک ایک نعمت ایسی ہے۔ اس کے مقابلے میں دنیا کی کل نعمتیں ہیچ ہیں۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اِنَّ اَھْلَ الْجَنَّۃِ لَیَرَوْنَ اَھْلَ الْغُرَفِ فَوْقَھُمْ کَمَا تَرَوْنَ الْکَوَاکِبَ الْغَابِرَۃَ فِی الْاُفُقِ مِنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لِتَفَاضُلِ مَا بَیْنَھُمْ (ساکنانِ بہشت یقیناً اپنے اوپر جھروکوں میں رہنے والوں کو اس طرح دیکھیں گے جیسے تم مشرق و مغرب سے پچھلی رات کے ستاروں کو دیکھتے ہو۔ اور یہ اُن کی فضیلت کی وجہ سے ہوگا جو انھوں نے ایک دوسرے کے درمیان حاصل کی ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ منزلیں پیغمبروں کے لیے خاص ہیں یا اور کسی کو بھی ملیں گی فرمایا ہاں! وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ رِجَالٌ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَصَدَّقُوا الْمُرْسَلِیْنَ (اُس خدا کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ جو لوگ خدا پر ایمان لائے اور پیغمبروں کی تصدیق کی۔ اور یہ بھی فرمایا اِنَّ اَھْلَ الدَّرَجَاتِ الْعُلٰی لَیَرَاھُمْ مَنْ تَحْتَھُمْ کَمَا تَرَوْنَ النَّجْمَ الطَّالِعَ فِیْ اُفُقٍ مِنْ اٰفَاقِ السَّمَآءِ وَاِنَّ اَبَابَکْرٍ وَّعُمَرَ مِنْھُمْ وَانْعَمَا (یقیناً بہشت میں اونچے مقام کے رہنے والے اپنے سے نیچے درجے میں رہنے والوں کو اس طرح دیکھیں گے جیسے تم کسی طلوع ہونے والے ستارے کو آسمان کے کسی افق میں دیکھتے ہو اور یقیناً ابوبکرؓ اور عمرؓ انھیں لوگوں میں سے ہیں بلکہ ان سے زیادہ)۔ اور حضرتِ جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَلَا اُحَدِّثُکُمْ بِغُرَفِ الْجَنَّۃِ (کیا میں جنت کے جھروکوں کی بات تم سے نہ بتاؤں؟) ہم نے کہا "ہاں، یا رسول اللہ ہمارے ماں باپ آپ پر فدا ہو جائیں!" فرمایا اِنَّ فِی الْجَنَّۃِ غُرَفًا مِنْ اَصْنَافِ الْجَوَاھِرِ کُلِّھِمْ یُرٰی ظَاھِرُھَا مِنْ بَاطِنِھَا وَبَاطِنُھَا مِنْ ظَاھِرِھَا وَفِیْھَا مِنَ النَّعِیْمِ وَاللَّذَّاتِ

وَالسُّرُوْرِ مَالَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَآ اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ (بیشک جنت میں شفاف جواہرات کی قسم کے جھروکے (کمرے) ہیں جس کے اندر سے باہر کی تمام چیزیں نظر آتی ہیں اور باہر سے اندر کی تمام چیزیں نظر آتی ہیں۔ اس میں نعمتوں، لذتوں اور خوشی و انبساط کے ایسے ایسے سامان ہیں جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے اور نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی کے دل میں اُس کا گمان گزرا ہے)۔ ہم نے کہا یا رسول اللہ یہ حجرے کس کے لیے ہیں؟ آپ نے فرمایا لِمَنْ اَفْشَى السَّلَامَ وَاَطْعَمَ الطَّعَامَ وَاَدَامَ الصِّيَامَ وَصَلّٰى بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ۔ (جس نے سلام کو ظاہر کیا، لوگوں کو کھانا کھلایا، ہمیشہ روزہ رکھا اور راتوں میں نمازیں پڑھیں جبکہ لوگ میٹھی نیند سوتے رہے) ہم نے کہا یا رسول اللہ اتنی طاقت کس میں ہے؟ آپ نے فرمایا اُمَّتِيْ يُطِيْقُ ذٰلِكَ وَسَاُخْبِرُكُمْ عَنْ ذٰلِكَ۔ مَنْ لَقِيَ اَخَاهُ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَقَدْ اَفْشَى السَّلَامَ وَمَنْ اَطْعَمَ اَهْلَهٗ وَعِيَالَهٗ مِنَ الطَّعَامِ حَتّٰى يُشْبِعَهُمْ فَقَدْ اَطْعَمَ الطَّعَامَ وَمَنْ صَامَ شَهْرَ رَمَضَانَ وَمِنْ كُلِّ شَهْرٍ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ فَقَدْ اَدَامَ الصِّيَامَ وَمَنْ صَلَّى الْعِشَاءَ الْاٰخِرَةَ وَصَلَّى الْغَدَاةَ فِي الْجَمَاعَةِ فَقَدْ صَلَّى اللَّيْلَ وَالنَّاسُ نِيَامٌ اَلْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى وَالْمَجُوْسُ (میری امت اس کی طاقت رکھتی ہے اور میں تم کو بتاتا ہوں کہ جس نے اپنے مسلمان بھائی کو دیکھ کر سلام کیا، یا سلام کا جواب دیا تو بالضرور اُس نے سلام کو ظاہر کیا۔ جس نے اپنے اہل و عیال کو شکم سیر کھانا کھلایا۔ اُس نے لوگوں کو کھانا کھلایا۔ جس نے ماہِ رمضان کے روزے اور ہر مہینے میں تین دن کے روزے (یعنی ایامِ بیض، چاند کی تیرھویں، چودھویں اور پندرھویں تاریخ) رکھے تو ضرور اُس نے ہمیشہ روزہ رکھا اور جس نے عشاء کی نماز تاخیر سے باجماعت ادا کی اور صبح کی نماز باجماعت پڑھی تو گویا اُس نے تمام رات نماز پڑھی جبکہ لوگ (یہود و نصاریٰ اور مجوس) پڑے سوتے رہے)۔ اور صحابہؓ نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ (اور بہشت عدن میں پاکیزہ اور صاف ستھرے مکانات ہیں) کے متعلق دریافت کیا، تو آپ نے فرمایا قَصْرٌ مِنْ لُؤْلُؤٍ فِيْ ذٰلِكَ الْقَصْرِ سَبْعُوْنَ دَارًا مِنْ يَاقُوْتٍ حَمْرَاءَ فِيْ كُلِّ دَارٍ سَبْعُوْنَ بَيْتًا مِنْ زُمُرُّدٍ خَضْرَاءَ فِيْ كُلِّ بَيْتٍ سَبْعُوْنَ سَرِيْرًا عَلٰى كُلِّ سَرِيْرٍ سَبْعُوْنَ فِرَاشًا مِنْ كُلِّ لَوْنٍ وَعَلٰى كُلِّ فِرَاشٍ زَوْجَةٌ مِنَ الْحُوْرِ الْعِيْنِ۔ فِيْ كُلِّ بَيْتٍ

سَبۡعُوۡنَ مَائِدَۃً عَلٰی کُلِّ مَائِدَۃٍ سَبۡعُوۡنَ لَوۡنًا مِنَ الطَّعَامِ وَیُعۡطِی الۡمُؤۡمِنَ فِیۡ کُلِّ غَدَاۃٍ مِنَ الۡقُوۡتِ مَا یَاۡتِیۡ عَلٰی ذٰلِکَ اَجۡمَعَ (بہشت میں ایک دانہ مروارید سے بنا ہوا ایک محل ہے۔ اُس محل میں یاقوتِ سُرخ کی بنی ہوئی ستر سرائیں ہیں۔ ہر سرائے میں زمرد سبز کے ستر حجرے ہیں۔ ہر حجرے میں ستر تخت بچھے ہیں۔ ہر تخت پر مختلف رنگ کے ستر فرش پڑے ہیں ہر فرش پر ایک حور عین بیٹھی ہے۔ نیز ہر سرائے میں ستر دستر خوان ہیں ہر خوان پر ستر رنگ کے کھانے چُنے ہوئے ہیں۔ اور ہر صبح مومنوں کو اتنا رزق دیا جائے گا جو سب کے لیے کافی ہوگا)

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اِنَّ حَائِطَ الۡجَنَّۃِ لَبِنَۃٌ مِنۡ ذَھَبٍ وَلَبِنَۃٌ مِنۡ فِضَّۃٍ تُرَابُھَا زَعۡفَرَانٌ وَطِیۡنُھَا مِسۡکٌ (جنت کی دیواریں سونے چاندی کی اینٹوں سے بنی ہوئی ہیں۔ ان میں زعفران کی مٹی اور مشک کا گارا استعمال کیا گیا ہے) اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا کے کلام میں جو کہا گیا ہے وَ فُرُشٍ مَّرۡفُوۡعَۃٍ مَا بَیۡنَ الۡفِرَاشَیۡنِ کَمَا بَیۡنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ (دو بستروں کے درمیان اتنا فاصلہ ہوگا جتنا فاصلہ زمین اور آسمان کا ہے)

اور حضرت زید ارقم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک یہودی حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا " اے ابوالقاسم، تم کہتے ہو کہ بہشت میں ساکنانِ بہشت کھائیں گے اور پئیں گے؟" یہ شخص اپنے دوستوں سے کہہ کر آیا تھا کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس بات کا اقرار کریں گے تو ہم ان کو شکست دے دیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بلٰی وَالَّذِیۡ نَفۡسِیۡ بِیَدِہٖ اِنَّ اَحَدَھُمۡ لَیُعۡطٰی قُوَّۃَ مِائَۃِ رَجُلٍ فِی الۡمَطۡعَمِ وَالۡمَشۡرَبِ وَالۡجِمَاعِ (ہاں، اُس خدائے بزرگ و برتر کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اُن میں سے ایک ایک مرد کو سو مردوں کی طاقت دی جائے گی کھانے پینے میں اور جماع میں) اُس یہودی نے کہا کہ "جو شخص کھاتا پیتا ہے اُس کو (پیشاب پاخانہ کی) حاجت بھی ہوتی ہے"۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حَاجَتُھُمۡ عَرَقٌ یَّفِیۡضُ مِنۡ جُلُوۡدِھِمۡ مِثۡلَ الۡمِسۡکِ فَاِذَا الۡبَطۡنُ قَدۡ ضَمُرَ (اُن کی رفع حاجت اس طرح ہوگی کہ پسینہ اُن کے بدن سے خارج ہوگا جو مشک کی طرح خوشبودار ہوگا۔ اور اُن کا پیٹ ہلکا ہو جایا کرے گا۔ نقل ہے کہ

کسی وقت ایک یہودی نے ایک بزرگ سے کہا "تمھارے مذہب میں تین مسئلے مشکل نظر آتے ہیں۔ اگر تم ان کے جوابات دو اور مثال سے سمجھا دو تو میں تمھارا دین قبول کر لوں۔"!
انھوں نے کہا وہ تین مسئلے کیا ہیں؟ اُس نے کہا۔ "تم کہتے ہو بہشت میں کھائیں پئیں گے اور بول و براز کی حاجت نہ ہوگی۔ دوسرے یہ کہ تم کہتے ہو کہ بہشت میں ایک ایسا درخت ہے جس کی شاخیں ہر جگہ پہنچی ہوئی ہیں۔ تیسرے یہ کہ تم کہتے ہو کہ جس قدر کھائیں پئیں گے بہشت کی نعمتیں کم نہ ہوں گی۔" انھوں نے جواب دیا کہ کھانے پینے پر بھی بول و براز نہ ہونے کی مثال دنیا میں یہ ہے کہ بچہ ماں کے پیٹ میں کھاتا ہے مگر بول و براز کی حاجت نہیں ہوتی۔ اور درخت کی مثال دنیا میں آفتاب ہے۔ اگرچہ وہ ایک ہے مگر اس کی کرنیں ساری دنیا میں ہر جگہ موجود رہتی ہیں۔ اور یہ کہ کھانے پینے سے نعمتوں میں کوئی کمی نہیں ہوتی اس کی مثال دنیا میں قرآنِ پاک ہے کہ ساری دنیا کے مسلمان اِسے پڑھتے سنتے اور اس کے احکام پر عمل کرتے ہیں مگر (اس کے نور اور اس کی لذت اور سرور میں) کوئی کمی نہیں ہوتی۔" یہ سن کر یہودی فوراً ایمان لے آیا اور مسلمان ہو گیا۔ اور تفسیر میں ہے کہ اگر کوئی حور دریا میں اپنا تھوک ڈال دے تو کسی دریا میں کھاری پانی نہ رہ جائے (بلکہ سارا سمندر میٹھا ہو جائے)۔ اور اگر اندھیری راتوں میں بہشت کے باہر ایک انگلی نکال دے تو رات بھی دن کی طرح روشن ہو جائے۔ اور ابوسعید خدری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے۔ آپ نے کہا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خدا کے کلام میں ہے:
كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ (گویا کہ وہ حوریں یاقوت اور مرجان کی ہیں) اَیْ یُنْظَرُ وَجْهُهَا فِیْ خَدْرِهَا اَصْفٰی مِنَ الْمِرْاٰةِ وَاِنَّ اَدْنٰی لُؤْلُؤَةٍ عَلَيْهَا لَتُضِیْءُ مَا بَیْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَاِنَّهٗ یَكُوْنُ عَلَيْهَا سَبْعُوْنَ ثَوْبًا یَنْفُذُهَا بَصَرُهٗ حَتّٰی یُرٰی مُخُّ سَاقَیْهَا مِنْ وَرَاءِ ذٰلِكَ۔ (یعنی ان کے چہرے پردوں کے اندر بھی آئینے سے زیادہ صاف اور روشن دکھائی دیں گے اور اُن کے ادنیٰ درجے کے موتی کی چمک سے مغرب و مشرق کے درمیان کی فضا روشن ہو جائے گی۔ اور جبکہ اُن کے جسم پر ستر کپڑوں کا لباس ہوگا پھر بھی اُن سے نگاہیں پار ہو جائیں گی۔ یہاں تک کہ پنڈلیوں کی ہڈی کا گودا نظر آئے گا۔) اور حضرت انس رضی اللہ نے روایت کی ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لَمَّا اُسْرِیَ

فِیْ دَخَلْتُ الْجَنَّةَ رَأَیْتُ مَوْضِعًا یُسَمّٰی بِبَیْدَخُ عَلَیْهِ خِیَامُ اللُّؤْلُؤِ وَالزَّبَرْجَدِ الْاَخْضَرِ وَالْیَاقُوْتِ الْاَحْمَرِ یَقُلْنَ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقُلْتُ یَا جِبْرِیْلُ مَا هٰذَا النِّدَاءُ فَقَالَ هٰؤُلَاءِ الْمَقْصُوْرَاتُ فِی الْخِیَامِ اِسْتَأْذَنَ رَبَّهُمْ فِی السَّلَامِ فَاَذِنَ لَهُنَّ فَیَقُلْنَ وَیَقُلْنَ نَحْنُ الرَّاضِیَاتُ فَلَا نَسْخَطُ وَنَحْنُ الْخَالِدَاتُ فَلَا نَرْتَحِلُ وَقَرَأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَوْلَ اللّٰهِ تَعَالٰی حُوْرٌ مَّقْصُوْرَاتٌ فِی الْخِیَامِ۔ (جب مجھے معراج کی رات سیر کرائی تو میں جنت میں گیا۔ وہاں ایک جگہ دیکھی جسے بَیْدَخ کہا جاتا ہے، وہاں موتیوں، سبز زبرجد اور سرخ یاقوت کے خیمے نصب تھے۔ آواز آئی "السلام علیک یا رسول اللہ"! میں نے جبریل سے پوچھا "یہ کیسی آواز ہے"؟ انھوں نے کہا "یہ مقصورات خیام ہیں۔ انھوں نے اپنے پروردگار سے اجازت چاہی کہ آپ کو سلام کریں تو رب العٰلمین نے ان کو اجازت دیدی"۔ پھر وہ کہنے لگیں کہ ہم ایسی خوش رہنے والیاں ہیں کہ ہمیں کبھی غصہ نہیں آتا۔ اور ہم ہمیشہ رہنے والیاں ہیں، ہم کبھی رحلت نہ کریں گے"۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا یہ کلام حُوْرٌ مَّقْصُوْرَاتٌ فِی الْخِیَامِ پڑھا اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ تعالےٰ کے اس قول وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ (وہ پاک و صاف بیویاں ہیں) کی یہ وضاحت کی ہے کہ وہ حیض، بول و براز، پسینہ، بلغم، منی اور بچے جننے کی آلائشوں سے پاک و صاف ہیں۔ اور امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کلام فِیْ شُغُلٍ فَاکِهُوْنَ (وہ خوش طبعی اور مسرتوں کے مشغلہ میں مصروف رہیں گے) کے متعلق بیان کیا ہے کہ ان کا شغل تو بس دوشیزاؤں کا انتخاب کرنا ہوگا۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ بہشت کی کمترین منزل میں رہنے والے وہ لوگ ہوں گے جن کی خدمت کے لیے ایک ہزار خدمتگار ہوں گے۔ اور ہر ایک کے سپرد صرف ایک ہی کام ہوگا تاکہ اُس پر کوئی بوجھ نہ ہو۔ اور روایت کرتے ہیں، کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اِنَّ الرَّجُلَ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ لَیَتَزَوَّجُ خَمْسَ مِائَةِ حَوْرَاءَ وَاَرْبَعَةَ اٰلَافِ بِکْرٍ وَثَمَانِیَةَ اٰلَافِ ثَیِّبَةٍ یُعَانِقُ کُلَّ وَاحِدَةٍ مِنْهُنَّ مِقْدَارَ عُمْرِهٖ فِی الدُّنْیَا۔ (اہل بہشت میں سے ہر ایک مرد کو پانسو حوریں، چار ہزار باکرائیں اور آٹھ ہزار ثیبائیں (عورتیں) دی جائیں گی۔ اور وہ ان میں سے ہر ایک کو اپنی دنیاوی عمر کے برابر وقفہ تک اپنی بغل میں رکھے گا)۔ اور یہ بھی منقول ہے کہ بہشت میں ایک بازار ہے

جہاں خرید و فروخت نہ ہوگی۔ بس مردوں اور عورتوں کی صورتیں ہوں گی جس کا جی چاہے گا وہ اُس دن وہاں جائے گا۔ وہ عزعین حاصل کرنے کی جگہ ہے۔ وہ ایسی خوش الحانی سے پکاریں گی کہ کسی مخلوق نے نہ سنی ہوگی اور کہیں گی "ہم ہمیشہ رہنے والیاں ہیں کبھی نہیں مریں گی۔ ہم ایسی خوش عیش ہیں کہ کبھی فقیر و مفلس نہ ہوں گی (یعنی ہماری خوش عیشی میں کبھی کمی نہ ہوگی) ہم ہمیشہ شاد و خرم رہنے والیاں ہیں کبھی غصہ اور ناراض نہ ہوں گی۔ اُس شخص کو مبارک باد جو ہمارے لیے ہے اور ہم اُس کے لیے ہیں۔" ایک روایت میں ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص بہشت میں جائے گا اُس کے سرہانے اور پائنتی دو حوریں بیٹھ کر ایسی خوش الحانی سے نغمہ سرائی کریں گی کہ آدمیوں اور پریوں نے کبھی نہ سنی ہوگی۔ اور وہ شیطانی ساز و نغمے نہ ہوں گے بلکہ خداوندِ عالم کی حمد و ثنا اور تقدیس ہوگی۔ ایک شخص پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا "یارسول اللہ! بہشت میں گھوڑے بھی ہوں گے کیونکہ میں گھوڑوں سے بہت محبت کرتا ہوں؟" آپ نے فرمایا "اِنْ اَحْبَبْتَ ذٰلِكَ اُوْتِيْتَ بِفَرَسٍ يَاقُوْتَةٍ حَمْرَاءَ يَطِيْرُ بِكَ فِي الْجَنَّةِ حَيْثُ شِئْتَ (اگر تم گھوڑا پسند کرتے ہو تو تمھیں یاقوت سرخ کا گھوڑا دیا جائے گا اور بہشت میں جہاں کہیں تم جانا چاہو گے وہاں بہت جلد پہنچا دے گا) اور ایک دوسرے آدمی نے کہا "مجھے اونٹ پسند ہے۔ بہشت میں اونٹ بھی ہوں گے؟" آپ نے فرمایا يَا عَبْدَ اللّٰهِ اِنْ اُدْخِلْتَ الْجَنَّةَ فَلَكَ فِيْهَا مَا اشْتَهَتْ نَفْسُكَ وَلَذَّتْ عَيْنَاكَ (اے خدا کے بندے اگر تو جنت میں داخل کیا گیا تو وہاں جس چیز کی خواہش ہوگی اور جن چیزوں سے تیری آنکھیں لطف اندوز ہوسکیں گی سب تیرے لیے موجود ہوں گی)۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ بہشتی مردوں کے بچے بھی ہوں گے۔ اور جب وہ اولاد کی خواہش کریں گے تو استقرارِ حمل، بچے کا پیدا ہونا اور جوان ہو جانا ایک ساعت میں سب ہو جائے گا۔ اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جب اہلِ بہشت بہشت میں مقیم ہو جائیں گے تو ایک بھائی اپنے دوسرے بھائی سے ملنے کی خواہش کرے گا۔ تو ایک کا تخت دوسرے کی طرف روانہ ہوگا اور وہ ایک دوسرے سے ملاقات کریں گے۔ اور جو جو واقعے دنیا میں اُن کے ساتھ ہوئے ہوں گے ان کا ذکر کریں گے۔ اور کہیں گے "اے بھائی، تمھیں وہ دن یاد ہے

جب فلاں مجلس میں ہم دونوں نے اللہ تبارک و تعالیٰ کو ذکر و دعا کے ساتھ یاد کیا تھا۔ اُس نے ہم کو بخش دیا"۔ اور فرمایا اَھْلُ الْجَنَّةِ جُرْدٌ مُرْدٌ بِيضٌ جِعَادٌ مُكَحَّلُوْنَ اَبْنَاءُ ثَلٰثٍ وَّثَلٰثِيْنَ عَلٰى خَلْقِ اٰدَمَ طُوْلُهُمْ سِتُّوْنَ ذِرَاعًا فِيْ عَرْضِ سَبْعَةِ اَذْرُعٍ (اہل بہشت کے بدن اور چہروں پر بال نہ ہوں گے۔ اُن کا رنگ سفید اور سر کے بال گھونگھریالے اور آنکھیں سرمہ آلود ہوں گی۔ اور اُن کا سن تینتیس برس کا ہوگا۔ وہ آدم علیہ السلام کی خلقت پر قد و قامت میں ساٹھ گز کے لمبے اور اور سات گز چوڑے ہوں گے۔ اور تفسیر میں آیا ہے کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح حسین و جمیل ہوں گے۔ وہ اخلاق محمدی سے آراستہ اور حضرت داؤد علیہ السلام کی طرح خوش آواز ہوں گے۔ اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے یدِ قدرت سے پیدا کیا۔ اور توریت اپنے یدِ قدرت سے لکھا۔ اور بہشت کو اپنے یدِ قدرت سے آراستہ کیا۔ پھر اُس کو بولنے کا حکم دیا تو اُس نے کہا قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ (بیشک مومنوں نے فلاح و نجات پائی)۔ اور جو لوگ بہشت میں جائیں گے اُن میں کمترین مرتبہ کا جنتی وہ ہوگا جس کے ملک کی وسعت پانسو برس کی راہ ہوگی۔ سونے چاندی کے محل اور موتی کے خیمے ہوں گے۔ اُن کی بینائی میں اتنی طاقت عطا کی جائے گی کہ وہ اپنے ملک کی انتہائی دُور و دراز وسعتوں کو اسی طرح دیکھیں گے جیسے قریب سے دیکھتے ہیں۔ ہر صبح اور ہر شام اُن کے سامنے ستر ہزار سونے کے پیالے لائے جائیں گے۔ ہر پیالے کا رنگ دوسرے پیالے سے جدا ہوگا۔ ہر پیالے کی نعمت دوسرے پیالے سے مختلف ہوگی۔ اول و آخر ہر کھانے کا مزا یکساں مرغوب ہوگا۔ اور بہشت میں ایک یاقوت اتنا بڑا ہے کہ اس میں ستر ہزار سرائیں ہیں۔ اور سرائے میں ستر ہزار مکان ہیں جن کی دیواروں میں کہیں رخنہ یا سوراخ نہیں ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بہشت میں ایک حور ہے جس کا نام عیناء ہے۔ اُس کے دائیں بائیں ستر ہزار باندیاں ہیں۔ وہ کہے گی "کہاں ہیں وہ لوگ جو امرِ معروف (نیکی کا حکم) اور نہی منکر (بدی سے ممانعت) کرتے تھے۔ اے بھائی، یہ باتیں ہمارے تمہارے لائق ہیں جو تم نے سنیں۔ اور یہ ہمارے اور تمہارے حوصلے کی قوت تھی جو بیان کی گئی۔ لیکن بھلا وہ مرتبہ کہاں؟ لیکن پھر بھی ہم نا امید نہیں ہیں اللہ تعالیٰ چاہے تو یہ مرتبہ بھی عنایت کرے گا۔ اور وہ مرتبہ صدیقوں کا مطلوب اور ولیوں اور پیغمبروں کا مقصود ہے صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین۔ اب جانو کہ

اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰی وَزِیَادَۃٌ (اُن لوگوں کے لیے جنھوں نے خوبی کے ساتھ نیکیاں انجام دیں اجر اور زیادہ ہے)۔ یہ خداوند رب العزۃ کا دیدار ہے۔ اور یہ اتنی بڑی لذت ہے کہ بہشت کی تمام لذتیں فراموش ہو جاتی ہیں۔ حضرتِ جُریر عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے اور وہ چاند کی چودھویں رات تھی حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِنَّکُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّکُمْ کَمَا تَرَوْنَ ھٰذَا الْقَمَرَ (بیشک تم اپنے پروردگار کو اس طرح دیکھو گے جیسے اس چاند کو دیکھ رہے ہو، بے حجاب)۔ نقل ہے کہ جب اہلِ بہشت بہشت میں اور اہلِ دوزخ دوزخ میں جا چکیں گے تو ایک منادی پکار کر کہے گا۔ "اے بہشت والو، تم سے اللہ تعالےٰ نے ایک وعدہ کیا تھا"! وہ کہیں گے "خداوندا! کیا تو نے ہمارے چہرے سفید نہیں کر دیے ہیں"؟ وہ کہے گا "ابھی وہ وعدہ باقی ہے"! وہ کہیں گے "بارالٰہا! کیا تو نے ہمیں دوزخ سے بچا کر بہشت نہیں عطا فرمائی"؟ وہ کہے گا۔ "مگر وہ وعدہ ابھی باقی ہے"! وہ کہیں گے "کیا تو نے ہمارے نامۂ اعمال ہمارے داہنے ہاتھ میں نہیں دیے"؟ ہاں، ابھی وہ باقی ہے۔ اور وہ ہمارا دیدار ہے"! پھر تمام پردے اُٹھا دیے جائیں گے۔ اور وہ لوگ اپنے پروردگار کو دیکھیں گے لیکن تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا دیدار کسی عمل کا بدلہ نہیں ہے بلکہ محض اُس کا فضل و کرم ہے۔ جس طرح دنیا میں ایمان کی توفیق اور معرفت اُس نے اپنے فضلِ خاص سے عنایت فرمائی ہے۔ اسی پر اہلِ سنت والجماعت کا اتفاق ہے۔ اور حدیث میں وارد ہے کہ خداوند تعالےٰ نے حضرت رسالت صلّی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک خاص قبہ ایک دانۂ مروارید سے بنایا ہے جس کے چار ہزار دروازے ہیں۔ ہر دروازے کی کشادگی پانسو برس کی راہ ہے اور ایک دروازے سے دوسرے دروازے تک کا فاصلہ بھی پانسو برس کی راہ ہے۔ اُس قبہ میں ایک دسترخوان بچھا ہوا ہے جہاں تمام اہلِ بہشت بلائے جائیں گے اور سب ایک ہی دسترخوان پر بیٹھیں گے اور جبریل و میکائیل اور آسمان کے تمام فرشتوں کو حکم ہوگا کہ اس دسترخوان کے چاروں طرف کھڑے ہوں اور خدمت کریں۔ مومنین اس دسترخوان پر تیس لاکھ برس تک کھانا کھاتے رہیں گے۔ جب کھانے سے فارغ ہوں گے تو مشک سے سربمہر کی ہوئی شراب کی بوتلیں لائی جائیں گی۔ جیسا کہ فرمایا ہے وَخِتَامُہٗ مِسْکٌ (اُس کی مہریں مشک سے لگی ہوں گی) اُس مہر پر لکھا ہوگا ھٰذَا

شَرَابٌ طَاهِرٌ مِنْ رَّبٍّ طَاهِرٍ لِعَبْدٍ طَاهِرٍ (یہ پاک شراب پاک پروردگار کی طرف سے پاک بندوں کے لیے ہے) ہر ایک اپنا اپنا پیالہ اُٹھائے گا اور شراب پیئے گا۔ جب شراب پینے سے فارغ ہوں گے تو تمام پردے اُٹھا دیے جائیں گے تاکہ خداوند عزوجل کا دیدار کریں۔ بعض حدیث میں ہے کہ جب بہشتی بہشت میں مقیم ہو جائیں گے تو عرشِ اعظم کے نیچے سے ایک ہوا چلنے لگی گی۔ اس کا نام بادِ لطافت ہے۔ اس سے بہشت کے درختوں کی پتیاں ہلنے لگیں گی جب ایک پتّا دوسرے پتے سے ٹکرائے گا تو اس سے پاکیزہ نغمے کی آواز پیدا ہوگی اور بہشت کے کنگرے صدائے بازگشت پیدا کریں گے، بہشت کی زنجیریں ہلنے لگیں گی اور ایسی آوازِ سماع خوش آہنگی کے ساتھ پیدا ہوگی کہ مومنین اسے سُن کر وجد میں آجائیں گے۔ اللہ رب العزۃ اُن کی آنکھوں سے پردے اُٹھا دے گا اور فرمائے گا ھَا اَنَا ذَا رَبُّكُمْ فَانْظُرُوْا اِلَيَّ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ۔ (آؤ، میں تمھارا پروردگار ہوں، مجھے دیکھو۔ تم پر سلامتی ہو۔ تم پاک و صاف کیے گئے ہو اب اس جگہ ہمیشہ ہمیش رہو)۔ اور اس آیت وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا (اور ان کا پروردگار اُن کو اپنے ہاتھ سے شرابِ طہور پلائے گا)۔ کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ میں خود پلاؤں گا کسی دوسرے کی معرفت نہ بھیجوں گا۔ کیونکہ اگر کسی دوسرے کے ہاتھ سے شراب ملے گی تو تم اُس کو دیکھو گے میں خود اس لیے دوں گا کہ تم مجھ کو دیکھو۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ نیک لوگ باغِ بہشت میں ہرے بھرے درختوں کے سایے میں حور و غلمان کے ساتھ بہشتی نعمتوں کا لطف اُٹھائیں گے۔ لیکن مقربانِ خاص اللہ رب العزۃ کے دربار میں ہمہ وقت معتکف رہیں گے۔ اور اس لطفِ قربِ خداوندی کے مقابلے میں بہشت کی جملہ نعمتوں کو ذرّے سے بھی زیادہ حقیر جانیں گے۔ ابرار کی جماعت تو شکم سیری اور خواہشِ جنسی اور نفسانی لذتوں کی تکمیل میں مشغول رہے گی۔ مگر حضرت رب العزۃ کی مجلسِ قرب میں بیٹھنے والا ایک دوسرا ہی گروہ ہوگا۔ اور حضرت خواجہ حسن بصری رضی اللہ عنہ سے ایک نقل روایت ہے کہ آپ نے فرمایا بَيْنَا اَهْلُ الْجَنَّةِ فِي الْجَنَّةِ اِذَا اطَّلَعَ عَلَيْهِمُ الرَّبُّ جَلَّ جَلَالُهٗ فَيَتِيْهُوْنَ بَيْنَ جَلَالِهٖ وَجَمَالِهٖ بِثَمَانِ مِائَةِ اَلْفِ عَامٍ اِذَا نَظَرُوْا اِلَى الْجَمَالِ تَابُوْا وَاِذَا نَظَرُوْا اِلَى الْجَلَالِ ذَابُوْا۔ (جب اہلِ بہشت بہشت میں ہوں گے تو اللہ جل جلالہٗ اُن پر تجلی فرمائے گا، تو وہ جلال اور جمال کے درمیان آٹھ لاکھ برس تک استعجاب و حیرت میں پڑے رہ جائیں گے

کیونکہ جب اُس کے جمال کا نظارہ کریں گے تو خوش وخرم ہو جائیں گے اور جب اُس کے جلال کو دیکھیں گے تو پگھل جائیں گے) پگھلنے کے معنی یہاں اپنے آپ سے بے خود ہو جانے کے ہیں۔ یعنی جو کچھ لذتیں طعام وشراب اور شہوتِ حور وقصور اور اشجار وانہار کی خوشیاں ہوں گی اُن میں سے ذرہ برابر بھی باقی نہ رہ جائیں گی۔ اور بعض حدیثوں میں وارد ہے کہ جب مومنین بہشت میں آئیں گے اور قیام کریں گے تو فرمان آئے گا تَمَنَّوْا عَلَى الْمَاجِدِ الْوَاحِدِ۔ (اپنے بزرگ وبرتر پروردگارِ واحد سے آرزو کرو)۔ لیکن وہ نہ جانیں گے کہ کیا آرزو کریں۔ تو اپنے عالموں کے پاس جائیں گے اور کہیں گے کہ جب ہمیں دنیا میں کوئی مشکل پیش آتی تھی ہم آپ کے پاس آکر پوچھ لیتے تھے۔ اب ہمیں حکم ہوا ہے کہ ہم آرزو کریں۔ اب آپ بتائیے کہ ہم کیا آرزو کریں؟ علما جواب دیں گے کہ خداوند عزوجل کے دیدار کی آرزو کرو۔ اور حدیث میں ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ بندوں کو خداوند رب العزۃ کا دیدار کب ہوگا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْظُرُ إِلَى رَبِّهِ فِي الشَّهْرِ مَرَّةً وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْظُرُ إِلَى رَبِّهِ فِي الْجُمُعَةِ مَرَّةً وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْظُرُ إِلَى رَبِّهِ بُكْرَةً وَعَشِيًّا (ان میں سے کوئی ایسا ہوگا جو ایک مہینے میں ایک مرتبہ اپنے پروردگار کو دیکھے گا۔ کوئی ایسا ہوگا جو جمعہ کے دن ایک مرتبہ دیکھے گا۔ اور کوئی ایسا ہوگا جو صبح اور شام برابر اپنے پروردگار کو دیکھتا رہے گا) رَزَقَنَا اللّٰهُ بِفَضْلِهٖ وَكَرَمِهٖ وَلِجَمِيْعِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِحُرْمَةِ أَنْبِيَائِهٖ وَأَوْلِيَائِهٖ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَعَلٰى جَمِيْعِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ وَعَلٰى مَلٰئِكَتِهٖ وَعَلٰى عِبَادِهِ الصَّالِحِيْنَ۔ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ (اے اللہ اپنے فضل وکرم سے ہمیں اور جملہ مومنین اور مومنات کو اس نعمت عظمیٰ کی روزی اور حصہ عنایت فرما اپنے انبیا اور اولیا کی حرمت کے وسیلے اور واسطے سے۔ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے آل واصحاب، اور تمام پیغمبروں اور رسولوں اور فرشتوں اور اپنے تمام نیک بندوں پر درود وسلام اور رحمت نازل فرما۔ اور ہمیں وئی توانائی اور طاقت نہیں سوائے خداوند علی وعظیم کے) والسلام

مناجات

حضرت مخدوم الملک شاہ شرف الدین احمد یحییٰ منیری قدس اللہ سرہٗ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

- الٰھی انت ربی وقوی وانا عاجز الٰھی انت مالکی وانا مملوک

الٰہی عاجز ترین عاجزانم الٰہی جاہل ترین جاہلانم۔ الٰہی نمی دانم تاچہ گونہ رضائے تو جویم الٰہی نمی دانم تاچہ گویم۔ الٰہی عجز و درماندگی من تو می بینی۔ الٰہی حاجتِ من تو می دانی۔ الٰہی من بےچارہ و عاجز ہیچ حیلہ و قوت و وسیلہ نہ دارم وانچہ جز تست ازان بیزارم۔ الٰہی من ضعیف و درماندہ را و من نحیف درہائے رندہ را و منِ مدہوش سیاہ کار گناہ گار را و منِ بدکردار را و منِ القیادِ زمان شیطان را و منِ استادِ مکتب عاصیان را و منِ مدہوش سرگشتہ را و منِ عاجز دربدر گشتہ را و من گنہ گار بداعمال را و منِ خاکسارِ بداعمال را و منِ ثابت ناتمام را و من عہد شکنِ خودکام را و منِ گندم نمائے جوفروش را و منِ زنار دار خرقہ پوش را و من سیاہ روزنامہ سیاہ را و منِ منافق بتبہ کار را بفضل عمیم و لطفِ قدیم خود از بندِ نفسِ امارہ خلاصی دہ و توبۂ نصوحا عطا کن کہ طاقت حضرتِ عدل تو ندارم۔ الٰہی مرا توفیق دہ کہ ترا پرستم کہ بے توفیقِ تو ترا نتوان پرست۔ الٰہی مرا التعریف دہ کہ ترا بشناسم کہ بے تعریفِ تو تر انتوان شناخت۔ الٰہی ضائع کردم عمرِ خویش بران چیز کہ رضائے تو نبود۔ و من نہ دانستم ازان توبہ کردم و بیزار گشتم۔ اے دستگیرِ ہر شکستہ و اے دلیلِ ہر درماندہ و اے زیاد رسِ دشوار ہائے و اے چارہ ساز بےچارگان و اے قبول کنندۂ توبۂ عاصیان و اے پذیرندۂ گریختگان۔ و اے حلیمے کہ حلمِ تو مارا گستاخ کرد و اے رحیمے کہ رحمِ تو مرا بےباک گردانید۔ این گستاخی و بےباکی از ما عفو کن و خلعت مغفرت ہمہ اعضائے مارا بپوشان۔ الٰہی بحق طفیل و تسبیح و تحمید و تمجید جملہ روحانیان و کروبیان۔ الٰہی بحرمت عابدان و زاہدان، الٰہی بحرمت خواصگانِ درگاہِ تو، الٰہی بحرمتِ لاحقان حضرتِ تو۔ الٰہی بحرمتِ غریبانِ شہادت جوانان، الٰہی بحرمت آب دیدۂ عاصیان الٰہی بحرمتِ عفو توبۂ عاصیانِ درگاہِ تو الٰہی بحرمت عز و جلال تو، الٰہی بحرمت عظمت و کمال تو کہ حاجاتِ من و جملہ مسلمانان روا کنی، و ایمانِ مارا در دنیا و آخرت برما

ارزانی داری۔ الہٰی چون دران حجرۂ تنگ و تاریک بے شمع مارا مبتلا کنی ایمان مارا چراغ لحد گردانی بحق لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ لَا مَعْبُوْدَ اِلَّا اللّٰہُ لَا مَحْبُوْبَ اِلَّا اللّٰہُ لَا مَطْلُوْبَ اِلَّا اللّٰہُ لَا مَقْصُوْدَ اِلَّا اللّٰہُ لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ بِرَحْمَتِکَ یَآ اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ۔

ترجمۂ مناجات

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اے اللہ تو ہی میرا رب ہے، تو قوی ہے اور میں عاجز ہوں۔ اے اللہ تو ہی میرا مالک ہے اور میں تیرا مملوک۔ اے اللہ میں عاجزوں میں سب سے زیادہ عاجز ہوں، اے اللہ میں جاہلوں میں سب سے زیادہ جاہل ہوں۔ اے اللہ میں نہیں جانتا کہ کس طرح تیری رضا حاصل کروں، اے اللہ میں نہیں جانتا کہ کیا عرض کروں۔ الہٰی میرے عجز و بیچارگی کو تو دیکھتا ہے۔ الہٰی میری حاجتوں سے تو واقف ہے۔ اے اللہ میں بے چارہ و عاجز ہوں اور کوئی حیلہ قوت اور وسیلہ نہیں رکھتا ہوں۔ مگر تیرے سوا جو کچھ بھی ہے اس سے بیزار ہوں۔

الہٰی! مجھ ضعیف و درماندہ کو، مجھ کمزور اور دربدر ٹھکرائے ہوئے کو، مجھ سیاہ کار گمراہ مدہوش کو، مجھ بدکردار کو، مجھ کو جو شیطان کے حکم کا مطیع و فرمانبردار ہے مجھ کو جو گناہگاروں کے مکتب کا استاد ہے مجھ کو جو مدہوش و سرگشتہ ہے، مجھ عاجز کو جو در در کا ٹھکرایا ہوا ہے اور مجھ گناہگار بدافعال کو، مجھ خاکسار، بداعمال کو مجھ ثابت ناتمام کو، مجھ عہد شکن مطلب پرست کو، مجھ گندم نما جو فروش کو، مجھ زنار دار خرقہ پوش کو، مجھ سیاہ رو سیاہ کار کو، مجھ منافق تباہ کار کو، اپنے فضل عمیم اور لطف قدیم سے نفس امارہ کی قید سے نجات دے اور توبہ نصوح عطا کر۔ اس لئے کہ میں تیرے دربار عدل کی قوت نہیں رکھتا۔ اے اللہ! مجھے توفیق عطا کر کہ میں تیری پرستش کروں۔ اس لئے کہ تیری توفیق کے بغیر تیری پرستش ممکن نہیں۔ اے اللہ! مجھے معرفت عطا کر تاکہ تجھے پہچانوں، اس لئے کہ بغیر معرفت حاصل کئے تجھے

نہیں پہچانا جا سکتا۔ اے اللہ! میں نے اپنی تمام عمر اس چیز کے حصول میں ضائع کر دی جس میں تیری رضا نہ تھی اور اسے میں نہیں جانتا تھا۔ میں نے اس سے توبہ کی اور بیزار ہوا۔

اے دستگیر ہر شکستہ، اے دلیلِ ہر درماندہ، اے مشکلات میں فریاد سننے والے، اے بیچاروں کے چارہ ساز، اے گناہگاروں کی توبہ قبول کرنے والے، اے منکروں کو قبول کرنے والے، اے علیم کہ تیرے حلم نے مجھے گستاخ بنا دیا، اے رحیم کہ تیرے رحم نے مجھے بے باک کر دیا، ہماری اس گستاخی اور بے باکی کو معاف کر دے اور معرفت کی خلعت ہمارے تمام اعضاء کو پہنا۔ اے اللہ! تمام روحانیوں اور فرشتوں کی تمجید و تحمید و تسبیح اور تہلیل کے صدقے میں، اے اللہ! تمام عابدوں اور زاہدوں کی حرمت کے صدقے میں اے اللہ! اپنی درگاہ کے خواص کے طفیل میں، اے اللہ! اپنے لواحقینِ دربار کے واسطے سے، اے اللہ! جوان شہیدوں کی شہادت کے واسطے سے، اے اللہ! گناہگار بندوں کے آنسوؤں کی حرمت کے طفیل، اے اللہ! ان گناہگاروں کے طفیل جنہوں نے تیری بارگاہ میں توبہ کی، اے اللہ! اپنی عزت و جلال کی حرمت کے واسطے سے، اے اللہ! اپنی عظمت و کمال کے صدقے میں میری اور تمام مسلمانوں کی حاجتوں کو پورا کر، ہمارے ایمان کو دنیا و آخرت میں ہم پر زیادہ کر دے، اے اللہ! جب تو اس حجرۂ تنگ و تاریک میں بے شمع ہمیں مبتلا کرے تو اس وقت ہمارے ایمان کو چراغِ لحد بنا دے۔

نہیں ہے کوئی الٰہ مگر اللہ، نہیں ہے کوئی معبود مگر اللہ نہیں ہے کوئی محبوب مگر اللہ نہیں ہے کوئی مطلوب مگر اللہ، نہیں ہے کوئی مقصود مگر اللہ، نہیں ہے کوئی موجود مگر اللہ، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اس کے بندے اور رسول ہیں، اے ارحم الراحمین اپنی رحمتِ کاملہ سے رحمتیں نازل فرما ان پر جو بہترین مخلوق ہیں یعنی ہمارے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور ان کی آل پر اور ان کے تمام اصحاب پر۔

سید محمد نعیم ندوی

لطیف آباد۔ حیدرآباد پاکستان

۷ رجون ۱۹۷۶ء

مناجات

خالقا بے چارہ را ہم ترا	ہمچو مور لنگ درگاہم ترا
بے تنے بے دولتے بے حاصلے	بے نواے بے قرارے بے دلے
دین زدستم رفت دنیا گم شدہ	صورتم ناماندہ معنے گم شدہ
من نہ کافر نے مسلماں ماندہ ام	درمیانِ ہر دو حیران ماندہ ام
نے مسلمانم نہ کافر چون کنم	ماندہ سرگردان و مضطر چون کنم
یارب اشک و آہ بسیاریم ہست	گر نہ دارم ہیچ این یاریم ہست
ہم تنِ زندانیم آلودہ شد	ہم دل محنت کشم فرسودہ شد
ماندہ ام در چاہِ زنداں پاے بست	در چنیں چاہم کہ گیرد جز تو دست
پاک کن این گرد رہ از جانِ من	پس بشوا از اشکِ من دیوانِ من
گرچہ بس آلودہ در راہ آمدم	عفو کن گر حبس دز چاہ آمدم

(اے میرے پروردگار میں تیری راہ میں بے یار و مددگار ہوں۔ تیرے آستانے پر ایک لنگڑی چیونٹی کی طرح پڑا ہوا ہوں۔ میں ایک بے کس غریب اور مفلس ہوں۔ بے ساز و سامان بے دل اور بے چین ہوں۔ دین بھی میرے ہاتھ سے گیا اور دنیا بھی کھو گئی۔ صورت بھی باقی نہیں رہی اور جان بھی کھو بیٹھا۔ میں نہ کافر ہوا اور نہ مسلمان ہی رہ گیا اب ان دونوں کے بیچ میں حیران و پریشان پڑا ہوا ہوں جب میں کافر بھی نہیں اور نہ مسلمان بس پریشان اور بے چین ہوں تو میں کروں تو کیا کروں۔ بارالٰہا میری آہیں بہت ہیں اور آنکھوں میں آنسوؤں کی فراوانی ہے۔ اگرچہ اور کچھ نہیں ہے لیکن یہی دونوں میرے مددگار ہو سکتے ہیں۔ یہ قید میں گرفتار میرا جسم کثافتوں سے آلودہ ہے۔ اور یہ محنت اٹھانے والا میرا دل نحیف و نزار ہو چکا ہے۔ میں کنوئیں کی قید میں مقید پڑا ہوا ہوں ایسے تاریک کنوئیں سے سوائے تیرے اور کون میرا ہاتھ پکڑ کر نکال سکتا ہے راستے کی گرد و غبار سے میری جان کو پاک و صاف کر دے اور میرے ہی آنسوؤں سے میرا نامۂ اعمال دھو دے۔ اگرچہ میرے راستے میں گناہوں سے بہت ہی آلودہ ہو کر آیا ہوں تو مجھے معاف فرما دے۔ کیوں کہ میں دنیا کی قید اور حرص و ہوس کے کنوئیں سے نکل کر آ رہا ہوں)۔

قطعہ تاریخ طباعت

مولانا ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خان صاحب مدفیوضہ و برکاتہ

ایم اے، ایل ایل بی، پی ایچ ڈی۔ ڈی لٹ۔

پروفیسر شعبہ اردو جامعہ سندھ۔ حیدر آباد

۷۸۶

شرف بخشد جہاں شیخ منیری
کہ افشا می کند اسرار مکتوم؛
بہ ہر لفظش مضامین عجیبہ
بہ ہر مکتوب مرِ لاریدِ منظوم
طباعت یافتہ از فکر ایماں
زبور صدقِ مکتوباتِ مخدوم
۱۳۸۸ھ
۱۹۶۸ء

۷۸۶

زہے فیضان مخدوم منیریؒ
کزو باشد جہاں را لطف مقسوم
ہمہ اقوال او درہائے منثور
ہمہ احوالِ او آیاتِ منظوم
رموز حق جہاں روشن نماید
نہ باشد ہیچ کس از فیض محروم
شود ہر بار مکتوبات شائع
شود ہر بار ظاہر سرِّ مکتوم
کمال کاملیں عز و شرف یافت
رموز قدس مکتوبات مخدوم
۱۳۹۶ھ
۱۹۷۶ء

باہتمام نیاز مند محمد شاہد زکی عفی عنہ خلف الصدق جناب حاجی محمد زکی صاحب مدظلہ

ایجوکیشنل پریس پاکستان چوک کراچی میں طبع ہوئی





